مجالس المومنین

مصنف

قاضی سید نور اللہ شوستری شہید ثالثؒ

مترجم

مولانا سید محمد بشیر صاحب

ناشر

عباس بک ایجنسی

درگاہ حضرت عباسؑ رستم نگر، لکھنؤ، انڈیا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

مجالس المومنین

مصنف

قاضی سید نور اللہ شوستری شہید ثالثؒ

مترجم

مولانا سید محمد بشیر صاحب

ناشر

عباس بک ایجنسی

درگاہ حضرت عباسؑ رستم نگر، لکھنو، انڈیا

باسمہٖ سبحانہٗ

نام کتاب : مجالس المومنین
مصنف : قاضی سید نور اللہ شوستری شہید ثالثؒ
مترجم : مولانا سید محمد بشیر صاحب
کمپوزنگ : محمد طاہر اعظمی Mob: 9956784736
ناشر : عباس بک ایجنسی، لکھنؤ، انڈیا
مطبوعہ : ناہید آفسٹ پرنٹرس، دہلی
تعداد : ایک ہزار (1000)
سن طباعت : دسمبر ۲۰۰۸ء
ہدیہ : ۳۰۰ روپے

ملنے کا پتہ

عباس بک ایجنسی

درگاہ حضرت عباسؑ رستم نگر، لکھنؤ، انڈیا
فون نمبر: 0522-2647590 موبائل نمبر: 9415102990
E-mail: abbasbookagency@yohoo.com
Web Site: www.abbasbookagency.com

فہرست

مجلس دوم

مجلس سوم

مجلس چہارم

مجلس پنجم

تمت

حالات وخدمات

شہیدِ ثالث

قاضی علامہ نوراللہ شوستریؒ

علامہ سید ضمیر اختر نقوی (پاکستان)

مختصر تعارف

نام : نوراللہ شوستری

لقب : شہیدِ ثالثؒ

شجرہ : چوتھے امام حضرت علی ابن الحسین سید الساجدین علیہ السلام کی نسل میں آپ ستائیسویں پشت میں تھے

ولادت : ۹۵۶ھ / ۱۵۴۹ء بمقام شوستر (ایران)

تصنیف : "احقاق الحق" اور "مجالس المومنین"

شہادت : ۱۸ جمادی الآخر ۱۰۱۹ھ / ۷ ستمبر ۱۶۱۰ء

سن مبارک: ۵۳ برس

شہیدِ ثالث

علامہ قاضی نور اللہ شوستریؒ

آپ کا نامِ نامی سید علامہ نور اللہ بن سید شریف بن نور اللہ ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ ۹۵۶ء میں ولادت باسعادت ہوئی۔ علماء میں اس جامعیت وکمال وعلم وفضل کے کم عالم گزرے ہیں صاحب شہد الفضیلہ فرماتے ہیں۔

کان المترجم من اکابر علماء العہدا الصفوی معاصر الشیخنا البہائی۔ قد قرونی ستر علی المولی عبد الوحید التتری

سلاطین صفویہ کے بزرگ ترین علمائے دین میں داخل تھے اور علامہ شیخ بہائی کے ہمعصر تھے۔ شوستری میں ملا عبد الوحید شوستری کے شاگرد تھے۔

جناب شہیدؒ کے فرزند ارجمند عطاء الملک بن علامہ نور اللہ نے اپنے خاندان کے علماء کے حالات تحریر فرمائے ہیں جس کا نام محفل فردوس رکھا ہے۔ اس میں اپنے والد ماجد کی سوانح حیات کو بھی تحریر فرمایا ہے۔ ہم مقدمہ صوارم محرقہ سے جس میں شہید کے حالات میں محفل فردوس سے کچھ لیا گیا ہے بعض اقتباسات کو یہاں پیش کرتے ہیں۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت میر نور اللہ مرقدہ ربیع الثانی ۹۷۹ھ میں زیارت امام رضاؑ اور تحصیل علوم وتکمیل نفس قدسی کے لئے شوستر سے مشہد مقدس روانہ ہوئے۔ یکم ماہِ رمضان المبارک ۹۷۹ھ وارد مشہد مقدس ہوئے اور مطالعہ علوم دینیہ ومعارف یقینیہ کے لئے وہیں قیام کا ارادہ فرمایا۔ محقق تجدید علامہ عبد الوحید اور دیگر اعاظم علماء مشہد سے تحصیل علوم وکمالات شروع کیا۔ مسلسل بارہ سال تک وہیں مقیم رہے۔

قاضی صاحب کا شجرہ:

۹۶۵ھ میں قاضی نور اللہ شوستری کا خاندان شہر شوستر (ایران) کے سربرآوردہ مجتہدین کے خاندان میں سے تھا۔ آپ کے آباؤ واجداد اہل تصنیف تھے۔ آپ امام زین العابدین علیہ السلام کی

ستائیسویں اولاد میں تھے۔

قاضی نور اللہ شوستری ابن سید محمد شریف ابن نور اللہ اول ابن محمد شاہ ابن مبارز الدین ابن الحسین، ابن نجم الدین محمود ابن احمد ابن الحسین ابن محمد ابن ابو المفاخر ابن علی ابن احمد ابن ابو طالب ابن ابراہیم ابن یحییٰ ابن الحسین ابن محمد ابن ابو علی ابن حمزہ ابن علی ابن حمزہ ابن ابو علی ابن محمد ابن الحسین ابن الحسن ابن حسین الاصغر ابن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام۔

عہدِ اکبری اور شہید ثالثؒ کی آمد:

قاضی سیّد نور اللہ شوستری ۹۹۲ھ میں جب آپ کی عمر صرف ۳۶ سال کی تھی۔ مشہدِ مقدس (ایران) سے وارد ہندوستان ہوئے۔ یہاں سب سے پہلے حکیم ابوالفتح گیلانی سے ملاقات ہوئی۔ اس زمانہ میں دربارِ اکبری میں علماء اور فضلا کا مجمع رہتا تھا۔ قاضی صاحب کے علم وکمال نے ان کو خوب چمکایا اور جلد انہیں دربار اکبری میں جگہ مل گئی۔ قاضی صاحب کے ہندوستان تشریف لانے کا مقصد مذہب کی تبلیغ تھا۔ اس زمانہ میں ایران میں صفوی خاندان کی حکومت تھی۔ جہاں ان کو ہر قسم کا آرام وسکون میسر تھا۔ اور مزید اقتدار حاصل ہوسکتا تھا۔ خود ہندوستان میں مملکتِ دکن میں شیعہ سلاطین کی حکومت تھی۔ جہاں قاضی صاحب کو چین کی زندگی حاصل ہوسکتی تھی، لیکن آپ نے محض دین کی خاطر مغلیہ خاندان کے دار الحکومت اکبر آباد (آگرہ) کو پسند فرمایا۔

ہندوستان کی تاریخ میں تبلیغِ مذہب حق ودعوت شیعت کے سلسلے میں جو بلند مقام اس سیّد فاطمی، عالم ربانی، مجاہد لاثانی، صاحبِ حیاتِ جاودانی۔ جناب شہیدِ ثالث کا ہے وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ دراصل شہید رضوان اللہ کا یہ خصوصی شرف ہے جو ان کو تمام ایسے علماء میں ممتاز بنا دیتا ہے جنھوں نے ہندوستان میں تبلیغ وحمایت مذہب حق کا کام کیا۔

ہندوستان میں تبلیغ مذہب شیعہ اور اس کے روابط کی ایک طویل داستان ہے۔ مختصر یہ کہ سرزمین ہند سے شیعت کا تعارف عہدِ خلافت امیر المومنینؑ ہی میں ہو چکا تھا۔ اوائل ۳۹ھ میں سندھ زیر اقتدار امارتِ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ آچکا تھا۔ (فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۳۸ طبع مصر) اس زمانہ میں ہند میں شیعیت کا رواج ہو رہا تھا۔ ''شنشب کی نسل'' جو دوست داران علیؑ وموالیانِ اہلِ بیتؑ سے جو ہندوستان کے قریبی وسرحدی مقامات پر قابض تھے۔ اس خاندان کا پہلا شخص ''شنشب'' تھا۔ جس نے اپنے قدیمی ہندی آریائی مذہب (بدھ مت) کو ترک کر کے دستِ حق پرست امیر المومنینؑ پر اسلام کو قبول کر لیا تھا اور حضرت نے اس کو اپنی جانب سے ان اطراف کا حاکم بنایا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ دورِ خلافت امیر المومنینؑ میں ایسے ہندوستانی جاٹوں (جن کو عرب مورخین ''زط'' کے نام سے یاد کرتے ہیں) کی بھی ایک نو آبادی عراق میں پائی جاتی تھی۔ جو امیر المومنینؑ کے شیدائی تھے۔ جس وقت امیر المومنینؑ نے بصرہ کو فتح کیا تو ان ہی جاٹوں کے ایک دستہ کو بصرہ کے خزانہ کا محافظ قرار دیا تھا۔ یہ لوگ

موالیان علیؑ سے تھے۔ (مقدمہ آئینہ حقیقت نما اکبر شاہ خاں جلد اوّل صفحہ ۵۵) یہ روایت بھی کتب فضائل مین ملتی ہے کہ سید الشہداء نے کربلا میں اشقیا سے یہ خواہش ظاہر فرمائی تھی کہ آپ کو ہندوستان چلا جانے دیا جائے۔ (المنتخب فی جمع المراثی والخطب علامہ شیخ فخر الدین طریحی) ان امور کے علاوہ خاندان رسالت کو ہندوستان سے ایک سببی رشتہ بھی ہو جاتا ہے وہ یہ کہ امام زین العابدین علیہ السلام کی ایک سندھی زوجہ بھی تھیں۔ جن کے بطن سے حضرت زید شہید پیدا ہوئے۔ (کتاب المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۷۳ طبع مصر) زید الشہید عبد الرزاق نجفی صفحہ ۵ طبع نجف) زید شہید کے ساتھ قتل ہو کر جو مصلوب ہوئے ان میں ایک مجاہد زیاد ہندی بھی تھے۔ (مقاتل الطالبین ابوالفرج اموی صفحہ ۱۰۵ طبع نجف) اسی عہد میں حضرت عبداللہ الاشتر بن محمد بن عبداللہ بن الحسن المثنیٰ ابن امام حسنؑ اپنے پدر بزرگوار جناب نفس الزکیہ کی شہادت ۱۴۵ھ کے بعد عیسیٰ بن عبداللہ بن مسعدہ شعبی کے ہمراہ سندھ تشریف لائے تھے۔ سرزمین ہند میں دریائے سندھ کے کنارے خلیفہ عباسی منصور دوانیقی کے حکم سے اولادِ رسولؐ کا سب سے پہلا خون جو بظلم و ستم بہایا گیا وہ عبداللہ اشتر ہی کا ہے جن کی لاش کو دریائے سندھ میں بہا دیا گیا۔ (تاریخ طبری ۲۲۸ طبع مصر تاریخ الکامل ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۲۰ طبع مصر) اسی عہد میں جناب قاسم بن ابراہیمؑ بن اسماعیل الدیباج بن ابراہیم الغمر بن الحسن المثنیٰ بن امام حسنؑ بھی اپنی جان بچا کر ملتان کے قریب ''خان'' تک تشریف لائے۔ اسی عہد میں جعفر بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر الاطرف بن امیر المومنین علی علیہ السلام بھی حجاز سے ملتان تشریف لائے جن کے ہمراہ ان کی تیرہ اولادیں بھی تھیں۔ (عمدۃ الطالب جمیل الدین ابن مہنا داؤدی صفحہ ۳۳۲ طبع بمبئی) ہندوستان سادات و شیعوں کا صرف جائے پناہ ہی نہ تھا بلکہ ہندی نژاد مذہب قبول کر کے آئمہ معصومین علیہ السلام کے حلقہ درس میں شامل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ امام جعفر صادقؑ کے حلقہ درس میں جہاں اور ملک و قوم کے تشنہ کامان علوم تھے ان میں چند ہندوستانی بھی موجود تھے۔ فرج سندھی، خلاد سندھی، ابان سندھی، وغیرہ ہم۔ ایک طبیب ہندی جو فلسفہ کا بڑا ماہر تھا اور منصور کے دربار میں ہندوستان سے طلب کیا گیا تھا۔ وہ بھی امام جعفر صادقؑ سے طبیعاتی مسائل پر بحث و تمحیث کے بعد داخل اسلام ہو گیا تھا۔ (حدیث مفضل بحار الانوار) کہاں ہمارے اسلاف کا یہ جذبہ کہ وہ کفار و اغیار میں اس لیے گھستے تھے کہ تبلیغ دین کریں اور کہاں ہمارا بیسویں صدی کا یہ نظریہ کہ کفار میں رہنے کو اپنے ایمان و اسلام کے لیے خطرہ کا باعث سمجھتے ہیں۔

حکیم فتح گیلانی نے قاضی نور اللہ شوستری کا اکبر سے غائبانہ تعارف کرایا اور اکبر نے قاضی صاحب کو بلانے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ آغاز ۱۸۹۶ء قاضی صاحب ہندوستان تشریف لائے۔ قاضی صاحب کو معلوم تھا کہ مجھے ہندوستان آنے کی دعوت کیوں دی گئی ہے۔ انہیں فتح گیلانی نے مراسلات کے ذریعے پہلے ہی ہندوستان کے حالات بتا دیئے تھے۔ قاضی صاحب نے بالا علان اپنی شیعیت کا اظہار کیا اور مذہب امامیہ کی تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ تقیہ میں گرفتار تھے انہوں نے اپنی شیعیت کو ظاہر کیا اور کثیر تعداد میں لوگوں نے مذہب امامیہ اختیار کرنا شروع کر دیا۔ آپ کی

تصنیف کردہ کتاب ''مجالس المومنین'' کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف مقامات مثلاً لاہور، کشمیر، دہلی، ملتان، گجرات اور سندھ میں جو تقیہ میں چھپے ہوئے تھے وہ اعلانیہ نمایاں ہو گئے۔ ہمیں یہ کہنے میں کوئی پس و پیش نہیں ہے کہ آج ہندوستان میں جو کثیر تعداد شیعوں کی ہے یہ سب نتیجہ قاضی صاحب علیہ الرحمہ کے فیض روحانی کا نتیجہ ہے۔

ہندوستان میں پہلی بار محفلِ میلاد النبیؐ:

قاضی صاحب نے اکبر کو آمادہ کیا کہ وہ محفل میلاد النبیؐ منعقد کرے۔ چنانچہ فتح پور سیکری میں پہلی بار بڑے پیمانے پر محفل النبیؐ قاضی صاحب اور ان کے احباب کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ جس کا تذکرہ ''سیر المتاخرین'' میں ہے۔ چنانچہ حاسدوں میں سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ اکبر کے دربار کے دو مخصوص آدمی جن کی وجہ سے اکبر اور اس کی سلطنت کے حالات ابتر ہو گئے تھے وہ دونوں بزرگ شیخ عبداللہ مخدوم الملک اور عبدالنبی صدر الصدور تھے۔ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ ان دونوں میں ایک جس فعل کو حرام بتلاتا تھا دوسرا اسی کو حلال کہہ دیتا تھا۔ ان دونوں کی کشمکش ہی کے نتیجے میں شہنشاہ بد اعتقاد اور اسلام سے منحرف ہو گیا تھا مگر قاضی صاحب کی کوششوں سے اکبر تیز رفتاری کے ساتھ پھر اسلام کی طرف لوٹنے لگا۔ دربار میں آزادنہ مذہبی مباحثے ہونے لگے۔

مخدوم الملک اور عبدالنبی کا حشر:

شہنشاہ اکبر کو شیخ عبداللہ مخدوم الملک اور عبدالنبی صدر الصدور سے ان کے غلط طریقہ کار سے اس درجہ نفرت ہو گئی تھی کہ وہ ان دونوں کو دیکھنا تو درکنار ہندوستان میں رہنا بھی پسند نہ کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ تم دونوں مکہ چلے جاؤ۔ ہندوستان کو خالی کر دو۔ چار و نا چار ان دونوں کو ہندوستان چھوڑنا پڑا۔ مکہ معظمہ پہنچ کر ان دونوں نے بلا اعلان اکبر کی برائیاں شروع کر دیں۔ اسی دوران ان کو خبر ملی کہ اکبر کا چچا زاد بھائی محمد حکیم مرزا باغی ہو کر لاہور کا محاصر کئے ہوئے ہے۔ اس خبر سے انہیں دوبارہ اقتدار کی امید ہوئی اور وہ ہندوستان پہنچے کہ حکیم مرزا کا ساتھ دیں۔ جب احمد آباد پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ محمد حکیم مرزا کو شکست ہوئی۔ اکبر کو بھی مخدوم الملک اور صدر الصدور کے باغیانہ خیالات کی اطلاع مل چکی تھی چنانچہ ان دونوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ مخدوم الملک تو جالندھر ہی میں خوفِ سلطانی سے فوت ہو گئے اور عبدالنبی صدر الصدور کو دربارِ اکبری میں لایا گیا اور راجہ ٹوڈرمل کی نگرانی میں دفتر خانہ کی کچہری میں دو سال قید رہے اور ۹۹۲ھ میں قید خانہ میں ہی ختم ہو گئے۔ (از منتخب التواریخ)

دربارِ اکبری میں آفتابِ علم:

اکبر کے دربار میں قاضی صاحب نے اپنے علم کا سکہ بٹھا دیا۔ اسی زمانے میں اکبر کو یہ اطلاع ملی

کہ معین الدین قاضی ضعیف العمر ہونے کی وجہ سے صحیح کام کرنے سے معذور ہیں۔ رشوت ستانی کا بازار گرم تھا جس سے رعیت عاجز تھی۔ مرزا افولاد برلاس کا واقعہ بھی ہو چکا تھا چنانچہ اکبر نے لاہور پہنچ کر جناب قاضی صاحب کو قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں قاضی صاحب علیہ الرحمۃ کے انصاف وحق پرستی کا ڈنکا بجنے لگا۔ ہر خاص وعام خواہ موافق ہو مخالف ان کے فیصلے سے مطمئن رہتا۔ اکبر بھی مطمئن تھا اور مداخلت نہیں کرتا تھا۔ مگر قاضی صاحب کی ہر دل عزیزی چند متعصبین کو خار کی طرح کھٹک رہی تھی لیکن اکبر کی عالی دماغی کے سامنے متعصبین مجبور ولاچار تھے۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد شہنشاہ اکبر نے قاضی صاحب کو ذمہ دار بندوبست بھی مقرر کر دیا اور قاضی صاحب نے اس اہم کام کو بھی اس خوبی سے انجام دیا کہ صفحات تاریخ کو ان کی مدح سرائی کرنا پڑی۔

اب وہ زمانہ تھا کہ قاضی صاحب کے گروہ کے علماء اور فضلاء یکے بعد دیگرے جدا ہو چکے تھے اب نہ وہ وقت تھا نہ ابوالفتح گیلانی موجود تھے نہ حکیم شاہ فتح اللہ شیرازی نہ شیخ مبارک اور نہ ان کے صاحبزادے۔ اب تنہا قاضی صاحب تھے جن کے ذمہ ملک کی پوری ہدایت تھی اور متعصب اور خود غرض علماء کا مقابلہ اکبری دور کا آخری زمانہ تھا۔ رفتہ رفتہ وہ دن آ ہی گیا کہ ۱۰۱۴ھ میں اکبر نے انتقال کیا اور اس کا بیٹا سلیم تخت نشین ہوا جس نے جہانگیر کا لقب اختیار کیا۔

جہانگیر کی تخت نشینی:

جہانگیر شروع سے عیش پسند اور آرام طلب تھا۔ سیر وشکار کا شوقین اور مے نوشی میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ تاریخ جلوس ۱۴ جمادی الثانی اور پنجشنبہ بعمر ۳۷ سال ہے۔

جلوس کے وقت دربار میں علاوہ دیگر علماء اور وزراء کے مرزا غیاث بیگ اور سید فرید بخاری بھی تھے جو مذہب شیعہ رکھتے تھے۔ مرزا غیاث بیگ جو نور جہان کے والد تھے اور عہدہ وزارت پر فائز تھے۔

بعد جلوس جہانگیر نے فرید بخاری کو میر بخشی کا اور مرزا غیاث بیگ کو اعتماد الدولہ کا خطاب دیا۔

قاضی صاحب کا زمانہ مشکلات:

اکبر کے انتقال کے بعد جہانگیر کے دربار کا رنگ اور تھا۔ دربار اکبری کی تمام خوبیاں محو ہو چکی تھیں۔ شراب خوری نفس پروری یہ اس کے مشاغل تھے اور مملکت سے بے خبر نور جہاں کے عشق اور شیر افگن کو قتل کر کے اس کے حاصل کرنے کی ادھیڑ بن میں اپنے جلوس کے پہلے روز سے پڑا ہوا تھا۔ چنانچہ میدان خالی پا کر متعصب لوگوں کو موقعہ ملا۔ اکبر کے زمانے میں بھی قاضی صاحب علیہ الرحمۃ کی شکایت اکبر تک پہنچائی گئیں مگر اکبر کے تدبر نے کبھی اس کا موقع نہیں دیا کہ لغو شکایات پر کوئی ضرر قاضی صاحب کو پہنچایا جا سکتا لیکن بے خبر اور سلطنت سے غافل جہانگیر کے پاس بد باطن درباریوں نے زیادہ آزادی سے شکایتیں پہنچائیں اور کمزور طبیعت بادشاہ جہانگیر ان شکایت سے متاثر ہو گیا۔

قاضی صاحب کو شہید کرانے کی منظم سازش:

جہانگیر کو تخت سلطنت پر بیٹھے پانچ سال گزر چکے تھے اور اس دوران قاضی صاحب کے خلاف بہت سی کاروائیاں کی گئیں مگر کارگر نہیں ہوئی تھیں۔ آخر کار مخالفین نے ایک آدمی کو آمادہ کیا کہ وہ قاضی صاحب کی شاگردی اختیار کرے چنانچہ وہ آدمی قاضی صاحب علیہ الرحمہ کے پاس آیا اور خود کو شیعہ ظاہر کر کے شاگردی کی خواہش کی اور شاگرد ہو گیا۔ رفتہ رفتہ قاضی صاحب کو اتنا اعتماد ہو گیا کہ آپ اپنی کتابیں، مجالس المومنین اور احقاق الحق وغیرہ جو اس زمانے میں لکھ رہے تھے اس نئے شاگرد سے لکھوانی شروع کیں اور اس شخص نے ان تصانیف کی نقلیں خفیہ طریقہ سے کر کے مخالفین تک پہنچانا شروع کیں۔ ایسے موقعہ پر مخالفین نے ایک ایسا مضمون جو جہانگیر کو مشتعل کر سکتا تھا تیار کر کے اس شاگرد کے ذریعے قاضی صاحب کی کتاب میں تحریر کرا دیا جس کا کوئی ربط کتاب سے نہ تھا مگر اس مضمون نے شراب خوار بادشاہ جہانگیر کے قلم سے نشہ کی حالت میں مخالفین کے مقصد کو پورا کر دیا۔ جب یہ عبارت کتاب میں تحریر ہو گئی تب دشمنوں نے قریبی شاگرد ہی کے ذریعے کتاب کو اپنے قبضے میں کر لیا اور پھر انہی لوگوں نے ایک کمیٹی بنا کر ایک محضر تیار کیا جس پر تقریباً ۵۴ آدمیوں کے دستخط ہوئے جس میں ۴ سزائیں تحریر کی گئیں۔

۱۔ خاردار درے لگائے جائیں۔

۲۔ گدی سے زبان نکلوا دی جائے۔

۳۔ سیسہ پگھلوا کر پلوایا جائے۔

۴۔ سرتن سے جدا کیا جائے۔

جس جگہ یہ محضر تیار کیا گیا تھا وہ ایک مسجد ہے جو سکندر لودھی کے نام سے مشہور ہے اور کلکٹری کچہری آگرہ کے پاس ہے۔

جہانگیر نے بلا سوچے سمجھے نشہ شراب کی بدمستی میں اس حکم پر دستخط کر دیئے۔ اب کیا تھا سلسلۂ سیادت کا ایک تابندہ گوہر موردِ زوال آ گیا۔ مدتوں جو خار متعصبین کے دلوں میں کھٹک رہا تھا اس کے دور ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ جلادوں کے پہرے میں آپ بے رحم مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کئے گئے اور آپ کو قتل کی خبر سنائی گئی۔ سرزمین آگرہ پر اس عالم دین کا جو اپنے زمانے میں محمدؐ وآل محمدؐ کا بہترین خاندانی نمائندہ تھا اور ملک ہندوستان کے باشندگان کی خدمتِ حقیقی کے لئے اپنے اہل سے دور ترک وطن کر کے بحیثیت مہمان بلایا گیا تھا۔ اپنے خاندان کے شہیداء ماسلف کی روایات کو شہید ظلم ہو کے پورا کر رہا تھا۔

قاضی صاحب نے سبب قتل دریافت کیا مگر انہیں نہیں بتایا گیا۔ وقت عصر تھا اور ۱۸ جمادی الاول ۱۰۱۹ھ بروز جمعہ آپ نے نماز ادا کرنے کی مہلت چاہی جو بدقت تمام دی گئی۔ بعد فراغت نماز اس شہید راہ حق نے سر تسلیم جھکا دیا اور ظلم کی تمام منزلیں اپنے اوپر طے کرالیں۔ شہید کی لاش مبارک بے گور و بے کفن کئی روز تک اسی جگہ پڑی رہی جو شہر میں سب سے زیادہ متعفّن مقام تھا اور اس بات کا اہتمام کیا گیا تھا کہ کسی کو اس واقعہ کی اطلاع نہ ہو اور اگر ہو بھی جائے تو کوئی بھی لاش مبارک تک جانے نہ پائے۔ کئی روز بعد گوالیار میں ایک ایرانی شیعہ سردار نے خواب میں سیدہ کونین صلوٰۃ اللہ کی زیارت کی اور جن کی زبانی اسے حکم ملا کہ آگرہ جا اور میرے فرزند کی لاش جو بے گور و کفن پڑی ہوئی ہے اسے دفن کر۔ چنانچہ مرد مومن اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ آگرہ آیا اور جہانگیر سے لاش کو دفن کرنے کی اجازت لی۔

سید راجو بخاری جن کا ذکر مجالس المومنین میں خود قاضی صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے جو قاضی صاحب کے گہرے دوست تھے انہوں نے قاضی صاحب کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور لاش مبارک کو سپرد خاک کیا۔ سید راجو بخاری جنہوں نے فیصلہ کیا کہ میں اپنی عمر قاضی صاحب کی قبر کی مجاوری میں بسر کروں گا مگر انہیں بھی مخالفین نے اس کا موقعہ نہ دیا اور ان بزرگ کو مجبور کیا کہ وہ قصبہ باڑی (ریاست دھول پور) چلے جائیں۔ چنانچہ سیّد صاحب دھول پور چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔

سفر ہندوستان و عہدہ ٔقاضی القضاۃ:

علامہ عطا الملک فرماتے ہیں کہ کثرت آلام و افکار و مصائب کے سبب سے آپ نے یکم شوال ۹۹۰ھ کو ہندوستان کا سفر کیا وہاں مقربان جلال الدین محمد اکبر بادشاہ ہند میں داخل ہوگئے۔ بادشاہ موصوف ان کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا جس کی وجہ سے بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز فرمایا۔ جیسے عہدہ قاضی القضاۃ فوج وغیرہ۔

صاحبِ نجوم السماء کتاب منتخب التواریخ ملا عبدالقادر حالات علماء دربار اکبری سے نقل کرتے ہیں کہ قاضی نور اللہ شوستری اگرچہ شیعی مذہب ہیں لیکن بہت زیادہ صفت انصاف و عدالت و نیک نفسی و حیا و تقویٰ و صفت اوصاف اشراف سے متصف ہیں اور علم و حلم و جودت فہم میں تیزی طبیعت و صفائے باطن و ذکاوت و ذہانت میں مشہور ہیں۔ اچھے تصانیف کے مالک ہیں۔ تفسیر بے نقط شیخ فیضی پر ایک تفریظ لکھی ہے جو حد تعریف و توصیف سے باہر ہے۔ ذوق نظم بھی رکھتے ہیں اور اچھے اشعار کہتے ہیں۔ حکیم ابوالفتح کے ذریعے سے دربار شاہی میں داخلہ ہوگیا اور جب شاہی سواری لاہور وارد ہوئی شیخ معین قاضی لاہور پیرانہ سالی و ضعف سے دربار شاہی میں گر پڑے تو بادشاہ کو ان کے بڑھاپے پر رحم آیا اور فرمایا کہ شیخ اب

کام کرنے کے لائق نہیں ہیں۔ قاضی نور اللہ ان کی جگہ پر معین کئے جائیں۔ امر حق یہ ہے کہ موصوف نے مفتیان بے حیا و بے شرم و محتسبا بدنفس لاہور کو جو معلم الملکوت کو بھی سبق پڑھا دیا کرتے تھے۔ اچھی طرح ضابطے کے اندر لے آئے اور ان پر رشوت کے راستوں کو بند کر دیا۔ جس سے بالاتر تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حسبِ ذیل شعر کے شاعر نے آپ ہی کو مراد لیا ہے۔

توئی آں کس کے منکر دہی بہمہ عمر قبول در قضاء ہیچ ترکس غیر شہادت زکوٰۃ

جناب شہید کے متعلق ایک جلیل القدر سنی عالم کے یہ خیالات ہیں جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

ذکاوت و ذہانت اور حاضر جوابی:

جناب شہید کے فرزند ارجمند نے محفل فردوس میں آپ کی حاضر جوابی اور مذکرات علمیہ سے موصوف کی ذکاوت و ذہانت اور جلالت علمی کا پتا چلتا ہے جن میں سے ایک واقعہ جناب شہید کے زمانۂ طالبِ علمی کا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ جناب شہید نے حاشیہ ٔبیضاوی پر تحریر فرمایا ہے کہ جب سید فاضل امیر عزالدین فضل اللہ یزدیؒ زیارت مشہد مقدس سے مشرف ہوئے تو ایک دن میرے عم نامدار مرحوم کی خدمت میں بھی تشریف لائے۔ دیگر اکابر و اعیان کے ساتھ میں بھی وہاں حاضر تھا۔ سیّد مذکور نے اپنے سفرِ حج کے حالات و واقعات کو بیان کرنا شروع کیا۔ حرمین شریفین میں جن علما و اکابر سے ملاقات ہوئی تھی ان کا حال بیان کیا اور شیخ ابوالحسن بکری شافعی مصری کے فضل و انصاف و متعصب مذہبی سے اجتناب کے واقعات ذکر کئے اور کہا میں ان سے اکثر اوقات ملتا رہتا تھا اور مذہب اہل سنت و شیعہ کے مشکل ترین مسائل شرعیہ کو دریافت کیا کرتا تھا وہ مجھے اچھے جوابات دیا کرتے تھے۔ منجملہ ان مسائل کے یہ مسئلہ بھی تھا کہ شیعوں کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ انبیاء قبل و بعد معصوم تھے۔ حالانکہ قبل بعثت شریعت اور دین کا وجود نہیں تھا جس کے احکام سے ان سے مواخذہ کیا جاتا۔ انہوں نے جواب دیا کہ شیعوں کی مراد یہ ہے کہ مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ ایسی فطرت سلیمہ اور طبیعت پاکیزہ رکھتے تھے کہ اگر قبل بعثت شریعت بھی ہوتی تو پھر بھی آپ سے کوئی ایسی بات واقع نہ ہوتی جو اس شریعت کے اعتبار سے قابل مواخذہ ہوتی۔ سیّد مذکور سے جب میں نے یہ جواب سنا تو میرے ذہن میں اس سے بھی قوی جواب آیا لیکن میں اسی زمانے میں تحصیلات علوم میں مبتدی تھا اور شرح ہدایت الحکمت اور اسی کی مانند کتابیں پڑھ رہا تھا اس لئے ان فاضل بزرگ کی ہیبت کلام کرنے سے مانع ہوئی لیکن جب میں بہت تنگ دل ہوا اور مجھ میں سکوت و صبر کی طاقت نہ باقی رہی تو میں نے اپنے عم محترم کی موجودگی میں عرض کیا کہ شیعوں کو

اس اشکال کے جواب کے لئے شیخ وعالم اہل سنت کے پاس اس جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اصول شیعہ امامیہ میں قاعدہ حسن وقبح عقلی داخل ہے۔ اس لئے کہ اس فرض کی بناء پر شریعت موجود نہیں۔ قبل بعثت اگرچہ مواخذہ شریعہ نہیں ہوتا ہے لیکن قاعدہ حسن وقبح وعقلی کے سبب سے مواخذہ کا ہونا موجود ہے۔ لہٰذا معصوم ہونا ضروری ہے۔ حاضرین نے اس جواب کو پسند کیا اور میری بڑی تعریف کی۔ الحمد اللہ رب العالمین موصوف نے اور بھی واقعات ذکر کیے ہیں لیکن اختصار کے سبب ہم ان کو ترک کرتے ہیں۔

سببِ شہادت:

صاحب نجوم السماء فرماتے ہیں کہ تذکرے نے بعض موثق افراد سے روایت کی ہے کہ سید مذکور ہمیشہ مخالفین میں تقیہ کرتے تھے اور اپنے مذہب کو ان سے مخفی رکھتے تھے۔ مسائل فقہ میں اہل سنت کے چاروں مذہبوں میں مہارت ودستگاہ رکھتے اس لئے اکبر بادشاہ اور اکثر لوگ انہیں سنی سمجھتے تھے۔ جب اکبر بادشاہ کو ان کے علم وفضل ولیاقت کا حال معلوم ہوا تو انہیں قاضی القضاء کا عہدہ سپرد کیا۔ جناب سیّد شہید فرماتے ہیں کہ میں اس شرط سے اس منصب کو قبول کروں گا کہ چاروں مذاہب یعنی شافعی، حنفی، حنبلی، مالکی میں سے جس مذہب کا مسئلہ میرے رائے واجتہاد کے مطابق ہوگا اس کے موافق قضایا میں فتویٰ دوں گا چونکہ میں قوت نظر واستدلال رکھتا ہوں اس لئے حکام میں کسی کی پابندی نہیں کروں گا لیکن اپنے اجتہاد میں چاروں مذہبوں میں سے کسی مذہب سے باہر نہیں جاؤں گا۔ بادشاہ نے اس شرط کو قبول کرلیا۔ جناب قاضی صاحب علیہ الرحمہ ہمیشہ مذہب امامیہ کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور اگر کوئی اعتراض کرتا تھا تو ثابت فرمادیتے تھے کہ میرا فتویٰ مذاہب اربعہ سنیہ میں سے فلاں مذہب کے مطابق ہے۔ پس بعض فتوے تو مذہب شافیہ کے مطابق ہوتے تھے اور بعض مذہب حنفیہ کے مطابق ہوتے تھے اور بعض مالکیہ و حنبلیہ کے مطابق ہوتے تھے۔ قاضی صاحب ہمیشہ اسی طرح احکام امامیہ کو جاری کرتے تھے اور پوشیدہ طور سے تصنیف وتالیف میں مشغول رہتے تھے۔ جب اکبر بادشاہ نے وفات پائی اور اس کی جگہ جہانگیر بادشاہ تخت سلطنت پر بیٹھا تو قاضی صاحب بدستور اپنے عہدے پر باقی رہے لیکن مقربین جہانگیر بادشاہ میں سے بعض علماء کو معلوم ہوا کہ قاضی صاحب مذہب شیعہ رکھتے ہیں انس نے بادشاہ سے شکایت کی اور کہا کہ فتویٰ میں مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کے پابند نہیں ہیں اور ہر مسئلہ میں جو مسئلہ مذہب امامیہ کے مطابق ہوتا ہے اس کے موافق فتویٰ دیتے ہیں۔ بادشاہ نے اس بات کو ناپسند کیا اور کہا کہ یہ چیز ان کی شیعت کو ثابت نہیں کرتی۔ اس لئے کہ انہوں نے پہلے ہی روز یہ شرط کرلی تھی کہ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کا پابند نہیں رہوں گا بلکہ ان سے جس کے مطابق میری رائے ہوگی حکم کروں گا۔ یہ سن کر علماء مخالفین

اس فکر میں رہے کہ کس طرح ان کی شیعت کو بادشاہ پر ثابت کریں اور ان کے قتل کا حکم بادشاہ سے حاصل کریں۔ چنانچہ ایک شخص کو قاضی صاحب کے پاس بھیجا کہ ان پر اپنی شیعت کو ظاہر کرے اور قاضی صاحب کی تصنیف کو حاصل کرے۔ وہ شخص قاضی صاحب کے پاس آیا اور اپنی شیعت کا اظہار کیا اور قاضی صاحب کے تلامذہ میں داخل ہوگیا۔ ایک عرصہ تک اسی طرح قاضی صاحب کے پاس رہا۔ موصوف کو اس پر بہت زیادہ اعتبار ہوگیا۔ یہاں تک کہ وہ کتاب مجالس المومنین پر مطلع ہوا اور بڑے اصرار وراز داری سے کتاب مذکور کو قاضی صاحب سے حاصل کیا۔ اسے اپنے گھر پر لایا اور نقل کر کے پوشیدہ طور سے علماء مذکورین کے پاس پہنچادیا۔ ان لوگوں نے اس کتاب کو قاضی صاحب کے اثباتِ شیعت کا ذریعہ قرار دیا اور بادشاہ نے کہا کہ اس رافضی نے ایسا لکھا ہے تو حد شرعی جاری کئے جانے کا مستحق ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ فلاں مقدار میں درہ خاردار لگانا چاہیئے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم لوگوں کو اختیار ہے۔ ان لوگوں نے نہایت عجلت کے ساتھ جناب قاضی صاحب پر یہ ظلم وستم کیا کہ آپ شہید ہوگئے۔ آپ کی شہادت شہر اکبر آباد (آگرہ) میں واقع ہوئی وہیں آپ کا مزار مقدس واقع ہے اور لوگ اس کی زیارت سے مشرف ہوتے رہتے ہیں۔

ہم کو صاحب نجوم السماء کے اس قول سے اتفاق نہیں ہے کہ شہید علیہ الرحمہ ہندوستان میں تقیہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ممتاز محقق اور عالم دین علامہ سید سبط الحسن تذکرہ مجید صفحہ ۴۴ پر تحریر کرتے ہیں کہ:

شہید کا تقیہ نہ کرنا:

شہید علیہ الرحمہ نے اپنے لئے تقیہ کو ضروری نہیں سمجھا بلکہ اپنے مذہب وعقیدے کو اعلانیہ ظاہر کیا۔ جیسا کہ میں عرض کرچکا ہوں کہ ملا عبدالقادر بن ملوک شاہ بدایونی نے صاف صاف منتخب التواریخ جلد سوم صفحہ ۱۳۸۔۱۳۷ پر یہ بتلایا ہے کہ وہ شیعی مذہب نہیں ہیں اور آپ کا مذہب ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ آپ کے تقیہ نہ کرنے پر مہر یوسف علی استر آبادی اخباری نے اعتراض بھی کیا ہے جس کا جواب شہید علیہ الرحمہ نے اپنے مکتوب میں مدلّل ومشرح تحریر فرمایا ہے۔ آپ کی تحریر کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے۔ فقیر کے اعتقاد میں بہ عہد حکومت شہنشاہ عادل (اکبر اعظم) ہندوستان کے دار الحکومت میں تقیہ کرنے کا کوئی محل نہیں ہے۔ اس لئے نصرت مذہب حق مجھے ایسے شخص کا قتل کردیا جانا دین کی عزت کا سبب ہے اور صاحب شریعت حقہ نے اجازت دی ہے کہ ایسا شخص تقیہ نہ کرے لیکن دوسرا شخص جو اہل دین میں کوئی بلند مقام نہیں رکھتا اور مجہول الحال ہے اور دین کی نصرت وحامیت میں معقول بات نہیں کہہ سکتا اس پر واجب ہے کہ تقیہ کرے۔ (جواب مکتوب دہم میر یوسف علی) رہے جناب شہید علیہ الرحمہ کے اسباب شہادت تو اس

کے بارے میں معاصر الشیخنا البهائی وقتل سبب تالیف احقاق الحق جناب شیخ بہائی کے معاصر تھے اور تالیف احقاق الحق کے سبب شہید کئے گئے۔ جناب علامہ علاء الملک نے محفل فردوس میں آپ کی شہادت کے بارے میں ایک قطعہ تاریخ میں نقل کیا ہے جس سے تاریخ شہادت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں:

سر اکابر آفاق میر نور اللہ — سپہر فضل وحید زمانہ پاک سرشت
بہ نیمہ شب بست وشش ربیع آخر — ازین خرابہ رواں شد قصر بہشت
چو دل زفکر طلب کرد سال تاریخش — خرد بصفحہ دہر افضل العباد نوشت

۱۰۱۹ھ

۲۶ ربیع الثانی ۱۰۱۹ھ کو آپ کی شہادت واقع ہوئی لیکن میرزا محمد ہادی صاحب عزیز تحریر کرتے ہیں کہ یہ واقعہ ۱۸ جمادی الآخر بروز جمعہ ۱۰۱۹ھ میں واقع ہوا۔ جناب قاضی صاحب نے تریسٹھ برس دنیا میں زندگی گزاری۔

تاریخ وفات:

عہد مغل شاہی کے مشہور بزرگ شاہ مظہر الحق ترمذی اکبر آبادی نے شہید کا قطعہ تاریخ کہا ہے:

میر نور اللہ عالی انتساب — دیں زمانہ بادل آگہ شدہ
سال قتلش مظہر الحق ز د رقم — عدن جائے میر نور اللہ شدہ

اس قطعہ کے مصرعہ ثانی میں ۱۸ حروف ہیں جس سے قمری ماہ کی اٹھارہ تاریخ بنتی ہے۔ مصرع ثالث کے پہلے دو لفظ ''سال قتلش'' میں سات حروف ہیں جس سے ہفتے کا روز ہفتم یعنی جمعہ مراد لیا ہے۔ درمیان میں مصنف کا نام ہے۔ زدرقم میں پانچ حروف ہیں جس سے سال کا پانچواں مہینہ یعنی جمادی الاخر مقصود ہے۔ مصرح چہارم سے ۱۰۱۹ھ نکلتے ہیں۔ (شہید ثالث صفحہ۔ ۱۸)

مولانا سعادت حسین خاں مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

میرے نزدیک شہید کے فرزند نے محفل فردوس میں جو کچھ تحریر کیا ہے۔ بغیر کسی دلیل کے ان تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔

قاضی صاحب کا دفن:

جناب مولوی محمد ہادی صاحب عزیز مرحوم نے شہید ثالث میں صفحہ ۱۹ میں واقعہ دفن کے بارے میں تحریر فرمایا کہ:

ایک ایرانی سردار جو اس زمانے میں ریاست گوالیار میں مقیم تھا خواب میں پیغمبر اسلام کی بیٹی فاطمہ زہرا کو دیکھا کہ وہ حکم دے رہی ہیں کہ اس نعش کو تو دفن کر دے یہ ایرانی خواب دیکھ کر بیدار ہوا اور فوراً آگرہ پہنچ کر جہانگیر سے اس لاش کی تجہیز و تکفین کی اجازت حاصل کی اور دفن کیا۔ اب اس پر ایک عمدہ عمارت تعمیر ہے اور روضہ کے مشرق جانب اور کچھ شمالی حصے میں کمرے تعمیر ہو چکے ہیں۔ جن میں زائرین قیام کرتے ہیں۔ مجالس کے لئے ایک بڑا پنڈال بن گیا ہے جس میں سالانہ مجالس زیر نگرانی جناب سلطان المحققین سعید الملت والدین منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ اس مزارِ مقدس کو فرقہ امامیہ کے لوگ مشاہد مقدس کے بعد نہایت مقدس و محترم مقام سمجھتے ہیں اور برابر زائرین زیارت کے لئے آتے رہتے ہیں اور اسے استجابت دعا کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ اس بقعہ مبارک کی عظمت و جلالت سمجھنے کے لئے یہ امر کافی و دوانی ہے کہ حضرت آیت اللہ فی العالمین حجۃ اللہ علی المجاہدین صدر المحققین ناصر الملۃ مولانا سید ناصر حسینؒ نے ۱۳۳۹ھ میں جو وصیت نامہ تحریر فرمایا تھا اس میں یہ وصیت کی گئی کہ اگر میں ہندوستان میں انتقال کروں تو میری میت مزار مقدس شہید ثالث علیہ الرحمہ کے اس حجرے میں دفن کی جائے جس کی نشان دہی مولانا سید حسن رضا صاحب موسوی کو کر دی گئی ہے۔ چنانچہ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ میں اس آفتاب علم و فضل و شرف و کمال کو وہیں دفن کیا گیا۔

آثار علمیہ:

کسی عالم دین کی جلالت قدر و عظمت و بزرگی کے معلوم کرنے کا بہترین ذریعہ اس کے مصنفات و تالیفات ہیں۔ جب تک یہ آثار علمیہ باقی رہیں گے اس کے فضل و شرف کمال کے نشانات باقی رہیں گے۔ چنانچہ شہید ثالث علیہ الرحمہ نے ایک سو ایک کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جو علم تفسیر و فقہ و کلام و اصول فقہ و تاریخ و فلسفہ و منطق و ریاضی و ادب عربی و ادب فارسی و تاریخ و ادعیہ و رجال و نحو میں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے موصوف کو ان تمام علوم میں دستگاہ کامل حاصل تھی۔

آپ کے عہد میں شیعی مذہب کے خلاف مخالف علماء کتابیں لکھ کر ان کی اشاعت کرتے تھے اور متقدین کی وہ کتابیں جو شیعی مذہب کے خلاف تھیں ان کو ماوراء النہر اور حجاز سے بطور ارمغاں ہندوستان لاتے تھے۔ ان کے مضامین کی نشر و اشاعت کی جاتی تھی۔ مکاتب و رسائل لکھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اس عہد کے صوفیا بھی نقشبندی طریقہ کو اختیار کر کے فاتح باب ولایت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے انحراف کرتے رہتے تھے۔ ان حالات میں شہید علیہ الرحمہ نے ان کتابوں کی رد کو ضروری سمجھا۔

مخالفین کی رد میں شہید کے تصانیف

مصائب النواصب:

میرزا مخدوم ناصبی نے کتاب نواقض الروافض کو تالیف کیا اور ہندوستان میں ان کے نسخے کثرت کے ساتھ پہنچے جس سے شیعوں کے خلاف اہل سنت کے بغض و عناد کے جذبہ کو بڑی تقویت پہنچی۔ ضرورت تھی کہ اس کتاب کی فوری رد لکھی جائے۔ جناب شہید اس طرف متوجہ ہوگئے اور اور ماہ رجب ۹۹۵ھ میں آپ نے سترہ دن کی قلیل مدت میں اس کے جواب میں مصائب النواصب کو تالیف فرمایا۔ نواقض الروافض میرزا مخدوم کا ایک نسخہ ابوالفضل وفیضی کے والد شیخ مبارک کے پاس بھی پہنچ چکا تھا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ نور اللہ شوستری ان کی رد میں لکھ رہے ہیں تو ان کا مطالعہ کرنے کے لئے اتنے بے چین ہوئے کہ جس قدر آپ رد لکھتے جاتے تھے مبیضہ ہونے سے قبل مسودہ کو طلب کر لیتے تھے اور اس کا مطالعہ کر کے اپنے کاتب سے لکھواتے جاتے تھے۔ جناب شہید اپنے مکتوب میں جو میر یوسف علی اخباری استر آبادی کے نام تحریر ہے فرماتے ہیں:

''ومرحوم شیخ مبارک کہ دانشمند زمان خود بود وتتبع کتب شیعہ نمودہ وکتاب میرزائے مخدوم را نیز داشت چوں مطلع شد کہ فقیر براں رومی نویسم مجال نہ داد کہ بر بیاض رود وز بروز مسودۂ آن را از فقیری گرفت وبکاتب خودمی داد کہ بہ نولید ومی گفت اگر توفیق بیاض شود یکبار آں را خواہم نویساند (جواب مکتوب دہم میر یوسف علی از مجموعہ مکاتیب یوسف علی اخباری وشہید ثالث مرتبہ عبدالرحیم بغدادی مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ نمبر ۱۱۸۴ فن کلام)۔

اس مکتوب میں جناب شہید ثالث نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ:

احمد بیگ حاکم کشمیر جو متعصب سنی تھی وہ نوافض الروافض میرزا مخدوم کے مطالعے کے بعد اس کے ایراد واعتراض کو جو مذہب شیعہ کے خلاف تھے عوام کے سامنے پیش کرتے رہتے تھے اور ملا محمد امین کشمیر شیعی سے برملا بحث ومناظرہ کر کے وہاں کے شیعوں کو پریشان کرتے تھے چونکہ ملا محمد امین شیعی کی ملاقات جناب شہیدؒ سے سیاحت کشمیر کے موقع پر ہو چکی تھی اس لئے ملا محمد امین شیعی نے نواقض کے جواب کو آپ سے طلب کیا اور یہ لکھا کہ:

''ایں ہم چنیں اجتماعے ومباحثہ روی داوہ اگر کتاب ردالنواقض رانخواہید فرستاد فردائے قیامت پیش جدشما شکایت خواہم کرد''۔

اس وقت آپ نے ملا محمد امین شیعی کے پاس ''مصائب النواصب'' کی ایک نقل روانہ فرمائی جس

کے مطالعہ کے بعد ملا محمد امین مناظرہ ومباحثہ میں اہلسنّت پر غالب ہوئے اور اس طرح یہ کتاب کشمیر میں مذہب شیعہ کی تقویت کا سبب بنی۔

مصائب النواصب کے بارگاہ امیر المومنینؑ میں مقبول ہونے کا ثبوت ملا محمد امین کے اس واقعہ سے ملتا ہے جو انہوں نے جناب شہید کو ان الفاظ میں لکھا تھا کہ:

''سہ روزہ پیش از آنکہ ردالنواقض برسد خواب دیدم کہ سہ روزہ آں نسخہ رسید وزاں ترکش تیر ہائے جانکاہ بر مخالفاں زدم''۔

(ترجمہ) ''اس کتاب کے پہنچنے سے تین روز پہلے میں نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ حضرت نے میری کمر میں تیروں سے بھرے ہوئے ترکش وکمان کو باندھا۔ تین دن بعد جب کتاب پہنچی تو میں نے اس ترکش سے جان لیوا تیر مخالفین کو مارے''۔

مجالس المومنین:

اسی عہد میں مخالفین شیعہ اپنی مصنفات کے ذریعے یہ پروپیگنڈا بھی بڑے زور وشور سے کرتے تھے کہ مذہب شیعہ ایک نو مولود مذہب ہے جس کی ابتداء شاہ اسمٰعیل صفوی اول کے عہد سے ہوئی ہے اور ماضی میں یہ فرقہ وجود نہیں رکھتا تھا اور نہ اس مذہب کی کوئی شاندار تاریخ ہے۔ آپ نے اس خیال باطل کو غلط ثابت کرنے کے لئے ۹۹۸ھ سے ایک ضخیم کتاب ''مجالس المومنین'' لکھنا شروع کی جس کو ۱۰۱۰ھ میں بمقام لاہور اختتام کو پہنچایا۔ اس کتاب میں مذہب شیعہ کی قدامت اور اس کی علمی وادبی وروحانی وسیاسی عظمت واہمیت کو روز روشن کی طرح واضح فرمایا۔ یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ اسی عہد میں مخالفین نے بھی اپنی مصنفات میں اس سے استفادہ کر کے اپنی تالیفات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس امر کے استشہاد میں بہت سی تالیفات کو پیش کیا جا سکتا ہے لیکن اس مختصر رسالہ میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ مجالس المومنین نہ صرف ایک تاریخی گنجینہ رجال شیعہ کا تذکرہ یا سلاطین و وزراء اعیان وابطال، علما وحکما، ادبا، شعرا، مصنفین ومومنین، روحانین وصوفیاء، مولفات ومصنفات قبائل وعشائر، امصار وبلاد کا ایک گراں بہا انسائیکلوپیڈیا ہے بلکہ مباحثِ کلامیہ وتحقیقات علمیہ کے لحاظ سے بھی ایک بیش بہا کتاب ہے۔

احقاق الحق:

۱۰۱۴ھ میں جب آپ آگرہ میں تھے اور کثرت ملال وضعف حال کی وجہ سے بقول خود مثل بوسیدہ مشک کے لاغر و کمزور ہو گئے تھے۔ آپ نے سات ماہ کے عرصے میں مشہور متکلم اہلسنت ابن روزبہان کی کتاب ابطال الباطل وجو کشف الحق ونہج الصدق علامہ حلی کے رد میں لکھی گئی تھی، کا جواب احقاق الحق تحریر

فرمایا۔الحق کہ جناب شہید کی اس کتاب نے اشاعرہ کی کمر کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیا۔اسی کتاب کے متعلق علامہ الحاج محمد جعفر کبودر آہنگی اپنی کتاب مراۃ الحق میں تحریر فرماتے ہیں۔(ترجمہ از فارسی)

”انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جیسا میں نے استاد معظم میرزا ابوالقاسم قمی اور بعض دوسرے علماء جیسے میرزا محمد مہدی طباطبائی شہر کو کہتے ہوئے سنا کہ قاضی نوراللہ علم و فضل، تحقیق و تدقیق، تلاش و بحث میں ایسا کمال رکھتے تھے کہ اس طرح فاضل روز بہان کے اعتراضات کو رد فرمایا اور اگر خود علامہ حلی بھی اس کی رد اس طرح کرنا چاہتے تو میرے خیال میں اس انداز میں ان سے بھی ممکن نہ تھا“۔

یہی فاضل اجل دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ:

”احقاق الحق و مجالس المومنین ان دونوں کتابوں کی نفاست و شرافت اس مرتبے کو پہنچی ہوئی ہے کہ محقق و محدث مولانا محمد تقی مجلسی اول نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہر شیعہ پر لازم ہے کہ ان دونوں کتابوں کو وہ اپنے پاس ضرور رکھے“۔(مراۃ الحق صفحہ ۱۰۹ مطبوعہ)۔

صوارم مہرقہ:

آپ کے آخری ایام میں علامہ ابن حجر ہیثمی مکی کی ”صواعق محرقہ“ ہندوستان پہنچی۔اس کتاب کی بھی اہلسنت میں بڑی دھوم ہوئی۔آپ نے اس کے جواب میں صوارم مہرقہ تالیف فرمائی۔غرض کہ جناب شہیدؒ نے حمایت مذہب کے سلسلے میں جلیل القدر کتابیں تالیف فرمائیں جن میں مخالفین کے اعتراضات و الزامات کے دندان شکن جواب دیئے اور شیعہ مذہب کی حقانیت و صداقت اور اس کی حقیقت و قدامت کو ثابت کیا۔

مصنفات شہید ثالثؒ

﴿۱﴾ تفسیر:

۱۔ انس التوحید فی تفسیر آیۃ العدل والتوحید — عربی
۲۔ تفسیر آیۂ انما المشرکون نجس — عربی
۳۔ تفسیر آیۂ رویا — عربی
۴۔ تفسیر آیۂ قال الملک انی اری سبع بقرات ... الآیۃ — عربی

۵۔ تفسیر آیہ فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام — عربی
۶۔ کشف العوار فی تفسیر آیۃ الغار — عربی
۷۔ تفسیر آیۂ تطہیر و رد کلام فخر رازی متعلق بہ آیۂ تطہیر — مطبوعہ
۸۔ حاشیہ تفسیر بیضاوی — عربی
۹۔ حاشیۂ ثانی بر تفسیر بیضاوی — عربی

﴿۲﴾ فقہ:

۱۰۔ تذہیب الاکمام فی شرح تہذیب الاحکام — عربی
(خود شہید کے ہاتھوں کا لکھا ہوا قلمی نسخہ کتب خانہ ناصریہ لکھنؤ میں موجود ہے)
۱۱۔ غایۃ المرام شرح تہذیب الاحکام — عربی
۱۲۔ حاشیہ بر قواعد الاحکام علامہ حلیؒ — عربی
۱۳۔ حاشیہ بر مختلف الشیعہ فقہ — عربی
۱۴۔ لمعہ فی صلوٰۃ الجمعہ — عربی
۱۵۔ رسالہ فی نجاسۃ الخمر — عربی
۱۶۔ رسالہ فی مسئلۃ الکفارۃ — عربی
۱۷۔ رسالہ فی رکنیۃ السجدتین — عربی
۱۸۔ رسالہ فی غسل الجمعہ — عربی
۱۹۔ رسالہ فی مسئلہ لبس الحریر — عربی
۲۰۔ ردّ رسالہ ابن ابی عقیل و اثبات مسلک فقہا بمجرد ملاقات نجاست نجس شود — عربی
۲۱۔ رسالہ فی تقدیر الماء الکثیر الذی حکم علیہ الشارع بالتطہیر (تالیف در لاہور) — عربی
۲۲۔ منتخب کتاب المحلی لابن حزم اندلسی فقہ اہلسنت — عربی
۲۳۔ رسالہ فی رد ما الفہ تلمیذ ابن الہمام فی بیان اقتداء الحنفیہ بالشافعیہ فقہ اہلسنت — عربی
۲۴۔ حاشیہ شرح وقایہ (فقہ اہلسنت) — عربی
۲۵۔ حاشیہ بر ہدایۃ (اس میں مبحث مسح الرجلین پر بحث ہے) — عربی

﴿۳﴾ اصولِ فقہ:

۲۶۔ حاشیہ شرح تہذیب الاصول — عربی

۲۷۔ تعلیقات بر شرح مختصر الاصول قاضی یحییٰ شافعی — عربی

(اس میں آپ نے قیاس کے باطن ہونے پر دلائل قائم کئے ہیں)

﴿۴﴾ حدیث و افکار:

۲۸۔ شرح مقدمۃ المصابیح للبغوی — عربی

۲۹۔ عدۃ الابرار — عربی

۳۰۔ رسالہ در فضیلت عید الشجاع — عربی

﴿۵﴾ کلام:

۳۱۔ احقاق الحق — عربی مطبوعہ

۳۲۔ مصائب النواصب — عربی مطبوعہ

۳۳۔ صوارم مہرقہ ردصواعق محرقہ — عربی مطبوعہ

۳۴۔ شرح اثبات واجب جدید — عربی مطبوعہ

۳۵۔ شرح اثبات واجب قدیم — عربی مطبوعہ

۳۶۔ حاشیہ بر بحث عذاب قبر از شرح عقائد — عربی مطبوعہ

۳۷۔ واقعۃ الشقاق والنفاق — عربی مطبوعہ

۳۸۔ نہایۃ الاقدام — عربی مطبوعہ

۳۹۔ رسالہ رفع القدر — عربی مطبوعہ

۴۰۔ حل العقال — عربی مطبوعہ

۴۱۔ البحرالغزیز — عربی مطبوعہ

۴۲۔ الذکرالاقبیٰ — عربی مطبوعہ

۴۳۔ تحفۃ العقول — عربی مطبوعہ

۴۴۔ موائد الانعام — عربی مطبوعہ

۴۵۔ حاشیہ بر رسالہ اجوبۂ فاخرہ — عربی مطبوعہ

۴۶۔ عشرۂ کاملہ — عربی مطبوعہ

۴۷۔ سبعۂ سیارہ — عربی مطبوعہ

۴۸۔ رسالہ در حقیقت عصمت — عربی مطبوعہ

۴۹۔ رسالہ در رد شبہات شیطان — فارسی

۵۰۔ انموذج یا جلالیہ — عربی

(یہ بہ عہد اکبر اعظم اسی کے نام پر معنون کر کے لکھا) سال تالیف ۹۹۲ھ)

۵۱۔ رسالہ رد مقدمات صواعق — عربی

۵۲۔ السحاب المطیر — عربی

۵۳۔ حاشیہ بر بحث امامت شرح تجرید — عربی

۵۴۔ شرح مبحث حدوث عالم از انموذج دوانی — عربی

۵۵۔ حاشیہ بر حاشیہ خطائی — عربی

۵۶۔ رسالہ در رد تصحیح ایمان فرعون — عربی

۵۷۔ رسالہ فی رد رسالہ الکاشی — عربی

۵۸۔ حاشیہ بر رسالہ تحقیق کلام بدخشی — عربی

۵۹۔ رسالہ فی رد ما کتب بعضھم نے نفی عصمۃ الانبیاء — عربی

۶۰۔ رسالۃ فی رد شبہۃ فی تحقیق العلم الالٰہی — عربی

۶۱۔ حاشیہ بر مبحث معاد شرح تجرید — عربی

۶۲۔ النورالانوار والنورالازہر فی خفایا رسالۃ القضا والقدر — عربی

(استقصاء النظر فی بحث القضاء والقدر۔ علامہ پر بعض نواصب نے ایراد کیا تھا
اس کے جواب میں لکھا۔ ۱۰۱۸ھ میں تالیف فرمایا)

۶۳۔ حاشیہ الانموذج علیٰ مبحث حدوث العالم — عربی

۶۴۔ حاشیہ الحاشیہ القدیمۃ علی شرح التجرید — عربی

۶۵۔ گوہر شاہوار — فارسی

۶۶۔ حاشیہ علیٰ شرح التجرید القوشجی علیٰ مبحث المعاد — عربی

۶۷۔ حاشیہ علی شرح التجرید القوشجی علی مبحث الامامۃ — عربی

۶۸۔ جواب اٰئلہ سید حسن — فارسی

۶۹۔ اللطائف فی بیان وجوب اللطف — عربی

۷۰۔ النظر السلیم	عربی
۷۱۔ حاشیہ شرح مواقف	عربی

﴿۶﴾ منطق:

۷۲۔ حاشیہ بر شرح شمسیہ قطبی	عربی
۷۳۔ شرح بدیع امیر	عربی
۷۴۔ حاشیہ بر حاشیہ تہذیب ملا جلال	عربی
۷۵۔ حاشیہ بر حاشیہ جلالیہ بر تہذیب المنطق	عربی

﴿۷﴾ فلسفہ:

۷۶۔ حاشیہ بر حاشیہ قدیمہ	عربی
۷۷۔ حاشیہ بر حاشیہ شرح تجرید	عربی
۷۸۔ حاشیہ بر الہیات شرح تجرید	عربی
۷۹۔ حاشیہ ورّدِ چلپی بر شرح تجرید اصفہانی	عربی
۸۰۔ حاشیۂ قدیمہ	عربی
۸۱۔ دربیان انواع کم	عربی
۸۲۔ رسالہ فی انّ الوجوہ لا مثل لھا	عربی
۸۳۔ حاشیہ بر بحث اعراض شرح تجرید	عربی
۸۴۔ حاشیہ بر مبحث جواہر شرح تجرید	عربی
۸۵۔ شرح مبحث جواہر حاشیۂ قدیمہ	عربی
۸۶۔ حاشیہ میبذی	عربی

﴿۸﴾ ریاضی:

۸۷۔ حاشیہ بر شرح چغمنی	عربی
۸۸۔ حاشیہ بر تحریر اقلیدس	عربی

﴿۹﴾ رجال:

۸۹۔ مجالس المومنین	عربی
۹۰۔ رسالہ اثبات تشیع سید محمد نور بخش	فارسی مطبوعہ
۹۱۔ رسالہ در ذکر اسمائے رواۃ المخالفین (جو وضاع حدیث ہیں)	عربی
۹۲۔ حاشیہ خلاصۃ الرجال علامہ حلی	عربی

﴿۱۰﴾ صرف و نحو:

۹۳۔ حاشیہ بر شرح جامی	عربی
۹۴۔ رسالہ در تعریف ماضی	
۹۵۔ رسالہ بحث تحذیر	عربی

﴿۱۱﴾ معانی و بیان:

۹۶۔ حاشیہ بر مطول	عربی

﴿۱۲﴾ ادب:

۹۷۔ دیوان قصائد	ادب فارسی و عربی
۹۸۔ شرح خطبۂ عضدی	عربی
۹۹۔ حاشیہ خطبہ شرح مواقف	عربی
۱۰۰۔ رسالہ گل و سنبل	فارسی
۱۰۱۔ شرح رباعی شیخ ابو سعید ابن ابی الخیر	فارسی
۱۰۲۔ دیوان اشعار	فارسی
۱۰۳۔ کتاب منشآت	فارسی

﴿۱۳﴾ ادعیہ:

۱۰۴۔ شرح دعائے صباح امیر المومنین	فارسی

(۹۹۰ھ میں تالیف فرمایا)

۱۰۵۔ مجموعۂ ادعیہ واوراد　　　　عربی

❀❀❀

اولادامجاد:

جناب علامہ قاضی نوراللہ شوستری علیہ الرحمہ والرضوان کے پانچ فرزند تھے۔ چنانچہ صاحب فیض الالہ، فی ترجمہ القاضی نوراللہ فاضل جلیل جلال الدین حسینی فرماتے ہیں کہ محفل فردوس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب قاضی صاحب کے پانچ فرزند تھے جوسب کے سب علماء وفضلاء میں داخل تھے۔

۱۔ شریف بن نوراللہ (صاحب علم وفضل وتصنیف وتالیف تھے) روز جمعہ ۵ ربیع الثانی ۱۰۴۰ھ کو آگرہ میں انتقال کیا۔

۲۔ سید محمد یوسف (یہ بھی صاحب علم وفضل تھے اور شاعر بھی تھے)۔

۳۔ علاءالملک (صاحب محفل فردوس یہ بھی عالم باعمل وباکمال تھے)۔

۴۔ ابوالمعالی بن نوراللہ (یہ بھی عالم باکمال وشاعر تھے) روز پنجشنبہ تیسری ذیقعدہ ۱۰۰۴ھ میں ولادت باسعادت ہوئی اور ماہ ربیع الثانی ۱۰۴۱ھ وفات ہوئی۔

۵۔ علاءالدولہ (یہ سب سے چھوٹے فرزند تھے صاحب علم وفضل تھے۔ ماہِ ربیع الاول ۱۰۱۲ھ میں ولادت ہوئی۔

قبر شہید ثالث کا پہلا زائر:

اول:

اب تک کی تلاشی وتحقیق وجستجو کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ سب سے پہلے جو بزرگ روضۂ شہید کی زیارت سے مشرف ہوئے وہ علامہ فردوس مآب رضوان اللہ علیہ صاحب عبقات الانوار ہیں، چنانچہ جب آپ آگرہ ۱۲۷۰ھ میں تشریف لے گئے اور زیارت سے مشرف ہوئے تو آپ نے ایک بزرگ دوست کو خط لکھا۔ اس خط میں شہید کے فضائل بھی ہیں ہاں ایک امر ضرور ہے کہ جب آپ تشریف لے گئے تو بالکل غیر آباد تھا کوئی کسی سے نشانات کونہیں بتاتا تھا۔ اس خط میں علامہ نے جو تمنائیں کی تھیں وہ بحمدہ اس وقت پورے طور پر پائی جارہی ہیں۔ نیز یہ کہ ایک علامہ جس طریقے سے عالم کے فضائل

ومعارف کو بیان کرسکتا ہے دوسرا یقینی طور پر بیان نہیں کرسکتا۔ آپ لکھتے ہیں کہ:

آگرہ میں زیارت سے ضریح مطہر ومنور جناب قاضی نوراللہ مرقدہ وعظم مشہدہ کی زیارت سے فائز ہوا۔ جناب علامہ شہید اورولی رشید برگزیدہ وسعید بڑے عالم اور فائدہ بخشنے والے تھے۔ نہایت عالی فہم اور عمدہ کلام کرنے والے تھے۔ سرفراز بزرگ اور عالم متبحر دوست کار تھے۔ اسرار کا چشمہ تھے۔ انوار کے معدن تھے۔ ان کے فضائل بلند اور ان کے کرامات روشن تھے۔ انہوں نے اصول وفروغ دین کے مضبوط کرنے میں بڑی سعی کی۔ علم کی قندیلیں اور شمعیں روشن کیں، شریعت کے مکان محفوظ سے اعداء کو دور رکھا۔ منازل بلند آخرت کے حاصل کرنے میں بڑی کوشش کی۔ شبہات شیاطین کو باطل کیا۔ حیرت زدہ لوگوں کو گمراہی کے مقامات سے بچاتے رہے احقاق حق کی ہدایت کی راہیں واضح کیں۔ مکابرہ کرنے والوں کے سر توڑ دیئے۔ ان کو پشہ سے زیادہ حقیر کردیا۔ نواصب کے ظلم ظاہر کردیئے۔ ان کو عذاب پائندہ سے معذب کیا ان کی پوست شمشیر براں سے کھینچ لیا۔ ان کو غم شدید میں مبتلا کیا۔ ان کے فضائل کا آوازہ تمام اطراف میں پھیلا۔ ہر میدان ان کی افادیت سے سرسبز ہوگیا۔ یہ بڑے سندی سید اور متکلم مستند تھے۔ میری آنکھیں ان کے مزار کے دیکھنے سے روشن ہوگئیں اور مجھ پر انوار حق اس کی چمک سے نمایاں ہوگئے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر اس مزار کو باطل عقیدہ رکھنے والا دیکھے تو مومن ہوجائے اور اگر دل میں شک رکھنے والا اس کا مشاہدہ کرے تو صاحب یقین ہوجائے۔ اس روضہ سے سعادت کی خوشبوئیں پھیلی ہوئی ہیں اور شہادت کی معطر ہوائیں چلتی ہیں۔ انسان کا دل اگر پتھر کا بھی ہو تو وہاں نرم ہوجائے اور ہر متکبر اس کی عظمت کے سامنے تواضع اختیار کرتا ہے۔ باوصف یہ کہ یہ قبر پاک جس کی خوشبو پھیلتی رہتی ہے ایسے حال میں ہے کہ اس پر تعمیر کی زینت اور آرائش کا سامان جیسے اور قبور پر ہے مطلقاً نہیں ہے بلکہ ایسے مقام غیر آباد بلکہ جنگل میں موجود ہے کہ سوائے کوشش بلیغ سے تلاش کرنے والے کے جو بڑا تعب اٹھائے اور کوئی اس حد تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہاں تک کہ عجب نہیں ہے اگر اس کا نشان بھی مٹ جائے اور کچھ خبر اس کی معلوم نہ ہو اس لئے کہ حق اس شہر میں نہایت پوشیدہ اور اس شہر کے ظالم لوگوں پر جہل غالب ہے لیکن خدا تو اپنے نور کو پورا کرکے ہی رہے گا اور حق کا ظہور ضرور زیادہ ہوگا اس شہر کے اہل عناد سے اگر کوئی غریب اس قبر شریف کا پتا پوچھتا ہے تو اس کو نہیں بتاتے یا تو جہل کی وجہ سے یا دشمنی کے سبب سے باوصف علم کے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ نور خدا کو اپنے منہ سے خاموش کردیں۔ مگر خدا ضرور اپنے نور کو تمام کرے گا۔ اگرچہ کافروں کو براہی معلوم ہو۔ (صفحہ۔۴۲، مشہد ثالث مولفہ علامہ عزیز لکھنوی)

دوم:

آگرہ سے "الشہید" ایک مجلّہ مستقل طور پر نکلا کرتا تھا۔ جو کہ زمانے کے حوادث کا شکار ہو گیا۔ اس مجلّہ میں ایک باب "باب المسائل" کے نام سے تھا جس میں جناب علامہ ناصر الملت رحمتہ اللہ کے جوابات شائع ہوتے تھے۔ چنانچہ الشہید ۱۳۴۲ھ کے رسالے میں ایک سائل سوال کرتا ہے۔

سوال: جناب قاضی سید نوراللہ شوستریؒ کے مزار پر بغرض طلب حاجت جانے میں حضور کی کیا رائے ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کچھوچھہ کا جانا اور مزار قاضی پر جانا یکساں ہے۔ ان کا خیال کہاں تک پایہ اعتبار کو پہنچا ہے۔

الجواب و باالله التوفیق۔ زیارت مرقد مطہر جناب قاضی نوراللہ شوستریؒ اعلیٰ اللہ مقامہٗ نہایت مناسب ہے اور بہت زیادہ موجب ثواب ہے اس لئے کہ وہ جناب سید بھی ہیں عالم بھی ہیں یہ مراتب بہت کم جمع ہو سکتے ہیں ایسے بزرگوں کی زیارت قبور بعد زیارت قبور معصومینؑ کے مرتبہ اور فضیلت میں ہے اور جس شخص کو زیارت قبور معصومینؑ سے محرومی ہو وہ ایسے قبور کی زیارت سے مستفید ہو سکتا ہے اس لئے جناب امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا ہے:

یعنی جو شخص قادر نہ ہو ہماری قبور کی زیارت کرنے پر اسے چاہیئے کہ وہ زیارت کرے ہمارے اخوان الصالحین کی اور جناب امام جعفرؑ صادق نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"یعنی جو شخص نہ قادر ہو ہمارے ساتھ نیکی کرنے پر اسے چاہیئے کہ وہ نیکی کرے ہمارے صالح دوستوں کے ساتھ کہ لکھا جائے گا اس کے لئے ثواب ہمارے ساتھ نیکی کرنے کا اور جو شخص نہ قادر ہو ہماری زیارت پر اسے چاہیئے کہ وہ زیارت کرے ہمارے صالح دوستوں کی کہ لکھا جائے گا اس کے لئے ثواب ہماری زیارت پر" اور یہ دونوں حدیثیں کتاب وسائل الشیعہ میں موجود ہیں اور جو کلام فاسد و خیال باطل بعض لوگوں کا سوال میں مذکور ہے وہ لغو محض ہے اور سراسر بے ادبی بلکہ بے دینی ہے۔ واللہ العالم عقیدت کے چند انمول جواہر جن کو پیش کیا یقینی طور پر وہ سارے سوالات جو ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں مثل تار عنکبوت کے ٹوٹ جاتے ہیں۔

تعمیر مزار اقدس

شہید ثالث قاضی سید نو راللہ شوستری علیہ الرحمہ

جناب قاضی سید نوراللہ شوستری علیہ الرحمہ کا مزار اقدس شمالی ہند کے مشہور تاریخی شہر آگرہ میں

دیال باغ روڈ پر واقع ہے اور مرجع خواص و عوام ہے۔ مزار اقدس کی تعمیر کی مختصر تاریخ حسب ذیل ہے۔

سید شبیر حسین محسن صاحب متوطن محلّہ نوایاں قصبہ موہان ضلع اناؤ ۱۹۱۶ء میں ایک رسالہ حالات شہید ثالث علیہ الرحمہ پر بنام "ذکر حمید در احوال نوراللہ شہید" (مطبوعہ اثناء عشری لکھنؤ) تالیف فرمایا تھا جس میں مزار اقدس کی ابتدائی تعمیر کے متعلق تحریر ہے کہ قاضی صاحب کی قبر مدت تک بے نشان رہی مگر عرصہ کے بعد منصور خان صوبیدار آگرہ نے ظاہر کیا اور نہ ایک فرضی قبر کی زیارت ہوتی تھی۔ آگرہ میں ایک محلّہ کا بازار ہے۔ اس کے ملحق منصور خان کی گنذری اسی منصور خان کی یادگار ہے۔ یہ مزار آگرہ میں عدالت دیوانی کے قریب نہر کے پار ہری پربت کے پاس ایک پختہ احاطہ میں واقع ہے جس کا دروازہ مشرق رو یہ ہے۔ اس قبرستان میں مومنین کی بہت سی قبریں جو آپ کے مزار کے چاروں طرف ہیں اور ان پر اکثر قطعات تاریخ وفات پتھروں پر کندہ ہیں۔ اسی احاطہ میں تین در کی ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے جس کو شاید دہلی کی کسی شہزادی نے تعمیر کیا تھا۔ اسی طرف چند اہل ایران کی قبریں بھی ہیں اور ان کے مجتہد خاص قاضی صاحب کے مزار کے قریب مدفون ہیں۔ صفو یہ سیّد قندھاری بیگم کے باغ میں اس کی قبر بھی ہے۔ یہ بیگم شاہزادی ایران، نسلِ امام موسیٰ کاظم علیہ اسلام سے شیعہ مذہب تھی۔

ایک سو انہتر (۱۶۹) سال کے بعد روضہ کی تعمیر ہوئی جس میں دس مدور در ہیں اور جس کو ۱۲۹۰ھ میں سید علی نقی ڈپٹی کلکٹر نے تعمیر کرایا جس کی تاریخ تعمیر مرزا حاتم علی بیگ مرحوم لکھنوی نے تصنیف فرمائی یہ ہے:

بحکم حاکم بظلم تعب کشیدہ شہید ثالث	غریب و بیکس بزرگ و سید ستم رسیدہ شہید ثالث
زبان حق گوئی بکنتی بگوش ناحق شنوگراں بد	بکام ناکام زہر تیغ جفا چشیدہ شہید ثالث
نیا شہادند اہل عرفاں مکان آں آفتاب ایماں	خوش آسمانے بریں زمینے کہ آرمیدہ شہید ثالث
چو خواست مہر سخن سرائیں مکان نشانی بگفت ہاتف	چہ غرچہ شد بسال ہجری زباں بریدہ شہید ثالث

۱۳۵-۶۰

۱۹۰۳ء میں بکوشش سید کفایت حسین تحصیل دار خان بہادر سید ابوالحسن تحصیل دار و سید ناظم حسین وکیل و دیگر مومنین دروازے لگائے گئے۔

قطعہ تاریخ شہادت جو لوح قبر پر کندہ ہے۔

مردِ منور سید نوراللہ شوستری الحسینی:

عالے اطفائے نور اللہ کرد	قرۃ العین نبی راسر برید
سال قتل حضرتش ضامن علیؒ	گفت نور اللہ سید شد شہید

۱۰۱۹ھ

مولانا سید سبط الحسن صاحب ہنسوی صاحب اعلی اللہ مقامہ، سیکریٹری مزار اقدس شہید ثالث علیہ الرحمہ دراحوال شہید مطبوعہ ۱۳۸۲ھ میں ارقام فرماتے ہیں۔شہادت کے بعد شہید علیہ الرحمہ کی لاش مبارک کو شہر (شہر اکبر آباد عرف آگرہ) سے غیر آباد جنگل میں ڈال دیا گیا اور دفن کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔کئی دن کے بعد جب بادشاہ نے ایک ہولناک خواب دیکھا تو دفن کرنے کی اجازت دی۔

ایک مشہور روایت یہ بھی ہے کہ نو وارد ایرانی تاجر نے خواب میں جناب سیدۂ عالمیان صلوٰۃ علیہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا کہ میرا فرزند نور اللہ بے دفن وکفن پڑا ہے۔اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ہو۔یہ سن کر وہ شریک دفن ہوا۔جناب شہید کی عظمت وجلالت کے پیش نظر کوئی مومن اس خواب کے متعلق شک وشبہ نہیں کرسکتا۔بہرحال جناب شہید کے دفن ہوجانے کے بعد آپ کے جلیل القدر فرزند قبر مقدس کے مجاور رہے لیکن ایک سال بعد پنجم ربیع الاول کو ۱۰۲۰ھ کو آپ راہی جنت ہوئے اور اپنے پدر بزرگوار کے قریب ہی ہمیشہ کے لئے آسودۂ حال ہوگئے۔

اس مقدس مقام پر اکثر علماء واکابر بھی سپرد خاک کئے جاتے رہے ہیں۔اکثر قبور کے نشانات مٹ چکے ہیں اور بعض اب تک ظاہر وہویدا ہیں۔

۱۱۹۱ھ میں سید علی اکبر بن معز الدین محمد الحسین الرضوی النیشاپوری دفن کئے گئے جن کی قبر جناب شہیدؒ کے پائیں پازنانے کمرے میں موجود ہے۔

۱۱۹۳ھ میں میر نصر اللہ بن شہاب موسوی جو بظلم شہید کئے گئے تھے یہاں سپرد خاک کئے گئے۔ سال تاریخ جو قبر پر ہے وہ یہ ہے۔

چوشد مقتول گفتم سال تاریخ   شہیدی جنتی شد سید پاک

۱۱۹۳ھ

اس سال باپ کے غم میں سید حسن موسوی بن نصر اللہؒ نے بھی انتقال فرمایا اور قریب میں دفن ہوئے۔تعویذ پر تاریخ یہ ہے۔

یارب از بہر محمد باعلی محشور باد ۱۱۹۴ھ

۱۲۱۲ھ میں امیر ابوالمعالی بن روح الامین یہاں دفن ہوئے۔لوح پر یہ تاریخ کندہ ہے۔

''ذات عالی'' گشت سال رحلتش ۱۲۱۲ھ

حوادث ایام وامتداد زمانہ کی وجہ سے جب مرقد مبارک خراب وخستہ حالت میں ہوگیا تو محمد شاہ کے زمانے میں جب کہ امیر الامراء ذوالفقار الدولہ نواب نجف خاں متوفی ۱۱۹۶ھ مختار کل ممالک محروسہ تھے اور وزارت عظمیٰ پر فائز تھے۔انہی کے دوران وزارت میں میر محمد منصور موسوی نیشاپوری نے جو آگرہ

کے گورنر تھے ۱۱۸۸ھ مطابق ۱۷۷۴ء میں مرقد منور کی تجدید کی اور مسقف عمارت تعمیر کروائی جس کے درمدور بغیر دروازوں کے تھے اور اس کے چاروں طرف پرفضا باغ لگوایا۔محمد وحید اللہ بدایونی اپنی تاریخ ہندوستان موسومہ تاریخ نو میں تحریر کرتے ہیں۔

درحین صوبہ داری اکبر آباد از امیر منصور بسیار کار عمدہ بظہور رسید از انجملہ مقبرہ سید نور اللہ شوستری بعمارت نفیس ومتین وباغ بسیار کار عمدہ ورنگین تعمیر وتعریض نمود۔

ترجمہ: امیر منصور موسوی نے اکبر آباد کی صوبہ داری کے زمانے میں بہت سے اچھے کام کیے۔ منجملہ ان کے سید نور اللہ شوستریؒ کا مقبرہ ہے جو ایک نفیس ومتین عمارت ہے اور اس کے چہار جانب بہت ہی عمدہ سرسبز ورنگین باغ لگوایا۔(تاریخ نو صفحہ۔۴۸،مطبوعہ مطبع احمدی)

میر منصور موسوی نے مرقدِ شہیدؒ سنگ سرخ کا ایک کتابہ بھی نصب کیا تھا جو اس وقت آپ کے پائین منور کی دیوار میں نصب ہے۔اس پر یہ عبارت کندہ ہے۔

مرقد مطہر مفجعہ سید سندی عالی مقدار شہید سعید والا تبار بہار باغ امامت سحاب گلشن سیادت برق کشت زار اہل ضلالت پیشوائے فرقیہ ناجیہ باسعادت یادگار شہسوار یثرب وبطحا چشم و چراغِ شہید کربلا آفتاب آسمان ہدایت ورہبری ابوالفضائل سید نور اللہ شوستری نور اللہ مفجعہ کرور ۱۰۹۱ھ بدرجہ شہادت فائز گشتہ ومرمت مرقد مطہرش در ۱۱۸۸ھ بشہود پیوستہ۔

مقبرہ شہیدؒ کی تعمیر کے بعد ایک مغلیہ شہزادی نے مزار مبارک کے قریب ایک چھوٹی سی سہ دوری مسجد کو تعمیر کرایا تھا جو اب تک موجود ہے۔

جب زمانہ کی مخالف ہواؤں سے باغ نذر خزاں ہوگیا تو سرسبز وشاداب درختوں کی جگہ جنگلی خار دار جھاڑیوں نے لے لی اور مومنین کی غفلت وبے توجہی سے مقبرہ نے شکستہ ہوکر خرابہ کی شکل اختیار کرلی اور اس نشان شیعیت کا کوئی بتلانے والا نہ رہا۔امکان تھا کہ قبر مطہر ہمیشہ کے لئے نگاہ سے پوشیدہ ہوجاتی اس وقت خداوند عالم نے ایک مرد حق آگاہ کو اس کی حفاظت کے لئے متعین فرمایا۔آج سے ایک سو ستاون برس قبل کی بات ہے کہ ۱۲۷۱ھ میں جناب آیۃ اللہ فی العالمین فردوس مآب علامہ سید حامد حسین صاحب موسوی کنتوری اعلی اللہ مقامہ اور آپ کے بڑے بھائی علامہ سید اعجاز حسین صاحب مولف کشف الحجب والاستار ہندوستان کے نہ مٹنے والے ''نشانِ شیعیت'' کو اجاگر کرنے کے لئے لکھنؤ سے آگرہ تشریف لائے۔زیارت قبر مبارک پر جو جذبات آپ کے قلب میں ابھرے جناب کے مکتوب بنام مولوی علی صاحب پر بزبان عربی سے واضح ہے آپ فرماتے ہیں:

جناب فردوس مآب کی توجہ دہانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء میں سید علی نقی جعفری

پھر سری نے دوسرے مومنین کی مدد سے از سر نو اطاق نما عمارت مزار کو تعمیر کرایا۔ سال تاریخ اس قطعہ سے ظاہر ہے۔

فرمود علی نقی مزارش تعمیر گشتند جمیع مومنینش ہمراہ

سال تاریخ ایں مبارک روضہ جناب نعیم مرقد نور اللہ

سید علی نقی صاحب سر رشتہ دار کمشنری آگرہ نے مزار اقدس شہید ثالث علیہ الرحمہ کی تعمیر نو کے لئے اخبار الاخبار ۳ رجب ۱۲۹۰ھ مطابق ۲۶ اگست ۱۸۷۳ء مطبوعہ مطبع اخبار الاخبار محلّہ فرنگی محل لکھنؤ میں شائع کرائی۔ اس اپیل کی روشنی میں مزار اقدس شہید ثالث علیہ الرحمہ کی تعمیرات سے متعلق بعض حقائق واضح ہوئے ہیں ملاحظہ ہو:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد اللہ الذی ھدی الصلوٰۃ علی عبادہ الذین المصطفی

ارباب ہمت اور طالبان آخرت کی خدمت میں گزارش ہے کہ چونکہ وجود علماء کرام اور اولیائے عظام کا خصوصاً شہدائے ذوالامر حتشام بنص قرآنی مردہ بھی مثل زندہ ہیں حیاً ومیتاً اہل شہر کے واسطے بلکہ اہل اقلیم کے واسطے موجب استفاضۂ برکات اور باعث دفع بلیات دنیاوی ہوا کرتا ہے اور ایسے بزرگانِ دین کی خدمت اور ان کے مقابر کی زیارت سے انوار باطنی اور تزکیہ معنوی حاصل ہوا کرتا ہے لہٰذا مناسب ہے کہ جس جس شہر میں ایسے بزرگ عالی قدر موجود ہوں وہاں کے باشندے اس کی تعظیم وتکریم واعانت میں دریغ کریں۔ جس جس جگہ ایسے بزرگوار کے مزار ہوں تو وہاں کے رئیس ان کی ترمیم وتجدید کو فرو گزاشت فرمادیں۔ بناء علیہ اس شہر آگرہ میں بہ عنایت ایزدی منجملہ ایسے بزرگان دین کے مزار خالص الانوار عالم ربانی مجتہد صمدانی حامی ملت محمدی صاحب کمالات ظاہرہ ومعنوی رئیس المتکلمین کاسر اعناق، مخالفین قاضی نور اللہ شوستری شہید ثالث نور اللہ مرقدہٗ کا مزار ایک ویران مقام میں موجود ہے اور اس جگہ کوئی مقام آسائش وآرام ان کے زائرین کے واسطے نہیں ہے۔ اگرچہ بعض مومنین اس شہر کے بالالتزام ہر پنجشنبہ کو ان کے اس مزار پر جا کر مجلس عزا اور فاتحہ خوانی کرتے ہیں اور حتی القدور وہاں کی جاروب کشی وغیرہ ودیگر خدمت بجالاتے ہیں لیکن ان کو اس قدر وسعت نہیں کہ وہ اس قبر پر ایک مکان مختصر مسقّف تعمیر کرادیں کہ جس کے نتیجے اہل مجلس تمازت آفتاب وبارش سے استفادہ ہو کر بیٹھیں اور باطمینان خاطر فاتحہ خوانی کریں چونکہ صاحبِ قبر وہ مقبول خدا ہے جس کی تجہیز وتکفین کے واسطے ذوالفقار الدولہ سپہ سالار جہانگیر بادشاہ کو جناب بضعتہ الرسول سیدہ بتول صلوٰۃ اللہ علیہ نے بمقام گوالیار عالم رویا میں حکم فرمایا تھا اور اس دیندار نے آگرہ مقام شہید سے نعش کو اٹھا کر دفن کرایا۔ لہٰذا بعض مومنین وارد آگرہ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ جس بزرگ کی عدم تجہیز وتکفین سے جناب سیدہؑ کو بے چینی ہو اس کے مزار کی ترمیم وتجدید اور تعمیر قبرِ

بوسیدہ کرانا ضرور ہے۔ چنانچہ چند مومنین ذی ہمت کے اتفاق سے تخمینہ سو روپیہ فراہم ہو گیا ہے چار سو روپیہ کی اور ضرورت ہے لہٰذا حضرات مومنین اور محبان آئمہ طاہرینؑ کی خدمت میں گزارش ہے کہ جن جن حضرات کو اس کارِ خیر میں اعانت وامداد منظور ہو اور جناب سیدہ کی خوشنودی منظور ہو وہ حضرات حسب ہمت وتوفیق اس امر میں شریک ہوں اور عند اللہ زمرہ انخبیا اور مخیرّ ان میں معدود اور محسوب ہوں۔

۱۳۱۰ھ مطابق ۱۹۱۲ء میں مزار اقدس کے انتظام وانصرام کے لئے سرکار ناصر الملت کی سرپرستی میں انجمن معین الزائرین قائم ہوئی اور سالانہ مجالس یادگار شہید ثالث علیہ الرحمہ کی بنا ہوئی۔ اس انجمن کے پہلے سیکریٹری جناب سید حسن عباس صاحب کنتوری منتخب ہوئے اور سید ناظم حسین صاحب متولی مزار مقرر ہوئے۔ مولانا سید حسن عباس صاحب کے دورِ نظامت میں ایوان مزار میں اضافہ ہوا اور ایک کمرہ مستورات کے لئے بھی تعمیر ہوا۔ متعدد حضرات کے عطاہائے کمرے تعمیر ہوئے اور ان کے نام کے کتبے کمروں اور دروازوں پر نصب کئے گئے۔ ایک کمرہ الحاج خورشید علی صاحب رئیس جلالی نے ۱۳۴۶ھ میں بحسب نذر صاحبزادہ سید علی ظہر صاحب تعمیر کرا کے وقف مزار مقدس فرمایا اور دو کمرے چوہدری سید ارشاد حسین صاحب ردولوی نے تعمیر کروائے۔ عظیم الشان صدر دروازہ بھی سرکار ناصر الملت کے عہد سرپرستی میں تعمیر ہوا۔

۱۳۱۶ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں سرکار ناصر الملت کی وفات کے بعد آپ کے خلف الرشید حجۃ الاسلام سرکار سعید الملت مولانا سید محمد سعید الموسوی النیشاپوری کنتوری مجتہد العصر مزار اقدس وانجمن معین الزائرین کے سرپرست مقرر ہوئے۔ اسی سال سرکار ناصر الملت کی نصیحت کے مطابق آپ کا جنازہ آگرہ لایا گیا اور چودھری سید ارشاد حسین صاحب ردولوی نے اپنے دونوں کمروں کو مزار ناصر الملت طاب ثراہ کے لئے وقف فرمایا اور ان دونوں کمروں کی کمی کو جناب رائی صاحب محمود آباد اور بلہرا نے دو اور بڑے کمرے معہ دو سائڈ روم و برآمدہ تعمیر کرا کے پورا کر دیا۔

سرکار سعید الملت اور آپ کے برادر بزرگ سرکار نصیر الملت طاب ثراہ مزار اقدس کی ترقی و بہبود کے لئے کوشاں رہے اور آپ نے سید ثامن حسن صاحب کو صدر انجمن معین الزائرین مقرر فرمایا جو انتظامات مزار اقدس میں سرگرم رہے۔ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں جناب مولانا سید سبط الحسن صاحب ہنسوی کو سیکریٹری مزار مقدس مقرر کیا گیا اور آپ بھی تا حیات امور مزار کی تکمیل میں نہایت سرگرم رہے۔

۱۹۴۷ء میں ہندو پاکستان کی تقسیم ہوئی۔ ہجرت سے قبل سیٹھ حاجی داؤد ناصر صاحب بمبئی نے مزار اقدس کے شمال اور جانب مشرق نہر کے پار کے پلاٹ خرید کر مزار اقدس کے لئے وقف فرمادیئے۔

۱۹۵۵ء میں سالانہ مجلس کے موقع پر سرکار نصیر الملت نے اپنے دستِ مبارک سے نوری ناصر باغ کی دوکانات کا سنگِ بنیاد رکھا اور رئیس التجار الحاج سیٹھ یوسف علی ناصر صاحب بمبئی نے ۱۹۵۸ء میں مبلغ بیس ہزار روپے کا ڈرافٹ سرکار سعید الملت کی خدمت میں بھیجا۔ یہ رقم اور مومنین کے چندے کی

رقومات سے نوری ناصر بازار کی تکمیل ہوئی۔ سرکار نصیر الملت کی وفات ۱۱ مئی ۱۹۶۶ء کو ہوئی اور کربلائے معلیٰ (عراق) میں تدفین ہوئی۔

سرکار سعید الملت کی سرپرستی میں بہ تعاونِ خاص خطیب الایمان مولانا سید مظفر حسین صاحب طاہر جرولی مومنین کے گراں قدر عطیات سے ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹۶۶ء میں تیسری بار مزار مقدس شہید ثالث علیہ الرحمہ کی عمارت بطرز کربلا و نجف معہ منارہ وقبہ از سرنو تعمیر کی گئی اور قبر انور پر سنگ مرمر کی جالی دار چھتگری بھی بنوائی گئی۔

سرکار سعید الملت کی وفات ۱۱ ستمبر ۱۹۶۷ء کو ہوئی۔ آپ کی تدفین آگرہ میں مزار ناصر الملت میں ہوئی۔ سرکار سعید الملت کی وفات کے بعد سرکار روح الملت مولانا سید علی ناصر سعید عبقاتی مجتہد العصر سرپرست مزار اقدس ہوئے۔

جناب مولانا الحاج سید سبط الحسن صاحب ہنسوی اعلی اللہ مقامہٗ نے ۷ اپریل ۱۹۶۸ء کو علیگڑھ میں وفات پائی اور آپ کا دفن مزار ناصر الملت میں واقع ہوا۔ آپ کی وفات کے بعد جناب مولانا سعادت حسین خان صاحب مجتہد العصر مزار اقدس کے سیکریٹری مقرر ہوئے۔

اجمالی جائزہ

بااعتبار سن ہجری و عیسوی

۹۵۶ھ / ۱۵۴۹ء	شہید ثالثؒ کی ولادت بمقام شوستر (ایران) ہوئی۔
۹۷۹ھ یا ۹۸۰ھ / ۱۵۷۲ء یا ۱۵۷۳ء	آپ اپنے وطن شوستر سے مشہد مقدس تشریف لائے۔
۹۹۲ھ / ۱۵۸۴ء	تبلیغ واشاعت مذہب کے لئے (بہ عہد شہنشاہ اکبر) ہندوستان تشریف لائے۔
۹۹۴ھ یا ۹۹۵ھ / ۱۵۸۶ء یا ۱۵۸۷ء	جب اکبر اعظم لاہور میں وارد ہوا تو آپ کو قاضی شیخ معین متوفی ۹۹۵ھ کی جگہ پر قاضی القضاۃ لاہور مقرر کیا گیا۔
۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء	اس مدت میں آپ نے مجالس المومنین کو تصنیف کیا۔
۱۰۱۴ھ	احقاق الحق کو تصنیف کیا اور اس کے بعد آپ نے الصوارم

۱۶۰۵ء	المہرقہ کو تصنیف کیا جو ۱۰۱۴ھ کے درمیان کی تصنیف ہے۔ یہی وہ تصانیف ہیں (خصوصاً احقاق الحق) جو آپ کی شہادت کا باعث ہوئیں۔
۱۸ جمادی الآخر ۱۰۱۹ھ / ۷ ستمبر ۱۶۱۰ء	تبلیغ و اشاعت مذہب شیعہ کے جرم میں بادشاہ جہانگیر نے بضرب درہ خاردار آپ کو شہید کر ڈالا اور آبادیٔ شہر سے دور سنسان جنگل میں آپ کی لاش مبارک کو بے غسل و کفن ڈال دیا گیا۔ تین دن بعد اسی سنسان بیابان میں آپ دفن ہوئے اور سنگی مرقد مبارک بنایا گیا۔
۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء	شہید ثالث کے فرزند اکبر سید شریف الحسینی (جو مجتہد العصر تھے) اور قبر شہید کی مجاوری کرتے تھے۔ انتقال کیا اور اپنے پدر بزرگوار کے جوار میں دفن ہوئے۔
۱۱۴۸ھ / ۱۷۳۵ء	اموات مومنین اس مقام پر دفن ہونے لگے۔
۱۱۸۸ھ / ۱۷۷۴ء	امتداد زمانہ کی وجہ سے مرقد منور شکستہ حالت میں ہو چکا تھا۔ سید محمد منصور موسوی نیشاپوری نے مرقدِ منور پر مسقّف عمارت (جس میں مدوّر در بغیر دروازوں کے تھے) تعمیر کرائی اور قبر پر سنگ سرخ کا ایک کتبہ نصب کیا۔ موجودہ عمارت نو میں یہ کتبہ زنانہ کمرہ میں نصب ہے جو پائین پا واقع ہے۔
۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۴ء	حوادث زمانہ اور مومنین کے بے توجہی سے عمارت مزار منہدم ہو گئی اور اس کے ملبے کے نیچے مرقد شہید پوشیدہ ہو گیا۔ سنسان جنگل پہلے سے تھا ہی اب خود جھاڑیوں اور خاردار درختوں کی افزائش کی وجہ سے یہ مقام خوفناک درندوں اور موذی حشرات الارض کا مسکن ہو گیا۔ یہاں تک کہ قبر کا نشان بتلانے والے بھی نہ رہے۔ اس موقع پر دنیائے شیعیت کی نامور روحانی ہستی آیت اللہ علامہ سید حامد حسین موسوی نیشاپوری مجتہد العصر مصنف عبقات الانوار قبر مطہر

شہید کو تلاش کرنے کے لئے مع اپنے برادر علامہ سید اعجاز حسین موسوی نیشاپوری مصنف کشف الحجب والاستار آگرہ تشریف لائے اور بڑی زحمت وتعب و مشقت کے بعد مرقد شہید کو کشف کر کے نمایاں کیا اور مومنین کو شہید ثالث کی جلالت قدر سے آگاہ کر کے پھر سے نئی عمارت بنانے کی طرف متوجہ کیا۔

١٢٩٠ھ / ١٨٧٣ء جناب فردوس مآب علامہ سید حامد حسین موسوی نیشاپوری مجتہد العصر کی سرپرستی میں زیر اہتمام سید علی نقی صاحب جعفری پہرسری باغات مومنین سابقہ عمارت کی بنیاد پر دوسری عمارت تعمیر ہوئی۔ اس میں بھی صرف مدوّر در تھے۔ دروازے نہ تھے۔

١٣٠٦ھ / ١٨٨٨ء سرپرست مزار جناب فردوس مآب نے انتقال فرمایا اور ان کے خلف الصدق جناب آیۃ اللہ ناصر الملت والدین مولانا سید ناصر حسین صاحب موسوی نیشاپوری مجتہد العصر نے مزار اقدس کی سرپرستی کے فرائض انجام دینے شروع کئے اور اپنے والد علام کی طرح مزار اقدس کو تاحیات مزید ترقی دیتے رہے۔

١٣٣١ھ / ١٩١٢ء چونکہ مزار تک پہنچنے کے لئے دیوانی کچہری کے بعد راستہ بہت زیادہ خراب اور ناہموار تھا اس لئے ١٣٣١ھ مطابق ١٩١٢ء میں حسب خواہش سرکار ناصر الملت وبہ سعی نواب سر فتح علی خان قزلباش لاہور دیوانی کچہری سے نہر تک گورنمنٹ نے پختہ سڑک بنوائی اور مزار سے نہر تک (مع پل) مومنین کے چندے سے سڑک بنوائی گئی۔ اسی سال سرکار ناصر الملت کی زیر سرپرستی مزار کی نگرانی وانصرام امور کے لئے انجمن معین الزائرین قائم ہوئی اور سالانہ مجالس یادگار شہید کی بنیاد پڑی۔ اس انجمن کے پہلے سیکریٹری مولانا سید حسن عباس موسوی نیشاپوری منتخب ہوئے اور سید ناظم حسین صاحب متولی مزار نے تولیت مزار کی تمام ذمہ داریاں اس انجمن کے سپرد کر دیں۔ مولانا سید حسن عباس صاحب موسوی کے دورِ نظامت میں ایوان مزار کا اضافہ ہوا۔ ایک کمرہ مستورات کے لئے بنا۔ اندرون مزار مرمری فرش و مرمری منبر بنا، آہنی پنڈال سالانہ مجالس کے لئے نصب کیا گیا۔ مشرقی کمرے قیام

زائرین کے لئے اور عظیم الشان پھاٹک و دیگر عمارت کی تعمیر ہوئی۔ سرکار ناصر الملت کے ارتحال کے بعد ان کے خلف الصدق حجۃ الاسلام سرکار سعید الملت مولانا سید محمد سعید الموسوی النیشاپوری مجتہد العصر مزار اقدس وانجمن معین الزائرین کے سرپرست ہوئے۔ اس سال حضرت صدر المحققین سرکار ناصر الملت کی وصیت کی بناء پر سرکار طاب ثراہ کا جنازہ لکھنؤ سے لایا گیا اور چوہدری سید ارشاد حسین صاحب مرحوم رئیس رودلی ضلع بارہ بنکی نے اپنے تعمیر کردہ دو کمروں کو مزار ناصر الملت کے لئے مخصوص کر دیا اور ان متذکرہ کمروں کی کمی کو سرپرست مزار سرکار سعید الملت مدظلہٗ اور سرکار نصیر الملت طاب ثراہ کی توجہ دہانی سے دو بڑے خوش نما کمروں (مع دو سائیڈ روم و برآمدہ) کے جناب رانی صاحبہ محمود آباد نے زر کثیر صرف کر کے قیام زائرین کے لئے تعمیر کرا کے پورا کیا۔

سرکار سعید الملت مدظلہٗ اور موصوف کے برادر بزرگ سرکار نصیر الملت طاب ثراہ برابر مزار اقدس کی ترقی و بہبود کے لئے کوشاں رہے اور صدر انجمن معین الزائرین سید ثامن صاحب مزار اقدس سے اپنی فطری دلچسپی اور عقیدت کی بناء پر ان امور میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لیتے رہے۔

سرپرست مزار سرپرست انجمن معین الزائرین سرکار سعید الملت مدظلہٗ نے مزار اقدس وانجمن کی نظامت کے فرائض بحیثیت آنریری جنرل سیکریٹری مولوی سید سبط الحسن ہنسوی کے سپرد فرمائی اور میں نے باوجود اپنی ضعیفی کے یاعلیؑ کہہ کر اس بار عظیم کو اٹھایا اور خوش قسمتی سے سرکار کی سرپرستی وسربراہی میں مزار مقدس کو نمایاں ترقیاں حاصل ہونے لگیں۔

١٣٨٦ھ / ١٩٦٦ء مولوی سبط الحسن ہنسوی کے دورِ نظامت تولیت میں بہ تعاون خاص خطیب الایمان مولانا سید مظفر حسین صاحب طاہر عبقاتی نبیرۂ سرکار ناصر الملت مومنین مخلصین کے گراں قدر عطایا سے تیسری بار از سر نو جدید عالیشان عمارت مزار مع ہر دو منارہ وقبہ تعمیر ہوئی جو ایک جانب سے حرم اقدس امیر المومنین صلوٰۃ اللہ علیہ اور ایک جانب سے حرم اقدس سید الشہداء علیہ الصلوٰۃ والسلام (کربلاءِ معلّٰی) کی شبیہ ہے۔

١٣٩٠ھ / ١٩٧٠ء تعمیر جدید مزار اقدس کا جشن افتتاح ہوا جس میں خطیب الایمان مولانا سید مظفر حسین طاہر عبقاتی کی دعوت پر نمائندگان مراجع تقلید عالم شیعیت واعاظم علمائے ایران وعراق و لندن ونیز نمائندہ آریا مہر شہنشاہ ایران وسفیر کبیر ایران متعینہ دہلی اور وزراء مرکز جمہوریت ہند و گورنر یوپی و دیگر رہبران ملک وملت نے شرکت فرمائی۔

حامد جونپوری:

مرثیہ

درحال شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری

فروغِ نظم ثنائے شہیدِ ثالث ہے ۱ جمالِ شعر وفائے شہیدِ ثالث ہے
دلوں میں شیعوں کے جائے شہیدِ ثالث ہے عیاں لحد سے ضیائے شہیدِ ثالث ہے
جہاں میں شہرۂ اخلاق و حلم پھیلا ہے
نہاں ہے مہر مگر نورِ علم پھیلا ہے

بظاہر آگرہ میں گو مزار ہے اُن کا ۲ مگر حضورِ نبیؐ یہ وقار ہے اُن کا
شہیدوں میں رہِ حق کے شمار ہے اُن کا جو بزم رحمت رب ہے جوار ہے اُن کا
خدا کی نعمتوں کا لطفِ خاص اُٹھاتے ہیں
ہیں زندہ مرنے پہ بھی رزقِ روح پاتے ہیں

پس از فنا یہ بقا کا اثر خدا کی شان ۳ ہے ان سے شمعِ ہدا جلوہ گر خدا کی شان
دلِ نبیؐ میں کیا مر کے گھر خدا کی شان خدا کی بزم میں ان کا گزر خدا کی شان
ابوالحسنؑ پسران بتولؑ رہتے ہیں
یہ بزم وہ ہے کہ جس میں رسولؐ رہتے ہیں

بہشتِ صدق و صفا ہے یہ بزم ایسی ہے ۴ ریاضِ اہل ولا ہے یہ بزم ایسی ہے
ہر اک شہید کی جا ہے یہ بزم ایسی ہے نبیؐ کے ساتھ خدا ہے یہ بزم ایسی ہے
بہارِ محفلِ ربّ وحدت مجسم ہے
محیط جلوۂ قدرت ہے ہو کا عالم ہے

ہم ایسی بزم کی حالت دکھا نہیں سکتے ۵ وہ لطفِ رب ہیں کہ دل میں سما نہیں سکتے
بغیرِ اذن ملک دخل پا نہیں سکتے یہ بزم وہ ہے جہاں غیر آ نہیں سکتے
رسولؐ محفلِ وحدت اسی کو کہتے ہیں
وصال جن کا خدا سے ہوا وہ رہتے ہیں

یہ بزم اہلِ سعادت ہے دیکھ اے رضواں ۶ یہ گنج نقد سیادت ہے دیکھ اے رضواں
در اس کا بابِ عبادت ہے دیکھ اے رضواں یہ خانہ باغِ شہادت ہے دیکھ اے رضواں
خدا کا قول وہ سمجھے جسے ذرا شک ہو

بہشت نام ہے جس کا تجھے مبارک ہو

بہارِ بزم سے ہے خم سر بہارِ جناں ۷ ورق میں پھولوں کے ہیں دفترِ بہارِ جناں
یہ وہ چمن ہے جو ہے مصدرِ بہارِ جناں ہر ایک ذرے میں ہے جوہرِ بہارِ جناں
اِرم میں نور نہ کیوں جائے رحمتِ حق کا
جہاں نما ہے یہ آئینہ قدرتِ حق کا

یہ باغِ بزم وہ ہے جو ہے وجہ شانِ جناں ۸ ہے اس کے فیض سے آبادی جہانِ جناں
اسی کے قدموں سے لپٹی ہوئی ہے جانِ جناں زمین روشن اسی کی ہے آسمانِ جناں
جو نور صبح میں ہے دامن مطلاّ کا
بنا ہے مہر تبسم علیؑ و زہراؑ کا

جو حق نیوش ہیں سنتے ہیں یوں صدائے جناں ۹ اسی ریاض کے پرتو سے ہے ضیائے جناں
نسیم اسی چمنستان کی ہے ہوائے جناں صباحت اس کی بنی صبحِ جانفزائے جناں
یہ نور دیدۂ یعقوبؑ میں سمایا ہے
سحر نے جلوۂ یوسفؑ اِرم میں پایا ہے

یہ باغ وہ ہے جو چشمِ جناں کا تارا ہے ۱۰ عروج دے کے اسے حق نے خود اُبھارا ہے
حبیب رب کا یہیں تو ہر ایک پیارا ہے نبیؐ کے واسطے اللہ نے سنوارا ہے
ہیں اہلِ بزم میں ہر سمت ناز کی باتیں
خدا سے ہوتی ہیں راز و نیاز کی باتیں

جو دورِ فیضِ رسولؐ و امام چلتا ہے ۱۱ اِسی ریاض سے جنت کا نام چلتا ہے
خدا کے ہاتھ سے رحمت کا جام چلتا ہے اس آفتاب سے کوثر کا کام چلتا ہے
اُبھر اُبھر کے جو چشمِ حباب تکتی ہے
جمالِ روئے رسالتمآب تکتی ہے

ہر اہلِ بزم کے رخ پر نگاہِ کوثر ہے ۱۲ انھیں کی چاہ سے اعزاز و جاہِ کوثر ہے
طریقِ الفتِ احمدؐ جو راہِ کوثر ہے خمیدہ موج نہیں مدِّ آہِ کوثر ہے
یہ شوق سطح کا سینہ اُبھار دیتا ہے
علیؑ کے عشق میں یوں ٹھنڈی سانس لیتا ہے

جناں کے چشموں میں گو لاجواب ہے کوثر ۱۳ اسی چمن سے مگر فیضیاب ہے کوثر
ہوا کے جھونکوں سے پُر اضطراب ہے کوثر جسے سکوں نہیں وہ آفتاب ہے کوثر
ہے شعلہ عشق کا پوشیدہ ضوفشانی میں
ہے قید جوشِ جوانی چمکتے پانی میں

بہشتِ قرب خدا سے رواں ہوا تسنیم ۱۴ بلند قدر دمِ امتحاں ہوا تسنیم
زمیں پہ پھیل کے اک آسماں ہوا تسنیم شباب جوش سے گوہر فشاں ہوا تسنیم
دکھایا معجزہ فواروں کی زبانوں سے
کھلا عروجِ نبیؐ دھاروں کی کمانوں سے

جو بزم میں ہے چھلکتی ہوئی مئے تسنیم ۱۵ رواں ہے پیاسوں کو تکتی ہوئی مئے تسنیم
گلِ ولا سے مہکتی ہوئی مئے تسنیم ہے برقِ طور چمکتی ہوئی مئے تسلیم
کھلے ہیں خلد میں رازِ طور صہبا کے
ہر ایک موج ہے غش میں مثال موسیٰ کے

ہے بزم نور کے جلوے سے پر ضیا پانی ۱۶ ہے ضو سے صدق کے آئینہ صفا پانی
سلاسل اس کو ہیں موج رواں ہو کیا پانی جمال دیکھ رہا ہے رُکا ہوا پانی
وقارِ بزم کے میزان دل میں تولے ہیں
وفورِ شوق سے گرداب آنکھیں کھولے ہیں

یہ باغ وہ ہے کہ جس میں ہیں جاودانی پھول ۱۷ رخ اہل بزم کے گویا ہیں ارغوانی پھول
زمیں کو عرش بناتے ہیں آسمانی پھول جناں کی سبزی پہ ہنستے ہیں زعفرانی پھول
وہ اضطراب خجالت سے یوں دکھاتا ہے
ہوا کے جھونکوں سے کروٹ بدلتا جاتا ہے

جو فیض محفل گلہائے حق سے پائے جناں ۱۸ چٹک کے کیوں نہ شگفتہ ہوں غنچہ ہائے جناں
گلوں کے عقدِ ثریا کو جب دکھائے جناں ستارہ دار نہ کس طرح ہو قبائے جناں
کمالِ حسن بڑھایا جو زیورِ گل نے
جبینِ خلد پر افشاں چنی زرِ گل نے

نبیؐ کے قصر میں اصل نہال طوبیٰ ہے ۱۹ محیط خلد پہ ہے یہ کمالِ طوبیٰ ہے
جو نغمہ سنج دلوں میں خیالِ طوبیٰ ہے یہ زمزمے ہیں کہ سحرِ حلالِ طوبیٰ ہے
سنایا لحنِ خدا ساز خود ہواؤں نے
زباں بہشت کو دی پتوں کی صداؤں نے

عیاں یہ قدرِ رسولؐ و امام کرتے ہیں ۲۰ اُٹھا کے ہاتھ شجر سب سلام کرتے ہیں
ادا درود سے حق کا پیام کرتے ہیں جسد میں روح نہیں پر کلام کرتے ہیں
جدا حیات سے انساں کے ان کی جانیں ہیں
خدا کی شان کہ پتے نہیں زبانیں ہیں

نبیؐ کی بزم میں اربابِ نور کا وہ ہجوم ۲۱ دلوں میں راحت و عیش و سرور کا وہ ہجوم
چہار سمت گلوں کے ظہور کا وہ ہجوم ہر ایک شاخِ شجر پر طیور کا وہ ہجوم
ہیں روحیں غرق یمِ نغمۂ حقیقت میں
یہ چہچہے ہیں کہ بجتے ہیں ساز جنت میں

بڑھائی زینتِ محفل جو حق کے نوروں نے ۲۲ شبابِ خلد کو افزوں کیا سروروں نے
بتایا ہم کو کتابِ خدا کے سوروں نے انھیں کے جلوے سے پایا ہے حسن حوروں نے
شرف کنیزیٔ اہل ولا کا کھلتا ہے
جمال ان کا نگاہِ نبیؐ میں تلتا ہے

رحیقِ لطف الٰہی کی وہ فراوانی ۲۳ وہ نشۂ خیزیِ حمد و شکر کا پانی
وہ حق میں محو شہیدانِ آلِ عمرانی خدا سے پوچھیے وہ کیفِ بزمِ روحانی
ہے محفل ایسی کے مداح جس کے حیدرؑ ہیں
حدیں سرور کی اپنی سمجھ سے باہر ہیں

فزوں جہان سے آرائشوں کا عنواں ہے ۲۴ ہوس کرے اُسے کب تاب دست انساں ہے
نہ سونگھی ناک نے وہ بوئے روحِ ریحاں ہے کسی کی آنکھ نے دیکھا نہیں وہ ساماں ہے
وہ ذائقہ کہ جو پایا نہیں زبانوں نے
وہ نعمتیں نہ سنیں جو کسی کے کانوں نے

جو اوج تاجِ رضائے خدا سے پاتے ہیں ۲۵ فرشتے نور کا خلعت جنھیں پنہاتے ہیں
جو سر پر اپنے شہادت کا بار اُٹھاتے ہیں وہ بزم قرب الٰہی میں مر کے جاتے ہیں
نہ پاتے کس لئے پھر جائے نیک نور اللہ
اُنھیں شہیدوں میں الحق ہیں ایک نور اللہ

ہے عالموں میں وہ اعلیٰ مقامِ نور اللہ ۲۶ کہ جیسے عرش معلیٰ ہو بامِ نور اللہ
ہے اہلِ علم پر احسانِ عامِ نور اللہ ضیاء فگن ہے زمانے میں نامِ نور اللہ
بہ فخر کہتے ہیں غلماں جناں میں حوروں سے
یہ نور وہ ہے جو نکلا خدا کے نوروں سے

خدا کو علم ہے جو ہے وقارِ نور اللہ ۲۷ ہے قبہ قصر جناں کا مزارِ نور اللہ
عیاں ہے عالموں میں اقتدارِ نور اللہ بیان کرتا ہوں اب کچھ شعارِ نور اللہ
کبھی کنائے ہیں طفلی کے گہہ جوانی کے
ہیں واقعات مسدس میں عمر فانی کے

جہاں میں نہ صدو پنجاہ و شش جو سال آیا ۲۸ پدر کی آنکھوں کا تارا مہ کمال آیا
جو دل میں آمدِ مولود کا خیال آیا نئی طرح کا مری نظم میں جمال آیا
ہیں مہر مصرعِ پرنور ضوفشانی سے
نمود عام ولادت ہے بند ثانی سے

جہاں میں نجم زماں عرش جاہ آیا ہے ۲۹ کہ مہر دیدۂ شرع الہ جاہ آیا ہے
بلند قدر و سیادت پناہ آیا ہے ہلالِ نیک و شہادت کا ماہ آیا ہے
یہ حق معنیٔ آیاتِ حق میں ڈوبے گا
یہ بدر ہو کے لہو کی شفق میں ڈوبے گا

نسب علیؑ و محمدؐ سے ہے ملا ان کا ۳۰ بتولؑ تک ہے رسا منبعِ ولا ان کا
حسینؑ سے ہے گل آبرو کھلا ان کا چلا ہے حضرت عابدؑ سے سلسلہ ان کا
یہ خاندان سیادت کے افتخار ہوئے
رسولؐ اور اماموں کے ورثہ دار ہوئے

مفید خلق جو اللہ کے ارادے ہیں ۳۱ اُسی کے راستے شرع نبیؐ کے جادے ہیں
شرف ہیں فرد سیادت کے خانوادے ہیں حسب کو لو تو عجم کے یہ شاہزادے ہیں
ہیں دونوں ملکوں کے سرتاج یہ وہ خوشخو ہیں
کہ ان کی جدۂ ذیجاہ شہربانوؑ ہیں

یہ ماہِ نو جو ہوا خلق ماں کو عید ہوئی ۳۲ نیا مکیں جو آیا مکاں کو عید ہوئی
بزرگ خوش ہوئے طفل و جواں کو عید ہوئی زمیں کو عید ہوئی آسماں کو عید ہوئی
یہ شورِ تہنیت عید دور تک پہنچا
چھٹی کا غلغلہ شستر سے تا فلک پہنچا

ہر اک کا قول تھا یہ سیمبر مبارک ہو ۳۳ یہ ان کی آنکھوں کو نورِ نظر مبارک ہو
شریف شاد ہیں لختِ جگر مبارک ہو کہ خاندان کو یہ رشکِ قمر مبارک ہو
پسند جو نہ کرے وہ نگاہ ہے کس کی
جہاں میں اخترِ اقبال ہے جبیں اس کی

فروغ ان کو جو ہوتا تھا شیر پینے سے ۳۴ سلاتی تھیں انھیں مادر لگا کے سینے سے
کہر ملا جو سیادت کے یہ خزینے سے پدر بھی گود میں لے لیتے تھے قرینے سے
دہن جو کھلتا تھا منھ میں زبان دیتے تھے
رُخ اُن کا چوم کے بوسے جبیں کے لیتے تھے

جو دن گذرتے تھے قد ان کا بڑھتا جاتا تھا ۳۵ ہر ایک ماہ نمود رنگ نو دکھاتا تھا
جو اقتضائے سن ان کو ضدوں پہ لاتا تھا پسر کے غصے پہ مادر کو پیار آتا تھا
نہ کیوں بھر آتا دل پرگداز رکھتی تھیں
بلائیں لے کے وہ رونے سے باز رکھتی تھیں

وہ ماں کی گود میں پلنا وہ بچپنا اُن کا ۳۶ وہ کھیل کود وہ چلنا وہ بچپنا اُن کا
وہ تیوریوں کا بدلنا وہ بچپنا اُن کا وہ روٹھنا وہ مچلنا وہ بچپنا اُن کا
کبھی بچھڑتے تھے جب یہ تو وہ مناتے تھے
ہر ایک طرح کے ماں باپ ناز اُٹھاتے تھے

ہوئے جو پانچ برس کے خدا خدا کر کے ۳۷ خیال لہو و لعب جو تھے دل سے وہ سرکے
یہ بات ذہن میں آئی پدر کے مادر کے سبق پڑھایئے ان کو کتابِ داور کے
امین ہوں یہ حدیث رسولؐ یزداں کے
شریکِ درس ہوں یہ مدرسہ میں ایماں کے

بڑھا فروغ جو اس شمعِ خاندانی کا ۳۸ اساتذہ سے ہوا شغل درس خوانی کا
جو زورِ ذہن میں بچپن سے تھا جوانی کا کمال بڑھنے میں عالم تھا بہتے پانی کا
شبابِ حافظہ سے فہم ان کا تیز ہوا
بڑھا جو علم تو دریائے موج خیز ہوا

یہ شوق دل سے یہ قربان بابِ علم ہوئے ۳۹ امین کاملِ سرِّ کتاب علم ہوئے
جوان ہوتے ہی بحرِ شبابِ علم ہوئے شرف خدا نے دیا آفتابِ علم ہوئے
قلوب مردہ جئے ایسے یہ فصیح ہوئے
ضیاء بڑھی فلکِ شرع کی مسیح ہوئے

یہ اخذ حکمتِ احمدؐ میں سب سے اکمل تھے ۴۰ کلام جتنے تھے ان کے وہ سب مدلل تھے
تمام علموں میں ہمعصروں سے یہ افضل تھے سوم شہید نظیرِ شہیدِ اوّل تھے
نشاں بلند تھا تائید آسمانی کا
جبیں پہ نور تھا بخت شہیدِ ثانی کا

خبر انھیں تھی فرائض کی اور سنت کی ۴۱ نظر کے آگے کتابیں تھیں سب شریعت کی
جو ملنے والی تھی دولت انھیں سعادت کی زبان و دست و قلم سے نبیؐ کی نصرت کی
ہر آرزو دلِ تصنیف کی نکلنے لگی
جہادِ نفس میں شمشیرِ خامہ چلنے لگی

تھا ان کی ذات میں عالم چراغ روشن کا ۴۲ کمال پا گئے ہر ایک ماہرِ فن کا
اُٹھا یہ غلغلہ فضل خدائے ذوالمنن کا کہ شوستر میں بجا ان کے علم کا ڈنکا
جو شہرت ان کی صف صاحب قلم میں ہوئی
عراق گونج اُٹھا دھوم ایک عجم میں ہوئی

جوان کے قلب میں دیں کا کمال رہنے لگا ۴۳ نظر میں دار فنا کا مآل رہنے لگا
خدا کے خوف سے غیران کا حال رہنے لگا زیارت شہ دیں کا خیال رہنے لگا
یہ دل سے کہتے تھے میں کربلا پہ مرتا ہوں
مزارِ سبطِ رسولؐ خدا پہ مرتا ہوں

دعا یہ تھی خبر خوش نجات سے پاؤں ۴۴ ثمر جناں کا نہالِ حیات سے پاؤں
میں غسل مرنے پہ آبِ فرات سے پاؤں اندھیری قبر میں خط دن کا رات سے پاؤں
بقا کا لطف ریاضِ فنا میں خاک ملے
وصال حق سے ہو خاکِ شفا میں خاک ملے

یہ خاک وہ ہے کہ جس میں حسینؑ سوتے ہیں ۴۵ ہزبرِ فاتح بدر و حنین سوتے ہیں
شہید ہو کے شہِ مشرقین سوتے ہیں بہت سے فاطمہؑ کے نورِ عین سوتے ہیں
وفورِ گریہ سے بے نور چشم زہراؑ ہے
کہ رنگ شب کا ہے دن میں سیاہ دنیا ہے

یہ وہ زمیں ہے جہاں نصب ہے نشانِ حسینؑ ۴۶ نجف میں بیت علیؑ ہے وہاں مکانِ حسینؑ
اُسی زمین پہ لیا حق نے امتحانِ حسینؑ یہ دشت وہ ہے لٹا جس میں کاروانِ حسینؑ
تڑپ کے لاشے ہوئے سرد حق شناسوں کے
اُسی زمیں کی بجھی پیاس خون سے پیاسوں کے

اُسی زمین پہ خیمے تھے دودِ غم سے سیاہ ۴۷ وہ قحط آب کہ حالت تھی جس سے سب کی تباہ
وہ پیاس تھی کہ نکلتا تھا دل سے شعلۂ آہ دہن خیام سے اُٹھتا تھا شورِ واعطشاہ
کئی تھے بچے جو چشم نبیؐ کے تارے تھے
تھے تین روز کے بھوکے عطش کے مارے تھے

غریب امام کے ناصر اُسی زمیں پہ مرے ۴۸ جو تشنہ لب تھے مسافر اُسی زمیں پہ مرے
ہلال و عابس و عامر اُسی زمیں پہ مرے حبیب ابنِ مظاہر اُسی زمیں پہ مرے
وہ چاک دامنِ دلبندِ فاطمہؑ ہونا
سپاہِ دیں کا وہ بالخیر خاتمہ ہونا

علیؑ کے پیارے وہیں تیغوں سے حلال ہوئے ۴۹ ہلاک زخموں سے زینبؑ کے نونہال ہوئے
فدائے حق حسنؑ مجتبٰی کے لال ہوئے اُسی زمین پہ قاسمؑ بھی پائمال ہوئے
لکھی تھی موت نئی ظلموں سے مقدر میں
اُٹھی جو لاش بھی ان کی تو شہؑ کی چادر میں

اُسی زمین پہ عباسؑ نیک نام مرے ۵۰ کنارے نہر کے لڑ بھڑ کے تشنہ کام مرے
کٹا کے ہاتھ جو حیدرؑ کے لالہ فام مرے اجل سے اُس کی نہ کیونکر دلِ امام مرے
جو دل تڑپ اُٹھا نبضِ حسینؑ چھوٹ گئی
ہے جس پہ بارِ شفاعت کمر وہ ٹوٹ گئی

اُسی زمین پر خون میں بھرے علی اکبرؑ ۵۱ اُسی زمین پہ گر کر مرے علی اکبرؑ
تھا نوحہ شہ کا کہاں ہے ارے علی اکبرؑ غریب باپ ترا کیا کرے علی اکبرؑ
ہے شور رن میں صدا تک اُدھر نہیں آتی
پدر کو لاش پسر کی نظر نہیں آتی

اُسی زمین پہ ناوک حسینؑ پر برسے ۵۲ اُسی زمیں پہ بہا خون حلقِ اصغرؑ سے
اُسی زمین پہ سجادؑ چھوٹے سرورؑ سے اُسی زمین پہ شہؑ نکلے مرنے کو گھر سے
سب اہل بیتؑ نبیؐ سر پہ خاک اُڑاتے تھے
بہن کے ہاتھوں میں تھا ہاتھ روتے جاتے تھے

اُسی زمین کو اعزازِ نو دیا شہؑ نے ۵۳ سپاہ شر سے نشانِ ظفر لیا شہؑ نے
اُسی زمین پہ خون جگر پیا شہؑ نے جہاد نفس و جہادِ زبان کیا شہؑ نے
اُسی زمین پہ حالِ حسینؑ غیر ہوا
جہادِ تیغ ہی پر خاتمہ بخیر ہوا

اُسی زمیں پہ ہوئی شہؑ کو زندگی سے یاس ۵۴ اُسی زمین پہ جھیلی تھی تین روز کی پیاس
وہ سوکھے ہونٹوں پہ وقتِ اخیر حمد و سپاس وہ آگے آنکھوں کے ریتی پہ میتِ عباسؑ
عزیزوں کا جسدِ پاش پاش دیکھتے تھے
اُسی زمین پہ اکبرؑ کی لاش دیکھتے تھے

یہ وہ زمیں ہے ہوئی تر جو خون سرورؑ سے ۵۵ اُسی زمین پہ کٹا حلق خشک خنجر سے
ٹھہر سکیں جو نہ زینبؑ غمِ برادر سے سب اہلِ بیتؑ محمدؐ نکل پڑے گھر سے
نہ کی کسی نے جو امداد بنتِ زہراؑ کی
وہ ابنِ سعد سے فریاد بنتِ زہراؑ کی

اُسی زمیں پہ در آئے حرم میں ظلم و نہاد ٥٦ اُسی زمیں پہ ہوئی آلِ مصطفٰیؐ برباد
اُسی زمین پہ کھلا فرقِ زینبؑ ناشاد اُسی زمین پہ ہوئے قید سیّدِ سجادؑ
علم سناں پہ سرِ شاہ مشرقین رہا
اُسی زمین پہ عریاں تنِ حسینؑ رہا

ہر ایک گھاؤ جو شہ کے جسد پہ تھا گہرا ٥٧ تھا غم سے آبِ علیؑ و بتولؑ کا زہرا
لحد میں آکے جو لاشہ حسینؑ کا ٹھہرا وہی زمین نبیؐ مثل دامن زہراؑ
لحد نواسے کی خود مصطفٰیؐ نے کھودی تھی
اُسی زمین کی آغوش ماں کی گودی تھی

وقار مرقد شبیرؑ یوں دکھاتے ہیں ٥٨ اُسی زمین پہ زیارت کو احمدؐ آتے ہیں
جو اُس زمین میں حیدرؑ پسر کو پاتے ہیں نجف سے روتے ہوئے سوئے قبر جاتے ہیں
بتولؑ دیکھ کے مقتل کو آہیں بھرتی ہیں
لحد حسینؑ کی بالوں سے صاف کرتی ہیں

جو اُس زمین پہ زوارِ شاہ مرتے ہیں ٥٩ فرشتے ان کے لیے آہ سرد بھرتے ہیں
رہ نجات الٰہی میں یوں گذرتے ہیں زیارت ان کی لحد میں حسینؑ کرتے ہیں
پسر کے ہاتھوں میں زہراؑ کے ہاتھ ہوتے ہیں
رسولؐ و حیدرؑ و شبرؑ بھی ساتھ ہوتے ہیں

یہ اُس زمین کی توقیر اے خوشا قسمت ٦٠ کہ جاگی مردوں کی تقدیر اے خوشا قسمت
نجات کی ہے یہ تدبیر اے خوشا قسمت سلام کرتے ہیں شبیرؑ اے خوشا قسمت
عذاب قبر کو لطفِ اِلٰہ کھوتا ہے
مصافحہ پسر فاطمہؑ سے ہوتا ہے

جو مضطروں کو عطائے حسینؑ پاتی ہے ٦١ نبیؐ کا خلق خدا کا کرم دکھاتی ہے
صدائے غیب یہ کانوں میں اُن کے آتی ہے تمہاری قدر پس مرگ بڑھتی جاتی ہے
یہ قبر مرقدِ شبیرؑ کی طفیلی ہے
زمین دامنِ رحمت کی طرح پھیلی ہے

لحد نہیں ہے تمہاری جہانِ اکبر ہے ٦٢ اک آسمان یہ سقفِ عطائے داور ہے
حدوں کو گھیرے ہوئے دامن پیمبرؐ ہے زمین اس کی نہیں فاطمہؑ کی چادر ہے
فسردہ اب دلِ شبیرؑ ہو نہیں سکتا
فشار تم سے بغل گیر ہو نہیں سکتا

سوالِ قبر سے کیوں رخ خجل تمہارے ہیں ٦٣ امام اور نبیؐ متصل تمہارے ہیں
قلوب کس لیے اب مضمحل تمہارے ہیں حسینؑ دفن ہیں جس میں وہ دل تمہارے ہیں
فروغ کیوں نہ ملے نور کبریا کی طرح
جناں میں جاؤ گے تم ارض کربلا کی طرح

ارم میں چمکو گے تم مہرِ آسماں ہوکر ٦٤ ضیائے خلد بڑھاؤ گے ضوفشاں ہوکر
نہ رنج جھیلو گے محشر کے مہماں ہوکر جمال حوروں کا دیکھو گے نوجواں ہوکر
حسینؑ اپنا یہ اعجاز تو دکھا دیں گے
شبابِ خلد کے غنچے ہو گل بنا دیں گے

ہوئی جناں میں سرآمد تمہیں مبارک ہو ٦٥ یہ گوشہ گیری مرقد تمہیں مبارک ہو
خدا کی رحمتِ بے حد تمہیں مبارک ہو دعائے حیدرؑ و واحمدؐ تمہیں مبارک ہو
زمین یہ جزو جو اقلیم جاوداں کی ہے
یہاں کی موت حیاتِ ابد وہاں کی ہے

سنی جو قلب نے سب گفتگوئے نورالله ٦٦ کچھ اور ہوگیا مائل وہ سوئے نورالله
جو اتباع امامت تھی خوئے نورالله سوئے حسینؑ بڑھی آرزوئے نورالله
رگِ گلو سے قریں تر ہے لاکھ دوری ہے
یہ دل میں ٹھان لی ایسا سفر ضروری ہے

اگرچہ تھی سفرِ کربلا کی چاہ انھیں ٦٧ مگر مواقع دنیا نے دی نہ راہ انھیں
طلب جو کرتے تھے ہشتم جہاں پناہ اُنھیں بشوق لے چلی خود رحمتِ اِلٰہ اُنھیں
ہر ایک گام فزوں ہوتے تھے حشم ان کے
ہوائے طوس میں گز بن گئے قدم اُن کے

فروغ عشق نئی طرح کی ضیاء لایا ٦٨ نظر کے سامنے مہر جہاں نما لایا
جو ان کو شوق میں جذبِ ولا بڑھا لایا امام ضامنِ ثامن تلک خدا لایا
نگاہِ دل سے ضریحِ حبیب کو دیکھا
غریب دشت بلا کے غریب کو دیکھا

رضا کے روضے میں ایسا جو حق نگر پہنچے ٦٩ تو شغل درس میں تہ تک نہ کیوں نظر پہنچے
رسول و ہادیِ ہشتم کے جب اثر پہنچے یہ علم دیں کے نویں آسمان پر پہنچے
عبور ہوگیا ان کو حدیث و قرآں پر
عروج پاگئے عرش الکمال ایماں پر

جو علم آئمہ اثنا عشر کا تھا حامی ۷۰ مخالفوں کو نظر آئی ان کی ناکامی
نمود چاروں مذاہب کی ہوگئی خامی   سلام کرنے لگی ان کو فقہ اسلامی
وقار ان کا بڑھایا جو علم و حکمت نے
کیا کمال کو تسلیم اہلِ سنت نے

بڑھا دے ساقیٔ دین اور شانِ نوراللہ ۷۱ لگی ہوئی ہے تری مے میں جانِ نوراللہ
پلا پلا کے ہو پُرضو زبان نوراللہ   فروغ نشہ میں لے امتحانِ نوراللہ
یہ حق کے معرکے جھیلے بڑے بڑے ساقی
مثال شیشۂ بادہ ابل پڑے ساقی

یہ کہہ رہے ہیں تیرے بادہ خوار اے ساقی ۷۲ پلا دے مے نہ ہو جس میں خمار اے ساقی
ہے تیرا جادہ رہ کردگار اے ساقی   ریاض علم میں آئی بہار اے ساقی
بیان ہو نہیں سکتا تیری فضیلت کا
ہر ایک قطرے میں دریا بھرا ہے حکمت کا

کمال اس ترے میکش کا ہے کھلا ساقی ۷۳ ہے میکدے میں ترے پاس اسے بلا ساقی
تری نگاہ کی میزاں میں ہے تلا ساقی   ہے دوہرا وصف اسی میں ملا جلا ساقی
یہ جوہری بھی ہے جوہر دکھانے والا بھی
ہے پینے والا بھی مئے کا پلانے والا بھی

یہ رند بزم میں تیری ہے کوئی شے ساقی ۷۴ بہت سے تشنہ کے جادے کئے ہیں طے ساقی
طلب یہ جام کی کرتا ہے پے بہ پے ساقی   اب اس کے دل کی تمنا نکال اے ساقی
یہ تنگ ظرف نہیں ہے زیادہ دے اس کو
نبیؐ کو حق نے دیا جو وہ بادہ دے اس کو

بنا دے سہل ہر امرِ ادق زباں اس کی ۷۵ ہلا دے ارض و سما کے طبق زباں اس کی
دکھا دے اپنے لہو کی شفق زباں اس کی   ہو موج بادۂ احقاق حق زباں اس کی
یہ غوطہ زن رہے تحقیق اصلِ ایماں میں
شناوری کرے بحر شراب عرفاں میں

مدد کا وقت ہے کر مشکلوں کو حل ساقی ۷۶ ہے اور رنگ زمانہ ہوا بدل ساقی
حریم طوس کے میخانے سے نکل ساقی   اب اپنی مست کے ہمراہ ہند چل ساقی
ہوائے نشہ صہبائے جعفری میں جائے
کہ پینے والا ترا بزمِ اکبری میں جائے

ملا جو بادۂ رخصت سفر کے ساغر میں ۷۷ ہوائیں شوق سیاحت کی بھر گئیں سر میں
جو تا بہ ہند یہ پہنچے پناہِ داور میں   مقیم آ کے ابوالفتح کے ہوئے گھر میں
ضیاء نمائیِ جوہر کی عزم میں آئے
اُنھیں کے ساتھ یہ اکبر کی بزم میں آئے

بلند قصر میں وہ چراغ اخضری کی شان ۷۸ سنہری قبوں میں وہ شاہ خاوری کی شان
وہ اہلِ بزم وہ دربارِ اکبری کی شان   جدا سبھوں سے تھی پرشمع جعفری کی شان
کسی حریف کا سر ان کے آگے کیا اُٹھے
قلوب نورِ طلاقت سے جگمگا اُٹھے

حریفِ معرکۂ گفتگو میں مضطر تھے ۷۹ ادیب جتنے تھے ان کے ادب سے ششدر تھے
یہ علم و فضل میں درباریوں سے بہتر تھے   کہ ان کے کوزۂ دل میں بھرے سمندر تھے
جو موجیں ان کے کمالوں کی بے پناہ ہوئیں
علومِ غیر کی سب کشتیاں تباہ ہوئیں

بجھائی بحر ہنر سے جو پیاس اکبرؒ نے ۸۰ بہ شوق ان کو رکھا اپنے پاس اکبر نے
عنایتیں کی فزوں از قیاس اکبر نے   کہا بہ خلق یہ جوہر شناس اکبر نے
نہ کیسے ہم سوئے لاہور التفات کریں
ہے خواہش اپنی تمھیں قاضی القضات کریں

جواب حکم شہی میں یہ قول ان کا ہے ۸۱ مرا کمال نہیں موج خیز دریا ہے
کسی کی میں کروں تقلید یہ تو بے جا ہے   مقدموں میں مجھے اجتہاد زیبا ہے
تزلزل آنے نہ دوں گا میں دینِ احمدؐ میں
رہوں گا چاروں مذاہب سے ایک کی حد میں

شرائط ان کے جو مقبول بادشاہ ہوئے ۸۲ ہوئے یہ قاضیِ لاہور و اہل جاہ ہوئے
مکینِ سندِ انصاف و حق پناہ ہوئے   ستم رسیدہ جو تھے ان سے دادخواہ ہوئے
بغیر رو و رعایت یہ کام کرنے لگے
کہ فیصلوں سے عدالت میں نام کرنے لگے

جب ایسا سیّد ذیجاہ کامیاب ہوا ۸۳ ہر اک طرح کے مظالم کا بند باب ہوا
جو مستحق تھا وہ تحت انتخاب ہوا   غروب ہند میں رشوت کا آفتاب ہوا
ضیائیں عدل کی ہر جا فروغ پاتی تھیں
شعاعیں سیم و طلا کی نظر نہ آتی تھیں

رقیب جل گئے دیکھے جو مشغلے ان کے ۸۴ بغور جانچے حریفوں نے مسئلے ان کے
بری عیوب سے پائے معاملے ان کے تھے ان کی شرط کے پابند فیصلے ان کے
کتب میں غیروں کی لکھا جو ہے وہ کہتے تھے
مگر یہ دائرۂ دین حق میں رہتے تھے

نہ مکر و زور تھا ان میں نہ دل میں گھاتیں تھیں ۸۵ انھیں کے درس سے ممتاز نیک ذاتیں تھیں
عبادتوں سے منور اندھیر راتیں تھیں محقق ایسے کہ تحقیق حق کی باتیں تھیں
خدا کی دی ہوئی توفیقیں کام کرتی تھیں
شبیں کتابوں کی تصنیف میں گذرتی تھیں

مکان ان کا پئے علم درس گاہ ہوا ۸۶ کوئی نہ ان کے طریقہ کا سد راہ ہوا
نہاں حکومت اکبر کا جب کہ ماہ ہوا زمانہ بدلا جہانگیر بادشاہ ہوا
رہا نہ ہوش ذرا سلطنت کے کاموں کا
نگاہ شہ میں ہوا دور مئے کے جاموں کا

جو بزم مے میں شب و روز آنے جانے لگے ۸۷ عروج ملک میں مخدوم ملک پانے لگے
ملا جو شیعہ انھیں اُس کو یہ ستانے لگے غریب سیّدوں کا یہ لہو بہانے لگے
ہر ایک طرح کا دنیا میں مکر و کید کیا
کسی کو جان سے مارا کسی کو قید کیا

جو ان کے دل میں تھا وہ انتظام ہو کے رہا ۸۸ ہر اک بہ جبر ستم کا غلام ہو کے رہا
خلاف شرع جو تھا وہ بھی کام ہو کے رہا انھیں کے عہد میں حج بھی حرام ہو کے رہا
خدا کے حکم سے بازیٔ خودسری بدلی
جدید فتوؤں سے شرع پیمبری بدلی

نہ کیوں قلوب پہ بجلی گرے تعجب کی ۸۹ کریں فقیہوں کی مخدوم ملک بھی سبکی
ہو ایک راہ یہ اللہ سے تقرب کی دلوں کی آنکھوں پہ عینک لگی تعصب کی
یہ پیروانِ ہوا و ہوس کو دھیان آئے
زمین آگرہ میں کربلا کی شان آئے

کہا یہ دل سے مجھے شاہ سے حضوری ہے ۹۰ بیان کرتے ہی ہر اِک مراد پوری ہے
جو خودسری کرے مجھ سے سزا ضروری ہے چمکتی تیغ سے بڑھ کر کتاب نوری ہے
فروغ اُس کا ہے اخلاق کے مکارم سے
لکھا جواب صواعق کا کیوں صوارم سے

جو خار شیعوں سے مخدوم ملک کھاتے ہیں ۹۱ نئے شگوفے وہ دربار میں کھلاتے ہیں
ہر اک کو جملۂ احقاقِ حق دکھاتے ہیں عدو کتابِ مجالس چرا کے لاتے ہیں
جو آبروئیں حریفانِ حق کی کھوتی ہیں
حضورِ شاہ یہ تصنیفیں پیش ہوتی ہیں

کنول بلور کے دربار شب میں جلتے ہیں ۹۲ ہے سرخ چشم شہی جام بادہ چلتے ہیں
حریف صورت مینائے مے ابلتے ہیں سخن میں سید نوری سے زہر اُگلتے ہیں
ہر اعتراض کا یوں بند باب ہوتا ہے
سوال تلخ کا شیریں جواب ہوتا ہے

یہ باتیں ان سے ہیں ہر پیر اور خلیفہ کی ۹۳ نہ تم نے قدر کی کچھ مسلک سقیفہ کی
تھی بزم شرع عدالت نہ تھی خفیفہ کی نہ مسئلوں میں تاسی ابوحنیفہ کی
مطیع رفض تمہیں دور اکبری میں رہے
ہمیشہ پیروِی فقہ جعفری میں رہے

اس اعتراض پہ مسکتِ جواب ان کا ہے ۹۴ مرے عقیدے پہ حملہ تمہارا بے جا ہے
سند میں میرے تقرر کی شرط کیا کیا ہے جہاں پناہ کے والد نے جس کو لکھا ہے
نہ خوردہ گیر ہوں احباب محترم میرے
حدودِ شرط سے نکلے نہیں قدم میرے

جو بادشاہ نے تصدیقِ شرط شاہی کی ۹۵ سب اہل بزم نے سیّد سے عذر خواہی کی
برائیاں تھیں دلوں میں جو شر پناہی کی تو ان کے قتل پہ پیدا نئی گواہی کی
حریف محو ہوئے پھر کتاب بینی میں
ورق اُلٹنے لگے شوق نکتہ چینی میں

ہے قول ان کا طلاقت کا جن کو غرا ہے ۹۶ صداقتوں سے کتاب آپ کی معرا ہے
لکھی ہے سین یہ سنت کی یا کہ ارّا ہے نہاں لباس میں ہر لفظ کے تبرا ہے
ادیب آپ سا ہے کون خوش بیانی میں
ہے روحِ مذہب شیعہ دلِ معانی میں

اس اعتراض پر اُن کے یہ قول نوری ہے ۹۷ گرفت ظاہر الفاظ کیوں ادھوری ہے
یہ جوش کیوں ہے معانی سے یہ کیوں دوری ہے نظر سیاقِ عبارت پہ بھی ضروری ہے
مری کتاب پہ حملہ یہ چل نہیں سکتا
طلب ہے جس کی وہ مطلب نکل نہیں سکتا

مخالفت ہو فریقین میں روا کب تک ۹۸ رسول رب کا خدا جو ہے وہ میرا رب ہے
ہوا ہے حق پہ جو قائم وہ میرا مذہب ہے محققین کو احقاق حق سے مطلب ہے
وہ صدق وکذب کے موتی صدا پرکھتے ہیں
خدا خرید لے جس کو وہ نفس رکھتے ہیں

وہ کہتے ہیں ہمیں کب یہ جواب شافی ہے ۹۹ کتاب آپ کی کب قابلِ معافی ہے
رقم ہر ایک جگہ کیوں حدیث کافی ہے سنایئے ابھی جو بات اختلافی ہے
مرے ہووں سے نیا انتقام لیتے ہیں
بدی سے آپ بھلا کن کے نام لیتے ہیں

کیا سوال جو ایسا گروہِ اعدا نے ۱۰۰ دیا جواب یہ اُن کو علیؑ کے شیدا نے
ضرر نہیں ہے جو مانا کسی کو دنیا نے برا ضرور ہے جس کو خدا برا جانے
عیاں ہر ایک پہ صدق وصفا کی باتیں ہیں
نہ پوچھ مجھ سے جو علمِ خدا کی باتیں ہیں

سنا رہے ہیں یہ اعدائے دیں بہشتی کو ۱۰۱ نجات دے گا نہ حق آپ سے، کشتی کو
مٹایئے یونہی اپنے عمل کی زِشتی کو سلام کیجئے باب سلام چشتی کو
ہے قول ان کا ادب یہ تمھیں مبارک ہے
میں جانتا نہیں کہ وہ کون مردک ہے

جب اس طریق سے جملوں کی ہیر پھیر ہوئے ۱۰۲ ہوا تھی بگڑی ہوئی جن کی وہ دلیر ہوئے
شکم پرست جو تھے بوئے خوں سے سیر ہوئے قریب شہ گئے مخدوم ملک شیر ہوئے
یہ عرض کی نہ ہوا خوف ان کو اس دن کا
جہاں پناہ سنا آپ نے سخن ان کا

رکیک لفظ جب ایسا بیان میں آئے ۱۰۳ نہ کیسے زہر کی تلخی زبان پر لائے
اُنھیں کی شان میں یہ بات کان میں آئے حضور جن کی دعا سے جہان میں آئے
یہی طریقہ ہے دنیا میں خیرخواہی کا
ادب یہ بھول گئے بزم بادشاہی کا

رسولؐ حق کے وزیروں کو یوں برا کہنا ۱۰۴ ہمارے دیں کے امیروں کو یوں برا کہنا
حضور شاہ فقیروں کو یوں برا کہنا جہاں پناہ کے پیروں کو یوں برا کہنا
یہ سلطنت سے بغاوت کب ان کو زیبا ہے
اگر گناہ کبیرہ نہیں تو پھر کیا ہے

شراب پیجئے غصہ نہ پیجئے شاہا ۱۰۵ یہی ہے وقت نہ تاخیر کیجئے شاہا
ضرور کام سیاست سے لیجئے شاہا زبان کاٹ کے تعذیر دیجئے شاہا
ہر ایک دُرّے کا زخم ان کے تن پہ کاری ہو
حضور حکم کریں حدِ شرع جاری ہو

جواب شاہ ہے بھایا نہ یہ نفاق ہمیں ۱۰۶ دکھایا کس لیئے قاضی نے طمطراق ہمیں
ہے اپنے پیر کی تحقیر سخت شاق ہمیں تمہاری رائے سے صاحب ہے اتفاق ہمیں
عتاب کیوں نہ ہمیں آئے اسم نوری پر
نفاذ حد شریعت ہو جسم نوری پر

یہ حکم سنتے ہی ظالم بلائے جاتے ہیں ۱۰۷ جو خاردار ہیں درّے منگائے جاتے ہیں
یہ روزِ حشر کے سامان پائے جاتے ہیں مقامِ خاص سے نوری اُٹھائے جاتے ہیں
قدم لرزتے نہیں ظلم و جبر سے ان کے
نمود صبر ہے عابدؑ کا صبر سے ان کے

ہر اک قدم پہ یہ ان کی زبان پہ جاری ہے ۱۰۸ ہمیں ثبات لعینوں کو بے قراری ہے
خدا کی راہ میں عزت سے بڑھ کے خواری ہے شہید کیوں نہ ہوں میراث یہ ہماری ہے
دعا یہ اپنی ہے ہم کو یہ مرتبہ مل جائے
جناں میں بزم شہیدانِ کربلا مل جائے

ترے کرم پہ خدایا نہ کیوں ہو میری نگاہ ۱۰۹ قتیلِ صبر ہوں سیّد ہوں تو ہے میرا گواہ
لگائیں درّہٗ اول جو مجھ کو ظلم پناہ کہوں میں اشہدان لا الٰہ الا اللہ
بجا فرشتے کریں میری خوں فشانی پر
ترے رسولؐ کا لوں نام ضربِ ثانی پر

نہ تیغ غم سے مرا قلب ناتواں کٹ جائے ۱۱۰ دو روز عمر مری وقت امتحاں کٹ جائے
بڑی کٹھن یہ ہے اے رب اُنس وجاں کٹ جائے زباں پہ نام علیؑ کا ہو جب زباں کٹ جائے
آئمہ شاد ہوں یوں جان دوں امامت پر
گواہ ہو کلمۂ خود مری شہادت پر

لگائیں درّے برابر مجھے جو ظلم نہاد ۱۱۱ ہلیں نہ لب بھی نہ نکلے گلے سے بھی فریاد
دمِ اجل جو آئمہ کریں مری امداد کبھی حسینؑ کو دیکھوں کبھی رُخ سجادؑ
رسولؐ وحیدرؑ وذی جاہ ساتھ لے جائیں
جناں میں روح میری ہاتھوں ہاتھ لے جائیں

دعا یہ کرتے ہوئے جائے قتل پہ آئے ۱۱۲ بلا کی طرح لئے دڑے اہل شر آئے
جو اِن پہ کرتے ہوئے وار سب نظر آئے لہو کی دھاریں اُڑیں گہرے زخم اُبھر آئے
ہراک لعین کے رُخ پر نگاہ کرتے تھے
تھے صابر ایسے کہ منھ سے نہ آہ کرتے تھے

ستم گروں نے جو بے رحمیوں سے کام لیا ۱۱۳ جفار سیدہ بنے ہاتھوں سے دل کو تھام لیا
یہ شیعہ ہونے کا سیّد سے انتقام لیا زبان کاٹ لی جس دم علیؑ کا نام لیا
گرے زمین پر ان کا جو حال غیر ہوا
تڑپ کے سرد ہوئے خاتمہ بخیر ہوا

نہ کس طرح سے مصیبت ہو دلخراش ان کی ۱۱۴ وہ دڑے کھائے کہ رگ رگ تھی پاش پاش ان کی
نہ جانتے تھے جو توقیر بدمعاش ان کی فصیلِ قلعہ سے پھینکی زمیں پہ لاش ان کی
نبیؐ کے ہاتھ میں دینِ خدا کا ہاتھ دیا
جہاں میں حضرت مسلمؑ کا مر کے ساتھ دیا

پڑا زمین پہ جنت کا سونے والا تھا ۱۱۵ لہو کو ان کے نہ کوئی بھی دھونے والا تھا
نہ خاک گرم کوئی بھی بھگونے والا تھا کوئی نہ میّتِ نوری پہ رونے والا تھا
جو آس پاس تھے سیّد کو کب وہ مانتے تھے
پسر وطن میں تھے حالِ پدر نہ جانتے تھے

خیالِ قہر جہانگیر کا جو بالا تھا ۱۱۶ کسی کے دل میں نہ کچھ خوفِ حق تعالیٰ تھا
یہ آسمان نے غم سیدوں پہ ڈالا تھا مرے پہ کوئی نہ ان کو اُٹھانے والا تھا
کیا نہ دفن کئی دن تک ایسے محسن کو
ملی یہ ورثہ میں غربت حسینؑ کی ان کو

تھیں دور زوجہ تو سر کس کا کھلتا ماتم میں ۱۱۷ نہ اُن کی ماں تھیں جو روتیں غریب کے غم میں
کبھی تھا دھوپ میں لاشہ کبھی تھا شبنم میں اُٹھاتا کون اُسے باپ تھا نہ عالم میں
قریب جو تھا اذیت وہ دینے والا تھا
سوا خدا کے خبر کون لینے والا تھا

یہ انقلاب کسی کا نہ دل ہوا پانی ۱۱۸ نہ آگرے میں ملا ان کی قبر کا بانی
گوالیار میں رہتے تھے ایک ایرانی جو سوئے وہ ہوئی بحرِ الم کی طغیانی
زمین و چرخ کو اک اضطراب میں دیکھا
ملول فاطمہؑ زہرا کو خواب میں دیکھا

وہ کہہ رہی ہیں کہ بے جا نہیں ملال مرا ۱۱۹ پڑا ہے آگرہ میں مردہ ایک لال مرا
خیالِ شاہ ہے لیکن نہیں خیال مرا تم اُس کو دفن کرو ہے یہی سوال مرا
ہلا دیا مرے دل کو غریب نے مر کے
خدا کو خوش کرو احسان بتولؑ پر کر کے

یہ خواب دیکھتے ہی آب ہوگیا زہرًا ۱۲۰ سوار ہوگئے رہوار پر نہ دل ٹھہرا
جو دیکھی آگرہ میں لاشِ دلبرِ زہرًا مثال قبر پڑا دل میں گھاؤ اک گہرا
جو اُٹھ سکی نہ کسی سے وہ سر پہ دقت لی
برائے دفن جہانگیر سے اجازت لی

تھا پارہ پارہ یہ حالت تھی جسم طاہر کی ۱۲۱ شہید تھے نہ تھے حاجت لباس آخر کی
خبر کسی نے نہ غربت میں لی مسافر کی اُٹھی نہ دھوم سے میت رضاؑ کے زائر کی
بنائے ظلم جہانگیر یوں دکھائی گئی
بنی لحد بھی تو مٹی میں وہ چھپائی گئی

جو بادشاہ مخالف تھا کوئی کیا کرتا ۱۲۲ کوئی نہ تھا کہ جو حق دین کا ادا کرتا
بجز فرشتوں کے تھا کون جو بکا کرتا تھا کون مجلس سوئم میں جو ثنا کرتا
یہ سالِ رحلت نوری اب انتخاب ہوا
جو نورِ عدن ہے پنہاں وہ آفتاب ہوا

مرض کے دور میں دل کو خیالِ نظم ہوا ۱۲۳ بیاں شہید سوم کا مآلِ نظم ہوا
شفا کے بعد نمایاں کمالِ نظم ہوا نمود مصرع آخر سے سالِ نظم ہوا
نہ کیوں جہاں کو رہے یاد صبرِ نوراللہ
دلوں میں شیعوں کے حامد ہے قبرِ نوراللہ

۱۳۴۸ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ترجمہ دیباچہ کتاب

انجم دعا ہے فیض امام انام ہو تصنیف یہ شہید کی مقبول عام ہو

حمد کی دلکشا ہوائیں اور ثناء کی جانفزا پھوہاریں جو نسیم ایمان کے چلنے اور آب اطاعت کے بہنے کی جگہ سے نکل کر چمن رنگا رنگونی واخضر اور مجلس ستارہ ہائے روشن و منور کو سرسبز و معطر کرتی ہیں، اسی ذات واجب الوجود کے چمنستان وجود کے لئے مختص ہیں کہ جس نے حضرت رسول مختار کی متابعت اور ان کے آل اطہار کے دامن سے تمسک کرنے والوں کی امیدوں کو جلوہ گاہ وصال تک پہونچانے میں مدد دی اور ان کے نخل آرزو کو باور کیا اور اپنے بستان رحمت وافضال میں داخل ہونے کی اجازت عطا فرمائی اور ان کے آئینۂ دل کو غبار محبت سے پاک کیا اور مخالفین بے بصیرت و معاونین شیطان سیرت کو چند روزہ مہلت و فرصت دینے کے بعد ان کے راہ ضلال واضلال اختیار کرنے کے عذاب ابدی وعقاب دائمی ڈال دیا اور درود و تسلیم کی معطر نسیم اور تحیہ و تکریم کی گلشن آرا شمیم کو جو جبین یقین اور سحاب فیض آفریں فَمَنۡ یَّاۡتِیۡکُمۡ بِمَآءٍ مَّعِیۡنٍ سے ہویدا ہو کر محل انس والفت کی ہوا اور عالم قدس کی فضا کو معنبر و خوش منظر کردے لائق و سزاوار ہے واسطے روضہ رضوان قریب گلدستہ چمن رسالت اور شگوفہ بستان جلالت معتکف بزم خلوت لی مع اللہ صاحب کرامت مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ مقصود ایجاد تکوین مطلوب طٰہٰ و یٰسٓ عنقائے قُلَّہ قاف قبول ہمائے ہوائے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ اور ان کی آل بے مثال کے جو طہارت و عصمت ازلی کے ساتھ مخصوص اور نص امامت کے ساتھ منصوص ہیں اور وصایت و کرامت کی صفوف میں ایسے ثابت قدم ہیں گویا تبیان مرصوص ہیں علی الخصوص وصی حقیقی اور خلیفہ تحقیقی امیر کل امیر وصی روز غدیر ولی سید مختار قسیم جنت و نار معرکہ لافتیٰ کے سرگزار میدان ھل اتیٰ کے شہسوار خطیب ممبر سلونی صاحب منزلت رفیعہ ہارونی باب مدینہ علم لنگرگاہ کشتی حلم۔ مراد "اللّٰہ آمنوا وھاجروا" مظلوم ظلم الذین آمنوا ثم کفروا منسوب نص سلموا علیٰ علی بامرۃ المومنین معزول خبروان امرتم علیا ولا راکم فاعلین محسود الذین یحسدون الناس علی 'ما اتکم قاتلان باغبان تعصب جیش قاتل اللّٰھم

انی استمد بک علی قریش وانی دعائے وال من والاہ رازدارما انتجیتہ' واکن اللّٰہ انتجاہ آفتاب عالمتاب رفعناہ کانا علیاً بدر عالیقدر وجعلناہ للمتقین اماما وولیا یعنی وہ بزرگوار کہ جس کے بارے میں رسول مختارؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس دل میں اس کی محبت کا سکہ نہ ہو وہ روز باز ار ازل و ابد مردود ہے اور جو بدسرشت اس کی خاک پا کو اپنی سربلندی کا درۃ التاج نہ بنائے وہ روز قیامت پائمال عذاب موبد ہو۔ نظم

نواز برائے سر خویش تاج زریں ساز زخاک پائے جواں مرد وال مَن والاہ
زدل عداوت او دور دارتانہ خوری زتیغ لفظ نبیؐ زخم عاد مَن عاداہ
گواہ پاکی اصلت ولائے شاہے داں کہ برکمال معالیش ھل اتیٰ است گواہ

ترجمہ نظم بنظم

اوسکی خاک قدم سے بنا تو سر کا تاج
نبیؐ نے حق میں کہا جس کے وال مَن والاہ
مٹادے دل سے عداوت کو اس ولی کی تو کہ نا لگے نہ کہیں زخم عاد من عاداہ
گواہ اپنی اصالت کا جان اسکی ولا کمال فضل پہ ہے جس کے ھل اتیٰ سا گواہ

امابعد صاحبان معرفت اور اصحاب بصیرت کے دلہائے مصفا پر پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کی خلافت کے زمانے سے لیکر سلاطین صفویہ کے ظہور سلطنت تک اہل تشیع میں بلائے تقیہ کا ایسا زور رہا کہ اپنے مذہب کو بالکل ظاہر نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی اپنے اصول وفروع کی ترویج ہی ممکن تھی بلکہ علمائے وفقہائے معتزلہ واشاعرہ کے اصول وفروع پر ظاہر میں عمل رہا کرتا تھا اسی سبب سے مخالفین کے مختلف فرقوں میں تو اپنے بزرگوں کے حالات مشہور کرنے میں بڑی بڑی کوششیں کیں اور بہت سی کتابیں اس فن میں تصنیف ہوئیں لیکن علمائے شیعہ بسبب سالہا سال مظلوم اہل شقار رہنے کے گوشۂ تقیہ میں چھپے رہتے تھے اور اپنے کو شافعی یا حنفی ظاہر کرتے تھے اس سبب سے اپنے اکابر کے حالات نہ لکھ سکے بلکہ شہرت دینا کیسا؟ چھپانے کی ضرورت تھی صرف احادیث رسولؐ اور اخبار ائمہ سے اجمال واختصار سے کام لیا ہے باوجود اس کے کہ ان کتابوں سے اکثر کتابیں دشمنوں کے جلا دینے اور دھوڈالنے سے مفقود ہو گئیں اور بہت سی کتابیں بادشاہانِ ظلمہ کے خوف سے زمین کی تہوں اور مکانات کے گوشوں میں چھپا دی گئیں اور مرور زمانہ کے سبب سے دیمکوں کی نظر ہو گئیں انھیں امور کی بنا پر گذارش ہے کہ اس زمانہ میں خداوند منان کی بے انتہا عنایت شامل حال مومنین ہے کہ اس نے دولت صفویہ کو ظاہر فرما کر ایمان کی پشت پناہی فرمائی اور ان کے دل کو ایسا قوی اور سلطنت کو ایسا وسیع کیا کہ ایوان عدوان اکاسرۂ عدوی اور قصر طغیان قیاصرۂ عثمانی واموی میں زلزلہ پڑ گیا لہذا اس خاک پائے مومنین اثنا عشری اور تربیت یافتہ سلطنت صفوی نے اسی

دولت ابدمدت کی مدد سے بلائے تقیہ سے نجات پا کر زبان قلم کی گرہ کو کھولا اور بعض مشاہیر شیعہ اور مجتہدین شریعہ وصحابہ مرضیہ وتابعان طریقہ مرتضویہ اور مجتہدین احکام اور راویان احادیث سید الانام اور حکمائے اسلام اور بزرگان ائمہ کلام وتمام علمائے اعلام وصوفیہ کرامت مقام وسلاطین صاحب اقتدار و زائے مملکت اور امرائے عظام وشعرائے فصیح الکلام کے حالات لکھنے کا اہتمام کیا۔ **نظم حافظ**:۔

شد آنکہ اہل نظر بر کنارہ می رفتم — ہزار گونہ سخن بر زبان ولب خاموش
زصوت چنگ بگوئیم بس حکایہا — کہ ازنہفتن آن دیگ سینہ زد جوش
شراب خانگی از ترس محتسب خوردہ — بروئے یار بنوشیم و بانگ نوشانوش

بہر حال بعد استخارہ کرنے اور فیض حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مدد حاصل کرنے کے اس کتاب کے مرتب کرنے کا عزم بالجزم کرلیا اور **مجالس المومنین** نام رکھا اور اس کی قدر بڑھانے کے لئے بنام نامی حجت پروردگار امام روزگار قطب عوالم ہدایت خاتم سلسلہ ولایت خلیفۃ الرحمٰن صاحب العصر والزمان علیہ وعلیٰ آبائہ السلام سے معنون کیا، الحمد للہ کہ مثل قلوب اہل محبت اژدہام اغیار سے خالی اور مثل بہشت بریں کے ہر طرح کی نعمتوں سے مالا مال وممتلی ہے۔

اس کی ہر ہر مجلس حقیقت کے غنچوں اور ظرافت کے پھولوں سے رشک باغ جناں اور غیرت دہ روضۂ رضوان ہے یہ انھیں ارواح مقدسہ اور انفاس قدسیہ کی برکت ہے کہ جن کے حالات اس میں مندرج ہیں۔ **مثنوی**

گلشنے از حقائق است الحق — چمنے بر شقائق است الحق
غنچہائے حدیقۂ ناز است — تازہ گلہائے گلشن راز است
شعلہ شوق جاں گداز آنست — زادۂ طبع پاک باز انست
آفتاب ہیست چشم بد زو دور — آسمانیست پر کواکب و نور
نازنین شاہدے بری ازعیب — جلوہ گر آمدہ ز عالم غیب
یارب این نخل زندگانی را — تازہ رس میوۂ جوانی را
کہ بخوناب دیدہ پروراست — آب ازجوسبار دل خوردہ است
چوں نفس روح پرورش داری — تاابد سایہ گسترش داری

امید ہے کہ مجالس پرنور جو مثل بزم سرور وچمن غلمان وحور جلوہ گاہ سادہ رویاں شور انگیز وسیر گاہ ماہ رویاں بے تقیہ وپرہیز ہیں ناظرین کے لئے موجب یادآوری طریقہ اثناء عشری وباعث یادگاری خاک نشین آن قوم **نوراللہ ابن شریف الحسینی المرعشی الشوستری** ہوں اور سبب دعائے مغفرت گستری قرار پائیں ومن اللہ التوفیق والا مداد وبیدہ ازمۃ الہدایۃ والسداد۔

فاتحہ

تحقیق میں مطلق شیعہ وشیعہ امامیہ اثناء عشریہ کی تعریف میں ہے چوں کہ تقسیم بمنزلہ تعریف ہے لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ ایسی تقسیم کی جائے کہ اصول مذاہب اہل اسلام کے لئے ضابطہ قرار پائے اور اس تقسیم سے پہلے ایک مقدمہ لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس میں تمام بنی آدم کے مذاہب مختلفہ اختیار کرنے کی کیفیت درج ہو اور حاصل اس مقدمہ کا وہی ہے جو محمد شہرستانی نے کتاب ملل ونحل میں لکھا ہے کہ یہ عالم انواع واقسام کے بنی آدم کے رہنے کی جگہ اور ہر بیش وکم پران کے جھگڑنے کا میدان قرار پایا ہے اور معلوم ہے کہ ایک چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے ہر شخص اپنی خواہش کے موافق اپنے لئے ریاست وحکومت کا خواہشمند رہتا ہے اور اپنی خواہش کے مقابلے میں دوسرے کی ضرورتوں کو کچھ نہیں سمجھتا اپنے مطلوب کے پانے کے لئے طرح طرح کے شبہے اور خود سری دلائل پیش کرتا ہے چنانچہ پہلا شبہ جو عالم میں پیدا ہوا وہ شبہ ابلیس کا تھا اس کا باعث بھی وہی خود سری تھی کہ خدا کے حکم صریح کے مقابلہ میں اس نے اپنے مادہ کی بہتری کا قیاس کیا اور کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں مجھ کو تو نے آگ سے اور ان کو مٹی سے پیدا کیا ہے اس کے اس تکبر سے ساتھ شبہے پیدا ہوئے بعد اس واقعہ کے تمام خلائق میں شبہات پھیل گئے چنانچہ ہر نبیؐ کے انتقال کے بعد بعض علماء امت میں شبہے ظاہر ہوتے رہے کہ جس چیز کی ان علماء کو محبت ہوئی اس کو انھوں نے اختیار کرلیا اور اپنے دل کے گڑھے ہوئے دلائل سے خلائق پر ثابت کر دیا، یہاں تک کہ دلائل عقلیہ ونقلیہ سے کتب خانے بھر دیئے اور کلام پیمبر سے جو ان کی رائے کے موافق نہ تھا اس کی تاویلیں کرنے لگے اور جس کی تاویل نہ کر سکے اس کا نام متشابہ رکھا اور یہ اختلاف ہمارے پیغمبر کی امت میں بہ نسبت دوسری امتوں کے زیادہ ہوا یہاں تک کہ بمقتضائے حدیث سَتَفرِقُ الخ ۷۳ فرقے ہوئے چنانچہ جب آفتاب رسالت غروب ہوا لوگوں کے مزاجوں اور دلوں میں انحراف اور مخالفت کا مادہ فوراً پیدا ہو گیا اور جس قدر عہد رسالتؐ سے بُعد ہوتا گیا حب جاہ اور سلطنت کی آرزوئیں اور امامت اور بادشاہی کے ولولے دلوں میں زیادہ ہوتے گئے صاحبانِ عصمت وطہارت سے تو پہلے ہی خلاف ہو چکے تھے اب آپس میں بھی اختلاف پیدا ہوا اور جدال وقتال کی نوبت آئی اور طرح طرح کے مذہب مثلاً جبریہ اور قدریہ معتزلہ ماتریدیہ، حشویہ وغیرہم ظاہر ہوئے اور تفصیل ان شبہات کی کہ جن کے سبب سے گمراہوں کو اشتباہ پیدا ہوا اہل کتاب کی کتابوں میں نیز مصنفات علماء اسلام میں معہ ردّ ان شبہات کے مذکور ہے واضح رہے کہ جیسے پہلا شبہ عالم کا شبہ ابلیس تھا کہ نص الٰہی کے مقابلے میں اس نے خود سری کی اسی طرح سے اسلام کا پہلا شبہہ عمر ابن خطاب ہے کہ اس نے بھی نص رسالت پناہی کے مقابلے میں جب آپ نے دوات وکاغذ مانگا ہے خودسری کی اور کہا ان الرجل لیھجر حسبنا کتاب اللہ اور روایات میں بجائے لیھدی کے یہجر ہے آل دونوں روایتوں کا یہی ہے کہ یہ مرد ہذیان بک رہا ہے ہم کو کتاب خدا کافی

ہے ان کے لکھنے کی حاجت نہیں ہے ہر سمجھدار بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ سوا اس خوف کے مبادا حضرت روز غدیر کی ولی عہدی کو ضبط تحریر میں نہ لے آویں کوئی دوسری وجہ اس بے ادبی اور خودسری کی نہ تھی چنانچہ مولانا فاضل عارف قطب الدین انصاری شافعی نے اپنی کتاب مکاتیب میں ذکر کیا ہے کہ راہ بے رہبر کے نہیں مل سکتی اور یہ کہنا کہ جب کتاب خدا اور احادیث رسولؐ ہمارے پاس موجود ہیں اس میں کسی مرشد کی کیا حاجت ہے مثل اس بیمار کے قول کی ہیکہ جو کہے کہ کتابیں طب کی موجود ہیں پھر ہمیں کسی طبیب کی طرف رجوع کرنے کی کیا ضرورت ہے یقیناً یہ قول غلط ہوگا اس لئے کہ ہر شخص کو کتب طب کا سمجھنا اور تشخیص مرض کرنا اور استنباط مسائل کر لینا ناممکن ہے یہی حالت احکام خدا کی ہے انکی تحقیق کے لئے بھی اہل استنباط کی طرف رجوع کرنا لازم ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے ولو ردوہ الی الرسول والی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم ۔ اور کتاب حقیقی اہل علم کے سینے میں ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ ۔ نہ کاغذ کے اوراق میں جیسا کہ امیرالمومنینؑ کا قول ہے کہ میں کلام اللہ ناطق ہوں اور یہ کلام اللہ صامت ہے فاضل مذکورہ کا کلام اس جگہ تک ختم ہوا اور اہل انصاف پر ظاہر ہے کہ اگر اس قول مذکور کی وکالت اور جناب پیغمبر اسلامؐ کی نسبت ہذیان کی تہمت سے قطع نظر بھی کی جائے باوجودے کہ تمام انبیاء خصوصاً حضرت کسی شرعی حکم میں کہ منجملہ ان کے امام کا قرار دینا بھی بغیر وحی خدا کے کلام نہیں کرتے تھے جیسا کہ آیۂ شریفہ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ اس پر دال ہے جب بھی یہ قرینۂ عقلی کیا نہیں موجود ہے کہ اگر اس کو فتنہ و فساد کی خواہش نہ تھی تو چاہیۓ تھا کہ بموجب ارشاد فوراً کاغذ و دوات حاضر کر دیتا بلکہ اگر کوئی دوسرا شخص ہارج ہوتا تو ان کو اس کے خلاف ہو کر پوری کوشش کرتا اور حضرت کی تحریر حاصل کر لیتا تا کہ فاروق حق و باطل کا پورا مصداق ہو جاتا چہ جائے کہ مانع ہوا اور پیغمبرؐ خدا کے ساتھ اس بے ادبی اور بدتہذیبی سے پیش آیا کہ جس کا ذکر فریقین نے اپنی کتابوں میں لکھا یہ چنانچہ اہل سنت کی صحاح ستہ میں موجود ہے کہ جب آں حضرت نے دوات و کاغذ طلب فرمایا اور عمر نے ایسی بدتہذیبی کے الفاظ کہے کہ جو لوگ موجود تھے ان میں نزاع ہونے لگی بعض کہتے تھے کہ کاغذ و دوات ضرور حاضر کرنا چاہیے اور بعض عمر کے موافق ہو گئے اور نہ لانے دیا یہاں تک کہ آوازیں بلند ہوئیں کہ آں حضرت کو آخر وقت ایسی اذیت و تکلیف پہونچی کہ اس کوہ حلم اور دریائے خلق میں قہر و غضب کے آثار نمایاں ہوئے اور بالآخر یہ فرمایا کہ میری طرف سے دور ہو یہاں پر جھگڑنے کا مقام نہیں ہے حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب اس واقعہ کو یاد کرتے تھے سیل اشک آنکھوں سے جاری ہو جاتی تھی اور اس قدر روتے تھے کہ سامنے کی زمین تر ہو جاتی تھی اور فرماتے تھے کہ بڑی مصیبت وہی تھی کہ رسول اللہ کو وصیت نامہ نہ لکھنے دیا کہ امت گمراہی سے بچ جاتی درحقیقت اس وقت سے لیکر ابتک فسادات و گمراہیاں اس وقت امت میں ظاہر ہوئیں یہاں تک کہ واقعہ مصیبت خیز کربلا ان سب کی علت و سبب یہی واقعہ تھا اور اس شخص کے لئے یہ گناہ عظیم عدم نجات کو کافی ہے اور جو کچھ اس کے تابعین نے اس لفظ ہذیان کی تاویل کی ہے بعینہ مانند شبہات ابلیس کے ہے کہ کم عقل لوگ دھوکا کھا جائیں اسی طرح سے تمام اقوال و

افعال ان لوگوں کے جال و فریب سے بھرے ہوئے ہیں مثلاً لفظ آل کی تاویل کرنا اور اس میں تمام امت یا اصحاب کو داخل کرنا اور ان آیات قرآنی اور احادیث نبوی کو جو آل اطہارؑ کے فضائل میں وارد ہیں اپنی طرف منسوب کرنا یا اپنے بڑوں کے فضائل میں حدیثیں گڑھ لینا یا بعض احادیث شریفہ کی اپنے مطلب کے موافق تاویل کرنا عقل کے لئے جائے تعجب نہیں ہے جو شخص کہ نور ہدایت ائمہ اطہار سے مستفیض ہو چکا ہے اور ان حضرات کی تاویل و تفسیر اور احادیث سے واقف ہے دھوکا نہیں کھا سکتا اس گروہ کے جتنے بھی دلائل و براہین ہیں وہ مثل حجاج بن یوسف کے وزیر کی تاویلوں کے ہیں کہ جب حجاج مرنے لگا تو بہت رو رہا تھا وزیر نے سبب دریافت کیا جواب دیا کہ چونکہ میں نے اہل بیت اطہارؑ اور آل رسولؐ مختار پر بہت مظالم کئے ہیں اسی لئے رو رہا ہوں ۔ وزیر نے کہا کہ جو کچھ آپ نے اپنی عمر میں کیا دلیل قائم کر کے کیا ہے سب جانتے ہیں کہ کوئی کام آپ کا بلا حجت و دلیل نہ تھا حجاج نے کہا کہ اگر روز قیامت بھی میں بادشاہ اور تو وزیر ہوا تو کام چل جائے گا لیکن تامل کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وزیر اور امیر دونوں عذاب الیم جہنم میں مبتلا ہوں گے اور سب حجتیں اور دلیلیں رہ جائیں گی، حاصل کلام ان لوگوں کی تمام دلیلیں اور تاویلیں ایسی ہی ہیں اور اس سبب سے ہیں کہ اسلام کی وقعت انکے دلوں میں جاگزیں نہیں ہوئی تھی اور صریحی کفر کے اظہار کرنے کی حالت میں ان کو سلطنت اور غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا اس لئے کہ عام مسلمان ساتھ چھوڑ دیتے اور قریب کی سلطنتیں جو اسلام کے مذہبی جوش کو دیکھ کر مرعوب ہو گئیں تھیں حملہ آور ہو جاتیں لہذا عوام کو بہکا کر اپنا مطیع بنانے کے لئے تاویلیں اور دلیلیں ایجاد کی گئیں چنانچہ ہر عاقل و منصف پر واضح ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانے میں بھی یہ لوگ یہی انتظار کر رہے تھے کہ کب موقع پائیں اور اپنے دل کے کینے نکالیں اور ادھر ان کی آنکھ بند ہوئی ادھر انھوں نے علم مخالفت اہلبیتؑ بلند کیا اور جو کچھ انکے بارے میں آنحضرتؐ کو فرماتے سنا تھا اس کو بھلا دیا اور لباس اتقیاء اور خلعت خلفا سے اپنے کو آراستہ کر کے ضعیف العقل جاہلوں کو اپنا مطیع بنایا اور امر خلافت کو کہ جو بعد مرتبہ نبوت کے ہے حقداروں سے غصب کر لیا امت کے بہت سے ضعیف العقول اور جاہل تو یہی دیکھ کر دھوکا کھا گئے کہ چونکہ بہت سے لوگ ان کی طرف ہیں اور انھیں اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھتے ہیں لہذا معلوم ہوتا ہے کہ حق انھیں کی طرف ہے اور بہت سے لوگوں نے دھوکا نہیں کھایا بلکہ محبت مال و جاہ دنیا نے انھیں اطاعت پر مجبور کیا اور بہتوں کو زمانہ حضرت رسولؐ ہی میں علی ابن ابی طالبؑ سے کینہ دیرینہ تھا جس کا سبب بعضوں میں محض حسد تھا جو عموماً ایک مقرب سلطان سے ہوا کرتا ہے اور بعضوں میں خاندانی عداوت اس کا سبب واقع ہوئی جو بسبب بنی امیہ اور بنی ہاشم کی قدیم رقابت دربارۂ تولیت خانۂ کعبہ و ریاست قریش کے تھی یا اس وجہ سے کہ حضرت نے بعض صحابہ کے ممبران خاندانی کو جہاد میں قتل فرمایا تھا چنانچہ یہی عداوت مدت العمر باقی رہی یہاں تک کہ جب حضرت کو خلافت ظاہری حاصل ہوئی اس وقت بھی بعضوں نے بیعت نہیں کی اور بعضوں نے بیعت کرنے کے بعد فسخ کر دی اور طلحہ و زبیر اور معاویہ کے ہمراہ ہو گئے اور آپ سے جنگ و جدال پر آمادہ ہوئے چنانچہ کتب سیر میں مذکور ہے کہ قریش کے اٹھارہ قبیلوں میں سے صرف پانچ قبیلے حضرت کے ساتھ اور تیرہ معاویہ کے ہمراہ تھے۔

اب وہ حضرات غور فرمائیں کہ جنھیں تعجب ہوتا ہے کہ اکثر مسلمان اور جمہور صحابہ امر باطل کی طرف کیوں کر ہو گئے امیر المومنین علیہ السلام کی چوتھی خلافت بنا بر قواعد اہل سنت یہی حق ہے پھر اس حق کو چھوڑ کر تیرہ قبائل قریش نے باطل کا ساتھ کیوں دیا جس طرح سے کہ آخر میں صحابہ نے حق کو نا پسند کیا اور باطل کو پسند کر لیا اور اگر یہی واقعہ اوائل میں ہوا تو تعجب کیا ہے اس سے بھی واضح تر ملاحظہ ہو کہ تمام مسلمانوں کو اس کا علم تھا اور ان کا قتل کرنا خدا اور رسول کی ناگواری کا باعث تھا مزید براں ذریت رسول کا اسیر کرنا گناہ عظیم تھا باوجود اس کے اکثر اولاد صحابہ اور مشیر تابعین نے دنیائے چند روزہ کے لئے اس گناہ عظیم کو اپنے سر لے لیا اور ہتک حرمت رسول کی کچھ پرواہ نہ کی ان کے بزرگواروں نے جن مظالم کی ابتداء کی تھی وہ انھوں نے انتہاء تک پہونچا دئے (اگر پدر نتواند پسر تمام کند)

اگر چہ بعض ان میں کے خود قائل تھے کہ یہ گناہ عظیم موجب عذاب ابدی ہے چنانچہ عمر ابن سعد ابن وقاص کے اشعار پورے طور پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ اس گناہ کی سزا میں عذاب ابدی کا قائل تھا اس کے اشعار معہ ترجمہ نذر ناظرین ہیں۔

فواللہ ادری وانی مصادق — افکرنی امری علی خطرین
ااترک ملک الری والری منیتی — ام اصبح ماثوما بقتل حسین
وفی قتلہ النار اللتی لا اطیقھا — ولکن لی فی الری قرۃ عینی
وتولیتی للری ملک معجل — وما عاقل باع الوجود بدین

کسی نے ان اشعار کا ترجمہ فارسی نظم کیا ہے۔ وھو ہذا نظم:۔

گشت واقع بمن زحادثہ دہر دو کار — کہ ازیں ہر دو بفکرم بخدائے کونین
آں یکے تولیت وسلطنت ملک رے — آں وگر اثم عقاب وخطر قتل حسینؑ
قتل آں موجب نارست ومرا طاقت آن — نبود لیک زرے ہست مرا قرۃ عین
آتش قتل حسینؑ نسیہ ورے دولت نقد — ہیچ عاقل ندہد دولت موجود بدین

جب کہ ہم دنیا کے مذاہب مختلفہ کا سبب اختلاف بیان کر چکے تو اب ایک ایسا ضابطہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جسمیں تمام مذاہب اسلامیہ کی تقسیم ہو سکے واضح ہو کہ جو گروہ محسوس ومعقول کا قائل ہے اور احکام عقلیہ کو معتبر سمجھتا ہے اور تمام انبیاء کی شریعتوں کا معہ شریعت جناب ختمی مآب معتقد ہے اور اس امر کا بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ شریعت آں حضرت کی تمام شرائع سابقہ کی ناسخ ہے اس گروہ کو مسلمان کہتے ہیں پھر مسلمانوں میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو معرفت الٰہی حاصل کرنے کیلئے غور وفکر اور عقل سے کام لیتی ہے اور ایسے لوگوں کو متکلم کہتے ہیں اور دوسری جماعت تحصیل معرفت میں ریاضت اور تصفیہ باطن کو اپنا شیوہ قرار دیتی ہے اور اس گروہ کو صوفی کہتے ہیں پھر ان دونوں گروہوں کی ہمارے زمانہ میں دو قسمیں ہیں ایک شیعہ اثناء عشری دوسرے سنی اور سنیوں کی کئی قسمیں ہیں اشعری اور ماتریدی اور معتزلی علاوہ اس کے اور فرقے شیعہ اور سنی میں تھے وہ تقریبا تین سو سال سے نیست ونابود ہو گئے ہیں اس زمانہ میں انکا کوئی

نام ونشان باقی نہیں رہ گیا۔ ؂۱

شیعہ اسے کہتے ہیں جو جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو خلیفہ بحق جانیں اور سنی وہ ہے جو ابو بکر کو خلیفہ حق مانے امامیہ اثنا عشریہ وہ لوگ ہیں جو بناء بر تفصیل جو بعد میں مذکور ہوگی بارہ اماموں کی امامت کے قائل ہوں اور ان کا قول ہے کہ چونکہ اس عالم میں مختلف قومیں آباد ہیں اور ان سب کے خیالات ایک دوسرے کے مخالف ہونے کی وجہ سے آئے دن جھگڑے اور فسادوں کے باعث ہو سکتے ہیں لہذا اس عالم کو ایک حجۃ خدا سے خالی نہ رہنا چاہیئے۔ چاہے وہ حجت خدا نبی ہو یا وصی نبی اور بعد حضرت خاتم النبیین کے سوا ان حضرت کے اوصیاء اور دوسرا حافظ شریعت نہیں ہو سکتا خواہ وہ ظاہر ہوں یا غائب تا کہ کتاب خدا اور دین محمد مصطفیٰؐ کی حفاظت کرتے رہیں اور یہ نہایت صاف دلیل اس امر کی ہے کہ ہر زمانہ میں ایک معصوم کا وجود ضروری ہے چنانچہ

۱؎ چونکہ مصنف علیہ الرحمہ شاہان صفویہ کے عہد میں تھے بہت ممکن ہے کہ اس زمانہ میں ملک ایران سوائے شیعہ وسنی کے فرقہائے مذکور کی اور فرقوں سے خالی رہا ہو اور چونکہ ذرائع آمد ورفت اور وسائل اطلاع اس زمانے میں بہ نسبت حال کے بہت کم تھے لہذا مصنف علیہ الرحمہ کا مطلع نہ ہونا قابل اعتراض نہیں ہے۔ سید محمد شبیر

مولانا قطب الدین شیرازی انصاری نے اپنی بعض تحریرات میں اعتراف کیا ہے کہ جب باب نبوت بند ہو گیا اور وحی منقطع ہو گئی تو زمین نے خداوند عالم سے شکایت کی جناب باری نے زمین پر وحی نازل فرمائی کہ ساکن رہ اگر میں نے تجھ پر نبی نہیں رکھا تو ایسے لوگوں کو تجھ پر رکھوں گا کہ جن کے دل مثل نبیوں کے دل کے ہوں گے حدیث میں وارد ہے کہ زمین کہتی ہے کہ مجھ سا کون ہے درحالیکہ علیؑ میری پشت پر چلتے ہیں حجت خدا زمین سے منقطع نہیں ہو سکتی ہمیشہ زمین پر ایک نور آسمانی کا ہونا ضروری ہے کہ جس طرح سے (دابۃ الارض) کے ذریعہ سے مومن وکافر کا امتیاز ہوتا ہے اسی طرح اس کے ذریعہ سے فرمانبردار اور نافرمان کا امتحان ہوتا رہے یہی وجہ تھی جو علیؑ سے فرمایا کہ میں دابۃ الارض ہوں انتہی کلامہٗ جب دلائل عقلیہ اور اعتراف خصم سے ثابت ہو چکا کہ ایک حجت کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے تو ہم کہتے ہیں کہ بعد ہمارے پیغمبر کے امامت بارہ شخصوں میں بدلائل عقلیہ ونقلیہ منحصر ہے من جملہ ان دلائل عقلیہ کے ایک وجوب عصمت امام ہے تا کہ اس کی اطاعت پر امر ونہی میں کی جا سکے اگر ایسا نہ ہوا تو اس امام کی اصلاح کے لئے دوسرے امام کی ضرورت ہوگی اور اگر وہ امام بھی معصوم نہ ہوا تو تیسرے کی ضرورت ہوگی اور اسی طرح یہ تسلسل غیر متناہی ہو جائے گا جو قطعا باطل ہے لہذا امام کے معصوم ہونیکی ضرورت ہوئی اور سوائے ہمارے بارہ اماموں کے اور کوئی معصوم نہ تھا اور دلیل نقلی یہ کہ جس میں اس انحصار کی تصریح ہے وہ جناب پیغمبر خدا کا قول ہے جس کی روایت مسلم اور حمیدی اور ان کے علاوہ بہت بڑے بڑے محدثین اہل سنت نے کی ہے جس کا ترجمہ نذر ناظرین ہے۔ (**روایت اول**) تحقیق کہ یہ امر نہ ختم ہوگا جب تک کہ ان میں ایسے بارہ خلیفہ کو جو سب قریش سے ہوں نہ گذر لیں (**روایت دوم**) ہمیشہ یہ امر قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت آوے اور ان میں بارہ خلیفہ ہوں جو سب قریش سے ہوں۔ (**روایت سوم**) اسلام

غالب وعزیز رہے گا بارہ خلیفہ تک جو سب قریش سے ہوں گے۔

اس کے علاوہ اس مضمون میں اہل سنت کی اور بہت سی احادیث ہیں کہ جن میں موافق عقائد امامیہ کے تصریح ہے کہ خلفاء اور ائمہ بعد جناب رسالت مآب کے بارہ ہیں اور یہ بھی ہے کہ بارہویں امام کی عمر طولانی ہوگی کہ جب تک زمانہ تکلیف باقی ہے یعنی جب تک واجبات محرمات رہیں گے وہ حضرات بھی زندہ رہیں گے یہاں تک کہ قیامت آوے اور خلاصہ اس دلیل کا یہ ہے کہ جب احادیث اہل سنت میں اس امر کی تصریح ہے کہ بارہ اماموں کا قریش سے ہونا اور ان کا قیامت تک رہنا ضروری ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ سوائے گروہ امامیہ اثناء عشریہ کے اور کوئی فرقہ بارہ اماموں میں امامت کے ہونے کا قائل نہیں ہے صرف یہی فرقہ ایسا ہے کہ جو امامت کو بارہ ائمہ معصومینؑ میں جو قریش بھی تھے اور ذریت حضرت رسولؐ تھے منحصر قرار دیا ہے بلکہ سوائے ان بارہ اماموںؑ کے اور کسی میں امامت منحصر نہیں ہوسکتی اس لئے کہ امامؑ کا معصوم ہونا عقلاً ضروری ہے اور سوائے ان حضرات کے کسی دوسرے کی عصمت کا کسی نے دعویٰ بھی نہیں کیا چہ جائے اثبات اور فرقہ شیعہ اثناء عشریہ کی کتابوں میں بہت سی احادیث صحیحہ اور روایات صریحہ اس باب میں موجود ہیں، اور کسی عاقل منصف پر پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ احادیث مذکورہ اہل سنت سے شیوخ ثلثہ اور حضرت امیر المومنینؑ اور امام حسنؑ کو شامل کر کے دیگر سات شخصوں کو بنی امیہ میں سے مراد لیکر بارہ کا عدد پورا کرنا سخت غلطی ہے بلکہ موجب کفر وعناد ہے اگر چہ کتاب فصل الخطاب اور تاریخ الخلفاء میں شیخ جلال الدین سیوطی نے اور ان کے علاوہ اور کتابوں میں دیگر اہل سنت نے ایسا ہی لکھا ہے لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا اس لئے کہ خود اہل سنت سوائے چار یار کے کسی کو خلیفہ نہیں کہتے اور بعض امام حسنؑ کو بھی خلیفہ مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعد ان کے پھر بادشاہت ہے اسی طرح سے بظاہر کوئی مسلمان اس کا قائل نہ ہوگا کہ یزید پلید شراب خور خلیفہ برحق اور امام امت تھا درحالیکہ اس ملعون نے جو جو ظلم امام حسینؑ اور اہلبیتؑ اور اصحابؑ آں حضرتؐ پر کئے کہ جن میں صحابہ اور تابعین دونوں طرح کے لوگ تھے ظاہر ہیں اور اسی طرح سے بعد امام حسینؑ کے شہید کرنے کے اہلبیت رسولؐ کو قید کرنا اور در بدر پھرانا اور سر دربار بلانا پھر مدینہ طیبہ کا لوٹنا اور اہل مدینہ کو قتل واسیر کرنا مسجد نبوی کی ہتک حرمت اور حضرت امیر علیہ السلام پر سب و شتم کا حکم برسر منبر دنیا یہ سب مظالم ایسے تھے کہ مسلمانوں کا کیا ذکر ہے انصاف پسند کفار بھی ایسے شخص کو نفرت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور خلیفہ رسولؐ و امام امت ہونا تو درکنار بادشاہ دینوی بھی قرار نہ دیں گے اور ولید ابن یزید زندیق کہ جس نے کلام مجید کو پھاڑ ڈالا شیخ جلال الدین سیوطی کا بارہواں خلیفہ ہے کہا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ یزید و ولید ایسے اشخاص سے اسلام کی عزت باقی رہی اور اگر ترتیب کا اعتبار نہ کریں اور بقیہ سات خلفاء کو سلاطین بنی امیہ و بنی عباس میں سے قریب بصلاحیت دین دیکھ کر منتخب کریں تو یہ اس سے بھی زیادہ غلطی ہوگی اس لئے کہ احادیث رسولؐ سے خلفاء کے پے در پے ہونا ظاہر ومتبادر ہوتا ہے چنانچہ ان تاویلات کے فاسد ہونے کے سبب سے خود ملا فصیح دشت بیاضی نے باوجودیکہ وہ متعصبین اہل سنت سے ہیں بعض کتابوں میں اس طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے "ھذا ما قالوہُ ولکنّ لا مقنع فیه

"یعنی یہ لوگوں نے کہا لیکن اس میں کوئی تسکین وہ بات نہیں ہے اور دلیل اس امر پر کہ مراد خلیفہ قریشی سے احادیث رسولؐ میں وہ قریشی ہاشمی ہے کہ جو اہلبیت رسولؐ سے ہو نہ وہ لوگ کہ جنھیں اہل سنت کہتے ہیں یہ ہے کہ احمد ابن حنبل نے کہ جو اہل بیتؑ کے چار اماموں میں سے ایک امام ہیں حضرت عباس بن عبد المطلبؓ سے روایت کی ہے کہ مجھ سے رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اے چچا میری اولاد سے بارہ خلیفہ ہوں گے پھر خروج کریں گے میری اولاد سے مہدیؑ کہ جنکے کام کو اللہ ایک ہی رات میں درست کردے گا اور شیخ ابن حجر نے کتاب صواعق محرقہ میں روایت کی ہے کہ ہر زمانہ میں امت کے لئے عادل لوگ ہوا کریں گے میرے اہلبیتؑ سے جو دین سے گمراہوں کی تحریف اہل باطل کی جھوٹی نسبتوں اور جاہلوں کی تاویلوں کو دور کرتے رہیں گے آگاہ ہو کہ......... یقیناً تمھارے آئمہ خداوند عالم کی خدمت میں تمھارے سفیر ہیں پس غور کرو کہ تم کس کو اپنا سفیر بناتے ہو اور اسی قبیل سے ہے وہ حدیث مشہور کہ جس کی صحت کے فریقین قائل ہیں کہ فرمایا آنحضرت نے کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ جب تک تم اس سے تمسک کرو گے گمراہ نہ ہو گے اور وہ کتاب خدا اور میرے اہلبیتؑ ہیں اور یقیناً یہ دونوں ہرگز کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر وارد ہوں گے اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی زمانہ اہلبیت رسولؐ کے ایک ایسے شخص سے کہ جو حافظ کتاب خدا ہو یعنی اس کے الفاظ و معانی کی پوری حفاظت کرے خالی نہیں رہ سکتا اور ایسا ہی شخص امام ہے اور امامیہ اثنا عشریہ کے یہاں تو بہت سی احادیث صحیحہ اس بارہ میں موجود ہیں کہ خلفائے رسولؐ سوائے ان بارہ ائمہ کے جو ذریت رسولؐ سے ہیں کوئی اور نہیں ہوسکتا منجملہ اُن روایات کے وہ روایت ہے جس کو جناب زین الملۃ والدین علی ابن عبدالحمید الحسینی النجفی قدس سرہ نے شرح مصباح المجتہدین مقتداء انام شیخ ابوعبداللہ محمد مفید رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور شیخ مفید ممدوح نے امام ہمام بحر الحقائق جعفر ابن محمدؑ ابن الصادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ فرماتے ہیں کہ مجھ سے جبرئیل نے جناب رب العزت جل جلالہ کی طرف سے بیان کیا کہ اس نے فرمایا جو شخص جان لے کہ سوا میرے کوئی خدا نہیں ہے اور محمد میرے بندہ اور میرے رسولؐ ہیں اور علی ابن ابی طالبؑ میرے خلیفہ ہیں اور آئمہ ان کی اولاد سے میری حجتیں ہیں تو میں اس کو جنت میں داخل کروں گا اور اپنی عفو کے سبب سے اسکو جہنم سے نجات دوں گا اور اپنی ہمسائیگی اس کے لئے مباح کروں گا اور اپنی امت اس کے لئے واجب کروں گا اور اپنی نعمت اس پر تمام کروں گا اور اپنے خاص وخالص لوگوں میں قرار دوں گا اور اگر وہ مجھے پکارے گا، لبیک کہوں گا اور جو دعا کریں گے قبول کروں گا اگر مجھ سے سوال کرے گا عطا کروں گا اور اگر وہ خاموش رہے گا تو میں خود ابتداء کروں گا اگر گناہ کرے گا تو میں اس پر رحم کروں گا اور اگر مجھ سے بھاگے گا تو میں خود اسے بلاؤں گا اور اگر میری طرف رجوع کرے گا تو میں اسے قبول کروں گا اور اگر میرا دروازہ کھٹکھٹائے گا کھول دوں گا اور جو شخص میری، وحدانیت کی شہادت نہ دے یا شہادت دے اور اس کی شہادت نہ دے کہ محمدؐ میرے بندے اور رسولؐ ہیں یا (اسکی بھی) شہادت دے اور (اسکی) شہادت نہ دے کہ آئمہ میری حجنت ہیں تو اس نے میری نعمت کا

انکار کیا اور میری عظمت کو جھوٹا کہا اور میری آیات اور کتب کا کفر کیا اگر وہ میرا قصد کرے گا تو میں اسے روک دوں گا اور اگر مجھ سے سوال کرے گا تو میں اس کو محروم کردوں گا اور اگر وہ مجھے پکارے گا میں اس کی آواز نہ سنوں گا اور اگر مجھ سے دعا کرے گا میں اس کی دعا قبول نہ کروں گا اور اگر مجھ سے امید کرے گا میں اسے ناامید کردوں گا اور یہ اس کی جزا ہے میری طرف سے اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں پس جابر ابن عبداللہ انصاری نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ یارسول اللہؐ اولادِ علیؑ ابن ابی طالبؑ میں سے آئمہ کون ہیں پس حضرت نے فرمایا کہ حسنؑ اور حسینؑ جو سردار ہیں جوانانِ اہل بہشت کے پھر اپنے زمانہ کے عبادت گزاروں کا سردار علی ابن الحسینؑ۔ پھر باقر محمد ابن علیؑ، اے جابر تم عنقریب ان تک پہونچو گے پس جس وقت ان کے پاس پہونچنا میری طرف سے سلام کہنا پھر جعفر ابن محمدؑ الصادقؑ، پھر الکاظم موسیٰ ابن جعفرؑ، پھر الرضا علی ابن موسیٰؑ، پھر التقی محمد ابن علیؑ، پھر النقی علی ابن محمدؑ، پھر الزکی الحسنؑ ابن علیؑ، پھر ان کا فرزند جو حق کے ساتھ قائم ہوگا اور میری امت کا مہدیؑ ہوگا زمین کو عدل و قسط سے ایسا بھر دے گا کہ جس طرح سے جور و ظلم سے بھر گئی ہوگی اے جابر یہی لوگ میرے خلفاء اور میرے خالص لوگ اور میرے اولیاء اور میری عترت ہیں جس نے ان کی نافرمانی کی تو اس نے میری نافرمانی کی اور جس نے ان میں سے ایک کا بھی انکار کیا تو اس نے میرا انکار کیا انھیں کے سبب سے آسمان زمین پر گرنے سے تھمارہے گا لیکن باذن خدا انھیں کے سبب سے زمین اپنے اہل کو متزلزل کرنے سے رکی ہوئی رہے گی اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ جس نے انکی ولایت ہمیں عطا کی اور ان کا پیرو بنا کر ہم پر احسان کیا اور ہمیں یہ یقین عطا فرمایا کہ حق انھیں کا ہے اور انھیں کے ساتھ ہے اور انھیں میں ہے اور انھیں کے پاس ہے اے اللہ درود و سلام بھیج ان پر اور انکی کشائش کا زمانہ جلدی لا اور ہم کو انکے انصار اور اعوان میں قرار دے اور انھیں کی محبت پر ہم کو زندہ رکھ اور انھیں کی مودت پر ہم کو موت دے اور انھیں کے گروہ میں ہمیں محشور فرما واسطہ ان کے حق اور حرمت کا جو تیرے نزدیک ہے اور تیرے حق و حرمت کا جو ان کے نزدیک ہے آمین یا رب العالمین منجملہ ان احادیث کے وہ حدیث متواتر اور مشہور بھی ہے کہ جو جناب رسالتمآبؐ نے امام حسینؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ میرا فرزند امام ہے بیٹا امامؑ کا ہے بھائی امامؑ کا ہے والد نو اماموں کا ہے جن میں کہ نویں ان کے قائمؑ ہیں اور مراد قائم سے امام اور پیشوائے زمان محمد بن الحسن المہدیؑ ہیں کہ جو خاتم اوصیائے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور حضرت زندہ اور قائم ہیں اور بہت سی ایسی حکمتوں اور مصلحتوں کی وجہ سے کہ جنمیں کی بہت کم مصلحتیں لوگوں پر ظاہر ہیں اور بقیہ مصالح مخفی ہیں کہ جنکا تصور نہیں ہوسکتا، حضرت غائب ہیں لیکن باوجود غائب ہونے کے شریعت اسلام کے محافظ ہیں کہ کسی طرح کا خلل احکام مذہبی میں نہیں پڑسکتا یعنی کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ تمام علماء مذہب کسی حکم باطل پر اجماع کرلیں یہی وجہ ہے کہ جواب تک باوجود کثرت مخالفین کے مذہب حق میں کسی قسم کا نقص نہیں واقع ہوا اور اجماع فقہاء اسی وجہ سے حجت ہے کہ اگر وہ باطل ہوتا تو امام علیہ السلام کسی نہ کسی صورت سے اس کے خلاف قول بحجت و دلیل ظاہر فرمادیتے چنانچہ بارہا ایسا فرمایا بھی ہے اسی وجہ سے بعض ائمہ کرام سے منقول ہے کہ زمانہ

غیبت مہدیؑ موعود میں لوگوں کو وہی فائدہ ہوگا جو روز ابر میں آفتاب سے چنانچہ مولوی روم نے مثنوی معنوی میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ **بیت**:

در بشر روپوش آمد آفتاب
فہم کن واللہ اعلم بالصواب

منجملہ ان حکم و مصالحہ کے جو آں حضرت کے غیبت میں ہیں ایک یہ مصلحت ہے کہ مومنین صاحب یقین صلب کافران بیدین و منافقان معاندین سے پیدا ہولیں جیسا کہ اکثر ہوتا رہتا ہے اس لئے کہ حضرت شمشیر کے ساتھ ظہور فرمائیں گے اور ہر شخص کو جو پہلے سے ایمان نہ لاچکا ہو قتل فرمائیں گے جیسا کہ آیہ کریمہ یوم یاتی بعض آیات ربک لاینفع نفسا ایمانها سے ظاہر ہوتا ہے پس اگر حضرت ابھی ظہور فرمائیں تو وہ مومنین جو کافروں کی صلب میں ہیں پیدا نہ ہوسکیں گے الغرض حضرت کی غیبت میں ہی بڑے بڑے منافع ہیں جو کم از کم ایک قریشی فقیر جاہل محض (جس کو نہ کوئی اختیار ہے نہ کوئی حشمت و جاہ نہ اسکا حکم ہی کوئی مانتا ہے) کے حضور سے بڑھ کر ہیں کہ جس کی بیعت کو شارح مقاصد نے واجب جانا ہے اور کہا ہے کہ ان کی بیعت کے سبب سے انسان حدیث مشہور (من مات ولم یعرف امام زمانه مات میتة الجاهلیه) کے مصداق ہونے سے بچ جاتا ہے اور اس کے سبب سے ہمارے آئمہ کے اوپر اعتراض نہیں وارد ہوسکتا اس لئے کہ وہ خداوند عالم کی طرف سے خلیفہ و حاکم مقرر ہوئے تھے اگر کسی نے ان کا حق غصب کرلیا تو ان کی شان میں کوئی کمی نہیں واقع ہوئی ان کی مثال بعینہ انبیاءؑ کی مثال ہے امت نے لاکھ تکذیب کی ہزار طرح کی ایذارسانی کی یہاں تک کہ بہت سے انبیاءؑ مظلوم ہو کر شہید ہوگئے جس پر کلام مجید شاہد ہے لیکن ان باتوں سے کسی نبی کی نبوت نہیں باطل ہوئی اس لئے حکم خدا سے تھی اسی طرح سے آئمہ اثناء عشر علیہم السلام کی اقامت بھی چونکہ حکم خدا سے ہے مظلوم ہونے سے ان میں کوئی نقص نہیں پڑتا چنانچہ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ مظلوم ہونے سے مومن کے لئے کوئی برائی نہیں ہے جب تک کہ اسے اپنے دین میں شک نہ ہو اور اپنے یقین میں تزلزل نہ ہو اور حضرت عمار ابن یاسرؓ روز جنگ صفین فرماتے تھے۔

اور یہ امر کی معاندین متابعت شریعت شریفہ کی نہیں کرتے اس کا گناہ انھیں گروہ پر ہے ان کا بھی عناد ایک سبب حضرت کی غیبت کا ہے اور اکثر انبیاء اور اوصیاء کے زمانہ میں ایسے ہی امور واقع ہوئے ہیں اور وہ لوگ اپنی امت سے غائب ہوگئے ہیں اور مدتوں غائب رہیں گے اور ان کی قوم نے ان کے احکام پر عمل نہیں کیا ہے اور یہ اعتراض کرنا کہ ایک شخص کی عمر اسقدر طولانی کیوں کر ہوسکتی ہے محض عناد کے سبب سے ہے اس لئے کہ خود مخالفین بعض انبیاءؑ کے متعلق اس سے بھی زیادہ طول عمر کے قائل ہیں مثل حضرت نوحؑ کی عمر ڈھائی ہزار برس تھی اور حضرت خضرؑ کے متعلق قائل ہیں کہ جناب موسیٰؑ کے زمانہ سے اس وقت تک زندہ ہیں اسی طرح سے بعض اور انبیاءؑ بھی ہیں کہ جن کے طول عمر کا حال ہماری اور ان کی دونوں کی کتب اور روایات میں مذکور ہے اور انبیاءؑ کے متعلق اور ان کی طول عمر ہونے کی نسبت جو وجوہ و دلائل وہ بیان کریں گے وہی وجوہ و دلائل بلکہ اس سے بہتر براہین ہم حضرت صاحب العصر علیہ السلام

کے متعلق بیان کر سکتے ہیں نیز یہ روایت بھی متفق علیہ فریقین ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ جو کچھ اگلی امتوں میں ہوا ہے میری امت میں بھی ہوگا جس طرح سے کہ ایک جوتی کا تلہ دوسری جوتی کے تلہ پر ایک تیر قمار دوسرے تیر قمار پر پورا پورا منطبق ہو جاتا ہے پس لازم ہوا کہ اس امت میں بھی کچھ اشخاص کی عمریں طولانی ہوں اور جس طرح سے پچھلی امتوں میں مشاہیر اور سرداران خلق کے لئے یہ بات حاصل ہوئی اسی طرح سے اس امت کے مشہور اور سردار کے لئے بھی یہ امر ہو اور جناب صاحب الزمان سے بڑھ کر کون مشہور ہے اور ان سے زیادہ کس کو سرداری حاصل ہے علاوہ بریں مخالفین کی بناء شکوک خود انھیں کی اس روایت سے منہدم ہوتی ہے جو انھوں نے دجال کے متعلق اپنی کتابوں میں نقل کی ہے کہ دجال صیاد یہودی کا بیٹا حضرت رسالت پناہ کے زمانہ میں پیدا ہو چکا تھا اور اب تک بعض جزیروں میں زندہ موجود ہے اور وقت کا منتظر ہے جبکہ ایک شخص باطل اتنے زمانہ تک موجود ہے اور انتظار کر رہا ہے تو ایک شخص حق کے زمانہ طولانی تک موجود قائم رہنے میں کونسا استبعاد ہے بلکہ ہر باطل کے مقابلے میں ایک حق کا وجود اسقدر ضروری سمجھا گیا ہے کہ مثل مشہور ہوگئی۔ ہر فرعونے راموسیٰؑ۔ الغرض مخالفین کے شکوک اور استبعادات کوئی وقعت نہیں رکھتے خصوصا ایسی حالت میں کہ جب حضرت کی طول عمر پر بکثرت دلائل عقلیہ ونقلیہ موجود ہیں اب رہی یہ بات کہ ائمہ بارہ ہی کیوں ہیں اس کا جواب سابق کی احادیث وروایات سے جو متفق علیہ فریقین ہیں معلوم ہو چکا اور یہ بھی ظاہر ہو چکا ہے کہ کوئی زمانہ امام سے خالی نہیں رہ سکتا اور یہ بھی معلوم ہے کہ گیارہ امام یکے بعد دیگرے گذر چکے ہیں اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ بارہویں امام کی عمر طولانی ہوگی اور تا قیام قیامت حضرت زندہ رہیں گے پس ضروری ہوا کہ تعداد آئمہ کی بارہ سے زیادہ نہ ہو علاوہ اس کے خداوند حکیم کی مصلحتوں سے کوئی واقف نہیں ہے کہ اسنے کیوں بارہ کے عدد کو پسند فرمایا اس کے متعلق ہم جو دلائل بیان کر سکتے ہیں بہت ممکن ہے کہ اسکے علاوہ بھی کچھ اور وجوہ ہوں منجملہ ان وجوہ کے جو موید اس حصر کی ہیں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت آدمؑ سے لیکر جناب ختمی مآب تک چھ پیغمبر صاحبان شریعت گزرے ہیں ان میں سے ہر ایک کے بارہ بارہ وصی تھے جو دوسری شریعت کے نازل ہونے تک اپنے نبی کی شریعت کی حفاظت کرتے رہے لہذا حضرت ختمی مرتبت کی حفاظت شریعت کے لئے بھی بارہ ہی اوصیاء کا ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے بقول تعالیٰ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۔ اور اسماء مبارک ان انبیاء سابقین کے جو صاحبان شریعت تھے یہ ہیں حضرت آدمؑ صفی اللہ حضرت نوحؑ نجی اللہ۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ۔ حضرت عیسیٰؑ روح اللہ۔ حضرت محمد مصطفیٰ حبیب اللہؐ ان میں سے ہر ایک کے بارہ بارہ وصی تھے ان سب کے اسماء مبارکہ بھی کتاب جامع الانوار سید متالہ آملی اور تاریخ جہاں آرائے قاضی احمد غفاری وغیرہ میں تفصیلا مذکور ہیں اور اسی طرح اگر عالم علوی کو عالم سفلی کے ساتھ مطابق کریں جیسے سبعۂ سیارہ کے لئے بارہ بارہ برج ہیں کہ وہ ستارے ہمیشہ انھیں برجوں میں گردش کرتے رہتے ہیں اسی طرح ان انبیاء سلف کے لئے بھی کہ جو زمین پر ہدایت اور تنویر وغیرہ میں مثل سبعہ سیارہ کے ہیں بارہ امام ہونے ضروری ہیں کہ امور شرع

انھیں بارہ اماموں میں گردش کرتے رہیں اور یہ مثال معمولی نہیں بلکہ اکثر مشائخ صوفیہ نے بھی ایسی ہی مثال دی ہے چنانچہ شیخ محی الدین عربی نے اپنی کتاب فتوحات میں لکھا ہے کہ درمیان آسمان ہشتم اور نہم کے ایک قصر ہےجسمیں بارہ برج ہیں مثل حضرت اور آئمہ اثناء عشرؑ کے اور شیخ نور الدین آذری نے ایک نظم میں اسی مضمون کو بیان کیا ہے وہو ہذا۔

چنانکہ ہست فلک را دوازہ تمثال	کہ آفتاب بران دور میکند مہ وسال
برآسمان ولایت دوازدہ برج اند	چو آفتاب نبوت ہمہ براوج کمال
قضا چو آئینہ نور احمدیؐ می ریخت	بریخت زآئینہ او دوازدہ تمثال
بمثل دوازدہ ماہ و دوازدہ کوکب	بآفتاب نبوت نمودہ استقبال
ستارگان سپہر ولایت شرف اند	کہ ایمن اندز نقصان احتراق و وبال
زآفتاب نبوت صدور ایں انجم	مثال صورتِ تفصیل آمد از اجمال

اور شیخ کامل سعد الدین حموی نے اپنی بعض تصانیف میں ذکر کیا ہے کہ اسم ولی سوائے آئمہ اثناء عشر کی ذات کے اور کسی پر صادق نہیں آتا سوائے ان کے اور کوئی ولی اور امام نہیں ہے اگر ہیں تو ابدال واوتاد ہیں اور اسی مضمون کو انکے شاگرد عزیز الدین نسفی نے اپنی بہت سی کتابوں میں شیخ مذکور سے نقل کیا ہے اور اگر اہل تصوف کی کتابوں کا مطالعہ کیا جاوے تو اس سے بہت بڑھ کر تصریحیں ملیں گی بعض ذہین اشخاص نے ائمہ اثناء عشر کے بارہ کے عدد میں منحصر ہونے کی کئی مناسب وجہیں بیان کی ہیں اول تو یہ کہ اسلام مبنی ہے کلمۂ شہادتین اور اس میں سے ہر ایک کلمہ بارہ حروف ہیں اور ائمہ کلمہ شہادتین کے محافظ ہیں لہذا مناسب ہے کہ اس کے عدد بھی ان حروف کے برابر ہوں اور یہی وجہ ہے کہ تشہد کے بعد جو صلوٰۃ بھیجی جاتی ہے اس میں آل محمدؐ پر صلوٰۃ بھیجنا بھی واجب ہے بخلاف دوسرے انبیاءؑ کے کہ انکی آل کبھی صلوۃ و سلام میں انکے ساتھ شریک نہیں کی جاتی اور سبب اسکا یہ ہے کہ ان انبیاء کا دین زائل اور منسوخ ہونے والا تھا اسی وجہ سے ان کی آل کو اسکی حفاظت ضروری نہ تھی اور جب ان کی آل حافظ شریعت پر نہ تھی تو کوئی ضروری نہیں ہے کہ پیغمبر کیساتھ کہ جو بانی شرع ہے صلوٰۃ میں شریک کی جائے بخلاف آل محمد علیہم السلام کے کہ یہ لوگ قیامت تک اس شریعت کی حفاظت کے لئے خدا کی طرف سے مامور ہیں اور یہی ایک اشارہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دوازہ امام کا ذکر ایمان واسلام کے کامل ہونے کے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسے کلمہ لاالہ الا اللہ یامحمد الرسول اللہ کے بارہ حرفوں کا ذکر ضروری ہے۔

دوسری وجہ ائمہؑ کے بارہ ہونے کی یہ ہے کہ نقباء بنی اسرائیل بارہ تھے جیسا کہ خود کلام مجید میں مذکور ہے پس مناسب ہوا کہ امت محمدی کی نقابت کے لئے بھی بارہ امام ہوں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اسباط اور امنائے بنی اسرائیل یعنی وہ لوگ جو بنی اسرائیل کے احکام شریعت کے محافظ تھے اور اولاد پیغمبران بنی اسرائیل سے تھے بارہ ہی تھے پس مناسب یہ ہے ہمارے ائمہ ہدیٰ جو اس شریعت کے امین اور ہمارے پیغمبر کی اولاد ہیں بارہ ہی ہوں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ جس طرح سے آفتاب کی روشنی خلق کی ہدایت دُنیوی کے لئے خالق عالم نے قرار دی ہے اسی طرح سے نور پیغمبر خلائق کے امور دینی کی ہدایت کے لئے خلق فرمایا ہے پس جس طرح سے آفتاب کیلئے بارہ برج ہیں اسی طرح سے آفتاب نبوت کیلئے یہی بارہ اماموں کا ہونا ضروری ہوا اور جس طرح سے کہ آفتاب کی حرکت کہ جو بصارتوں کا ہادی ہے بارہویں برج میں جا کر ختم ہو جاتی ہے اسی طرح سے آفتاب عالمتاب نبوت کہ جو بصیرتوں کا ہادی ہے اس کے احکام کے محافظین یہی بارہ تک منتہی ہو جاتے ہیں اور وہی بارہویں امام آخرِ بروج امامت ہیں۔ اور اُنہیں کے سبب سے شریعت قیامت تک محفوظ رہے گی۔

پانچویں وجہ کے بیان کیلئے دو تمہیدوں کی ضرورت ہے اول یہ کہ پیغمبر خدا کی حدیث مقبولہ اہل سنت ہے کہ اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَیْش یعنی کل امام قریش ہی سے ہونگے۔ دوسرے یہ کہ محققین علماء نسب نے بیان کیا ہے نضر بن کنانہ کی اولاد قریشی ہے پس پہلا وہ شخص کہ جو قریشی ہوا وہ مالک بن نضر تھا یہاں تک کہ یہ قریشیت جناب پیغمبر تک پہونچی اگر چہ درحقیقت قریشیت نے آپ کو شرف نہیں بخشا بلکہ آپ نے قریشیت کو شرف بخشا۔

اور آپ سے مالک بن نُضر تک بارہ پشتیں ہوتی ہیں جنکے نام یہ ہیں۔ عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک پس جس طرح سے اس مرکز شرف نے بارہ درجہ سابق میں شرف پہونچایا یوں ہی بارہ درجے بعد میں شرف پہونچانا ضروری ہے۔ اور یہ بات پوری نہیں ہوسکتی جب تک کہ بارہ امامؑ معصوم آپکی عترت میں تسلیم نہ کئے جاویں۔ اور آئمہ کا بارہ ہی ہونا بھی اسی لئے ضروری ہے کہ جب مرکز دائرہ سے دو طرف خط کھینچے جاویں گے تو وہ دونوں برابر ہی ہونگے مختلف ہونا محال ہے۔ اور متاخرین نے فرمایا ہے کہ عالم کی بہترین چیزیں اور نفیس ترین نفوس اور اکثر اسماءِ حُسنیٰ کے حروف بارہ ہی ہیں لہٰذا آئمہ ہدیٰ کہ جو خلقت خدا کے بہترین اور نفیس ترین افراد اور منجملہ اسماءِ حُسنیٰ ہیں بارہ ہی ہیں۔ مثلاً کلمات لا الٰہ الا اللہ۔ الرحمٰن الرحیم۔ الحمید المجید۔ الرؤف الرحیم۔ الحنّان المنّان۔ الخالق الباری۔ الواحد الکریم۔ الوحد القہار۔ الظاہر الباطن۔ التواب الوھاب۔ الفتاح الرزاق۔ المحسن المجمل۔ المنعم المفضل۔ اباعث الوارث۔ دیانُ یوم الدین میں سے ہر ایک میں بارہ حروف ہیں۔ اسی طرح سے کلمات۔ آدم خلیفہؑ اللہ۔ نوحؑ خالصۃُ اللہ موسیٰؑ کلیم اللہ۔ عیسیٰؑ مسیح اللہ۔ محمد رسول اللہ۔ محمد حبیب اللہ۔ البشیر نذیر۔ میں سے بھی ہر ایک میں بارہ حرف ہیں اور اسی طرح سے کلمات:

امیرالمومنین علی بن ابیطالبؑ العروۃالوثقیٰ. فاطمہؑ بنت محمدؐ. الحسن المجتبیٰؑ. الحسین الشہیدؑ. الحسنؑ الحسینؑ. علیؑ ابن الحسینؑ. الامام الباقرؑ. الام الصادقؑ. الامام الکاظمؑ. علیؑ ابن کاظمؑ، محمدؑ ابن الرضاؑ. علیؑ بن الجوادؑ. الحسنؑ العسکریؑ. القائمہ المھدیؑ. مجھم فی الجنہ. عُدوّھم فی النّار.

ان میں سے ہر ایک کلمہ میں بارہ بارہ حرف ہیں۔ اور ایک عجیب اتفاق کی بات ہے کہ چونکہ بعد جناب خاتم النبیینؐ کے کوئی پیغمبر نہیں ہے بلکہ بارہ امامؑ ہیں جو آپ ہی نور سے ہیں۔ جملہ لَا نَبِیَّ بَعْد اَحْمد میں یہی بارہ ہی حرف واقع ہوئے ہیں۔ علاوہ ان کے اس کی مثالیں بہت سی ہیں وَکَذَالِکَ یَضْرِبُ اللہُ الْاَمْثَال وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلیٰ۔ لیکن ان مثالوں کے دیکھنے کے لئے چشم بصیرت درکار ہے اور ایسا دل چاہئے جو تعصب سے پاک ہو اور انصاف اس کی سرشت میں ہو خداوند عالم نے اس قدر مثالیں دی ہیں کہ ہر صاحبِ بصیرت بطور یقین قائل ہو جائے۔ لیکن صاحب تعصب نہ مائل ہو۔ تو یہ اس کی خطا ہے۔

مجلس اول بیان بعض مقامات شریفہ کے کہ جن مقامات کو آئمہ طاہرینؑ یا انکے شیعوں کے ساتھہ خصوصیت حاصل ہے۔ اگر چہ درحقیقت تمام عالم انہیں حضرات کے طفیل میں پیدا ہوا اور تمام روئے زمین ان کی خلافت حقیقیہ میں داخل بلکہ مہر جناب سیّدہ میں شامل ہے جیسا کہ حالات فدک میں ذکر ہوگا۔

العرش المجید

شیخ اجل ابوالفتح خزاعی رازی نے اپنی تفسیر میں حسنؑ بصری سے نقل کیا ہے کہ مراد عرش و کرسی سے کلام مجید میں ایک ہی چیز ہے یعنی یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں صرف نام دو ہیں۔ اور جناب رئیس المحدثین محمدؒ بن یعقوب کلینی نے کتاب کافی میں جو روایت نقل کی ہے وہ بھی انہیں معنوں پر دلالت کرتی ہے۔ اور مراد عرش و کرسی سے آٹھواں آسمان ہے جسکو فلک ثوابت کہتے ہیں جیسا کہ روایت اصبغ بن نباتہ سے ظاہر ہے۔ اصبغ کہتے ہیں کہ میں نے جناب امیرالمومنین علیہ السلام سے سنا کہ تمام آسمان اور زمین اور کچھ کہ انمیں از قسم مخلوقات ہیں سب کرسی کے درمیان میں ہیں۔ واضح رہے کہ اصبغ خواص شیعہ حضرت امیرالمومنینؑ میں سے تھے۔ اور یہ روایت حکماء اور قاضی بیضاوی اور دیگر علماء اسلام کے اس قول کے موافق ہے کہ تمام آسمان اور زمین کرسی کے مقابلہ میں وہی نسبت رکھتی ہیں جیسے ایک حلقہ یا کڑا ایک بڑے میدان میں پڑا ہو۔ اور بعض علماء تفسیر نے کہا ہے کہ مراد کرسی سے علم خدا ہے بعض کے نزدیک قدرت خدا کا کرسی نام ہے۔ والعلم عنداللہ اور چونکہ ہم نے عرش و کرسی کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے لہٰذا مخفی نہ رہے کہ عرش کو ایک خصوصیت خاصہ ذات امیرالمومنینؑ سے ہے۔ چنانچہ قاضی عیاض مالکی نے اپنی کتاب شفا کے تیسرے باب میں روایت کی ہے ابوحمرا سے کہ فرمایا جناب رسالت مآب نے کہ جب مجھے آسمان پر لے گئے تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللہِ اَیَّدْتُهٗ بِعَلِیٍ یعنی سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ رسول خدا ہیں مدد کی میں نے رسول کی علیؑ کے ساتھہ۔ اور کتاب مناقب میں ابن مردویہ نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ ایک روز میں جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں

حاضر ہوا۔ حضرت نے مجھے پکارا میں نے لبیک عرض کی۔

حضرت نے فرمایا کہ یقیناً خدا کے لئے عرش کے نیچے ایک ستون ہے جو اہل جنت کو ایسی ہی روشنی پہونچاتا ہے جیسے آفتاب اہل دنیا کو سوائے علی اور اسکے دوستداروں کے کوئی اس کو پا نہ سکے گا۔ اور بعض روایتوں میں وارد ہے کہ سامنے عرش کے لکھا ہوا ہے:۔ **لاآلہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ**

لمولفہ

کردہ برسر لوحہ لوح وجود خویش نقش
عرش اعظم نام تو ما اعظم اللہ بہر نام

بعض متعصبین اہل سنت نے کہ جو اپنے مذہب کی نصرت کے لئے خدا اور رسولؐ پر افترا کرنا جائز جانتے ہیں نہیں چاہا کہ انکے خلفاء ایسی فضیلت سے خالی رہ جاویں لہٰذا جناب رسالت پناہ سے ایک روایت نقل ہی کردی کہ فرمایا آن حضرت نے کہ: "میں نے ساق عرش پر لکھا ہوا دیکھا ہے **لاآلہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر الصدیق وعمر الفاروق وعثمان ذوالنورین**" لیکن صاحب عقل سلیم سمجھ سکتا ہے کہ یہ روایت محض افترا و بہتان ہے اس لئے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ خداوند عالم اپنے نام نامی اور اپنے رسولؐ کے اسم مطہر کے ساتھ عرش اعظم پر ایسے لوگوں کے نام بھی لکھے جو سالہا سال بت پرستی اور کفر میں مشغول رہے ہوں اور بڑا حصہ عمر کا اسی حالت میں گذرا ہو۔ ❀❀❀❀❀

دارالسلام

بہشت عنبر سرشت

جہانے کاندرا وہر دل کہ یابی بادشاہ یابی
مکانے کاندراں ہرجاں کہ بینی شادماں بینی

یعنی ایسی دنیا کہ جہاں جس دل کو دیکھو بسبب وفور خوشی کے بجائے خود بادشاہ معلوم ہوتا ہے اور ایسی جگہ کہ جہاں پر ہر جاندار خوش وخرم نظر آتا ہے۔

اسکو دارالسلام اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے رہنے والے تمام آفتوں اور بلاؤں اور تکلیفوں سے سالم و محفوظ ہیں صاحب کشف الغمہ نے عزالدین عبدالرزاق بن رزق اللہ بن ابوبکر محدث حنبلی سبعی الاصل موصلی المَولِد کی کتاب سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ: فرمایا جناب رسالت مآب صلعم نے کہ جب مجھے آسمان پر لے گئے میں نے جنت کے دروازے پر

لکھا ہوا دیکھا۔

لاآلہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی حبیب اللہ الحسن والحسین صفوة اللہ وفاطمہ امة اللہ وعلیٰ باغضیھم لَعنَةُ اللہ۔ یعنی وحدانیت و رسالت کی شہادت کے لکھا تھا:

کہ "علیؑ دوست خدا کے ہیں اور حسنؑ و حسینؑ برگزیدہ خدا کے ہیں اور فاطمہؑ کنیز خدا ہیں انکے بغض رکھنے والے پر خدا کی لعنت" ونیز کتاب مناقب ابوالموید خوارزمی سے نقل کیا ہے کہ حسن بصری نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ "جب روز قیامت آوے گا علیؑ بن ابی طالبؑ فردوس پر ہونگے اور وہ ایک پہاڑ ہے جو جنت سے اونچا ہے اور اس کے اوپر عرش رب العالمین ہے اور اس کے دامن سے نہریں جنت کی جاری ہیں جو تمام جنت میں پھیل جاتی ہیں۔ علیؑ بن ابی طالبؑ ایک نور کی کرسی پر نہر تسنیم کے سامنے جلوہ افروز ہونگے۔ صراط سے کوئی نہ گزر سکے گا جب تک کہ اس کے پاس ان کی ولایت اور امامت اور انکے اہل بیت کی سند نہ ہو وہ اسی بلندی سے دیکھ رہے ہونگے اپنے دوستوں کو جنت میں بھیجیں گے اور دشمنوں کو داخل نار کریں گے۔ اور بن حجر متاخر نے اپنی کتاب صواعق محرقہ میں اسی حدیث مذکور کو بن سمان کے اسناد سے ابوبکر سے روایت کی ہے اور انہوں نے جناب رسالت مآبؐ سے نقل کیا ہے کہ: سنا میں نے جناب رسولؐ خدا کو فرماتے ہوئے کہ "صراط پر سے کوئی نہ گذر سکے گا جب تک کہ علیؑ اسے پروانہ راہ داری نہ دیں اور نفیس ترین لذات جنت میں سے حوض کوثر ہے کہ جس کو خداوند عالم نے جناب سید بشر شافع محشر محمد مصطفیٰؐ کو عطا فرمایا ہے لیکن امیر المومنینؑ انکے ساقی ہیں جو شخص اس کا ایک جام پئے گا ابدالآباد تک پیاسا نہ ہوگا" دوستان اہلبیتؑ جتنا چاہیں گے پئیں گے اور دشمن قطعاً محروم رہیں گے چنانچہ جناب امیر المومنینؑ اپنے ایک رجز میں جو آپ نے جنگ صفین میں پڑھا ہے اور اس کو تمام مورخین اہل سنت نے نقل کیا ہے فرماتے ہیں:۔

اَنَا عَلِیٌّ صَاحِبُ الصَّمْصَامَة — وصاحِبُ الْحَوْضِ لَدَی الْقِیَامَة
اَخُوْ نَبِیِّ اللّٰہِ ذُوالْعَلَامَة — قَدْ قَالَ اِذَا عَمَّمَنِی الْعِمَامَة
اَنْتَ اَخِیْ مَعْدِنُ الْکَرَامَة — وَمَنْ لَہٗ مِنْ بَعْدِی الْاِمَامَة

یعنی میں وہ علیؑ ہوں کہ جو صاحب صمصام ہے اور مالک حوض کوثر روز قیام محشر ہے میں رسولؐ خدا کا بھائی اور صاحب معجزات ہوں۔ خود رسولؐ خدا نے میرے سر پر عمامہ باندھتے وقت فرمایا ہے کہ "تو میرا بھائی ہے اور بزرگیوں کا معدن ہے اور تو ہی وہ شخص ہے کہ جس کے لئے میرے بعد امامت مخصوص ہے۔

اور امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے کہ:

وَنَحْنُ عَلَی الْحَوْضِ رُوَّادُہٗ — نَذُوْدُ وَنَسْتَعْدُ وُرَّادُہٗ

حاضر ہوا۔ حضرت نے مجھے پکارا میں نے لبیک عرض کی۔

حضرت نے فرمایا کہ یقیناً خدا کے لئے عرش کے نیچے ایک ستون ہے جو اہل جنت کو ایسی ہی روشنی پہونچاتا ہے جیسے آفتاب اہل دنیا کو سوائے علی اور اسکے دوستداروں کے کوئی اس کو پا نہ سکے گا۔ اور بعض روایتوں میں وارد ہے کہ سامنے عرش کے لکھا ہوا ہے:۔ لاآلہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ

لمولفہ

کردہ برسر لوحہ لوح وجود خویش نقش
عرش اعظم نام تو ما اعظم اللہ بہر نام

بعض متعصبین اہل سنت نے کہ جو اپنے مذہب کی نصرت کے لئے خدا اور رسولؐ پر افترا کرنا جائز جانتے ہیں نہیں چاہا کہ انکے خلفاء ایسی فضیلت سے خالی رہ جاویں لہٰذا جناب رسالت پناہ سے ایک روایت نقل ہی کردی کہ فرمایا آن حضرت نے کہ: "میں نے ساق عرش پر لکھا ہوا دیکھا ہے لاآلہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر الصدّیق وعمر الفاروق وعثمان ذوالنورین" لیکن صاحب عقل سلیم سمجھ سکتا ہے کہ یہ روایت محض افترا و بہتان ہے اس لئے کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ خداوند عالم اپنے نام نامی اور اپنے رسولؐ کے اسم مطہر کے ساتھ عرش اعظم پر ایسے لوگوں کے نام بھی لکھے جو سالہا سال بت پرستی اور کفر میں مشغول رہے ہوں اور بڑا حصہ عمر کا اسی حالت میں گذرا ہو۔ ❁❁❁❁❁❁

دارالسلام

بہشت عنبر سرشت

جہانے کا ندرا وہر دل کہ یابی بادشاہ یابی
مکانے کاندراں ہرجاں کہ بینی شادماں بینی

یعنی ایسی دنیا کہ جہاں جس دل کو دیکھو بسبب وفور خوشی کے بجائے خود بادشاہ معلوم ہوتا ہے اور ایسی جگہ کہ جہاں پر ہر جاندار خوش وخرم نظر آتا ہے۔

اسکو دارالسلام اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے رہنے والے تمام آفتوں اور بلاؤں اور تکلیفوں سے سالم ومحفوظ ہیں صاحب کشف الغمہ نے عزالدین عبدالرزاق بن رزق اللہ بن ابوبکر محدث حنبلی سبعی الاصل موصلی المولد کی کتاب سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ: فرمایا جناب رسالت مآب صلعم نے کہ جب مجھے آسمان پر لے گئے میں نے جنت کے دروازے پر

لکھا ہوا دیکھا۔

لاآلہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی حبیب اللہ الحسن والحسین صفوۃ اللہ وفاطمہ امۃ اللہ وعلیٰ باغضیھم لعنۃ اللہ۔ یعنی وحدانیت ورسالت کی شہادت کے لکھا تھا: کہ "علیؑ دوست خدا کے ہیں اور حسنؑ وحسینؑ برگزیدہ خدا کے ہیں اور فاطمہؑ کنیز خدا ہیں انکے بغض رکھنے والے پر خدا کی لعنت" ونیز کتاب مناقب ابوالموید خوارزمی سے نقل کیا ہے کہ حسن بصری نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ "جب روز قیامت آوے گا علیؑ بن ابی طالبؑ فردوس پر ہونگے اور وہ ایک پہاڑ ہے جو جنت سے اونچا ہے اور اس کے اوپر عرش رب العالمین ہے اور اس کے دامن سے نہریں جنت کی جاری ہیں جو تمام جنت میں پھیل جاتی ہیں۔ علیؑ بن ابی طالبؑ ایک نور کی کرسی پر نہر تسنیم کے سامنے جلوہ افروز ہونگے۔ صراط سے کوئی نہ گزر سکے گا جب تک کہ اس کے پاس ان کی ولایت اور امامت اور انکے اہل بیت کی سند نہ ہو وہ اسی بلندی سے دیکھ رہے ہونگے اپنے دوستوں کو جنت میں بھیجیں گے اور دشمنوں کو داخل نار کریں گے۔ اور بن حجر متاخر نے اپنی کتاب صواعق محرقہ میں اسی حدیث مذکور کو بن سمان کے اسناد سے ابوبکر سے روایت کی ہے اور انہوں نے جناب رسالت مآبؐ سے نقل کیا ہے کہ: سنا میں نے جناب رسولؐ خدا کو فرماتے ہوئے کہ "صراط پر سے کوئی نہ گذر سکے گا جب تک کہ علیؑ اسے پروانہ راہ داری نہ دیں اور نفیس ترین لذات جنّت میں سے حوض کوثر ہے کہ جس کو خداوند عالم نے جناب سید بشر شافع محشر محمد مصطفیٰؐ کو عطا فرمایا ہے لیکن امیر المومنینؑ انکے ساقی ہیں جو شخص اس کا ایک جام پیے گا ابد الآباد تک پیاسا نہ ہوگا" دوستان اہلبیتؑ جتنا چاہیں گے پئیں گے اور دشمن قطعاً محروم رہیں گے چنانچہ جناب امیر المومنینؑ اپنے ایک رجز میں جو آپ نے جنگ صفین میں پڑھا ہے اور اس کو تمام مورخین اہل سنت نے نقل کیا ہے فرماتے ہیں:۔

أنَا عَلیٌّ صَاحِبُ الصَّمْصَامَة — وصاحِبُ الْحَوضِ لَدَی الْقِیَامَة
أخُو نَبِیِّ اللّٰهِ ذُوالْعَلامَة — قَدْ قَالَ إذَا عَمَّمَنِی الْعِمَامَة
أنتَ أخِی مَعْدِنُ الْکَرَامَة — وَمَنْ لَهُ مِنْ بَعْدِی الْإمَامَة

یعنی میں وہ علیؑ ہوں کہ جو صاحب صمصام ہے اور مالک حوض کوثر روز قیام محشر ہے میں رسولؐ خدا کا بھائی اور صاحب معجزات ہوں۔ خود رسولؐ خدا نے میرے سر پر عمامہ باندھتے وقت فرمایا ہے کہ "تو میرا بھائی ہے اور بزرگیوں کا معدن ہے اور تو ہی وہ شخص ہے کہ جس کے لئے میرے بعد امامت مخصوص ہے۔

اور امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے کہ:

وَنَحْنُ عَلَی الْحَوضِ رَوَّادُهُ — نَذُودُ وَنَسْقِی وُرَّادَهُ

وَمَا فَامَنْ فَازَ اِلَّا بِنَا　　وَمَا خَابَ مَنْ حُبُّنَا زَادَهٗ
وَمَنْ سَرَّنَا نَالَ مِنَّاالسُّرُوْر　　وَمَنْ سَاءَ أنَا سَاءَ مِيْلَادَهٗ
وَمَنْ كَانَ غَاصِباً حَقَّنَا　　فَيَوْمَ الْقِيَامَةِ مِيْعَادَهٗ

یعنی ہمیں حوض کوثر پر پانی تقسیم کرنے والے ہیں اور دشمنوں کو وہاں سے نکال دیں گے اور دوستوں کو بلائیں گے کوئی شخص بغیر ہماری امداد کے کامیابی نہیں حاصل کرے گا اور جس کو ہم سے محبت ہوگی وہ جنت سے نا امید نہیں ہو سکے گا اور جو ہم کو خوش کرے گا ہم اس کو خوش کریں گے اور جو ہم سے برائی کرے گا تو یقیناً اس کی ولادت برے طریق سے عمل میں آئی ہے اور جس نے ہمارا حق غصب کیا اس کی

ا؎ اس سے بظاہر جنگ خندق مراد ہے ۱۲۔

وعدہ گاہ روز قیامت ہے ۔اور جہاں تک مجھے معلوم ہے حضرت علیؑ کے ساقی کوثر ہونے میں کسی مخالف نے اختلاف نہیں کیا ہے۔

اور شافعی نے اپنے مشہور شعر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے:وھو ھذا :

رَبِّ هَبْ لِىْ مِنَ الْمَعِيشت سؤلي　　وَاعْفُ عَنِّىْ بِحَقِّ آل رَسُوْلٍ
وَاسْقِنِىْ شَرْبَةً بِكَفِ عَلِيٍّ　　سَيِّدُ الْاَوْلِيَاءِ زَوْجِ بُتُوْلٍ

یعنی اے خدا مجھے میرے سوال کے موافق معیشت عطا فرما اور صدقہ میں آل رسولؐ کے میرے گناہوں کو بخش دے !اور علیؑ کے ہاتھ سے مجھے سیراب کر جو تمام اولیاء کے سردار اور حضرت فاطمہ زہرا صلوۃ اللہ علیہا کے شوہر ہیں۔

اور علامہ دوانی نے کہ جو بظاہر شافعی مذہب تھے اپنی مشہور رباعی میں کہا ہے:

رباعی

رورخت طلب یساقی کوثر کش　　وزکوثر کثرت لئے وحدت درکش
لَا يَظْمَاءُ اَصْلاً اَبَداً شَارِبُهَا　　رمزیست دریں مے ارتوانی درکش

لطیفہ

ایک مرتبہ محمود صباغ نیشاپوری جو بامذاق شیعوں میں سے تھے حج کے لئے گئے تھے ایک دن شریف مکہ نے ان کی دعوت کی اور اپنے ایک باغ میں لے گئے سب لوگ ایک مربع حوض کے کنارے بیٹھے ایک ماوراء النھر کے شخص نے اپنے دوست سے کہا کہ جیسے یہ حوض مربع ہے ایسا ہی حوض کوثر بھی ہوگا

اور چاروں گوشوں پر چاروں خلفاء جلوہ افگن ہوں گے اور ہم لوگوں کو سیراب کریں گے یہ سن کر محمود صباغ کو تاب نہ رہی بے چین ہو کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ حوض کوثر مدور ہوگا اور ساقی اس کے امیر المومنینؑ حیدر کرار ہوں گے تم کو اس میں سے ایک قطرہ نہ ملے گا اور حضرت امیر المومنینؑ تم کو وہاں سے ہنکا کر راہی سقر کریں گے اور اس سے زیادہ تفصیل جنت کی اور اس کی طرح طرح کی نعمتوں کی اور اس کے مومنین و مومنات سے مخصوص ہونیکی کتاب روضۃ الکافی میں مذکور ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے:۔

اعراف

قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ وَعَلىٰ الْاَعْرافِ رِجَالٌ يَعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمَا هُمْ الاٰيَة یعنی خدا نے فرمایا ہے کہ اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو سب کو پہچانتے ہوں گے بہ سبب ان کی نشانیوں کے اعراف عرف کی جمع ہے اور عرف کے معنی بلند زمین کے ہیں بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اعراف بہشت اور دوزخ کے درمیان ایک ٹیلہ ہے اور اسی وجہ سے مرغ کے تاج کو عرف الدیک کہتے ہیں چنانچہ مرزا قاسم کو نابادی نے اپنے شاہنامہ میں کہا ہے ۔

ہما برج و بارہ زسرتا بہ فرق　　چو تاج خروساں بخوں گشتہ غرق

اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ ایک دیوار ہے جو بہشت و دوزخ کے درمیان میں ہے جیسا کہ کہا ہے۔فَضَرَبَ بَيْنَهُمْ سُوْرٌ لَهٗ بَابٌ یعنی درمیان میں اہل جنت اور دوزخ کے ایک شہر کو پناہ دیا ہے کہ جس میں دروازہ ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس کو اسلئے اعراف کہتے ہیں کہ اس پر جو لوگ ہوں گے وہ دوسروں کو پہچانتے ہوں گے اور بعض نے کہا ہے کہ مراد اعراف سے صراط ہے اور مفسرین اہلسنت کا مشہور قول جس کو قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں مجملا اور ابوالفتح رازی نے اپنی تفسیر میں مفصلا نقل کیا ہے یہ ہے کہ ثعلبی نے کہ جو امام اصحاب حدیث اہلسنت ہیں اپنی تفسیر میں جویر بن سعید سے اور انھوں نے ضحاک سے اور انھوں نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ: اعراف سے بلندیاں صراط کی مراد ہیں اور جو لوگ اعراف پر ہوں گے ان کے نام یہ ہیں:

حمزہؑ ۔عبدالمطلبؑ ۔عباسؑ ۔جعفر طیار ذوالجناحین یہ لوگ اپنے دوستوں کو اپنی نشانیوں سے پہچان لیں گے اور علامت یہ ہوگی کہ دوستوں کے چہرے نورانی ہوں گے اور دشمنوں کے سیاہ ہوں گے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ مراد دشمنان سیاہ سے دشمنان رسولؐ و آل رسولؐ ہیں کہ جو در حقیقت اہل جماعت ہیں یعنی ان سب کو ان کے وہی سردار جو گوسالہ پرستی کی طرف بلاتے ہیں اور ان کے وہ آئمہ کہ جو جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور جنکی پیشانیوں پر نشان اِنَّ اَشَدَّ الْعَذَابِ اور تمغائے اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ لگا ہوا ہے

اور جنکے سروں پر لعنت کے پتھر برس رہے ہیں جہنم کی طرف لیجاتے ہیں ناصبیوں کے گروہ سے چھینیں گے اور محبت اہل بیتؑ کی تہمت ان پر لگائیں گے یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ یعنی وہ اپنے منہ سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں ہے اس لئے کہ ان کے چہرے کا رنگ انکی زبان سے نکلے ہوئے اتفاقی الفاظ انکے افعال و اعمال ان کے خلاف گواہی دے رہے ہیں یہاں تک کہ بہت سے ان میں کے روز عاشورہ اچھے کپڑے پہنتے ہیں آنکھوں میں سرمہ لگاتے ہیں اور آپس میں مثل عید کے ملتے ہیں گویا فتح یزید کی مبارکباد دیتے ہیں اور اکثر تو ان میں کے جو ماوراء النھر اور شام وغیرہ میں رہتے ہیں بغض حضرت امیر المومنینؑ کو شرط ایمان و اسلام جانتے ہیں اور آپ کے دشمنوں کو صدوق اور ثقہ روایت اور احادیث کی نقل کرتے ہیں لکھتے ہیں چنانچہ احمد حنبل جو اس قوم کا امام ہے اور ذوالشیہ یہ خارجی کی اولاد میں سے ہے کہتا تھا کہ جب تک علیؑ سے کچھ بغض نہ رکھے مومن نہیں ہوسکتا اس کی بجنسہ عبارت جس کا ترجمہ ہو چکا ہے: اَلرَّجُلُ لَا يَكُوْنُ مُؤْمِناً حَتّٰى يَبْغِضَ عَلِيًّا قليلاً ۔ اور قاضی ابن خلکان نے جو اکابر اہل سنت میں سے ہے اپنی کتاب وفیات الاعیان میں اثناء بیان حالات علی بن جہم قریشی میں صاف صاف لکھ دیا ہے کہ محبت علی ابن ابی طالبؑ تسنن کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ اگر چہ زبانی یہ لوگ دعوائے محبت کرتے ہیں لیکن باطن ان کا کدورت سے بھرا ہوتا ہے اور جناب محمد بن یعقوب کلینی نے حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے کہ: ایک روز ابن کوا خدمت امیر المومنین علیہ السلام میں حاضر ہوا اور عرض کی: یا امیر المومنینؑ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمَاهُمْ سے لوگ مراد ہیں پس حضرت نے فرمایا کہ ہم اعراف پر ہوں گے اور ہم اپنے ناصروں کو انکی نشانیوں سے پہچانیں گے اور ہمیں وہ اعراف ہیں کہ بغیر ہماری معرفت کے خدائے عزوجل کی معرفت نہیں حاصل ہوسکتی۔ اور ہم ہی وہ اعراف ہیں کہ خدائے عزوجل پہچوائے گا روز قیامت پل صراط پر پس جنت میں کسی کو داخل نہ کرے گا لیکن جو ہمیں پہچانے اور نار میں داخل نہ کرے گا لیکن اسی شخص کو جو ہماری معرفت نہ رکھتا ہو اور یقیناً تبارک و تعالیٰ اگر چاہتا تو خود اپنے کو پہچنواتا لیکن اس نے ہم لوگوں کو اپنا دروازہ اور اپنا صراط اور راستہ قرار دیا ہے جس کے ذریعہ سے اس تک لوگ پہونچ سکیں پس جو شخص ہماری ولایت سے منکر ہوا اور ہمارے اوپر ہمارے غیر کو ترجیح دے فَاِنَّهُمْ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُوْنَ پس یقیناً وہی لوگ صراط سے منھ پھرانے والے ہیں اور اس حدیث کو موید عمر بن شیبہ اور دوسرے راویوں کی روایتیں ہیں جو انھوں نے صحابۂ کرام سے نقل کی ہیں کہ علیؑ جنت اور نار کے تقسیم کرنے والے ہیں اور عمر بن شیبہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امیر المومنینؑ سے فرمایا کہ ''اے علیؑ گویا میں تمھیں دیکھ رہا ہوں روز قیامت تم اپنے ہاتھ میں چوب عوسج کی چھڑی لئے ہوئے کچھ لوگوں کو جنت

کی طرف بھیج رہے ہو اور دوسروں کو جہنم کی طرف ہنکار رہے ہو اور دوزخ سے کہہ رہے ہو کہ یہ میرا ہے اور وہ تیرا ہے اسے لے جا۔ اس لئے کہ وہ میرے دشمنوں میں سے ہے اور اسے چھوڑ دے اس لئے کہ یہ میرے دوستوں میں سے ہے۔''

اس کے بعد پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جہنم علیؑ کی اطاعت اس سے زیادہ کرے گا جتنا کہ کوئی غلام اپنے مالک کی کرتا ہے چنانچہ شافعی کہتے ہیں:۔

عَلِيٌّ حُبُّهُ جُنَّةٌ   قَسِيْمُ النَّارِ وَالْجَنَّةِ

وَصِيُّ المصطفىٰ حَقًّا   اِمَامُ الْاِنْسِ وَالْجِنَّةِ

یعنی علیؑ کی محبت عذاب خدا کے لئے سپر ہے (اور) وہ حضرت جنت اور دوزخ کے تقسیم کرنے والے ہیں بالتحقیق آپ حضرت رسول اللہؐ کے وصی ہیں (اور) انسان اور جنات کے پیشوا ہیں اور ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ حارث ہمدانی نے جناب امیر المومنینؑ سے عرض کی یا امیر المومنین میں دو حالتوں سے ڈرتا ہوں ایک وقت نزع دوسرے صراط۔

حضرت نے فرمایا نہ ڈر کہ میرے دوست اس مقام پر بے خوف ہوں گے اور مجھے میرے دوست و دشمن دونوں دیکھیں گے اور میں بھی ان کو دیکھوں گا اور میں ان کو اور وہ مجھ کو پہچانیں گے اور اس کے متعلق کچھ اشعار فرمائے ہیں جنکا خلاصہ مطلب یہ ہے:۔ اے حارث ہمدانی جو شخص خواہ مومن ہو یا منافق مرنے کے وقت وہ مجھے ضرور دیکھے گا اور میں اسکے نفس اور افعال کی حالت سے واقف ہوں گا اور تو صراط کے پاس میرے سامنے ہوگا پس لغزش کھانے کو نہ ڈر جب تو آگ کے سامنے ہوگا تو میں آگ سے کہوں گا کہ اس کو چھوڑ دے اسلئے کہ یہ وصی سے تعلق رکھتا ہے اور میں تجھے پیاس کی حالت میں سیراب کروں گا اور من جملہ ان حکایات مشہورہ کے جو اس مقام سے مناسبت رکھتی ہیں یہ ہے کہ ابوصلت ہروی نے جناب علی ابن موسیٰ الرضاؑ سے روایت کی ہے کہ ایک روز حضرت مامون کے پاس تشریف لے گئے وہاں آپ سے اور چند مخالفین سے مباحثہ ہوا آخری سوال ان لوگوں کا یہ تھا کہ جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ اے علیؑ! تم قسیم جنت و نار ہو پس جنت و نار کی تقسیم کیوں کر ہوگی؟ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جس طرح سے محبت آپ کی جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے اسی طرح سے آپ کی عداوت جہنم میں جانے کا باعث ہے پس جس طرح سے آپ کی محبت و عداوت لوگوں میں تقسیم ہے اسی طرح جنت و نار تقسیم ہوگی۔ آپ کی حسن تقریر سے مامون اور تمام حاضرین جلسہ قائل ہو گئے ابوصلت کہتے ہیں کہ جب میں اس جلسہ سے باہر آیا تو عرض کی یا بن رسول اللہؐ آپ نے معجزہ دکھایا اور ایسی تقریر فرمائی کہ مردہ دلوں کو زندہ کر دیا حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جو کچھ کہا ان کے مذہب کے موافق کہا ورنہ ہم اہلبیتؑ کا

مذہب تو یہ ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام صراط کے کنارے کھڑے ہوں گے اور فرما رہے ہوں گے کہ اے جہنم اسے لے لے اس لئے کہ یہ میرے دشمنوں میں سے ہے اور اسے چھوڑ دے کہ یہ میرے دوستوں میں سے ہے۔

منجملہ مہملات اہل سنت و جماعت کے یہ ہے کہ ان کے بعض علماء نے اپنی کتاب میں جنکا نام **فضائح الروافض** رکھا ہے ذکر کیا ہے کہ شیعہ مفوضہ ہیں اس لئے کہ کہتے ہیں کہ خداوند عالم روز قیامت بعض کاموں کو خود علی ابن ابی طالبؑ کے سپرد کردے گا اور اسی سبب سے علیؑ کو قسیم الجنت والنار کہتے ہیں درحالیکہ خداوند عالم فرماتا ہے کہ میں جسے چاہوں گا عذاب کروں اور جسے چاہوں گا بخشوں گا۔ رافضی کہتے ہیں کہ علیؑ یہ کام کریں گے یہاں تک کہ ابوبکر و عمر اور ان کے مطیعوں کو دوزخ میں بھیج دیں گے اور موچیوں اور جولاہوں اور کلاہ سازوں کو جنت میں۔ لیکن شیخ عبدالجلیل رازی نے اس کا جواب دیا ہے کہ اگر تفویض کے یہی معنی ہیں تو یہ خداوند عالم کے بہت سے افعال و احکام میں پائی جاتی ہے اس لئے کہ اہلسنت کا اجماع ہے اس بات پر کہ خداوند عالم کے کچھ فرشتے ایسے ہیں کہ بندوں کا روزی پہونچانا اور لوگوں کے اعمال کا حساب کرنا اور قطرات باراں کا شمار کرنا انکے متعلق ہے پس اگر خداوند عالم خود ہی سب کام کرتا ہے تو فرشتوں کے متعلق یہ کام کیوں کئے اور شریعت اور کتاب کو انبیاء و اولیاء کے سپرد کیوں کیا پس یہ اعتراض کرنے والے یقیناً خدا کی سلطنت کی عظمت سے بے خبر ہیں دراں حالیکہ خود قائل ہیں کہ خلائق کی روزی میکائیلؑ کے متعلق ہے اور قطرات بارش کا تعلق اسرافیل سے ہے اور ملک الموت روحیں قبض کیا کرتے ہیں پس اگر آتش دوزخ امیر المومنینؑ کی اطاعت کرے جیسا کہ خود اہلسنت کی احادیث صحیحہ میں موجود ہے تو کونسی تفویض لازم آئی؟ کیا امیر المومنین علیہ السلام کا مرتبہ ملائکہ سے کم ہے؟ اور خود جہنم کے متعلق کلام مجید میں موجود ہے کہ اس پر انیس (۱۹) شخص منتظم ہوں گے اور پھر یہی موجود ہے کہ ملائکہ گنہگاروں کو کھینچ کر جہنم میں لے جائیں گے پس فرشتوں کا یہ کام انجام دینا عین خدا کا کام ہوا اور امیر المومنینؑ کا ان کاموں کا انجام دینا تفویض ہوگئی اگر حقیقت میں دیکھا جاوے تو یہ خود مفوضہ ہیں اس لئے کہ کلام مجید کو انھوں نے عثمان کے سپرد کردیا اور امامت کو جو دین کا رکن عظیم ہے امت کے ہاتھ دے دیا بلکہ تنہا عمر کے اختیار میں اور شریعت کو اپنے فقہاء کے قیاس کے اوپر چھوڑ دیا اور امیر المومنین علیہ السلام جس کو جہنم میں بھیجیں گے حکم خدا سے بھیجیں گے اور جس کو داخل بہشت کریں گے مطابق حکم خدا کریں گے اور موچی و کلاہ سازی یا جولاہے کا پیشہ کرنا یہ محض آتش جہنم میں جانے کا سبب نہیں ہے اس لئے کہ خداوند عالم فرماتا ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ یعنی بزرگ ترین تم سے خدا کے نزدیک وہ ہے جو تم سے زیادہ متقی ہو۔ اس کو کسی پیشے اور شہر سے کیا تعلق؟۔

بیت اللہ (کعبہ)

کعبہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی شکل مکعّب یعنی چوپہل ہے اور قرآن مجید میں مذکور ہے کہ پہلا گھر جو عبادت کے لئے بنایا گیا وہ الہی کعبہ ہے اور تمام اگلی امتیں بھی اسکی تعظیم کرتی آئی ہیں اور بیان اس امر کا یہ کہ وہ اصل میں ایک یاقوت سرخ تھا جو حضرت آدمؑ کے لئے بجائے کرسی کے تھا جب طوفان آیا تو اسے آسمان پر لے گئے پھر حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا کہ اسی مقام پر یہ گھر بنائیں اور قبل اس کے بننے کے لوگ حج کرنے کے لئے مکہ کی طرف آتے تھے اور علاوہ ان کے دیگر خصوصیات اور فضائل کتاب معجم البلدان وغیرہ میں مذکور ہیں۔ الغرض بیت اللہ کو یہی خاص خصوصیت حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ حاصل ہے۔ یہاں تک کہ آپ کا تولد بذریعہ الہام کے اسی مکان میں ہوا اور آپ کے قبل اور بعد کوئی وہاں متولد نہ ہوا تھا اور نہ ہوگا اور یہ ایک ایسی فضیلت ہے جس کو خداوند عالم نے خاص حضرت کی ذات سے وابستہ کردیا ہے۔ اور کتاب بشائر المصطفیٰ میں زید بن قعنب سے روایت ہے۔ کہ میں اور عباس بن عبدالمطلب معہ چند آدمیوں کے خانہ کعبہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ فاطمہ بنت اسد زیارت خانۂ کعبہ کیلئے آئیں اور دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی کہ اے خدا میں تیرے ساتھ ایمان لائی ہوں اور جو کچھ تیرے پاس سے آیا ہے اس پر اور تیرے پیغمبروںؑ اور کتابوں پر بھی ایمان لائی ہوں اور میں تصدیق کرتی ہوں اپنے جد ابراہیمؑ کے کلام کی اور اس بات کی کہ انہوں نے اس گھر کو بنایا پس واسطہ اس شخص کا جس نے اس گھر کو بنایا اور واسطہ اس بچہ کا جو میرے شکم میں ہے وضع حمل کو مجھ پر آسان کردے۔ زید بن تغلب کہتے ہیں کہ یہ دعا کرتے ہی دیوار پھٹ گئی اور وہ اندر چلی گئیں اور ہماری آنکھوں سے غائب ہو گئیں اور دیوار پھر درست ہوگئی ہم لوگوں نے حالت دریافت کرنے کیلئے چاہا کہ قفل کھولیں مگر نہ کھل سکا پس ہم جان گئے کہ اس میں کچھ خدا کا راز ہے جب چوتھا روز ہوا تو فاطمہ باہر آئیں اور علیؑ ان کی گود میں تھے اور کہہ رہی تھیں کہ میں اپنے سے پیشتر والی تمام عورتوں پر فضیلت دے گئی اس لئے کہ آسیا بنت مزاحم نے چھپ کر اللہ کی عبادت ایسے مقام پر کی کہ جس جگہ پر اللہ سوائے مجبوری کی عبادت کے اختیاری عبادت کو پسند نہیں فرماتا تھا اور مریم بنت عمران نے سوکھے ہوئے درخت کو ہلایا اور اس سے رطب تازہ ان پر گرے اور میں خدا کے گھر میں داخل ہوئی اور بہشت کے میوے اور وہاں کی نعمتیں میں نے کھائیں جب میں نے نام رکھنے کا ارادہ کیا تو ایک ہاتف نے آواز دی کہ اے فاطمہ اس کا نام علیؑ رکھو یہ علیؑ ہے اور اللہ علی اعلیٰ ہے اللہ فرماتا ہے کہ میں نے اس کے نام کو اپنے نام سے نکالا اور اس کو اپنا ادب سکھایا اور اس کو میں نے اپنے علم پر اطلاع دی اور یہی بتوں سے میرے گھر کو پاک کرے گا اور میرے گھر کی چھت پر

اذان دے گا اور میری تقدیس و تمجید کرے گا پس خوشحال اس شخص کا جو اس کو دوست رکھے اور اس کی اطاعت کرے اور ویل ہے اسکے لئے کہ جو اس سے بغض رکھے اور اس کی نافرمانی کرے۔ اسی حال میں سید حمیری نے چند شعر کہے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:۔ حضرت امیر علیہ السلام کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی اور کوئی عالم میں ان کا مثل و نظیر نہیں ہے دایہ نے کسی بچہ کو کپڑے میں نہیں لپیٹا جو مثل علیؑ کے ہو۔ سوائے جناب محمد مصطفیٰ کے۔ اور بنا بر اس فضیلت کے بعض صاحبان دل نے حضرتؑ کی ولادت کو باعث وجوب طواف خانہ کعبہ قرار دیا ہے (یعنی اسی وجہ سے لوگ خانہ کعبہ کے گرد پھرتے ہیں) اور یہ شعر اپنے قصیدہ کا یادگار چھوڑا ہے: **شعر**

طواف خانۂ کعبہ ازاں شد برہمہ واجب — کہ آن جا در وجود آمد علیؑ بن ابیطالب

اس کے علاوہ ایک اور خصوصیت بھی بیت اللہ کو حضرت کے ساتھ ہے وہ یہ کہ اسی خانہ کعبہ میں آپ نے جناب رسول مختارؐ کے دوش اقدس پر قدم رکھ کر بتوں کو توڑا اور اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ ابتدائے ظہور اسلام میں یہ واقعہ پیش آیا جیسا کہ خود حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔ میں اور جناب رسالت مآبؐ ساتھ ساتھ چلے یہاں تک کہ خانہ کعبہ میں پہونچے پس مجھ سے رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ تم بیٹھ جاؤ میں بیٹھ گیا اور حضرت میرے دوش پر سوار ہوئے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ میں آپ کو لیکر کھڑا نہیں ہوسکتا تو حضرت اتر آئے اور خود بیٹھ گئے اور میں آپ کے شانے پر چڑھا مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کو چھولوں۔ یہاں تک کہ میں بیت اللہ پر چڑھ گیا وہاں ایک بت پیتل اور تانبے کا بنا ہوا تھا میں نے اس کو دائیں بائیں پھینکنا شروع کیا حضرت نے مجھے فرمایا کہ اسے پھینک دو اور توڑ ڈالو اور میں نے پھینک دیا تو وہ اس طرح سے ٹوٹا جیسے شیشہ ٹوٹتا ہے۔ اور میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ وہاں سے جلدی جلدی واپس ہوا یہاں تک کہ گھر پہونچ گیا تا کہ ان لوگوں میں سے کوئی مل نہ جاوے اور اس حدیث کو شیخ اجل علی بن بابویہ قمی رحمۃ اللہ نے آٹھ راویوں کے واسطے سے جناب امیر المومنینؑ سے روایت کی ہے۔ اور اس کا مضمون بھی تقریباً یہی ہے۔ سوائے اسکے کہ اس روایت میں حضرت فرماتے ہیں کہ میں خانہ کعبہ کے کوٹھے پر چڑھ گیا اور وہاں میں نے بہت سے بت جمع کئے۔ تب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ ان صورتوں کو پھینکدو میں نے پھینک دیا باوجودیکہ وہ تانبے اور اکثر دھات کے تھے لیکن مثل شیشہ کے چور چور ہوگئے۔ غرض اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بت شکنی فتح مکہ سے پہلے تھے اور حضرت علیؑ کو جناب رسالت مآبؐ نے اپنے دوش پر سوار کیا اس میں بھی حکمت اور مصلحت تھی جیسا کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس لئے حضرت صلعم نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے شانے پر چڑھایا تا کہ خلائق پر آپ کی قدر و منزلت ظاہر ہوجائے اور یہ بھی ہو کہ بت پرستی کا ابطال حضرت

علی علیہ السلام کی ذات سے ہوا پھر اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ معصوم ہیں اس لئے حضرت پیغمبر صلعم گناہ کے حامل نہ تھے اور امیر المومنینؑ کے حامل ہوئے پس ثابت ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام تمام گناہوں سے پاکیزہ تھے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ حضرت علیؑ ہی پیغمبر خدا صلعم کے بوجھ بٹانے والے ہیں اور اس کے علاوہ اس میں اور بہت سی حکمتیں ہیں جن کو انسان شمار نہیں کرسکتا۔ اور منجملہ ان حکایات کے جو اس جگہ مناسب ہے یہ بھی ہے کہ اکثر اہل سنّت کہا کرتے ہیں اور شیخ محمود غجدوانی نے مقامات شیخ حسین خوارزمی میں لکھ دیا ہے اور شیخ ممدوح پر افترا کیا ہے کہ ایک روز شیخ ممدوح مشہد مقدس میں ایک شیعہ سے ملے اور اس سے فرمایا کہ تو کعبہ کا معتقد ہے اور جہت کعبہ کو قبلہ سمجھتا ہے یا نہیں اس شیعہ نے جواب دیا کہ اس میں کیا شک ہے اس لئے کہ میں مسلمان ہوں اور مذہب شیعہ کو مذہب حق سمجھ کر میں نے اختیار کیا ہے شیخ نے اس سے کہا کہ کعبہ میں مقام حنفی و شافعی و مالکی و حنبلی موجود ہیں لیکن تم نے سنا ہے کہ شیعوں کے لئے بھی کوئی مقام ہو؟ اگر مذہب شیعہ حق ہوتا تو اس کا کوئی نہ کوئی مقام خانہ کعبہ میں ضرور ہوتا۔ وہ شیعہ یہ سن کر نہایت شرمندہ ہوا اور اس نے مذہب سنت اختیار کرلیا۔ واضح رہے کہ جواب اس دلیل ذیل کا بیان میں شیخ مذکور کے حالات میں تفصیلاً آئیگا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیعہ تمام کعبہ کو اپنا قبلہ سمجھتے ہیں نہ کہ اسکے کسی خاص رکن کو اس لئے وہ اپنی نماز میں پورے قبلہ کی طرف توجہ کرتے ہیں کوئی خاص جگہ قرار دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اور ان کے امامؑ کی ولادت بھی کعبہ کے کسی خاص گوشہ میں نہیں ہوئی بلکہ کل کعبہ ان کی شرف ولادت سے مشرف ہوگیا اور اہل سنّت کے فقہاء نے جو اپنے چار مصلّے قرار دئے ہیں یہ نہ تو پیغمبر صلعم نے بنائے تھے اور نہ خلفائے ثلاثہ نے نہ جناب امیر المومنین علیہ السلام اور نہ دیگر ائمہ طاہرینؑ نے بلکہ بادشاہان بنی امیہ نے بھی نہیں بنائے تھے جناب پیغمبرؐ کی وفات کے تین سو برس بعد بادشاہان بنی عباس نے محض شیعوں کی مخالفت کیلئے یہ چار مصلّے بنائے باوجود اس کے جس زمانہ میں کہ خلفائے فاطمیین جو اسمٰعیلی مذہب رکھتے تھے مغرب اور شام و حلب و حجاز کے ممالک پر غالب آگئے تھے اس زمانہ میں کسی سنّی کی مجال بھی نہ تھی کہ مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں کھلم کھلا جا بھی سکے یا اپنے مقامات کا نام اپنی زبان پر لا بھی سکے اور کسی صاحب عقل کو اس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ اگر ملک حجاز دولت صفویہ کے تحت میں آجائے تو تمام ارکان مکہ کے اہل تشیع کے تصرف میں ہوں گے اور سنّت و جماعت کا وہاں پتہ بھی نہ ملے گا غرض یہ مہمل دلیل جو محمود نا محمود نے شیخ ممدوح کی طرف منسوب کی ہے بالکل بے سروپا ہے اور محض تعصب و جاہلیت کے سبب سے پیدا ہوئی ہے۔

مدینہ طیبہ

پہلے زمانہ میں اس کا نام یثرب تھا پھر جناب پیغمبر خدا صلعم نے مدینہ نام رکھا کتاب عجائب البلدان میں لکھا ہوا ہے کہ مدینہ طیبہ کے مخصوصات میں سے یہ بات ہے کہ جو مسافر وہاں وارد ہوا اسے ایک خوشبو معلوم ہوتی ہے اور عطر کی خوشبو اس شہر میں بہ نسبت دوسرے شہروں کے بڑھ جاتی ہے۔ اور کتاب معجم البلدان میں لکھا ہے کہ مدینہ دوسری اقلیم میں ہے اور شورہ کی زمین میں واقع ہے خرمہ کے درخت وہاں بکثرت ہیں کوئی دریا یا نہر نہیں ہے صرف کنوؤں کے پانی سے باغات و زراعات میں آب پاشی کی جاتی ہے۔ یا باران رحمت برس کر زمینوں کو سیراب کر دیتا ہے۔ شہر کے گرد ایک مضبوط شہر پناہ ہے جسکے درمیان میں مسجد واقع ہے اور جناب رسالت مآب کا روضہ مسجد کے پورب جانب ہے اور اس کے اوپر ایک بلند مکان بنا ہوا ہے اس کی اور مسجد کی چھت کے درمیان تھوڑی سی جگہ خالی ہے اور بالفصل وہ گھر بند ہے اور اس میں کوئی دروازہ نہیں ہے احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حذیفہ بن رسید غفاری سے روایت کی ہے کہ جب اصحاب پیغمبر صلعم مدینہ میں آئے تو بسبب گھر نہ ہونے کے مسجد ہی میں سویا کرتے تھے حضرتؐ نے فرمایا کہ مسجد میں نہ سویا کرو اس لئے کہ محتلم ہوا کرو گے یہ سنکر ان لوگوں نے مسجد کے گرداگرد اپنے گھر بنائے لیکن گھروں کے دروازے مسجد ہی میں رکھے پھر حضرت نے معاذ بن جبل کے ذریعہ سے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ دروازوں کو بند کر دو ان سے پہلے ابوبکر سے ملاقات ہوئی حضرت صلعم کا پیام پہونچایا ابوبکر نے قبول کر لیا اور دروازہ بند کر دیا ان کے بعد عمر سے کہا عمر نے کہا کہ میں دروازہ بند کر لونگا لیکن اتنی خواہش ظاہر کی کہ ایک روشندان مسجد کی طرف رکھ سکوں معاذ نے جناب رسالت مآب صلعم کی خدمت میں جا کر عرض کیا لیکن آنحضرت صلعم نے قبول نہیں فرمایا اسی طرح عثمان اور حضرت امیر حمزہ کو بھی معاذ نے پیام پہونچایا ان سب نے قبول کر لیا اور دروازے بند کر لئے چونکہ ابھی امیر المومنین علیہ السلام کے لئے کوئی گھر مقرر ہی نہیں تھا اس لئے لوگوں کو تردد تھا کہ آیا وہ حضرت بھی انہیں کے ساتھ اس حکم میں شریک ہیں یا نہیں یہاں تک کہ حضرت رسول خدا صلعم نے اپنے گھروں کے عین درمیان میں ایک گھر امیر المومنین علیہ السلام سے نامزد فرمایا اور فرمایا کہ اے علیؑ اب تم اس گھر میں رہو گے اس لئے کہ تم پاک ہو اور پاک کیئے ہوئے ہو۔ جب یہ بات حضرت حمزہؓ نے سنی تو عرض کی اے محمدؐ آپ نے ہم کو مسجد سے باہر نکال دیا اور اولاد عبدالمطلب کے لڑکے کو وہاں پر سکونت دی۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر میرا اختیار ہوتا تو میں آپ کے سوا کسی کو جگہ نہ دیتا لیکن قسم خدا کی کہ خدا ہی نے علیؑ کو یہ جگہ دی ہے اور آپ کی عاقبت بھی بخیر ہے اور میں آپ کو بہشت کی بشارت دیتا ہوں۔ اسی اثناء میں حضرت حمزہ جنگِ احد میں شہید ہوئے اور بموجب بشارت داخل بہشت ہوئے۔

اور خارج کیئے ہوئے لوگوں میں سے بعض نے اس بارہ میں حضرت امیر علیہ السلام سے حسد کرنا شروع کیا جب یہ خبر پیغمبر صلعم کو پہونچی تو حضرت نے ایک خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ یقیناً کچھ لوگ اپنے دلوں میں حسد کر رہے ہیں کہ میں نے علیؑ کو مسجد میں ساکن کیا قسم خدا کی نہ میں نے تم لوگوں کو نکالا اور نہ علیؑ کو وہاں جگہ دی۔ بیشک خداوند عالم نے میرے بھائی حضرت موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی تھی کہ اپنی قوم کے لئے مصر میں قبلہ رو گھر بناؤ اور نماز کو برپا کرو اور موسیٰؑ کو حکم دیا تھا کہ اپنی مسجد میں کسی کو ساکن نہ کریں اور کوئی اس مسجد میں عورتوں سے نزدیک کرے اور نہ کوئی داخل ہو سوائے ہارون اور ان کی ذریت کے اور یقیناً علیؑ کو مجھے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو حضرت موسیٰؑ سے تھی اور وہی علیؑ تمام اہلبیت میں میرا بھائی ہے اور میری مسجد میں کسی کے لئے حلال نہیں ہیکہ عورتوں سے نزدیک کرے سوائے علیؑ اور ان کی ذریت کے اور اس باب میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور تمام اہل سنّت کا اس مضمون پر اتفاق ہے۔

مخفی تر ہے کہ مدینہ کے اصل باشندے خواہ وہ سادات ہوں یا غیر سادات ہمیشہ مذہب امامیہ کے پابند رہے ہیں ہاں! وہ لوگ کہ جو دوسرے شہروں سے آکر مدینہ میں رہ گئے ہیں انکا مذہب البتہ امامیہ کے خلاف بھی ہے لیکن اس سے ہمارے مقصد میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی اس لئے کہ اگر کچھ قابل اعتبار حالت ہوسکتی ہے تو انہیں لوگوں کی ہوسکتی ہے کہ جنکے آباء واجداد جناب رسالت مآب صلعم کے زمانہ سے لیکر اس وقت تک مدینہ ہی کے باشندے رہے ہوں ان کے متعلق البتہ یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ وہی عقائد جو جناب رسالت مآب صلعم کے زمانہ میں رائج تھے سینہ بسینہ ان لوگوں تک پہونچے ہوں۔ اور بعض فضلائے امامیہ نے اپنے علم کلام کی کتابوں میں مدینہ کے اصل باشندوں کے مذہب کو بطور ایک دلیل کے قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ کوئی شبہہ نہیں ہے کہ اہلبیت رسولؐ تمام خلائق سے بڑھکر مذہب رسولؐ کو جان سکتے ہیں جس طرح کہ ایک بادشاہ کے اہل وعیال بادشاہ کے مزاج واقوال وافعال سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ واقف ہوتے ہیں اہل وعیال کے بعد ان لوگوں کا درجہ ہے جو مقربان بادشاہ ہوں پھر ان لوگوں کا مرتبہ ہے جنکے شہر بہ نسبت دوسرے شہروں کے مسکن شاہی سے قریب ہوں۔ اور جو لوگ خاص اسی شہر کے رہنے والے ہوں وہ ان قریب کے شہر والوں سے زیادہ واقف ہوسکتے ہیں اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اہل مدینہ جناب رسالت مآب صلعم کے مذہب کو بہ نسبت دوسرے شہروں کے رہنے والوں کے زیادہ جانتے ہیں اور اس زمانہ تک تو مدینہ بالکل ویران نہیں ہوا ہے اور نہ کبھی وہاں کے رہنے والے ہی پورے طور پر مٹ گئے ہیں بلکہ سلسلہ پشتوں کا جناب رسالت مآبؐ کے زمانہ سے لیکر اب تک باقی ہے اور بہت سی حدیثیں مدینہ میں رہنے کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں یہاں تک کہ مالک بن انس نے صرف

اہل مدینہ کے اجماع کو دلیل مانا ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ نور اسلام نے مدینہ ہی میں ظہور پایا اور ارکان دین وہیں پر مضبوط اور کامل ہوئے۔ اسی بناء پر بعضوں نے کہا ہے کہ مدینہ مکہ سے افضل ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوئی کہ اہل مدینہ مذہب رسول صلعم کو بہ نسبت دوسروں کے زیادہ جانتے ہیں اور اجماع بھی اہل مدینہ کا مالک کے نزدیک حجت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ مدینہ کے اصلی باشندے مذہب امامیہ ہی رکھتے ہیں تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ مذہب امامیہ ہی مذہب حق ہے اور فاضل طبری نے اپنی کتاب تحفہ الابرار میں لکھا ہے:۔ کہ روے زمین میں دو شہر ایسے گذرے ہیں کہ جہاں وحی نازل ہوتی رہی ہو اور جہاں رسول اللہ صلعم کا قیام رہا ہو اور ان دونوں مقاموں کے اصل رہنے والے سب کے سب شیعہ ہیں اور اہل مدینہ کے مذہب کا مذہب حق ہونا دلیل سابق سے ثابت ہو چکا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مالک اور بہت سے علمائے اہل سنّت کے نزدیک اجماع اہل مدینہ کا حق ہے اور تمام احکام حلال وحرام اور تول اور ناپ وغیرہ میں ہمیشہ اہل مدینہ کی طرف رجوع کی جاتی ہے۔ پس جو شہر کہ ایسی حالت میں ہو پھر کس طرح ہوسکتا ہے کہ اس شہر کے رہنے والے کافر یا فاسق ہوں۔

غدیر خم

صاحب معجم البلدان کہتے ہیں کہ خم اس موضع کا نام ہے جہاں پر ایک تالاب درمیان مکہ اور مدینہ کے جُحفہ کے مقام پر واقع ہے اور بعضوں نے کہا کہ جُحفہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے خوارزمی نے کہا کہ وہ ایک وادی ہے مکہ اور مدینہ کے درمیان میں جحفہ کے نزدیک اور وہاں پر ایک تالاب ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلعم نے خطبہ مشہور اس مقام پڑھا تھا۔ اور وہ خطبہ جہاں تک کہ مشہور اور زبانوں پر مذکور ہے حج آخری میں جناب امیر المومنین علی ابن طالب علیہ السلام کی امامت وخلافت کے متعلق فرمایا تھا اور رسول اللہ صلعم کا آخری سفر تھا اس جگہ پر آپ نے خدا کا وہ حکم ظاہر کیا جسکے اظہار پر آپ مامور ہوئے تھے اور اپنی وفات کے قبل لوگوں کو آگاہ فرمادیا اس روز اٹھارہویں تاریخ ذی الحجہ الحرام کی تھی اسکے بعد حضرت صرف دو ماہ چند روز بقید حیات رہے اور تفصیل اس قصہ کی بنابر ان روایتوں کے مخالفوں نے بیان کی ہیں یہ ہے کہ:۔ جب جناب رسول خدا صلعم حجۃ الوداع سے واپس ہوئے اور مقام غدیر خم تک پہونچے ظہر کا وقت تھا اور ہوا نہایت گرم تھی کہ یکا یک جبرئیل امیں یہ آیہ وافی ہدایہ لیکر نازل ہوئے:۔

یَاایُّھَاالرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَااُنْزِلَ اِلَیکَ مِنْ رَّبِّکَ الخ

پس اس ظہر کے وقت کہ جب سواری سے اُترنا عادت کے خلاف تھا بالخصوص ایسی گرمی کی حالت میں کہ زمین اس قدر تپ رہی تھی کہ سواریوں سے اترنے کے بعد بہت سے لوگ اپنی عبائیں اپنے

پاؤں کے نیچے رکھے ہوئے تھے اسیوقت حضرت رسالتمآب صلعم اُترے اور بلال کو حکم دیا انہوں نے تکبیر کہی سب لوگ جمع ہوئے اور ببول کے درختوں کو کاٹ کر میدان کو خس وخاشاک سے پاک وصاف کرنا شروع کیا اور اونٹ کے پالانوں کا ایک ممبر بنایا اور اس پر ایک چادر ڈال دی اسوقت جناب رسالتمآبؐ منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ پڑھنا شروع کیا اثناءِ خطبہ میں ذکر فرمایا کہ خداوند عالم نے مجھے ایک حکم کے پہونچانے کا امر فرمایا ہے چونکہ اب میں عنقریب اپنے خدا کے پاس جانے والا ہوں اس لئے پروردگار عالم نے بہت تاکید اس حکم کے تبلیغ میں فرمائی ہے اور توقف کرنے کے متعلق خوفناک وعدہ کیا ہے۔ اور اس کے پہونچانے میں مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ لوگوں کے ضرر سے میری حفاظت فرمائے گا یہ فرما کر جناب امیر علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس قدر بلند کیا کہ علی کے پاؤں حضرت کے زانو تک پہنچ گئے تھے پس ارشاد فرمایا کہ اَلَسْتُ اَوْلیٰ بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُم یعنی کیا میں تمہاری جانوں سے بڑھکر تمھارا حاکم اور مالک نہیں ہوں سب نے اقرار کیا کہ بیشک آپ ہمارے مالک اور حاکم ہمارے نفسوں سے بڑھکر ہیں پس حضرت صلعم فرمایا کہ:۔

مَنْ کُنْتُ مَولاہُ فَھٰذا عَلیٌّ مَوْلَاہُ جس شخص کا میں مولا وحاکم ہوں اسکے علیؑ مولا اور حاکم ہیں اسکے بعد یہ دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ وال مَنْ وَالاہ جس کا ترجمہ یہ ہے اے اللہ دوست رکھ علیؑ کے دوست رکھنے والوں کو اور دشمن رکھ اُسکے دشمنوں کو اور مدد کر اسکے مددگاروں کی اور چھوڑ دے اُسکے چھوڑ دینے والوں کو اور حق کو اُسکے ساتھ پھرا تارہ جس طرف وہ پھرے ابھی یہ مجمع متفرق نہیں ہونے پایا تھا کہ آیہ وافی ہدایہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُم الخ نازل ہوا جسکا ترجمہ یہ ہے:۔ آج کے دن میں نے تمھارے لئے تمھارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا۔ اور تمھارے واسطے اسلام کو پسند کیا۔ پس جناب رسالتمآب صلعم نے فرمایا کہ شکر ہے خدا کا دین کے کامل کرنے پر اور نعمت کے تمام کرنے پر اور میری رسالتؐ اور میرے بعد علیؑ کی ولایت سے خوشنود ہونے پر۔ اِسکے بعد اصحابؓ نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو مبارکباد دینا شروع کیا عمر بن خطاب نے کہا بَخٍ بَخٍ لَکَ یا بن ابی طالبُ صِرْتَ مولایٰ مولا کُلِ مُؤمنٍ و مؤمِنۃٍ یعنی مبارک ہو مبارک آپ کو اے ابوطالب کے فرزند کہ آپ میرے اور ہر مومن اور مومنہ کے مولا ہو گئے۔ اور عبداللہ بن عباس اور زید بن علی سے منقول ہے کہ جب جناب رسالت مآب صلعم نے حج کا ارادہ کیا ہے اُسی وقت علیؑ کی ولایت اور امامت کے اظہار کے لئے وحی نازل ہوئی تھی لیکن چونکہ حکم فوری نہ تھا اور مصلحت وقت بھی موافق نہیں معلوم ہوتی تھی اسلئے خاتم النبیینؐ نے تامل فرمایا اور عرض کی اے میرے پروردگار بہت کم عرصہ ہوا کہ ان لوگوں نے دین جاہلیت چھوڑ کر دین اسلام قبول کیا ہے ابھی اس مذہب میں رسوخ نہیں پیدا کیا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ میرے اس

حکم کو نہ مانیں اور علیؑ بن ابیطالب کی ولایت کا یقین نہ کریں اس لئے کہ انکے اکثر اعزا علیؑ کے ہاتھ سے قتل ہوئے ہیں اور اسی سبب وہ علیؑ سے متنفر رہتے ہیں اسکے بعد حضرت صلعم حج کو تشریف لے گئے اور واپسی میں جب مقام غدیر پر پہونچے اُس وقت یہ حکم فوری نازل ہوا۔ جسکا خلاصہ ترجمہ یہ ہے:۔ اے رسولؐ! تمھارے خدا کے پاس سے تمھاری طرف جو حکم نازل ہوا ہے اسے پہونچادو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اسکی رسالت بھی نہیں پہونچائی۔ اور اللہ لوگوں سے تمھاری حفاظت کریگا۔

ہر عاقل منصف پر یہ بات تو پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ جناب پیغمبر خدا صلعم کی آخر عمر میں درحالیکہ آپ اسلام و صلوٰۃ و زکوٰۃ و صوم حج و جہاد وغیرہ کی تبلیغ فرما چکے تھے ایسا خطاب ہوتا کہ اگر تم نے یہ کام نہ کیا یعنی یہ پیغام نہیں پہونچایا تو رسالت ہی نہیں پہونچائی اور پھر حضرت رسالت مآب صلعم کا ایسی جگہ پر اور ایسے وقت میں کہ جس وقت سفر میں راستہ طے کر رہے تھے یکا یک ایسی سخت گرمی اور تپش میں قیام فرما کر اہتمام تبلیغ کے ساتھ فوراً اور بلا توقف نزول اجلال فرمایا اور پالان شتر کا ممبر بنوا کر خطبہ پڑھنا اور امیر المومنین علیہ السلام کو ہاتھوں پر اسقدر بلند کرنا اور "مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاه" کہنا۔ اور پھر دعا اسطرح کی کرنا کہ جو بادشاہوں کی شان کے موافق ہو یہ سب باتیں صریح دلالت کر رہی ہیں کہ یہ ایک امر عظیم الشان اور جلیل المکان کے اظہار کیلئے کوشش کی گئی تھی اور وہ امر عظیم الشان نصب امامت و خلافت امیر المومنین علی بن ابیطالبؑ ہے نہ یہ کہ محض اس لئے اتنی زحمت کی گئی ہو کہ اسکا اظہار کر دیا جائے کہ علیؑ سب کے دوست ہیں یا سب کے مددگار ہیں بالخصوص اس قول کے بعد جو رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ کیا میں تمھاری جانوں سے بڑھکر تمھارا مالک نہیں ہوں علیؑ کے متعلق لفظ مولا کا استعمال کرنا لاریب اور بالیقین حاکم ہی کے معنی میں ہے ورنہ پیغمبرؐ کا کلام معاذ اللہ درجہ بلاغت سے گر جاویگا بلکہ درجہ بلاغت سے گر جانا تو درکنار اغرا بالجہل لازم آئیگا یعنی ایسا کلام کرنا کہ جس سے اپنے مقصود کے خلاف معنی پیدا ہوں اور یہ شان نبوت و عصمت کے خلاف ہے اس لئے ظاہر ہو گیا کہ مولا سے مراد حاکم اور متصرف ہے نہ دوست و ناصر وغیرہ اس لئے کہ نصرت و محبت میں تو تمام مومنین شریک رہے ہیں علیؑ کی تخصیص کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے بلکہ مراد یہ ہے جس طرح سے میں مالک و متصرف ہوں علیؑ بھی اسی طرح سے مالک و متصرف امور مسلمین کے ہین۔ اس موقع پر مترجم ایک لاجواب شعر حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ کے مناسب حال شاہ علی حسینؒ صاحب مرحوم حنفی المذہب سجادہ نشین قصبہ جائس ضلع رائے بریلی کا ہے برائے آگاہی ہر خاص و عام تحریر کرتا ہے اہل انصاف اور اہل ایمان اسکو غور سے ملاحظہ فرمائیں (عبث در معنی من کنت مولا میروی ہو تو علیؑ مولا بایں معنی کہ پیغمبر بود مولا) پس باوجود اس حدیث کے متواتر ہونیکے اسکے معنوں میں تاویل رکیک کرنا جیسا کہ صاحب مواقف اور بعض دیگر اہل سنت نے کی

محض تعصب و عناد کے سبب سے ہے۔ اور اس حدیث کی سند میں تو وہ کلام ہی نہیں کر سکتے اسلئے کہ انکے تمام ائمہ حدیث نے بطریق صحیح مرتبہ تواتر سے بھی بڑھکر اسکی روایتیں کی ہیں یہانتک کہ شیخ مفسر محدث عماد الدین بن شامی شافعی نے اپنی تواریخ کبیر میں محمدؐ بن جریر طبری شافعی کے حالات میں لکھا ہے کہ انکی ایک کتاب کہ جسکی دو ضخیم جلدیں ہیں محض احادیث غدیر کے بارے میں ہیں۔ اور ایک دوسری کتاب محض حدیث طیر کے سلسلہ روایات میں ہے ابو المعالی جوینی شافعی کہ لقب امام الحرمین سے ہیں تعجب کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ بغداد میں ایک جلد ساز کے یہاں میں نے ایک کتاب دیکھی جو روایات غدیر خم کے بیان میں تھی اور پشت پر اس کی لکھا ہوا تھا کہ یہ اٹھائیسویں جلد سلسلہ روایات من کنت مولاہ فعلی مولاہ ہے اور ابو علی عطائی ہمدانی سے منقول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں اس حدیث کو ڈھائی سو طریقوں سے روایت کرتا ہوں اور شیخ محمد خیرزمی شافعی کہ جو اکابر ائمہ حدیث اہل سنّت سے ہیں انہوں نے ایک رسالہ محض حدیث غدیر کے تواتر کے متعلق لکھا ہے اور اسکے تواتر کو کئی طریقوں سے ثابت کیا ہے بس اسکا منکر وہی شخص ہو سکتا ہے جو عقل و انصاف سے تعلق نہ رکھتا ہو اور جناب رسالتمآب صلعم کا تأمل و توقف فرمانا اس سبب سے تھا کہ قریش امیر المومنینؑ سے کینہ و عداوت رکھتے تھے اور آپکی امامت و خلافت پر کسی طرح سے راضی نہ تھے جیسا کہ ابن حجر نے کتاب صواعق محرقہ میں لکھا ہے اور اس مضمون کی کئی روایتیں نقل کی ہیں اور ثعلبی کہ جو رؤسائے مفسرین اہل سنت سے ہیں اور فن حدیث کے امام مانے جاتے ہیں اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ بعض کینہ وروں کو قصہ غدیر سے کراہیت ہوئی یہانتک کہ حضرت رسول صلعم کی تکذیب کرنے کی نوبت آ گئی اور تفصیل اسکی جو شیخ ابو الفتوح رازی نے اپنی تفسیر میں لکھی ہے یہ کہا ایک شخص نے سفیان سے پوچھا کہ "سَئَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعْ لِلْكَافِرِيْنَ لَيْسَ لَهُ دَافِعْ". کس کی شان کی میں نازل ہوا ہے اور وہ کون سائل تھا سفیان نے کہا کہ تو نے ایسا سوال کیا ہے جو تجھ سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ میرے باپ نے باقرؑ علوم انبیاء محمدؐ بن علیؑ سے روایت کی ہے اور اُنہون نے اپنے آبا سے کہ جب رسول اللہ صلعم نے روز غدیر خم علیؑ کو اُٹھایا اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا اور یہ خبر قبائل عرب میں پہونچی تو حارث بن نعمان فہری فوراً سوار ہو کر جناب رسالتمآب صلعم کے لشکر کی طرف روانہ ہوا جب قریب پہونچا اونٹ سے اُتر کر اسکا پانوں باندھ دیا اور حضرت کے خیمہ کی طرف آیا۔ حضرت درمیان میں مہاجرین و انصار کے بیٹھے ہوئے تھے اس نے کہا کہ اے محمد صلعم تم نے ہمیں خدا کی توحید اور اپنی رسالت کا حکم دیا ہم نے قبول کیا پھر تمنے پانچ نمازیں بجالانے کا حکم دیا وہ بھی ہم نے مان لیا پھر مہینہ بھر روزہ رکھنے کا حکم دیا وہ بھی ہم نے تسلیم کیا پھر ہمارے مالوں میں سے زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہم نے وہ بھی مان لیا پھر آپنے حج کا حکم دیا وہ بھی ہم نے قبول کیا پھر جہاد کا حکم دیا اسکو بھی مان لیا اُسپر بھی راضی نہ ہوئے یہاں

تک کہ اپنے چچازاد بھائی کا بازو پکڑ کر اُٹھایا اور اسکو ہم پر فضیلت دی اور کہا کہ جس کا میں مولا ہوں اُسکے علیؑ مولا ہیں پس یہ خبر آپکی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ قسم اُسی وحدہٗ لاشریک کی کہ یہ اُسی کی طرف سے ہے۔ پس حارث بن نعمان اپنی سواری کی طرف روانہ ہوا اور راستہ میں کہتا جاتا تھا کہ:۔

اے اللہ اگر تیری طرف سے حق ہو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا عذاب درناک میں مبتلا کر ہنو ز یہ کلمہ تمام نہ ہونے پایا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر اسکے سر پر گرا کہ وہ فوراً ہلاک ہو گیا اور خداوند عالم نے یہ آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حارث مذکور نے بھی مولا کے معنی مالک و متصرف اور حاکم کے سمجھے تھے اور اسی سے اسکو اسقدر ناگوار ہوا اور نہ محض دوست یا ناصر کے معنوں پر اسقدر ناراض ہونیکی کوئی وجہ نہ تھی نیز تمام صحابہ جو اہل زبان تھے لفظ مولا کے یہی معنی سمجھتے تھے اور اسی بنا پر حضرت علی علیہ السلام کو مبارکباد دیتے تھے ورنہ دوستی کیا ایسی چیز تھی کہ جسکے متعلق مبارکباد دی جاتی درحالیکہ خداوند عالم نے تمام مومنین کو آپس میں ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے جسمیں امیر المومنین علیہ السلام جسکے پہلے ہی شامل تھے بلکہ جناب رسولؐ اللہ امیر المومنین کو اپنا مخصوص بھائی قرار دیتے تھے۔

لطیفہ: بعض متعصبین اہل سنّت نے محض اپنے عناد کے سبب سے یہ اعتراض کیا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ کو ظاہر بظاہر کیوں نہ مقرر فرمایا جس طرح اور احکام شریعت آپ پہونچایا کرتے تھے اس کی کیا ضرورت تھی کہ سفر کی حالت میں پالان شتر کا ممبر بنایا جائے کیا مدینہ کا ممبر نہیں تھا اور چونکہ امامت شیعوں کے نزدیک مثل نبوت کے ہے لہٰذا اتنے بڑے امر عظیم کو بغیر کسی گواہ اور بغیر کسی تحریک کے نہ رہنا چاہئے تھا کہ کوئی کہے میں وہاں نہیں تھا۔ اور کوئی کہے کہ اس سے امامت مراد نہیں ہے بلکہ چاہئے تھا کہ رسول خداصلعم اس کی تصریح اور توضیح فرماتے کہ کوئی امیر اور فقیر بڑا چھوٹا اس میں عذر و انکار نہ کرسکتا جس طرح سے کہ خداوند عالم آنحضرت کی رسالت کے متعلق جابجا تصریح فرماتا ہے مثلاً۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ یا اگر انبیاء کی خلافت کے متعلق تصریح کرتا ہے مثلاً يَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ يَا هَارُوْنُ اُخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ ۔ یعنی اے محمدؐ تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ گواہی کیلئے کافی ہے محمدؐ خدا کے رسولؐ ہیں محمد رسول ہی ہیں۔ اے داوٗد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے اے ہارون تم میری قوم میں میری خلافت کرو۔ اور چونکہ واقعہ غدیر اور علاوہ اس کے دوسری آیتوں اور حدیثوں میں جو شیعہ حضرت امیرؑ کی شان میں روایت کرتے ہیں اس طرح کی تصریح نہیں موجود ہے لہٰذا شیعوں کا قول

باطل ہے۔ جواب اس اعتراض کا دو صورتوں سے ہے۔

یہ جو معترضین نے کہا کہ حدیث غدیر میں تصریح خلافت نہیں ہے یہ قول انکا محض غلط ہے جیسا کہ ہمارے گزشتہ بیان سے اچھی طرح سے ظاہر ہو چکا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا تصریح ہو سکتی ہے یہ جو کہا کہ حضرتؐ نے سفر کی حالت میں پالان شتر کے ممبر پر اتنے بڑے امر عظیم کو کیوں بیان کیا اسلئے کہ امامت کوئی معمولی شے نہ تھی مسجد مدینہ کے ممبر پر کیوں نہ بیان کیا اس کا جواب شیخ اجل عبدالجلیل رازی رحمۃ اللہ نے نہایت خوبی سے تحریر فرمایا ہے کہ اس ناصبی کو چاہئے ہے کہ یہ اعتراض خدا پر کرے کہ شب تاریک بارش اور آندھی کی حالت میں جناب موسیٰؑ کو پیغمبر بنایا جیسے کہ کوئی چھپا کر کے کام کرنا چاہتا ہے نہ وہاں کوئی ممبر رکھا کہ جہاں اہل عالم موجود ہوتے اور اس طرح سے اہل کعبہ اور تمام قریش اور بنی ہاشم کے لوگوں سے چھپا کر رسول اللہ کو کوہِ حرا پر لے گیا اور وہاں ان سے راز کی باتیں کہیں جیسے چُرا کر کام کرنے والا کرتا ہے اس کی کوئی وجہ نہ تھی اور اگر جناب موسیٰؑ اور جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی نبوت و رسالت کے لئے شب تاریک اور غارِ حرا کی تنہائی نقصان نہیں پہونچا سکتی تو امیر المومنینؑ کی امامت کو غدیر کا میدان اور اونٹوں کے پالان کا ممبر اور ہزارہا آدمیوں کا مجمع کیونکر نقصان پہونچا سکتا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ خداوند عالم نے اپنے بعض انبیاء اور خصوصاً جناب محمد مصطفیٰؐ کے نام نامی کو کلام مجید میں ذکر کیا ہے پس چاہئے تھا کہ حضرت امیر المومنینؑ کا نام بھی کلام مجید میں مذکور ہوتا اور اس امر کی تصریح ہوتی کہ بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علیؑ ہی امام ہیں تو اس میں کوئی شبہہ نہ رہ جاتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنّت عموماً جبر کے قائل ہیں لہٰذا انکو خداوند عالم کے کسی فعل پر تعرض کرنا کہ اس طرح ہوتا تو اچھا تھا سراسر انکے مذہب کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ وہ تو قائل ہیں کہ جو کام کرتا ہے خدا ہی کرتا ہے بندہ کو کوئی دخل نہیں لہٰذا خدا پر اعتراض کرنا بھی انکے مذہب کے خلاف ہے اور اس کا قیاس نبوت پر کرنا بھی قیاس مع الفارق ہے لہٰذا ایسا قیاس حجت نہیں ہوسکتا اس لئے کہ پھر ان کو خدا کے ہر کام پر اعتراض کرنا پڑیگا مثلاً نماز کو خداوند عالم نے واجب کیا لیکن کلام مجید میں کہیں مذکور نہیں کہ کون کون اور کس قدر نمازیں واجب ہیں ہر نماز میں کیے کیے رکعتیں ہیں اسی طرح سے زکوٰۃ کے متعلق کہ وہ کتنے مال میں واجب ہے اور مال کا کون سا حصہ زکوٰۃ میں دینا چاہئے اور ان کے شرائط و اوقات کیا ہیں۔ اسی طرح سے اور تمام عبادات۔ اگر ہر ہر بات صاف طور پر بیان ہوگئی ہوتی تو پھر اسلام میں تہتر فرقے نہ پیدا ہوتے اور اگر حضرت علی علیہ السلام کا نام تصریحاً مذکور نہیں ہے تو کوئی حرج نہیں ہے اسلئے کہ تمام عقلاء جانتے ہیں کہ امام کو جائز الخطا نہ ہونا چاہئے اور جو جو چیزیں صفات امام میں بیان ہوئی ہیں وہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی ذات سے مخصوص ہیں یہ تصریح کیا کم ہے اور دوسرے شخص کو امیر المومنین علیہ السلام کے مقابلے

میں کیا فضیلت ہوسکتی ہے۔ اہل سنّت اس پر خوش ہیں کہ علیؑ کا نام کلام مجید میں تصریحاً مذکور نہیں ہے یہ نہیں دیکھتے کہ دوسرے خلفاء جنہیں وہ حضرت سے افضل سمجھتے ہیں انکا نام تو قرآن میں اشارۃً بھی نہیں آیا اور جو آیت وہ غیر امیر المومنین علیہ السلام کی شان میں نقل کرتے ہیں محض تعصب وعناد کی وجہ سے۔

اور تفسیر شیخ ابوالفتوح میں قصہ غدیر نہایت دلچسپ عنوان سے نقل کیا ہے اگر چہ اس کی تکرار موجب تطویل ہے لیکن چونکہ چند فوائد پر مشتمل ہے لہٰذا نقل کئے دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جناب رسول مقبولؐ نے قبل حجۃ الوداع کے نصارائے نجران سے دو ہزار حلوں پر صلح کی تھی اور امیر المومنین علیہ السلام کو ان حلوں کے تحصیل کرنے کے لئے یمن بھیجا تھا جب بموجب حکم الٰہی آپ حج کیلئے روانہ ہوئے۔ تو جب امیر المومنین علیہ السلام کو لکھا کہ میں حج کو جاتا ہوں تم بھی اپنے کام سے فراغت کر کے راہ یمن سے حج کیلئے آؤ جب حضرت صلعم کا نامۂ نامی پہونچا۔ جناب امیر علیہ السلام بھی ان حلوں کو لیکر معہ اپنے ہمراہیوں کے مکہ کی طرف چلے اور دروازہ مکہ پر جناب رسالت مآب صلعم کی خدمت میں پہونچ گئے آنحضرت صلعم نے پوچھا کہ تم نے احرام کس نیت سے باندھا ہے امیر المومنینؑ نے کہا کہ چونکہ آپ نے نہیں لکھا تھا کہ کس طرح حج کرنا چاہئے لہٰذا میں نے آپ کی نیت کی موافقت نیت کی ہے یعنی یہ نیت کی ہے کہ اے اللہ! جو تیرے نبیؐ نے نیت کی ہو وہی میری نیت ہے پھر پوچھا کہ قربانی بھی لائے ہو حضرت امیرؑ نے عرض کی کہ ہاں چوالیس اونٹ قربانی کیلئے لایا ہوں آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ''اللہ اکبر'' تمنے حج میں بھی میری شرکت کی اور قربانی میں بھی اب تم یہی احرام باندھے رہو۔'' خلاصہ کلام جب حج سے فراغت ہوئی اور مدینہ کی طرف مراجعت قرار پائی مکہ سے نو منزل پہونچنے کے بعد مقام غدیر خم پر جبرئیلؑ امین نے جناب رسالت مآبؐ کے ناقہ کی مہار تھام لی اور عرض کی کہ خداوند عالم فرماتا ہے:۔ کہ اسی مقام پر اترو اور ضروری پیغام اس قوم کو پہونچا دو قبل اسکے کہ یہ لوگ متفرق ہوں اس لئے کہ یہاں سے ہر طرف مختلف راہیں تھیں اور حجاج کا قافلہ اسی جگہ سے متفرق ہو کر اپنے اپنے راستہ پر جاتا تھا۔ جب جبرئیل امین یہ آیت لائے ایک منادی نے آواز دی کہ سب اتر پڑیں اور ایک شخص کو بھیجا کہ جو لوگ آگے بڑھ گئے ہیں واپس آئیں اور جو ابھی نہیں پہونچے وہ بھی آجائیں وہاں پر چند درخت بھی تھے حضرت ان درختوں کے نیچے اترے اونٹوں کے پالانوں کا ایک ممبر بنایا گیا اور اس پر ایک چادر ڈالدی گئی حضرت رسولؐ بالائے ممبر تشریف لیجا کر خطبہ ارشاد فرمانے لگے۔ حمد وثنائے الٰہی کے بعد اس قوم کو بہت وعظ ونصیحت فرمائی پھر اپنی رحلت کے نزدیک ہونے کی خبر دی اور ارشاد فرمایا کہ مجھے میری موت کی خبر دیگئی ہے اور وہ وقت قریب آگیا ہے کہ میں تمھارے درمیان سے چلا جاؤں اور میں بلایا گیا ہوں اور عنقریب اس دعوت کو قبول کرنے والا ہوں میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ جب تک تم اس سے تمسک رکھو گے گمراہ نہ ہو

گے۔ اور وہ چیز کتابِ خدا اور میرے اہلبیتؑ ہیں۔ آگاہ ہو کہ خداوند لطیف وخبیر نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ دونوں جدا نہ ہوں گے یہانتک کہ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں اس کے بعد فرمایا کہ اے اللہ میں نے پہونچا دیا اس کے بعد پھر ایک فصل خطبہ کی پڑھی اور فرمایا کہ علیؑ کو میرے ساتھ وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اے اللہ میں نے پہونچا دیا۔ اس وقت امیر المومنینؑ کو ممبر پر طلب فرمایا اور بازو حضرت کا پکڑ کر اٹھا لیا اور اس طرح سے لوگوں کے سامنے پیش کیا جس طرح سے دولہن کو جلوہ دیتی ہیں اور اس قدر بلند کیا کہ سفیدی زیر بغل لوگ دیکھ رہے تھے اور اسی حالت سے ایک ساعت چپ بیٹھے رہے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اَلَسْتُ اَوْلٰی بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ یعنی آیا میں تم پر حکومت کرنے کیلئے تمھاری نفسوں سے زیادہ اولٰی اور احق نہیں ہوں؟ سب نے عرض کی کہ یقیناً آپ اولٰی اور احق ہیں تب حضرت نے ارشاد فرمایا مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَھٰذَا عَلِیٌّ مَوْلَاہُ ۔ یعنی میں جس کا حاکم ہوں یہ علیؑ بھی اس کا حاکم ہے اے اللہ جو اسے دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی کرے تو بھی اس سے دشمنی کر اور جو اس کی نصرت کرے تو اس کی نصرت کر جو اسے چھوڑ دے تو اسے چھوڑ دے۔ اے اللہ میں نے پہونچا دیا یہ کہنے کے بعد اصحاب سے مخاطب ہوئے کہ آیا میں نے پہونچا دیا؟ سب نے عرض کی کہ ہاں! اس وقت آپ نے کہا کہ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ عَلَیْھِمْ یعنی اے اللہ ان پر گواہ رہنا یہ فرما کر ممبر سے واپس آئے وقت نماز ظہر کا ہو گیا تھا نماز پڑھا کر اپنے خیمے میں تشریف لے گئے اور حضرت امیر کو حکم دیا کہ دوسرے خیمہ میں جو حضرت کے برابر ہی تھا جائیں اور اصحاب کو حکم دیا کہ سب جا کر مبارکباد دیں اور علیؑ پر امیر المومنینؑ کہکر سلام کریں یہاں تک کہ تمام صحابہ حاضرین نے مبارک باد دی منجملہ ان لوگوں کے عمر بن خطاب بھی تھے۔ انہوں نے اپنی مبارکباد کی عبارت کو طول دیا جسکا ترجمہ یہ ہے کہ ''مبارک ہو مبارک ہو آپ کو اے علیؑ کہ آپ نے آج ایسی صبح کی کہ میرے اور ہر مومن اور مومنہ کے مولا ہو گئے۔''

حسّان بن ثابت انصاری نے حاضر ہو کر جناب رسالت مآبؐ سے چند اشعار کہنے کی اجازت چاہی اور اجازت حاصل ہونے پر ایک بلند ٹیلہ پر جا کر بآواز بلند اپنے وہ مشہور اشعار پڑھے جن کا پہلا مصرع یہ ہے:۔

یُنَادِیْھِم یَوْمَ الْغَدِیْرِ نَبِیُّھُمْ

خلاصہ ترجمہ اُن اشعار کا یہ ہے کہ لوگوں کو روز غدیر پیغمبر خداؐ پکار رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ تمہارا مولا وولی کون ہے لوگ عرض کر رہے تھے کہ اللہ ہمارا مولا ہے اور آپ ہمارے ولی ہیں اور ہم آپ کی نافرمانی نہیں کر سکتے پس پیغمبر نے علیؑ سے کہا کہ اے علیؑ اٹھو تم کو میں نے اپنے بعد امام اور ہادی قرار

دیا ہے پھر لوگوں سے فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ بھی مولا ہے پس تم اس کے سچے دوست اور ناصر ہو جاؤ پھر خدا سے دعا کی کہ اے اللہ اس کے دوست کو دوست اور اس کے دشمن کو دشمن رکھ پس مخصوص کر دیا امامت و خلافت کے لئے علیؑ کو اور ان کو اپنا وزیر اور بھائی قرار دیا جب جناب رسالت مآبؐ نے یہ اشعار سنے تو ارشاد فرمایا کہ اے حسّان تو جب تک اپنی زبان سے ہماری مدد کرتا رہے گا روح القدس تیری تائید کرتا رہیگا اور شعرا نے اس باب میں عہد جناب پیغمبر خدا صلعم میں اور بعد آنحضرت کے بکثرت اشعار کہے ہیں کسی نے آج تک ان اشعار پر اعتراض نہیں کیا۔

لطیفہ:۔ حضرت رسول اللہ صلعم نے حضرت علی علیہ السلام کو دو مرتبہ لوگوں کے سامنے پیش کیا ایک روز مباہلہ کفار کے سامنے پیش کیا تھا انہوں نے مباہلہ چھوڑ کر صلح کر لی دوسری مرتبہ روز غدیر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا لیکن یہ موافقت چھوڑ کر مخالفت پر آمادہ ہو گئے شیخ محمد بن جمہور نے شرح کتاب جمع الجمع میں لکھا ہے کہ چونکہ قبول اعمال ولایت امیر المومنین علیہ السلام پر موقوف ہے اسی وجہ سے تمام احکام پہونچا چکنے کے باوجود خدا نے اپنے رسولؐ سے ارشاد کیا کہ اگر تم نے یہ کام نہ کیا تو رسالت ہی نہیں پہونچائی۔

تفسیر شیخ ابو الفتوح میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ روز غدیر علامہ شبلی بعض حضرات سادات کی خدمت میں گئے اور بنا بر دستور کے ان کو مبارکباد دی اور کہنے لگے کہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے جد نے آپ کے پدر بزرگوار کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور ایک ساعت تک خاموش بیٹھے رہے اس کی کیا وجہ تھی سید نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم انہوں نے کہا اس میں اشارہ تھا اس طرف کہ جس طرح زنان مصر نے زلیخا پر اعتراض کیا تھا کہ وہ اپنے غلام کو چاہتی ہے یہ سن کر زلیخا نے ان کو بلایا تھا اور ان کے ہاتھ میں ایک ایک ترنج دیکر کہا تھا کہ جب یوسفؑ اس طرف سے گذریں تو تم میری خاطر سے ترنج کو کاٹ کر بطور تحفہ کے ان کے سامنے پیش کرنا۔ اس کے بعد یوسفؑ کو بلوا بھیجا جب وہ آئے تو ان عورتوں کی یہ حالت ہوئی کہ بجائے ترنج کے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں کہ یہ تو آدمی نہیں بلکہ فرشتہ معلوم ہوتا ہے تب زلیخا نے کہا کہ یہ وہی ہے جس کی محبت پر تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔ اسی طرح سے حضرت رسول صلعم بھی اس روز علیؑ کو جلوہ دے رہے تھے اور لوگوں کو دکھا رہے تھے کہ دیکھو یہی وہ شخص ہے کہ جس کی محبت پر تم لوگ مجھے ملامت کرتے تھے آج خدا نے ان کے حق میں کیسا حکم تاکیدی بھیجا اور اس کو کتنا بڑا مرتبہ عطا کیا ہے۔

اور روز غدیر کے فضائل بیشمار ہیں اگر اس دن کی کوئی اور فضیلت نہ ہو تو صرف یہ کافی ہے کہ اس روز یہ آیت نازل ہوئی کہ "اَلیَومَ اکملتُ لکم دِینکُم" اور حضرت صادقؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ روز غدیر اللہ کی سب سے بڑی عید ہے اور خدا نے اپنے ہر نبی کو اس کے مرتبہ کی خبر دی تھی اور یہ عید آسمان

میں بھی ہے اور زمین میں بھی۔ پیغمبرانِ سابق بھی اپنے اوصیاء کو اس دن نامزد کیا کرتے تھے اور اسی روز پیغمبرِ خدا نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا وصی اور خلیفہ اور جانشین قرار دیا اور تفصیل اس کے فضائل کی کتب زیارات میں مرقوم ہیں اور کچھ تفسیر الفتوح رازی میں بھی مذکور ہیں جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

فدک

صاحب معجم البلدان نے لکھا ہے کہ فدک حجاز کے ایک موضع کا نام ہے جو مدینہ سے دو منزل پر واقع ہے اور بعضوں نے تین منزل کہا ہے یہ قریہ کنارہ خیبر کا تھا اور بطور صلح جناب رسالت مآب صلعم کے قبضہ میں آ گیا تھا اور بموجب قانون شریعت رسالت مآب کی خالص مِلک قرار پا چکا تھا وہاں آب جاری کے چشمے اور خرمے کے درخت کثرت سے تھے۔

واضح رہے کہ یہ تحدید منافی ہے اس روایت کی جو صاحب کتاب طرائف نے جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی ہے اور وہ یہ ہے کہ حد اول منصر حد دوم دولۃ الجندل حد سوم تیمہ۔ حد چہارم کوہ اُحد۔

اور اس میں شک نہیں کہ اہل بیتؑ اپنے گھر کی چیزوں سے زیادہ واقف ہو سکتے ہیں۔ القصہ یہ وہی علاقہ ہے جو آیت وَاٰتِ ذاالقربیٰ حقہ' کے نازل ہونے کے وقت جناب پیغمبر خدا صلعم نے حضرت فاطمہ علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا لیکن جب لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ بنا دیا تو انہوں نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کے حاکموں کو وہاں سے نکال دیا۔ اور جب جناب سیدہ نے اس کا اظہار کیا کہ رسالت مآب صلعم نے یہ علاقہ مجھے بخش دیا تھا تو انہوں نے گواہ مانگے اور باوجود اس کے کہ حضرت امیر علیہ السلام اور اُمّ ایمن اور اُمّ سلمہ نے گواہی دی لیکن ابوبکر نے ان کی تصدیق نہیں کی جیسا کہ شیخ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے۔ اور فدک اپنا خالصہ بنا لیا در حالیکہ ازواج جناب رسالت مآب صلعم نے اپنے حجروں کا دعویٰ کیا ہے تو بغیر کسی گواہ اور شاہد ان کے دعوے کی تصدیق کی اور حجرے ان کو دے دئے اور غرض عمر و ابوبکر کی فدک کے لینے سے یہ تھی کہ اہل بیتؑ رسالت مآب صلعم غریب و فقیر ہو جائیں تا کہ لوگ ان کے پاس جمع نہ ہو سکیں اور وہ خود بھی اکٹھا نہ ہو سکیں جیسا کہ منافقین کے متعلق کلام مجید میں خداوند عالم نے ذکر فرمایا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلعم کے ساتھیوں کو کچھ نہ دو تا کہ وہ انہیں چھوڑ کر جدا ہو جائیں اور کتاب طرائف میں بعض مخالفین سے روایت ہے کہ جب جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام نے فدک کے بارے میں ابوبکر کے پاس دعویٰ کیا تو اس نے کہا کہ میں یہ سمجھا تھا کہ تم وارث ہو لیکن یہ صحیح نہ تھا اس لئے کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ نَحنُ مَعاشِرُ الانبیاءِ لا نُورِثُ مَا تَرکنَاہُ صَدقَۃٌ یعنی ہم

گروہ انبیاء نہیں وارث کرتے ہیں جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں صدقہ ہے اب تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ ان حضرت نے قبل وفات تم کو بخش دیا ہے تو اس کو میں نہیں روکتا اور چاہا کہ ایک کاغذ جناب سیدہؑ کے لئے لکھ دے لیکن عمر بن الخطاب نے لکھنے سے منع کیا اور کہا کہ وہ صرف ایک عورت ہیں ان سے گواہ مانگو جناب سیدہؑ نے ام ایمن اور اسماء بنت عمیس کو معہ حضرت امیر علیہ السلام کے گواہی میں پیش کیا ابوبکر نے ان لوگوں کی گواہی پر ایک کاغذ ردّ فدک کے بارہ میں جناب سیدہؑ کو لکھ دیا لیکن جب عمر کو خبر پہونچی تو انہوں نے وہ کاغذ ان سے لے کر چاک کر ڈالا اور کہا کہ فاطمہ علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام کی زوجہ ہیں لہٰذا ان کی گواہی محض اپنے نفع کیلئے ہے اور گواہی ان دو عورتوں کی کافی نہیں ہو سکتی جب جناب سیدہؑ نے یہ سنا تو عمر سے فرمایا کہ آیا تو نے حضرت رسولؐ سے نہیں سنا کہ ام ایمن اور اسماء بنت عمیس اہل جنت سے ہیں اور جب ایسا ہے تو ان کی گواہی باطل کیوں کر ہو سکتی ہے لیکن ابوبکر و عمر نے حضرت کے کلام کی طرف توجہ نہیں کی۔ حضرت فریاد وَاَاَبَتَاہ وَا مُحمدَاہ کرتی ہوئی اپنے گھر کو واپس ہوئیں اور تھوڑی ہی مدت بعد بیمار ہوئیں اس بیماری میں حضرت امیرؑ سے وصیت کی کہ ابوبکر و عمر کو ان کے جنازہ میں شریک نہ ہونے دیں اور نہ ان کو جنازہ پر نماز پڑھنے دیں۔ اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ اس ظلم کے بانی حضرت عمر تھے اسی سبب سے کہا گیا ہے کہ عدل عمر تقدیری ہے چنانچہ شاہ طاہر علیہ الرحمہ نے اپنے بعض قصائد میں فرمایا ہے ۔ ع

عدلِ تقدیری وتقدیر عدالت عیث است
زانکہ تحقیق شد این مسئلہ در باب فدک

صحیح بخاری کے پانچویں جزو اور صحیح مسلم کے تیسرے جزو میں مذکور ہے کہ جناب فاطمہؑ اس بارہ میں ابوبکر سے ناراض اور غضبناک ہوئیں یہاں تک کہ مدت العمر اُن سے بات نہیں کی اور جب انتقال ہوا تو حضرت امیر علیہ السلام نے انہیں شب کو دفن کیا اور خود ہی ان پر نماز پڑھی اور ابوبکر و عمر کو خبر نہیں کی اور یہ فعل آپ کا بنابر وصیت جناب فاطمہ علیہا السلام کے تھا اور ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ ایک شخص نے اولاد برمکہ میں سے جناب امام علی بن موسیٰ الرضاؑ سے اس بارے میں سوال کیا کہ آپ ابوبکر و عمر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں حضرت نے فرمایا:۔ سُبحَانَ اللہِ وَ الحَمدُ لِلّٰہِ وَلا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکبَر ۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ وہ زمانہ تقیہ کا تھا حضرت جواب دینا نہیں چاہتے تھے لیکن جب سائل نے بہت اصرار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم اس قدر جانتے ہیں کہ ہماری مادر صالحہ تھیں جنہوں نے ایسی حالت میں وفات پائی کہ ان دونوں سے آزردہ و غضبناک تھیں اور ان کی وفات کے بعد بھی ہم کو کوئی اس کی خبر نہیں ملی کہ وہ ان سے راضی ہوئی ہوں اور یہی سبب ہیکہ جب خلافت عمر بن عبد

العزیز کو ملی تو اس نے فدک کو معہ اس کے غلات کے اولاد جناب فاطمہؑ کو واپس کر دیا چنانچہ بعض مخالفین نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا کہ تم نے ردفدک کر کے ابوبکر و عمر کے فعل پر اعتراض کیا اور ان کے عمل کو ظلم و جور سے نسبت دی اس نے جواب دیا کہ مجھے اور تم کو بخوبی معلوم ہے کہ جناب فاطمہؑ پیغمبرؐ کی بیٹی تھیں اور انہوں نے فدک کا دعویٰ کیا تھا اور وہ ان کے قبضہ میں بھی تھا ان کی شان یہ نہ تھی کہ وہ پیغمبرؐ پر افترا کرتیں علاوہ بریں علیؑ اور ام ایمن اور ام سلمہ نے ان کے دعوے کے موافق گواہی بھی دی اور میرے نزدیک تو فاطمہؑ صادق القول ہیں اگر چہ ان کے دعوے پر کوئی گواہ نہ ہوتا اس لئے کہ وہ سردار زنان اہل جنت ہیں میں آج فدک کو ان کے وارثوں پر رد کر رہا ہوں تا کہ پیغمبرؐ خدا مجھ سے خوش ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ فاطمہؑ و حسنؑ و حسین علیہم السلام روز قیامت میری شفاعت کریں گے اور اگر میں بجائے ابوبکر و عمر کے ہوتا اور جناب فاطمہؑ نے میرے پاس دعویٰ کیا ہوتا تو میں یقیناً ان کی تصدیق کرتا۔

اور بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز نے فدک کو جناب امام محمد باقرؑ کے سپرد کر دیا تو لوگوں نے اس سے کہا کہ تم نے شیخین پر طعن کی اس نے جواب دیا کہ انہوں نے خود غصب فدک کر کے اپنے اوپر طعن کی ہے۔ الغرض عمر بن عبدالعزیز نے خلاف رائے منافقین فدک امام محمد باقر علیہ السلام کو دے دیا اور ان کی زندگی بھر حضرت کے قبضہ میں رہا اور بعد اس کے بعض خلفائے بنی عباس نے بھی مثل مامونؔ و معتصم اور واثق کے فدک کو اولاد جناب سیدہؑ کو دے دیا تھا لیکن متوکل نے غصب کر کے اس نے اپنے حجام کو دے دیا معتصم نے پھر سادات کو دے دیا اور مکتفی نے پھر واپس لے لیا معتضد نے پھر دیا اور کتاب لطائف میں مذکور ہے کہ ایک روز ہارون رشید نے جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کی کہ فدک کے حدود بتائیے تا کہ میں آپ کو دیدوں اس لئے ک میں جانتا ہوں کہ اس بارہ میں اہل بیتؑ پر ظلم کیا گیا ہے حضرتؑ نے فرمایا کہ اگر میں اس کی کما حقہ حدیں بتاؤں گا تو تمہارا دل واپس کرنے پر راضی نہ ہوگا۔ ہارون نے قسم کھائی کہ میں ضرور واپس کر دوں گا تب حضرت نے فرمایا کہ حد اول عدن ہے ہارون کا رنگ متغیر ہو گیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ حد دوم سمرقند ہے ہارون کا رنگ زرد ہو گیا پھر ارشاد فرمایا کہ حد ثالث افریقائے مغرب ہے ہارون کے چہرہ کا رنگ غصہ سے سرخ ہو گیا پھر حضرت نے فرمایا کہ حد رابع دریائے آرمینیا ہے یہ سن کر ہارون کا رنگ فرط غضب سے مائل بسیاہی ہو گیا اور بہت دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا اس کے بعد سر اٹھایا اور کہا کہ "اے کاظمؑ یہ تو تم نے میری سلطنت کے حدود بتائے ہیں اس سے مراد تمہاری یہ معلوم ہوتی ہے کہ جتنے ملک ہمارے قبضے میں ہیں یہ سب حق بی بی فاطمہؑ کا ہے اور بنی عباس نے ظلم و غصب کیا ہے امامؑ نے فرمایا کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تو ان حدوں پر راضی نہ ہوگا لیکن تو نے نہ مانا۔ الغرض اس کے بعد ہارون کے دل میں آپ کی عداوت بیٹھ گئی اور حضرتؑ

کے قتل پر کمر باندھی۔

اور یہ بھی روایت میں وارد ہوا ہے کہ جب ابوبکر نے اپنی بنائی ہوئی حدیث "نحن معاشر الانبیاء لَا نُورث ماترکناہ صدقه" پڑھی تھی تو جناب سیدہؑ نے فرمایا کہ "اَلَم یُورِثُ سُلیمَانُ دَاوُدَ لَقَد جِئتُ شَیئاً فَرِیّاً" یعنی کیا نہیں وارث کیا سلیمان کو داؤد نے تو نے یہ ایک نئی بات پیش کی ہے۔اور یہ حدیث کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے اس لئے کہ اس کی صحت جناب رسالت مآب صلعم کی تنقیض پر دلالت کرتی ہے کہ آپ نے حکم خدا پر عمل نہیں کیا اس لئے کہ خدا تو فرماتا ہے "وَاَنذِر عَشِیرَتَکَ الاَقرَبِین" یعنی اپنے قرابت داروں کو ڈراؤ اور پھر ارشاد فرماتا ہے یَا اَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا قُوا اَنفُسَکُم وَاَهلِیکُم نَاراً۔ اے ایمان لانے والو! اپنے نفسوں کو اور اپنے اہل بیت کو آتش جہنم سے بچاؤ پھر کیوں کر ہو سکتا ہے باوجود ان احکام کے رسالت مآب صلعم اپنی پارۂ جگر جناب سیدہ کو اپنی میراث کا مسئلہ نہ بتاتے کہ جس کی لاعلمی کے سبب سے آپ دعوے کر کے معاذ اللہ مرتکب گناہ ہوتیں۔اور پھر یہی نہیں کہ جناب سیدہؑ کو نہیں بتایا بلکہ بنی ہاشم میں سے اور اپنے ازواج میں سے کسی شخص کو خبر نہ دی بلکہ مسلمانوں میں سے کسی کو سوائے ابوبکر کے نہیں بتایا چنانچہ اسی بنا پر سیوطی نے ان کو اعلم صحابہ کہا ہے کہ یہ حدیث صرف انہیں کو معلوم تھی اور کسی کو نہیں معلوم تھی علاوہ بریں احادیث متواترۂ فریقین میں وارد ہوا کہ جو حدیث کلام مجید کے خلاف ہو وہ مثل ٹھیکری کے ہے اسے دیوار پر دے مارو اور یہ مخالفین کے نزدیک بھی اس قدر مسلم ہے کہ ان کی کتب اصولیہ اور کتب درایت اور رجال وغیرہ میں ہر جگہ مذکور ہے پھر اس حدیث بکری کے خلاف تو کئی آیتیں کلام مجید میں بھی مذکور ہیں کہ جس میں ایک نبیؑ نے دوسرے نبی کو اپنا وارث کیا یا خدا سے اپنے وارث ہوئے سلیمان داؤد کے یا جناب زکریا کا قول:۔ کہ رَبِّ هَب لِی مِن لَدُنکَ وَلِیّاً یرثنی۔ یعنی اے اللہ تو مجھے ایسا فرزند عطا فرما کہ جو میرا وارث ہو پھر تو یہ حدیث منقولۂ ابوبکر ٹھیکری سے بدتر ہوئی۔اور اگر بالفرض محال اس حدیث کو صحیح بھی مان لیں جب بھی اس کے معنی ابوبکر کے مقصود پر دلالت نہیں کرتے اس لئے کہ معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم گروہِ انبیاء نہیں وارث کرتے اس چیز کا جس کو ہم نے صدقہ کر کے چھوڑا ہو اور فدک کا صدقہ قرار دینا کہیں ثابت نہیں ہے۔

منجملہ دلائل غیر صحیحہ کے جو ملّا علی قوشجی نے اس کے جواب میں لکھے ہیں یہ ہیں کہ حاکم کیلئے جائز نہیں کہ وہ مجرد ایک مرد ایک عورت کی گواہی پر حکم دے سکے اگرچہ مدعی معصوم ہی کیوں نہ ہو اور اپنے علم پر البتہ حکم کر سکتا ہے اگرچہ کوئی گواہ بھی نہ ہو غلطی اس دلیل کی صاف ظاہر ہے اس لئے کہ جب مدعی معصوم ہو گا تو اس کے دعوے سے حاکم کو علم حاصل ہی ہو جائے گا اور یہ خود انہوں نے کہا ہے کہ حاکم اپنے علم پر حکم دے سکتا ہے لہٰذا ابوبکر کو جناب سیدہؑ اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور جناب امیر علیہ السلام کی گواہیوں پر

ضرور حکم دینا چاہئے تھا اسلئے کہ یہ حضرات معصوم تھے اور علاوہ بریں فدک ایک مال تھا جو جناب سیدہؑ کے قبضہ میں تھا اور اس میں کوئی نزع کرنے والا نہ تھا اس کو زبردستی ان کے قبضہ سے لے لینا اور پھر الٹے انہیں سے گواہ طلب کرنا یہ کون سا قانون ہے؟ اور منجملہ ان روایتوں کے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر مدعی معصوم ہو تو بغیر گواہ کے اس کے موافق حکم کرنا جائز ہے وہ روایت مشہورہ ہے کہ ایک روز جناب رسالت مآبؐ نے ایک اعرابی پر دعویٰ کیا تھا کہ تو نے یہ گھوڑا میرے ہاتھ بیچا ہے اور اعرابی انکار کرتا تھا پس خزینہ بن ثابت نے مطابق دعویٰ جناب رسالت مآبؐ کے گواہی دی حضرت نے فرمایا کہ تم نے کیوں کر گواہی دی دراں حالیکہ بوقت خرید وفروخت حاضر تھے خزیمہ نے جواب دیا کہ جو خبریں آپ خداوند عالم اور اہل آسمان کی طرف سے ہمیں پہونچاتے ہیں ان میں تو ہم آپ کی تصدیق کرتے ہیں اس لئے کہ ہم آپ کو سچا اور معصوم جانتے ہیں پس اسی سبب سے ہم نے جان لیا کہ آپ اس دعوے میں بھی سچے ہیں حضرت نے ان پر مہربانی فرمائی اور ان کی گواہی کو دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور جناب فاطمہؑ بمقتضائے آیت تطہیر معصوم ہیں اور کم سے کم بموجب آیہ کریمہ کُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ۔ سچوں کے ساتھ رہو جو بالاتفاق مفسرین انہیں حضرات کی شان میں نازل ہوئی ہے اپنے اقوال میں صادق تو ضرور ہیں اور ان کی گواہی خزیمہ بن ثابت کی گواہی سے کمتر نہیں ہو سکتی اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ جناب سیدہؑ قانونی طور پر اپنے دعوے کو ثابت نہیں کر سکیں تو حضرت کے ساتھ احسان اور مروت کا برتاؤ کیوں نہ کیا گیا وہ کیسے مومن تھے کہ جنکے دل میں رسولؐ کی اتنی بھی محبت نہ تھی کہ ان کی پارۂ جگر کے ساتھ طریقہ احسان برتتے اور ان کو ناراض نہ کرتے کیا حضرت فاطمہ علیہا السلام اپنی بہن زینب سے بھی مرتبہ میں کم نہیں کہ جب ان کا شوہر ابوالعاص دوسرے کفار کے ساتھ روز بدر گرفتار ہوا اور ان قیدیوں کی رہائی فدیہ کے عوض میں قرار پائی زینب نے بھی دوسرے فدیہ کے ساتھ ابوالعاص کی رہائی کیلئے مال بھیجا جس میں ایک موتیوں کا ہار بھی تھا جو جناب خدیجہ کبریٰ نے ان کو دیا تھا جب جناب پیغمبرؐ خدا کی نظر اس پر پڑی تو حضرت نہایت متاثر ہوئے اور باوجود اس کے کہ مسلمان اس وقت نہایت عسرت اور تنگی کی حالت میں تھے حضرتؐ نے ان سے خواہش کی کہ وہ زینب کے مال کو ہبہ کر دیں اور زینب کے پاس واپس بھیجیں ان لوگوں نے بکمال خوشی وہ مال زینب کو ہبہ کر دیا چنانچہ اس کی تفصیل شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی میں مذکور ہے پس اگر بفرض محال فدک بھی تمام مسلمین کا مال تھا جب بھی ابوبکر کو جناب رسالت مآب صلعم کی پیروی کرنی چاہئے تھی اور مسلمانوں سے جناب فاطمہؑ کیلئے فدک کو بخشوا لینا تھا۔اور اس قدر بے مروتی نہ کرنی چاہئے تھی کہ آپ آزردہ خاطر ہو جائیں۔ کہ آپ کی آزردگی خدا و رسولؐ کی آزردگی ہے روز قیامت جناب محمد مصطفیٰؐ خدا سے شکایت کریں گے اس وقت معلوم ہو گا۔

چنانچہ بعض روایات میں وارد ہے کہ جب فاطمہؑ مایوس ہو کر واپس ہوئیں تو آپ نے وہ کلمات ارشاد فرمائے کہ جن کا خلاصہ یہ ہے۔

"لے لے تو لیکن میں روز قیامت اس کا مطالبہ کروں گی اور اللہ بڑا
اچھا حاکم اور قیامت بڑی اچھی وعدہ گاہ ہے اور محمدؐ تیرے دشمن ہوں گے عنقریب تم
لوگوں کو معلوم ہو جائے گا اور روز قیامت گناہ گار خائب و خاسر ہوں گے۔"

اور منجملہ ان تعصّبات و واہیات کے جو قاضی عبدالحی نے اس مقام پر لکھی ہیں اور خدا اور رسولؐ سے شرم نہ کر کے ابو بکر کی آبرو بچانے کی کوشش کی ہے یہ ہے کہ جناب سیدہؑ معصومہ نہ تھیں بلکہ معاذ اللہ جناب رسالت مآب صلعم بھی معصوم نہ تھے۔ اور شارح مقاصد نے لکھا ہے کہ اگر فاطمہؑ کا ویسا ہی حق فدک پر ہوتا جیسا کہ شیعہ روایت کرتے ہیں تو حضرت امیرؑ بھی اس کے وارث ہونے چاہئے تھے کہ اپنی خلافت کے زمانہ میں اس پر قبضہ کر لیتے۔

جواب اس کا یہ ہے، جو جناب امام جعفر صادقؑ نے دیا ہے کہ اس امر میں بھی جناب امیرؑ نے جناب رسالت مآبؐ کی پیروی کی عقیل بن ابی طالبؑ نے حضرت کا گھر غصب کر کے فروخت کر ڈالا تھا جب مکہ فتح ہوا تو بعض اصحاب نے کہا کہ اب آپ اپنے گھر میں چل کر مقیم ہوئیے حضرتؐ نے فرمایا کہ عقیل نے میرے لئے گھر کب چھوڑا ہے مجھ سے جو مال بظلم لے لیا گیا ہو میں اس کی طرف التفات نہ کروں گا علاوہ بریں یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ جناب سیدہ علیہا السلام نے اس رنج میں وفات پائی حضرت امیر علیہ السلام کو مکروہ معلوم ہوتا تھا کہ اس مال پر قبضہ کر کے خوش ہوں جس کے متعلق جناب سیدہؑ کو مدۃ العمر صدمے پہونچتے رہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت نے اس لئے قبضہ نہ کیا تا کہ لوگوں پر ظاہر ہو جائے کہ آپ کی گواہی اپنے نفع کے لئے نہیں تھی آپ مال دنیا کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے تھے اس کے علاوہ چونکہ پچیس برس کے زمانہ میں لوگ ابو بکر و عمر کے طریقوں کے معتقد اور انہیں کے پیرو ہو گئے تھے آنحضرت کی خلافت کو انہیں کی خلافت پر مبنی سمجھتے تھے تو حضرت کیلئے ممکن نہ تھا کہ جو ایسا کام کر سکیں کہ جو ان کے فعل کے خلاف ہو اس لئے کہ ایسا کام کرنا اس امر کی شہادت دیتا تھا ظالم تھے اور پیغمبرؐ کے قابل نہ تھے پھر اس زمانہ کے لوگ جو آپ کی خلافت کو ان کی خلافت کی شاخ سمجھتے تھے ایسے امر پر کیوں کر راضی ہوتے چنانچہ روایت مشہور ہے کہ حضرت نے اپنی خلافت کے زمانہ میں تراویح پڑھنے کو منع فرمایا لوگوں کے علاوہ چونکہ ۲۵ برس کے زمانہ میں لوگ ابو بکر و عمر کے طریقوں کے معتقد اور انہیں کے پیرو ہو گئے تھے آنحضرتؐ خلافت کو انہیں کی خلافت پر مبنی سمجھتے تھے تو حضرت کے لئے ممکن نہ تھا کہ جو ایسا کام کر سکیں کہ جو اُن کے فعل کے خلاف ہو اس لئے کہ ایسا کام کرنا اس امر کی شہادت دیتا تھا ظالم تھے اور پیغمبرؐ کے قابل نہ

تھے پھر اس زمانہ کے لوگ جو آپ کی خلافت کو ان کی خلافت کی شاخ سمجھتے تھے ایسے امر پر کیونکر راضی ہوتے چنانچہ روایت مشہور ہے کہ حضرت نے اپنی خلافت کے زمانہ میں تراویح پڑھنے کو منع فرمایا لوگوں میں بڑا شور و غل مچا سب نے "واعمراہ" پکارنا شروع کیا آخر کار حضرت نے مجبور ہو کر ترک تعرض فرمایا پھر آپ اپنے زمانہ خلافت میں ہمیشہ لڑائیوں اور جھگڑوں میں مصروف رہے کبھی جنگ جمل واقع ہوئی کبھی صفین کی بہتر (۷۲) لڑائیاں۔ کبھی نہروان کی جنگ۔ ایسی حالت میں آپ کے ساتھ جو فوجیں تھیں ان کا بڑا حصہ ابو بکر و عمر کا معتقد تھا اگر آپ کوئی فعل ان کے خلاف کرتے تو فوراً وہ لوگ آپ سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتے بالخصوص فدک کو تو خلیفہ ثالث نے مروان کی جاگیر میں دے دیا تھا حضرت کو اس کے قبضہ کرنے میں بھی قبیلہ بنی امیہ سے ایک علیحدہ جنگ کرنی پڑتی جس کے لئے آپ کے پاس موقع اور اسباب نہ تھے منجملہ ابو بکر و عمر کے غاصب ہونے کی دلیلوں کے یہ بھی ہے کہ مُوَفَّق بن احمد مکی نے جس کو اہل سنّت فخر خوارزم کہتے ہیں حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب رسالت مآب صلعم نے حضرت امیر علیہ السلام سے فرمایا کہ خداوند عالم نے تم کو فاطمہؑ کے ساتھ تزویج کیا ہے اور ان کا مہر زمین کو قرار دیا ہے پس جو شخص زمین پر چلے درحالیکہ اس کے دل میں سیدہؑ کی عداوت ہو تو اس کا چلنا حرام ہوگا۔ پس جبکہ تمام زمین جناب سیدہؑ کے مہر میں ہے تو ابو بکر و عمر کا ایک چھوٹی سی زمین کے متعلق اس قدر بے مروتی کرنا یقیناً ظلم اور بے انصافی ہے۔

وَسَیَعلَمُ الَّذِینَ ظَلَمُوا اَیَّ مُنقَلَبٍ یَنقَلِبُون.

کوفہ

اسلام کے بڑے شہروں میں سے ہے اور یہ پہلا شہر ہے جو ابتدائے فتح ایران کے زمانہ میں آباد کیا گیا اور جب سلطنت بنی امیہ سے بنی عباس کو ملی تو اہل کوفہ چونکہ شیعہ تھے بنی عباس کی خلافت پر راضی نہ تھے چنانچہ جب منصور عباسی نے کوفہ اپنا دارالسلطنت قرار دیا تھا تو قریب تھا کہ اہل کوفہ اس کے لشکر کو اس کے خلاف کر دیں اور اس کی سلطنت میں خلل انداز ہو جائیں یہاں تک کہ مجبوراً اس کو کوفہ چھوڑنا پڑا شہر بغداد کو آباد کر کے اپنا دارالسلطنت بنانا پڑا۔ صاحب معجم البلدان نے حالات خراسان میں لکھا کہ :۔ جب محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس اپنے سرداروں کو ہر طرف بھیج رہے تھے تو ان سے کہتے تھے کہ کوفہ میں سب شیعہ علیؑ رہتے ہیں وہ تمہاری طرف راغب نہ ہوں گے اور اہل بصرہ عثمانی ہیں وہ ایمان سے دور ہیں اور اہل جزیرہ خارجی اور ذلیل ہیں اور اہل شام سوائے آل ابی سفیان اور بنی امیہ کے کسی کو نہیں پہچانتے ہیں اور محبت بنی امیہ میں ان کی عداوت بھی ہاشم کے ساتھ بہت مستحکم ہے مکہ اور مدینہ کے لوگوں پر

ابو بکر و عمر کی محبت غالب ہے تم لوگوں کو چاہیئے ہے کہ اہل خراسان سے غافل نہ رہو اور ان کو ہماری خلافت کی طرف بلاؤ اس لئے کہ وہ سپاہی لوگ ہیں اور ان کے دل خلفاء سابق کی جنبہ داری سے خالی ہیں وہ تمہاری طرف رجوع کریں گے اور کتاب احتجاج شیخ طبرسی وغیرہ میں مذکور ہے کہ جب بعد وفات جناب امام حسن علیہ السلام کے معاویہ شیطان نے اہل بیتؑ سے بدلا لینا شروع کیا تو جس قدر تکلیفیں اہل کوفہ کو ہوئیں اور کہیں کے لوگوں کو وہ تکلیفیں نہیں پہونچیں اس لئے کہ وہاں کے زیادہ باشندے شیعہ تھے اور زیاد بن ابیہ کو معاویہ نے کوفہ و بصرہ کا اس لئے حاکم کیا کہ وہ وہاں کے لوگوں کو پہچانتا تھا تو اس نے شیعوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کرنا شروع کیا۔ بہتوں کو سنگ سار کر دیتا تھا اور بہتوں پر دیوار گرا دیتا تھا اور بعضوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر دار پر کھینچتا تھا بعضوں کی گردن مارتا تھا اور بہتوں کی آنکھیں نکلوا لیتا تھا اور ہزاروں کو بے خانماں کر دیتا تھا تا کہ کوئی شیعہ باقی نہ رہ جائے۔

شیخ بزرگوار ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب امالی میں عبداللہ بن ولید سے روایت کی ہے کہ میں بنی مروان کے زمانہ میں حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو؟ میں نے اور میرے رفقاء نے عرض کی کہ ہم اہل کوفہ سے ہیں حضرت نے فرمایا کہ کسی شہر میں ہمارے اتنے دوست نہیں ہیں جتنے کوفہ میں ہیں۔ اے قوم تم کو اللہ نے ہدایت دی ایسی بات کی جس سے لوگ جاہل ہیں پس تم نے ہم کو دوست رکھا درحالیکہ لوگ ہمارے دشمن ہیں تم نے ہم سے بیعت کی حالاں کہ لوگ ہمارے خلاف ہیں۔ تم نے ہماری موافقت کی اور تصدیق کی درحالیکہ لوگوں نے ہمیں جھٹلایا۔ اللہ تم کو ہماری ہی ایسی زندگی اور ہماری ہی ایسی موت عطا فرمائے۔ حاصل کلام تشیع اہل کوفہ محتاج کسی دلیل کا نہیں ہے بلکہ سنی ہونا کوفی الاصل کا خلاف اصل اور محتاج دلیل ہے اگرچہ ابو حنیفہ کوفی تھے۔ ابن کثیر نے جعفر بن محمد بن قطمیر کے حالات میں کہا ہے کہ ان کو تشیع کی طرف نسبت دی جاتی تھی اور ان شہروں کے لوگ تو اکثر ایسے ہی ہیں خدا ان کی زیادتی نہ کرے۔

حلّہ

صاحب معجم کہتے ہیں کہ (ح) کو زیر اور لام کو تشدید ہے اس کے معنی ایک ایسی قوم کے ہیں جو کسی مقام پر اترے اور کثیر التعداد ہو۔ چنانچہ عرب کے بہت سے مواضع کا نام حِلّہ ہے لیکن ان سب میں مشہور ترین حِلّہ بنی مزید ہے اور وہ ایک بڑا شہر ہے درمیان کوفہ و بغداد کے دراصل اس مقام کو جامعین کہتے تھے اور پہلا شخص جس نے وہاں پر عمارت بنوائی امیر سیف الدولہ صدقہ بن منصور بن علی بن مزید اسدی تھا اس سے قبل ان کا وطن فرات کے کنارے پر تھا جب بادشاہان سلجوقی نے آپس میں لڑنا شروع

کیا تو امیر سیف الدولہ ۴۹۵ھ میں جامعین میں آئے اور یہ مقام جو کہ درندوں سے بھرا ہوا تھا اپنی قیام گاہ کے لئے پسند کیا اور اس کو آباد کرنا شروع کیا یہاں تک کہ بہترین بلاد عراق سے ہو گیا چنانچہ بہت سے شعراء نے حلہ کی تعریف میں اشعار کہے ہیں یہ بھی مسکن اہل تشیع کا ہے اور اس کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں بہت سے علماء اور مجتہدین شیعہ اہل حلہ سے گزرے ہیں جس میں سے بعض کا حال انشاء اللہ اس کتاب میں مذکور ہوگا۔

مشہد نجف

صاحب معجم کہتے ہیں کہ وہ نام ہے ایک بلندی کا جو پشت کوفہ پر واقع ہے جو مثل ایک باندھ کے ہے جو کوفہ کو سیلابی سے بچاتی رہے اور قبر منور جناب امیر المومنین علیہ السلام کی اس پر واقع ہے۔ اور اسکو مشہد غروی کہتے ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے اسکے قرب میں دو گنبد تھے مالک اور عقیل کی قبروں پر کہ یہ لوگ خذیمہ بن الابرش کے ندیموں میں تھے اِن دونوں گنبدوں کو غربیین اس لئے کہتے تھے کہ غری کے معنی آلود کرنے کے ہیں اور نُعمان بن مُنذِر جو بادشاہان عرب میں سے تھا جب کسی کا قتل کرتا تھا تو کہتا تھا کہ ان دونوں قبروں کو اسکے خون سے آلود کر دو حاصل کلام نجف اشرف بھی ہمیشہ شیعان امامیہ کا مسکن و ماوٰی اور صلحاء و اتقیاء کا موطن رہا ہے اور وہاں کے رہنے والے سب کے سب شیعہ ہیں خدا انہیں زیادہ کرے اور ہمیں بھی اُنہیں کے گروہ میں محشور کرے۔ اور وہاں کے رہنے والوں کے فضائل میں بہت سی روایتیں وارد ہوئی ہیں جنکو سید اجل رضی الدین علی بن طاوس علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب مستطاب فرحت الغری میں تحریر فرمایا ہے جسکا جی چاہے دیکھ لے۔

مشہد کربلاء

صاحب معجم کہتے ہیں کہ کربلا مد کے ساتھ ایک موضع کا نام ہے جہاں جناب امام حسین علیہ السلام کو لوگوں نے شہید کیا اور وہ میدان کوفہ کے حوالی میں واقع ہے اصل میں یہ لفظ کربلہ سے مشتق ہے جسکے معنی نرمی و سستی قدمین کے ہیں ہوسکتا ہے کہ وہ زمین کی نرمی کے سبب سے اُسکا نام کربلا ہو گیا ہو نیز کربلا کے معنی خس و خاشاک اور سنگریزوں سے گیہوں کو پاک کرنے کے بھی ہیں۔ اس بنا پر بھی ممکن ہے کہ چونکہ یہ زمین صاف اور سنگریزوں سے خالی تھی اسکا یہ نام رکھ دیا گیا یا اسکی اصل کربلا بالقصر ہو کہ یہ نام ہے ایک خاص قسم کی گھاس کا، ہوسکتا ہے کہ اس قسم کی گھاس کثرت سے ہونیکے وجہ سے اسکو کربلا کہا

اور روایت میں وارد ہوا ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام اس زمین ہولناک پر پہونچے تو آپ کا گھوڑا خود بخود کھڑا ہو گیا ہر چند آپ نے چاہا گھوڑا آگے بڑھے لیکن گھوڑے نے قدم نہ بڑھایا حضرت نے پوچھا کہ تم لوگوں میں سے کوئی جانتا ہے کہ اس زمین کا کیا نام ہے لوگوں نے کہا کہ ارض ماریہ کہتے ہیں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ شاید کوئی دوسرا نام ہو لوگوں نے عرض کی کہ کربلا بھی کہتے ہیں۔ تب حضرت نے تکبیر کہی اور فرمایا کہ زمین کرب و بلا ہے اور یہ وہ زمین ہے کہ جہاں پر ہمارے خون گرائے جائیں گے اور یہی وہ مقام ہے جہاں آلِ عبا کی سواریاں اُتریں گی بالفعل مشہد کربلا بڑے شہروں میں سے ہے اور تمام عالم کے نیک لوگوں کا مجمع ہے نہر جاری اور درختہائے میوہ بکثرت پائے جاتے ہیں اور فضیلت میں زمین کربلا کی اور ثواب زیارت حضرت امام حسین علیہ السلام میں کثرت سے روایتیں وارد ہوئی ہیں بہت سے شعرا نے بعض روایات کے مضامین کو نظم بھی کیا ہے بیت

آنزا کہ بکر بلا گذاراست   باآتش دوزخش چہ کا راست

یعنی جسکا گزر کربلا میں ہے اسکو آتش دوزخ سے کیا مطلب۔

رباعی مُلاّ فضولی بغدادی

آسودۂ کربلا بہرحال کہ ہست   گر خاک شود نمی شود قدرش پست

برمی دارندو سبحہ می سازندش   می گردانندش ازشرف دست بدست

یعنی کربلا کا رہنے والا کسی حال میں ہو اچھا ہے یہانتک کہ اگر خاک بھی ہو جاوے جب بھی اسکی قدر میں کمی نہیں ہوتی۔ اسکو بھی لوگ تبرک سمجھ کر اُٹھائینگے اور تسبیح بناوینگے اور وہ تسبیح ہاتھوں ہاتھ پھرتی رہے گی۔ اور مُلا جامی نے باوجود اپنے تعصب کے یہ چند شعر کہے ہیں

کردم زدیدہ پائے سوئے مشہد حسینؑ   ہست ایں سفر بمذہب عشاق فرض عین

کعبہ بگرد روضۂ اور کردنت طواف   رَکْبَ الحجیج اَیْنَ تَرُوحون اینَ اینَ

ازقاف تابقاف پُر است ازکرامتش   آں بہ کہ حیلۂ جوئے کند ترک سید وشین

یعنی میں مزار حضرت امام حسینؑ کی طرف اپنی آنکھوں کے بہل جاتا ہوں اور مذہب عشاق میں یہ سفر فرض عین ہے خود کعبہ حضرت کے روضہ کے گرد طواف کرتا ہے انے حج کے سوارو تم کہاں جا رہے ہو اور کس طرف؟ قاف سے قاف تک حضرت کی کرامت سے پُر ہے لہٰذا مکار کو اپنے مکر سے باز آنا چاہیئے۔

دِمَشق

صاحبِ معجم کہتے ہیں کہ بکسر اوّل و فتح ثانی اکثر کے نزدیک ہے اور کسر ثانی بھی مستعمل ہے اور وہ ملک شام کا پائے تخت ہے اور اپنی عمارتوں اور شادابی اور نہر ہائے جاری کی کثرت اور طرح طرح کے میووں اور درختوں کی افراط کی وجہ سے یہ دنیا کا بہشت کہلاتا ہے اور اسکے بانی کے بارے میں اختلاف ہے لیکن اظہر اقوال یہ ہے کہ اسکو دِمشق بن شام بن ارم بن نوحؑ نے آباد کیا تھا اور اسکو فلسطین اور ایلیا کے بھائی نے ایک جماعت کے ساتھ برباد کر دیا تھا۔ اور ہر ایک نے انمیں سے علیٰحدہ علیحدہ اپنے شہر آباد کئے تھے دمشق کی عمارت نفیسہ میں سے مسجد بنی اُمیہ ہے جسکو ولید بن عبدالملک بن مروان نے بنایا اور اسکی عمارت وزینت دینے میں مسلمانوں کے مال کو بے دھڑک صرف کیا اور اس سے مقصود محض اپنے اقتدار کا ظاہر کرنا اور صفحۂ روزگار پر اپنی یادگار چھوڑ جانا تھا جسطرح سے کہ اس زمانہ میں عبداللہ خاں اُزبک نے سلاطین چغتائی کی عمدہ مسجدوں کو ویران کر کے انکے اسباب زینت اور بہترین اشیاء دوسرے مقام پر منتقل کر کے اپنے نام سے مسجد بنائی ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ملک شام کے ہفت سالہ خراج میں یہ مسجد بنی تھی ہر چند لوگوں نے طعن کیا لیکن ولید پر اثر نہ ہوا اور اُسی طرح سے اسکی طلاکاری و جواہر نگاری میں مصروف رہا یہاں تک کہ ایک شاعر نے یہ چار مصرعے کہے:۔

سَمِعْتُكَ تبنِ مسجداً عَنْ خِیَانةٍ   وَاَنْتَ بَحمدِ اللهِ غَیر مُوَفَّق

کَمُنْفِقةِ الاَنام مِنْ کَسْبِ فَرْجَها   لَكَ الْویلُ لَاتَزْنِی وَلَاتَصَدّق

میں نے سُنا ہے کہ تو خیانت کر کے مسجد بنوا رہا ہے درحالیکہ خدا کی طرف سے تجھے کوئی توفیق ملی نہیں ہے تیری حالت بعینہ اس زناکار عورت کی سی ہے جو اپنی خرچی سے یتیموں کی پرورش کرے۔ وائے ہو تیرے اُوپر نہ تو زنا کر نہ صدقہ دے۔ یہی سبب تھا کہ جب نوبت خلافت عمر بن العزیز کی آئی تو اس نے زینتوں کو ناپسند کیا اور اُسکا سونا اور جواہرات بیت المال میں واپس منگوالیا۔ اور دمشق میں بہت سے صحابہ اور تابعین کی قبریں بھی واقع ہیں لیکن خلفائے بنی عباس نے اپنی ابتدائے سلطنت میں بہت سے ایسے بنی اُمیہ کے لوگوں کی قبریں کہ جنہوں نے جناب امیرؑ کی مخالفت اور معاویہ کی متابعت کی تھی کُھدوا کر برابر کر ڈالیں اور جو ہڈیاں وغیرہ وہاں ملیں انکو جلا ڈالا بلکہ اُس قبرستان کو کھیت بنا دیا۔ اور روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ قیدیان بنی اُمیہ کے قتل کرنے بعد عبداللہ بن علی نے جو سفاح کے چچا تھے حکم دیا کہ معاویہ اور تمام بادشاہانِ بنی اُمیہ کی قبریں سوائے عمر بن عبدالعزیز کے کھدوا ڈالی جائیں۔ قبر معاویہ میں سوائے خاک ناپاک کے اور کوئی چیز نہیں ملی اور عبدالملک بن مروان کا صرف کاسۂ سر دکھائی دیا لیکن سب

کاعوض ہشام بن عبدالملک سے لیا گیا اس لئے کہ اُسکا جسم بالکل ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوا تھا ایک جثہ کی حالت باقی تھی لہٰذا اُسے نکال کر بہت سے کوڑے مارے گئے پھر اسکی لاش آگ میں جلادی گئی اور خاکستر ہوا میں اُڑادی گئی اور منجملہ اہل سُنّت و جماعت کی حماقتوں کے یہ ہے کہ سو برس بعد اُن قبروں میں بجائے انکے اجسام نجس کے اسکا نعم البدل پتھر وغیرہ بھر کے اِن قبروں کو بنالیا ہے اور بعضوں پر مقبرے بنائے ہیں اور انکی زیارتوں کے لئے جایا کرتے ہیں اور خدا سے امید ثواب بھی رکھتے ہیں شعرا نے دمشق کی مدح و مذمت میں بکثرت اشعار کہے ہیں اور چونکہ انکی مذمت نظر حقیقت شناس میں اولیٰ ہے لہٰذا ہم بعض اشعا رمذمت کے مطالب نقل کرتے ہیں:۔

یعنی جب اہل دمشق فخر کرتے ہیں تو کہتے ہیں بکثرت ہمارے یہاں نہریں جاری ہیں اور پانی نہایت شیریں ہے گویا ہمارا شہر جنت الخلد ہے لیکن وہ یقیناً جھوٹے ہیں ان کا شہر ایک جاہلیت کا شہر ہے جہاں نیکیوں کی کساد بازاری اور فسق و فجور کا رواج ہے وہ لوگ کس بات پر فخر و زینت کرتے ہیں درحالیکہ رسولؐ اللہ کے نواسہ کا سر اس شہر میں لٹکایا گیا۔ الغرض ایام حکومت **سیف الدولہ بن ہمدانی** میں جو سلاطین شیعہ سے تھے اور نیز زمانہ تسلط خلفائے **فاطمیہ** میں اس شہر میں شیعوں کی کثرت تھی اور در و دیوار سے شیعہ گری ظاہر تھی جیسا کہ **سیوطی** نے اپنی **تاریخ الخلفا** میں لکھا ہے ۳۶۰ھ میں مؤذنوں نے اپنی اذان میں حیّ علیٰ خیر العمل کہا اور یہ حکم جعفر بن فلاح نے جو مُعز باللہ کی طرف سے حاکم دمشق تھا دیا تھا اور کوئی اس کی مخالفت کی جراَت نہیں کر سکا ۳۶۴ھ میں تو تشیع کا مرتبہ بہت عالی ہو گیا تھا اور **مصر وشام ومشرق ومغرب** ہر جگہ پھیل گیا تھا اور نماز تراویح کی ممانعت کی جاتی تھی۔

ذہبی نے بھی کہ جو علمائے شافعیہ شام سے ہے اسکی تصریح کی ہے چنانچہ اپنی کتاب **میزان الرجال** میں اثنائے احوال ابراہیم بن یعقوب الجرجانی میں **ابن عدی** سے نقل کرتا ہے کہ ابراہیم مذکور مذہب اہل دمشق کی طرف بہت مائل تھا اس سے مراد عداوت حضرت امیر علیہ السلام ہے بعد اسکے ابن عدی کے قول کو رد کیا ہے اور کہا ہے کہ نصب عداوت علیؑ ہمیشہ مذہب اہل دمشق نہ تھا بلکہ کسی زمانہ میں رفض وہاں کا مذہب تھا الحمد للہ کہ فی الحال نصب تو وہاں معدوم ہے اور رفض بھی مخفی اور مکتوم ہے۔ لیکن سید اجل فاضل محدث امیر **نسیم الدین میرک** شاہ اصیلی نے ذہبی کی رد فرمائی ہے کہ اب بھی اہل شام **ناصبی** ہیں اور یہ نصب قیامت تک اُن سے معدوم نہ ہوگا۔ لیکن مخفی نہ رہے کہ کلام سید اجل کا بطور مبالغہ کے ہے ورنہ کُھلی ہوئی بات ہے کہ دمشق کے محلّہ خراب کے رہنے والے سب کے سب مومنین خالص الاعتقاد ہیں چنانچہ شیعانِ عراق میں سے کوئی بغرض حج شام اس محلّہ میں ٹھہرنا دلیل تشیع سمجھتے ہیں اور بعض تفسیروں میں مذکور ہے کہ جب **کعب الاحبار** نے شام میں گھر بنالیا تو عمر نے کسی کو بھیجا کہ

مدینہ میں کیوں نہیں آتے ہو؟ اسلئے کہ مہاجر و انصار رسول صلعم یہیں موجود ہیں۔ اسلئے جواب دیا کہ میں اگلی کتابوں میں پڑھا ہے کہ شام خدا کا خزانہ ہے اور زمین خدا کے لئے اس جگہ ایک خزانہ ہے بندوں کا۔ مؤلف کہتا ہے کہ کہ یقیناً وہ خزانہ بندگان مومن ہیں جو محلّہ خراب میں رہتے ہیں اسلئے کہ خزانہ خراب ہی نہیں ہوا کرتا ہے۔

قاہرۂ مصر

صاحب معجم کہتے ہیں کہ یہ ملک مصر کا پایۂ تخت اور لشکر گاہ ہے اور اس کا آباد کرنے والا خلیفہ فاطمی مُعز الدین اللہ اسمٰعیلی کا غلام جوہر تھا اور اسکا سبب یہ ہوا کہ جب کافور اخشیدی جو خلفائے عباسیہ کی طرف سے حاکم مصر تھا مر گیا اور لڑائی و جھگڑے ملک مصر میں ہوئے لگے نیز قحط شدید بھی تھا تو وہاں کے شرفاء اور اعیاں نے معز لدین اللہ کو عرضیاں لکھیں کہ آپ اس ملک پر قبضہ کر لیجئے اس بنا پر مُعز نے اپنے غلام جوہر کو سپہ سالار لشکر تھا کچھ عقلا اور صاحب الرائے لوگوں کے ساتھ معہ طرح طرح کھانوں اور غذاؤں اور کشتیوں کے بھیجا کہ جا کر اہل مصر پر قبضہ کرو اور چونکہ وہاں قحط ہے لہٰذا یہ کھانے تقسیم کر کے انکے دلوں کو اپنے قبضہ میں لاؤ جوہر ۳۵۷ھ میں مصر پہونچا اور اُسی کھان تقسیم کرنیکی برکت سے ملک قبضہ میں آگیا پہلے یہ کافور اخشیدی کے باغ میں ٹھہرا اور پھر اس نئے شہر کی جو قاہرہ کے نام سے مشہور ہے بنیاد ڈالی حاصل کلام یہ ہے کہ تین سو برس تک دیار مصر میں اہل تشیع ہی کا دور دورہ تھا اور اہل سُنّت و جماعت جو درحقیت اہل سنت و جماعت ہیں نہایت بُری طرح تھے۔ چنانچہ فاتحۃ الکتاب اور مہمات الفقیہ میں اسکی تصریح ہے۔ کہ بعد شافعی کے یہ ملک علماء شافعیہ کا مجمع تھا اور انکے رہنے کی جگہ تھی لیکن جب خلفائے عبدئیین کو جو فاطمیین کے لقب سے مشہور ہیں حاکم ہوئے تو انہوں نے علماء کو قتل کرنا شروع کیا اور بہتوں کو شہر بدر کر دیا اور انکے بدلے علمائے رفض کو بُلا کر ساکن کیا اور یہ حال تقریباً تین سو برس تک رہا اور سیوطی نے ابتداءِ تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ اِن عبدیوں نے جن علماء کو قتل اور شہر بدر کیا انکی تعداد چار ہزار آدمیوں کی تھی انکو صحابہ سے بیزار ہونے کا حکم دیا پس انہوں نے موت کو پسند کیا اور ۳۵۷ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ اسی سنہ میں عبدئیین نے مصر پر قبضہ کر لیا اور تمام اقالیم مغرب و مشرق و مصر و عراق میں سلطنت رافضیوں کی ہوگئی اسلئے کہ جب کافور اخشیدی مر گیا اور انتظام میں خلل پڑ گیا اور لشکر کی تنخواہ نہ ادا ہوسکی تو مصر کی جماعت نے مُعز کو لکھا کہ تم ایک لشکر بھیجو جو مصر پر قبضہ کرلے اس نے اپنے غلام جوہر کو ایک لاکھ سواریوں کیساتھ بھیجا جنہوں نے آکر مصر پر قبضہ کر لیا اور خطبہ بنی عباس کو قطع کر دیا اور سیاہ کپڑوں کے پہننے کی ممانعت کی اور خطیبوں نے سفید کپڑے پہننے شروع کئے اور حکم دیا کہ خطبہ میں یہ الفاظ کہے جائیں:۔

اَللّٰھُم صَلِّ علیٰ مُحمدِنِ المصطفیٰ وعلیٍ نِ المرتضیٰ وفاطمۃَ البتُولِ وعلی الحَسنِ والحسینِ سبطےِ الرسُول وصَلِّ علی الائمۃِ آباء امیر المو منین المعزباللّٰہ یعنی اے اللہ درود بھیج ! جناب محمد مصطفیٰؐ وعلیؑ مرتضیٰ فاطمہؑ بتول اور حسنؑ اور حسینؑ سبطین رسولؐ پر اور ان ائمہ پر جو امیر المومنین معزباللہ کے اجداد میں ہیں۔

اور یہ باتیں ۳۵۸ھ شعبان کے ماہ میں ہوئیں پھر ماہ ربیع الثانی ۳۵۹ھ میں اذان میں حی علیٰ خیر العمل کہا گیا اور مسجد جامع ازہر کی بنا شروع کی گئی جو رمضان ال۳۶۱ھ میں تمام ہوئی یہ خلاصہ کلام تھا اور تاریخ یافعی وغیرہ میں بھی یہی مضمون مذکور ہے۔

حلب

صاحب معجم کہتے ہیں کہ حلب ایک نہایت وسیع شہر ہے جس کی آب وہوا نہایت اچھی ہے اور ابن بطلان نے نقل کیا ہے کہ وہاں ایک جامع مسجد ہے اور ایک چھوٹا شفا خانہ ہے وہاں کے فقہاء مذہب امامیہ کے موافق فتوے دیا کرتے ہیں۔ شہر میں چند تالاب ہیں جن میں آب باراں جمع رہتا ہے اور اہل حلب انہیں تالابوں کا پانی پیا کرتے ہیں۔ دروازۂ حلب پر ایک نہر بھی ہے جس کا نام عویق ہے لیکن وہ صرف جاڑوں میں جاری رہتی ہے زمانہ گرما میں خشک ہو جاتی ہے۔ میوے اور ترکاریاں اور آبِ انگور وہاں کمتر ہوتا ہے جو ملک روم سے اہل حلب لاتے ہیں محلہ باب الجنان کے پاس جناب امیر المومنینؑ کے روضہ کی نقل بنی ہوئی ہے۔ اس مقام پر بعض صالحین نے حضرت کو خواب میں دیکھا تھا اور باب عراق کے اندر مسجدِ غوث واقع ہے اس مسجد میں ایک پتھر ہے جس پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ اہل شہر کا عقیدہ ہے کہ وہ جناب امیر المومنینؑ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور ابن کثیر شامی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ زمانہ سلطنت سیف الدولہ بن حمدان میں مذہب رفض تمام حلب میں پھیلا ہوا تھا یہاں تک کہ جب معز الدولہ بن بُویہ نے بغداد میں حکم دیا کہ صحابہ مخصوصین کی مذمت بغداد کی مسجدوں کی دیواروں پر لکھی جائے تو سیف الدولہ نے حلب میں بھی یہی حکم دیا۔ اور ۵۷۰ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ ملک صلاح الدین ایوب مصر کی لڑائی سے فارغ ہو کر ملکِ شام کی طرف متوجہ ہوا اور وہاں سے حلب آیا شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا حاکم حلب خوف کے سبب سے نہایت مضطر و پریشان ہوا اور تمام اہل حلب کو باب العراق کے میدان میں بلا کر ان کے

ساتھ محبت و نرمی کا اظہار کیا اور بہت رویا اور صلاح الدین سے لڑنے کی ترغیب دی تو سب نے عہد کیا لیکن رافضیوں نے چند شرطیں کیں وہ یہ تھیں کہ اذان میں پھر سے حی علیٰ خیر العمل کہنے کی اجازت دی جائے کہ ظاہر بظاہر مسجدوں اور بازاروں میں کہہ سکیں اور مسجد جامع عازم رافضیوں کی مخصوص مسجد قرار دے دی جائے اور اس کی بھی اجازت دی جائے کہ وہ لوگ اپنے جنازوں کے آگے آگے ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کے نام لے سکیں اور جنازوں پر پانچ تکبیروں کے ساتھ نماز پڑھ سکیں۔ اور یہ ان کے تمام معاملات شرعیہ عقد نکاح وغیرہ شریف ابو طاہر۔ ابو المکارم حمزہ بن زہرۃ الحسینی سے متعلق کر دیے جائیں جو اس زمانہ میں شیعیان حلب کے مقتدیٰ تھے پس حاکم نے رافضیوں کے تمام شرائط کو قبول کیا اور شیعوں نے تمام شہر میں حی علیٰ خیر العمل کے ساتھ اذان کہی حاصل کلام یہ ہے کہ اہل حلب دراصل شیعہ تھے اور خلافت عباسیہ کے آخر زمانہ تک شیعہ رہے لیکن جب وہ ملک سلاطین رومیہ عثمانیہ کے تصرف میں آیا تو اس سلطنت نے بجبر وقہر ان لوگوں کو اظہار مذمت سے روکا لیکن باطن میں وہ اب بھی شیعہ ہیں اگرچہ حالت تقیہ میں ہیں۔

حمص

صاحب معجم کہتے ہیں کہ حمص بکسر اول وسکون ثانی و صاد مہملہ۔ ایک بڑا پرانا شہر ہے جو درمیان دمشق اور حلب کے واقع ہے اور وہاں حضرت امیر المومنینؑ کے روضہ کی نقل بنی ہوئی ہے اس لئے کہ بعض صالحین نے حضرت کی انگشت مبارک کو خواب میں دیکھا تھا اور اس روضہ میں ایک مینار ہے جس میں حضرت کی انگشت مبارک کا نشان صاف ظاہر ہے۔ اور حضرت کے غلام قنبر کی قبر معہ قبور اولاد جعفرؑ بن ابی طالبؑ اسی روضہ میں واقع ہے مخفی نہ رہے کہ اکثر اہل حمص بنی امیہ کے زمانہ میں ناصبی تھے اور ان کی گمراہی کی وجہ بنا بر تحریر کتاب فتوح اعثم کوفی یہ تھی کہ معاویہ نے شراحیل بن سمطِ کندی کو جو رؤسائے شام سے تھا اہل حمص کے گمراہ کرنے کیلئے بھیجا اس نے جا کر ان لوگوں سے بیان کیا کہ علیؑ بن ابی طالبؑ نے عثمان کو قتل کیا اور امیر المومنینؑ اور امت محمد مصطفیٰؐ میں تفرقہ ڈال دیا اور بصرہ میں کئی ہزار صحابہ وتابعین کو ہلاک کیا اب وہ تمہاری طرف آ رہے ہیں کہ تم کو بھی تباہ برباد کریں۔ لہٰذا تم لوگ ان کے مقابلہ کے لئے مستعد ہو جاؤ اور معاویہ کا ساتھ دو اور اپنی حفاظت کرو وہ لوگ اس کے دھوکے میں آ گئے اور معاویہ کے شریک ہوئے اور حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ ظاہر بظاہر عداوت کرنے لگے لیکن جب آخر کار امیر المومنینؑ کے اصلی حالات وفضائل ان لوگوں کو معلوم ہوئے تو انہوں نے اپنی ناصبیت سے توبہ کی اور سب کے سب شیعہ ہو گئے چنانچہ صاحب معجم نے لکھا ہے کہ منجملہ ان عجائب کے جو میں نے حمص میں دیکھے یہ ہے کہ وہاں کی آب وہوا جس طرح سے بدن کو خراب کرتی ہے عقل کو بھی فاسد کرتی ہے اس لئے کہ وہاں

کے لوگ زمانہ جنگ صفین میں معاویہ کے ہمراہ تھے اور بہ نسبت دیگر اقوام کے امیر المومنین علیہ السلام سے نہایت سختی سے لڑے اور مقابلہ کیا لیکن تھوڑے ہی زمانہ کے بعد سب کے سب شیعیان غالی ہو گئے یہاں تک کہ بعض ان میں نصیری ہوئے اور جو ان میں کے صالحین ہیں وہ امامیہ مذہب پر ہیں۔

جو اپنے گذشتہ بزرگوں کی برائیاں کیا کرتے ہیں غرض کہ دونوں حالتوں میں یہ لوگ گمراہی پر رہے اور کوئی زمانہ ان پر ایسا نہ گزرا کہ یہ مذہب حق یعنی مذہب اہل سنّت و جماعت اختیار کرتے۔ یہ صاحب معجم کا کلام تھا جو نقل کر دیا گیا لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں تھی عام طور پر اہل سنت مذہب امامیہ کو مذہب ضلال کہا ہی کرتے ہیں۔ چنانچہ ذہبی نے اہل شام کے بارہ میں ایسا ہی کہا ہے۔ لیکن مذہب امامیہ کو جو شخص مذہب حق نہ جانے وہ قابل بات کرنے کے نہیں ہے جیسا کہ فصول سابقہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور ابواب آئندہ میں یہی ظاہر کیا جائے گا۔

مَوُصل

بفتح میم اور ضمّ میم کے ساتھ غلط مشہور ہے صاحب معجم کہتے ہیں کہ وہ اسلامی شہروں میں سے ایک بڑا ہے اور اس کو دروازۂ عراق اور خراسان کی کنجی بھی کہتے ہیں اور موصل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے جزیرہ کو عراق سے وصل کر دیا یعنی ملا دیا اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس لئے موصل کہتے ہیں کہ اس کے بانی کا نام موصل تھا لیکن جس شخص نے آباد کیا اس کا نام زوائد بن پیوراسف تھا اور اصل نام اس کا زبان فارسی میں نو ازدشیر تھا ابتداءً اسی نے اس شہر کو آباد کیا ہے پھر زمانہ اسلام میں مروان حمار نے جو بنی امیہ کا آخری خلیفہ تھا اس کو بہت آباد کیا اور ایک بڑا شہر کر دیا لیکن وہاں آبِ جاری اور باغ و درخت کمتر ہیں گرمیوں کے زمانے میں نہایت سخت گرمی اور جاڑوں میں نہایت شدید سردی پڑتی ہے اکثر زمانوں میں خصوصاً سلطنتِ آل حمدان میں اکثر اہل شہر شیعہ تھے اور اب تک ایک محلّہ کے لوگ شیعہ ہیں جس زمانہ میں امیر علاء الدولہ رعتاشی بادشاہ صاحب قران کی طرف سے حاکم ذِزفول تھے انہوں نے اظہار مخالفت کیا وہاں سے روم چلے گئے سلطان سلیمان والی روم نے ان کو موصل کا حاکم بنا کر بھیجا چونکہ ہر سال زمانہ عاشورہ میں شیعہ و سنی کے درمیان لڑائی ہوا کرتی تھی زمانہ حکومت امیر علاء الدولہ میں بھی جنگ ہوئی لیکن ان کے شیعہ ہونے کی وجہ سے شیعہ باوجود قلت غالب رہے۔ سنیوں نے جب دیکھا کہ شیعوں کی جرأت حاکم کے سبب سے ہے تو انہوں نے علاء الدولہ کو بہت سا مال بطور نذرانہ کے بھیجا اور وعدہ لیا کہ جب ہم میں آپس میں لڑائی ہو تو آپ دخل نہ دیجئے علاء الدولہ نے وہ مال لے لیا لیکن جب دونوں گروہوں میں لڑائی شروع ہوئی تو علاء الدولہ نے ہزار آدمی سے زیادہ فوج شیعوں کی مدد کیلئے بھیج دی لیکن یہ فوج سرکاری نہ تھی بلکہ

اہل شہر سے کچھ لوگوں کو مسلح کر دیا گیا تھا تا کہ ظاہر بظاہر حاکم پر الزام نہ آئے اس لڑائی میں ایک ہزار سے زیادہ سنی قتل ہوئے آخر کار طبیہ سنیوں نے سلطان روم سے شکایت کی سلطان روم نے علاء الدولہ کو وہاں کی حکومت سے معزول کر کے عراق کے کسی دوسرے شہر کا حاکم کر دیا۔

باب الکرخ

صاحب معجم کہتے ہیں کہ پہلے یہ درمیان بغداد میں ایک محلّہ تھا اور دوسرے محلے اس سے ملے ہوئے تھے لیکن اب شہر سے جدا ہو گیا ہے عمارتیں اس کے گرد ہیں لیکن دور دور ہیں اس محلّہ کی جہت قبلہ اور مشرق کے درمیان باب بصرہ ہے جہاں حنبلی مذہب کے سنی رہا کرتے ہیں۔

باب البصرہ اور کرخ کے درمیان ایک میدان واقع ہے کرخ کے جنوب کی طرف ایک محلّہ ہے جس کا نام نہر قلّا بین ہے وہاں کے رہنے والے بھی حنبلی المذہب ہیں اور جہت قبلہ کے بائیں طرف محلّہ باب المحول ہے۔ وہاں کے باشندے بھی سنی ہیں لیکن اہل کرخ سب کے سب شیعہ ہیں کہ ان میں کبھی سنی پیدا ہی نہیں ہوتا صاحب تاریخ مصر نے ۴۴۱ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ بغداد میں سنی شیرہ دونوں رہتے ہیں اور اہل کرخ کا گروہ صحابہ مخصوصین پر لعن و طعن کیا کرتا ہے اور وہ لوگ اپنی کثرت و شجاعت کے سبب سے خلیفۂ بغداد کے حکم کو نہیں مانتے اس لئے کہ بادشاہان آل بویہ نے جو خلیفہ پر مسلط تھے ان کو بہت کچھ مدد بہم پہنچائی ہے۔

اور ابن کثیر شامی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ۳۵۱ھ میں رافضیان اہل کرخ نے بغداد کے تمام گھروں کے دروازوں پر معاویہ بن ابی سفیان کے نام پر اور ان لوگوں کے نام پر کہ جنہوں نے فدک کو غصب کیا تبرا لکھ دیا تھا اور مراد اس سے ابو بکر کو لیا تھا اور اس شخص کے نام پر بھی لعنت لکھی تھی جس نے حضرت ابوذر کو مدینہ سے نکال دیا اور مراد اس سے عثمان تھے اور اس شخص پر بھی لعنت لکھی تھی جس نے حضرت امام حسنؑ کو روضۂ رسولؐ میں دفن نہ ہونے دیا اور مروان بن حکم تھا جب یہ خبر معز الدولہ کو پہونچی تو وہ بہت خوش ہوا اور کسی قسم کا تغیر اس تحریر میں نہ ہونے دیا یہ ابن کثیر شامی نے لکھا ہے لیکن مولف کے نزدیک مراد مانع دفن حضرت امام حسن علیہ السلام سے تنہا مروان نہیں ہے بلکہ مقصود اصلی عائشہ ہیں جو حقیقت میں اس ظلم کی بانیہ تھیں۔

پھر اس اس مورخ مذکور نے لکھا ہے کہ ۳۶۳ھ کے محرم میں اہل سنت اور رافضیوں کے درمیان میں جنگ ہوئی اور اہل سنت غالب آئے انہوں نے محلّہ کرخ کے بعض گھروں کو جلا دیا اور یہ غلبہ کے سبب ابوالفضل وزیر عزّ الدولہ کی شرکت کے تھا جب عز الدولہ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو انہوں نے اس کو وزارت سے معزول کر دیا اور محمد بن تسقیہ کو وزیر مقرر کیا۔

اس جنگ میں فتنۂ عظیم برپا ہوا تھا سنیوں نے بسبب تعصب کے ایک عورت کا نام عائشہ رکھا

اوراس کواونٹ پرسوار کیا اور ایک مرد کا نام زبیر اور دوسرے کا طلحہ رکھا اور ایک گروہ کثیر کے ساتھ محلّہ باب الکرخ پر حملہ آور ہوئے اور کہتے تھے کہ ہم اصحاب جمل ہیں اور اصحاب علیؑ سے لڑتے ہیں یہاں تک کہ طرفین سے بہت سے آدمی مارے گئے قریب تھا کہ شہر بغداد تاخت وتاراج ہوجائے لیکن خلیفہ نے سیکڑوں حیلوں سے اس فتنہ کو فرو کیا۔

حُویزہ

صاحب معجم کہتے ہیں کہ یہ تصغیر حوزہ کی ہے جس کے معنی جمع ہونے کے ہیں اس شہر کو امیر **دمیس** بن غصب اسدی نے ایام خلافت الطائع للہ میں آباد کیا اور یہاں گھر بنایا اور دمیس وہ نہیں ہیں جنھوں نے حلہ کی بنا کی تھی لیکن اس خاندان سے ہیں اور یہ مقام واسط اور بصرہ۔ خورستان اور بطائح کے درمیان میں واقع ہے، پھر صاحب معجم بطیحہ کے بیان میں لکھتے ہیں کہ اس کی جمع بطائح ہے اور بطیحہ وبطحہ کے ایک معنی ہیں یعنی سیلاب کا زمین پر پھیل جانا اور بطائح واسطہ کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے اس لئے کہ وہاں پانی زمین پر مسلط ہوگیا تھا اور بطیحۂ واسطہ ایک وسیع زمین ہے جو درمیان واسطہ اور بصرہ کے واقع ہے اور ابتداء میں وہاں بہت سے مواضع تھے جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور آباد تھے لیکن **کسریٰ پرویز** کے زمانہ میں دجلہ میں طغیانی آئی اور فرات بھی بخلاف عادت بڑھ گیا کہ جس کے روکنے سے لوگ عاجز ہوگئے پانی زمین پر مسلط ہوگیا آخر کار ان مواضع کے رہنے والے وطن چھوڑ کر نکل گئے جب پانی کم ہوا کسریٰ نے پھر اس مقام کے آباد کرنے کا ارادہ کیا لیکن اجل نے مہلت نہ دی اس کے بعد **شیرویہ** بادشاہ ہوا تھا لیکن اس کی سلطنت کا زمانہ بہت کم تھا اس کو بھی اس کے آباد کرنے کی مہلت نہیں ملی یہاں تک کہ دولت اسلام ظاہر ہوئی اور سلطنت **ایران** تباہ وبرباد ہوگئی مسلمان بھی ابتداء میں تعمیر عمارت میں کوئی مہارت نہ رکھتے تھے بایں سبب مدت تک وہ زمین غیر آباد پڑی رہی لیکن جب سلطنت اسلام کو قوت بڑھی تو شاہان اسلام نے اپنے حاکموں کو کشتیوں پر بٹھا کر اس مقام پر بھیجا ان لوگوں نے وہاں بہت سی ایسی بلندیاں پائیں کہ جہاں تک پانی نہیں پہونچا تھا اور بلندیاں عمارت وزراعت کے قابل تھیں پس انھوں نے بہت سے قریے آباد کئے اور چانول کی کاشت کرنے لگے آلِ بویہ کی ابتدائی زمانہ میں دیلم کے لوگ جو ان کے ہم قوم تھے اس مقام پر غالب آگئے اور انھوں نے کشتیوں کو مثل قلعہ کے بنالیا اور بادشاہ کی اطاعت چھوڑ دی جب دیلم کی سلطنت برباد ہوگئی اور انکے بعد سلجوقیوں کی سلطنت بھی گزر گئی اور خلفاء عباسی کو پھر اقتدار ہوا تو بطائح ان کی سلطنت میں آگیا۔

مولف کہتا ہے اس بیان سے ظاہر ہوگیا کہ کبھی وہاں کے رہنے والے دیلمی لوگ تھے اور کبھی بنی اسدیہ دونوں گروہ شیعہ امامیہ تھے چنانچہ نویں صدی ہجری میں **سید محمد بن سید فلاح موسوی واسطی** کہ جو **شیخ احمد بن فہد حلی** قدس اللہ روحہٗ کے شاگرد تھے وہاں گئے اور اہل بطائح نے انکو اپنا حاکم قرار دیا انھوں نے اس جماعت کی تعلیم وتربیت کی یہاں تک کہ تھوڑے ہی دنوں میں انمیں سلطنت کی قابلیت پیدا ہوگئی اور تمام ملک خورستان وجزائر اور بہت سا حصہ عراق کا انکے قبضہ میں آگیا اور اسی زمانہ سے مذہب امامیہ تمام خورستان کے شہروں میں پھیل گیا اور نور تشیع در ودیوار پر چمکنے لگا ابتک حکومت اس ملک کی سید محمد مذکور کی اولاد میں باقی ہے ان کے کچھ حالات انشاءاللہ کتاب میں مذکور ہوں گے۔

جزائر خوزستان

بعض ثقات سے سنا گیا ہے کہ اس میں تین سو ساٹھ (۳۶۰) موضع تھے جن کے دار الحکومت کا نام مدینہ تھا وہاں کی پیداوار میں چانول وخرمہ وریشم نارنج ولیمو اور انگور نمایاں چیزیں تھیں نیز مچھلیاں اور چڑیاں بکثرت ہیں ان مقامات کے سب رہنے والے مذہب شیعہ رکھتے ہیں اور احکام شریعہ کے تابع ہیں شراب خواری وزنا ولواطہ اور قمار وغیرہ کا نام ونشان نہیں ہے مالی حیثیت سے بھی ایسے خوشحال ہیں کہ زکوۃ لینے والا انکے ملک میں نہیں ملتا بلکہ دوسرے مقامات پر جہاں ایسے مستحقین موجود ہوتے ہیں بھیجتے ہیں لیکن باوجود ان باتوں کے خونریزی سے باز نہیں آتے اکثر اوقات آپس میں جنگ ہوا کرتی ہے اور بہت سی خلقت قتل ہوجایا کرتی ہے۔ بادشاہ مغفور کے زمانہ میں عراق اور بصرہ سلاطین عثمانیہ کے تصرف میں آگیا جو جزائر مذکور کے کچھ مواضع پر بھی رومیوں نے قبضہ کرلیا لیکن آخر کار سب اہل جزائر آپس میں متفق ہوگئے اور رومیوں کا قبضہ اٹھا دیا۔

بعض معتبر لوگوں سے سنا گیا ہے کہ ان جزائر میں تیس ہزار سے زیادہ کماندار اور تفنگچی موجود ہیں جو سب کے سب قوی ہیکل اور نہایت شجاع اور دلیر ہیں اور فقہ امامیہ کے جاننے والے بھی ان جزائر میں بکثرت ہیں۔

مخفی تر ہے کہ صاحب معجم نے اس جزیرہ کو باب جزائر میں ذکر کیا ہے اور کوئی علیحدہ باب اس کے ذکر کا نہیں قرار دیا ہے بظاہر وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان جزائر کا بطائحہ حویزہ میں شامل سمجھتے ہیں اس لئے کہ یہ اس سے متصل بھی ہیں اور آب وہوا بھی ایک ہی طرح کی ہے اور باشندوں کا مذہب بھی

قریب قریب یکساں ہے۔

شوشتر

صاحب معجم کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں وہ **خوزستان** کا بہت بڑا شہر اور اس کا معرب تستر ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ تستر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ بنی عجل کے ایک شخص نے جس کا نام **تستر** تھا فتح کیا اس وجہ سے اس کے نام سے موسوم ہو گیا لیکن یہ روایت غلط ہے اور صحیح یہ ہے جو ہمزۂ اصفہانی نے کہا ہے کہ سوس لبین مہملہ خوزستان کا ایک شہر ہے جس کو عجم لوگ شوش کہتے ہیں اور فارسی میں اس کے معنی خوبصورت اور اچھے کے ہیں جب شہر شوشتر آباد ہوا تو از بسکہ اس کی آب و ہوا اور خوبصورتی اس سے بھی بڑھ کر تھی لہذا اس کا نام **جند شاپور شوشتر** رکھا گیا اس لئے کہ لفظ (تر) فارسی میں معنی زیادتی کے لئے آتا ہے جس طرح عربی میں صیغہ افعل ہے اور ہمزہ نے یہ بھی کہا ہے کہ شہر شوش کی شکل مثل ایک باز یعنی بوجہ کے ہے اور شوشتر کی شکل ایک گھوڑے کے ہے اور جند شاپور کی شکل مثل رقعہ شطرنج کے ہے اور خوزستان میں یہ طریقہ بہت رائج تھا کہ آبادیوں کی شکلیں خاص چیزوں کی شکلوں سے مشابہ بنائی جاتی ہیں لیکن شوشتر ان سب شہروں میں بڑا ہے اس ملک میں نہریں بہت ہیں لیکن نہر شوشتر سب سے بڑی ہے اور بادشاہ **شاپور** نے اس نہر نے اس نہر کو جاری کیا ہے اور اس ترکیب سے بنایا ہے کہ اس کا پانی شہر کے اندر جاری ہے باوجودیکہ شہر بہت بلندی پر واقع ہے اور یہ نہر عجائب عالم میں شمار ہوتی ہے طول اس نہر کا ایک میل ہے اور پتھر و چونے اور لوہے کے مناروں سے مرتب کی گئی ہے اور پتھروں کو سیسہ کے ساتھ جوڑا گیا ہے کہا جاتا ہے کہ دنیا بھر میں اس سے مضبوط تر کوئی عمارت نہیں ہے۔

اور ابن **مقفع** نے کہا ہے کہ بعد طوفان نوحؑ کے جو پہلا شہر بنا وہ یہی شوش اور شوشتر تھے اور بانی ان کا معلوم نہیں کون تھا اور شہر شوشتر میں ابن مالک کی قبر واقع ہے جو روز فتح وہاں شہید ہوئے تھے شوشتر میں کپڑے بہت قیمتی بنے جاتے ہیں اور **سہل بن عبداللہ** بن یونس بن علی بن عبداللہ جو کہ صوفیوں کے بزرگ اور ذوالنون کے اصحاب میں سے تھے اور صاحب کرامات کہے جاتے ہیں شوشتر ہی کے رہنے والے تھے اور ۲۸۳ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

اور بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ شاپور ذوالاکتاف نے قیصر روم کو قید کر لیا درحالیکہ اس سے قبل وہ شاپور کو قید کر چکا تھا شاپور اس سے نہایت مہربانی سے پیش آیا اور کہا کہ تم خوش رہو میں تمہیں قتل نہ کروں گا لیکن اس وقت تک تمہیں قید رکھوں گا جس وقت تک کہ تم میرے ان شہروں کو جنھیں تم نے برباد کر دیا ہے آباد نہ کر دو اور جن درختوں کو تم نے کاٹ ڈالا ہے ان کے بجائے دوسرے درخت لگا دو اور دریائے

شوشتر میں ایک باندھ بندھوا کر اس زمین میں گرمی کی زراعتیں پیدا ہو سکیں جب قیصر کو اپنی جان کی طرف سے اطمینان ہوا تو اس نے کسی کو روم بھیجا کہ وہاں سے صناع اور مہندس لوگ آویں اور اپنے ساتھ سلطنت کے خزانے بھی لیتے آویں اور ملک ایران میں عمارتیں بنا دیں چنانچہ وہ لوگ آئے اور ویران شدہ شہروں کو پھر سے آباد کیا اس کے بعد قیصر نے مہندسوں کو حکم دیا کہ دریائے شوشتر کا سد یعنی باندھ بکمال استحکام تعمیر کریں اور روم میں حکم بھیجا کہ وہاں سے ہر روز ہزار دبیاں روانہ کی جایا کریں اور ہر دبی کی گردن میں سونا چاندی یا لوہا یا سیسہ باندھ کر بھیجا کریں چنانچہ ہر صبح و شام ہزار ہزار دبیاں پہونچتی تھیں انہیں کے دودھ کے ساتھ چونا اور گچ بنائی جاتی تھی اور سونا و چاندی وغیرہ اور مصارف کے لئے رکھ لیا جاتا تھا اس مضبوطی کے ساتھ پتھر جوڑے جاتے تھے اور پھر لوہے اور سیسے کی میخوں کے ساتھ جڑے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ سدّ درست ہو گیا اس وقت نئے درخت نصب کئے گئے اور رومی لوگ اس دریا کے پانی سے ان درختوں کو سینچتے تھے اور حفاظت کرتے تھے حتیٰ کہ عمدہ عمدہ باغ تیار ہو گئے تب **شاپور** نے **قیصر** سے کہا کہ تمہارے لشکر نے جند شاپور میں ایک بڑی خندق کھود ڈالی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس خندق کو قسطنطنیہ کی مٹی سے بھروا دو تب میں تم کو رہا کر دوں گا **قیصر** نے پھر روم میں حکم بھیجا اور وہاں سے مٹی بار کر کے لائی گئی کہ وہ خندق پٹ گئی تب **شاپور** نے **قیصر** کو خلعت دیا اور قید سے آزاد کر کے اس کے ملک میں بھیج دیا اس کے بعد **شاپور** نے شہر **مدائن** کی بنا کی اور اس کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔

اور منجملہ آثار خیر و برکت **شوشتر** کے یہ ہے کہ **عضدی** میں لکھا ہے کہ جب **ہلاکو خاں** نے بغداد کو فتح کیا تھا تو اپنے بھائی **تغا تیمور** کو واسط کی طرف اور دوسرے بھائی **بلکتیمور** کو شوشتر کی طرف روانہ کیا تغا تیمور نے واسط میں بہت کچھ قتل و غارت کیا لیکن بلکتیمور جب شوشتر پہونچا تو جو شخص خلیفہ کی طرف سے حاکم شوشتر تھا معہ اپنے لشکر کے بصرہ چلا گیا جب بلکتیمور شہر میں پہونچا تو روسائے شہر نے دروازہ شہر تک اس کا استقبال کیا اور نذرانہ و چارہ و رسد بہت کثرت کے ساتھ بہم پہونچائی اور ہر طرح کی اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کیا بلکتیمور نے بھی ان لوگوں کو کوئی اذیت نہیں پہونچائی لیکن تاج الدین کردنے جو بلکتیمور کے ساتھ تھا کہا کہ میں اس شہر کو ضرور غارت کروں گا بلکتیمور نے کہا کہ اہل شہر نے ہم سے کوئی مخالفت نہیں کی ہے۔

تاج الدین نے کہا کہ میں کوئی نہ کوئی بہانہ نکال کے ان کو ملزم قرار دوں گا اور کل صبح کو ضرور ضرور قتل و غارت کروں گا۔ غرض کہ اس رات کو یہی ارادہ کر کے سویا نصف شب کے وقت اس کا شکم اس زور سے پھٹا کہ جس کی آواز تمام لشکر نے سنی بلکتیمور اس کے خیمہ میں آیا اور اس کی حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور کہا کہ یہ اہل شہر کے لوٹنے کی غرض سے سویا تھا اس کو اس کی سزا ملی اور **شوشتر** کا نام شہر مبارک رکھا اور

دوسرے روز معہ لشکر وہاں سے چلا گیا۔

یہ جملہ حالات میں نے کتب تواریخ سے نقل کر دیئے ہیں اور اہل **خوزستان** کا مذہبی عقیدہ جہاں تک مجھے کتب سے تحقیق ہوا ہے یہ ہے کہ زمانہ بنی امیہ اور بنی عباس میں اکثر اہل خوزستان معتزلی المذہب تھے۔ آٹھویں صدی ہجری میں سید اجل امیر **نجم الدین محمود الحسینی المرعشی الآملی** دار المومنین آمل سے شوشتر میں آئے اور **سید غزالدولہ** کی بیٹی کے ساتھ نکاح سید غزالدولہ مذکور نقیب سادات حسین تھے **سید نجم الدین** نے وہیں رہنا شروع کیا اور لوگوں کو مذہب حق کی ہدایت کرتے رہے جو لوگ انصاف پسند اور طالبان ہدایت تھے شیعہ ہو گئے تھے لیکن ایک گروہ اپنے باپ دادا کی تقلید پر باقی رہا جب وہ ملک سلاطین موسوی **مشعشعیہ** کے قبضہ میں آیا اور تقیہ کا زمانہ ختم ہوا تو سید اجل فاضل کامل **امیر نور اللہ مرعشی** نے جو نقیب سادات تھے ظاہر بظاہر مذہب حق کی دعوت شروع کی اور پوری توجہ وانہماک کے ساتھ اس کار خیر کو جاری کیا یہاں تک کہ تمام باشندوں نے مذہب حق امامیہ اختیار کر لیا اور **شوشتر** بھی مثل قم و کاشان کے ہو گیا یہی شہر اس خاکسار کا مولد ہے شعر

دِیارٌ بِھَا حَلَّ الشباب اتمیمنی   واوَّلُ ارْضٍ مَسَّ جلدی ترابُھا

یعنی وہ شہر کہ جہاں جوانی نے میرے تعویذ کھولے اور پہلی وہ زمین کہ جس کی مٹی نے میرے جسم کو چھوا۔

لہٰذا بموجب کلمہ شریفہ حُبُّ الوطن من الایمان۔ یعنی وطن کی محبت جزو ایمان ہے۔

اگر شہر **شوشتر** کے محامد وفضائل میں زیادہ انہماک کروں تو معذور سمجھا جاؤں دار المومنین **شوشتر** ایک دلکشا شہر ہے اسم بامسمّیٰ ہے گویا باغ بہشت کا ایک منتخب خطبہ ہے جس طرح سے فصل بہار اپنے اعتدال مزاج کے سبب سے سال بھر کی فصلوں میں ممتاز ہے اسی طرح سے اس کو ہفت اقلیم عالم میں امتیاز ہے **بیت**:۔

حبّذا شہر شوشتر کزوے   ہر چہ جزا اعتدال مہجوراست
معتدل عالمے کہ ہچو بہشت   زآفت بہمن وخزاں دوراست
دلکشا روضۂ کہ سپہر   ساحتش پر مشاعل نور است
در نظر ساکن سوادش را   ہر طرف صد بہشت صد حوراست
از فلک طالب مرادش را   ہر نفس صد ہزار منشوراست

شیخ نظامی نے بھی اپنے مخمسات میں جابجا **شوشتر** کے بہار کی تعریف کی ہے بلکہ دوسرے شہروں کی بہار کو بہار **شوشتر** سے تشبیہ دی ہے چنانچہ کتاب **ہفت پیکر** میں کہا ہے **بیت**:۔

ہمہ عالم بہارِ شوشتری   جائے گاہے تذرو کبک دری

اور منجملہ وہاں کے بہترین مقامات کے ایک امام زادہ کا روضہ ہے اس کی جتنی تعریف کی جائے بجا ہے۔ علاوہ بریں ایک قلعہ بلند ہے جس کی رفعت کا آسمان آرزومند ہے **مترجم** کہتا ہے کہ چونکہ مصنف مغفور نے بہ سبب اپنے وطن ہونے کے شوشتر کے اوصاف میں طول دیا ہے جس میں مومنین کے لئے کوئی خاص فائدہ نہیں معلوم ہوتا لہٰذا اس کے ترجمہ میں اختصار کیا گیا۔

بحرین

صاحب معجم کہتے ہیں بحرین ان تمام شہروں کا نام ہے جو ساحل بحر ہند پر بصرہ اور عمان کے درمیان واقع ہیں (بحر ہند سے مراد خلیج فارس ہے) بعضے کہتے ہیں کہ بحرین اس خطہ کے دار السلطنت کا نام ہے اور اس خطہ کا نام ہَجَر ہے اور بعضوں نے اس کے برعکس کہا ہے۔ اور بعض نے ہر ایک کو علیحدہ شہر شمار کیا ہے۔ بہر حال اس خطہ میں چشمے بہت ہیں اور وہاں کے مشہور شہر **خطہ۔ قطیف۔ آرا۔ ہجر۔ بنور۔ زُرارہ۔ حاوہ۔ جواثا۔ ثابو۔ دارین** اور **غابہ** ہیں اور جناب رسالت مآب صلعم نے ۸ھ میں **علا بن عبد اللہ حزرمی** کو دعوت اسلام کے لئے وہاں بھیجا تھا کہ یا اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں اور اس بارہ میں ایک نامہ **مندر بن ساوی** اور **اسحب مرزبان** کے نام لکھا تھا جب نامہ نامی ان لوگوں نے دیکھا تو دونوں مسلمان ہو گئے اور تمام عرب جو ان کے پاس تھے معہ کچھ اہل عجم کے مشرف باسلام ہوئے لیکن مجوس یہودی۔ اور نصاریٰ نے جو کسان اور دہقان تھے نصف قلعہ اور نصف خرمہ دینے پر صلح کر لی۔ علا بن عبد اللہ نے وہاں کے مال سے اسی ہزار دینار اہی حضرت کی خدمت میں بھیجے بعد ازاں حضرت نے علا کو معزول کیا اور **ابان بن عاص بن سعید بن امیہ** کو حاکم مقرر فرمایا اور وہ حضرت کی وفات تک وہاں حاکم رہے بعد اس کے **ابوبکر** نے پھر علا کو وہاں کا حاکم کیا اور جب **عمر** کا زمانہ ہوا تو انہوں نے **ابوہریرہ** کو وہاں کا حاکم کیا انہوں نے وہاں کے مال میں بڑی خیانت کی اور ان کی خیانت **عمر** کے نزدیک ثابت ہو گئی **عمر** نے سخت مواخذہ کیا اور بعد زیادہ توہین اور بھلا برا کہنے کے بارہ ہزار دینار اس سے لے کر بیت المال میں بھیجے اور یہ حکایت **محمد بن سیرین** نے خود **ابوہریرہ** سے نقل کی ہے جس میں انہوں نے اپنی حفظ آبرو کا یقیناً بہت خیال رکھا ہوگا کتاب **معجم البلدان** میں وہ عبارت لکھی ہوئی ہے جس کا ترجمہ ہے:۔

"**محمد بن سیرین** نے **ابوہریرہ** سے روایت کی ہے کہ مجھ کو **عمر بن الخطاب** نے **بحرین** کا عامل مقرر کیا میں نے بارہ ہزار دینار اپنے لئے جمع کئے پس جب میں **عمر** کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ دشمن خدا اور دشمن مسلمانان! یا یہ بھی کہا کہ دشمن کتاب خدا تو نے مال خدا کی چوری کی؟!

میں نے کہا کہ میں خدا اور مسلمان کا یا یہ بھی کہا کہ کتاب خدا کا دشمن نہیں ہوں لیکن میں اس کا دشمن ہوں جو اُن دونوں کا دشمن ہو۔

عمر نے کہا کہ پھر یہ مال کیوں کر جمع ہوا؟

میں نے جواب دیا کہ میری قسمت سے مجھ کو ملا۔ میری گھوڑیوں نے بچے دیے اس میں نفع ہوا ۔پس عمر نے بارہ ہزار دینار چھین لئے۔ اس کے بعد کہا کہ اب پھر تم عامل ہو گئے

میں نے جواب دیا نہیں۔

انہوں نے کہا کہ کیوں؟ درانحالیکہ تم سے بہتر لوگوں نے عامل ہونا پسند کیا ہے۔

حضرت **یوسف**ؑ نے خود بادشاہ مصر سے کہا تھا کہ مجھ کو **خزائن** پر مقرر کر

میں نے جواب دیا کہ **یوسف**ؑ نبی و ابن نبی تھے اور میں **ابو ہریرہ** لونڈی بچہ یا کنیز زادہ ہوں ۔اور میں تم سے تین چیزوں کو ڈرتا ہوں۔

عمر نے کہا کہ پانچ کیوں نہیں کہتا؟

میں نے جواب دیا کہ اولاً اس سے ڈرتا ہوں کہ تم میری کمر توڑ و۔ دوسرے اس وجہ سے کہ میری آبرو لو۔ تیسرے اس سے کہ میرا مال چھین لو اور میں بغیر علم کی کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔

مخفی نہ رہے کہ اس حکایت سے جس کو خود اہل سنت نے اپنی کتب معتبرہ میں روایت کیا ہے **عمر و ابو ہریرہ** میں سے ایک کا فسق ضرور ثابت ہوتا ہے درحالیکہ اہل سنت تمام صحابہ کو عادل اور قابل اقتدا مانتے ہیں اور یہ بھی مخفی نہ رہے کہ عمر نے اپنے کو فرعون مصر اور ابو ہریرہ کو حضرت **یوسف** سے تشبیہ دی ہے جو خالی از لطف نہیں ہے اہل **بحرین** تماماً ہمیشہ سے شیعہ ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ لطف آلٰہی ان کے شامل حال رہا ابتداء اسلام سے جو حکام وہاں مقرر ہوئے ان میں سے اکثر محبین اہل بیتؑ میں سے تھے۔

منجملہ ان لوگوں کے **ابان بن سعید** تھے جو مدت مدید تک وہاں عامل رہے یہ وہی شخص تھے جنہوں نے ابو بکر کی بیعت سے انکار کیا تھا اور حضرت امیر علیہ السلام سے موافقت کی تھی اور زمانہ خلافت حضرت امیر علیہ السلام میں **مجید بن عباس** وہاں کے حاکم رہے اور بعض اوقات وہاں کی حکومت **عمر بن ابی سلمہ** کے تعلق رہی جن کی مادر گرامی **ام المومنین ام سلمہ** تھیں۔ **عمر بن ابی سلمہ** مذکور علم و فضل و عبادت و عقل سعادت پاک طینتی اور صفائے سیرت اور طہارت باطن میں اپنے امثال و اقران سے ممتاز تھے۔

اور اپنے زمانہ حکومت میں حضرت امیر علیہ السلام کی حقیقت اور غدیر خم کی بیعت کی کیفیت لوگوں سے بیان کیا کرتے تھے اور لوگوں کے آئینہ دل کو زنگ و غبارِ محبتِ اغیار سے صاف کرتے رہتے تھے۔

یمن

یمن کے تفصیلی حالات اور وہاں کی آب و ہوا کی خوبی مشہور و معروف ہے اور کتاب **معجم** میں بھی مذکور ہے کتاب الانساب **سمعانی** میں لکھا ہے کہ یمن وسیع ملک کا نام ہے اور اس کی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں اس کو یمن اس لئے کہتے ہیں کہ وہ یمن ارض یعنی زمین کی داہنی جانب میں واقع ہے جس طرح سے شام شمال یعنی بائیں جانب میں مولف کہتا ہے کہ اسی سبب سے اکثر اہل یمن مومن اور اصحاب یمین میں سے ہیں اور اہل شام اکثر ناصبی اور اصحاب شمال میں سے ہیں یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ حضرت امیر علیہ السلام کو جناب رسالت مآب صلعم نے وہاں کا حاکم مقرر فرمایا تھا اور آپ ہی کی قدم کی برکت سے وہ لوگ مشرف باسلام ہوئے اور ملک کے بڑے بزرگوں اور اولیا میں سے **سہیل بن یمن اُویس قرنی** ہیں جو بسبب الہام غیبی کے **جنگ صفین** میں شریک ہوئے اور حضرت امیر علیہ السلام کی نصرت میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

اعثم کوفی نے کتاب فتوح میں لکھا ہے کہ جب حضرت امیر علیہ السلام مسند خلافت ظاہری پر جلوہ افروز ہوئے تو اہل یمن نے بکمال خوشی و رغبت رسم تہنیت ادا کی اور پہلا وفد جو وہاں سے حضرت کی خدمت میں آیا اس میں رقابہ بن وایل ہمدانی و رؤیبہ بن وبر بجلّی تھے جو اپنی قوم کے ساتھ آئے تھے ان کے پہونچنے سے قبل حضرت امیر علیہ السلام کو خبر ہوگئی اور آپ نے مالک بن اشتر نخعی کو حکم دیا کہ مشاہیر مدینہ کے ایک گروہ کے ساتھ ان لوگوں کا استقبال کریں۔

مالک بن اشتر بکمال شان و شوکت مع ایک گروہ کثیر کے ان کے استقبال کیلئے گئے اور جب ملاقات ہوئی تو ان لوگوں کے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور فرمایا کہ کسی اچھے وقت میں امام عادل اور خلیفہ باذل کی خدمت میں چلنا چاہئے بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم ہمارے دوست اور ہم تمہارے دوست ہیں یہ فرما کر ان لوگوں کو ساتھ لئے ہوئے واپس ہوئے اور مدینہ میں ایک خاص مقام پر ٹھہرا دیا تا کہ ایک روز اپنی خستگی دور کریں۔

دوسرے روز حضرت امیر علیہ السلام نے ان لوگوں کو بلایا۔ ان کے شرفاء میں سے دس آدمی حاضر خدمت ہوئے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

فیاض بن جلیل ازدی	رقابہ بن وایل ہمدانی
کیسوم سلمۃ الجہنی	رؤسیہ بن وبر بجلی
رفعی بن شداد الحلہ لانی	ہشام بن ابرہہ النخعی

جمیع بن خثیم الکندی — اخنس بن قیس الکندی
اقبہ بن ثمہ الحمیری — عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی

ان لوگوں نے آ کر مبارکباد دی اور ان میں سے ہر ہر شخص نے حضرت کی مدح میں کچھ اشعار پڑھے حضرت نے بھی ان لوگوں کے ساتھ نہایت مہربانی کا برتاؤ فرمایا ان لوگوں نے عرض کی کہ امیر المومنینؑ کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ ہم لوگوں نے شجاعت و بزرگی اپنے بزرگوں سے میراث میں پائی ہے۔ آپ جس مقام پر ہمیں بھیجیں گے یقیناً مظفر و منصور رہیں گے اور جس مہم کو نامزد فرمایئے اس میں ہم پوری کوشش کریں گے۔ اس لئے کہ آپ کے فرمان کا بجالانا واجب جانتے ہیں حضرت نے ان لوگوں کی تعریف کی اور انعام عطا فرمایا اور نہایت خوش و خورم واپس کیا۔

تحفۃ الاخبار میں لکھا ہے کہ حضرت نے حکومت ملک یمن عبداللہ بن عباس کے سپرد فرمائی۔ بعض معتبرین سے سنا گیا ہے کہ اس زمانہ میں اکثر اہل یمن مذہب زیدی اور اسمٰعیلی پر ہیں اور تھوڑے سے ان میں امامیہ ہیں اور باقی نے مذہب اہل سنت اختیار کر لیا ہے اس لئے کہ اپنی معیشت کی مصلحت اسی میں دیکھی ہے "واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔"

جبل عامل

حوالی شام میں ایک مشہور و آباد خطہ ہے جس میں بے شمار قریئے و شہر ہیں کتاب انساب سمعانی میں لکھا ہوا ہے کہ ہر پہاڑ کے رہنے والے کو جبلی کہتے ہیں اگرچہ وہ کسی اقلیم کا کیوں نہ ہو مثلاً جبال ہمدان کے رہنے والے یا خراسان و ہرات کے باشندے مثل عبدالواسع جبلی کہ جو شاعر مشہور تھے اور جبلہ کے رہنے والے کو بھی جبلی کہتے ہیں اور وہ ایک شہر ہے شہرہائے شام میں سے حمص کے نزدیک لیکن معجم البلدان میں اگرچہ ایسی عنوان مذکور سے لکھا ہے لیکن بسبب بہت نزدیک ہونے کے مضافات بعلبک سے قرار دیا ہے اور اسی بنا پر قریہ قرزل کو جو دراصل جبل عامل کا ایک قریہ ہے بعلبک میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ ایک بڑا آباد قریہ ہے اور پہاڑ کے مغربی سمت واقع ہے اور وہاں متقی بہت اچھے پیدا ہوتے ہیں جن کو حواری کہتے ہیں اور وہاں ایک قوم رہتی ہے جو بنی رجا کے نام سے مشہور ہے اور مہمان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور ظاہری تجمل و زینت کے بارے میں مشہور ہے اس طرح سے بقع کو بھی کہ وہ بھی دراصل جبل عامل کے شہروں میں سے ہے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ ایک وسیع زمین ہے درمیان بعلبک و حمص و دمشق کے اور وہاں بہت سے مواضع ہیں اور نہرہائے جاری اور چشمہائے شیریں بے شمار ہیں زیادہ تر پانی وہاں کا ایک پہاڑی چشمہ سے ہے جس کا نام عین الجر ہے اور حضرت خضر و الیاس کی قبریں اس

قریہ میں واقع ہیں۔ حاصل کلام اہل جبل عامل پر ہمیشہ رحمت خدا کا نزول رہا اور ان کے دل محبت خاندان رسالت مآبؐ سے فیضیاب رہے ان کی پیشانیوں سے نور ایمان ہمیشہ جلوہ گر رہا۔ اور ہمیشہ وہاں امامیہ مذہب کے فقہاء اور فصحاء کا ایک مجمع رہا کیا اور وہاں کے تمام باشندہ خاص و عام وضیع و شریف ہمیشہ مذہب امامیہ کے احکام سیکھتے اور سکھاتے رہے اور پابندی شرع میں پوری کوششیں کرتے رہے اور مثل اپنے موالی کے زہد و تقویٰ فقر و قناعت میں بسر کرتے رہے اور باوجود تسلط سلطنت عثمانی کے اپنے مذہب کو رائج کرتے رہے۔

ان کے عوام کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی شخص کہہ دیتا تھا کہ تمہارے بورے میں یا پانی کی صراحی میں ابوبکر ہے تو یقیناً اسے پھینک دیتے تھے اور کہنے والے کے سر پر خاک ڈالتے تھے یہ طریقہ ان میں ایک زمانہ دراز تک جاری رہا اور اس روش سے ان لوگوں کو نقصانات بھی پہونچتے رہے یہاں تک کہ ایک روز ایک سنی جو ملازماں حاکم میں سے تھا ایک غریب شیعہ سے جو چکی سے آ رہا تھا اور اپنے گھر کیلئے آٹا لئے جا رہا تھا کہا تیری بوری میں ابوبکر ہے چونکہ وہ مرد فقیر عقل سے خالی نہ تھا جواب دیا کوئی حرج نہیں ہے بھوسی کے ساتھ نکال ڈالوں گا یہ عاقلانہ جواب لوگوں میں مشہور ہو گیا تب سے لوگ اپنی حماقت سے باز آئے۔

کرک نوح

یہ جبل عامل کے قریب ایک موضع ہے جہاں جناب نوحؑ کی قبر ہے اور حضرت خاتم المجتہدین علی بن عبداللہ العالی قدس اللہ روحہ، جو متاخرین مجتہدین امامیہ میں سے تھے وہیں کے رہنے والے ہیں اور معجم البلدان میں لکھا ہے کہ کرک بفتح اول وثانی وکاف دیگر ایک محکم قلعہ کا نام ہے جو کوہستان شام میں بلقا کے نزدیک واقع ہے درمیان ایلہ و بحر قلزم اور بیت المقدس کے اور اسی طرح ایک بڑے موضع کا نام ہے نزدیک بعلبک کے جہاں ایک لمبی قبر ہے جو حضرت نوحؑ کی قبر کہلاتی ہے۔

جزیرہ بحر اخضر و بحر ابیض

یہ ملک بربر میں ایک جزیرہ ہے دریائے اندلس کے درمیان کہ جناب صاحب الزمان علیہ السلام اور حضرت کے اصحاب و اولاد وہاں رہتے ہیں اور اندلس سے دریا کے کنارے تک پندرہ روز کا راستہ ہے لیکن ابتدائی دو منزلیں غیر آباد ہیں جہاں پانی نہیں ملتا پھر باقی مسافت آباد ہے اور آبادیاں ایک دوسرے

سے متصل ہیں اور اس ملک کے ساحل پر ایک موضع ہے جو جزیرہ سے مشابہ ہے اور اسے اہل اندلس جزیرہ رُفضہ کہتے ہیں اس لئے کہ وہاں کے رہنے والے سب کے سب **شیعہ امامیہ** ہیں اور ان لوگوں کے لئے سامان معیشت جزیرہ اخضر سے سال میں دو مرتبہ اس طرح پر آتا ہے کہ **جناب صاحب الزمان علیہ السلام** کا وکیل کشتیوں پر بار کر کے بحرابیض کے راستہ سے لاتا ہے اور ان لوگوں پر تقسیم کر کے واپس جاتا ہے۔

زمانہ سابق میں ایک شخص صلحائے شیعہ سے اپنی خوش قسمتی سے اس مقام پر پہونچ گئے تھے اور اس قصہ کی شرح میں طول ہے شیخ اجل سعید شہید **محمد بن مکی** علیہ الرحمہ نے اس مرد صالح سے روایت کی ہے اور اپنی کتاب امالی میں درج فرمایا ہے اور سید اجل صدر عالی قدر **امیر شمس الدین محمد اسد اللہ** شوشتری نے حسب خواہش بادشاہ صاحبِ قراں مغفور کے رسالہ غیبت مین اس قصہ کا بھی ذکر کیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس مقام مقدس میں حضرت کی اولاد و اصحاب موجود ہیں اور اپنے گھروں اور مسجدوں میں عبادت و درس و تدریس مسائل دینی میں مشغول رہتے ہیں اور شہر کے باہر فوجیں بھی مہیا ہیں جو فرج آل محمد کا انتظار کرتی ہیں ﷺ اور فرج جناب **صاحب الامر** علیہ السلام کے ناموں سے ایک نام بھی ہے اور یقیناً وہ ایسا رسالہ ہے کہ جنکا حفظ کرنا مومنین پر واجب ہے اس لئے کہ معاندین اہل سنت دربارہ **غیبت حضرت صاحب الزماں** علیہ السلام طرح طرح کے شبہے ڈالتے ہیں اور عوام الناس اور ضعیف العقل لوگ ان کے شبہات سے شک میں پڑ جاتے ہس اس رسالہ میں ان شبہات کی بھی رد ہے اور حضرت کی امامت و غیبت پر کافی دلائل منقول ہیں۔

بعض کتب معتبرہ میں حقیر کی نظر سے گذرا ہے کہ **بنو عبدالمومن** جو دیار مغرب میں رہتے ہیں اور صاحبان علم ہیں سب کے سب شیعہ ہیں۔ اور وہاں کے اور رہنے والے بھی ان کے تابع ہیں۔

ہمدان

بفتح ھا و میم کتاب نزہت القلوب میں لکھا ہے کہ ہمدان اقلیم چہارم میں ہے جمشید پیش دادی نے اس کی بنا کی تھی اور شہر کے اندر ایک قلعہ بنا ہوا ہے جس کو داراب بن داراب نے بنایا تھا اگرچہ اب وہ قلعہ خراب ہو گیا ہے پہلے یہ بہت بڑا شہر تھا اس کا دورہ بارہ (۱۲) ہزار قدم کا ہے وہاں سردی بہت ہوتی ہے اور پانی پہاڑ سے آتا ہے شہر میں چشمے جاری ہیں میوے کثرت سے ہوتے ہیں وہاں کے رہنے والے اکثر معتزلہ اور مشبّہ ہیں۔

مولف کہتا ہے کہ کتاب **خرائج** میں **شیخ اجل** راوندی نے لکھا ہے کہ بعض خانداں ہمدان کے شیعہ تھے اور بسبب کرامت کے شیعہ ہوئے تھے اور منجملہ وہاں کے اکابر موحدین کے کہ جن کے تشیع میں

کسی کو کلام نہیں ہے سید المتالہین امیر **سید علی ہمدانی** ہیں کہ جن کا تفصیلی حال اس کتاب کی **مجلس صوفیہ** میں مذکور ہوگا اور وہ ان کے عین القضاۃ ہمدانی وغیرہ ہیں لیکن اس دولت صوفیہ کی برکت سے اس زمانہ میں وہاں کے تمام رہنے والے مذہب امامیہ کے پابند اور جناب امیر المومنینؑ کے فدائیوں میں سے ہیں۔

تبریز

صاحب **حبیب السیر** نے لکھا ہے کہ تبریز کو زبیدہ خاتون زوجہ ہارون الرشید نے تعمیر کیا تھا ایک مدت کے بعد ایک زلزلہ کے سبب سے خراب ہو گیا پھر **متوکل** عیاشی نے اس کی تجدید کی پھر زمانہ سلطنت القاہر بامر اللہ یعنی ۴۳۴ھ میں ابوطاہر منجم شیرازی نے تبریزیوں کو خبر دی کہ آج کی شب زلزلہ کے سبب سے اہل تبریز پر بڑی آفت آوے گی اس خبر کی بنا پر داروغۂ شہر نے لوگوں کو نکل جانے کا حکم دیا لیکن ایک گروہ نے اطاعت کی اور دوسرے نے نہ مانا اتفاقاً اسی شب میں زلزلہ آیا اور چالیس ہزار آدمی سے زیادہ زیر خاک دفن ہو گئے دوسرے روز حاکم **آذربائیجان** نے پھر تعمیر شہر کا حکم دیا ابوطاہر منجم نے ایک ساعت بتائی کہ جن کا طالع وقت برج عقرب تھا اور اگر اس وقت تعمیر شروع کی جائے تو تبریز کبھی زلزلہ سے خراب نہ ہوگا اسی وقت معماروں نے بنا ڈالی پھر اس کے بعد سے تبریز کبھی زلزلہ کے سبب سے خراب نہیں ہوا۔

ہلاکو خان اور اس کی اولاد کے زمانہ میں یہ شہر دارالسلطنت ہو گیا تھا اور بڑی بڑی عمارتیں وہاں بنائی گئیں جن کی تفصیل نہیں بیان کی جاسکتی بادشاہ مغفور کے عہد میں تبریز آبادترین شہرہائے عالم میں شمار ہوتا تھا اور اپنے وفور عمارت و زراعت کے سبب سے رشکِ چرخ چنبرین تھا۔ تبریز میں باغوں کی بہت کثرت ہے وہاں کے اکثر میوے اور درخت گویا جنت کے میوے ہیں۔

لیکن جاڑوں کے زمانہ میں سخت سردی ہوتی ہے یہاں تک کہ بعض اوقات تو یہ نوبت آجاتی ہے کہ تین ماہ تک تو لوگ گھروں سے نہیں نکل سکتے اسی سبب سے ابتدائی فصل سرما میں تبریزی اپنے تمام ضروریات گھروں کے تہ خانوں میں رکھ لیتے ہیں تاکہ سردی کے زمانہ میں کام آویں۔ اور چونکہ وہاں کے اکثر لوگ افیوں کے عادی ہیں اس لئے اگر وقت صبح کوئی ان سے بات کرے تو جواب سخت دیتے ہیں اور ظہر کے بعد جب نشہ ہو چکتا ہے تو اگر کوئی سو گالیاں بھی دے تو بھی نرمی سے پیش آتے ہیں مشہور ہے کہ اہل تبریز صاحب نخوت و غرور ہوتے ہیں اور بہت جلد رشتۂ محبت کو توڑ دیتے ہیں اس بنا پر ایک شاعر نے رباعی نظم کی ہے:۔

ہرگز نشود بطبع تبریزی دوست   مغز بد جہاں و تبریزی پوست
انرا کہ بدوستی نیابی صادق   گر نیز غریب است کہ تبریزی خوست

اور خواجہ **ہمام الدین تبریزی** نے اس کے جواب میں رباعی کہی ہے:۔

تبریز نیکو است ہر چہ آن جانکوست   مغز اند مپندار تو ایشان را پوست
با طبع مخالفان موافق نہ شوند   ہرگز نہ شود فرشتہ بادیوان دوست

یہ **حبیت السیر** کا کلام تھا مولف کہتا ہے کہ شاعر مقدم نے جو رباعی مذمت اہل تبریز میں لکھی ہے بظاہر وہاں کے عوام اور بازاری لوگوں کا حال لکھا ہے اور مغز و پوست میں شناخت نہیں کی ہے یا وہاں کے کسی شخص سے محبت کی اور بے وفائی دیکھ کر تمام اہل تبریز سے ناراض ہو گیا اور سب کی مذمت کر ڈالی۔ اور خواجہ ہمام تبریزی نے جو جواب دیا ہے یہ البتہ اہل تبریز کی حالت کے موافق ہے چنانچہ علامہ شیرازی نے شرح کلیات قانون میں تبریز کی خوبی آب و ہوا کے متعلق بہت مبالغہ سے کام لیا ہے اور **غوث الحکماء امیر غیاث الدین** منصور شیرازی نے اپنے فرزند میر **صدر الدین** کے رسالہ خلافت میں لکھا ہے کہ بہترین مردم صورتاً و اخلاقاً اہل **آذربائیجان** ہیں اور یقیناً شہر **تبریز** ایسا **نفیس شہر** ہے کہ جہاں وہ تمام چیزیں موجود ہیں کہ جس کی خواہش نفس کو ہوتی ہے اور جن کے دیکھنے سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوتی ہے اور اس کی توصیف سے زبان قاصر ہے۔

مولف کہتا ہے کہ کتاب **معجم البلدان** میں **اہل تبریز** کے عقائد کا کچھ ذکر نہیں ہے اور نہ کسی دوسری کتاب میں نظر قاصر سے گزرا لیکن یہ متواتر خبروں سے معلوم ہوا ہے کہ جب سے **سید حیدر** تونی قدس اللہ روحہ اس ملک میں تشریف لے گئے اور اہل مُلک کو اُن سے ارادت و عقیدت پیدا ہوئی ان لوگوں نے مذہب اثنا عشریہ اختیار کر لیا اس لئے کہ حضرت میر مذکور کا طریقہ تھا کہ جو شخص انکے پاس آتا تھا اور ارادت و عقیدت کا اظہار کرتا تھا تو وہ اسکے کان میں ظالمانِ اہلبیت پر لعنت کہتے تھے اگرچہ اس زمانہ میں تقیہ تھا لیکن جب بھی وہ اپنے اس فعل سے باز رہتے تھے اور اب تو تقیہ برطرف ہو گیا ہے۔ انکے قائم مقام بظاہر اس طرح سے ترویج دین کرتے رہتے ہیں لیکن ایک گروہ اہل تبریز کا جو اپنے کو سید نعمت اللہ کا مرید کہتے ہیں اور اپنے گمان میں اُنکو شافعی جانتے ہیں۔ یعنی شافعی المذہب ہیں اور بالفعل اِس ملک میں سوائے چند اشخاص کے اور کوئی سُنّی نہیں ہے۔

مخفی نہ رہنا چاہئے کہ جماعت حیدرؒ یہ جو تبریز میں ہیں سب کے سب شیعہ ہیں اور امیر حیدر رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت سے شیعہ ہوئے ہیں اگرچہ سابق میں سُنّی تھے اور بانی اوّل اِس شہر کی زبیدہ خاتون تھیں جو ہارون الرشید کی زوجہ تھیں اور انکا تشیع ظاہر ہے جیسا کہ شیخ عبدالجلیل رازی نے اپنی کتاب نقض میں لکھا ہے کہ جب ہارن رشید نے زبیدہ کا تشیع دیکھا تو قسم کھائی کہ میں اسکو تین تین طلاق دونگا" پس ایک کاغذ کو اپنے غلام کے ہاتھ زبیدہ کے پاس بھیجا اسنے پشتِ کاغذ پر لکھ دیا کہ "میں اپنی حالت پر شکر خدا کرتی ہوں اور اپنے جدا ہونے پر پشیمان نہیں ہوں"

لیکن دوسرا بانی اس شہر کا متوکل عباسی تھا جسکی ناصبت محتاج بیان نہیں ہے "لعنۃ اللہ"

بلدۂ قُم

یہ ایک بہت بڑا شہر ہے اور ان شہروں میں سے ہے جو ہمیشہ دار المومنین رہے اور بہت سے اکابر مجتہدین شیعہ اہل قم سے تھے اور کتاب معجم البلدان میں لکھا ہوا ہے کہ بلدۂ طیبہ قُم زمانہ اسلام کے بنا کئے ہوئے شہروں میں سے ہے اور وہاں کے رہنے والے ہمیشہ شیعہ امامیہ تھے ابتداً اس شہر کی بنا زمانہ عبدالملک بن مروان یعنی ۸۳ھ میں ہوئی اور وجہ اس کی یہ ہوئی کہ عبدالرحمٰن بن محمد اشعث بن قیس جو حجاج بن یوسف کی طرف سے حاکمِ سیستان تھا حجاج کا مخالف ہوگیا۔ اسکے لشکر میں سترہ (۱۷) آدمی علماء تابعین عراق میں سے تھے۔ جب حجاج نے شکست دی تو وہ لوگ زمین قم میں پہونچے منجملہ انکے چند بھائی تھے جنکے نام عبداللہ عبدالرحمٰن اسحاق اور نعیم اور یہ چاروں سعد بن مالک بن عامر اشعری کے بیٹے تھے اس مقام پر چند فرقے تھے جنمیں سے ایک کا نام کمندان تھا یہ چاروں بھائی زبردستی اس گاؤں میں اُترے اور وہاں قیام کیا پھر انکے اعزا و اقارب عراق سے آکر انکے پاس رہنے لگے اور اس قدر عمارتیں بن گئیں کہ وہ سب مواضع آپس میں مل گئے اور سب کا نام کمندان ہوگیا لیکن یہ نام فارسی تھا عربوں نے اسکو قم کہنا شروع کر دیا اور اسی طرح سے کتاب معجم میں مذکور ہے کہ چاروں بھائیوں میں سے پہلے بھائی عبداللہ کے ایک بیٹا تھا جس نے شیعانِ کوفہ میں پرورش پائی تھی اور امامی المذہب تھا۔ اس نے قم میں آتے ہی قبل اسکے کہ وہاں کے لوگ دوسروں کی محبت سے آلودہ ہوں مذہب آئمہ اطہار علیہم السلام کو رواج دینا شروع کیا اور یہی مذہب انکے دلوں میں راسخ کر دیا لہٰذا وہاں کبھی سُنی پیدا ہی نہیں ہوتا یہ کلام صاحب معجم تھا جو نقل کیا گیا اور احادیث جو فضیلت قم مین جناب رسالتمآب صلعم اور ائمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام سے وارد ہیں وہ آگاہ ہو کہ خدا کیلئے ایک حرم ہے اور وہ مکہ ہے اور آگاہ ہو کہ یقیناً رسولؑ کیلئے ایک حرم ہے اور وہ مدینہ ہے اور آگاہ ہو کہ بتحقیق امیر المومنین علیہ السلام کے لئے ایک حرم ہے اور وہ کوفہ ہے اور آگاہ ہو کہ میرا اور میری اولاد کا حرم میرے بعد قم ہے اور قم چھوٹا کوفہ ہے آگاہ ہو کہ یقیناً جنت کے آٹھ دروازے ہیں جنمیں سے تین قُم کی طرف ہیں اس شہر میں ایک عورت میری اولاد سے انتقال کریگی جسکا نام فاطمہؑ بنت موسیٰؑ ہوگا کہ جس کی شفاعت سے میرے تمام شیعہ جنت میں داخل ہونگے۔

اور یہ روایت بھی حضرت سے ہے کہ جب تمام شہروں کو فتنے اور بلائیں گھیر لیں تو تم لوگوں کو قم اور اسکے اطراف و نواحی کی طرف رجوع کرنا چاہیے اس لئے کہ بلائیں قُم سے دور کردی گئی ہیں۔

اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے آگاہ ہو یقیناً جنت کے آٹھ دروازے ہیں

جنمیں سے تین اہل قُم کی طرف ہیں۔ پس خوشا حال اُنکا اور پھر خوشا حال اُنکا اور سعد بن سعد اخرم نے روایت کی ہے کہ حضرت امام رضاؑ علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے اس کی زیارت کی اس کیلئے جنت ہے یا وہ اہل جنت سے ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے روایت ہے کہ سلام خدا کا اہل قُم پر اور رحمت خدا کی اہل قُم پر خدا اُنکے شہروں کو باراں سے سیراب کرے اور ان پر برکتیں نازل فرمائے پس انکے گناہونکو نیکیوں سے بدل دے وہ لوگ رکوع کرنیوالے۔ خدا سے ڈرنے والے۔ سجدہ کرنے۔ عبادت میں کھڑے رہنے والے۔ اور روزے رکھنے والے ہیں وہ لوگ علم فقہ کے جاننے والے اور علماء اور صاحب فہم ہیں۔ وہی لوگ اہل دین اور اہل ولایت اور اہل عبادت اور اچھی عبادت کرنیوالے ہیں صلوٰۃ ان پر اور رحمتیں اور برکتیں اُن پر خدا کی نازل ہوں۔ اور صاحبِ معجم نے یہاں پر ایک لطیفہ نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ:۔

لطیفہ جب شہر قُم بادشاہانِ اہل سنّت کے قبضہ میں تھا تو ایک متعصب سُنی وہاں کا حاکم تھا اس نے سُنا تھا کہ اہل قُم خلفائے ثلاثہ سے ایسی عداوت رکھتے ہیں کہ انکے نام پر نام نہیں رکھتے اس حاکم نے رؤسا اور اعیان شہر کو طلب کیا اور کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ تم خلفائے ثلاثہ کو دشمن رکھتے ہو اور اپنی اولاد کا نام اِن پر نہیں رکھتے قسم خدا کی اگر تم کسی ایسے شخص کو اہل شہر سے میرے پاس نہ لائے کہ جنکا نام ابوبکر یا عمر یا عثمان ہو تو میں سب کو سزائے سخت دونگا ان لوگوں نے تین روز کی مہلت طلب کی اور بکمال کوشش ہر گھر میں تلاش کرتے رہے آخر کار تیسرے روز ایک مرد مسافر جو کہیں کا رہنے والا تھا اور کچھ عرصہ سے شہر قُم میں مقیم تھا اور اسکے بیٹے کا نام ابوبکر تھا حاکم کے پاس لائے لیکن اسکی حالت یہ تھی کہ نہایت کریہ منظر و فقر وفاقہ میں مبتلا سر و پا برہنہ مُنھ تک نہیں دھوئے ہوئے تھا القصہ ابوبکر مذکور جب دربارِ حاکم میں جلوہ افروز ہوئے اور حاکم کی نظر اُن پر پڑی تو نہایت پریشان ہوا اور اُن لوگوں کو سخت و سُست کہنے لگا کہ چند روز کے بعد تم لوگ ابوبکر کا ہمنام لائے بھی تو ایسے بدترین خلقتِ خدا کو؟ یہ سنکر ایک ظریف قُم کو تاب نہ رہی اُنہوں نے کہا اے حاکم وقت آپکا جو جی چاہے کر لیجئے قُم میں ابوبکر کے نام والا اس سے بہتر پرورش نہیں پا سکتا آب و ہوائے قُم اِن ناموں کے مخالف ہے حاکم بھی چونکہ ظریف الطبع تھا ہنس پڑا اور اُن لوگوں کو چھوڑ دیا۔

اور یہی حکایت بعینہ سبزوار کے بارے میں بھی مشہور ہے چنانچہ مولوی رومی نے اپنی مثنوی میں اسطرف اشارہ کیا ہے:۔

سبزہ وار است ایں جہاں بے مدار   ماچو بوبکریم دردے خوار و زار

بہر حال یہ دونوں شہر اس حکایت کے قابل ہیں۔

ابن کثیر شامی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ۹۴۵ھ میں اہل قم اور اہل اصفہان کے درمیان ایک فتنہ عظیم برپا ہوا اہل قم مالِ تجارت لیکر اصفہان گئے تھے وہاں جا کر صحابہ کو گالیاں دینے لگے۔ اہل اصفہان جو سب کے سب سنی المذہب تھے آمادۂ جنگ ہوگئے اور بہت سے قمیوں کو قتل کر ڈالا اور مال تجارت کو لوٹ لیا جب یہ خبر رکن الدولہ بوتہی کو پہونچی تو بسبب اپنے تشیع کے نہایت غصہ میں آیا اور اہل اصفہان سے سخت مواخذہ کیا اور مال کثیر وصول کیا۔

اور شیخ عبد الجلیل رازی نے کتاب نقض میں لکھا ہے کہ ایک اصفہانی نے ایک قمی سے پوچھا کہ تم کس شہر کے رہنے والے ہو اسنے جواب دیا کہ شہر دنداں کناں اصفہانی نے کہا کہ اسکے معنی کچھ سمجھ میں نہ آئے قمی نے کہا کہ اگر میں کہوں کہ قم کا باشندہ ہوں تو تم اسطرح سے آہِ سرد کھینچو گے جیسے وہ شخص جسکے دانت اُکھاڑ لئے گئے ہوں۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں قمی شیعہ ہوتے تھے اور اصفہانی سُنی ہی ہوتے تھے لیکن الحمدللہ کہ بادشاہانِ صفویہ کے زمانہ میں اصفہان بھی قم سے کم نہیں ہے اور اسکے بھی درودیوار پر نورِ ایمان تاباں ودرخشان ہے اور مثل دارلمومنین کاشاں ہے۔

مولانا عبیدزاکانی نے اپنے بعض رسالوں میں لکھا ہے کہ ایک شخص کو جسکا نام عمران تھا اہل قم مار رہے تھے کسی نے کہا کہ یہ عمر تو نہیں ہے اسے کیوں مارتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ یہ عمر تو تھا ہی علاوہ بریں الف نون عثمان کا بھی اس نے چُرا لیا ہے۔

اور منجملہ حکایت ہائے جرأت وشجاعت وپابندی مذہب اہلِ قم کے یہ ہے جو اواخر کتاب کشف الغمہ میں مذکور ہے کہ بعض خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں اہلِ قم نے اطاعت حاکم سے انکار کر دیا اور جو حاکم آتا تھا اُس سے لڑتے تھے اور موقع حکومت کا نہ دیتے تھے کئی مرتبہ فوجیں بھیجی گئیں لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا آخر خلیفہ نے اپنے امیر الامرا امیر ناصر الدولہ بن ہمدان کو بھیجا جب ناصر الدولہ قم کے نزدیک پہونچے تو روسائے قم تحفے اور ہدیہ لیکر استقبال کیلئے آئے اور کہا کہ ہم غیر مذہب کی حکومت پر راضی نہ تھے تم چونکہ شیعہ ہو لہٰذا تمھاری اطاعت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے چنانچہ اس سال اہل قم نے بہ نسبت گذشتہ سالوں کے بہت زیادہ مال ناصر الدولہ کو دیا اور انہوں نے خلیفہ کے پاس بھیجا لیکن خلیفہ کو خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ ناصر الدولہ اہلِ قم سے موافقت کرلیں لہٰذا ان کو اپنے پاس بُلا لیا اور منجملہ آثارِ شجاعت اہل قم کے یہ بھی ہے کہ جس زمانہ میں سلطان حسین مرزا بادشاہ خراسان تھے حاکم خراسان ہرات کے مجمع میں بیٹھا ہوا تھا کہ خلافتِ خلفاء ثلاثہ کا ذکر چھڑ گیا سید ممدوح نے انکی خلافت کو باطل کرنا شروع کیا اور حاکم اور حضار کی کوئی پروا نہیں کی بلکہ اپنے جوش میں دلائل ابطال سے تجاوز کر کے لعن وطعن بھی شروع کر دیا وہ لوگ اُنہیں پکڑ کر شیخ الاسلام کے پاس لائے جو سعد الدین تفتازانی کی اولاد میں تھا وہاں جا کر سید مذکور

کے رفض پر گواہی دی شیخ الاسلام سید مذکور کو بادشاہ وقت سلطان حسین مرزا کے پاس لے گیا اور اُن سے سب حالت بیان کی سلطان مذکور کو چونکہ سادات سے محبت تھی اس لئے اس سید سے کہا کہ تم اسوقت نشے میں ہو یا تم کو جنون کا دورہ ہوتا ہو سید نے جواب دیا کہ میں نے اپنی مدت العمر نشہ کی چیزیں نہیں استعمال کیں اور نہ کبھی جنون ہوا ہے لیکن چونکہ مجھے معلوم ہے کہ خلفائے ثلاثہ میرے آبا واجداد طاہرین کے دشمن تھے اسوجہ سے میں ان پر لعن وطعن کرنا جائز اور موجب ثواب جانتا ہوں اور منجملہ عبادات کے سمجھتا ہوں۔

سلطان نے جب یہ سُنا تو سخت پس وپیش میں ہوا اسلئے کہ علاوہ محبت اولادِ رسولؐ کے سلطان شاہ اسمٰعیل صفوی سے بھی ڈرتا تھا جو اس زمانہ میں تمام ملک ایران پر قبضہ کر چکے تھے لیکن شیخ الاسلام نے جو درحقیقت شیخ فساق اور رئیس کفار سلطان سے کہا کہ اے بادشاہ تو امور دین میں سہل انکاری کرتا ہے؟ چونکہ سلطان اس زمانہ میں مفلوج تھا اور ارکان دولت پورے طور پر اطاعت نہیں کرتے تھے اس لئے وہ معاملہ شیخ الاسلام پر چھوڑ دیا اس ملعون نے روح مطہر حضرت رسول صلعم سے شرم نہ کی اور سید مظلوم کے قتل کا حکم دے دیا۔ یا وہ سید تو شہید ہوگیا لیکن اس کے اعزا نے شاہ اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شکایت کی بادشاہ مرحوم نے ان لوگوں کو تسلی دی اور فرمایا کہ جب ملک خراسان پر ہم قبضہ کر چکیں گے تو شیخ الاسلام کو تم لوگ اپنے بھائی کے عوض قتل کر ڈالنا اس زمانہ میں سلطان حسین مرزا نے وفات پائی اور **شبیک خاں** بادشاہ خراسان ہوا شاہ اسمٰعیل مغفور نے ملک خراسان کے فتح کا ارادہ کر لیا اور **شبیک خاں** کو واصل جہنم کرنے کے بعد دار السلطنت ہرات میں نزول اجلال فرمایا سید شہید کے اعزا لشکر سلطانی کے ساتھ تھے فوراً شیخ الاسلام کو گرفتار کر کے بادشاہ دین پناہ کے سامنے لائے۔ شاہ مرحوم نے بموجب فرمان سابق انہیں کے سپرد کر دیا۔ ان لوگوں نے پہلے اس کو سنگسار کیا پھر ایک چوراہے پر اس کی لاش جلا کر خاکستر ہوا میں اڑا دی۔ **اَلحمدُ للہِ ربِ العالمین.**

کاشان

کتاب معجم البلدان میں لکھا ہے کہ کاشان ایک شہر اصفہان کے نزدیک ہے۔ اور اکثر شہر قم کے ساتھ اس کا ذکر کیا جاتا ہے وہاں طباق اور پیالے کافی عمدہ بنتے ہیں وہاں کے لوگ سب شیعہ امامیہ ہیں اور اپنے مذہب میں نہایت مضبوط ہیں اور **سمعانی** نے اپنی کتاب **انساب** میں لکھا ہے کہ کاشان قم کے نزدیک ایک شہر ہے اور اصفہان سے تیس فرسخ پر واقع ہے کہتا ہے کہ میں اس مقام پر پہونچا تھا اور دو روز وہاں ٹھہرا لوگ وہاں کے سب کے سب شیعہ ہیں اور ان میں صاحبان علم وفضل کثرت سے ہیں وہاں قاضی ابوالرضا فضل الدین بن علی العلوی الحسینی الکاشانی کی خدمت میں پہونچا اور ان سے چند حدیثیں

سنیں اور لکھیں۔ اور چند قطعات شعر بھی ان کے لکھے جب ان کے مکان کے دروازہ پر پہونچا اور ان کے باہر آنے کا انتظار کر رہا تھا ایک ساعت تک جلوخانہ میں بیٹھا رہا۔ میں نے ایوان پر لکھا دیکھا:۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْراً اس آیت کے ظاہری معنی ہیں کہ:۔

پس خدا کا یہ ارادہ ہے کہ دور کر دے تم سے نجاست کو اے اہل بیت! اور تم کو ایسا پاک کر دے جو پاک کرنے کا حق ہے۔

اور **شیخ عبدالجلیل** قزوینی رازی نے اپنی کتاب **نقض** میں لکھا ہے کہ کاشاں الحمدللہ نورانی اور مشہور تھا اور ہے اور اس کی مسجدیں اور مدرسے زینتِ اسلام اور نور شریعت سے آراستہ و پیراستہ ہیں وہاں کے مشہور مدرسے حسب ذیل ہیں۔ صفویہ۔ شرقیہ۔ عزیزیہ۔

مدرسوں کے لئے جو اسباب ضروری ہیں وہ ان مدارس میں مع اوقات کے موجود ہیں مدرسوں میں سے بھی مثل سید امام ضیاء الدین ابوالرضا فضل اللہ بن العلی الحسینی کے ایسے حضرات ہیں جو علم و فضل و زہد و تقویٰ میں بے نظیر ہیں اور علاوہ ان علماء اور فقہاء اور قضاۃ کے قاری و موذن بھی بکثرت ہیں اور ہر وقت مباحثے و مناظرے و مذاکرے میں مشغول رہتے ہیں۔ علاوہ بریں امام زادہ حضرت **علی بن محمد الباقر** علیہ السلام کا مزار بھی یہیں ہے جس کو **مجد الدین** نے تعمیر کیا تھا وہاں بھی ہر طرح کے اسباب زینت و آرائش و رونق موجود ہیں اور اس روضۂ مبارکہ میں سلاطین و وزراء و امراء اور تمام باشندے حاضر ہوا کرتے ہیں اور اپنی مرادیں پایا کرتے ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں اس شہر میں ہیں جو وہاں کے باشندوں کے خلوص ایمان پر دلالت کرتی ہیں اور میر **مخدوم شریفی** رازی علیہ ما علیہ نے کتاب **نواقض** والروافض میں لکھا ہے کہ اہل کاشاں کا گمان ہے کہ ابولولوء قاتل عمر بن الخطاب۔ اس کو قتل کرنے کے بعد کاشان چلے آئے تھے اور دشمنوں کے خوف سے وہاں چھپے رہے اہل کاشاں نے بسبب محبت خاندان رسالتؐ کے ان کی تعظیم و تکریم کی اور دشمنوں سے محفوظ رکھا یہاں تک کہ انہوں نے اسی شہر میں وفات پائی اور ان کا مزار بھی شہر کے باہر بنا ہے لوگ ان کو بابا **شجاع الدین** کہتے ہیں کہ جس شخص نے ایسے دشمن دین کو مارا ہو وہ یقیناً شجاع الدین ہے اور بابا کے معنی اگرچہ فارسی میں باپ کے ہیں لیکن کبھی ایسے شخص کے بارے میں بھی اس کا استعمال کیا جاتا ہے جس نے کوئی بڑا کام کیا ہو۔ الغرض عوام و اوباش شہر کاشاں چھبیس تاریخ ذی الحجہ کی جو روز قتل **عمر** ہے، خمیر سے ایک شکل بناتے ہیں اور اس کو سرخ رنگ سے بھر دیتے ہیں اور اس کا نام **عمر** رکھتے ہیں اور پھر اس کو نچاتے ہیں اور اس کے ناچ کے ساتھ طبل و ڈھل اور طرح طرح کے باجے بجاتے ہیں اور **عمر** کے لعن و طعن میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے ہیں اور بڑا شور و غل

مچاتے ہیں اور وہ پورا دن انہیں حالتوں میں گذرتا ہے جب رات قریب ہوتی ہے تو **شجاع الدین** کے مزار کی طرف سے اپنے گھروں کو پلٹتے ہیں اور بعضے اراذل و اوباش چھری یا خنجر اس صورت کے پیٹ پر مارتے ہیں کہ وہ رنگ بہنے لگتا ہے پس وہ سب کے سب اس کو پیتے ہیں اور اس کا ثبوت دیتے ہیں کہ ہم لوگ عمر کے خون کے پیاسے ہیں اور عمر اہل **کاشاں** کی نظر میں ویسا ہی ذلیل و خوار ہے جیسا اہل **سبزوار** کے نزدیک **ابوبکر** چنانچہ ملا حیرتی نے کہا ہے۔ **بیت**:۔

خوارم اندر ولایت قزمی چوں عمر در ولایت کاشاں

اور **عبید** زرکانی بعض رسالوں میں مذکور ہے کہ کسی شخص نے ایک گدھا **کاشاں** میں بیچا جب اس کی دستاویز لکھانی چاہی دستاویز لکھنے والے نے پوچھا کہ تمھارا کیا نام ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ **ابوبکر** اس نے کہا تمہارے باپ کا جواب دیا **عمر** آخر پوچھا تمھارے دادا کا کیا نام ہے انہوں نے کہا **عثمان** دستاویز لکھنے والا متحیر رہ گیا کہ میں کیا لکھوں۔ دستاویز لکھنے والا چونکہ اہل کاشاں سے تھا اس نے کبھی یہ نام آدمیوں کے نہ سنے تھے اور نہ وہ ایسے نجس ناموں کو اپنے قلم سے لکھنا چاہتا تھا۔

آبہ

بائے موحدہ صاحب معجم کہتے ہیں **ابوسعید** نے حافظ (بوبکر بن موسیٰ بن مردویہ سے نقل کیا ہے کہ آبہ کہ مضافات اصفہان میں ایک قریہ ہے۔ دوسرے لوگوں نے کہا کہ ساوہ سے قریب ہے اور **جلیل بن عبدالحمید** ساکن شہر رے وہیں کے رہنے والے تھے اور میں کہتا ہوں کہ آبہ ساوہ کے مقابلہ میں مذکور ہوتا ہے اور عوام الناس اس کو آوہ کہتے ہیں اور وہاں کے رہنے والے شیعہ اور اہل ساوہ سنّی ہیں ہمیشہ آپس میں جنگ ہوا کرتی ہے وہاں کے اہل تشیع کے بارہ میں شعرائے اہل سنت سے ایک نے وہ قطعہ کہا ہے جو عربی زبان میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"کسی کہنے والے نے مجھ سے کہا کہ تم اہل آبہ کو دشمن رکھتے ہو درحالیکہ وہ لوگ بڑے شاعر و منشی ہیں میں نے جواب دیا کہ میرے پاس سے ہٹ یقیناً میرا ایسا آدمی ہر دشمن صحابہ کو دشمن رکھتا ہے۔"

یہ تحقیق ہے صاحب معجم کی۔ اور ساوہ کے ذکر میں بھی لکھا ہے کہ ساوہ کے قریب ایک شہر ہے جسے آوہ کہتے ہیں اور وہاں کے رہنے والے شیعہ امامیہ ہیں اور دونوں شہروں کے درمیان دو فرسخ کا فاصلہ ہے اور ہمیشہ لڑائی جھگڑے رہا کرتے ہیں یہ دونوں شہر آباد تھے یہاں تک کہ ۶۱۷ھ میں تاتاریوں کا لشکر وہاں پہونچا جس نے دونوں شہروں کو قتل عام کر دیا **شیخ عبدالجلیل** رازی کی کتاب **نقض** میں لکھا ہے کہ شہر آبہ اگرصورتاً چھوٹا ہے لیکن الحمدللہ کہ وہ ایک بہت بزرگ دین ہے بحیثیت دین اسلام کی رونق کے اس

شہر میں آثار شریعت مصطفوی وسنت مرتضوی ظاہر اور نمایاں ہے اور وہاں کی بڑی اور چھوٹی مسجدیں ہمیشہ جمعہ اور جماعات سے آباد رہتی ہیں اور وہاں کے لوگ عیدین اور عید غدیر اور روز عاشورہ وشب و روز برات میں بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور ہمیشہ بڑی ہمت کے ساتھ ختم قرآن کرتے رہتے ہیں وہاں کے مدرسہ عز الملکی اور مدرسہ عرب شاہی بھی نہایت اچھی حالت میں ہیں جس میں سید **ابو عبداللہ** اور **سید ابو فتح** حسینی کے ایسے علماء فضلاء درس دیا کرتے ہیں امام زادے عبداللہ موسیٰ و **فضل** اور **سلمان** اولاد امام **موسیٰ کاظم** علیہ السلام کا مزار بھی ہے یہ مزار ہمیشہ علماء وفقہاء سے بھرا رہتا ہے اور معتبرین نے جناب سید اولینؑ وآخرین سے روایت کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

''جب مجھے شب معراج آسمان کی طرف لے چلے تو میں ایک صفحۂ زمین کی طرف سے گزرا جو مثل کافور کے تھی مجھے اس زمین میں ایک خوشبو معلوم ہوئی۔ جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون سی زمین ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس کا نام آبہ ہے آپ کی رسالت اور آپ کی اولاد کی ولایت اس زمین کے سامنے پیش کی گئی اس نے قبول کرلیا۔ خداوند عالم اس زمین سے ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو آپ کو اور آپ کی ذرّیت کو دوست رکھتے ہوں گے پس اس زمین اور اس کے رہنے والوں کو برکت عطا فرمائی اگرچہ فضیلت آبہ میں اور بھی حدیثیں ہیں لیکن ہم اس حدیث مذکور پر اکتفا کرتے ہیں پھر اسی کتاب کے دوسرے مقام پر بیان کیا ہے کہ اعتقاد اہل آبہ معلوم ہوا ہے کہ سوائے شیعہ کے اور کوئی مذہب رکھتے ہی نہیں اور کہا ہے کہ ساوہ میں یہی شیعہ ہیں لیکن آبہ میں صرف شیعہ ہیں اور وہاں کے اکابر ومتاخرین میں میر شمس الدین محمد آوی ہیں جو منجملہ صلحاء فضلاء تھے اور سلطان **علی** بن موید بادشاہ **خراسان** کے مقربین سے تھے انہیں کی فرمائش سے جناب شہید اول نے کتاب **لمعہ ومشقیہ** تصنیف کی تھی اور سلطان مذکور کے ساتھ ان کے پاس بھیج دیا تھا کتاب مذکور کے خطبہ میں جو بعض الدیا نین کا لفظ ہے اس سے مراد یہی میر شمس الدین محمدؒ ہیں۔

شیراز

دار السلطنت فارس ہے اور تمام عالم کے شہروں سے شریعت میں اور جامعیت میں ممتاز ہے

بیت

چہ مصر وچہ شام وچہ تبر وچہ بحر همه روستانید **وشیراز** شہر

یعنی خواہ **مصر** یا **شام** ہو یا خشکی ہو تری کے اور سب شہر دیہات ہیں اور دراصل شہر کہنے کا مستحق **شیراز** ہے۔

حبیب السیر میں لکھا ہے کہ شہر شیراز کا بانی **حجاج بن یوسف** کا چچازاد بھائی **محمد بن قاسم عقیل**

ثقفی تھا شیراز کی بڑی عمارتیں اور پر تکلیف آئینہ کاری اور وسعت شہر زمانہ میں مشہور ہے۔ عضد الدولہ دیلمی کے زمانہ میں اس قدر آباد ہو گیا تھا کہ اہل لشکر کو بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی تھی لہٰذا **عضد الدولہ** نے **شیراز** کے نزدیک ایک قصبہ بنا دیا تھا کہ لشکر وہاں قیام کیا کرے اس مقام کا نام سوق الامر المشہور زیر زمین نہروں کا پانی وہاں مستعمل ہوتا ہے منجملہ ان زیر زمین نہروں کے نہر **رکن آباد** ہے جو رکن الدولہ **حسن بن بویہ** نے بنایا تھا اور **خواجہ حافظ** نے اپنے اشعار میں اس پانی کی لطافت وشیرینی کی طرف اشارہ کیا ہے منجملہ ایسے اشعار کے یہ بھی ہے:۔

شیراز وآب رکنی وآن باد خوش نسیم عیبش مکن کہ خال رُخ ہفت کشور است

اور شہر شیراز میں خانقاہیں ومدرسے ومسجدیں اور خیرات خانے بکثرت ہیں اور مسجد عقیق جس کے بانی **عمر بن لیف** تقار ہیں منجملہ مشہور عمارتوں کے ہے مخفی نہ رہے کہ اہل شیراز کی طبیعت محبت اہل بیتؑ کے ساتھ خمیر ہوئی ہے چنانچہ ابتداء ہی سے جناب **سلمان فارسی** کے خطاب ''**مِنَّا اهل البیت**'' سے ظاہر ہے ملتہائے امر یہ ہے کہ بعض اوقات اور زمانوں میں بادشاہان اہل سنت کے تسلط کی وجہ سے اہل شہر تقیہ کی حالت میں تھے اور نور ایمان ان میں مخفی تھا جیسا کہ زمانہ **عضد الدولہ** میں پورے طور پر ظاہر تھا اہل شہر میں سے بہت سے سادات رفیع الدرجات خصوصاً سادات انجوّہ ہیں جو اپنی قدامت تشیع میں مشہور ہیں اسی طرح سے طائفہ خاکیہ اور مثل ان کے بعض اور خاندان کہ جو ہمیشہ سے دائرہ ایمان میں داخل ہیں۔ **مصرع**

کہ سعدی زیں سخاوت نیست بے بر

رَے

صاحب معجم کہتے ہیں کہ رَے بفتح اول وتشدید ثانی ایک مشہور شہر ہے اور تمام عالم کے بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے اور میں شہر رَے میں گیا ہوں وہ ایک شہر لطیف وعجیب ہے اس کی دیواریں نہایت محکم اور اوپر نقاشی کا کام کیا ہوا ہے اور رنگ کبودی پھرا ہوا ہے اور وہ بہت بڑا شہر تھا لیکن بڑا حصہ اس کا اب ویران ہو گیا ہے۔ میں جب ۶۱۷ھ میں لشکر تتار کے خوف سے بھاگ رہا تھا تو اس مقام پر پہونچا تھا تب وہاں کی دیواریں قائم تھیں ممبر اپنی حالتوں پر باقی تھے چونکہ ویرانی کو تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا ابھی دیواروں میں رونق باقی تھی میں نے وہاں کے عقلاء میں سے ایک شخص سے پوچھا کہ اس شہر کی ویرانی کا سبب کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ سبب حقیقی تو ارادہ خداوندی ہے لیکن سبب ظاہری یہ ہے کہ اس شہر میں تین مذہب کے لوگ رہتے تھے۔ شافعی، حنفی اور شیعہ۔ شافعی سب سے کم، حنفی ان سے زیادہ اور شیعہ ان

سے زیادہ اور اہل دیہات بھی اکثر شیعہ تھے اور کچھ ان میں حنفی بھی تھے لیکن شافعی کوئی نہیں تھا پہلے تو حنفیوں اور شیعوں میں جھگڑا پیدا ہوا یہاں تک کہ شافعی اور حنفی مل کر شیعوں پر غالب آگئے اور ان کو فنا کرنے کے بعد دونوں آپس میں لڑ گئے لیکن باوجود قلت کے شافعی ظفریاب ہوئے اب جو یہ غیر آباد مقامات ہیں یہ شیعوں اور حنفیوں کے رہنے کے مکانات ہیں یہ چھوٹا محلّہ جو آباد ہے یہ شافعیوں کے رہنے کی جگہ ہے، اب شیعوں اور حنفیوں میں کوئی بھی باقی نہیں رہ گیا اور اگر ہو بھی تو اپنے مذہب کو چھپاتا ہے۔

اور **اصطخری** نے کہا ہے کہ رے اصفہان سے بڑا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر چہ نیشاپور کا عرض وطول اس سے زائد ہے۔ شہر رے کا عرض وطول ڈیڑھ فرسخ ہے اور شہر کے باہر بہت سے قریے ہیں جن میں سے ہر ایک تقریباً ایک شہر کے برابر ہے یہ ملک عمر بن الخطاب کے زمانہ میں **عمار یاسر** نے فتح کیا تھا اور **جعفر بن محمد رازی** سے منقول ہے کہ جب مہدی عباسی خلافت منصور کے زمانہ میں رے میں آیا تو اسی نے اس شہر رے کی بنیاد ڈالی اور اسکے گرد ایک خندق کھدوائی اور ایک جامع مسجد بنوائی اور اس کے ملازمین نے کوششیں کیں یہاں تک کہ ۱۵۸ھ میں اتمام کو پہونچا خراج ملک رے کا ہمیشہ ایک کروڑ بیس لاکھ درہم ہوا کرتا تھا لیکن جب **ماموں** خراسان سے بغداد جا رہا تھا اور مقام رے پہونچا تو اہل رے نے زیادتی مالگذاری کی شکایت کی **مامون** نے بیس لاکھ درہم کی تخفیف کی اور صرف ایک کروڑ مالگذاری مقرر کر دی بعض علماء سے منقول ہے کہ توریت میں مذکور ہے کہ رے دروازہائے زمین میں سے ایک دروازہ ہے جو خلق کی تجارت گاہ ہے۔

اور **اصمعی** نے تعریف رے میں کہا ہے کہ رے کی دولہن اور خلائق کی تجارت گاہ ہے یا ان کی جائے کشش ہے اور جب **ابن زیادہ** ملعون نے عمر سعد کو لشکر دیکر حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے بھیجا تھا۔ تو اسے حکومت دینے کا وعدہ کیا تھا ابن سعد کے تردد اور اس کے اشعار کا حال معہ ترجمہ کے اوائل کتاب میں بیان ہو چکا ہے۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ رے اور **قزوین** اور **سادہ** معلون اور منحوس ہیں اور اہل رے دراصل اہل سنت وجماعت تھے یہاں تک کہ **احمد ابن حسن ماورانی** کا تسلط ہوا اور انھوں نے اظہار تشیع کیا اور شیعوں کی پرورش کرنے لگے اور لوگوں نے مذہب شیعہ میں کتابیں تصنیف کرنا شروع کر دیں اور اس کو حاکم تک ذریعہ توسل قرار دیا مذہب شیعہ اور فضائل اہل بیتؑ کی کتابیں بہت سی تصنیف ہو گئیں **احمد** مذکور کا تسلط ۲۲۵ھ میں تھا جو زمانہ خلافت معتمد عباسی کا تھا قبل اس کے احمد مذکور کوت **کین بن تکین** وترک کے ہمراہ تھے اور اس وقت سے ابتک مذہب شیعہ کا رواج اس شہر میں باقی ہے۔

اور صاحب **معجم** نے جو کچھ لکھا ہے اور انھوں نے جو بعض عقلاء سے اپنی سنی ہوئی روایت بیان

کی ہے خلاف ظاہر ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرد عاقل صاحب معجم کے شافعی مذہب ہونے سے مطلع تھا لہذا اس نے ان کی خوشامد میں اس طرح کی تقریر کی ورنہ جیسا کتاب نقض سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ملک رے میں شافعی مذہب کے لوگ اس قدر کم تھے کہ جو حنفیہ کا مقابلہ کر ہی نہ سکتے تھے اور حنفی ہمیشہ شافعی لوگوں کے مقابلے میں موافق رہے تھے اس لئے کہ شافعی اصول میں اشاعرہ اور جبریہ کے تابع تھے چنانچہ بارہا ان کو مجبور کیا گیا ہے کہ ممبر پر جا کر اپنے مذہب کا ابطال کریں اور انھوں نے کیا بھی ہے۔

اور کتاب **نقض** میں شیعۂ رے کی حالت اور شوکت جو بیان کی گئی ہے وہ بھی اس کی مقتضی نہیں ہے شافعی ان پر غالب آجاتے چنانچہ لکھا ہے کہ شیعوں کے مقامات متبرکہ میں سے وہاں ایک بڑا مدرسہ ہے جہاں کے مدرس سید **تاج الدین محمد کبکی** ہیں جن کی عمر تقریباً نوے برس کی ہے جہاں برابر کلام مجید کے دورے ہوا کرتے ہیں اور ہر شبانہ روز پانچ مرتبہ نماز جماعت اور ہر ہفتہ میں دو مرتبہ مجلس وعظ منعقد ہوتی ہے اور وہ شہر علماء وفقہاء اور سادات شیعہ سے بھرا ہوا ہے اور دوسرا مدرسہ شمس الاسلام ہے وہ بھی شیعوں سے پُر ہے اور نزدیک سرائے ایالت کے واقع ہے اور وہاں پر بھی نماز جماعت وقرأت قرآن مجلس وعظ اور طریق فتویٰ وتقویٰ جاری ہے پہلے کی بناء تعزل بزرگ کے زمانہ میں اور دوسرے کی بنا سلطان محمد اور سلطان ملک شاہ کے زمانہ میں ہوئی ہے ان دونوں مدرسوں کے درمیان میں بھی ایک مدرسہ ہے جس کا تعلق سادات کبکی سے ہے اس مدرسہ کو خانقاہ زماں کہتے ہیں اس کی بھی بنا سلطان محمد کے زمانہ میں ہوئی ہے چوتھا مدرسہ آمنین ہے جو سید زاہد ابوالفتوح کی طرف منسوب ہے اور دولت ملک شاہی میں بنا ہے۔ پانچواں مدرسہ علی چاستی ہے جس کو کوچہ اصفہانیان میں خواجہ میرک نے عہد سلطان سعید ملک شاہ میں بنایا ہے اور وہاں بھی مجلس وعظ وختم قرآن اور نماز جماعت ہمیشہ بالالتزام ہوا کرتی ہے چھٹا مدرسہ خواجہ عبدالجبار مفید ہے جہاں چار سو فقہاء اور متکلمین اطراف عالم سے آکر جمع ہیں اور ہمیشہ مطالعہ اور مباحثہ میں مشغول رہتے ہیں اور اس کو بھی عہد مبارک ملک شاہی میں بنایا گیا ہے اور اب تک مشہور ومعروف ہے اور مدرسین وطلباء سے مملو ہے اور نماز جمعہ اور قرآن کا دورہ برابر ہوا کرتا ہے اور اس کے بانی **شرف الدین مرتضیٰ** ہیں جو سادات شیعہ کے سرگروہ ہیں ساتواں مدرسہ کوئے فیروز ہے وہ بھی عہد سلاطین مذکور میں بنایا گیا ہے اس کے علاوہ خانقاہ امیر اقبال جو عہد کریم غیاثی میں بناء کی گئی ہے اور خانقاہ علی عثمان جہاں ہمیشہ سادات علماء ہراو زاہدین ودینداران کا مجمع رہتا ہے اور برابر نماز جماعت ہوا کرتی ہے اور وہ بھی ملک شاہ کے زمانہ میں بنی ہے اور اب تک آباد ومشہور ہے۔ آٹھواں مدرسہ خواجہ امام رشید رازی دروازہ جاروب بندان پر واقع ہے جس میں دو سو سے زیادہ مدرسین اصول دین اور اصول فقہ اور تمام علوم شرعیہ کی تعلیم دیتے ہیں اور یہ بھی عہد دولت سلطان سعید محمد میں بنایا گیا ہے اس کے علاوہ ایک کتب

خانہ ہے جس میں ہر طرح کی کتابیں جمع ہیں۔ نواں مدرسہ شیخ جنید کی ہے اور مصلیٰ گاہ پر واقع ہے یہ بھی عہد سلطان محمد میں تعمیر ہوا علاوہ اس کے اور بہت سے مدرسے ہیں جن میں برابر مذاکرہ و مباحثہ اور تلاوت قرآن و نماز جماعت اور اوراد و وظائف کا چرچا رہتا ہے اور شیعوں کی زیارت گاہوں میں سے کئی زیارت گاہیں بھی شہر رے میں ہیں جن میں چند مشہور سید عبدالغریم حسنی مشہد سید عبداللہ ابیض مشہد سید حمزہ موسوی ان مشاہد مشرّفہ کی بزرگی محتاج بیان نہیں ہے اور کتاب فضائح الروافض اور کتاب نقض میں اس کی تصریح ہے کہ رَے کے شیعہ سنیوں سے زیادہ تھے چنانچہ شیعوں کی رہ میں کہا ہے کہ مذہب شہر نہ اختیار کرنا چاہئے بلکہ مذہب حق اختیار کرنا چاہئے اور رے میں اغلب رافضی ہیں اس پر مغرور نہ ہونا چاہیئے اس لئے کہ شمار کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور صاحب نقض نے اس کا جواب دیا ہے اور کہا ہے کہ خود اہلسنت اس قسم کی دلیل پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صرف سلمان و ابوذر و مقداد و عمار اور جابر و ابوایوب و خزیمہ و زید نے امامت امیر المومنین پر اتفاق کیا تھا اتنے قلیل لوگوں کی کوئی قدر مقابلہ میں اس قدر کثیر مہاجرین و انصار کے نہیں ہوسکتی جنھوں نے امامت ابوبکر و اتفاق کیا وہاں پر تو یہ دلیل پیش کرتے ہیں اور یہاں پر جب شیعوں کی کثرت دیکھتے ہیں تو کثرت پر اعتبار نہیں رہ جاتا؟ مثل مشہور ہے کہ "دروغ گورا حافظہ نباشد" جو کچھ اول میں کہتا ہے آخر کلام میں خود اس کو باطل کر دیتا ہے اور یہ تو شیعوں کا اعتقاد ہے کہ کثرت و قلت کا کوئی اعتبار نہیں ہے بلکہ عقل و دلیل کا اعتبار ہے صاحب حق اگرچہ ایک ہی ہو تو پھر وہ صاحب حق ہے اور صاحب باطل اگرچہ کروروں ہوں جب بھی اہل باطل ہی رہیں گے حق آدمیوں کے سبب سے نہیں پہچانا جاتا بلکہ آدمی حق کے سبب سے پہچانے جاتے ہیں خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے ہمیں راہ حق دکھلائی اور باطل سے بچالیا۔

وَرّام

صاحب معجم کہتے ہیں کہ رے کے نزدیک ایک شہر ورام ہے جہاں کے باشندے شیعہ ہیں۔

ورّامین

صاحب معجم نے کہا کہ یہ بھی مثل سابق کے ہے۔ لیکن اس عبارت میں دو احتمال ہیں کہ اس کا نام مثل سابق کے ہے یا یہ کہ اسکے باشندے بھی مثل شہر سابق کے باشندوں کے شیعہ ہیں اور ممکن ہے کہ دونوں باتیں مراد ہوں۔ پھر صاحب معجم نے قریہ تو بہار کے حالات میں لکھا ہے کہ ورامین ایک قریہ ہے مثل مدینہ کے اور کتاب انساب سمعانی میں لکھا ہے کہ ورّامین ایک بڑا گاؤں مثل شہر و نکے ہے اور وہاں

سے بہت سے علماء پیدا ہوئے ہیں اور ہمارے زمانہ میں ایک بڑا رئیس تھا جس نے حرمین شریفین کی تعمیر کی تھی اور مال کثیر صرف کیا تھا اور اُنکا بیٹا حسین درامینی بہت حج کرتا تھا اور خیرات و صدقات میں منہمک رہتا تھا لیکن شیعہ تھا اور شیعہ گری میں بڑا متعصب تھا۔

مؤلف کہتا ہے کہ زمانہ قدیم سے اہلِ ورامین دوستی خاندان رسول امین رسول میں مشہور و معروف ہیں اور اصحاب یمین میں سے ہیں انکے متاخرین سادات میں سے سید فاضل محبوب القلوب قاضی محمد ہیں جو بادشاہ صاحب قران مغفور کے ہمراہ رہتے تھے اور بذلہ سنجی و بدیہہ گوئی میں بے نظیر تھے انکے لطائف میں سے یہ ہے کہ ایک روز دربار شاہی میں بیٹھے ہوئے تھے بادشاہ کے ہاتھ میں وہ موتیوں کی تسبیح تھی جو سلطان سلیم عثمانی نے بطور تحفہ کے بھیجی تھی بادشاہ موتیوں کی لطافت دیکھ رہے تھے دل میں خیال ہوا کہ اہل مجلس میں سے کسی کی گردن میں پہنا دیں اور دور سے موتیوں کی چمک دیکھیں۔ آقا جمالی جو نہایت بدنفس اور جہنمی آدمی تھا سامنے بیٹھا ہوا تھا بادشاہ نے وہ تسبیح اسکی گردن میں ڈال دی اور دور سے دیکھنے لگے قاضی محمد مذکور نے فوراً یہ شعر پڑھا:۔ بیت

تسبیح خارجی کہ نہ در ذکر حیدرؑ است   درگردن کساں   جہنم شتاب کن

شیخ عبدالجلیل رازی نے جہاں شیعوں کے شہروں کا شمار کیا ہے وہاں کہا ہے کہ ورامین اگرچہ ایک گاؤں ہے لیکن شہروں سے کم نہیں ہے اس لئے کہ آثار شریعت اور خیرات اور صدقات وہاں کثرت سے ہیں مثل جامع مسجد و مدرسہ رضویہ وغیرہ کے اُسکے علاوہ بہت سے اوقاف بھی ہیں اور بہت سے مدرسین کہ جو علماء اور متشرعین اور فقہائے متقین ہیں تعلیم و تدریس میں مشغول رہتے ہیں اور ہمیشہ حرمین شریفین اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے روضوں کے واسطے شمعیں اور مختلف اقسام کی چیزیں از قسم نقد و جنس بھیجی جاتی ہیں اور ہر ماہ رمضان میں وہاں کے لوگ برابر دعوتیں کیا کرتے ہیں۔

دُوُربَست

جو اس زمانہ میں درشت بفتح دال و راو سکون شین معجمہ مشہور ہے اور کتاب معجم میں ہے کہ دوربست بضم دال و سکون واو و را و بائے مفتوحہ و سین مہملہ و تائے فوقانی منجملہ آں فریونکے ہے جو رے کی طرف منسوب ہیں اور عبداللہ بن جعفر بن محمد بن موسیٰ بن جعفر ابو محمد دوربستی وہاں کے مشاہیر میں سے ہیں جو اپنے کو اولاد حذیفہ بن الیمان میں جانتے تھے اور فقہائے شیعہ امامیہ سے تھے۔ اور ۵۶۶ھ میں بغداد آئے اور عرصہ تک وہاں مقیم رہے انہوں نے احادیث ائمہ اپنے دادا محمد بن موسیٰ سے یاد کی تھیں اور بغداد میں بیان کرتے تھے پھر اپنے اصلی وطن کو واپس گئے اور ۵۰۷ھ کے تھوڑے عرصہ بعد وفات فرمائی۔

طالقان

طالقان قزوین صاحب معجم کہتے ہیں کہ یہ دوشہروں کا نام ہے ایک خراسان میں ہے اور دوسرا قزوین وابہر کے درمیاں ہے اور وہ چند گاؤں ہیں جن کا نام طالقان ہے وہاں کے بزرگوں میں سے صاحب بن عباد مشہور ہیں اور انکے والد عباد ابن العاص عباد ابوالحسن طالقانی ہیں اہل طالقان ہمیشہ سے محبانِ اہلبیتؑ ہیں اور بہت سی احادیث طالقان اور اہل طالقان کی مدح میں وارد ہیں چنانچہ احوال جناب صاحب الزماں علیہ السلام میں کشف الغمہ نے لکھا ہے کہ اعثم کوفی نے کتاب الفتوح میں امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ خوشا حال طالقان کا وہاں خدا کے خزانے ہیں جو سونے و چاندی کے نہیں ہیں بلکہ وہاں مردمانِ مومنین ہیں جو خدا کو کما حقہ پہچانتے ہیں اور وہ مہدی آخر الزماں علیہ السلام کے انصار ہونگے۔

جیلان

ایک مُلک ہے یہاں بڑے اونچے اونچے پہاڑ اور بڑی گہری گہری کھائیاں ہیں۔ اور جنگلوں میں درخت اس کثرت سے ہیں کہ مسافر کو گذرنا مشکل ہوتا ہے اور یہ ملک دو قسمتوں پر منقسم ہے ایک قسمت کا نام لاہجان اور دوسری کا نام رشت قسمت ہے لاہجان معہ اپنے گردنواح کے زمانہ قدیم سے مسکن سادات رفیع الدرجات ہے جنکا ذکر مجلس سلاطین اہل ایمان میں آوے گا اور وہاں کے باشندے ناصر الحق کے زمانہ سے جنہوں نے انکو دین اسلام کی ہدایت کی تھی بادشاہ صاحب قران مغفور کے زمانہ تک زیدی اور جارودی تھے۔ بعد ازاں وہاں کے بادشاہ معہ اکثر اہل لاہجان کے شیعہ امامیہ ہوگئے۔

فقہائے امامیہ نے اپنی کتب فقہیہ کی کتاب وقف میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص مطلق مسلمانان پر وقف کرے تو وہ وقف محض شیعہ اثناعشریہ کے لئے ہوگا اور اگر خدانخواستہ انمیں سے کوئی نہ ہو تو باقی فرق امامیہ کیلئے قرار پائے گا اور اگر انمیں سے بھی کوئی نہ ہو تو فرقۂ جارویہ کے لئے ہوگا۔ اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو باقی فرقہائے زیدیہ کیلئے ہوگا اور باقی فرقہائے زیدیہ اور اہلسنت اس حکم میں برابر ہیں۔

دیلمان

جیلان کے نواح میں واقع ہے اور سلاطین وامرائے لاہجان خراب فصلوں میں تبدیل آب وہوا کیلئے یہیں آتے ہیں وہاں کے لوگ جب سے مسلمان ہوئے ابتک مذہب امامیہ رکھتے ہیں اور خاندان رسالت کی محبت انکی لوح دل پر نقش ہوگئی جس زمانہ میں ناصر الحق نے اہل جیلان کو مسلمان کیا اہلِ دیلمان بسبب قزوین کے قرب کے اور بسبب وہاں کے امراکے کہ جو اکثر سُنی المذہب تھے تقیہ کرتے تھے ناصر الحق کو بھی یہی گمان ہوا کہ یہ لوگ سُنی ہیں اور دیلمان کی طرف لشکرکشی کی اور نوبت جنگ کی آئی جب شنکول نے جو امیر دیلمان تھا ناصر کے لشکریوں سے ایسی باتیں سُنیں کہ جن سے معلوم ہوگیا کہ یہ لوگ ہمکو سُنی سمجھ کر لڑ رہے ہیں تو اسنے اپنے مذہب جعفری پر ہونے کا اعلان کیا اور ناصر سے امان کا خواستگار ہوا ناصر نے کہا کہ اگر اس سے پہلے تم نے اپنا مذہب ظاہر کردیا ہوتا تو میں تم سے تعرض ہی نہ کرتا لیکن اب چونکہ لڑائی چھڑ چکی ہے اور لڑائی کی صورت میرے موافق ہے لہٰذا تم میرے پاس چلے آؤ اور میری اطاعت قبول کرلو تو البتہ نجات پاسکتے ہو شنکول نے اسطرح سے اپنے کو سپرد کردینا مصلحت کے موافق نہ دیکھا اور جنگ کرتا رہا یہاں تک کہ قتل ہوگیا تب باقی اہل دیلمان نے امان چاہی اور ناصر کے مطیع ہوگئے۔

طَبرستان

الفتح اول و دوم و کسر را صاحب معجم کہتے ہیں کہ یہ ایک بڑا صوبہ ہے جسمیں بہت سے شہر ہیں اور یہ نام ان سب پر شامل ہے اور اس ملک میں بہت سے علما اور فقہا اور اُدبا پیدا ہوئے اور یہاں کے مشہور شہروں میں دہستان و جرجان۔ استر آباد اور آمل ہیں اور آمل یہاں کے سلاطین کا پایہ تخت تھا اسکے علاوہ ساری اور شالوش بھی بڑے شہر ہیں اور بعضوں نے جرجان کو بلاد خراسان میں شامل کیا ہے اور طبرستان کو مازندان میں ملا دیا ہے اور اس ملک کے طبرستان کہنے کی کئی وجہیں بیان کی گئی ہیں لیکن وجہ صحیح کہ جو وہاں کے حالات سے بھی ظاہر ہے یہ ہے کہ ان لوگوں میں جدال وقتال کا رواج بہت تھا اور ہمیشہ تبر (آلہ) سے لڑا کرتے تھے یہانتک کہ ہر چھوٹے اور بڑے امیر وفقیر اب تک ایک تبر ہاتھ میں لئے رہتے ہیں اسوجہ سے اسکا نام طبرستان ہوگیا اور عربی میں اسکی تے طا سے بدل گئی۔ اور حسن بن زید اور محمد بن زید آمل میں رہتے تھے اور آمل کے دیہاتوں میں سے ارم خاست اعلیٰ اور ارم خاست ادنیٰ اور مہروان جیہد اور نامیہ طمیس بہت مشہور ہیں اور کتاب ابانہ میں کہ جو علما زیدیہ کی تصنیف سے ہے لکھا ہے

کہ رودسفید کے کنارے سے لیکر جرجان تک طبرستان کہا جاتا ہے اور رودسفید کے اس طرف فومن تک جیلان کی حد ہے اکثر اہل طبرستان شیعہ تھے اور وہاں کے بعض شہروں میں مثل آمل کے کبھی سُنی نہیں ہوا جیسا کہ اسکے بعد مذکور ہوگا۔

حکایت ہے کہ ایک مازندرانی کا گذر اہل سُنت کے شہر میں ہوا وہاں مجبوراً بیچارے کو تقیہ کرنا پڑا اس نے ایک مسجد کے باہر بول وبراز کیا اور آبدست نہیں لیا اسکے بعد وضو کیا اور وضو کرنے کے بعد پاؤں دھوئے اور اہلسنت کی طرح سے مسح کیا اور پھر انہیں کے ساتھ ہاتھ باندھکر نماز جماعت پڑھی لیکن چونکہ بیچارے کو وضو اور نماز اہلسنت کے طریقہ پر پڑھنے کی عادت نہ تھی ان لوگوں نے جانا کہ یا تو یہ جاہل ہے یا رافضی ہے آخر کار اسکو رافضی قرار دیکر کے مواخذہ کرنا شروع کیا وہ بیچارہ یہ حال دیکھ کر کہنے لگا کہ سبحان اللہ میں نے پاخانہ پھر کر آبدست بھی نہیں لیا وضو میں پاؤں دھوئے ہاتھ باندھکر نماز پڑھی مجھ سے بھی بڑھ کر کے سُنی تو پھر کیا ہوگا۔

آمُل

صاحب معجم کہتے ہیں کہا آمُل بضم میم بہت بڑا شہر ہے اور وہاں جانمازیں اور کمبل بہت اچھے بُنے جاتے ہیں اور ابتدائے اسلام میں وہاں سے دو ہزار سوار مسلح نکل سکتے تھے اور بہت سے علماء وہاں پیدا ہوئے ہیں جو طبری کہلاتے ہیں اور اُنکی نسبت غیر طبرستان کیطرف کمتر دی جاتی ہے۔

اور ابو جعفر محمد بن جریر طبری صاحب تفسیر وتاریخ مشہور یہیں کے رہنے والے تھے۔ اور اسی طرح سے ابو بکر محمد بن عباس خوارزمی کی اصل بھی آمُل ہی سے ہے۔ اور ابو جعفر طبری کو اپنا ماموں سمجھتے تھے چنانچہ اپنے نسب کے بارے میں عربی اشعار کہتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے:۔

"میری ولادت گاہ آمُل ہے اور بنو جریر میرے ماموں ہیں اور آدمی اپنے ماموں سے مشابہ ہوا کرتا ہے پس آگاہ ہوا کہ میں رافضی ہوں بذریعہ میراث کے اور دوسرا اگر رافضی ہوگا تو اپنی ذات سے ہوگا۔"

لیکن اس نے اپنی نسبت جو ابو جعفر کی طرف خود دی ہے یہ جھوٹ ہے اس لئے کہ ابو جعفر رافضی نہ تھے لیکن حنبلی لوگ انکو حسد سے رافضی کہا کرتے ہیں۔ اور خوارزمی مذکور بالا علان صحابہ پر لعن کیا کرتے تھے بلکہ اپنے رافضی ہونے پر فخر کرتے تھے چونکہ ابو جعفر بن جریر کیطرف اپنی نسبت دینا اپنی مصلحت کے موافق جانتے تھے لہٰذا اپنے ساتھ انکو بھی رافضی کہا در حالیکہ وہ رافضی نہ تھے۔ مؤلف کہتا ہے کہ خوارزمی اس قول میں کاذب نہیں ہیں انہوں نے جو بنو جریر کو اپنا ماموں کہا اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ محمد بن جریر طبری صاحب تاریخ وتفسیر ہی کو مراد لیا ہو کہ جو فقہائے شافعیہ میں سے تھے بلکہ مراد بن جریر طبری

متکلم ہیں جو اکابر متکلمان امامیہ میں سے ہیں اور شیخ علامہ جمال الدین حسن بن مطہر حلی نے اپنی کتاب خلاصۃ الرجال میں انکو زمرۂ مقبولان میں شمار کیا ہے اور انکی تصنیفات میں کتاب مُسترشد اور کتاب ایضاح موجود ہیں اور تحقیق علماء رجال کی یہ ہے کہ صاحب تفسیر وتاریخ محمد بن جریر بن غالب طبری ہے اور اُسکا آملی الاصل ہونا نہیں معلوم اس لئے کہ آملی الاصل کا سُنی ہونا نادر بات ہے۔ اور صاحب کتاب مُسترشد وایضاح محمد بن جریر بن رستم طبری ہیں اُنکا مولد آمل تھا اور ایسی غلطی کرنا کوئی بات نہیں ہے جو صاحب معجم نے کی چنانچہ خواجہ مُلا صاعدی اصفہانی نے شرح کشف الحق ونہج الصدق میں اس قسم کی غلطی کی ہے۔

ساری

بالکل بادشاہان طبرستان کا دار السلطنت ہے اہل ساری سب شیعہ امامیہ ہیں اور محبت اہلبیتؑ انکے جسموں میں خون کی طرح ساری ہے اور انکی لوح دل الفت اغیار کے نقوش سے خالی وعاری ہے۔

اُرم

صاحب معجم کہتے ہیں کہ بضم اول وفتح دوم بوزن زُخر یا بسکون دوم ایک شہر ہے نواحی طبرستان میں اور ساری سے بہت قریب ہے وہاں کے رہنے والے شیعہ ہیں اور کتاب نقض میں شیخ عبدالجلیل رازی نے اہل اُرم وساری کے تشیع کے حالات لکھے ہیں جسکا جی چاہے دیکھ لے۔

جرُجان

اسکو استر آباد بھی کہتے ہیں صاحب معجم نے کہا کہ بضم اول ونون درآخر درمیان طبرستان وخراسان ایک بہت بڑا شہر ہے اور بعضوں نے اسکو خراسان میں شمار کیا ہے اور بعضے طبرستان میں داخل جانتے ہیں اور کہا ہے کہ اسکا پہلا بانی زیر بن مہلب بن ابی صفرہ تھا اور جرجان میں پانی کی کثرت ہے اور قریئے اور قابل زراعت زمینیں بیشمار ہیں۔ زمین مشرق میں عراق کے بعد جُرجان سے بہتر جامعیت حسن وخوبی وغیرہ کے لحاظ سے کوئی خطہ نہیں ہے اور باوجود برف پڑنے کے طرح طرح کے میوے پیدا ہوتے ہیں وہاں کے لوگ حلم واخلاق ومروت سے آراستہ ہیں اور بہت بڑے بڑے صاحبانِ حیا وسخاوت وہاں پیدا ہوئے ہیں منجملہ انکے عَمرَکِیُ ہیں جو مامون عباسی کے مصاحب تھے لیکن وہاں کی آب وہوا میں بڑا اختلاف رہتا ہے یعنی کبھی سخت سردی اور کبھی شدید گرمی چنانچہ صاحب بن عباد نے اس ہوا کی

مذمت میں چند شعر عربی کہے ہیں جنکا ترجمہ یہ ہے۔

اے جُرجان ہم تیری ہوا سے بہت خوف زدہ اور بے چین ہیں کبھی تو گرمی کے سبب سے ہماری جلدیں پختہ ہونے لگتی ہیں پس اگر شمالی ہوا چلنے لگی تو سردی کے سبب سے منجمد ہو جاتی ہیں مثل اس معشوق عربدہ جو کے وعدہ وصل کر کے پھر کچھ موانع پیش کر دیتا ہو۔

حاصل کلام یہ کہ اہل جُرجان مذہب تشیع میں مشہور ہیں اور انکا رسوخ مذہب مذکور میں معروف ہے چنانچہ ملا جامی علیہ ماعلیہ نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے ایک دن ایک مسافر سے ملاقات ہوئی میں نے پوچھا تو کون ہے اس کہا کہ "سید و طالب علم اور استرابادی ہوں میں نے کہا کہ کلام میں اختصار کرنا چاہئے تو صرف کافر مطلق کہدیتا تو کافی تھا" اس حکایت سے ملا جامی کا تعصب کہ وہ شیعوں کو کافر سمجھتے تھے اگرچہ وہ سید بھی ہوں ظاہر ہو رہا ہے اور نیز یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ **استرآبادی** کا نام سنکر ہر سنی سمجھ لیتا تھا کہ شیعہ ہوگا۔

کتاب **کشف الغمہ** قطب راوندی سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے استاد جعفر بن شریف جرجانی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں ایک سال حج کو گیا تھا اثنائے راہ میں مقام **سر من رئی** میں وارد ہوا اور خدمت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام میں پہونچا میرے دوستوں نے کچھ مال میرے ہمراہ بھیجا تھا کہ میں حضرت تک پہونچا دوں میں نے ارادہ کیا کہ اب اس مال کے بارہ میں کچھ ذکر چھیڑوں کہ حضرت نے میرے دل کا حال جان لیا اور فرمایا کہ اس مال کو میرے خادم **مبارک** کے سپرد کردو میں نے عرض کی کہ شیعیان **جرجان** نے حضور کی خدمت میں سلام عرض کیا ہے بعد اس کے حضرت نے فرمایا کہ جب حج سے فارغ ہوگے تو کیا مکان واپس جاؤ گے؟ میں نے عرض کی ہاں! حضرت نے ارشاد فرمایا کہ آج سے ایک سو اکانوے روز کے بعد ربیع الآخر کی تیسری تاریخ اول روز جمعہ جرجان پہونچو گے اور جب وہاں پہونچنا تو میرے شیعوں کو خبر دے دینا کہ میں بھی اسی روز آخر میں جرجان آؤں گا اس کے بعد فرمایا کہ جا خدا تجھے اور جو کچھ تیرے ساتھ رہے اس کو سلامتی کے ساتھ مکان تک پہونچا دے اور تیرے بیٹے شریف کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا اور اس کا نام ضلت رکھنا کہ وہ درجہ کمال کو پہونچے گا اور ہمارے اولیاء میں سے ہوگا۔ میں نے عرض کی اے فرزند رسولؐ ابراہیم بن اسمٰعیل خلجی جو آپ کے شیعوں میں ہے اور آپ کے شیعوں کے ساتھ بہت مروت واحسان کا برتاؤ کرتا رہتا ہے اور ہر سال چھ ہزار درہم سے زیادہ فقرائے شیعہ پر صرف کرتا ہے اس کے کوئی اولاد نہیں ہے حضرت نے فرمایا کہ خدا نے اس کے احسان کو قبول کر لیا اور اس کے گناہوں کو بخش دیا اور اس کو ایک صحیح الخلقت لڑکا جو ناصرین حق ہو عطا فرمایا تم اس سے کہہ دینا کہ حسن بن علی علیہ السلام نے پیام دیا ہے کہ اپنے بیٹے کا نام احمد رکھو۔

اس کے بعد میں حضرتؑ سے رخصت ہو کر حج کو روانہ ہوا اور آپ کی دعا کی برکت سے خداوند عالم

نے مجھے صحیح وسالم رکھا یہاں تک کہ بموجب حضرت کی خبر کے اول روز جمعہ اسی تاریخ جرجان پہونچا جب لوگ مجھ سے ملنے اور مبارک باد دینے کے لئے آئے تو میں نے امام علیہ السلام کے وعدہ کی خوشخبری ان کو دی کہ آج ہی حضرت بھی تشریف لاویں گے اپنی حاجتیں اور مسائل مشکلہ یاد رکھو۔ جب وہ لوگ نماز ظہرین پڑھ چکے تو سب کے سب میرے گھر میں جمع ہوئے کہ یکایک حضرت تشریف لاتے ہوئے دکھائی دئے اور قبل اس کے کہ ہم لوگ سلام کریں آپ نے خود ہی ہم لوگوں پر سلام کیا پس ہم لوگ دوڑے اور آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا حضرت نے ان لوگوں سے فرمایا کہ میں نے جعفر بن شریف سے وعدہ کیا تھا کہ آج کے دن آخر روز تمھارے پاس آؤں میں نماز ظہر و عصر **سُر من رئی** میں پڑھ کر تمھارے پاس آیا ہوں کہ تم سے تجدید عہد کروں جلدی اپنی حاجتوں اور مسئلوں کو میرے سامنے پیش کرو یہ سن کر سب سے پہلے نضر ابن جابر نے اپنی حاجت عرض کی کہ میرا بیٹا جس کا نام جابر ہے نابینا ہو گیا ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ دعا کریں تاکہ آپ کی دعا کی برکت سے بینا ہو جاوے حضرت نے اس لڑکے کو اپنے پاس بلایا اور دست مبارک اس کی آنکھوں پر پھیر دیا فوراً آنکھیں اچھی ہوگئیں۔ اس کے بعد سب لوگ اپنی حاجتیں اور مسائل پیش کرتے اور پوچھتے رہے حضرتؑ جواب دیتے رہے اور سب کی حاجتیں آپؑ نے پوری کیں اور آخر میں دعائے خیر دے کر آپ اسی روز واپس تشریف لے گئے واقعی یہ بزرگی اہل جرجان کی ایسی ہے کہ اگر اس کے سبب سے اہل قم و **کاشان** سے اپنے کو بہتر سمجھیں یا اہل **مشہد و سبزوار** پر افتخار کریں تو بجا ہے۔

رستمدار

ایک خطہ ہے نہایت مشہور وہاں کی آب وہوا نہایت خوش گوار اور درختاں میوہ دار بے شمار اور وہاں کے قلعے بلند استوار اور وہاں کے پہاڑ بھی نہایت اونچے اور شاندار ہیں کہ وہم کا ہاتھ بھی جن کے دامنوں تک نہیں پہونچ سکتا اور پائے خیال ان کی راہوں سے نہیں گزر سکتا وہاں کے لوگ جرأت و شجاعت میں مثل رستم کے مشہور اور نور تشیع سے ان کی پیشانیاں پرنور اور دل محبت اہل بیتؑ سے معمور ہیں۔ وہاں کے متاخرین فضلا میں مولانا **محمد بن فخر الدین علی رستمداری** میں جو **مشہد مقدس** میں روضہ منورہ کے خادم تھے اور اس آستان ملائک پاسبان کے بعض مدرسوں میں مدرسی بھی کرتے تھے اور جس زمانہ میں **عبداللہ خاں** اوزبک نے **مشہد مقدس** کا محاصرہ کیا تھا ایک خط خان مذکور کے پاس بھیجا جس کا حاصل مضمون یہ تھا کہ:۔

جناب خان واہل لشکر کس دلیل و برہان سے مشہد مقدس کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں کس دلیل سے وہاں کے لوگوں کا برباد کرنا حلال جانا ہے حالانکہ اس میں اکثر لوگ ذریت پیغمبر خداؐ میں سے ہیں اور کس دلیل سے جان و مال و زراعت کا لوٹنا اور تاراج کرنا اور اوقاف سرکار فیض آثار امام ہمام علیہ السلام کا

برباد کرنا جائز سمجھا ہے؟

جب یہ خط خان مذکور کو پہونچا تو اس نے **فاضل ماوراء النہری** کو جو ملازم رکاب تھا دیا اس لئے کہ اس نے جواز قتل و غارت اہل مشہد پر فتویٰ دیا تھا خان مذکور نے کہا کہ اس خط کا جواب لکھو! فاضل مذکور نے بہت سے دلائل فاسدہ جواز قتل و غارت اہل مشہد مقدس پر تحریر کر کے وہ خط بھیج دیا جب وہ خط مولانا محمد رستمداری مذکور نے دیکھا تو ایک نامہ نامی فاضل موصوف کے نام لکھا جس میں ان کی تمام دلیلوں کو رد کر دیا جب وہ تحریر خان مذکور کے پاس پہونچی تو اس نے پھر فاضل ماوراء النہری کے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ اس کا جواب لکھو لیکن جب اس نے اپنے کو جواب لکھنے سے عاجز پایا تو خان سے کہا کہ ان لوگوں سے گفت و شنید کرنا موجب ضعف اعتقاد دوسروں کے لئے ہوتا ہے لہٰذا اس خط میں جو آیات قرآنیہ لکھی ہوئی ہیں ان کو قینچی سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا جائے اور باقی خط سب کے سامنے جلا دیا جاوے اور کہہ دیا جاوے کہ ان لوگوں کی باتیں قابل جواب نہیں ہیں آخر ایسا ہی کیا گیا۔ مولف بنظر فائدہ مومنین کے جواب فاضل ماوراء النہری کو اور جواب الجواب مولانا ممدوح کو نقل کرتا ہے:۔

ترجمہ جواب فاضل ماوراء النہری بجانب اہل مشہد مقدس

کسی مومن عالم پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ کلمۂ **لاالٰہ الااللہ محمدٌ رسول اللہ** کہنے والوں کے جان و مال کو قتل و غارت کرنا کسی طرح سے جائز نہیں ہے جب تک اس سے ایسے افعال اور اقوال نہ سرزد ہوں کہ ان کے کفر کا باعث ہو جائیں اور جب وہ بزرگوں کے طریقہ پر اور ائمہ اثناعشر کے قاعدہ پر عمل کرتے ہیں اس وقت تک وہ مسلمان سمجھے جا سکتے ہیں لیکن جب وہ صرف کلمۂ طیبہ تو زبان سے پڑھ لیں لیکن مذہب اہل سنت و جماعت اور طریقۂ علماء متقین کو بالکل چھوڑ دیں شیعہ شنیعہ کے طریقہ کا اظہار کریں اور حضرات شیخین ذوی النورین اور بعض ازواج طاہرات پر سب و شتم اور لعن کریں جو موجب کفر ہے تو ایسے وقت میں بادشاہ اسلام بلکہ تمام اہل اسلام پر اس کا مال لے لینا جائز و مباح ہے اور اگر بادشاہ زماں اور خلیفۂ دوراں دام اقبالہٗ ایسے جہاد میں جو باجماع علماء واجب ہے اور جناب رسالت مآب اور اصحاب کرام اور اولاد عظام کے طریقہ کے موافق ہے باوجود استطاعت و قدرت کے تساہل اور کاہلی کو دخل دیں تو روز قیامت خدا کے سامنے کیا جواب دیں؟ جس کے متعلق خداوند عالم فرماتا ہے۔ **وَلَنَسْئَلَنَّ الذین اُرسِلَ عَلَیہِم** یعنی ’’ہم سوال کریں گے ان لوگوں سے کہ جن کی طرف رسول بھیجا گیا ہے‘‘ اور اس کے علاوہ بہت سی آیتیں وارد ہیں اور کسی عاقل پر جو اپنی عقل پر عمل کرے اور آیات و احادیث میں غور کرے مخفی نہیں رہ سکتا کہ جن لوگوں نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ کی صحبت اور آپ کی

متابعت اور خدمت کا شرف حاصل کیا اور آپ کے ساتھ جہاد کیا وہ یقیناً مستحق جنت ہیں خصوصاً وہ لوگ جو آیۂ کریمہ **لَقَد رضی اللہ عن المومنینَ اِذْیُبایِعُونَکَ تَحتَ الشَّجرۃ** میں داخل ہیں۔ جس کا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ خدا مومنین سے راضی ہوا جس وقت کہ وہ تیری بیعت کر رہے ہیں درخت کے نیچے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرات شیخین رسولؐ اللہ کی محبت اور سسرالی قرابت داری سے مشرف و فیضیاب تھے اور صدیق اعظم کو خداوند عالم نے کلام قدیم میں صاحب کے لقب سے یاد فرمایا ہے اور کہا کہ ’’**اِذ یَقُولُ لَصَاحِبِہٖ لَا تَحزَن**‘‘ یعنی جب اپنے صاحب سے (حضرت رسول خدا صلعم) کہہ رہے تھے کہ رنج نہ کر اور بموجب آیۂ شریفہ **وَمَا یَنطِقُ عَنِ الھَوٰی اِن ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُوحیٰ** یعنی ہمارا رسول اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا اس کا کلام صرف وحی ہوتی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔ تمام افعال و اقوال آنحضرت صلعم کے حکم خدا کے موافق ہیں اور حضرت شیخین کی تعظیم و توقیر فرماتے تھے اور ہر ایک کی مدح میں بہت سے احادیث وارد ہیں پس جو ان کے کمال کا منکر ہو وہ یقیناً کامل گمراہ ہے اور درحقیقت منکر قرآن اور رسول خداؐ کا تکذیب کرنے والا ہے اور جو ان کا معتقد ہے وہ شیخین کا بھی معتقد ہوگا اس لئے کہ خدا فرماتا ہے کہ **قُل اِن کُنتُم تُحِبُّونَ اللہَ فَا تَّبِعُونِی یُحبِبکُمُ اللہ وَیَغفِر لَکُم** یعنی کہہ دوائے رسولؐ کہ اگر تم لوگ خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمھاری مغفرت کریگا پس جس شخص نے شیخین کی تعظیم و تکریم کرنے میں رسولؐ کی پیروی نہ کی اس کو نہ خدا دوست رکھے گا اور نہ اس کی مغفرت فرمائے گا۔ علاوہ برین امیر المومنین علی علیہ السلام کی شجاعت محتاج بیان نہیں ہے لیکن انھوں نے بھی تمام خلقت کے ساتھ شیخین سے بیعت کی پس جو لوگ شیخین کو برا کہتے ہیں وہ اگر غور کریں تو ان کی سمجھ میں آوے کہ درحقیقت شیخین کا بُرا کہنا علیؑ کو برا کہنا ہے اسی طرح سے حضرت عائشہ صدیقہ کا برا کہنا کہ جو یقیناً رسول اللہ کی زوجہ اور محبوبہ تھیں کیونکر جائز بلکہ اس کا سننا کیونکر مباح ہو سکتا ہے اس لئے کہ کلام مجید میں ہے۔ **اَلخبیثات للخبثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطّبین والطّیبونَ للطیبات** ۔ یعنی خبیثہ عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں اور خبیث مرد خبیثہ عورتوں کے لئے ہیں یعنی پاک و پاکیزہ عورتیں پاک پاکیزہ مردوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ مرد پاک و پاکیزہ عورتوں کے لئے۔ پس غور کرنا چاہئے کہ عائشہ کو خبیثہ کہنا کس کے خبث کہنے کی طرف اشارہ کرتا ہے اگر کسی کمینہ بازاری آدمی کی عورت کو ایسی باتیں کہی جائیں جو شیعہ حضرت صدیقہ کو کہتے ہیں تو وہ کس قدر ناراض ہوگا چہ جائے کہ جناب خیر البشر کی زوجہ کے متعلق ایسی بے ادبی کرنا نعوذ باللہ من ذالک اور اگر تم میں سے بعض لوگ عذر کریں کہ ہم لوگ ایسی باتیں نہیں کرتے ہیں تو کم سے کم اتنا ضرور ہے کہ تم ان باتوں کو سنتے ہو اور منع نہیں کرتے ہو۔ پس تم بھی انہیں لوگوں کے حکم میں داخل ہو اور یہ جو تم نے لکھا ہے کہ حکم آیۂ:۔

وَلَا تَاکُلُوا اَمْوَالَکُم بینکُم بِالبَاطِلِ۔ یعنی آپس میں اپنے اموال کو باطل کے ساتھ نہ کھاؤ۔ بموجب حدیث لَا یَحلُّ مَالُ اِمرَءٍ مُسلِمٍ اِلَّا مِن طیب نفسِه یعنی کسی مرد مسلمان کا مال بغیر اپنی خوشی خاطر سے حلال کئے حلال نہیں ہو سکتا تو مشہد مقدس کی زراعتوں اور محصولات کو تباہ برباد کرنا کیوں کر جائز ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ آیت و حدیث میں مومن اور مسلم کے مال کی تخصیص ہے اور شیعہ شیعہ کے حرکات جو ہمارے پاس اخبار متواترہ سے ثابت ہو چکے ہیں ایسے ہیں جنہوں نے ان کو دائرہ ایمان و اسلام سے باہر کر دیا ہے۔ اور یہ آیت بنا بر اپنے مفہوم مخالف کے جس کو بعض علماء نے اعتبار کیا ہے اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ غیر مومنین مسلمین کا مال تباہ و برباد کرنا جائز ہے اور کفار کے باغات اور زراعتوں کا ویران کر دینا اور جلا ڈالنا مباح ہے اور کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے۔ اور ایسے گروہ سے لڑنا جو بادشاہ اسلام اور خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہو گئے ہوں اور بعد بیعت کرنے کے مخالفت کی ہو جو باجماع علماء جائز ہے اگرچہ وہ کلمہ گو اور مسلمان ہیں اور دلیل اس پر جہاد اسد اللہ الغالب علیؑ ابن ابی طالب کا ہے جو انہوں نے اپنی خلافت کے زمانہ میں کیا اور اُسی قبیل سے یہ لڑائی بھی ہے جو عالی حضرت خاقانی نے بعض مسلمانوں کے مقابلہ میں لڑی ہے۔ اور یہ جو تم نے لکھا ہے کہ مشہد مقدس کے اطراف کے باغات اور زراعتیں سرکار مزار فائض الانوار کے لئے وقف ہیں جنکو حضرت خاقانی کے آبا و اجداد نے وقف کیا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ ملک دار الحرب ہے اور لشکر اسلام کے نزدیک موقوفات معینہ و ممتاز نہیں ہیں لہٰذا انکا حکم بھی مثل اور باغات و زاعات کے ہے اور اگر بالفرض وہ پہچان بھی لئے جائیں تو انکا مصرف مسلمانوں پر ہونا چاہیئے اور جب انکا مصرف مسلمانوں پر نہیں ہوتا تو خلیفہ کے لئے جائز ہے غازیان لشکر اسلام کے لئے حلال کر دے اور یہ جو تم نے لکھا کہ یہاں کے اکثر رہنے والے ذریت پیغمبر سے ہیں تو شاید تم نے آیہ اِنّہ لیس مِن اِھلک انه عَمَلٌ غیر صالح کو نہیں سُنا؟ اور یہ تمہارا لکھنا کہ یہاں سب صالح لوگ رہتے ہیں غلط ہے اس لئے کہ اصلاح اسلام کی فرع ہے جب تم مسلمان ہی نہیں تو تو صالح کیونکر ہو سکتے ہو اور یہ جو تم نے لکھا ہے کہ تم لوگ مکہ و مدینہ اور شام کے علماء کی صحبتوں میں بیٹھ چکے ہو اور علماء نے تم کو اچھا کہا ہے ہم تسلیم نہیں کرتے یہ شعر تمہارے حسب حال ہے:۔

ہر کہ اُورو ے بہ بہبو دنہ داشت　　دیدن روئے نبی سو دنہ داشت

اور اگر مان بھی لیں کہ علماء نے تم کو اچھا کہا تھا تو بسبب تمہارے عقیدۂ فاسدہ کے نہ جاننے کے کہا ہوگا اور یہ جو تم نے لکھا ہے کہ ماہِ رجب ماہ ہائے حرام میں سے ہے جسمیں لڑائی جائز نہیں ہے اسکا جواب یہ ہے کہ حُرمت ماہ ہائے حرام کی بنا بر احادیث صحیحۂ مشہورہ کے منسوخ ہو گئی۔ چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے بعض غزوات اُنہیں مہینہ میں فرمائے ہیں اور جو تم نے لکھا کہ ہے آیۂ شریفہ وَمَاخَلَقتُ

الجِنَّ وَالانسَ اِلَّالِیَعبُدُون منجملہ ان آیتوں کے ہے جنکے معنی ظاہر ہیں یعنی نہیں پیدا کیا میں نے جن وانس کو مگر اس لئے کہ میری عبادت کریں۔ یہ صحیح ہے کہ اس میں کوئی شبہہ نہیں ہے کہ کفار سے جہاد کرنا بڑی عبادتوں میں سے ہے تف ہے ایسے لوگوں پر جو عبادت کو چھوڑ کر بزرگوں کو بُرا بھلا کہیں اور اسکو اپنے لئے باعث ثواب و مغفرت سمجھیں حالانکہ شیطان پر لعنت کرنا جسکی تصریح ملعونیت موجود ہے خالی از ثواب ہے اور تعجب ہے کہ باوجود ایسے لوگوں کے موجود ہونے کے جو ظاہر آیات و احادیث کے معنی سمجھ سکتے ہیں جیسا کہ ترجمہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے پھر بھی اس مذہب باطل سے روگردانی نہیں کرتے اور ائمہ اثنا عشر کا طریقہ نہیں اختیار کرتے اور اگر بعض گمراہ کرنے والوں نے بعض بزرگوں یا ائمہ پر افترا کیا ہے اور تمہارے عقاید کو تقویت دی　ہے تو اپنے رئیس اللہ کو بھیجدو کہ وہ ملازمانِ شاہی سے مناظرہ کرے تا کہ مذہب حق سب پر ظاہر ہو جائے۔ والسَّلام علیٰ من اتبع الھدی.

ترجمۂ جواب الجواب جو مولانا محمد رستمداری نے تحریر فرمایا ہے

حضرت عالی کی رائے حکمت آرار پر مخفی نہ رہے کہ جناب سید المرسلینؐ نے بنا بر کتب اہل سُنت وشیعہ کیا پنی امت کو کتابِ خدا اور عترت طاہرہ کی پیروی کا حکم دیا ہے اور یہ حقیر امام الجن والانس حضرت ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضاؑ کے حرم محترم کا خادم ہے اور جو عزتیں اس حقیر کو برکت روح مطہر آن حضرت سے حاصل ہوئی ہیں انکا بیان کرنا اس خط میں مناسب نہیں ہے نہ مجھ سے قزلباش سے محبت ہے نہ اور زبک سے عداوت میں نے کتاب خدا اور احادیث جناب رسولؐ خدا پر غور کیا ہے اور جو عقائد مجھے صحیح معلوم ہوئے انہیں کو اختیار کیا ہے لہٰذا یہ چند کلمے جو محض بنظر انصاف میں نے لکھے ہیں امیدوار ہوں کہ حضرت عالی مقدار کی نظر سے گذر جائیں جو شخص صاحب تمیز وانصاف ہوگا وہ حق و باطل میں فرق کر سکتا ہے اور بعض ماوراء النہر کے طالب علموں سے سُنا گیا ہے کہ آپکے وزیر اُن دونوں صفتوں سے آراستہ ہیں اور علماء ماوراء النہر کی جو تعریفیں انہوں نے بیان کیں وہ ہمارے نزدیک پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچی ہیں اس لئے کہ ہمارے فضلاء میں سے کوئی انکی صحبت سے مشرف نہیں ہوا ہے۔ اور ان علماء اہلِ سُنت نے حضور والا کے دل میں ڈالدیا ہے کہ مذہب شیعہ ایک نو ایجاد اور باطل مذہب ہے اسکی کوئی اصلیت نہیں ہے حضور والا اگر بعد تحقیق حال فریقین کے کسی مذہب کے اختیار کرنے کا حکم دیں تو یقیناً بحکم کلام الملوک ملوک الکلام آپ کے امر کا امتثال کیا جائیگا یوں تو شیعہ وسُنی دونوں مذہبوں میں کثرت سے کتابیں اور احادیث موجود ہیں لیکن جو احادیث متفق علیہ دونوں فرقوں کی ہیں وہ قابل اعتبار ہیں اور عقل و احتیاط کا مقتضا یہ ہے کہ اُنہیں پر عمل کیا جائے اور حدیث مختلف فیہ کے مخالف ہونے سے متفق علیہ کو ترک نہ کیا جاوے اہل اسلام کے دو بڑے فرقے ہیں جو لوگ حضرت ابوبکر کو رسول اللہ کا خلیفہ بلا فصل جانتے ہیں وہ سُنی ہیں اور جو علی بن ابی

طالب علیہ السلام کوخلیفہ بلافصل جانتے ہیں وہ شیعہ ہیں ان دونوں قولوں کے سوا کوئی تیسرا قول اسلام میں نہیں ہے پس جو چیز فریقین کی متفق علیہ ہو اسکے مقابلہ میں مختلف فیہ کو ختیار نہ کرنا چاہئے پس یہ حقیر اس تمہید کے بعد عرض کرتا ہے کہ حضور والا نے جو تحریر فرمایا ہے کہ شیعہ آلؑ پیغمبر کے چند دلائل کی رو سے کافر ہیں اور پہلی دلیل یہ ہے حضرت پیغمبر خدا صلعم نے خلفائے ثلاثہ کی تعریف فرمائی ہے اور بموجب آیہ کریمہ وَمَایَنطِقُ عَنِ الْھَوٰیٰ کلامِ رسول عین وحی ہے اور شیعہ جو خلفا کی مذمت کرتے ہیں وہ وحی کے مخالف ہے اور وحی کی مخالفت کفر ہے جواب اس کا یہ ہے:۔

اس سے دلیل خلافت خلفاء ثلاثہ کی باطل ہوئی جاتی ہے اور انکا نقص ظاہر ہو رہا ہے اس لئے کہ بہت بڑے بڑے علمائے اہل سُنت نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اپنے مرض الموت میں ارشاد فرمایا:۔اِیتُولِي بقرطاسٍ اکتُبُ لَکُم شیئاً لاتَضِلّو بَعْدِي "یعنی مجھے ایک کاغذ دو میں تمہارے لئے ایسی چیز لکھدوں کی میرے بعد گمراہ نہ ہو۔لیکن عمر اس پر راضی نہ ہوئے اور کہا کہ:۔"اِنَّ الرجلَ غَلَبُہ الْوجُعُ وَعِنْدَ نا کتاب اللّٰہِ حَسْبُنا "یعنی یقیناً اس مرد پر درد غالب آ گیا ہے اور ہمارے پاس کتاب خدا جو ہمیں کافی ہے۔

اس پر صحابہ میں اختلاف ہوا اور شور وغل ہونے لگا یہاں تک کہ رسول اللہ صلعم ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میرے سامنے سے اُٹھ جاؤ میرے پاس جھگڑنا نہ چاہئے اور یہ صحیح بخاری کے اوائل ہی میں ہے اور بہت سی اہل سُنت کی کتابوں میں موجود ہے اس کے علاوہ دوسری مخالفت اس کے بعد کی گئی کہ جب حضرت پیغمبرؐ نے ایک جماعت کو مقرر کیا کہ اسامہ کے ساتھ سفر پر جائیں اور بعض وہاں سے پلٹ کر چلے آئے حضرت نے پھر مکرر احکم دیا کہ "جَھِزُوا جیش اُسا مَہُ لَعَنَ اللّٰہ مَنْ تخلف عَنْہُ" یعنی جیش اُسامہ کا ساتھ دو خدا لعنت کرے اس پر جو اسکے لشکر سے پلٹ آئے۔لیکن باوجود اسکے پھر متابعت نہیں کی۔

اب میں عرض کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلعم نے جو کاغذ مانگا تھا وہ مطابق وحی تھا اور حضرت عمر کی مخالفت وحی صریح ہے اور جیسا کہ آپ نے خود اعتراف کیا ہے مخالفت وحی کفر ہے چنانچہ خداوند نے بھی فرمایا ہے وَمَنْ لَم یَحْکُم بما انزلَ اللّٰہ فا ولٰئک ھُم الکافِرُونَ ۔یعنی جو شخص موافق اسکے جو خدا نے نازل کیا ہے حکم نہ کرے تو وہی لوگ کفار ہیں۔اور کافر یقیناً خلافت پیغمبر صلعم کے قابل نہیں ہے اور جب حضرت عمر کی عدم قابلیت آپ ہی کی دلیل سے ثابت ہوگئی تو ابوبکر وعثمان بھی خلیفہ نہیں ہوسکتے اس لئے کہ خرق اجماع مرکب لازم آتا ہے یعنی ایک ایسی نئی بات اختیار کرنا پڑتی ہے جسکا اہل اسلام میں سے کوئی فرقہ قائل نہیں ہے اس لئے کہ مسلمین میں کوئی گروہ ایسا نہیں ہے کہ جو عمر کو خلیفہ نہ جانتا ہو اور اُن

دونوں کو مانتا ہو کیونکہ بعض فرقے ایسے ہیں جو تینوں کو خلیفہ جانتے ہیں انکا قول تو آپ ہی کی دلیل سے باطل ہوجاتا ہے کہ عمر قابل خلافت نہیں ہیں لہٰذا دوسرا فرقہ اسلام کا جو تینوں کو خلیفہ نہیں جانتا ہے اسی کا قول اختیار کیجئے ورنہ تمام اہل اسلام۔کے مخالف عقیدہ آپکو اختیار کرنا پڑے گا اور یہ خرق اجماع مرکب ہے جو بنا بر مذہب فریقین کے ناجائز ہے پھر جیش اسامہ سے پلٹ آنا جو مقتضائے دلیل مذکور کفر ہے یہ تینوں خلفاء کے لئے کتب معتبرہ اہل سُنت سے ثابت ہے لہٰذا تینوں قابل خلافت نہ رہے اور انہیں دونوں دلیلوں سے مذہب شیعہ کی حقیت بہت سے وجوہ سے ثابت ہوتی ہے جنکی تفصیل کی اس خط میں گنجائش نہیں ہے۔اور حضور والا نے اپنے خط میں اسکا بھی اعتراف کیا ہے کہ فعل آنخضرت صلعم وحی ہے اور واقعاً بھی ایسا ہی ہے بس ہم عرض کرتے ہیں کہ پیغمبر صلعم کا مروان کو مدینہ سے نکالنا یقیناً وحی ہے اور عثمان کا اُنکو مدینہ بلا لینا اور تمام امور کا انکے سپرد کردینا اور اسکی تعظیم کرنا یقیناً مخالفت وحی اور کفر ہے دو دلیلوں سے پہلی دلیل تو وہی ہے جسکا خود آپ نے ذکر کیا اور دوسری دلیل قول خداوند عالم لاتجدُ قَوماً یومنونَ باللہ والیوم الآخِر یُوادّونَ مَن حاد اللّٰہَ وَرَسُولَہٗ وَلَو کانو اباءَ ھم و اَخوانَھُم وَعشِیرَتَھُم یعنی اے رسول تم خدا اور روز قیامت پر ایمان لانے والوں میں ایسوں کو نہ پاؤ گے جو دوست رکھیں ان لوگوں کو جنہوں نے خدا اور رسولؐ سے دشمنی کی ہے۔اگرچہ وہ انکے باپ بھائی اور خاندانی ہی لوگ کیوں نہ ہوں اور عثمان نے مروان کے ساتھ دوستی کی۔لہٰذا وہ مومنین باللّٰہ والیوم الآخر یعنی خدا و قیامت پر ایمان لانے والواں میں سے خارج ہوگئے اور ایسا شخص خلیفۂ رسول نہیں ہوسکتا علاوہ بریں مذہب حق کی حقیقت پر کثرت سے دلائل ہیں لیکن مثل مشہور ہے کہ بوسہ بہ پیام نہیں ہوسکتا اگر ملازمت حاصل ہوتو عر ض کروں لیکن بشرطیکہ مناظرہ دلائل علمیہ سے ہو نہ چاقو اور لکڑی اور تلوار سے۔اور مدح خلفائے ثلاثہ میں جو روایتیں ہیں وہ متفق علیہ اہل اسلام نہیں ہیں اس لئے کہ کتب شیعہ میں ان کا پتہ بھی نہیں ہے اور حدیثیں خلفائے ثلاثہ کی مذمت میں وارد ہیں وہ متفق علیہ اہل اسلام ہیں اور علمائے اہل سنت نے خود اس کا اعتراف کیا ہے کہ بہت سی حدیثیں لوگوں نے بنالی ہیں پس ایسی صورت میں متفق علیہ کو چھوڑ کر مختلف فیہ پر عمل کرنا درحالیکہ اس میں احتمال وضع کا بھی ہے کیا کسی عاقل کا فعل ہوسکتا ہے اور اس لئے نہیں ہوسکتا کہ مختلف فیہ سے اختلاف کرنا یقیناً موجب کفر نہیں ہے چنانچہ مجتہدین میں اختلاف ہوا ہی کرتا ہے اور متفق علیہ سے اختلاف کرنا یقیناً مخالف وحی اور کفر ہے پس کون مسلمان اس کو گوارا کرسکتا ہے کہ باوجود دعوائے اسلام بعض عبادات اسلامیہ بجالانے کے فی الحقیقت کافروں میں محسوب ہو۔اور جناب پیغمبر خدا صلعم کی نسبت یہ خیال کہ آپ خلفاء کی تعظیم وتکریم کرتے تھے اگر صحیح بھی مان لیا جائے تو یہ تعظیم آپ کی قبل صدور مخالفت کے تھی اور ان کی عاقبت بخیر ہونے پر دلالت نہیں کرتی اس لئے کہ معصیت صادر ہونے سے قبل

سزا نہیں دی جایا کرتی چنانچہ حضرت امیر المومنینؑ نے ابن ملجم کے متعلق خبر دی تھی کہ یہ میرا قاتل ہے لیکن اس کو سزا نہیں دی اور اگر خلفاء کے کسی خاص فعل کی تعریف میں کوئی آیت یا حدیث ہو بھی تو اس سے بھی ان کے انجام کا اچھا ہونا نہیں ثابت ہوتا کیوں کہ اچھے فعل کی اس لئے تعریف کی جاتی ہے تاکہ آیندہ بھی اس کو رغبت ہو اور آیندہ بھی ایسے افعال بجالاتا رہے مثلاً اگر آقا اپنے غلام کو مزاج داں بنانے کے لئے اس کی معمولی خدمتوں پر بھی تعریف کر دیا کرتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ ہم تم سے بہت راضی اور خوش ہوئے تاکہ یہ آیندہ بھی ایسی ہی خدمتیں کرتا رہے لیکن اگر وہ غلام اس کے بعد ہمیشہ آقا کی مخالفت ہی کرے اور اس کے جاری کئے ہوئے نظام ہی کو الٹ دے تو کیا سابق زمانہ کی رضا اور خوشنودی اس غلام کے کوئی کام آسکتی ہے؟

یہی جواب ہے حضور والا کی دوسری دلیل کا جو آپ نے فرمایا ہے کہ آیۂ کریمہ **لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ** (جس کا ترجمہ سابق میں ہو چکا ہے) جس میں خلفائے ثلاثہ بھی شامل ہیں لہٰذا ان پر لعن کرنا اور سب و شتم کرنا موجب کفر ہے۔ علاوہ بریں دوسرا جواب یہ ہے کہ الفاظ آیت مثل کلمۂ اِذَا کے جو معہ اپنے مابعد کے زمانہ مخصوص کو ظاہر کرتا ہے اس امر پر دال ہیں کہ خدا کی رضامندی محض اس فعل بیعت سے جو اس وقت زیر درخت کیا جا رہا تھا متعلق تھی۔ اور اس سے ہم کو انکار نہیں ہے کہ جناب رسول خدا صلعم کی صحبت و ہدایت اور رُعب کی وجہ سے ان لوگوں سے بھی کبھی کبھی اچھے کام ہو گئے ہیں جو خداوند عالم کی مرضی کے مطابق تھے لہٰذا اس نے اپنی رضامندی کا اظہار فرما دیا مومنین کے اس فعل سے ہم راضی ہوئے لیکن اس کے بعد وہ جو افعال قبیحہ ان سے سرزد ہوئے اور جو مخالفتیں انہوں نے رسول خدا صلعم اور وحی خداوندی کے ساتھ کیں اور جو عہد انہوں نے امر خلافت کے بارہ میں روز غدیر خم کیا تھا اور بیعت کی تھی اس کو توڑ دیا اور نص پیغمبر خدا صلعم کو جو خلافت کے بارہ میں وارد ہوا تھا پس پشت ڈال دیا تھا اور خلافت غصب کر لی اور جناب فاطمہ علیہا السلام کو آزردہ کر دیا جیسا کہ **صحیح بخاری** اور **مسلم** میں موجود ہے اور تتمۂ عبارت صحیح مذکور کا یہ ہے:۔

فَغَضِبَتْ فَاطِمَۃُ فَخَرَجَتْ عَنْہُ وَلَمْ تَتَکَلَّمْ مِنْہُ حَتّٰی مَاتَتْ یعنی آزردہ ہوئیں جناب فاطمہؑ پس چلی آئیں اس کے پاس سے اور مرتے دم تک اس سے بات نہیں کی۔ اور اس حقیر نے یہ عبارت خود صحیح مذکور میں اپنی آنکھ سے دیکھی ہے۔ اور پھر صحیح بخاری میں باب مناقب جناب فاطمہ علیہا السلام میں یہ بھی مذکور ہے کہ **مَنْ اَغْضَبَھَا فَقَدْ اَغْضَبَنِیْ** یعنی جو انہیں غصہ میں لایا وہ مجھے غصہ میں لایا۔ اور کتاب مشکوٰۃ کے باب مناقب میں جناب رسالت مآب صلعم سے منقول ہے کہ من اذاھا فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اذی اللہ یعنی جس نے فاطمہؑ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے

اذیت دی اس نے خدا کو اذیت دی۔

اور کلام مجید میں یہ آیت موجود ہے:۔ **اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ** یعنی جو لوگ خدا اور رسول کو ایذا دیتے ہیں خدا ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کرتا ہے پس اگر بندگانِ خدا نے بھی ایسا کیا تو کیا برائی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ انہیں افعال ذمیمہ اور رسول اللہ صلعم کی مخالفت اور رسول کا حکم نہ ماننے اور لشکر اسامہ سے پلٹ آنے وغیرہ کے سبب سے یہ لوگ مستحق ملامت ہو گئے اس لئے کہ باوجود مخالفت پیغمبر صلعم کے عاقبت بخیر نہیں ہو سکتی۔

تیسری دلیل حضور والا کی یہ ہے کہ خداوند عالم نے ابوبکر کو صاحب پیغمبر کہا ہے اور صاحب پیغمبر قابل مذمت و لعنت نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خداوند عالم نے دوسرے مقام پر کہا ہے:۔ **قَالَ لِصَاحِبِہٖ وَھُوَ یُحَاوِرُہٗ اَکَفَرْتَ** الخ یعنی کہا اس نے اپنے صاحب سے درحالیکہ وہ اس سے بحث کر رہا تھا کہ آیا تو کافر ہوا۔ ایسے خدا کے ساتھ جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے اور پھر تجھے ایک پورا مرد بنا دیا۔

اس آیت میں خود اس بات پر دلالت ہے کہ یہ باتیں مومن و کافر کے درمیان میں ہو رہی تھیں اور خداوند عالم نے کافر کو مومن کا صاحب ارشاد فرمایا ہے علاوہ بریں جناب یوسفؑ کی زبانی کلام مجید میں موجود ہے۔ **یَا صَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ** ۔ یعنی اے میرے قید خانہ کے صاحبو! آیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا خدائے واحد قہار اس آیت سے خود ظاہر ہے کہ وہ لوگ بہت سے خداؤں کے قائل تھے باوجود اس کے حضرت یوسفؑ جو پیغمبر تھے ان کو اپنا صاحب کہا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ صرف صاحب پیغمبر ہونا یعنی ساتھی حضرت کا ہونا خوبی کی دلیل نہیں ہے اور آپ کے قلم سے تو خود بخود نکل گیا ہے کہ۔

ہر کہ او روے بہ بہبود نہ اشت دیدن روے نبیؐ سود نہ داشت

لیکن تعجب ہے کہ جو حضرات کلام مجید کے دقائق سمجھنے کے مدعی ہیں انہوں نے اس شعر میں بجائے "ہر کرا" کے "ہر کہ اُو" لکھا اور شعر کو دو لخت کر کے ملا جامیؔ کی روح کو ناراض کیا لیکن چوں کہ تمام اہل خراسان اور ان کے (بیوت) مکانات تباہ و برباد ہوئے تو ملا مذکور بھی اہل خراسان ہی سے تھے اگر ان کی ایک بیت خراب ہو گئی تو کوئی ہرج نہیں ہے مثل مشہور ہے:۔

"مرگ انبوہ جشنے دارد"

لیکن اتنا التماس ہے کہ محض الفاظ کے ظاہری معنوں کو دیکھ کر بغیر غور و خوض کئے ہوئے استدلال نہ فرمائیں تو بہتر ہے۔

چوتھی دلیل جو آپ نے تحریر فرمائی کہ "جناب امیر علیہ السلام نے باوجود کمال شجاعت کے خلفائے ثلاثہ کی بیعت میں شرکت کی اور لوگوں کو ان کی بیعت سے منع نہ کیا یہ بیعت کے حق ہونے کی دلیل ہے نہیں تو حضرت علی علیہ السلام جناب پیغمبر خدا صلعم کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوں خلفائے ثلاثہ نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں معہ اکثر اصحاب کے ابوبکر کی بیعت کر لی جس کی تفصیل لکھنے کا یہاں محل نہیں ہے اور جب حضرت امیر علیہ السلام کو اطلاع ہوئی تو آپ بسبب اپنے ساتھیوں کی کمی۔ بسبب خوف ہلاکت اہل حق اور دیگر وجوہ کے آمادہ جنگ نہیں ہوئے اور یہ امر بیعت کے حق ہونے پر دلالت نہیں کرتا اس لئے کہ حضرت امیر علیہ السلام باوجود اپنی عام شجاعت وقوت کے رسول اللہ صلعم سے بڑھ کر نہ تھے۔ جب خود رسول اللہ صلعم نے باوجود اس کے کہ حضرت امیر علیہ السلام سا ایسا شجاع اور بہت سے اصحاب آپ کے معین تھے کفار سے جنگ نہ کی اور مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے پھر دوبارہ بقصد مکہ تشریف لئے جاتے تھے۔ اور مقام حدیبیہ پر کفار مانع ہوئے جب بھی حضرت نے جنگ نہ کی اور صلح کر کے مدینہ واپس چلے آئے۔ پس جب کہ پیغمبر خدا صلعم ایسے شجاع نے باوجود کثرت صحابہ کے جنگ نہ فرمائی تو حضرت امیر علیہ السلام کا تنہا یا معہ معدودے چند اشخاص کے جنگ نہ کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اور کفار قریش کا خلاف حق ہونا بھی اظہر من الشمس ہے بلکہ خود خداوند عالم نے اپنے بندگانِ گنہگار کو بمصالح مہلت دی ہے۔ چنانچہ فرعون نے جو دعوائے خدائی کرتا تھا چار سو برس تک سلطنت کی اور شداد و نمرود وغیرہ نے بھی سالہا سال یہ دعوائے باطل کیا۔ لیکن خداوند عالم نے باوجود کمال قدرت کے ان کو ہلاک نہ کر دیا یہاں تک کہ بہت سے لوگ اسی عقیدۂ باطل پر مر گئے اور جب خدائے قادر وقہار کا یہ فعل قابل اعتراض نہیں ہو سکتا تو بندہ کا صبر کرنا اور ظاہری مجبوریوں کو خیال کر کے ساکت رہنا بالکل محل تعجب نہیں ہے۔ اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے خود ان کے ساتھ بیعت کر لی اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے اور ہماری کتابوں میں کہیں اس کا ثبوت نہیں ہے خلفائے ثلاثہ سے راضی نہ تھے۔ چنانچہ اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی خطبۂ شقشقیہ میں اس کا صاف صاف اظہار فرمایا ہے۔ غرض کہ شارح عقائد نسفی نے جو اہل سنت کے علمائے اعلام میں سے ہیں سب شیخین کے موجب کفر ہونے میں اشکال کیا ہے اور صاحب جامع اصول نے شیعوں کو اسلامی فرقوں میں شمار کیا ہے اور صاحب موقف نے بھی اس پر عمل کیا ہے اور جن لوگوں نے شیعوں کی تکفیر کی ہے ان کے دلائل کو رد کیا ہے اور محمد غزالی کے نزدیک سب شیخین کفر نہیں ہے اور شیخ اشعری نے شیعوں کو بلکہ تمام اہل قبلہ کو مسلم قرار دیا ہے پس آپ حضرات نے تکفیر شیعہ کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا وہ نہ تو مطابق قرآن و حدیث ہے اور نہ موافق طریقہ علمائے اہل سنت ہے باوجود اس کے کہ مفہوم تشیع کا وہی ہے جو ابتدائے خط میں لکھا جا چکا شیعہ اگر خلفائے ثلاثہ کے

نام کبھی اپنی زبان پر نہ لائے لیکن امیر المومنین علی علیہ السلام کو خلیفہ بلافصل جانتے ہو جب بھی وہ شیعہ ہے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ نام بنام خلفاء پر تبرّا کرے اور اگر بعض جاہل شیعہ اس کو شرط مذہب جانتے ہوں تو ان کا قول معتبر نہیں ہے جس طرح سے کہ جہلائے اہل سنت وجوب قتل شیعہ کا حکم دیتے ہیں درحالیکہ یہ حکم تمام دلائل کے خلاف ہے۔ قَالَ الشیخ بن سینا مَن تعوّدَان یُصَدّق مِن غَیرِ دلیلٍ فَقَدِ انسَلَخَ عَنِ الفِطرَۃِ الْاِنسَانیۃ یعنی شیخ بن سینا نے کہا ہے کہ جو شخص بغیر دلیل کے کسی قول کی تصدیق کا عادی ہو جائے تو فطرت انسانی سے خارج ہے۔

اور یہ جو آپ نے لکھا کہ جو شخص بعض حکایتوں کو سنے اور منع نہ کرے تو وہ کافر ہے اس پر نہ تو کوئی عقلی دلیل ہے نہ شرعی۔

اور عائشہ کے متعلق جو آپ نے لکھا ہے کہ شیعہ ان کے متعلق کلمات فحش استعمال کرتے ہیں یہ بالکل غلط ہے فحش کا استعمال ہمارے نزدیک مطلقاً جائز نہیں ہے چہ جائے کہ حرم پیغمبر کی نسبت!

البتہ چونکہ عائشہ نے حکم خدا کے خلاف کیا اور قَرْنَ فِی بُیُوتِکُنَّ (اپنے گھروں میں قرار لو) پر عمل نہ کیا اور بصرہ میں آ کر حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کی حالانکہ حدیث حَرْبُکَ حَرْبِیْ (یعنی اے علیؑ تمھاری جنگ میری جنگ ہے) فریقین کے نزدیک صحیح ہے اس سب سے عائشہ کا شمار مقبولانِ پروردگار میں نہیں ہو سکتا اس لئے کہ انہوں نے گویا پیغمبرؐ سے جنگ کی اگرچہ یہ کہا جاتا ہے کہ بعد کو انہوں نے توبہ کر لی تھی لیکن توبہ کی خبر ایک خبر واحد ہے اور جنگ کا واقعہ یقینیات میں سے ہے۔ چالیس ہزار مسلمان اس جنگ میں قتل ہوئے ان کا خون کس کی گردن پر رہے گا؟ اور اگر بغرض محال یہ توبہ ان کی مقبول بھی سمجھی جائے تو پھر اس کے بعد وہ اپنی عداوت سے باز نہیں آئیں اور فرزند رسولؐ امام حسن علیہ السلام کی نعش کو پیغمبرؐ کے روضہ میں دفن نہ ہونے دیا اور پھر گھر چھوڑ کر خچر کی سواری پر باہر آئیں اور حضرت کی لاش پر تیر چلانے کا حکم دیا جن میں سے کئی تیر جسدِ مبارک تک پہونچ گئے تھے اس کے بعد توبہ کرنے کی خبر تو کہیں آپ کی کتابوں میں بھی نہیں پائی جاتی اور آیۂ کریمہ اَلْخَبِیثَاتُ لِلْخَبِیثِین کے یہ معنی نہیں ہیں جو آپ نے لکھے ہیں ورنہ وہ دوسری آیات کے خلاف ہو جائے چنانچہ خود کلام مجید میں حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی ازواج کا ذکر بمذمت فرمایا ہے اگر یہی ہو کہ زوجہ کے برے ہونے سے شوہر کی مذمت ہوتی ہو تو گویا خداوند عالم نے حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی مذمت فرمائی درحالیکہ وہ انبیاء معصومین میں سے تھے اور آسیہ زوجۂ فرعون کے صاحب ایمان ہونے کا ذکر کلام مجید میں موجود ہے اس پر بنا لازم آتا ہے کہ فرعون بھی مومنین کاملین میں سے ہو اس سے ظاہر ہو گیا کہ آیہ اَلْخَبِیثَاتُ لِلْخَبِیثِین شوہر اور زوجہ مراد نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے معنی ہی کچھ اور ہیں۔ اور سادات عظام کی تکفیر کے متعلق جو آپ نے تحریر

فرمایا ہے دراں حالیکہ سادات اولاد جناب رسالت مآب صلعم ہیں یہ نہایت محل تعجب ہے کہ آپ زوجۂ رسول کو باوجود ان کے تمام گناہوں کے محض زوجیت کے سبب سے قابل مدح سمجھتے ہیں اور فرزندان رسول کو باوجودیکہ ان کا کوئی گناہ نہیں ثابت ہوا کافر جانتے ہیں۔ اگر سادات کا آپ نے کوئی گناہ ثابت کیا ہے وہ اتنا کہ وہ ایسے لوگوں کو جن کو اپنے علم میں دشمن رسول سمجھتے ہیں خلیفۂ رسول نہیں سمجھتے۔

بڑی حیرت کا مقام ہے کہ زوجۂ رسول کو باوجود نص قرآنی **وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ** اور حدیث مقبولہ فریقین **يَا عَلِيُّ حَرْبُكَ حَرْبِي** کی مخالفت کرنے اور چالیس ہزار صحابہ اور تابعین کے باعث قتل ہونے اور فرزند رسول کی لاش کو روضۂ رسولؐ میں دفن ہونے سے ممانعت کرنے کے قابل مدح رہے اور اولاد رسولؐ بے خطا کافر سمجھی جاوے۔ ان دلائل کا جواب تو ہو چکا ہے اب اگر کوئی اور دلیل آپ کے پاس ہو تو ارشاد فرما دیجئے کہ ہم کو اس سے فائدہ پہونچے بہر حال ہم کو تو انصاف سے غرض ہے۔

اور شیعوں کی کتابوں میں تو یہ لکھا ہوا ہے کہ ایک روز **ابن مکتوم** نابینا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ کے اہل حرم میں سے کوئی عورت اس طرح سے گذری تو حضرت نے اعتراض فرمایا انھوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ! یہ اندھا ہے حضرت نے فرمایا کہ تم تو نابینا نہیں ہو۔

اور علمائے اہلسنت اپنی کتابوں میں تحریر فرماتے ہیں کہ پیغمبر اسلام عائشہ کو اپنے شانے پر سوار کیے ہوئے نامحروں کا ناچ نچاتے تھے اور بہت دیر ناچ دکھلانے کے بعد فرمایا اے حمیرا اب تمہارا جی بھرا؟ خیال تو فرمائیے کہ یہ ایسا فعل ہے کہ کوئی ذلیل آدمی بھی اپنے ازواج کے متعلق اس کو گوارا نہ کرے گا چہ جائے کہ سید المرسلین! ہمارے نزدیک تو جو اسے سچ سمجھے اس کو کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اس لئے کہ ہم بعد ذات باری تعالیٰ کے اور سب سے جناب رسالتمآبؐ کو افضل واکمل واشرف سمجھتے ہیں اور کسی ایسی چیز کا اعتقاد نہیں کرسکتے جو آپ کی جلالت کے منافی ہو۔ **شعر**

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم — کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

اور ماہ ہائے حرام کی حرمت کے منسوخ ہونے کے متعلق جو آپ نے فرمایا ہے اس کے اوپر کوئی دلیل نہیں ہے کلام مجید میں اس کی حرمت تصریحاً موجود ہے لہذا وہی اصل ہے جت تک اس کے خلاف کوئی دلیل معتبر بیان نہ کی جائے قول تنسیخ قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ اور حضرت امیر المومنینؑ کی جنگ جو آپ تحریر فرماتے ہیں کہ بعض ماہ ہائے حرام میں واقع ہے اگر ہم تسلیم بھی کرلیں جب بھی اس کا جواب یہ ہے کہ وہ جنگ ابتدائی نہ تھی بلکہ دشمن کی زیادتی کا دفاع تھا جو ہر وقت اور ہر حالت میں ضروری اور لازمی ہے بلکہ آپ کی لڑائیاں تو کُل ایسی ہی تھیں۔ بہر حال جب کفر شیعہ کا ثابت نہ ہوسکا جیسا کہ اس خط کے مضامین سے ظاہر ہے تو آپ کا قتل کرنا اور ساکنان **مشہد مقدس** کا لوٹنا کیوں کر جائز ہوا؟ اور آپ کو اہل

مشہد کے دلوں کا حال کیوں کر معلوم ہوا کہ وہ باوجود دعوائے اسلام کے کافر ہی ہیں بہر حال بادشاہوں کا مزاج تو مثل آگ کے ہوتا ہے لیکن علمائے کرام کو چاہئے کہ اپنے مواعظ حسنہ سے بادشاہ کے مزاج کو اعتدال پر قائم رکھیں اور آتش حرب کو مشتعل نہ ہونے دیں اور بندگان خدا کی ہلاکت کے باعث نہ ہوں ورنہ محشر میں کیا جواب دیں گے۔ **شعر**

چو آتش مشوتند و سرکش مباد — کہ دود از دلِ مبتلائے برآید

اور کھلی ہوئی بات ہے کہ ایسے ہی فتوے اہل فوج کیلئے بندگانِ خدا کی ہلاکت کرنے کا بہانہ ہو جاتے ہیں لیکن ان کا گناہ مفتی ہی کے سر رہتا ہے اور خدا تو اپنے کافر بندوں کو بھی دنیا میں ہلاک نہیں فرماتا بلکہ انبیاء علیہم السلام نے جو بددعائیں کی ہیں ان کو ہی پسند نہیں فرمایا ہے چنانچہ روایت میں وارد ہوا ہے کہ حضرت نوحؑ روز قیامت شرمندہ ہوں گے اور اس کے اوپر بہت سی احادیث واخبار دلالت کرتے ہیں کہ جن کی تفصیل کی گنجائش اس خط میں نہیں ہے۔ **بیت:-**

دراں روز کس فعل پرسند وقول — اولوالعزم را دل بلرزد رہول

بجائے کہ دہشت خورد انبیاء — تو عذرِ گنہ راچہ داری بیا

خدا ترس تو ایسے ہوتے ہیں جیسے جناب **سید بن طاؤس** علیہ الرحمہ تھے کہ باوجود اپنے اس کمال واستعداد کے مدۃ العمر اجتہاد نہیں کیا کہ مبادا کوئی فتویٰ غلط ہو جائے اور لوگ اس پر عمل کریں۔ خداوند عالم کے اوپر افترا کرنا اور امر غلط کی نسبت دینا اعظم ترین گناہ ہے پس آپ کو بھی چاہئے کہ طریقہ احتیاط کا خاطر رکھئے اور روز قیامت مظلوموں کے جواب دینے سے ڈریئے خصوصاً وہ غیر مکلف بچے جن کی طرف ابھی احکام شرعیہ متوجہ بھی نہیں ہوئے ہیں اور جن کے مطلق **رُفِعَ الْقَلَمُ عَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَبْلُغَ** (یعنی نابالغ بچہ جب تک بالغ نہ ہو جاوے مرفوع القلم ہے) وارد ہے۔ جب روز قیامت اپنے خون کا مطالبہ کریں گے تو ان کا کیا جواب دیجئے گا؟ **شعر**

بجرم عشق مرا گر کشتی چہ خواہی گفت — جواب خونِ رقیباں کہ بے گناہانند

بہر حال:-

مرا مراد ازیں جملہ نیک خواہی تست — دگرنہ زیں ہمہ گستاخیم چہ مقصود است

چونکہ تمام عالم میں فسادات محض دنیاوی اغراض کی جہت سے ہوا کرتے ہیں اس لئے صاحبان علم وفضل کو چاہئے کہ اس سے منزہ ہوں۔ بعد مدت کے فاضل ماوراء النہر حوالی مشہد مقدس میں آئے تھے انہیں چاہئے تھا کہ فقرائے مشہد مقدس کو اپنے پاس بلاتے ان پر مہربانی کرتے۔ اگر فقراء بادشاہ فریدوں جاہ کی خدمت میں جانے کے قابل نہ تھے تو علماء کی خدمت میں تو وہ

حاضر ہوسکتے تھے اورانہیں کے ذریعہ سے ممکن تھا کہ بادشاہ تک رسائی ہوسکتی یا بادشاہ کی مہربانیاں اُن سے متعلق ہوسکتیں۔ افسوس ہیکہ بجائے اس کے علماء ہی نے قتل کا فتوئی دے دیا۔ بارک اللہ۔ عظم اللہ اجورکم واصلح امورکم شعر

مکن مکن کہ رہ جوررا کنارہ نہ باشد　　مکش مکش کہ پشیماں شوی وچارہ نہ باشد

تُون

صاحب معجم لکھتے ہیں کہ ایک شہر ہے خطہ قہستان خراسان میں قائن کے نزدیک مخفی تر ہے کہ اہل **تُون** زمانۂ قدیم سے شیعہ امامیہ اثناء عشریہ تھے اور اہل قائن اکثر قہستان کے شہر اوائل زمانہ میں شیعہ اسمعیلیہ تھے اور نزادی قہستانی جنہوں نے اپنا تخلص بعض بادشاہاں اسمعیلی کے نام پر رکھا ہے وہیں کے رہنے والے تھے اور خود بھی اسمعیلی تھے لیکن مدت کے بعد علمائے کرام کے مواعظ کی برکت سے سب نے مذہب اثناعشری اختیار کرلیا اور خصوصاً قائن کہ جب سے سید اجل زاہد امیر عبداللہ وہاں تشریف لے گئے مذہب تشیع کی طرف راجع ہوا یہاں تک کہ اب تو تشیع وہاں کے درودیوار پر چمک رہا ہے۔

سبزوار

صاحب معجم کہتے ہیں کہ یہ خطہ **بیہق** کا دارالسلطنت ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس کا دارالسلطنت **خسروجرد** ہے بہر حال وہاں سے بہت کثرت کے ساتھ علماء وفضلاء وفقہاء نکلتے ہیں لیکن باوجود اس کے وہاں کے اکثر رہنے والے رافضی المذہب اور غالی ہیں وہاں کے مشہورین میں سے کہ جو متہم برفض ہیں امام **ابوبکر احمد بن حسین البیہقی** ہیں جن کی تصنیفات بہت مشہور ومعروف ہیں یہ کلام صاحب معجم کا تھا اور اس سے پہلے حالات **قم** میں صاحب معجم کی زبانی وہ قصہ بھی مذکور ہوچکا ہے جو بعینہٖ **سبزوار** کے بارے میں بھی دوسروں نے نقل کیا ہے یعنی کسی کا **ابوبکر** نام نہ ہونا اور مولوی روم نے اپنی مثنوی میں سبزوار ہی کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

سبزواراست این جہانِ بے مدار　　ماچو **بوبکریم** دروے خوار وزار

لیکن اس حقیر نے جس زمانہ میں بغرض تحصیل علوم مشہد مقدس میں ساکن تھا وہاں کے بعض معتبرین سے سنا ہے کہ جب کمال الواعظین مولانا **حسین کاشفی** سبزواری اپنے بعض مصالح دنیویہ کی غرض سے ہرات گئے اور وہاں میر علی شیر کی صحبت میں گرفتار ہوئے اور ملاّ جامی کے داماد ہوگئے تو اہل سبزواران

سے بدگمان ہوگئے جب وہ مدتوں کے بعد اپنے وطن میں واپس آئے تو ان لوگوں نے ان کا امتحان لینا شروع کیا چنانچہ ایک روز وہ وعظ کہہ رہے تھے کہ ایک مرد پیر عصا لے کر ممبر کے پاس کھڑا ہوا اتفاقاً مولانا نے بیان کیا کہ جبرئیل جناب رسول خداؐ صلعم پر بارہ ہزار مرتبہ نازل ہوئے ہیں اس بڈھے نے پوچھا جناب امیر علیہ السلام پر کتنی مرتبہ نازل ہوئے ہیں مولانا کو سخت تردد ہوا کہ کیا جواب دیں اگر کہتے ہیں کہ نازل نہیں ہوئے تو اہل سبزواران کو سنی سمجھ ہی رہے ہیں وہ بہت بری طرح سے پیش آویں گے اور یہ بڈھا اپنے عصا کو بغیر ان کے خون سر سے رنگے ہوئے نہ چھوڑے گا اور اگر کہتے ہیں نازل ہوئے تو اس کی کوئی روایت ان کی نظر میں نہ تھی آخر کار ذہانت سے انہوں نے جواب دیا کہ چوبیس ہزار مرتبہ بڈھے نے کہا کہ میری خوشامد سے کہہ رہے ہو یا کوئی دلیل بھی ہے۔ مولانا نے جواب دیا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ''انا مدینۃ العلم وعلیٌّ بابھا'' یعنی میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں جو شخص شہر میں جائے گا دروازہ سے جائے گا اور پھر جب واپس ہوگا دروازہ ہی سے واپس ہوگا لہٰذا اگر رسولؐ کی خدمت میں بارہ ہزار مرتبہ گئے تو جناب امیر علیہ السلام کی خدمت میں چوبیس ہزار مرتبہ حاضر ہوئے۔

مترجم کہتا ہے کہ ملاّ حسین کاشفی مذکور کا تشیعہ ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ ان کے سنی ہونے کی شہرت بہت زیادہ ہے اور محض سبزواری ہونا شیعہ گری کی دلیل نہیں ہوسکتی۔

نیشاپور

مشہد مقدس سے دس فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے اور جناب امام رضا علیہ السلام کئی مرتبہ اس شہر سے گذرے ہیں اور حضرت کے فیض سے تو تشیع وہاں کے در ودیوار پر روشن وتاباں نظر آتا ہے اور بہت علماء ومجتہدین امامیہ وہاں پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے مذہب امامیہ میں بڑی بڑی کتابیں تصنیف کی ہیں کتاب **نزہت القلوب** میں لکھا ہے کہ پہلے اس شہر کو **تہمورث دیوبند** نے آباد کیا تھا پھر ازدشیر بابکان نے اصلی شہر سے تھوڑی دور علیحدہ ایک شہر آباد کیا اس زمانہ میں اس کا بیٹا **شاپور** حاکم **خراسان** تھا اس نے باپ سے اس شہر کی حکومت بھی طلب کی لیکن اس نے انکار کیا آخر جب خود بادشاہ ہوا تو اس نے اس کو پھر سے آباد کیا اور اس کا نام اپنے نام پر نیشاپور رکھا اور **ذوی الاکتاف** نے اس شہر کی آبادی میں اور زیادتی کی آخر زمانہ **طاہریان** تک ملک **خراسان** کا دارالسلطنت **بلخ** اور مرو رہا کئے لیکن بنی لیث کی سلطنت کے زمانہ میں نیشاپور دارالسلطنت ہوگیا ۶۰۵ھ میں یہ شہر زلزلہ کی وجہ سے خراب ہوگیا تب اس کے قریب دوسرا شہر آباد ہوگیا جس کا نام **شادجنان** رکھا گیا جس کا محیط چھ ہزار نوسو قدم) کا تھا لیکن ۶۷۹ھ میں پھر زلزلہ آیا وہ شہر پھر تباہ ہوگیا تب اس شہر کی بناء ہوئی جو اس وقت خراسان کے مشہور شہروں میں سے ہے۔

جو حضرات بادشاہانِ بنی لیث کے عقائد سے واقف ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ ان لوگوں کی سلطنت کے سبب سے نیشاپور میں مذہب شیعہ کا بڑا رواج ہوا چنانچہ مجلس سلاطین میں اس کا ذکر آوے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

مشہد مقدس رضوی

دراصل یہ ایک گاؤں تھا سناباد لیکن حضرت کے روضۂ مبارک کی وجہ سے تھوڑے ہی دنوں میں خراسان کے بہت بڑے شہروں میں ہوگیا اور شہر **طوس** جو اس کے قریب ہی تھا بالکل نیست و نابود ہوگیا۔ وہاں کے رہنے والے سادات رفیع الدرجات موسوی و رضوی کثرت سے ہیں ان کے علاوہ اور ساکنین بھی سب دین نبوی اور مذہب مرتضوی کے پیرو ہیں بادشاہ صاحب قرآن مغفور کے زمانہ میں اس شہر کو جو رونق حاصل ہوئی وہ محتاج بیان نہیں ہے حضرت کی زیارت کی فضیلت کے متعلق جو احادیث وارد ہیں وہ بکثرت ہیں اور کتب زیارات میں مذکور ہیں جس کا جی چاہے دیکھ لے۔

سیستان

صاحب معجم کہتے ہیں ک سیستان کا معرب سجستان ہے اور یہ ایک بڑے خطہ کا نام ہے جو **ہرات** کے جنوب میں واقع ہے وہاں کی اکثر زمین پتھریلی و ریگستانی ہے اور اکثر تیز ہوائیں چلا کرتی ہیں وہاں کی چکیاں پانی کے زور سے چلا کرتی ہیں۔ خرمے کی پیداوار بے شمار ہوتی ہے باشندے شجاعت وہمت میں مشہور ہیں یہاں تک کہ کوچہ بازار میں بھی بغیر ہتھیار کے راہ نہیں چلتے اور اہل بازار خوش معاملگی میں معروف ہیں خرید و فروخت میں ایک رتی کی کمی نہیں کرتے۔ مظلوموں کی دادرسی اور کمزوروں پر مہربانی کرنے کا خاص طور پر رواج ہے۔

وہاں کے باشندے امر بمعروف کرنے کے ایسے عادی ہیں کہ اگرچہ اس میں ان کو کیسی ہی سختیاں پیش آئیں اور جنگ کرنی پڑے لیکن باز نہیں آتے منجملہ ان لوگوں کے فضائل کے ایک بڑی فضیلت یہ ہے جو ذہبی **شامی** نے اپنی کتاب میزان میں ذکر کی ہے کہ جب بادشاہاں بنی امیہ نے اپنی تمام سلطنت میں حکم دے دیا تھا کہ حضرت امیر المومنین **علی** علیہ السلام پر تبرا کہا جاوے تو اہل **سیستان** نے اس حکم کو قبول نہیں کیا یہاں تک کہ اپنے عہد نامہ میں جو بادشاہان بنی امیہ میں سے ہوا یہ شرط بھی داخل کی کہ ہم لوگ حضرت **علی** علیہ السلام کو برا نہ کہیں گے۔

اگر بنظر غور دیکھا جائے تو یہ شرف ان کے لئے بہت کافی ووافی ہے وہاں کے مشاہیر میں سے **جریر بن عبداللہ** ہیں جو حضرت امام **جعفر صادق** علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور خلید سجستانی جنہوں نے تاریخ آل محمد علیہم السلام تصنیف کی ہے وہیں کے رہنے والے تھے۔

کشمیر

اشرف الفضلاء مولانا **شرف الدین** علی ایزدی نے اپنی کتاب **ظفر نامہ** میں لکھا ہے کہ **کشمیر** اقلیم چہارم کے درمیان میں واقع ہوا ہے اور وہ ایک مستطیل زمین ہے جو ہر طرف سے اونچے پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے اس کا جنوبی پہاڑ دہلی اور بعض دوسرے شہروں کی طرف ہے اور شمالی پہاڑ بدخشاں کی جانب اور بعض مواضع خراسان کی طرف ہیں اور غربی پہاڑ ان مقامات سے ملے ہیں جو قوم افغان کے رہنے کی جگہیں ہیں اور شرقی پہاڑ زمین تبت سے متصل ہے اس کے میدان کا طول شرق سے غرب تک قریب چالیس فرسخ کے ہے اور جنوب سے شمال تک قریب بیس فرسخ کے ہے اور اس زمین ہموار پر تقریباً دس ہزار قریہ آباد ہیں اور بہت سے چشمے آب شیریں کے جاری ہیں اور بہت اچھی سیر گاہیں اور سبزہ زار ہیں اور وہاں کے باشندوں کا بیان ہے کہ زمین ہموار اور کوہستان ملا کر ایک لاکھ موضع ہیں جس میں زراعت کی جاتی ہے۔ وہاں کی آب وہوا کی خوبی اس سے ظاہر ہے کہ وہاں کے لوگ نہایت حسین وخوبصورت ہوتے ہیں یہاں تک کہ ان کی خوبصورتی ضرب المثل ہوگئی ہے اور شعرا نے طرح طرح سے نظم کیا ہے چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:۔ **رباعی**

شاہِ ہمہ دلبراں کشمیر توئی خرم دل آن سیاہ کش میر توئی
آں حور کہ روح راسزدکش گویند کاندر کفِ پاے نازکش میرتوئی

اور کوہ و دشت **کشمیر** میں طرح طرح کے اشجار میوہ دار اور اثمار شیریں وخوشگوار بیحد و بیشمار ہیں اگرچہ بسبب زیادتی سرما کے میوہ ہائے گرم مثل نارنج ولیمو وخرما وغیرہ نہیں پیدا ہوتے لیکن وہ بھی نزدیک کے گرم ملکوں سے لائے جاتے ہیں۔ اس ملک میں ایک شہر ہے جس کا نام نفر ہے جو وہاں کا پایہ تخت ہے اور مثل دجلہ و بغداد کے ایک بڑا دریا شہر میں جاری ہے اور تعجب یہ ہے کہ اس قدر زیادہ پانی ایک ہی چشمہ سے بہہ کر آیا ہے کہ جس کا منبع اس ملک میں ہے اور اہل کشمیر نے اس دریا پر تقریباً پچاس پل باندھے ہیں جن پر آمدورفت کا راستہ بہت وسیع اور کشادہ ہے تقریباً پل صرف شہر **نفر** میں یہ دریا کشمیر سے گزر کر جب اور مقامات پر پہونچتا ہے تو ان مقامات کے لحاظ سے کہیں اس کا نام ندانہ اور کہیں **جمنا** مشہور ہے اور یہ ملتان کے اوتر سے دریائے خیار میں ملتا ہے اور حدود سندھ میں پہونچ کر بحیرہ عمان میں گرتا ہے یہ

خداوندعالم کی صنعتیں ہیں کہ اس نے اتنے بڑے وسیع ملک کے گرد پہاڑوں کی شہر پناہ بنادی ہے۔ تاکہ وہ لوگ دشمنوں کے حملے سے محفوظ رہیں اور غیر قومیں ان کے انتظام میں خلل نہ ڈال سکیں۔ اس ملک سے باہر جانے کے لئے تین بڑے راستے ہیں اول خراسان کی طرف جو ایک نہایت تنگ اور دشوار گذار راہ ہے اس راستے سے چوپائے اسباب لیکر نہیں جاسکتے۔ دوسرا ہندوستان کی طرف ہے اور وہ بھی ایسا ہی ہے جو لوگ اسباب لیکر جاتے ہیں تو راستہ میں بہت سے مقامات ایسے پیش آتے ہیں جہاں اسباب اپنی پشت پر لاد کر چلنا پڑتا ہے اور بڑی مسافت طے کرنے کے بعد چوپایوں پر رکھا جاسکتا ہے۔ تیسرا راستہ تبت کی طرف ہے وہ اگرچہ ان دونوں راستوں سے وسیع ہے لیکن راہ میں زہریلی گھاس بہت اُگی ہے جس کے سبب سے جانور ہلاک ہوجاتے ہیں اور کوئی قوم اپنی سواریوں کے ساتھ اس طرف سے نہیں گذر سکتی۔

صاحب معجم البلدان نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں ایک شہر ہے جس کا نام کشمیر ہے وہ شہر ایک طرف قوم ترک سے متصل ہے اور ان کی نسل بھی ترکیوں سے مخلوط ہوگئی ہے اسی سبب سے وہاں کے لوگ خوبصورتی میں بہترین خلق خدا ہیں ان کی عورتوں کی خوبصورتی ضرب المثل ہے جن کی ایک کنیز دوسو اشرفیوں کی بکتی ہے مخفی نہ رہے کہ مذہب اہل کشمیر کے حالات مجھے کسی کتاب سے نہیں معلوم ہوئے بلکہ میں نے خود جب میرا گذر اس ملک سے ہوا ہے تحقیق کئے ہیں کہ وہاں کے رہنے والے تو مسلم ہیں اور اب تک بہت سے باشندے کافر بھی ہیں جب سے سید اجل محمدؐ بن سید علی ہمدانی نے اس ملک میں رہنا شروع کیا وہاں کے لوگ شیعہ ہونے لگے ان کے بعد میر شمس عراقی جو شاہ قاسم نور بخش کے خلفاء میں سے تھے کشمیر میں آئے ان کے آنے سے مذہب شیعہ کا رواج اور زیادہ ہوا وہاں کے اکثر فوجی لوگ مثل گروہ دونا اور گروہ ماکریان اور گروہ وانگرو غیرہ کے کلیتہً شیعہ ہیں اہل شہر میں سے محلہ حسن آباد اور محلہ روبیل کے رہنے والے سب کے سب شیعہ ہیں اسی طرح سے بابا علی کی اولاد جو خلفائے میر شمس میں سے تھے اور ان کے مریدوں کا کثیر گروہ شیعہ ہے وہاں کے قصبوں میں سے قصبہ شہاب الدین پور بہترین قصبات سے ہے اور وہاں کے رہنے والے بھی سب شیعہ فدائی ہیں۔ وہاں کے پرگنوں میں سے پرگنہ بسو ہے کہ جس میں دوسو گاؤں ہیں سب کے سب شیعہ ہیں اور دوسرے پرگنوں میں بہت سے متفرق گاؤں ہیں کہ جہاں کے باشندے شیعہ ہیں جن کی تفصیل میں طوالت ہے۔

تبت

کشمیر کے قریب دو ملک ہیں جن کا تبت ہے ایک بڑا تبت جہاں کے رہنے والے سب کافر ہیں اور دوسرا چھوٹا ۱۰۰۰ھ میں امیر علی رائے تبت میں گئے جو اب تک وہیں ہیں انہوں نے بتوفیق خداوندی تبت کو فتح کرلیا اور وہاں کے بہت خانہ توڑ ڈالے اور روسائے کفار کو قتل کیا اور اموال وخزائن پر قبضہ کیا۔ وہاں کے باشندے جب سے میر شمس مذکور وہاں پہونچے مسلمان ہوگئے اور سب کے سب یعنی حاکم وسپاہی ورعایا مذہب شیعہ اثنا عشری رکھتے ہیں اور تشیع میں اس قدر مضبوط ہیں کہ اگر سنّیان کشمیر میں سے کوئی وہاں پہونچ جاتا ہے تو اس سے جزیہ لیتے ہیں اور باوجود اس کے کہ سلطنت ہندوستان کے جوار میں واقع ہے خطبہ میں نام بادشاہ عالیجاہ ایران کا لیتے ہیں اس ملک میں بھی سرد ملکوں کے تمام میوے پیدا ہوتے ہیں اور مشک بھی بکثرت ہوتا ہے اور سونے اور بلور کی کانیں ہیں

واللہ اعلم بحقیقۃ الحال والیہ المرجع والمآل والصلوٰۃ علی رسولہ المقال وعترہٖ خیر عترۃٍ وآل مالمع او طلع ہلال:.

تمام شد مجلس اول

مدتوں سے آرزو تھی دل میں جس کی آج وہ
گوہر نایاب ہاتھوں ہاتھ بڑھکر لیجئے
فضل حق سے مجلس اوّل چھپی اے مومنین
قدر اس کی حوصلہ افزائی میری کیجئے

☆☆☆☆☆

مجلس دوم

اُن قوموں کے حالات میں جو سلک اہل ایمان میں ہیں اَلْاَوْسُ وَالْخَزرجَ یہ دونوں انصار کے بڑے قبیلے ہیں جن کا حال بسبب زیادتی اشتہار کے محتاج اظہار نہیں ہے اور تشیع ان دونوں گروہوں کا خصوصاً رئیس خزرج سعد بن عبادہ اور ان کی اولاد امجاد کی محبت حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ مشہور معروف ہے۔ قاضی میر حسین شافعی کہتے ہیں کہ سعید بن جُبیر نے روایت کی ہے کہ جب جناب علی مرتضیٰؑ معاویہ سے لڑنے کیلئے تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ نوے ہزار فوج تھی جن میں آٹھ سو انصار تھے اور نو سو ایسے لوگ تھے جو بیعت رضواں میں شریک تھے اور حضرت نے اپنے اشعار میں ان لوگوں کی مدح وثنا فرمائی ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

الاوسُ والخرزجُ القوم اللذینھم اَوو   فـــاعـــوا فـــوق مـــاوھـــبـــو

یعنی قبیلہ اوس وخزرج وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو جگہ دیتے ہیں اور اس قدر عطا کرتے ہیں کہ جتنا انہیں خود نہیں ملا ہے۔

بنو حنیف

صحرائی عربوں کا ایک گروہ ہے جو زمانہ رسالت مآب صلعم میں مسلمان ہوئے اور ان کے رئیس القوم **مالک بن نویرہ** تھے جو بادشاہوں کے ہم صحبت اور اپنے زمانہ کے بہادروں اور فصیح البیانوں میں مشہور تھے اور جناب رسالت مآب صلعم کی صحبت سے مشرف ہوئے معہ اپنی قوم کے محبان اہل بیتؑ میں سے تھے جب **مالک** نے سنا کہ لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ بنایا ہے تو انہیں پسند نہیں آیا وہاں سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اتفاقاً جمعہ کے دن مدینہ میں پہونچے مسجد میں آئے تو یہ دیکھا کہ ابوبکر جناب رسالت مآب کے ممبر پر خطبہ پڑھ رہا ہے پس یہ ابوبکر سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ:۔ اے ابوبکر اپنی حد سے نہ بڑھ اور اپنے اوپر ایسا بوجھ نہ لاد جو تجھ سے نہ اٹھ سکے اپنے گھر میں جا کسی گوشہ میں بیٹھ اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ اور حق کو صاحب حق کے سپرد کردے کیا تجھ کو خدا سے شرم نہیں معلوم ہوتی؟ کہ تو

ایسی جگہ بیٹھا ہے جہاں پر خدا اور رسول صلعم نے دوسرے کو معین کیا ہے کی تو **علی ابن ابی طالب علیہ السلام** پر امیر المومنینؑ کے ساتھ سلام کرنا بھول گیا۔''

اس کے بعد مہاجرین وانصار سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ اے مہاجرین وانصار اگر تم حق کو اس کے مرکز اصلی تک نہ پہونچاؤ گے تو بڑی سختی اُٹھاؤ گے۔

جب ابوبکر نے یہ باتیں سنیں تو کہا خاموش رہ تو سابقین اسلام میں سے نہیں ہے اور تو نے اسلام میں جہاد نہیں کیا ہے۔

مالک نے کہا کہ تمہیں نے کون سا بڑا جہاد کیا ہے جو دوسروں پر طعن کرتے ہوئے ہمیشہ آل تیم جاہلیت واسلام میں ذلیل درذلیل اور دوسری قوموں کے مطیع رہے۔

جب ابوبکر نے یہ باتیں سنیں تو حاضرین سے مخاطب ہوکر کہا کہ ''اس اعرابی کو یہاں سے نکال دو'' لوگ مالک پر ٹوٹ پڑے اور ان کو مسجد سے باہر کردیا۔ لیکن وہ لوگوں کو جب بھی ڈرائے جاتے تھے۔

جب ابوبکر نماز سے فارغ ہوے اپنے گھر گئے اور **خالد** بن ولید کو بلا بھیجا۔

خالد ومالک کے درمیان میں زمانہ جاہلیت سے عداوت تھی۔ **ابوبکر** نے **خالد** سے کہا کہ جتنے لوگوں کو چاہو اپنے ہمرہ لے جاؤ اور مالک بن نویرہ کو زکوۃ نہ دینے کے بہانہ سے قتل کردو اور ان کی قوم کو اسیر کرکے لے آؤ اس لئے کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ لوگ امر خلافت میں خلل انداز نہ ہوں پس **خالد** ایک سو سواریوں کے ہمراہ قوم **بنی حنیف** کے پاس پہونچا لیکن ان سے مقابلہ کی طاقت نہ پائی اس لئے کہ مالک ایک نہایت مرد دلیر اور شجاع تھے خالد نے کہا کہ میں دوسری جگہ جارہا ہوں تمہارے یہاں بطور مہمان کے وارد ہوا ہوں، جب مالک نے یہ سنا تو اس کی ضیافت اور مہمان داری میں مشغول ہوئے جب سب سو گئے تو خالد تلوار لیکر اٹھا اور مالک کو فرش خواب پر قتل کر ڈالا اور پھر اپنے لشکر کو آواز دی وہ سب کے سب فوراً سوار ہوئے اور اس قوم کو قتل کرنے لگے اور عورتوں اور بچوں کو اسیر کرلیا اور انکا مال لوٹ لیا اور خالد نے اسی شب مالک علیہ الرحمہ کی زوجہ کے ساتھ زنا کیا۔

چون کہ زمانۂ جاہلیت میں مالک اور عمر ابن الخطاب سے دوستی تھی جب ان کے قتل ہونے کی خبر عمر کو پہونچی تو وہ مسجد میں آئے خالد اپنے وہی جنگی کپڑے پہنے ہوئے بہت فخر کے ساتھ مسجد میں ٹہل رہا تھا۔ جن کپڑوں پر زرہ کا زنگ جابجا بھرا ہوا تھا عمر نے کہا کہ ''اے دشمن خدا ریاکاری سے کام کرتا ہے اور پھر مسجد رسول خدا میں متکبرانہ ومستانہ چلتا ہے؟ حالانکہ تو نے ایک مرد مسلمان پر ظلم کیا اور اس کو دھوکے سے قتل کیا اور اس کی زوجہ کے ساتھ زنا کا مرتکب ہوا۔

خالد کے عمامہ پر بہت سے تیر لگے ہوئے تھے عمر نے ان سب کو نوچ کر پھینک دیا اور اس کو

مسجد سے باہر نکال دیا اور کہا اگر مجھے قدرت ہوئی تو میں مالک کے عوض میں تجھ کو یقیناً قتل کروں گا۔

خالد مسجد سے روتا ہوا ابوبکر کے پاس آیا اور ماجرا بیان کیا ابوبکر نے عمر کو بلا کر نصیحت کی کہ خالد کو اس معاملہ میں ملامت نہ کرو اس نے جو کچھ کیا ہے میرے حکم سے کیا ہے اور مصلحت اسی میں تھی۔ عمر نے پھر کچھ نہیں کہا یہاں تک کہ جب خود خلیفہ ہوا تو ارادہ کیا کہ خالد کو قتل کر دے وہ بھاگ کر شام چلا گیا اور وہیں مر گیا۔ شیخ فاضل محمد بن ابی جمہور نے کتاب جمع الجمع میں دعبل بن علی خزاعی سے روایت کی ہے کہ امام رضا علیہ السلام سے میں نے سنا اور حضرت نے اپنے جد بزرگوار سے اور انہوں نے اپنے جد سے روایت کی ہے کہ ایک روز سب شیعہ کہ جن میں جابر بن یزید جعفی بھی تھے امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت سے پوچھا کہ آیا آپ کے جد بزرگوار علی مرتضٰی علیہ السلام اول ثانی کی امامت پر راضی تھے؟ حضرت نے فرمایا کہ نہیں۔ ان لوگوں نے عرض کی کہ پھر خولہ حنفیہ کو جسے ان لوگوں نے اپنے طریقہ سے اسیر کیا تھا کیوں کنیزی میں لیا امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سوال کا جواب جابر انصاری سے پوچھنا چاہئے پس کسی کو بھیج کر انہیں بلا بھیجا اور یہی سوال کیا جابر نے کہا کہ میں اس وقت موجود تھا جب خولہ کو اسیروں کے ساتھ مسجد رسولؐ میں لائے ہیں۔ جب نظر خولہ کی قبر اقدس پر پڑی تو انہوں نے کہا کہ السّلام علیکَ یا رسولَ اللہ! ان لوگوں نے جو آپ کی امت میں سے ہیں مجھے مثل رومی و دیلمی لوگوں نے اسیر کیا ہے اور میرا کوئی گناہ سوائے آپ کے اہل بیت کی محبت کے نہیں ہے پھر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا "مجھے کیوں اسیر کیا باوجودیکہ میں کلمہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتی ہوں ابوبکر نے کہا کہ اس وجہ سے کہ تم نے زکوٰۃ نہیں دی خولہ نے جواب دیا کہ اگر مردوں نے ایسا کیا بھی ہو تو عورتوں کا کیا گناہ؟ لیکن باوجود ان سب باتوں کے کسی نے اعتنا نہیں کی اور ان عورتوں کو مثل کنیزوں کے اپنے اوپر حلال قرار دے لیا لیکن حضرت امیرؑ نے خولہ بنت جعفر کو جو مادر محمد حنفیہ ہیں بموجب اس کرامت کے جو کتابوں میں مذکور ہے ان لوگوں سے لے لیا اور ان کے ساتھ نکاح کیا۔

حاصل کلام ہے کہ مالک کا قتل ہونا اور ان کی قوم اور عورتوں اور بچوں کا اسیر کرنا بسبب منع زکوٰۃ کے نہ تھا بلکہ دراصل بسبب محبت جناب امیر علیہ السلام اور مخالفت خلافت ابوبکر کے تھا جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے اور ان کے قتل سے اصل مطلب حضرت امیرؑ کے آعوان و انصار کا کم کرنا تھا۔ چنانچہ بہت سے ایسے گروہ جن پر ابوبکر نے مرتد ہونے کی تہمت رکھی اسلام میں ثابت قدم تھے لیکن ابوبکر کی خلافت سے انکار کرتے تھے اور خلافت اہل بیتؑ رسالت کے طالب تھے چنانچہ احمد بن عاثم کوفی نے جنگ حضر موت کے بارے میں حارث بن سراقہ وغیرہ کے متعلق نقل کیا ہے کہ جب ابوبکر نے مسیلمہ کذاب کے قتل

کرنے کے بعد زیاد بن لبید انصاری کو اپنی بیعت لینے کے لئے اہل حضر موت اور اہل کندہ و حنین کے پاس بھیجا تو ان قبیلوں میں سے بعض نے کہ جو مثل اشعث بن قیس کے جو بادشاہان کندہ میں سے تھا خلافت ابوبکر کو قبول نہیں کیا اور کہا کہ جب تمام مسلمان ابوبکر کی خلافت پر متفق ہو جائیں گے تو ہم بھی موافقت کریں گے لیکن بعض قبائل نے زیاد بن لبید کی باتوں میں آ کر بیعت کر لی کچھ دنوں کے بعد زیاد نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ اے مسلمانو! صدقات جمع کرو تا کہ صدیق کے پاس بھیجوں اس لئے کہ وہاں بہت بڑا لشکر ہے جس کے اخراجات بکثرت ہیں اور خداوند عالم نے مرتد لوگوں کو سزا دی ہے۔

لوگوں نے صدقات فراہم کرنا شروع کئے ایک جوان نے آ کر کہا:۔ میں اپنے اس اونٹ کو دوست رکھتا ہوں اسے نہ لو میں اس کے عوض میں اس سے بہتر اونٹ دوں گا لیکن زیاد نے قبول نہیں کیا اس جوان کا نام معاویہ بن یزید مغیری تھا وہ حارث بن سراقہ کے پاس گیا جو وہاں کے روساء میں سے تھے اور کہا کہ آپ زیاد سے میری شفارش کریں کہ وہ اونٹ مجھے واپس دیدے حارث زیاد بن لبید کے پاس آئے اور کہا کہ یہ اونٹ اس جوان کو واپس کر دو۔ یہ امر کوئی مشکل نہیں ہے لیکن زیاد نے قبول نہ کیا اور کہا کہ اس اونٹ پر داغ لگایا جا چکا ہے اب اس کا واپس کرنا جائز نہیں ہے حارث کو غصہ آیا اور اس جوان کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے اونٹوں کے پاس گئے اور کہا کہ اپنا اونٹ کھول لو۔ اور میرے سامنے اپنے گھر چلے جاؤ! اگر اس بارے میں کوئی دخل دیگا تو میں اس کا مغز سرناک کے راستہ سے گرا دونگا ہم لوگ خدا کے حکم سے اس کے رسول صلعم کے مطیع تھے لیکن ان کو خدا نے بلا لیا اگر ان کے اہل بیت میں سے کوئی ان کی جگہ پر ہوتا تو ہم ان کی طاعت کرتے ابوقحافہ کے بیٹے کو کیا حق ہے کہ وہ ہم پر حکومت کرے اس کو ہم سے کیا مطلب؟ اور اسی مضمون میں ایک شعر بھی کہا:۔ کہ جس میں محبت اہل بیتؑ کا اقرار اور ابوبکر سے بیزاری کا اظہار کیا تھا وہ شعر لکھ کر زیاد کے پاس بھیج دیا۔ زیاد یہ حالت دیکھ کر نہایت خوف زدہ ہوا اور معہ اپنے ساتھیوں کے مدینہ کی راہ لی وہاں سے دو منزل جانے کے بعد کچھ اشعار لکھ کر حارث کے پاس بھیجے جس میں اس کو ڈرایا تھا۔ پھر زیاد وہاں سے قبیلۂ بنی زبیدہ میں گیا اور بنی کندہ کی شکایت کی اور ابوبکر کی اطاعت کی طرف رغبت دلائی۔ ان لوگوں نے بھی کہا کہ اے زیاد! تو ہم لوگوں کو ایسے شخص کی اطاعت کی طرف کیوں بلاتا ہے جس کے بارہ میں پیغمبر صلعم نے کوئی وصیت نہیں کی زیاد نے کہا کہ یہ سچ ہے لیکن تمام مسلمانوں نے اس کو پسند کر لیا ہے ان لوگوں نے جواب دیا کہ اگر اجتہاد ہی پر دارومدار تھا تو اہل بیتؑ رسول صلعم کو درمیان سے کیوں نکال دیا اس لئے کہ یہ حق انہیں کا تھا جیسا خداوند عالم نے فرمایا ہے:۔

"وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللہ" یعنی کتاب خدا میں بعض قرابت دار وارث ہونے میں اولیٰ ہیں۔

زیاد نے کہا کہ مہاجر و انصار امر شریعت میں تم سے زیادہ واقف ہیں ان لوگوں نے کہا کہ
:۔ ''خدا کی قسم ان لوگوں نے حسد کیا اور مستحق سے حق غصب کر لیا ہمیں یقین ہے کہ رسول اللہ صلعم بغیر
اپنے اہل بیتؑ میں سے کسی کو مقتدا قرار دئے ہوئے دنیا سے نہیں گئے اب تم ہمارے قبیلہ سے چلے جاؤ ہم
ہرگز تمہاری دعوت قبول نہ کریں گے'' یہ تمام مضمون **عاثم کوفی** نے اپنی کتاب فتوح میں ذکر کیا ہے۔

اور بعض روایات میں مذکور ہے کہ جب ابوبکر نے مالک سے زکوٰۃ طلب کی تو انہوں نے کہلا
بھیجا کہ پیغمبر صلعم نے ہمیں حکم نہیں دیا ہے کہ ہم تمہیں زکوٰۃ دیں اور نہ تمہیں کو طلب کرنے کا حکم دیا ہے پس
تم ہم سے ایسی چیز کیوں طلب کر رہے ہو جسکی اجازت تمکو خدا اور رسولؐ کی طرف سے نہیں ہے؟

ابوبکر نے جب کوئی جواب نہ پایا تو ان لوگوں کا نام اہل ردہ یعنی مرتد کہا اور اسی بہانہ سے خالد
کو فوج دیکر بھیجا کہ اس نے ان کے مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو قید کیا اور **شیخ بن حجر عسقلانی** نے
کتاب اصابہ میں لکھا ہے ''جناب پیغمبر خدا نے مالک بن نویرہ کو عامل صدقات قرار دیا تھا کہ وہ اپنی قوم سے
صدقات وصول کر کے بھیجا کریں جب آنحضرتؐ کی وفات اور ابوبکر کی خلافت کی خبر مالک کو پہونچی تو انہوں
نے صدقات موجودہ کو اپنی قوم پر تقسیم کر دیا جب خالد نے ان کو قتل کیا اور ان کی زوجہ پر متصرف ہوا اور ان کی قوم
کو اسیر کیا تو مالک کا بھائی ابوبکر کے پاس آیا اس بارے میں گفتگو کی ابوبکر نے قیدیوں کو واپس کر دیا''

اور **زبیر ابن بکار** نے روایت کی ہے کہ ابوبکر نے خالد کو حکم دیا کہ چونکہ تو مالک کی زوجہ پر حرام
سے متصرف ہوا ہے لہٰذا اب اسے چھوڑ دے۔ اور عمر نے اس بارہ میں خالد پر بہت سختی کی لیکن ابوبکر نے
خالد کو مغفور رکھا۔

اور **ثابت بن قاسم** نے روایت کی ہے :۔ کہ ''جب خالد نے مالک کی زوجہ کو دیکھا جو حسن
وجمال میں بے نظیر تھی تو مالک نے اپنی زوجہ سے کہا کہ تو میرے قتل کا باعث ہوئی میں تیرے ہی سبب سے
قتل کیا جاؤں گا۔

یہ تینوں روایتیں **ابن حجر** نے نقل کی ہیں۔ حاصل کلام :۔ چونکہ یہ ظلم بالکل کھلا ہوا تھا اس سبب
سے **عمر بن الخطاب** نے بھی خالد کو ملامت کی۔ اور یہ بھی روایت میں ہے کہ عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں
مالک کے ہم قوموں کو جمع کیا اور مسلمانوں کے پاس جو کچھ ان کا لٹا ہوا مال یا ان کے بچے اور عورتیں تھیں
واپس لیکر ان کے حوالے کیا۔

اور بعض روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ **عمر** نے اس بارے میں اسقدر اہتمام کیا کہ ان میں سے
بعض عورتوں کو جنہیں سرحد شستر پر لے گئے تھے اور وہ حاملہ بھی ہو گئی تھیں بلوا کر ان کے شوہروں کے
سپرد کیا۔ بہرحال ان دونوں میں سے ایک کا گناہ بغیر ثابت ہوئے نہیں رہتا یا تو ابوبکر نے گناہ کی اکہ

مسلمان عورتوں کو مثل کفار کی کنیزیں قرار دیکر لوگوں پر تقسیم کر دیا اور باعث بہت سے زناکاریوں کے
ہوے اور یا اگر ان کا یہ فعل صحیح مانا جائے تو عمر کا واپس کرنا خالی از گناہ نہیں ہو سکتا۔ اب دوستان ابوبکر و عمر
جس شق کو چاہیں اختیار فرمائیں اور اپنے ان دونوں متقداؤں میں سے جس کو چاہیں گنہگار قرار دیں۔

اور **یافعی** نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ صحابہ کے ساتھ حسن ظن رکھنا واجب ہے اور صحابہ کی
شان اس سے عالی ہے کہ ان سے ایسے امور قبیحہ سرزد ہوں لہٰذا اس کی تاویل کرنی چاہیئے۔ اس بنا پر خالد
کے حالات بیان کرنے میں جھوٹ کو جائز و مباح سمجھا ہے لیکن یہ نہ سمجھا کہ ہزار من لہسن کیلئے ایک قطرہ
چاشنی کافی نہیں ہے اگر خالد کے حالات بیان کرنے میں جھوٹ بول کر بات بنا بھی لی تو اور ہزاروں
واقعات کو کہاں تک درست کریگا۔

الغرض اس نے **خالد و مالک** کے واقعہ میں ایسی باتیں لکھی ہیں جن کا پتہ کتب تواریخ و سیر میں
کہیں نہیں ہے لیکن باوجود اس قدر دروغ گوئی کے بمصداق مثل ''دروغ گو را حافظہ نباشد'' آخر میں خود
ہی **واقدی** سے نقل کیا ہے کہ جب مالک کے قتل کرنے اور ان کی بیوی پر تصرف کرنے کی خبر مدینہ میں
پہونچی تو عمر نے ابوبکر سے کہا کہ خالد نے زنا کیا ہے لہٰذا اس کو سنگسار کرنا چاہیئے۔ ابوبکر نے کہا کہ میں
اس گناہ کے عوض میں خالد کو ہرگز نہ قتل کروں گا۔ ممکن ہے کہ اس نے اس باب میں کوئی تاویل کی ہو اور اس
تاویل کرنے میں خطا واقع ہو گئی عمر نے کہا کہ اچھا اس کو معزول ہی کر دو۔

ابوبکر نے جواب دیا کہ جس تلوار کو خدا نے غلاف سے نکالا ہے میں اسے نیام میں نہ رکھوں گا
اس کے بعد پھر **یافعی** نے **ابوزہیر** کے وہ اشعار بھی نقل کئے ہیں جو اس نے **خالد** کی مذمت میں کہے ہیں اور
جن کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ ''خالد نے اپنے کینۂ دیرینہ کے سبب سے مالک کو قتل کیا پس مالک شہید ہو
گئے اور ان کے بعد یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کون کریگا اور کون فقراء پر مثل مالک کے مہربانی کر سکتا ہے
جاننا چاہیئے کہ جس طرح سے خالد صحابی تھے اسی طرح سے مالک بھی صحابی تھے اور دونوں سابق الاسلام نہ
تھے اور دونوں میں سے کسی نے رسولؐ اللہ کے ساتھ جہاد نہیں کیا تھا چنانچہ صاحب **استیعاب** نے خالد کے
حالات میں لکھا ہے کہ ''قبل فتح مکہ کے وہ کسی لڑائی میں حاضر نہیں ہوا۔''

اور یہ بھی لکھا ہے کہ ''ایک مرتبہ جناب رسالت مآب صلعم نے خالد کو **غمیصا** جنگ کے لئے بھیجا
تھا وہاں کے لوگ صلح پر آمادہ تھے لیکن خالد نے زبردستی جنگ کی اور ان لوگوں کو قتل کیا جب رسالت مآب
صلعم کو خبر پہونچی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''اے اللہ میں خالد کے فعل سے بیزار ہوں'' پس اگر جناب
رسالت مآب صلعم نے خالد کو ایک خدمت پر مامور کیا تھا اور وہ اس کو صحیح طور پر انجام نہ دے سکا۔ یہاں
تک کہ رسولؐ اللہ اس سے بیزار ہوئے تو مالک کو بھی آپ نے چند سال تک عامل صدقات مقرر فرمایا تھا

اب وہ حضرت کی وفات تک اس خدمت کو صحیح طور پر انجام دیتے رہے لہٰذا خالد کے گناہوں کے بارے میں تاویلیں کرنا اور مالک کو خواہ مخواہ مرتد قرار دینا محض ناانصافی ہے۔ اور صاحب **اصابہ** اور علاوہ ان کے دیگر علمائے اہل سنت کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالک نے اصل زکوٰۃ کو نہیں روکا تھا بلکہ مال زکوٰۃ کو ابوبکر کو دینا نہیں چاہتے تھے اور اس کو حرام جانتے تھے یہی سبب تھا کہ مالک نے زکوٰۃ لیکر اپنی قوم کے فقراء پر تقسیم کر دی اگر اصل زکوٰۃ کو حرام جانتے تو چاہئے تھا کہ صاحبان مال کو واپس کرتے غرضکہ سب ان تاویلات کا سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ مالک حضرت امیر علیہ السلام کے دوست تھے اور خالد حضرت کا دشمن تھا جیسا کہ اہل انصاف پر پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ **شعر**

بے گماں گفتن تو باز نماید کہ تُرا ـــ بدل اندر غضب و دشمنی آل عبا است

اور شیخ عبدالجلیل رازی نے خوب ہی کہا ہے:۔ جس سینہ میں فرزند **ابو طالبؑ** کے بغض نے جگہ لے لی پھر اس میں توفیق ہدایت وسعادت واقبال وشریعت وکمال بصیرت وضیائے ایمان وغیرہ صفات حسنہ کے رہنے کی جگہ نہیں رہ جاتی۔ اور جو کچھ کرتا ہے وہ ریاکاری سے خالی نہیں ہوتا۔

تنبیہ:۔ جاننا چاہئے کہ حسن ظن خدائے تعالیٰ اور انبیاء اور اوصیائے معصومین علیہم السلام کے ساتھ رکھنا واجب ہے اس لئے کہ وہ معصوم ہیں ان سے جو فعل سرزد ہوگا وہ یقیناً بہتر ہی ہوگا اگر کوئی ایسی روایت ان کے متعلق ملے کہ جس میں کسی امر قبیح کی ان کی جانب نسبت دی گئی ہو تو وہ روایت ضعیف ان دلائل یقینیہ عقلیہ کے مقابلہ میں جو ان کی عصمت پر قائم ہو چکے ہیں غلط سمجھی جائے گی لیکن ایسے لوگوں کے متعلق کہ جو جائز الخطا ہیں حُسن ظن کا وجود بایں معنی کہ بے سمجھے بوجھے ان کے ہر فعل کو اچھا ہی سمجھیں بالکل بے معنی ہے عقلی ونقلی اس پر شاہد نہیں ہے بلکہ لوگوں کے حالات کا دریافت کرنا اور ان کے نفس کی خوبی وبدی کا امتحان کرنا صاحبان عقل وحکمت کے حالات کے نزدیک واجب ہے بالخصوص ایسی حالت میں کہ جب ہم کو ان کی اقتدا کرنی مقصود ہو یا ان سے کوئی حدیث روایت کرنا چاہتے ہوں اس لئے کہ اکثر ایسا ہوا کرتا ہے کہ بعض صاحبان بہ کید وحیلہ اپنی ظاہری حالت کو اچھا دکھا کر دوسروں کو دام مکر وفریب میں گرفتار کر لیتے ہیں اور بہتوں کی گمراہی کا باعث ہو جاتے ہیں۔

اور صاحب کتاب **احتجاج** نے اس باب میں ایک روایت جناب امام زین العابدین علیہ السلام سے نقل فرمائی ہے جس سے یہ اصول بخوبی سمجھ میں آ جاتے ہیں اور ترجمہ اس کلا بلاغت نظام کا یہ ہے:۔

”جس وقت تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس کی صورت وسیرت اچھی معلوم ہوتی ہے اور گفتگو اس کی نہایت فصیح وبلیغ ہے۔ اس کی حرکتوں میں انکسار ہے پس غافل نہ ہو اس لئے کہ کہیں وہ تمہیں دھوکا نہ دے رہا ہو کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو تحصیل دنیا سے عاجز ہو جاتے ہیں اور بسبب اپنی ضعف

نیت اور کمزوری دل سے دنیا کے محرمات بھی حاصل نہیں کر سکتے ہیں وہ دین کو اپنا آلہ بنا لیتے ہیں اور برابر لوگوں کو دھوکا دیتے رہتے ہیں پس اگر انہیں حرام سے کوئی چیز ملے تو بے پرواہ اس پر تصرف کرتے ہیں اور جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ مال حرام سے بھی پرہیز کرتا ہے جب بھی دھوکا نہ کھاؤ اس لئے کہ خلق کی خواہشیں مختلف ہوا کرتی ہیں بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو مال حرام سے اگرچہ وہ بہت زیادہ بھی ہو پرہیز کرتے ہیں لیکن اپنے نفس کو برائی سے نہیں بچاتے ہیں پس وہ محرمات کا مرتکب ہوتا ہے۔ پس اگر دیکھو کہ اس بارے میں بھی وہ صاحب عفت ہے جب بھی دھوکا نہ کھاؤ جب تک کہ تم یہ نہ دیکھ لو کہ اس کی عقل اسے کیا سکھاتی ہے اس لئے کہ اکثر اشخاص جو ان تمام برائیوں کو ترک کر دیتے ہیں لیکن عقل سلیم کی طرف رجوع نہیں کرتے ان کو ان کا جہل فاسد کر دیتا ہے پس جس وقت تم اس کی عقل کو بھی درست وسالم پاؤ جب بھی دھوکا نہ کھاؤ جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ اس کی عقل خواہش پر غالب رہتی ہے یا اس کی خواہش عقل پر۔ اور باطل ریاست حاصل کرنے سے اس کی محبت کا کیا عالم ہے؟ اس لئے کہ دنیا میں بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں جو ”خَسِرَ الدُّنیَا وَالْاٰخِرَۃِ“ کہنے کے مستحق ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ریاست باطلہ کی لذت حلال نعمتوں کی لذت سے بڑھ کر ہے پس وہ دنیا میں زہد کرتے ہیں اور ان نعمتوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور اگر ان سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو ان کو یہ کلمہ اپنی عزت کے خلاف معلوم ہوتا ہے پس ان کو جہنم کافی ہے اور وہ برا فرش ہے پس وہ بدترین نقصانات اٹھاتا ہے اور دنیا میں بُرے کام کرنے کے لئے اس کو ہر طرح کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال کر دیتا ہے۔ دین میں کوئی خرابی پڑنے کی قطعاً کوئی پروا نہیں کرتا بشرطیکہ اس کی ریاست میں کہ جس کے لئے وہ خدا سے ڈرتا ہے خلل نہ پڑے پس وہی لوگ ایسے ہیں کہ جن پر غضب ہے خدا کا اور لعنت اس کی اور جن کے لئے خدا نے ذلیل ترین عذاب مہیا فرمایا ہے لیکن مرد اور پورا مرد اور اچھا مرد وہی شخص ہے کہ جو اپنی خواہش کو حکم خدا کا مطیع قرار دے اور اپنے قویٰ کو رضائے خداوندی حاصل کرنے میں صرف کرے امر حق میں ذلّت اٹھانے کو ہمیشہ کی عزت سے بہتر سمجھے اور یہ جانتا ہو کہ اس دنیا میں جو تھوڑی سی تکلیف اٹھائے گا یہ تکلیف کا اٹھانا ہمیشہ کی راحت کا باعث ہوگا جو کبھی نہ ختم ہوگی اور نہ فنا۔

اور یہ جانتا ہو کہ بہت سی خوش حالیاں ایسی ہیں کہ جو عذاب ابد تک پہونچا دیتی ہیں۔ پس ایسا مرد اچھا مرد ہے اس سے تمسک کرو اور اس کی اقتدا کرو اور اس کو اپنا وسیلہ قرار دو اس لئے کہ اس کی دعا رد نہیں ہوتی اور نہ کسی خواہش میں ناامید کیا جاتا ہے۔“

اور کتاب **انساب سمعانی** میں مذکور ہے کہ بنی حنیفہ ایک قوم ہے کہ جس میں کے اکثر یمامہ میں رہتے تھے اور حضرت علیؑ نے **خولہ حنیفیہ** کو جو بنی حنیف کی لوٹ میں آئی تھیں ابوبکر سے لے لیا اور

اس سے محمد حنفیہ پیدا ہوئے اہل سنت اس دلیل سے صحت امامت ابوبکر پر استدلال کرتے ہیں کہ اگر امامت ابوبکر کی صحیح نہ ہوتی تو لازم آتا تھا کہ تصرف ان کا مال غنیمت میں بھی صحیح نہ ہوتا درحالیکہ حضرت امیر علیہ السلام نے انہیں۔ سے اس کنیز کو حاصل کیا ہے اور آزاد کرنے کے بعد اپنے نکاح میں لائے لہٰذا معلوم ہوا کہ ابوبکر کی امامت صحیح تھی۔

لیکن اس قول پر کئی اعتراض وارد ہوتے ہیں اولاً تو یہ کہ یہ کہیں ثابت نہیں ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے خولہ کو کنیز سمجھ کر لیا بلکہ حضرت نے مثل آزاد عورتوں کے انکے ساتھ عقد کر لیا اس سے ابوبکر کے فعل کی صحت نہیں ثابت ہوتی اور چونکہ عموماً لوگ اُسے کنیز سمجھ رہے تھے حضرت نے ظاہر میں اُسے آزاد بھی فرمایا ورنہ تو آزاد تھی ہی۔

اسی طرح سے وہ دلیل بھی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو اُس کا جواب یہ کہ بفرض محال پڑھتے بھی رہے ہوں تو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ آپ نیت اقتدا بھی کرتے تھے اسکا ثابت کرنا نہایت مشکل ہے اور چونکہ آپ امام حقیقی تھے لہٰذا جو شخص نماز میں آپ پر تقدم کرتا اسکی نماز باطل ہو جاتی خواہ ابوبکر ہوں یا کوئی اور۔ اور اسی تقریر سے اہل سُنت کے استدلال کا جواب بھی ظاہر ہو گیا جو خلافت ابوبکر پر آیہ کریمہ یاأیھاا لذین اٰمنو امَنْ یَرْتَدَّمِنکُمْ عَنْ دینہٖ فَسوفَ یَا تِی اللّٰہُ بقومٍ یُحِبُھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ اَذِلَّۃٍعلی المومنین اَعِزَّۃٍ عَلَی الکافرین یُجا ھدُونَ فِی سبیل اللّٰہ وَلَایخافون لَومَۃَ لایِٔم سے کرتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے کہ:۔

اے مومنین! تم میں سے جو مرتد ہو جائیگا پس عنقریب خداوند عالم ایسی قوم لائے گا جسکو خدا دوست رکھتا ہوگا اور وہ قوم خدا کو دوست رکھتی ہوگی مومنین کے مقابلہ میں وہ لوگ انکسار کریں گے اور کفار سے بکمال غلبہ پیش آئیں گے راہ خدا میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔"

اہل سُنت مدعی ہیں کہ یہ آیت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اسی آیت کو اپنی شان میں ثابت کرنے کے لئے ابوبکر نے بنی حنیف کا نام اہل ردّہ رکھا۔

فخر الدین رازی نے بھی اپنی تفسیر میں اس آیت سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ آیت فساد مذہب امامیہ پر بہترین دلائل میں سے ہے اس لئے کہ اگر اہل سُنت مرتد سمجھے جائیں تو چاہئے کہ خداوند عالم ان پر ایک ایسی قوم بھیجے جو اُن سے جہاد کرے لیکن مقابلہ برعکس ہے اس لئے کہ ہمیشہ اہل سُنت ہی شیعوں پر مسلط رہتے ہیں او اُن سے جہاد کرتے رہتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ فرقۂ شیعہ کا شمار مرتدین میں ہے اور اہل سُنت ہی وہ قوم ہے جنکی خدا نے تعریف فرمائی ہے۔

لیکن فاضل نیشاپوری فخر الدین رازی کے اس قول کو رد کر دیا ہے باوجودیکہ فاضل مذکور خود سُنی المذہب ہیں اور اصول میں اشعری کے اور فروع میں شافعی کے مقلد ہیں چنانچہ اپنی آخر تفسیر میں اسکی تصریح بھی کر دی ہے۔ تقریر انکی رد استدلال مذکور میں یہ ہے:۔ ممکن ہے کہ آئندہ کوئی ایسی قوم پیدا ہو جو اہل سُنت کے ساتھ جہاد کرے اور شاید اس سے مہدی موعود علیہ السلام ہوں اس لئے کہ خداوند عالم نے اس قوم کو پیدا کرنے کے لئے کوئی وقت معین نہیں فرمایا ہے"

اس دلیل کے بیان کرنیکے بعد انہوں نے اپنے اہل مذہب سے معذرت بھی کی ہے اور کہا ہے کہ میں نے مذہب شیعہ کی محبت کی وجہ سے یہ دلیل نہیں بیان کی بلکہ صحابہ کرام کا مرتد ہونا میرے نزدیک ایک امر شنیع ہے لہٰذا میں نے یہ جواب میں لکھا۔

مؤلف کہتا ہے یہ تردید اگرچہ حق ہے لیکن اس سے بہتر جواب یہ ہے کہ وہ مرتد لوگ گروہ ناکثین و مارقین اور قاسطین تھے کہ جس سے مراد اہل جمل اور اہل نہروان اور اہل صفین جنکی خبر جناب رسالتمآب صلعم نے حضرت امیرؑ کو دی تھی کہ تم اُن سے جہاد کرو گے اور حضرت نے ویسا ہی کیا اور ان میں کے اکثر خلفائے ثلاثہ کے دوست تھے اور مویّد اس کی وہ روایت ہے جو اہل سُنت نے لکھی ہے کہ روز جنگ جمل حضرت امیر علیہ السلام اس آیت کو پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس آیت والے لوگوں سے آج کے پہلے قتال نہیں کیا گیا آج میں مامور ہوا ہوں کہ انکے ساتھ قتال کروں پھر اسکی موئد یہ دلیل بھی ہے جو فاضل نیشاپوری نے شیعوں سے نقل کی ہے کہ پیغمبرؐ خدا نے روز خیبر حضرت علی علیہ السلام کے اوصاف میں بیان فرمایا تھا کہ میں ایسے شخص کو علم دونگا جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہو اور خدا و رسولؐ اُسے دوست رکھتے ہوں یہ حدیث اس آیت کی تفسیر کرتی ہے کہ مراد حبیب و محبوب خدا سے حضرت علی علیہ السلام ہی ہیں اور حضرت ہی مرتد سے جہاد فرمائیں گے اور لایخافون لومۃ لائم کا فقرہ اسکا مویّد ہے اس لئے کہ اصحاب جمل وصفین و نہراون میں بہت سے صحابہ رسولؐ تھے جنکے قتل کے متعلق دوسروں کی ملامت کا خیال کیا جا سکتا تھا لیکن حضرت علیؑ نے راہِ خدا میں اس ملامت کا خیال نہیں کیا لہٰذا خداوند عالم نے آپکی مدح فرمائی۔

ہمدان

کتاب انساب سمعانی میں مذکور ہے کہ ہمدان فتح ہا و سکون میم و دال مہملہ یمن کا ایک قبیلہ ہے جنہوں نے کوفہ میں اپنی منزل قرار دی تھی اور نسب انکا قحطان تک پہونچتا ہے اسکی شاخیں بہت سی ہیں سبیع دریام اور شبام اور مرهب اور اَرحَبْ ان سب گروہوں میں لوگ بکثرت ہیں جنکا ذکر اپنے اپنے

مقامات پر آویگا۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ اہل کوفہ اور اہل بصرہ میں بحث ہوئی کہ کس شہر میں زیادہ قبائل آباد ہیں اہل کوفہ جس قبیلہ کا نام لیتے تھے اہل بصرہ کہتے تھے کہ ہمارے یہاں بھی لوگ اس قبیلہ کے موجود ہیں یہاں تک کہ ہمدان کی نوبت آئی تو اہل بصرہ ساکت ہوگئے اور انہوں نے اعتراف کیا کہ واقعی قبیلۂ ہمدان میں سے ہمارے یہاں کوئی نہیں ہے اور اس کتاب انساب میں مذکور ہے کہ کوفہ میں اہل ہمدان بکثرت ہیں جن میں کے اکثر عالم و زاہد صاحبان ورع و تقویٰ ہیں اور تشیع میں مشہور ہیں اور یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے قبیلۂ ہمدان کی شان میں یہ شعر ارشاد فرمایا ہے۔ شعر

فَلَو كُنْتُ بوابًا عَلى باب جنةٍ   لَقُلْتُ لهمدان اُدخلی بسَلام

یعنی اگر میں جنّت کا دربان ہوتا تو قبیلہ ہمدان سے کہتا کہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔

شیخ مجدالدین فیروزآبادی شافعی صاحب کتاب قاموس اللغت نے اپنی کتاب سفر السعادت میں لکھا ہے کہ بیہقی نے روایت کی ہے کہ جب امیرالمومنین علی علیہ السلام نے یمن سے جناب رسالتمآب صلعم کے نام خط لکھا کہ قبیلۂ ہمدان کے لوگ مشرف باسلام ہوگئے تو آنحضرت صلعم نے شکر کا سجدہ ادا فرمایا اور مکرر فرمایا کہ "السلام علیٰ همدان" مخفی نہ رہے کہ سمعانی نے جو شعر حضرت امیر علیہ السلام کا تاریخ ہمدان میں نقل کیا ہے وہ ان اشعار کا آخری شعر ہے جو حضرت نے جنگ صفین میں فرمائے ہیں اور قاضی میر حسین مَیبذی نے اِن اشعار کی شرح بھی کی ہے لہٰذا حقیر معہ شرح کے ذکر کرتا ہے۔

وَلَمّا رأيتُ الخَيل يقرعُ بالقنا   فوارسُها حُمرُ العيونِ دوامِ
وَاَقْبَلَ رهجٌ فی السمآءِ كَاَنّهُ   غَمَامَةُ دُجنٍ مُبلسٌ بقِتامِ
وَنادَا بنُ هندٍ ذالكُلاعِ وَيحَصباً   وَكيندة فی لَخمٍ وَحیٍّ جِزامِ
يَتَمّمتُ همدان اَلزين هُمْ هُم   اِذَا اَنابَ اَمرٌ جنّتی وَسِهامِ
وَ ناديتُ فيهِم دَعوة فَاجَابَنی   فوارسُ مِن هَمْدانَ غَيرَ لئامِ
فَوَارِسُ مِن همدان ليسَ بعُزَّلٍ   غداة الوغا مِن لِيَشكُرٍ وَ شَبامِ
وَ مِنْ اَرحَب الشُمّل المطاعين بالْقَنَا   وَرهمٍ وَاَحيآءِ السَّبيعِ وَيامِ
ومِنْ كُلِّ حَیٍّ قَدْ اَتَتبنِي فَوارِسُ   ذَوُو بخداتٍ لَدَىٰ اللّقَاء كِرَامِ
بَكُلِّ رُدِيْنِي وغضبٍ يخالُهِ   اَذَا اختَلَفَ الاَ قوامُ شَعْلَ ضِرامِ
يَقُودهُم حَامیُ الحقِيقةِ مِنْهُم   سَعيدُ بن قيسٍ والكريمُ يُحَامي

فَخاضُوا الظاهَا واصطَلُوا   بِشيرارِهَا وَكانوا اَلدَیٰ الهَجا كشرب مدامِ

یعنی جب میں نے گھوڑوں کو دیکھا کہ سوارانِ سرخ چشم انکو بضرب نیزہ دوڑا رہے ہیں اور لڑائی کا ابر آسمان پر چھایا ہوا ہے۔ اور لشکر کی گرد سے آسمان پوشیدہ ہوگیا ہے اور ہندہ کا بیٹا (معاویہ) قبیلہ ذوالکلاع اور قبیلہ یحصب اور قبیلہ کندہ اور قبیلہ جرام کو پکار رہا ہے تو میں نے بھی قبیلہ ہمدان کا قصد کیا کہ جو لوگ مصیبت کے وقت میری سپر اور میرے تیر ہیں میں نے انکو ایک ہی مرتبہ پکارا پس مجھے جواب دیا سواران ہمدان نے کہ جو نہایت شریف لوگ ہیں کہ جو صبح جنگ اسلحہ سے خالی نہیں رہتے اور وہ لوگ قبیلہ لشکر اور قبیلہ شبام اور قبیلہ ارحب سے ہیں جو تیر و تبر و نیزے مارنے والے ہیں اور قبیلہائے دہم و سبیع دیام سے ہیں اور ہر قبیلہ سے میرے پاس صاحبان شجاعت سوار لڑائی میں نیزۂ رُدینی اور ایسی تلواروں کے ساتھ جو اپنی آمد و شد کی حالت میں آتش شعلہ رو کے مانند معلوم ہوتی ہیں حاضر ہوئے اور انکی کماحقہٗ نگاہ داشت کرنے والے سعید بن قیس ہیں اور کریم حامی ہے۔ پس اس آتش گرم میں کود پڑے اور اسکی گرمی سے گرم ہوگئے اور وہ لوگ لڑائی کے وقت ایسے خوش و خرم و مطمئن ہیں کہ گویا شرب مُدام کر رہے ہیں۔

تتمۂ اشعار حضرت امیرالمومنین علیہ السلام

جَزَیٰ اللّٰه همدان الجَنانَ فانهم   سِهَامُ العِدَایٰ فی كُلِّ يَومِ خِصامِ
لِهَمْدانَ اَخلاقٌ ودِينٌ يُزينهمُ   وَلينٌ اذا لَاقوا وَحُسنُ كلام
متیٰ تاتِهِم فی دارِهم لِضِيَافة   تَبِتُّ عِندَهُم فی غبطةٍ وَطعَامِ
اَلا اَنَّ هَمدانَ الكرام اَعِزَّةٌ   كَمَا عزّ رُكْنُ اَلْبَيْتِ عِندَ مقام
اناسٌ يُحِبُّونَ النَبِیَّ وَرَهْطَهُ   سَراعٍ اِلی الهَجاءِ غيرَ كمام
فَلَو كُنْتُ بَوّابًا علیٰ باب جَنْةٍ   اقُول لِهَمدانَ اذخُلِي بسلام

یعنی خداوند عالم اہل ہمدان کو انکی کوششوں کے عوض میں جنت عطا فرمائے وہ روز جنگ دشمنوں کے مقابلہ میں میرے تیر ہیں اہل ہمدان کے اخلاق اور انکا دین اور ان کی نرمی کلام اور انکی حسن معاشرت انہیں آراستہ کئے ہوئے ہے۔ اگر تو انکے گھر میں مہمان ہو تو تیری تمام شب کھاتے پیتے اور انکی خوبیوں پر غبطہ کرتے ہوئے گذر جائے۔ آگاہ ہو کہ یقیناً اہل ہمدان ایسے ہی معزز ہیں جیسے مقام ابراھیم کے پاس کا رکن کعبہ پر ایسے لوگ ہیں جو نبیؐ اور انکے اہلبیتؑ کو دوست رکھتے ہیں اور بروقت جنگ کاہلی نہیں کرتے بلکہ نہایت سرعت کے ساتھ دشمن کے مقابلہ پر جاتے ہیں۔ پس اگر میں دروازہ جنت پر دربان ہوا تو اہل ہمدان سے کہونگا کہ سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

ابن عاثم کوفی کہتا ہے: ۔ کہ ایک مرتبہ جنگ صفین میں عمر بن حصین سکونی جناب امیر علیہ السلام کے پس پشت سے آ گیا اور حضرت پر نیزہ چلانے کا ارادہ کیا سعید بن قیس ہمدانی نے فوراً اسکو قتل کر دیا اور چند شعر کہے جنکا خلاصہ یہ ہے:۔

کہ معاویہ کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ ہم لوگ انکے ہمیشہ دشمن رہیں گے کیا وہ نہیں دیکھتا ہے کہ ہمارے باپ علیؑ ہیں اور ہم انکے بیٹوں کے مثل ہیں اور سوائے انکے ہم کسی سے محبت نہیں کرتے اور وہی ہماری ہدایت اور وہی ہماری خوش قسمتی ہیں۔

جب معاویہ نے یہ سُنا تو قبیلہ یَحصُبْ ۔ کندہ ۔ ولخم وجزام کو ذوالکلاغ خمیری کی افسری میں بھیجا اور حکم دیا کہ:۔

"خاصکر اہل ہمدان کو قتل کرو"

حضرت علی علیہ السلام نے بھی اہل ہمدان کو آواز دی وہ سب لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوئے حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ "اس فوج نے خاصکر تمہارے قتل کا ارادہ کیا ہے" یہ سنتے ہی سعید بن قیس نے معہ اپنے ہمراہیوں کے حملہ کر دیا اور دم بھر میں دشمن کو شکست دیکر میدان سے بھگا دیا۔

حضرت نے خوش ہو کر ارشاد فرمایا کہ تم لوگ میری زرہ میرے نیزہ وسناں اور میری سپر ہو خدا کی قسم اگر جنت میرے ہاتھ ہوئی تو میں خاص طور پر جنت میں داخل کروں گا۔ اور اسکے بعد یہ شعر ماسبق ارشاد فرمایا۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا: ۔ کہ امیر علیہ السلام امام حسن علیہ السلام کے زیادہ طلاق دینے سے ملول تھے ایک روز ممبر پر فرمایا کہ حسنؑ بڑا طلاق دینے والا ہے اسکو بیٹیاں نہ دو!

ایک شخص قبیلہٗ ہمدان سے کھڑا ہو گیا عرض کی یا امیر المومنینؑ خدا کی قسم حسنؑ جتنی لڑکیاں چاہیں گے ہم انکے ساتھ بیاہتے جائیں گے خواہ وہ رکھیں خواہ طلاق دیں۔

حضرت علی علیہ السلام کو اسکی محبت اہلبیتؑ کے ساتھ پسند آئی اور اس قطعہ کا آخری شعر پڑھا۔

شبام

سمعانی نے کتاب انساب میں کہا ہے: ۔ شبام بکسر شین معجمہ وفتح بائے موحدہ یمن کا ایک شہر ہے جہاں کے سب باشندے شیعہ غالی ہیں اور یہ قبیلہ ہُمدان کا ایک گروہ ہے جو کوفہ میں آ کر رہ گیا تھا عبدالجبار بن عباس شبامی ہمدانی اس گروہ سے ہیں اور اُنہیں تشیع میں بہت غلو تھا اور دیوان امیر المومنینؑ میں بعض سرداران قبیلہ شبام کے مرثیہ میں یہ شعر وارد ہے۔

وصحت علیٰ شبام ولم یتجُبی   یَعُزّ عَلَیَّ مَا لَقیتِ شِبَامُ

یعنی پکارا میں نے شبام کو پس اُنہوں نے جواب نہ دیا نہایت سخت ہے مجھ پر وہ مصیبت جو قبیلۂ شبام پر پڑی۔

مَذحِج

کتاب **انساب سمعانی** میں مذکور ہے کہ مذحج بفتح میم وسکون ذال معجمہ کسر حائے مہملہ ومیم یمن کا ایک قبیلہ ہے اور یہ قبیلہ قبل آپکی ظاہری خلافت کے بھی آپکے محبین میں سے تھا چنانچہ بعد اسکے ذکر آویگا اور حضرت کے دیوان میں ایک قطعہ ایسا موجو ہے جسمیں آپ نے قبیلۂ مذحج اور بعض دوسرے قبائل کی مدح فرمائی ہے اور جنگ صفین پر لوگونکو ترغیب دی ہے اور وہ قطعہ یہ ہے:۔

مَا عَلّنیِ وَاَنا جَلدٌحَارِمُ   وَفِي یَمِینی ذوغَوَارٍ صارِمُ

وَعَن یمینی مَذحِجُ القَماقُمِ   وَعَنُ یَسارِی وَابل الخضارِمُ

اُلقُلبُ حَوالیِ مَضرُ الحجاحُم   وَاَقبَلَتُ هَمُدَانُ وٰالاَكَارِمُ

وَالاَزدُ مِنُ بَعُدٍ لَنَادَعَائِمُ   وَالحَقُ فی النَاسِ قَدِیُمٌ دائِمُ

یعنی کون روک سکتا ہے مجھے درحالیکہ میں ایک مرد شجاع اور صاحب عقل وہوش ہوں اور میرے داہنے ہاتھ میں نیزونکے کاٹ دینے والی تلوار ہے اور داہنی طرف میرے قبیلۂ مذحج ہے اور بائیں طرف وائل ہے اور قلب لشکر میں قبیلہ مضر ہے اور قبیلہ ہمدان اور بزرگ بھی آئے ہیں اور پھر قبیلۂ ازد بھی ہمارے لئے مثل ستونوں کے ہے اور حق گویوں میں ہمیشہ سے ہے اور پُرانا ہے۔

ربیعہ

کتاب **انساب سمعانی** میں مذکور ہے کہ ربیعہ بن نزار ایک بہت بڑے قبیلہ کے جد کا نام ہے کہ جسکے ضمن میں بہت سے بڑے بڑے قبیلے ہیں کہ جو بسبب اپنی بزرگی کے اسکے محتاج نہیں رہ گئے ہیں کہ ربیعہ کیطرف نسبت دی جاوے منجملہ قبائل ربیعہ کے قبیلہ بکر بن وائل بن قاسط بن نہب بن اقصلی بن دامی بن جلدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار ہے۔ اور جب اسکی طرف نسبت دیتے ہیں تو ربیعی کہتے ہیں اور ابن دُریدہ نے کہا کہ ربیعہ قبیلہ ازد کے قبائل میں سے ایک قبیلہ ہے اور شیخ عبدالجلیل قزوینی نے کتاب نقض میں قبیلہ ربیعہ کو شیعیانِ با اخلاص حضرت امیر علیہ السلام میں شمار کیا ہے۔ اور دیوان اعجاز بیان

حضرت امیر علیہ السلام میں ایک قطعہ جو جنگ صفین کے حالات اور صاحبان حق کی فتحیابی کے حالات میں ہے اسمیں قبیلہ ربیعہ کی شجاعت، بزرگی و جاں نثاری کی توصیف بھی حضرت نے فرمائی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ:-

ہمارا علم سیاہ کہ جس کا سایہ ہل رہا ہے جب **حصین بن منذر ربعی** سے کہا جاتا ہے کہ وہ اس کو بڑھا لاوے تو وہ اس کو بڑھا لاتا ہے اور وہاں تک لے جاتا ہے جہاں موت کے حوض چھلکتے ہوتے ہیں اور وہ سختی کے وقت میں بھی ہراس نہیں ہوتا اور اس وقت میں بھی صابر رہتا ہے کہ جب لوگوں کی آوازیں بیٹھ جاتی ہیں۔ اس کے بعد پھر اور اشعار بھی فرمائے ہیں جنکا خلاصہ یہ ہے:- کہ

قبیلہ عکّ اور **قبیلہ ظلم** اور **قبیلہ حمیر** نے بھی صبر کیا خاص کر قبیلہ مذحج کو کہ جن کو سوائے پشیمانی کے اور کچھ نتیجہ نہ بخشا اور قبیلہ جزام نے قبیلہ مذحج کو پکارا کہ ہم سے جو ظالم ہو خدا ان کو جزائے بد دے آیا تم ہمارے بارے میں خدا سے نہیں ڈرتے ہو اور اس کا کچھ لحاظ نہیں ہے؟ کہ خدا ہم سے کس قدر قریب ہے اور اس نے کس قدر بزرگی دی ہے خداوند عالم جزا دے اس قوم کو کہ جنہوں نے ان کے مقابلہ میں مرتے دم تک قتال کیا اور ہمیشہ سے ایسے ہی کرتے آئے۔

کس قدر بزرگ ہیں وہ لوگ اور کس قدر معزز ہیں وہ لوگ ان سے مراد قبیلہ ربیعہ ہے جو صاحبان شجاعت وسخی ہیں جبکہ وہ بہت بڑے لشکر سے مقابلہ کریں۔

اور شرح دیوان امیر علیہ السلام میں مذکور ہے کہ ایک روز جنگ صفین میں حضرت نے ایک علم سیاہ **حصین بن منذر** سردار قبیلہ ربیعہ کو دیا اور معہ پانچ سو پہلوان ربیعہ اور ایک سو دلیران قبیلہ مذحج کے لڑائی کے لئے بھیجا۔ **حصین** نے **معاویہ** کے خیمہ کا ارادہ کیا معاویہ نے قبائل عکّ وظلم اور حمیر کو ان کے مقابلہ میں بھیجا آخر کار ایک جنگ عظیم واقع ہونے کے بعد **حصین** ان لوگوں پر غالب آ گیا اور معاویہ کے خیمہ تک پہونچ گیا۔ تب قبیلہ جزام کے ایک شخص نے پکار کر کہا کہ اے اہل کوفہ کیا تم ہمارے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے ہو در حالیکہ چچازاد بھائی ہیں پس آج کے بعد کل بھی آنے والا ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے وہ اشعار ارشاد فرمائے جن کا خلاصہ یہ ہے:- کہ ہند کے بیٹے (معاویہ) کو ہمارے نیزوں اور تلواروں کا مزہ چکھا دیا یہاں تک کہ اس نے فرار کیا لڑائی سے باز رہا در حالیکہ اس نے زبرقان پسر ظالم اور ذوکلیغ اور کریب اور عمرو اور نعمان اور بشیر اور مالک اور جوشب اور کرز بن بنہان اور محرق کے دونوں بیٹوں اور حرث اور قینی اور عبیداللہ اور ابو الاعور سلمی کو پکارا اور ان کو انعام دیا اور یہ پکارنے والا معاویہ تھا جس نے اندھیر کر دیا۔

زبرقان زائے معجمہ مکسورہ ورائے مہملہ مکسورہ اور ذوکلیغ بفتح کاف ولام جو قبیلہ حمیر کے

بادشاہان **یمن** میں سے تھا اور جنگ **صفین** میں مارا گیا۔ کریب کرب کی تصغیر ہے یہ صباح بن ذیزن حمیری کا بیٹا تھا۔ ایک دن میدان صفین میں آیا اور مبارز طلبی کرنے لگا مترتفع بنوضاح خولانی نے مقابلہ کیا اور شہید ہوئے پھر شرجیل بن طارق بکری پھر حرث بن الحلاج حکمی پھر عبّاد بن مسروق ہمدانی ان سب نے یکے بعد دیگرے مقابلہ کیا اور شہید ہوئے تب حضرت امیر المومنین علیہ السلام میدان میں آ گئے اور اس کو واصل جہنم کیا۔

اور نُعمان بن بضم نون بشر قیسی کا بیٹا تھا اور بشر ارطات فہری کا بیٹا تھا اور مالک مُسہر قصاعی کا بیٹا تھا اور جنگ صفین میں سلیمان بن مجر بن عدی کندی کے ہاتھ سے مارا گیا اور جوشب بفتح جائے مہملہ وشین معجمہ اس کا لقب ذو الظلیم بھی تھا جنگ صفین میں سلیمان بن صرد خزاعی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

کُرز بضم کاف وتقدیم رائے مہملہ برزائے معجمہ وبنہان بنون مفتوحہ وبائے موحدہ ومحرّق بجائے مہملہ ورائے مشددہ حرث بثائے مثلثہ وداع حمیری کا بیٹا تھا اور قینی بن مطلب یہ دونوں کریت کے بعد امیر المومنین علیہ السلام کے ہاتھ سے مارے گئے اور حضرت ایک کو اٹھا کر دوسرے پر پھینک دیتے تھے اور یہ آیت تلاوت فرماتے تھے اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ جس کا ظاہری ترجمہ یہ ہے:- کہ

شہر حرام کا عوض حرام ہے اور حرمتیں قصاص ہیں پس جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو ویسی زیادتی جیسی اس نے تم پر کی ہو اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ یقیناً اللہ متقین کے ہمراہ ہے۔

اور عبیداللہ۔ عمر بن الخطاب کا بیٹا تھا اور **عبداللہ بن سوار عبدی** کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ **حریث بن خالد** تھا اور بعض کے نزدیک **ہانی بن خطاب** اور بعض کے نزدیک **ہانی بن عمر** اور بعض کے نزدیک **مجر** صحیح۔

مُضَر

بضم میم وفتح ضاد ومعجمہ ورائے مہملہ ایک قبیلہ کے جد کا نام تھا کہ قریش کا سلسلہ نسب اس تک پہونچتا ہے اور وہ مضر بن نزار بن عدنان ابو ربیعہ بن نزار ہے اور ربیعہ اور مضر دونوں بہت بڑے قبیلے ہیں جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ عرب میں ان سے بڑا کوئی قبیلہ نہیں ہے۔ اور ان دونوں قبیلوں سے علماء ومحدثین متقدمین ومتاخرین کے بڑے بڑے گروہ پیدا ہوئے ہیں اور حضرت امیر علیہ السلام نے جو قطعہ قبیلہ مذحج کی توصیف میں ارشاد فرمایا ہے اس میں قبیلہ مضر کی جاں نثاری کی بھی تعریف فرمائی ہے جس کا ترجمہ سابق میں ہو چکا ہے۔

اَزُد

کتاب انساب سمعانی مین مذکور ہے کہ اَزُد بفتح الف وسکون زاے معجمہ وکسر دال مہملہ عرب کے ایک قبیلہ کے جد کا نام ہے۔ اور وہ ازد بن غوث بن بنت بن مالک بن زید بن کھلان ہیں اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے بعض اشعار میں جس کا ترجمہ مذکور ہو چکا ہے ان کی تعریف فرمائی ہے اور اپنے ایوان خلافت کا ستون قرار دیا ہے اور بعض اشعار میں اپنی تلوار سے تشبیہ دی ہے اور ایک بے نظیران کی توصیف میں ارشاد فرمایا ہے جس کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے:۔

قبیلۂ ازد مثل میری تلوار کے ہیں اور جناب رسالت مآب صلعم کی تلوار وہ شخص ہے جس کی عرب نے اطاعت کی ہے (بظاہر اپنے نفس کو مراد لیا ہے) اہل ازد ایسے لوگ ہیں کہ اگر اچانک بھی کسی سے ملاقات ہو جاوے تو بھی اس کے حق کو ادا کریں اور اس کے ساتھ بے وفائی نکریں گے۔ اور اگر سوے اتفاق سے کبھی مغلوب ہو جائیں تو وہ بھاگنا نہیں جانتے کہ کیا چیز ہے۔

قطعہ بزبان فارسی درترجمۂ قطعۂ عربیہ ؎

یاران من اند اہل شمشیر ہمہ　　　مائل بخداوٗ جہاں سپر ہمہ
معنی گریختن نہ دانند کہ چیست　　　باشند بروز حرب چوں شیر ہمہ

پھر فرماتے ہیں کہ وہ ایسے گروہ ہیں کہ جن کا لباس میدانِ جنگ میں چمکتی ہوئی ہلکی تلواریں ہیں اور ایسی داودی زرہیں جو انہون نے اپنے دشمنوں کی لوٹ میں پائی ہیں۔ سروں پر ان کے خود ہیں اور خود کے نیچے سے زرہ شروع ہے اور ان کی اونگلیوں میں گندم گوں نیزے ہیں ان کی تلواریں ہنستی ہیں اور دشمنوں کی جانین روتی ہیں ان کے نیزے چمکتے ہیں اور خون آلودہ ہو جاتے ہیں اور دشمنوں کی جانوں کی لوٹ پڑ جاتی ہے۔

شد جامۂ قوم من زرہِ روز مصاف　　　دارند تمام نیزۂ سنگ شگاف
ازبسکہ خوردنیزۂ این طائفہ خوں　　　پیدا شدہ است درسرش رنج رُعاف

پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ کون دن ایسا ہے جس دن ان سے افعال کریمہ صادر نہ ہوں جن کے دیکھنے سے دوسروں کو تعجب نہ ہو۔

قبیلہ ازد ہر اس شخص سے کہ جو اپنے پاؤں سے چلتا ہے فضیلت میں افزوں ہے اور سوار ہوتے وقت قدر میں سب سے اعلیٰ ہے گروہ ازد تم صاحبان عزت ہو اور کسی کا ہاتھ تم تک نہیں پہونچ سکتا۔ جس وقت معاملہ سخت آپڑے اس وقت تم کمزور نہیں ہوتے وفائے عہد تمھاری خصلت ہے اور کبھی تمہاری

صداقت کذب سے آلودہ نہیں ہوئی۔ جس وقت تم غصہ میں آتے ہو تو خلایق تمہارے حملہ سے ڈرتی ہے۔ اور تمہارے نزدیک یہ کوئی بات نہیں ہے۔ اے گروہ ازد میں تم سب سے راضی ہوں اور تم ہر کام میں پیش پیش رہتے ہو۔ پیچھے رہجانے والوں میں نہیں ہو۔ ہرگز ہرگز قبیلۂ ازد رحمت ومغفرت خدا سے مایوس نہ ہو اور خدا حفاظت کرتا ہے۔ جہاں کہیں وہ اس پر سبقت کریں۔ اگر کوئی فخر کرنا چاہے تو وہ اس پر فخر کریں اور اگر کوئی انہیں مغلوب بنانا چاہے تو ہو اس پر غالب آجائیں۔ اگر کثرت سے لوگ ان کے دشمن ہوں تو وہ بھی کثیر ہو جائیں۔ اگر دشمن ان کے مقابلہ میں پامردی کرے تو وہ بھی صبر سے کام لیں اگر انہیں کوئی گھیرنا چاہے تو وہ اسے گھیر لیں اور اگر کوئی لوٹنا چاہے تو وہ اسے لوٹ لیں۔ نہایت صاف لوگ ہیں جس سے محبت کرتے ہیں صفائی سے محبت کرتے ہیں ان کی صفائی کی آمیزش نہیں ہوتی۔ ان کے اخلاق حسنہ ہیں اور انکی مجلسوں میں شوروغل اور جہالت کی باتوں کا ذکر نہیں ہے۔ باران ان کی عطا کے مقابلہ میں شرمندہ اور شیر ہائے صحرا ان کے غضب سے ترسندہ رہتے ہیں اگر ان سے سوال کیا جائے تو تمام خلائق سے زیادہ سخی ہیں اور اگر میدان جنگ میں بلائے جائیں تو سب سے بڑھ کر جزاے خیر دے اس کے عوض میں کہ جو انہوں نے رسول صلعم کے ساتھ کیا اور اعمال صالحہ بجالائے ؎

یاران من اند بہرا حساں وادب　　　شیران ولایت ندر وقت غضب
درنصرت دین مصطفیؐ میکوشند　　　یابند جزا ازفیض فضیلت یارب

قبیلۂ ازد کے آثار ایمان وشجاعت میں سے یہ امر بھی ہے کہ جب سر اقدس جناب امام حسین علیہ السلام کا کوفہ میں پہونچا ابن زیاد نے لوگوں کو جمع کیا اور مسجد کوفہ میں بالائے منبر جا کر یہ کلمات ادا کیے:۔

الحمد للہ الذی اَظہرَ الحق ونصرَ امیر المومنین وحزِبَہ' وَقَتَل الکذّاب ابن کذاب ۔ یعنی شکر اس خدا کا جس نے حق کو ظاہر کیا اور امیر المومنین (یزید) اور ان کے لشکر کی مدد کی اور کذاب بن کذاب کو قتل کیا۔

ان کلمات کے سنتے ہی **عبداللہ بن عفیف ازدی** کھڑے ہو گئے اور کہا کہ "اے دشمنِ خدا تو جھوٹا اور تیرا باپ جھوٹا اور جس کی طرف سے تو حاکم ہے وہ جھوٹا اے **مرجانہ** کے بیٹے فرزند پیغمبر کو قتل کرتا ہے اور پھر منبر پر صدیقوں کی جگہ بیٹھتا ہے؟ ابن زیاد نے کہا کہ انہیں گرفتار کرلو لیکن اہل قبیلۂ **ازد** نے ہجوم کر کے ملازمین زیاد سے چھین لیا اور گرفتار نہیں ہونے دیا۔

وابلُ

کتاب انساب سمعانی میں لکھا ہے کہ وابل بفتح واؤ کسر بائے منقوطہ ازتحت ۔ چند قبیلوں کے جد کا نام ہے کہ وہ قبیلے حقیقت میں قبائل مضرواز دو ہوازن کی شاخیں ہیں اور حضرت امیر علیہ السلام نے ان کی بھی مدح فرمائی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بھی جاں نثاری اور زادگی میں مثل ازد مضر کے ہیں۔

خُزاعہ

کتاب انساب سمعانی اور کتاب صحاح اللغت میں مذکور ہے کہ خزاعہ بضم خاو فتح زائے معجمہ اور آخر میں عین مہملہ ازد کے ایک گروہ کا نام ہے اور ان کے خزاعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ خزع کے معنی جدا ہو جانے کے ہیں۔ جب قبیلہ ازد کے لوگ مکہ سے باہر آئے اور چاہا کہ تمام ملک میں متفرق ہو جائیں تو خزاعہ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور مکہ ہی میں رہ گئے چنانچہ ایک شاعر ازدی نے کہا ہے:۔ شعر

فَلَمَّا هَبَطْنَا بَطْنَ مُرٍّ تَخَزَّعَتْ   خُزَاعَةُ عَنَّا فِي حُلُولٍ كَرَاكِرِ

یعنی جب ہم لوگ مقام مُرّ میں اُترے تو خزاعہ ایک نشیبی وادی میں ہم سے جدا ہو گئے اور

عبداللہ بن بدیل بن ورقاء خزاعی کے حالات میں صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ خزاعہ جناب رسالت مآب صلعم کے صندوق تھے یعنی آپ کے راز اور آپ کے اسلحہ ان کے پاس رہتے تھے اور یہ بھی اسی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ **معاویہ** کہتا تھا کہ قبیلہ خزاعہ کو علی علیہ السلام سے ایسی محبت ہے کہ اگر ان کی عورتیں بھی ہم سے لڑ سکتیں تو باز نہ رہتیں مردوں کا کیا ذکر ہے۔

اور شیخ اجل ابوالفتوح رازی خزاعی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ بنی خزاعہ حالت اسلام اور حالت کفر دونوں میں جناب رسالت مآب صلعم کے دوست تھے اور حضرت سے عہد کئے ہوئے تھے اور یہ روایت لکھی ہے کہ جب ابوسفیان معہ اپنے ہمراہیوں کے جنگ اُحد سے واپس گیا تو اثنائے راہ میں ایک دوسرے کو ملامت کرتا تھا کہ کیوں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل نہ کیا ہم لوگوں سے کچھ نہ ہو سکا نہ ان کو قتل کیا اور نہ ان کی عورتوں کو لوٹا اور نہ ان کی قوم کو تباہ کیا درحالیکہ وہ قلیل التعداد اور کمزور تھے اب ہم لوگوں کو پلٹ چلنا چاہئے اور پھر جنگ کرنا چاہئے۔ جناب رسالت مآب صلعم کو جب کفار کے اس ارادہ کی خبر معلوم ہوئی تو حضرت نے بھی ان کو خوف زدہ کرنے کے لئے چاہا کہ اپنی شان وشوکت اور مسلمانوں کی قوت انہیں دکھا دیں تا کہ کفار کو یہ گمان ہو کہ ابھی مسلمانوں میں طاقت باقی ہے اور وہ دوبارہ حملہ کا ارادہ نہ کریں

لہٰذا آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ سب لوگ تیار ہوں رسول اللہ کفار کا تعاقب فرمائیں گے باوجودیکہ حضرت کے اکثر اصحاب زخمی اور مجروح ہو گئے تھے۔

جابر بن عبداللہ انصاری کا بیان ہے کہ میرے باپ مارے گئے تھے اور سات لڑکیاں انہوں نے چھوڑی تھیں میں نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ! میرے باپ نے سات لڑکیاں چھوڑی ہیں میرے علاوہ کوئی مرد ایسا نہیں ہے جو ان کا کفیل ہو اور مجھے یہ بھی منظور نہیں ہے کہ آپ جہاد پر تشریف لے جائیں اور میں ہمراہ رکاب نہ ہوں حضرت صلعم نے فرمایا کہ تم کسی کو اپنا نائب مقرر کر دو جو گھر کا انتظام کرتا رہے۔ اور تم میرے ساتھ چلو۔ غرضکہ حضرت معہ اپنے اصحاب کے روانہ ہو گئے اور مقام حمرا الاسد تک پہونچے جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

ابن السائب روایت کرتے ہیں کہ بنی عبدالاشہل کے ایک شخص کا بیان ہے کہ میں بھی زخمیوں میں تھا اور میرا بھائی مجھ سے بھی زیادہ مجروح تھا آپس میں ہم دونوں نے مشورہ کیا کہ ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہئے اس طرح مجروح اور زخمی ہیں اور سواری بھی نہیں ہے اور پیدل چلنے کی قوت نہیں رکھتے رسول خدا صلعم کو کیوں کر چھوڑ دیں آخر کار یہی رائے قرار پائی کہ جس طرح سے ہو چلنا چاہئے اور حضرت کا ساتھ نہ چھوڑنا چاہئے۔ غرض کہ اس صورت سے روانہ ہوئے کہ دور ہم دونوں بھائی پیدل چلتے تھے اور جب وہ بالکل عاجز ہو جاتا تھا تو میں اسے اٹھا لیتا تھا اور پھر اتار دیتا تھا۔ غرض کہ اس کشمکش کے ساتھ مقام **حمرالاسد** تک پہنچے اسی اثناء میں **معبد خزاعی** جو اس وقت مشرک تھا ادھر سے گذرا اور رسول اللہ صلعم سے عرض کی کہ اے محمدؐ تمہارے اصحاب کی حالت نہایت نازک ہے اور مجھے اس کا بڑا رنج ہے اگرچہ آرام کا موقع ملتا تو بہتر تھا۔ یہ کہتا ہوا گزر گیا جب مقام **راوحا** پر پہونچا اور **ابوسفیان** کو دیکھا کہ پھر لشکر لیکر رسالت مآب صلعم سے لڑنے کیلئے جا رہا ہے تو اس نے سوال کیا کہ کہاں جاتے ہو۔ ابوسفیان نے جواب دیا کہ اب کی اس ارادہ سے جاتا ہوں کہ اصحاب محمدؐ میں سے جو لوگ باقی رہ گئے ہیں ان سب کو قتل کر دوں۔ تا کہ جھگڑے کا خاتمہ ہی ہو جاوے۔

مُعبد نے کہا کہ تو عجب بے عقل ہے! میں نے ابھی محمدؐ اور ان کے اصحاب کو ایک ایسے لشکر کے ساتھ دیکھا ہے کہ جس کا مثل میں نے نہیں دیکھا تھا۔ جو لوگ جنگ میں حاضر نہ تھے وہ بھی آ گئے ہیں اور تمام ساز و سامان سے آراستہ ہیں اور نہایت عجلت کے ساتھ تمہارے تعاقب میں آ رہے ہیں اور افسوس کرتے ہیں کہ تمہیں کیوں چھوڑ دیا اور مکہ تک تمہارا پیچھا نہ چھوڑیں گے۔

ابوسفیان نے جب یہ کلام سنا تو نہایت خائف ہوا۔ معبد سے کہنے لگا کہ میں تو ان کو بالکل مجروح و زخمی اور پراگندہ چھوڑ کر آیا تھا۔

معید نے کہا کہ اس کا حال تو مجھے معلوم نہیں لیکن ابھی جو میں دیکھتا آتا ہوں اس شان وشوکت نے مجھ پر ایسا اثر کیا کہ میں نے انکی تعریف میں کئی شعر کہے۔

جب ابوسفیان اوران کے اصحاب نے یہ حال سنا تو سب کے سب ڈر گئے اوراپنے ارادہ سے باز آئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبیلہ خزاعہ کو عالم ارواح سے خاندان رسالتؐ سے محبت تھی ورنہ ایک شخص کو جو مشرک تھا اس کو بجائے عداوت کرنے کے محبت کرنیکی کیا وجہ تھی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ قبیلۂ خزاعہ کے متقدمین ومتاخرین صحابہ وتابعین وتبع تابعین سب کے سب اہل ایمان اورشیعان خاندان رسالتؐ سے تھے چنانچہ ان کے اکثر اکابر کے حالات مجالس آیندہ میں مذکور ہوں گے انشاءاللہ تعالیٰ۔

طَے

سمعانی نے کہا ہے کہ ایک قبیلہ کے جد کا نام ہے جس کا سلسلۂ نسب قحطان تک پہونچتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ قبیلہ طے سے تین بے نظیر شخص پیدا ہوئے ہیں۔ سخاوت میں حاتم۔ فقہ وزہد میں داؤد اور فن شعر میں ابوتمام تھے۔

اور شیخ اجل ابوجعفر طوسی نے کتاب امالی میں یزید بن جابر جُعفی سے روایت کی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے میرے پدر بزرگوار اوراُن سے اُنکے والد بزرگوار نے بیان فرمایا کہ جب حضرت امیر المومنین علیہ السلام جنگ جمل کے ارادہ سے بصرہ کی جانب روانہ ہولئے اور مقام ربدہ پر نزول اجلال فرمایا تو وہاں سے کوچ کرتے وقت عبداللہ بن حنیفہ طائی حضرت کی خدمت میں مقام قائد پر حاضر ہوئے حضرت نے انکو پاس بلایا۔ پس عبداللہ نے عرض کی کہ شکر اس خدا کا جس نے حق کو اسکے اہل کے پاس پھیر دیا اوراسے اپنی جگہ پر پہونچادیا خواہ لوگ اس سے خوش ہوں یا ناراض اسلئے کہ لوگ تو محمدؐ کی رسالت سے ناراض رہے اوراُن سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا پس مارے خوف کے انکے کلیجے مُنہ کو آگئے۔ اور خدا کی قسم میں آپ کے ساتھ ہر جگہ پر جہاد کرونگا تاکہ کچھ رسولؐ اللہ کا حق ادا ہوسکے۔

پس حضرت امیر علیہ السلام نے ان پر مہربانی فرمائی اوراپنے پہلو میں جگہ دی اور چونکہ وہ ہمیشہ سے حضرت کے دوست تھے اس لئے آپ اُن سے مشورہ بھی فرماتے تھے۔ اوراپنے دوستوں اوردشمنوں کے حالات اُن سے پوچھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ ابوموسیٰ اشعری کے متعلق سوال کیا عبداللہ نے کہا کہ مجھے اسپر اعتبار نہیں ہے۔ میرا گمان ہے کہ اگر کوئی اسکا ساتھ دے تو وہ آپکی مخالفت پرآمادہ ہوجاوے حضرت نے فرمایا کہ مجھے اعتبار ہے۔ وہ اُن لوگوں کے معتقدین میں سے ہے جو مجھ سے پہلے حکومت کرچکے ہیں۔ اوراسکو حکومت اور سلطنت دے گئے ہیں میں نے چاہا تھا کہ اسکو حکومت کوفہ

سے معزول کردوں لیکن اشتر نے مجھ سے خواہش کی کہ ابھی چندروز رہنے دوں میں نے بکراہت اشتر کی درخواست کوقبول کیا۔ ابھی یہی باتیں ہورہی تھیں کہ قبیلہ طے کے کوہسار کی طرف سے ایک گرد اُڑتی ہوئی دکھائی دی۔ حضرت نے اپنے اصحاب سے ارشادفرمایا کہ تحقیق کروکہ گرد وسیاہی کیسی ہے؟ چنداصحاب سوار ہوکر تحقیق کے لئے گئے اورواپس ہوکرعرض کیا کہ یہ قبیلۂ طے کے لوگ ہیں جو اپنے گھوڑوں اور اونٹوں اور گوسفندوں کولیکر اس غرض سے آئے ہیں کہ آپکی راہ میں نصرت کریں اور بعض انمیں سے مہیائے جہاد ہوکر اس غرض سے آئے ہیں کہ ہمراہ رکاب فیض انتساب مشغول جہاد ہوں۔ حضرت سے ارشادفرمایا کہ خداوند عالم طے کوجزائے خیر دے اوراُس نے مجاہدین کے لئے گھر بیٹھنے والوں سے زیادہ اجر قرار دیا ہے۔

عبداللہ بن حنیفہ مذکور کہتے ہیں کہ جب وہ جماعت حضرت کی خدمت میں پہونچی اور سلام کیا تو اُنکا حسن وجمال اور شان وشکوہ دیکھ کر میں بہت خوش ہوا اور میں نے کوئی خطیب اُنکے خطبہ سے زیادہ بلیغ تر نہیں دیکھا۔

بس عدی بن حاتم جو رئیس قبیلہ تھے کھڑے ہوئے اور حمد وثنائے الٰہی بجالانے کے بعد عرض کرنے لگے کہ ہمیں زمانۂ جناب رسول خداصلعم میں مسلمان ہوا اور آپ ہی کے عہد میں زکوٰۃ دی اور بعد حضرت کے مرتدین سے جہاد کیا اور میرا ارادہ اس جہاد سے محض تحصیل ثواب کا تھا اور میں جانتا ہوں کہ خداوند عالم نیکوں کو ثواب عطا کرے گا اور چونکہ اس زمانہ میں میں نے سُنا کہ اہل مکہ کے ایک گروہ نے آپ کی بیعت توڑدی ہے اور مخالفت پرآمادہ ہیں اس لئے میں حاضر ہوا ہوں کہ آپکی نصرت کروں اور جو کچھ حکم دیجئے اس پر عمل کروں۔

حضرت نے اُنکو اور تمام قبیلۂ طے کو دعائے خیر دی اسکے بعد سعید بن عبید بُختری کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ اے امیر المومنینؑ بعض لوگ اپنے دل کا حال زبان سے بیان کرسکتے ہیں اور بعضوں کو اسکی قدرت نہیں ہوتی اگر وہ بیان بھی کرنا چاہیں تو عاجز رہ جاتے ہیں اور پوری بات نہیں کہہ سکتے اور اگر نہیں بیان کرتے ہیں تو انکا دل نہیں مانتا اور اندوہ وملال میں مبتلا رہتے ہیں خدا کی قسم میں انہیں لوگوں میں سے ہوں کہ جو کچھ آپ کی محبت میرے دِل میں ہے اسکو زبان سے نہیں بیان کرسکتا لیکن باوجود عدم مہارت کے کوشش کرتا ہوں کہ جو کچھ میرے دِل میں ہے آپ کے ضمیر منیر پر ظاہر کروں اور خداوند عالم سے خواستگار توفیق ہوں اس وقت صرف اسی قدر کہتا ہوں کہ میں آپ کا ہواخواہ ہوں اور پوشیدہ وعلانیہ دونوں طرح سے آپ سے موافقت اور آپ کے دشمنوں سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہوں اور میرا عقیدہ ہے کہ جو حق آپ کو حاصل ہے وہ نہ آپ سے پہلے کسی کو حاصل تھا اور نہ اس وقت کسی

کو حاصل ہے۔ اسلئے کہ جو فضیلت سابق الاسلام ہونیکی حیثیت سے اور جہاد کرنے کے لحاظ سے اور رسول اللہ کی قرابت کے خیال سے آپ میں پائی جاتی ہے وہ کسی میں نہیں ہیں آپ سے ہرگز جدا نہ ہوں گا یہانتک کہ آپ ظفریاب ہوں یا آپ کے قدموں پر قربان ہو جاؤں حضرت امیر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ خدا تجھ پر رحمت کرے جو کچھ تیرے دل میں پنہاں تھا وہ میری زبان نے ادا کر دیا میں خدا سے خواستگار ہوں کہ وہ تجھے عاقبت دبہشت کرامت فرمائے۔

الضمیریہ

کتاب انساب سمعانی میں مذکور ہے کہ ضمیر بصرہ کی نہروں میں سے ایک نہر ہے جس کے کنارہ پر چند گاؤں آباد ہیں اور گروہ ضمیر دار الخوارج بصرہ کے باہر رہتے ہیں اور زمانہ قدیم سے انکے لوح و دل پر محبت اہلبیتؑ منقوش ہے۔ اور اس زمانہ میں انکے پانچ سو گھروں سے زیادہ ہیں۔

النّاوریہ

ایک گروہ کا نام ہے جو ناوہ کے رہنے والے ہیں اور وہ مضافات بغداد میں ایک موضع ہے لیکن مدت مدیدہ سے اس گروہ نے شہر بصرہ کے اندر قیام کر لیا ہے اور وہاں کے خارجیوں کی صحبت سے پریشان رہتے ہیں اور زمانہ قدیم سے مذہب شیعہ امامیہ رکھتے ہیں اور ہمارے زمانہ میں انکے رئیس صالح فاضل شیخ ناصر تاجر ہیں جو ہر سال خمس و زکوٰۃ کی بڑی بڑی رقمیں لیکر نجف اشرف و کربلائے معلّٰی آتے ہیں اور وہاں سادات و فقرا اور طلبا پر تقسیم کرتے ہیں "جزاہُ اللہ خیرا"

عقیراوّیہ

یہ ایک ایسے گروہ کا نام ہے جو زمانہ قدیم سے شہر بصرہ میں رہتے ہیں اور باوجود خارجیوں کی صحبت کے ایمان پر قائم واستوار ہیں اور انکے رئیس محبوب القلوب خواجہ یعقوب ہیں کہ جنکے امثال اس زمانہ میں مطلوب و مرغوب ہیں۔

بنی شکرُ

یہ ایسے لوگ ہیں جنکا شکریہ ادا کرنا تمام اہل ایمان پر لازم ہے ان لوگوں نے شہر بصرہ کے خارجیوں کو چھوڑ کر بیرونِ شہر مقام کیا ہے اور تقریباً دو سو گھر ونکے ہیں جو سب کے سب محبانِ اہلبیتؑ اطہار ہیں اور شکر نعمت و محبت کے بجالانے میں محکم واستوار ہیں۔

مزرعیّہ

یہ بھی شہر بصرہ کے باہر رہتے ہیں۔ اور انکے بھی تقریباً دو سو گھر ہیں۔ ہمیشہ سے اپنے کشتِ دل میں تخم محبت اہلبیتؑ کی کاشت کرتے ہیں۔ خدا انکی کھیتی کو سیراب کرے اور انکی اصل و فرع پر رحمت نازل فرمائے۔

معتزلیّہ

یہ لوگ شہر جویزہ سے آکر باہر قیام پذیر ہوئے ہیں لیکن بعض ان میں کے محبت خاندان رسالت ہیں اور بعضے مروانی خصلت ہیں لیکن شمالی حصہ کے سب موضع معہ قلعۂ قرنہ کے جو بصرہ سے دو دن کی راہ پر واقع ہے اہل تشیع سے آباد ہے اور ملک مصر و یمن و حجاز میں کہ جہاں کے سُنی خارجی المذہب نہیں ہیں بلکہ تعصب اور کم آزار ہیں ان میں بھی بہت سے شیعہ پائے جاتے ہیں جنکی تعداد معین نہیں کی جاسکتی۔

بنی کمونہ

انکو بنی عبداللہ بھی کہتے ہیں۔ انکا خاندان بہت بڑا ہے یہ لوگ سادات عالی درجات اور حسب و نسب میں مشہور ہیں اپنی کثرتِ تعداد اور اقتدار کے لحاظ سے تمام سرزمین عراق میں معروف ہیں در اصل انکا نام بنی کمکمہ ہے یہ لوگ شکر الاسود بن جعفر النفیس بن ابی الفتح محمد نقیب کوفہ کی اولاد سے ہیں عوام نے انکے نام میں تحریف کی اور بنی کمونہ مشہور ہوگئے اور یہ لفظ بھی مشہور غلطیوں میں سے ہے۔

اور سید فاضل میر محمد قاسم عالم علم الانساب مختاری سبزواری نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ سادات کمونہ نقبائے کوفہ میں سے تھے اور زمانہ قدیم سے نقابت و ریاست سادات عراق کی خصوصاً

سادات کوفہ کی انہیں کے خاندان میں تھی اور انمیں علماء وفضلاء بکثرت تھے۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کے زمانہ میں یہ لوگ یا انکی نیابت میں یا بالذات نقیب بغداد وعراق مقرر رہا کرتے تھے اور وہاں کے بڑے نقبا میں شمار تھا۔ یہیں سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جناب سید مرتضیٰ علم الہدائی جن لوگوں کو ایسے امر اہم کے قابل سمجھیں وہ لوگ یقیناً سادات رفیع الدرجات صاحبان علم وفضل متدین ومتقی رہے ہونگے اور یہی فضیلت وسعادت کی صحت کے لئے کافی ہے انکے جد گمنمہ عبداللہ رابع کی نسل سے تھے کہ جنکا سلسلہ نسب عبداللہ ثالث تک اور انکا سلسلۂ نسب عبداللہ ثانی تک اور انکا سلسلۂ نسب عبداللہ اوّل تک پہونچتا ہے جو حضرت حسینؑ اصغر بن زین العابدین علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ اور عبداللہ ثالث کی جنکی ابو طیب متنبّی نے مدح سرائی کی ہے اور اپنے دیوان کے پہلے قصیدے میں انکا ذکر کیا ہے انکے بیس بیٹے تھے جنمیں سے آٹھ بیٹے صاحب اولاد ہوئے۔ جنکی اولاد ذکور ابتک باقی ہے اور یہ لوگ تمام کوفہ کے مالک تھے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ:۔ اَلسَّمَاءُ وَالاَرْضُ لِبَنِی عَبدِاللّٰہ یعنی زمین وآسمان سب اولاد عبداللہ کا ہے اور اس سے مراد عبداللہ ثالث ہیں اور عبداللہ اول جن کا لقب عبداللہ اعرج ہے نہایت مشہور ومعروف آدمی ہیں انکی حکایت میں مشہور ہے کہ ایک مرتبہ ابوالعباس سفاح خلیفہ اول عباسیان کے پاس گئے اسنے اُنکی بہت تعظیم وتکریم کی۔ اور ایک علاقہ انکو بطور معافی کے جسمیں سالانہ اَسّی ہزار اشرفیوں کی آمدنی تھی۔ جسکو وہ سادات فقراء پر تقسیم کیا کرتے تھے اور خراسان بھی گئے تھے۔

ابو مسلم نے انکی بہت تعظیم وتکریم کی اور اہل خراسان نے بھی بڑا اعزاز واکرام کیا اور ہر طرح سے آمادۂ خدمت رہے اس خاندان کے متاخرین میں سے سید محمد کمونہ ہیں جو مشہد کے نقیب اور تمام شیعانِ عراق کے رئیس تھے جس زمانہ میں بادشاہ غفران پناہ شاہ اسمٰعیل صفوی عراق عرب کے فتح کرنیکے لئے تشریف لے گئے تھے تو بازیک بیگ کے خوف کے سبب سے قلعہ بندی کا ارادہ کیا چونکہ وہ سید محمد مذکور سے بدظن تھا لہٰذا انکو اسیر کر کے قلعہ بند ہو کر لڑنا شروع کیا لیکن آخرکار جب اس نے دیکھا کہ یہاں کے اکثر رہنے والے شیعہ ہیں جو بالاتفاق اسکی مخالفت کرینگے تو ڈر کر بھاگ گیا۔

اہلِ بغداد نے سید محمد کو اس اندھیرے کوئیں سے کہ جسمیں وہ قید تھے نکالا اور خطبہ وسکہ بادشاہ مرحوم مذکور کے نام جاری کیا۔

جب بادشاہ مرحوم ممدوح بغداد پہونچے تو سید محمد موصوف کو عتبات عالیات کا متولی کیا اور بہت سے سوار مع طبل وعلم انکے ماتحت قرار دیئے اور ابتک منصب امارت وتولیت انکی اولاد میں باقی ہے۔

بَنی مُختار

یہ لوگ رسول مختار صلعم کی ذرّیت سے ہیں انکا سلسلۂ نسب ابوعلی مختار نقیب امیر الحاج تک پہونچتا ہے۔

مشہد امیر المومنین علیہ السلام کی نقابت اور امارت حج اسلام مدتوں انکے اکابر میں رہی ہے۔

اور سید جلیل نقیب النقباء ممالک عراق وخراسان شمس الدین ابوالقاسم علی عمید الدین عبدالمطلب بن نقیب النقباء جلال الدین ابونصر ابراہیم بن سید العالم الفاضل النقیب عمید الدین عبد المطلب بن شمس الدین علی ماضی کے فرزند ہیں جو آخر نقبائے بنی عباس تھے۔

اور یہ شمس الدین علی ثانی زمانۂ سلطنت بادشاہ عالیجاہ شاہرخ میرزا ہیں نجف اشرف سے خراسان آئے اور دار المومنین سبزوار میں متوطن ہوئے اور انکے متاخرین میں سے ایک اور میر شمس الدین علی ہیں جو بادشاہ مغفور کی طرف سے حاکم صوبہ سبزوار اور صاحب طبل وعلم تھے اسی طرح سے سید فاضل میر محمد قاسم نسابہ جو سبزوار میں رہتے ہیں اور میر شرف الدین علی بَرکہ جو بادشاہ مرحوم سلطان حسین میرزا کے عہد سلطنت میں جب بلخ میں روضۂ حضرت امیر علیہ السلام ظاہر ہوا یعنی وہ روضۂ اقدس جو حضرت کی طرف منسوب ہے بنا کیا گیا تو سبزوار سے بلخ چلے گئے اور بادشاہ مذکور نے بلخ اور اسکے نواحی کی نقیب النقبائی انکے سپرد فرمائی وہ بھی اسی خاندان سے ہیں بادشاہ مذکور کی وفات کے بعد بسبب حوادث زمانہ کے بلخ سے بجانب ہند روانہ ہوئے اور اب بھی انکی اولاد ہندوستان میں مقیم ہے۔

مُوسَوِیّہ

اعلیٰ حضرت بادشاہ دیں پناہ اور سادات نقبائے مشہد مقدس رضوی کا نسب شریف احمد بن محمد اعرابی بن قاسم ابی القاسم حمزہ بن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے اور احمد اعرابی مذکور کی نسل انکے چند فرزندوں سے ہے۔

ایک ابومحمد اسمٰعیل جو شاہ دیں پناہ کے جد اعلیٰ ہیں دوسرے موسیٰ اور تیسرے محمد مجدذر تھے نقبائے مشہد مقدس کا سلسلۂ نسب ان لوگوں تک پہونچتا ہے۔ انکے متاخرین میں سے سید نقیب غیاث الدین محمد بن شریف بن نظام الدین علاء الملک بن عبدالمطلب بن نظام الدین عبدالحی بن طاہر بن محمود شاہ بن حسین بن طاہر نقیب ہیں اور یہ ابن طاہر بادشاہ مغفور سلطان غازان کے زمانہ میں مشہد مقدس سے

اپنے بھائی سید علاء الدین کے ہمراہ تبریز گئے سید علاء الدین درمیان راہ میں مقتول ہوگئے اور سید طاہر بادشاہ مذکور نے عہدہ نقابت پر فائز کیا۔ اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جو سادات عظام موسویہ مشہد مقدس میں سے نقیب ہوئے اور اُس وقت سے اس زمانہ تک نقابت موسویہ انہیں کی نسل میں باقی ہے۔

رِضَویّہ

سادات عظام رضویہ مقدس اور سادات رضویہ قم کا سلسلہ نسب ابوعبداللہ احمد نقیب قم بن محمد الاعرج بن احمد بن موسیٰ المبرقع بن الامام محمد تقی علیہ السلام تک پہونچتا ہے اور سید نقیب امیر شمس الدین محمد جواد ابوعبداللہ نقیب کی تیرہویں پشت میں ہیں۔

زمانہ سلطنت شاہرخ میرزا میں شہر قم سے مشہد مقدس آئے اور مرزا ابوطالب مشہور انکی اولاد سے ہیں۔ وہ ایک مدت تک بادشاہ مغفور کی طرف سے حاکم ملک تبریز رہے اور اب بھی انکی اولاد اور اعزا مشہد مقدس میں بکمال شان وشوکت متوطن ہیں۔

بخارِیّہ

یہ سادات عظام کا ایک بڑا گروہ ہے جو ملک ہند کے مختلف شہروں میں مثل ملتان، لاہور اور دہلی وغیرہ کے مقیم ہیں انکے جداعلیٰ سید جلال ماضی عراق سے بخارا آئے اور وہاں کے مروانیوں کی صحبت سے عاجز ہوکر دارالحرب کابل کی طرف روانہ ہوگئے لیکن جب اہل کابل کے دلوں کو بھی اہل بخارا کی طرح مثل سنگ خارا کے پایا تو وہاں سے مُلک ہند کیطرف روانہ ہوئے اور یہ شعر اہل کابل اور بخارا کی شان میں کہا شعر

قتل عام آرزو دارم ہلاکو خاں کجاست — زاں کہ از سرحد کابل تا بخارا کشتنی است

سنّیان ہند چونکہ فضلۂ عقائد حنفیہ بخارا پر قائم ہیں سید مذکور نے وہاں اپنی اقامت ممکن سمجھی۔ اور یہ ظاہر کیا ہم اہل بخارا سے ہیں غرضکہ سید مذکور معہ اپنی اولاد امجاد کے مدت تک تقیہ کے ساتھ بسر کرتے رہے اور سلاطین ہندان کی بے انتہا تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ زمانہ تقیہ کے طولانی ہونے کی جہت سے ان کی اولاد میں سے بہتوں نے مذہب ابائی چھوڑ دیا اور دنیاداری وجہالت کے سبب سے گمراہ ہوگئے لیکن بعض انمیں کے جو صاحبان فضل وکرامت تھے مثل سید راجو کے کہ جنہوں نے ہمیشہ مذہب حق کی جستجو کی اور تقیہ سے نیز خوشامد چغتائیہ سے اپنے دامن کو پاک رکھا گویا بزبان حال یہ رباعی

پڑھتے تھے:۔ رباعی

در مذہب ما تقیہ و نو ر نیست — در ترک وشروع کار ما توطیہ نیست
از گردش چرخ شاد و غمگین نہ شویم — در خانۂ ما عروسی و تعزیہ نیست

اَنجُویّہ

یہ لوگ اعیان سادات شیراز سے ہیں۔ اور قدیم شیعہ ہیں دوسروں سے ممتاز ہیں ان کا سلسلہ نسب قاسم الرسّی بن حسن بن ابراہیم بن طباطبائی حسنی تک پہونچتا ہے اور ان کے اکابر متاخرین میں سے سید اجل میر شاہ محمود ہیں جو صدارت پناہ میر شمس الدین اسداللہ شوشتری مغفور کی امداد سے مقربان بادشاہ مغفور سے ہوگئے تھے اور دارالملک فارس کی شیخ الاسلامی انہیں سے متعلق تھی اور سید فاضل میر شاہ ابوتراب جو فارس کے قاضی القضاۃ تھے اسی خاندان سے تھے اور انکی اولاد امجاد اب تک شیراز میں مقیم ہے ان کے بعض اعزا ہندوستان چلے گئے ہیں لیکن وہاں بھی تقیہ نہیں کرتے اور نہ وہاں کے بادشاہوں کی طرف سے صاحبان حکومت اور مالکان طبل وعلم ہیں۔

مَرعَشِیّہ

کتاب صحاح اللغت میں مذکور ہے کہ جزیرۂ موصل کے ایک شہر کا نام مرعش ہے اور سید اجل عزّ الملت والدین نسابہ نے لکھا ہے کہ مرعش آرزینیہ اور دیار بکر کے درمیان میں ایک قلعہ ہے نتیجہ ان دونوں قوموں کا ایک ہے لیکن سید مذکور کے کلام سے اس کا بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ علی مرعشی جو سادات مرعشی کے جداعلیٰ ہیں اسی قلعہ کی طرف منسوب ہیں اس لیے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ علی مرعشی امیر کبیر تھے اور مرعش آرمینیہ اور دیار بکر کے درمیان ایک قلعہ ہے اس کلام کا ظاہر یہی ہے کہ علی مذکور وہیں کے رہنے والے تھے اس لئے کہ لفظ مرعش کو ان کے ذکر کے ساتھ ہی ذکر کیا ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہے کہ علی مذکور اس قلعہ میں متوطن یا وہاں کے امیر رہے ہوں لہٰذا یہ اولیٰ ہے کہ مرعش کو دوسرے معنوں پر حمل کریں اور وہ بھی صاحب صحاح اللغت نے لکھے ہیں کہ مرعش کبوتر بلند پرواز کو کہتے ہیں چونکہ علی مذکور اپنی علوشان ورفعت منزلت ومکان میں بے نظیر تھے اس سبب سے ان کو مرعشی کہنے لگے۔ اس قول کا موید سمعانی کا قول بھی ہے کہ جس نے مرعش کا ذکر اور اس کی توضیح کرنے کے بعد علی مذکور کو بلاد ساحل کے شہروں میں سے ایک شہر سے نسبت دی ہے۔

اور احمد بن علی علوی نسابہ سے نقل کیا ہے کہ مرعش ایک شخص علوی کا نام ہے اور سادات مرعشی کے ذکر میں جب علی مذکور تک پہونچا ہے تو ذکر کیا ہے کہ یہی علی مرعش بن عبداللہ بن محمد ملقب بہ سیلق بن الحسن بن حسینی الاصغر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام ہیں غرضکہ اس گروہ بزرگوار کے چار حصے ہیں۔

حصہ اوّل سادات عالی درجات مازنداراں ہیں جن کا تشیع مشہور ہے اور مجلس سلاطین میں ان کا ذکر کیا جائے گا۔

حصہ دوم سادات صاحب سعادت شوشتر کہ دراصل مازندران ہی سے شوشتر آئے ہیں اور مذہب حق کی ترویج میں انہوں نے جو کوشش کی ہے وہ نہایت واضح اور آشکار کالشمس فی نصف النہار ہے ان کے اکابر متاخرین میں سے صدر عالی قدر امیر شمس الدین اسداللہ مشہور بہ شاہ میر اور بدر منشرح الصدر میر شریف ہیں جو اپنے زہد وتقویٰ میں مشہور ومعروف ہیں **بیت**

فتا گاں سرکوئے دوست بسیار اند
ولیکن ازسر کوئش چومن فتادہ نہ خواست

حصہ سوم ۔ مرعشیہ اصفہان ہیں اور وہ بھی مازندران ہی سے اصفہان میں آئے ہیں جن کے افاضل متاخرین میں سے خلیفۂ اسد اللہ ہیں جو امیر شمس الدین اسداللہ صدر مذکور کی مدد سے بادشاہ مغفور کے مقربین میں سے ہو گئے اور مشہور مقدس کی تولیت ان کے متعلق تھی۔

حصہ چہارم ۔ مرعشیۂ قزوین جو زمانہ قدیم سے اس خاردار میں جہاں سنّیان مردم آزار کی کثرت ہے بطور تقیہ بسر کرتے رہے اور بڑے بڑے ظلم وستم سہتے رہے لیکن ہمیشہ مذہب حق کے احکام پر عمل کرتے رہے لیکن اس زمانے میں امیر شمس الدین مذکور کی عنایت سے بعضے ان میں کے نقیب ہیں اور بعض شاہزادہ حسین کے آستانے کے متولی ہیں اور بعضے شہر قزوین میں کوتوال ہیں اس زمانے میں ان کے افاضل سے میر علماء الملک مرعشی ہیں جنہوں نے شاہی فیض سے تعلیم کو تربیت پائی ہے اور لشکر ظفر اثر کے قاضی ہیں۔

عَقِیلی

یہ ایک بہت بڑا گروہ ہے جن کے تقریباً ایک ہزار گھر ہیں یہ لوگ مومنین صاحب مروت ہیں اور شوشتر کے نواحی میں ایک نہایت بافضا زمین پر مقیم ہیں اور اس زمانے میں ان کے امرا کبار میں سے امیر کبیر میر حسن عقیلی ہیں جو جود وسخا میں مثل حاتم ہیں اور شجاعت وبہادری میں بھی یکتائے روزگار

ہیں۔ یہ لوگ سادات شوشتر کے لئے باعث زینت ہیں اور عروس محبت خاندان رسالتؑ کے لئے زیور ہیں یہ لوگ اپنے کو عقیل بن ابی طالب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

دَیلَمیّہ

یہ گروہ بزرگ بزرگان قزوین میں سے ہے اور یہ لوگ اپنے کو نسل مالک سے جانتے ہیں ان کے اکابر ومتاخرین میں سے **ملک محمود خاں دیلمی** ہیں جو ابتداءً سلطان یعقوب کے وزیر تھے اور پھر صاحب قراں مغفور کی خدمت میں پہونچے اور انکے مقربین میں سے ہو گئے اور خلعت وزارت سے سرفراز ہوئے۔ ان کے بیٹے **شاہ میر** بھی اس گروہ کے اعیان میں سے ہیں کی جن کا نام فہرست فضلاء میں شمار کرنے کے قابل ہے اکثر علوم میں ملا **شاہ محمود نیرزی** کے شاگرد ہیں۔

اور ان کا ذہن نہایت تیز اور طبیعت تصرف انگیز واقع ہوئی ہے بعد اپنے بھائی **امیر بیگ** کے صاحب **قراں مغفور** کے وزیر ہو گئے تھے لیکن تھوڑے عرصہ تک وزارت کرنے کے بعد ترک کر کے قناعت اختیار کر لی۔

گُرجیَّہ

تاریخ گزیدہ میں مذکور ہے کہ یہ لوگ **ابودلف عجلی** کی نسل سے ہیں جو ہارون الرشید کے حکم سے ملک **ایران** میں آئے تھے اور شہر کرج کی بنا ڈالی تھی اور وہیں ساکن ہو گئے اپنی اولاد کو قزوین بھیج دیا جس نے وہاں نشو ونما پائی۔ ان کے تشیع کے حالات مجلس امرا میں مذکور ہونگے۔

بعضے ثقات اہل قزوین سے سنا گیا ہے کہ وہاں کے رہنے والوں میں سے دو گروہ شیعہ امامیہ ہیں اور آٹھ گروہ **حنفی** ہیں اور بقیہ عام آبادی **شافعی المذہب** ہیں جنکی تعداد بہ نسبت مذکورین کے بہت زیادہ ہے۔

بُوھُرَہ

یہ لوگ بھی مومنین میں سے ہیں اور **احمد آباد گجرات** اور اسکے نواحی میں مقیم ہیں۔ تقریباً تین سو سال پیشتر صالح فاضل ملا علی کی ہدایت سے یہ لوگ داخل اسلام وایمان ہوئے اور ان کی قبر شہر کیناتی میں ہے جو سواحل بحر ہند پر واقع ہے۔ مولانا مذکور جب گجرات تشریف لے گئے اور وہاں کے کفر کو ملاحظہ فرمایا کہ سب کے سب کافر ہیں اور یک پیر کبیر السن کے مرید ومعتقد ہیں تو مولانا نے یہ تدبیر سوچی کہ پہلے

اور احمد بن علی علوی نسابہ سے نقل کیا ہے کہ مرعش ایک شخص علوی کا نام ہے اور سادات مرعشی کے ذکر میں جب علی مذکور تک پہونچا ہے تو ذکر کیا ہے کہ یہی علی مرعش بن عبداللہ بن محمد ملقب بہ سلیق بن الحسن بن حسینی الاصغر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام ہیں غرضکہ اس گروہ بزرگوار کے چار حصے ہیں۔

حصہ اوّل سادات عالی درجات مازندراں ہیں جن کا تشیع مشہور ہے اور مجلس سلاطین میں ان کا ذکر کیا جائے گا۔

حصہ دوم سادات صاحب سعادت شوشتر کہ دراصل مازندران ہی سے شوشتر آئے ہیں اور مذہب حق کی ترویج میں انہوں نے جو کوشش کی ہے وہ نہایت واضح اور آشکار کالشمس فی نصف النہار ہے ان کے اکابر متاخرین میں سے صدر عالی قدر امیر شمس الدین اسد اللہ مشہور بہ شاہ میر اور بدر منشرح الصدر میر شریف ہیں جو اپنے زہد و تقویٰ میں مشہور و معروف ہیں **بیت**

فتاگاں سرکوئے دوست بسیار اند
ولیکن ازسر کوئش چومن فتادہ نہ خواست

حصہ سوم۔ مرعشیہ اصفہان ہیں اور وہ بھی مازندران ہی سے اصفہان میں آئے ہیں جن کے افاضل متاخرین میں سے خلیفۂ اسد اللہ ہیں جو امیر شمس الدین اسد اللہ صدر مذکور کی مدد سے بادشاہ مغفور کے مقربین میں سے ہوگئے اور مشہور مقدس کی تولیت ان کے متعلق تھی۔

حصہ چہارم۔ مرعشیۂ قزوین جو زمانہ قدیم سے اس خاردار میں جہاں سنّیان مردم آزار کی کثرت ہے بطور تقیہ بسر کرتے رہے اور بڑے بڑے ظلم و ستم سہتے رہے لیکن ہمیشہ مذہب حق کے احکام پر عمل کرتے رہے لیکن اس زمانے میں امیر شمس الدین مذکور کی عنایت سے بعضے ان میں کے نقیب ہیں اور بعض شاہزادہ حسین کے آستانے کے متولی ہیں اور بعضے شہر قزوین میں کوتوال ہیں اس زمانے میں ان کے افاضل سے میر علماء الملک مرعشی ہیں جنہوں نے شاہی فیض سے تعلیم کو تربیت پائی ہے اور لشکر ظفر اثر کے قاضی ہیں۔

عَقِیلی

یہ ایک بہت بڑا گروہ ہے جن کے تقریباً ایک ہزار گھر ہیں یہ لوگ مومنین صاحب مروت ہیں اور شوشتر کے نواحی میں ایک نہایت بافضا زمین پر مقیم ہیں اور اس زمانے میں ان کے امرا اکابر میں سے امیر کبیر میر حسن عقیلی ہیں جو جود و سخا میں مثل حاتم ہیں اور شجاعت و بہادری میں بھی یکتائے روزگار

ہیں۔ یہ لوگ سادات شوشتر کے لئے باعث زینت ہیں اور عروس محبت خاندان رسالتؐ کے لئے زیور ہیں یہ لوگ اپنے کو عقیل بن ابی طالب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

دَیلمیہ

یہ گروہ بزرگ بزرگان قزوین میں سے ہے اور یہ لوگ اپنے کو نسل مالک سے جانتے ہیں ان کے اکابر و متاخرین میں سے **ملک محمود خاں دیلمی** ہیں جو ابتداءً سلطان یعقوب کے وزیر تھے اور پھر صاحب قراں مغفور کی خدمت میں پہونچے اور انکے مقربین میں سے ہوگئے اور خلعت وزارت سے سرفراز ہوئے۔ ان کے بیٹے **شاہ میر** بھی اس گروہ کے اعیان میں سے ہیں کہ جن کا نام فہرست فضلاء میں شمار کرنے کے قابل ہے اکثر علوم میں **ملا شاہ محمود نیرزی** کے شاگرد ہیں۔

اور ان کا ذہن نہایت تیز اور طبیعت تصرف انگیز واقع ہوئی ہے بعد اپنے بھائی **امیر بیگ** کے **صاحب قراں مغفور** کے وزیر ہوگئے تھے لیکن تھوڑے عرصہ تک وزارت کرنے کے بعد ترک کر کے قناعت اختیار کر لی۔

گُرجیہ

تاریخ گزیدہ میں مذکور ہے کہ یہ لوگ **ابو دلف عجلی** کی نسل سے ہیں جو ہارون الرشید کے حکم سے ملک **ایران** میں آئے تھے اور شہر کرج کی بناڈالی تھی اور وہیں ساکن ہوگئے اپنی اولاد کو قزوین بھیج دیا جس نے وہاں نشو ونما پائی۔ ان کے تشیع کے حالات مجلس امرا میں مذکور ہونگے۔

بعضے ثقات اہل قزوین سے سنا گیا ہے کہ وہاں کے رہنے والوں میں سے دو گروہ شیعہ امامیہ ہیں اور آٹھ گروہ حنفی ہیں اور بقیہ عام آبادی **شافعی المذہب** ہیں جنکی تعداد بہ نسبت مذکورین کے بہت زیادہ ہے۔

بُوھَرَہ

یہ لوگ بھی مومنین میں سے ہیں اور **احمد آباد** گجرات اور اسکے نواحی میں مقیم ہیں۔ تقریباً تین سو سال پیشتر صالح فاضل ملا علی کی ہدایت سے یہ لوگ داخل اسلام و ایمان ہوئے اور ان کی قبر شہر کینائی میں ہے جو سواحل بحر ہند پر واقع ہے۔ مولانا مذکور جب گجرات تشریف لے گئے اور وہاں کے کفر کو ملاحظہ فرمایا کہ سب کے سب کافر ہیں اور یک پیر کبیر السن کے مرید و معتقد ہیں تو مولانا نے یہ تدبیر سوچی کہ پہلے

خود بھی چل کر اس پیر کے مرید ہو جاویں اور دلائل مذہب حق ان کے سامنے پیش کریں جب وہ مسلمان ہو جائے تب پھر اس قوم کا ہدایت کر لینا بہت سہل ہے چنانچہ اسی تدبیر پر عمل کیا اور چند سال تک اس بڈھے کی مریدی کرتے رہے۔ ان لوگوں کی زبان بھی سیکھ لی اور ان کی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا آخر کار وہ پیر روشن ضمیر بھی مشرف با اسلام ہو گیا۔

ان کے مسلمان ہونے سے بہت سے مرید خود بخود مسلمان ہو گئے یہاں تک کہ اس ملک کے وزیر نے جب سنا کہ اس کے پیر نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ تو وہ بھی حاضر ہوا اور ایمان قبول کر لیا لیکن عرصے تک پیر و وزیر نیز دیگر مسلمانان بادشاہ کے خوف سے اپنے مذہب کو چھپاتے رہے۔ آخر کار اسلام وزیر کی خبر بادشاہ تک پہونچ ہی گئی بادشاہ نے اس کے حالات دریافت کرنے کیلئے بہت کوشش کی یہاں تک کہ ایک وزیر بے اطلاع وزیر کے مکان میں آ گیا اور اس کو حالت رکوع میں پایا اور فوراً خفا ہونا شروع کیا کہ "یہ کیا کر رہا ہے"۔

وزیر نے اپنی جان بچانے کے لیے بادشاہ سے کہا کہ "ابھی ابھی ایک سانپ گوشۂ مکان میں نکلا تھا جس کو میں جھک جھک کر دیکھ رہا تھا"

قدرت خدا کی بادشاہ نے گوشۂ مکان کی طرف جو نظر کی تو ایک سانپ نظر آیا آخر وزیر کے عذر کو قبول کیا اور سوء ظن رفع ہو گیا۔ لیکن رفتہ رفتہ نتیجہ یہ ہوا کہ دین اسلام کی خوبیوں نے بادشاہ کو بھی مسلمان بنا کر ہی چھوڑا۔

عمر بھر اس نے اپنے مذہب کو ظاہر نہیں کیا لیکن مرتے وقت وصیت کی کہ میری لاش مثل کفار کے نہ جلائی جائے بلکہ مثل اہل اسلام کے تجہیز و تکفین کر کے دفن کر دی جائے اس بادشاہ کے مرنے کے بعد **سلطان ظفر** نے جو امراء سلطان فیروز شاہ میں سے تھے ملک گجرات پر قبضہ کر لیا ان کے ساتھ بہت سے علمائے اہل سنت تھے لوگوں کو مذہب اہل سنت کی ترغیب و تحریض کرتے تھے چنانچہ بعض **بوہرہ** نے مذہب اہل سنت اختیار کر لیا لیکن بہت سے مذہب امامیہ پر باقی رہے۔ ان میں سے جو لوگ مذہب امامیہ میں باقی ہیں ان کے دو ہزار گھر ہیں اور ہمیشہ ان کے درمیان ایک شخص فضلاء میں سے رہا کرتا ہے جو ان کو مسائل دینیہ تعلیم کیا کرتا ہے۔ اکثر ان میں تجارت پیشہ ہیں اور زبان گجراتی میں بوہرہ کے معنی تاجر کے ہیں یہ لوگ اپنا مال خمس سادات مدینہ طیبہ کے لئے بھیجتے ہیں اور زکوٰۃ اپنی قوم کے عالم کو دیتے جو ان کے فقراء پر تقسیم کرتا ان میں کے خاص و عام سب کے سب صالح و متقی و پرہیز گار ہیں اور ہمیشہ اہل سنت محبت کے سبب سے حکام اہل سنت کے ظلم و جور سہا کرتے ہیں۔ اور بلائے تقیہ میں گرفتار ہیں۔

صِدِّیقیہ

مومنین صاحبان یقین ہندوستان کا ایک گروہ ہے یہ لوگ **سید کبیر الدین** کے مرید ہیں اور اپنے نسب کو اسماعیل بن امام جعفر صادق علیہ السلام سے منسوب کرتے ہیں چونکہ ان لوگوں نے سید مذکور کی دعوت کو قبول کیا اور ان کی تصدیق کی۔

اگر چہ شخصیت ظاہر جو اسوقت متعارف ہے وہ یہ ہے کہ جو ابوبکر بن ابوقحافہ کی طرف منسوب ہو اسے صدیقی کہتے ہیں عجب نہیں کہ اس گروہ نے بضرورت تقیہ یہ لقب اختیار کیا ہو لیکن پھر بھی ان کو کچھ فائدہ نہ پہونچا بلکہ متعصبان اہل ہند جو **معاویہ** پسر ہند کے عاشق و شیدا ہیں ہمیشہ ان کو تکلیف پہونچاتے رہتے ہیں اور ان کے تشیع پر مطلع ہو گئے ہیں اور ان لوگوں کو ملحد و مرتد کہتے ہیں اور طرح طرح تہمت لگا کر ایذا رسانی کرتے ہیں خصوصاً **ملا عبداللہ** لاہوری کہ جو مخدوم الملک کے نام سے مشہور ہے ان کے ہاتھ سے ان لوگوں کو بہت اذیتیں پہونچیں لیکن بمقتضائے کلام وحی آثار کہ ہم بنی **عبدالمطلب** ہیں جس گھر نے ہماری عداوت کی وہ ویران ہوا اور جس کتے نے ہماری دشمنی کی وہ خارشتہ ہو گیا اس ملعون کا بھی وہی حال ہوا کہ اس کا گھر تباہ ہوا اور قصر سقر میں جگہ ملی۔

ع با آل علی ہر کہ درافتادہ برآفتا

انکے امام ابوحنیفہ نے اشعار ذیل جن کو شارح **دیوان مرتضوی** نے نقل کیا ہے گویا انہیں لوگوں کی شان میں کہتے ہیں:۔

اشعار

حُبُّ الْیَهُوْدَ لِآلِ مُوْسیٰ ظَاهِرٌ — وَوِلَائُهُمْ لِنَبِیِّ اَخِیْهِ بَادٖ

وَاِمَامُهُمْ مِنْ نَسْلِ هَارُوْنَ الْاُوْلیٰ — بِهِمْ اِقْتَدُوْا وَلِکُلِّ قَوْمٍ هَادٖ

وَکَذَا النَّصَارٰی یُکْرِمُوْنَ مُحَبَّةً — لِمَسِیْحِهِمْ نَحْرًا مِنَ الْاَعْوَادٖ

فَمَتیٰ یُوَالیٰ آلَ مُحَمَّدٍ مُسْلِمٌ — فِیْ آلِهٖ وَاللّٰهِ بِالْمِرْصَادٖ

لَمْ یَحْفَظُوْا حَقَّ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ — فِیْ اٰلِهٖ وَاللّٰهُ بِالْمِرْصَادٖ

یعنی یہود کی محبت جناب موسیٰؑ کے ساتھ ظاہر اور ان کی ولا جناب موسیٰؑ کے برادرزادوں کے ساتھ واضح و ماہر ہے اور امام ان کے نسل ہارون سے ہیں جن کی وہ اقتدیٰ کرتے ہیں اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوا کرتا ہے اور اسی طرح سے نصاریٰ بھی اپنے مسیح کی محبت کے سبب سے لکڑی کی صلیب کی بھی تعظیم و تکریم کرتے ہیں لیکن جب کوئی مسلمان آل محمدؐ کو دوست رکھتا ہے تو یا تو اسے لوگ مار ڈالتے ہیں یا

ملحد کہتے ہیں۔ان لوگوں نے آل رسولؐ کے حق کی کوئی رعایت ان کی آل کے متعلق نہ کی اور خداوند عالم موقع کا منتظر ہے الغرض ملک ہند میں ان لوگوں کی آبادی قریب تیس ہزار (۳۰۰۰۰) آدمیوں کے ہے جو شہر ملتان ولاہور ودلی اور گجرات میں رہتے ہیں اور اکثر تجارت پیشہ کرتے ہیں یہ لوگ اپنے مال کا خمس اپنے پیر سید کبیر کی اولاد کو دیا کرتے ہیں اور پیر و مرید سادات اور ان کے تابعین سب کے سب شیعیان اہلبیتؑ میں سے ہیں۔

ہزارۂ کابل

ان کی تعداد بے شمار ہے کابل وغزنین وقندھار میں مقیم ہیں اور ان میں کے اکثر شیعہ اہلبیتؑ اطہار ہیں اس زمانہ میں ان کے روساء میں سے **مرزا شادمان** ہیں جنکے وجود ذی جود سے اہل ایمان شاد اور خارجیان کابل وغزنین انکے فتوحات سے مشغول نالہ وفریاد ہیں۔

بلوچ سندھ

ان میں کے اکثر شیعہ ہیں اور اہل ایمان کو علیؑ دوست کے نام سے یاد کرتے ہیں **سید راجوئے بخاری** نے ان کی ہدایت میں بہت کوشش کی ہے۔اور بالفعل ان کی اولاد امجاد انہیں لوگوں میں مقیم اور ان کی اصلاح میں مشغول ہے ان کے مشاہیر میں سے **عارف بلوچ** ہیں جن کی یہ رباعی مشہور ہے:۔رباعی

عارف پرے تیر نے زکے خواہم کرد — در رشتۂ جان خصم پۓ خواہم کرد
برسینۂ دشمن علی خواہم زد — شنجرف زخونِ دل وے خواہم زد

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ رسولہٖ والہ الطاہرین

تمام شد مجلس دوم

کر رہے تھے جس دُرِ مقصود کا سب انتظار — دیکھنا ہے قدر کیا کرتے ہیں اس کی شائقین
کیوں نہ خوش ہو کر کہوں انجمؔ بفضل پنجتنؑ — دوسری مجلس بھی لیجئے چھپ گئی اے مومنین

مجلس سوم

اکابر شیعہ صحابہ کرام حضرت سید الانام علیہ وآلہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے ذکر میں اس مجلس کے دو حصے ہیں لیکن پہلے چند مقدمات کا بیان کرنا ضروری ہے

مقدمہ اولیٰ (تعریف صحابی میں)

مخفی نہ رہے کہ صحابی بنا بر اظہر اقوال کے ایسا شخص ہے کہ جس نے حضرت پیغمبر خدا سے ملاقات کی ہو درحالیکہ آپ پر ایمان بھی لایا ہو اور مسلمان مرا ہو اگرچہ اس کے مرنے اور ایمان کے درمیان میں ارتداد بھی حاصل ہو گیا ہو یعنی بعد ایمان لانے کے پھر مرتد ہو گیا ہو اور بعد توبہ کر کے با ایمان مرا ہو۔ اور ملاقات کے معنی بھی ہم نشینی اور ہمراہ چلنے اور ایک دوسرے کے پاس اس طرح پر پہونچنے سے کہ آپس میں باتیں نہ کی ہوں یا ایک نے دوسرے کو نہ دیکھا ہو عام ہیں اور اس مقام پر ملاقات کا لفظ بہ نسبت رویت۔ کی لفظ کے بہتر ہے اس لئے کہ بعض صحابی مثل ابن مکتوم کے نابینا تھے جن کو رویت حاصل نہیں ہوئی حالانکہ وہ اختلاف صحابی ہیں اور حالت ایمان میں ملاقات کرنے کی شرط اس لئے لگائی ہے تا کہ وہ لوگ اس تعریف میں داخل نہ ہوں جنہوں نے حالت کفر میں حضرت سے ملاقات کی اور بعد وفات مشرف باسلام ہوئے اس لئے کہ ایسے شخص کو صحابی نہیں کہا جا سکتا اور حضرت ہی پر ایمان لانے کی قید اس لئے ہے تا کہ وہ لوگ خارج ہو جائیں جو آپ کے سوا اور انبیاء پر ایمان لائے ہوں اور آپ سے اسی حالت میں ملاقات کی ہو نیز وہ لوگ بھی خارج ہو جائیں گے کہ جو آپ کے مبعوث ہونے پر قبل بعثت ایمان لا چکے تھے اور آپ سے ملاقات بھی ہو چکی تھی لیکن آپ کے زمانہ بعثت کے بعد ملاقات نہیں ہوئی۔ اور حالت اسلام پر مرنے کی قید اس لئے ہے تا کہ وہ لوگ بھی خارج ہو جائیں جو آپ کے بعد مرتد ہو گئے اور حالت ارتداد ہی میں مرے۔ مثل **عبداللہ بن جحش** وغیرہ کے اور ارتداد کے درمیان میں حائل ہونے کے غیر مقرر ہونے کو اس لئے بیان کیا ہے تا کہ وہ شخص کہ جس نے قبل مرنے کے توبہ کر لی ہو وہ قبل وفات حضرت کے یا بعد وفات تعریف صحابی میں داخل رہے مثل **اشعث بن قیس** کے کہ جو

حضرت کے زمانہ میں ایمان لایا اور پھر مرتد بھی ہو گیا اور پھر **خلیفہ اول** کے زمانہ میں مسلمان ہوا۔ خلیفہ مذکور نے خوش ہو کر اپنی بہن اسے بیاہ دی۔ یہاں تک کہ **محمد** نام کا لڑکا پیدا ہوا جو قاتلان حضرت امام حسین علیہ السلام میں سے ہے۔ پھر جنگ صفین میں **معاویہ** نے اس کو مال دیکر فریب دیا یہاں تک کہ حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ جہاد کرنے میں تامل کیا۔ اور حضرت کو حکمین قائم کرنے پر مجبور کیا اور پھر یہی حکمین کا قرار دینا برا سمجھ کر آپ کی مخالفت اختیار کی۔ اور نہروان میں حضرت پر خروج کیا اس کے بعد پھر کافر ہو گیا اور نہروان میں مارا گیا۔

اور اظہر اقوال کہنے سے اس امر پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ بعض لوگوں نے اس کے خلاف تعریف کی ہے جن میں سے قیود میں اختلاف کیا ہے منجملہ ان کے قید تخلل ردّہ ہے یعنی ارتداد کا درمیان میں حائل ہونا اور بعض نے صحابی کے لئے روایت حدیث کو بھی ضروری جانا ہے اور بعضوں نے ایک سال یا دو سال ساتھ رہنے یا ایک غزوہ یا دو غزوہ میں حضرت صلعم کے ساتھ شریک ہونے کو شرط قرار دیا ہے۔

اور صاحب **روضۃ الاحباب** نے کہا ہے کہ صحابہ کے عدد معین و معلوم نہیں ہیں ہاں بعض غزوات میں اس کا پتہ چلتا ہے کہ کتنے صحابی مثل جنگ تبوک میں تیس ہزار (۳۰۰۰۰) یا چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) یا ستر ہزار (۷۰۰۰۰) اور حجۃ الوداع میں ایک لاکھ سے زاید اصحاب ہمراہ رکاب تھے اور جناب خاتم المجتہدین **شیخ زین الدین علی عاملی** نے اپنی شرح درایت اصول حدیث میں جو ان کی مصنفات جدیدہ میں سے ہے نقل کیا ہے کہ بعد حضرت کی وفات کے چودہ ہزار ایک سو آدمی صحابی تھے اور مولف کے خیال میں جن لوگوں نے ستر ہزار اور ایک لاکھ کہا ہے ان لوگوں نے صرف صحبت کا اعتبار کیا ہے اور جنہوں نے کم کہا ہے قیود ایمان و بقا پر ایمان وغیرہ کا خیال رکھا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقت الحال۔ اور باعتبار تقدیم اسلام اور ہجرت اور شرکت غزوات اور ملازمت صحبت اور شہادت وغیرہ کے صحابہ خبر متواتر یا ایسی خبر مشہور ہے۔ جس پر وثوق ہو ممکن ہے۔

مقدمہ دوم

جاننا چاہئے کہ فرقہ حقہ امامیہ کے نزدیک ایمان و عدالت وغیرہ کے لحاظ سے صحابی و غیر صحابی میں کوئی فرق نہیں ہے اور صرف صحابی ہونا۔ ایمان و عدالت کو ثابت نہیں کرتا اور باعث بخالت ہوتا اور اہل خلاف جو اپنے کو اہل سنت و جماعت کہتے ہیں تمام صحابہ کو ایمان و عدالت میں یکساں جانتے ہیں اور ان میں سے کسی پر لعن و طعن جائز نہیں جانتے بلکہ لاعن و طاعن کو گناہ گار اور خارج از ایمان جانتے ہیں اور یہ قول غلط اور واہی محض گمراہی کے سبب سے پیدا ہوا ہے اس لئے کہ اصلیت صحابہ کی وہی ہے جو پہلے

مقدمہ میں گذری اور ایمان وعدالت تو امور کسبیہ میں سے ہے نہ امور فطریہ میں سے درحالیکہ یہ حضرت صلعم کے زمانے میں بہت سے ایسے منافق تھے کہ جن کو حضرت کی صحبت نصیب ہوئی۔ جو منافقت میں مشہور تھے اور لوگ انہیں صحابہ کہتے تھے اور حق سبحانہ تعالیٰ نے ان کی شان میں فرمایا ہے:۔ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنَاكَهُم فَلَعَرَفْتَهُم بِسِيْمَاهُم وَلَتَعرِفَنَّهُم فِي لَحنِ القول.

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ان لوگوں کو تجھے دکھا دیتے پس تو انہیں ان کی نشانیوں کے ساتھ پہچان لیتا۔ اور ہر آئینہ پہچانتا ہے تو پھر ان کو پھیر کی بات کہتے ہیں۔

اور بفرض محال ایمان وعدالت کے زوال ایمان وعدالت ممکن ہے جیسے بلعم باعور کے لئے ہوا جو حضرت موسیٰؑ کا صحابی تھا۔ واقعی ملا جامیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر کرا روئے بہ بہبود نہ داشت   دیدن روئے نبیؐ سود نہ داشت

اور بعض شعرائے شیعہ نے بھی یہ کہا ہے۔

دوں شود از قربِ بزرگاں خراب   جیفہ دہد بوئے بداز آفتاب

اور اس مقدمہ کی توضیح میں تفصیلاً یوں کہنا چاہئے کہ روح انسانی جیسے بعبارات دیگر قلب ونفس مجرد و نورِ اسپہید کہتے ہیں یہ ایک خیال ہے کہ جس کو زبان حقائق ترجمان نبوت نے فطرت کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ''کُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلىٰ الفِطْرَةِ'' یعنی ہر شخص فطرت کے موافق پیدا ہوتا ہے اور جب تک کہ نفس اپنی اصل صفائی پر باقی رہتا ہے نور ہدایت سے منور اور نسیم سعادت شمیم رحمت سے تر و تازہ رہتا ہے اور ہمیشہ خداوند عالم کی طرف سے ایسے ایسے الہامات ربانی اور واردات رحمانی اس کے دل پر ہوتے رہتے ہیں کہ ان کا میل عالم روحانی کی طرف بڑھتا جاتا ہے اور اس کا انتہائی مقصد تکمیل ذات اور تحصیل کمالات انسانی میں منحصر ہوتا ہے اور اگر ''عیاذاً باللہ'' اس فطرت اصلی سے کچھ انحراف ہوگیا اور توجہ لذات جسمانی اور مزخرفات دنیائے فانی کی طرف ہوگئی تو یقیناً ایسا شخص شیطانی وسوسوں اور نفسانی خواہشوں کی وجہ سے ہمیشہ گمراہی اور جہالت میں مبتلا اور وادی حیرت وضلالت میں سر اسیمہ پھرتا رہے گا اور جب کہ آدمی کی بحسب فطرت ایسی مختلف حالتیں ہوا کرتی ہیں تو صحابہ کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت پر خاص طور سے نظر کرنا چاہئے کہ کون سا ان میں مومن اور عادل تھا اور کون اس کے خلاف اور کس نے میدان سعادت میں سبقت کی اور کون سا بیابان کفر وضلالت میں سرگرداں پھرا اور تعجب نہ کرنا چاہئے کہ بعض صحابہ باوجود مجاورت اور مصاحبت کے حق کو نہ دیکھ سکے یا یہ کہ دیدہ و دانستہ خلاف حق کیا اس لئے کہ اہل سنت اس سے بھی عجیب تر امر کے قائل ہیں کہ **عبداللہ وعبد المطلب** اور **ابو طالب** علیہم السلام باوجود اس صحبت ومجاورت وقربت وقرابت کے نور جناب رسالت

مآب صلعم کو نہ دیکھ سکے اور معاذ اللہ کافر رہے اور جہنم میں گئے۔ اور پسر خطاب کے ماننے والے جو ہزار سال بعد پیدا ہوں گے وہ ناجی ہوں گے اور بہشت میں جائیں گے علاوہ بریں اہل سنت انبیاءؑ کے متعلق قائل ہیں کہ سہواً گناہ کبیرہ اور عمداً گناہ صغیرہ ان سے صادر ہوسکتا ہے اور جس وقت میں کہ اولاد انبیاء سے یعنی پیغمبر زادوں سے مثل **قابیل وکنعان** وبرادران **یوسف** کے معاصی سرزد ہوں تو خلفائے ثلاثہ جو کہ کافر زادے تھے ان سے معاصی کا سرزد ہونا ذرا بھی تعجب کا مقام نہیں ہے اور اگر خلفائے ثلاثہ کی مخالفت کو تسلیم نہ بھی کیا جاوے تو کم سے کم **عائشہ وزبیر وطلحہ ومعاویہ** اور وہ صحابہ جو ان لوگوں کے ساتھ تھے ان کی حق سے مخالفت تو ''کالشمس فی رابعة النهار'' روشن وآشکار ہے لہٰذا معلوم ہوگیا کہ صحابی ہونا گناہوں سے محفوظ رہنے کی دلیل نہیں ہے حاصل کلام عقل ونقل دونوں اس امر پر حاکم ہیں کہ بغیر صفائے فطرت اصلی کے لاکھ صحبت ومجاورت ہو کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوسکتا۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ ''اذقال لصاحبه'' کے قول سے بدغمار کے ایمان پر کوئی دلیل نہیں پیدا ہوتی جس طرح سے کہ حضرت یوسفؑ کے ''یاصاحبی السجن'' فرمانے سے قیدیوں کا ایمان ثابت نہیں ہوتا یا یہ کہ قول ''اخواننا بغوا علینا'' سے باغیوں کی نجات اسی طرح نہیں ثابت ہوتی جس طرح سے کہ ''والی عادٍ اخاهم هوداً والیٰ ثمود اخاهم صالحاً'' پر عاد وثمود کی نجات پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ وہ کفار یقیناً جہنم میں جائیں گے اگرچہ خداوند عالم نے ان کو ہود وصالح کا بھائی فرمایا او اسی طرح سے کفار بھی دوزخ نصیب ہیں اگرچہ حضرت پیغمبرؐ نے کسی کو اپنا صاحب اور حضرت علی علیہ السلام نے کسی کو اپنا بھائی کہا ہو۔ بلکہ یہ بھائی کہنا باعتبار اہل ملک ہونے کے ہوسکتا ہے بیشک ''انّ الّذین اٰمنوا'' سے بہت بڑی تعظیم اور جلالت ثابت ہوتی ہے بشرطیکہ ''ومن نکث فانما ینکث'' کے ضمیمہ نے وقت خاص کے لئے مخصوص نہ کردیا ہو اور قول ''اخواننا'' صحبت پر دال ہوا اگر قول ''بغوا علینا'' اس کے ذیل میں نہ ہوتا اور حدیث حوض کہ جو صحیح مسلم اور جمع بین الصحیحین وغیرہ میں مذکور ہے اس سے تو صحابہ کے مرتد ہونے کا صاف پتہ چلتا ہے اور وہ اس بارہ میں ایک کافی دلیل ہے اور جو کچھ کہ **بخاری** اور **مسلم** نے تفسیر آئیہ کریمہ ''کنت علیهم شهیداً مادمت فیهم'' میں ذکر کیا ہے وہ بھی مدعائے مذکور کے ثابت کرنے کے لئے برہان کافی وشافی ہے نیز وہ لوگ کہ جو اپنے کو اہل سنت وجماعت کہتے ہیں خود معترف ہیں کہ اکثر صحابہ نے طلحہ وزبیر وغیرہ کے قتل عثمان بن عفان پر اتفاق کئے ہوئے تھے اور بعض صحابہ نے شاہ اولیاء حضرت علی مرتضیٰؑ کے ساتھ جنگ کی درحالیکہ یہ بھی وہی لوگ نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام المتقین کی شان میں ارشاد فرمایا ''یاعلی حربک حربی وسلمک سلمی'' یعنی اے علی تمہاری جنگ میری جنگ ہے اور تمہاری صلح میری صلح ہے'' ونیز یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ فرمایا ''یا علی لایحبک الّا مومن

ولا یبغضک الّا منافق ""یعنی اے علی تم سے سوائے مومن کے کوئی محبت نہ کریگا اور سوائے منافق کے اور کوئی بغض نہ رکھے گا" اور اسی طرح سے ان کے کتب معتبرہ میں مذکور ہے کہ عثمان بن عفان نے صحابہ کبار مثل حضرت ابوذر و عبداللہ بن مسعود و عمار کو طرح طرح کے آزار پہونچائے یہاں تک کہ اسی کی ضرب کے سبب سے عمار مرض فتق میں گرفتار ہو گئے اور ابوذر کو بعد اہانت بسیار کے مدینہ سے نکال دیا اور عبداللہ بن مسعود کو اس قدر اذیت دی کہ وہ دنیا سے روانہ ہو گئے۔

اور ظاہر ہے کہ سُنیوں کے طریقہ کے موافق عثمان اور اسکے قاتل اور اسکے مقتول سب کے سب طریقۂ حق پر ہوں اور سب بہشت کے مستحق ہوں اور اسی طرح امیر المومنین علی علیہ السلام طلحہ و زبیر کے قتل کرنے میں صواب پر ہوں اور نیز زبیر کی جنگ حضرت کے ساتھ بھی عین صواب ہو۔ اور کسی پر طعن و تشنیع کرنا جائز نہ ہو اور یہ سب کے سب زینت عدالت سے آراستہ ہوں۔ اور اسکو سوائے بے انتہا حماقت اور عین گمراہی کے کیا کہا سکتا ہے نیز اخبار متواترہ میں ہے اور قرآن و حدیث شاہد ہیں کہ ہلال بن اُمیہ نے اپنی زوجہ خولہ کو شریک بن سُحما کے ساتھ مُتہم کیا اور آیۂ لعان نازل ہوئی اور آپس میں اُن دونوں کے لعان ہوا پس اگر یہ تہمت واقعی تھی تو خولہ اور شریک باوجود صحابی ہونے کے ایسے گناہ کبیرہ کے کیوں مرتکب ہوئے اور اگر یہ تہمت جھوٹی تھی تو ہلال نے باوجود صحابی ہونے کے جھوٹی تہمت کیوں لگائی۔ اور اکثر مفسرین یہاں تک کہ صاحب کشاف اور فخر الدین رازی اور قاضی بیضاوی نے تفسیر سورۂ الحجرات میں ذکر کیا ہے کہ آیۂ یا ایھا الذین آمنو ا اِنْ جاء کم فاسِقٌ الأیہ شان ولید بن عقبہ میں نازل ہوئی ہے جو صحابہ میں سے تھا اور عثمان کا بھائی تھا۔ جس وقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ نے اسکو گروہ بنی مصطلق کی طرف بھیجا کہ اُن سے مال زکوٰۃ لے آوے جب اسکے وُرود کی خبر اُن لوگوں کو پہونچی تو وا رسول اللہ صلعم کی تعظیم کے خیال سے اسکے استقبال کو نکلے لیکن زمانۂ قدیم میں ولید اور اس طائفہ کے درمیان ایک رنجش تھی جب نظر ولید کی انکی جماعت پر پڑی تو اسنے یہ خیال کیا کہ وہ لوگ بقصد جنگ آرہے ہیں۔ اور اسی مقام سے پلٹ کر جناب رسول خدا صلعم کو خبر دی کہ وہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں اور زکوٰۃ نہیں دینا چاہتے یہ سنکر حضرت نے ارادہ جہاد کا فرمایا اور لشکر مہیا کرنے کے لئے مستعد ہوئے کہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی جسکا ماحصل یہ ہے کہ اگر فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم لوگ تحقیق کرو۔ اور ولید کا سب جھوٹ سب پر ظاہر ہو گیا لیکن وہ باوجود خداوند قدیر کی تخویف و تحریز کے اپنی تقصیر سے پریشان و دلگیر نہ ہوا بلکہ جب عثمان نے اپنے زمانۂ خلافت میں کوفہ میں کوفہ کی صوبہ داری اسکے سپرد کی تو اس نے فسق و فجور میں اس قدر زیادتی کرنی شروع کی کہ عثمان کو باوجود محبت اور عیب پوشی کے جو اسکے ساتھی تھے پھر بھی معزول ہی کرنا پڑا اور کتاب روضۃ الاحباب میں مذکور ہے کہ جب ولید کی شراب خواری کا شہرہ تمام کوفہ

میں پھیل گیا تو دو شخصوں نے مدینہ کا ارادہ کیا اور عثمان تک یہ خبر پہونچائی۔ اشعار

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما   چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

ما مریدان روبسوئے کعبہ چوں آریم چوں   روبسوئے خانۂ خمار دارد پیر ما

یہ سنکر ذوالنورین نے ولید کو مدینہ طلب کیا اور اسکے حالات کی تفتیش و تفحص کرتے رہے جب یہ امر مسموع صحیح بھی معلوم ہوا جب بھی ابرائے حد میں توقف و تامل کرتے تھے یہاں تک کہ ظن سے یقین کی حد تک پہونچ گیا لوگوں نے عثمان کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا آخر مجبور ہو کر انْ دونوں کوفیوں کو دار الامارہ میں طلب کیا اور پوچھا کی تم نے اپنی آنکھوں سے شراب پیتے دیکھا تھا اُنہوں نے کہا کہ پیتے دیکھا تو نہیں لیکن اسکی داڑھی کے بالوں سے نچوڑی درحالیکہ وہ بیہوش پڑا تھا اور شراب کی قے کر چکا تھا۔ تو مجبوراً عثمان نے حکم دیا کہ علی مرتضٰی علیہ السلام اُس پر شراب کی حد جاری کریں۔

جناب ولایت مآب نے عبداللہ بن جعفر کو حکم دیا کہ ولید کو چالیس دُرّے ماریں بعض اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ ایک روز ولید بن عقبہ ناعاقبت اندیشی سے شراب پی گیا اور نماز صبح کے لئے اس حالتِ مستی میں مسجد میں آیا اور نماز صبح بجائے دو رکعت کے چار رکعت پڑھائی۔ اور پھر نمازیوں سے کہا کہ اگر کہو تو اور پڑھا دوں۔ اور بن مسعود سے کہا کہ آج صبح ہی سے ہم تم پر فوق لیجانے کی کوشش کئے ہوئے ہیں شاید مقصود یہ رہا ہو کہ تم دو ہی رکعت نماز پڑھے ہم نے چار پڑھی۔ اہل کوفہ کو یہ امر بہت شاق ہوا اور اُنہوں نے بُرا بھلا کہنا شروع کیا گو بزبان حال رباعی ورد زبان تھی۔ رباعی

روز در کعبہ و دل بجانب خمار چہ سُود   خرقہ بر دوش و کمر بستہ بزنار چہ سود

ہر کہ او سجدۂ بَرد پیش بتاں دو خلوت   لاف ایمانش بر سر بازار چہ سود

اور منجملہ عجائب کے یہ ہے کہ ابن حجر عسقلانی نے مقدمات کتاب اصابہ میں کہ جو معرفت صحابہ میں ہے بہت زیادہ کوشش تمام صحابہ کے عادل قرار دینے کی ہے اور تمام اہلسنت کے اتفاق کا دعویٰ عدالت صحابہ پر کیا ہے اور مخالفت کو شاذ شمار کیا ہے لیکن تفصیلاً ایک ایک صحابی کے ذکر کے وقت اپنے جھوٹے دعویٰ کو بھول گئے ہیں اور بہتوں کو ان میں سے فسق کی نسبت دی ہے اور ولید بن عقبہ کے متعلق کہا ہے کہ بموجب آیہ مذکور کے فاسق تھا اور اُسکی شراب خواری اور نماز نشۂ شراب میں پڑھانے کا حال صحیحین میں لکھا ہے۔ اور قیس بن عمر نجاشی شاعر ہجو گو اور قدامہ بن مطعون کو بھی شراب خواروں میں شمار کیا ہے اور قرۃ بن ھُبیرہ کو مرتدوں میں شمار کیا ہے۔ اور سطح کو جو ابوبکر کا خالہ زاد بھائی تھا قاذف یعنی عورتوں پر جھوٹا عیب لگانے والا قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت رسالت مآب نے اسپر حدِ قذف جاری کی تھی واقعی بزرگوں نے سچ کہا کہ "دروغ گو را حافظہ نباشد" واللہ اعلم

مقدمہ ثالثہ

تقسیم صحابی میں یعنی بحیثیت مقبول ومردود ہونے کے صحابہ کے اقسام

جاننا چاہئے کہ یا تو صحابی ایسے تھے کہ جو اسلام لانے سے پہلے کافر تھے اور ایسے ہی اکثر تھے یا ایسے نہ تھے بلکہ انکی فطرت نے اسلام ہی میں نشو ونما پائی تھی اور یہ قلیل الوجود تھے مثل امیر علیہ السلام اور سبطینؑ کے کہ یہ مقبولین میں سے ہیں اور عبداللہ بن زبیر اور اسکے امثال کے کہ یہ مردودین میں سے ہیں اور ان دو قسموں میں سے ہر ایک قسم میں یا تو ایسے لوگ تھے جنکی صحبت حضرت کیساتھ بہت رہتی تھی اور اختصاص رکھتے تھے یا یہ کہ ایسے نہ تھے۔ اگر کثیر الصحبت تھے تو خالی اس سے نہیں ہے کہ اس نص جلی کو جو شان حضرت علی علیہ السلام میں وارد ہوئی ہے کان دھر کر سُنا تھا جیسا کہ انکی صحبت کا مقتضا ہے یا نہیں سُنا جس شخص نے سُنا ہے اسکے لئے اِن دو صورتوں میں سے ایک صورت ضرور ہے کہ اس نے اس نص کے مقتضا پر عمل کر کے حضرت امیرؑ کی اطاعت کی یا نہیں کی پہلی صورت مقبولین کی ہے اور دوسری خالی اس سے نہیں ہے کہ بموجب نص عمل نہ کرنا غرور وعناد کے سبب سے تھا یا دوسروں کے جبر واکراہ کے سبب سے تھا۔ پہلا شخص یا مسلم فطری تھا تو وہ بعض طوائف شیعہ کے نزدیک مرتد فطری ہے اور اسکی توبہ ہرگز نہیں ہے اور اگر مسلم فطری نہ تھا پس اگر وہ توبہ کرے اور حضرت امیر علیہ السلام کیطرف رجوع کرے تو مقبول ہوگا اور نہیں تو مرتد فطری ومردود ہے۔ اب رہی شق ثانی یعنی وہ لوگ اس حیثیت سے مقبول ہیں کہ اگر دوسرے شرائط عدالت وغیرہ کے ان میں محقق ہوں تو سلک رجال حدیث میں انکا شمار کیا جا سکتا ہے اب رہی وہ قسم کہ جس نے اس نص جلی کو کان دھر کر سنا ہی نہ تھا وہ خالی اس سے نہیں ہے کہ کسی دوسری دلیل سے خلافت بلافصل حضرت امیر علیہ السلام اسپر ثابت ہوگئی یا شبہہ میں رہے۔ اگر ثابت ہوگی تو آپکی طرف اُس نے رجوع کی یا نہیں اگر نہیں کی تو اکراہ اجبار سے نہیں کی یا عناد اصرار سے قسم اول مقبول ہے اور قسم سوم اگر مسلم فطری تھے اور حضرت امیرؑ کی طرف رجوع کی ہے تو مقبول ہونگے اور اگر مسلم فطری تھے یا حضرت کی طرف رجوع کی ہے تو مقبول ہونگے اور اگر مسلم فطری تھے یا حضرت کی طرف رجوع نہیں کی تو مردود ہونگے اور قسم دوم یعنی وہ لوگ کہ جنکو اعتقاد تعین خلافت حضرت امیرؑ نہیں حاصل ہوا بلکہ شبہہ میں رہے تو انکی حالت خالی نہیں ہے کہ انکا شبہ ہمیشہ نہیں رہا بلکہ تحقیق حق میں کوشش کی اور بعد اسکے حضرت امیرؑ کی طرف رجوع کی یا یہ کہ انکا شبہ ہمیشہ باقی رہا۔ پہلے لوگ یقیناً مقبول ہیں اور دوسرا گروہ نزدیک بعض علمائے

حقہ کے معذور ہیں بایں طور کہ انکے فسق کا حکم نہیں کیا جا سکتا اور بعض کے نزدیک معذور نہیں ہیں اور فاسق ہیں اس لئے کہ یہ مطلب ان بعض علماء کے نزدیک بدیہی ہے۔ اور امر بدیہی میں شبہات کا ہمیشہ باقی رہنا قابل سماعت نہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ کافر نہیں کہے جا سکتے بلکہ حسب حیثیت فاسق عادل یا عادل ہوتے رہیں گے۔ اب رہی شق ثانی تقسیم اول کی یعنی وہ لوگ کہ جو کثیر الصحبت نہ تھے اور نص جلی جناب پیغمبر صلعم سے نہیں سُنا انکی حالت اس سے خالی نہیں ہے کہ علم ثبوت نص کسی دوسرے طریقہ سے حاصل ہوا یا نہیں اور جسکو حاصل ہوا اس نے بمقتضا اپنے ظلم کے عمل کیا یا نہیں کیا۔ اگر عمل کیا تو مقبول ہے اور اگر نہیں کیا پس اگر عناداً نہیں کیا تو مرتد ہے اور اگر توبہ بھی اسکی قبول نہیں ہے اگر مسلم فطری رہا ہو۔ ورنہ مقبول ہو جائیگی اور اگر بنا بر اجبار واغیار کے مقتضائے نص پر عمل نہ کر سکا ہو تو مقبول ہوگا اور وہ قسم کہ جسکو ثبوت نص کا بالکل علم ہی نہ ہو ان میں بھی بعض تقسیمیں جاری ہونگی اور بحسب اقسام رد وقبول سے متصف ہونگی وجہ اس مقدمہ کے بیان کرنیکی یہ ہے کہ مخالفین جو یہ توہم پیدا کرتے ہیں کہ شیعہ تمام صحابہ کو کافر جانتے ہیں اور یہ امر نہایت بعید ہے اس طرح کی تقریر سے اپنے اہل مذہب کو شیعوں سے نفرت دلاتے ہیں۔ درحالیکہ شیعوں کا یہ عقیدہ نہیں ہے چنانچہ افضل محققین جناب خواجہ نصیر الدین طوسی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ مُحَارِبو اعليٍّ كفره ومخالفوه فَسَقَةٌ اور ظاہر ہے کہ بہت سے صحابہ نے حضرت کے ساتھ محاربہ نہیں کیا لہٰذا وہ کافر نہیں ہوئے اور بہتوں نے مخالفت بھی نہیں کی تو وہ فاسق بھی نہیں ہوئے۔ اور خاتم المجتہدین شیخ علی بن عبد الخالق نے باوجود اسکے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علانیہ لعنت اعدائے اہلبیتؑ کا حکم دیا ہے رسالہ نعتیہ میں جو انکے مولفات میں سے ہے بیس آدمیوں سے زیادہ کے نام نہیں لئے ہیں۔

اور شیخ نجاشی کہ علمائے امامیہ میں سے ہیں محمد بن علی بن بابویہ کے حالات میں ذکر کیا ہے بن بابویہ نے ایک کتاب علیحدہ مختار بن صحابہ رسول صلعم کے حال میں لکھی ہے۔ علاوہ بریں جب دلیل موجود ہو تو یہ بعید شمار کرنا کوئی وجہ نہیں رکھتا خصوصاً جس شخص نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات دیکھے ہیں ستر ہزار سے زیادہ آدمی انکے اصحاب میں سے مرتد ہوگئے درحالیکہ اپنے خلیفہ منصوص ہارون پیغمبر کو انکے درمیان میں چھوڑ گئے صرف دس دن یا کچھ زیادہ کی دیر ہوئی تھی کہ ان لوگوں نے اس قدر مخالفت کی کہ حضرت ہارون کے قتل کا اردہ کیا اور سامری کے پیرو ہو کر گوسالہ پرستی اختیار کریں باوجود اسکے کہ بنی اسرائیل کو اس گوسالہ سے صوبہ داری اور انعام وغیرہ نہیں ملتا تھا اور یہاں صحابہ کو ضمنے قریش سے ہر طرح کے مال ومنال جاہ وجلال، دولت وطاقت، شوکت وحشمت کی امیدیں تھیں کہ جو حضرت علیؑ سے نہ تھیں پھر کیونکر مرتد ہوتے بلکہ حضرت علیؑ کے احکام کا بجالانا تو سوائے مومنان کامل کے دوسروں کے اوپر نہایت

نقل تھا۔ چنانچہ "ترکت فیکم الثقلین" میں بھی اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

تنبیہ۔ مخفی نہ رہنا چاہئے کہ بعض واہیات باتیں جو اہل سُنت شیعوں کی طرف نسبت دیتے ہیں۔ یا تو بسبب تعصب کے افترا کرتے ہیں یا بعض باتیں ایسی ہیں کہ جو جُہالِ شیعہ سے سنتے ہیں اور انکو جزو مذہب شیعہ سمجھ لیتے ہیں۔ اور کبھی علمائے شیعہ سے مناظرہ و مباحثہ نہیں کرتے بلکہ انکے کتب کلامیہ کا مطالعہ بھی نہیں کرنا چاہتے جب میدان خالی پاتے ہیں ایسے وقت میں خوب خامہ جولانی و زبان آوری کرتے ہیں لیکن جو شخص خواب میں دشمن کو زیر کرے اسکی تعبیر یہ ہے کہ خود اس نیند سے بیدار نہ ہوگا۔

طائفہ اولیٰ

ان مشاہیر و سادات بنی ہاشم کے حالات میں جو جناب امیر علیہ السلام کے شیعوں اور اصحاب میں سے تھے اور جنکے فضل کا اعتراف اغیار نے بھی اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ اور بہت کچھ مدح وثنا کی ہے حقیر نے بجہت تقویت دلیل کے اکثر کتب و شہادت اغیار سے نقل کر کے لکھا ہے

وَالْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَآء

اَلسَّیِّدُالکبیر المطاع ابو طالب بن عبد المطلب بن ھاشم بن عبد مناف بن قُصّی الْھَاشِمی القرشی علیه الصلوة والسلام

یہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عینی چچا تھے۔ یعنی حضرت عبداللہ علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے آپ کی کنیت مشہور ہوگئی لیکن نام نامی میں اختلاف ہے بعضوں نے کہا ہے کہ یہی کنیت آپ کا اسم مبارک ہے لیکن حضرت خاتم المجتہدین علی بن عبدالعالی قَدَّسَ اللهُ رُوحَه، نے اپنے بعض افادات شریفہ میں اس منقول کو غلط قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اسم وہ ہے کہ جو اَب و اُم سے ملا ہوا نہ ہو نیز برائی یا بھلائی کی طرف یہی اس میں شکوہ بھی پایا جاتا ہو یعنی کسی قسم کی مدح یا مذمت نہ نکلتی ہو۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت کا نام عمران تھا اور کلام مجید میں جو لفظ آل عمران آیا ہے اس سے بعض مقام پر حضرت ہی کو مراد لیا ہے اور بعضوں نے کہا کہ آپ کا اسم مبارک عبد مناف ہے۔ اور

مناف کے معنی عالی کے ہیں کیونکہ ان کا مادہ عوف ہے جو سب تحریر صحاح و قاموس کے علو اور شرف اور ارتفاع پر دلالت کرتا ہے اور یہ جز۔ صاحب قاموس نے کہا ہے کہ مناف نام ایک بت کا ہے تو بنا بر اس کے اگر ہم اسے تسلیم بھی کر لیں تو از قبیل اعلام مشترکہ ہوگا یعنی ان الفاظ میں ہوگا جن کے دو معنی ہوتے ہیں چنانچہ بعضے نام ایسے ہیں کہ وہ خدا کا نام بھی ہوتا ہے اور دوسروں کا بھی مثل رحمٰن و آلہ و رب وغیرہ کے اور اس سے کچھ حضرت کا کفر نہیں ثابت ہوتا اس لئے کہ انبیاء اور اوصیاء علیہم السلام کے آباواجداد بحالت شرک و کفر سے پاک و پاکیزہ رہے ہیں چنانچہ تصریحاً کلام مجید میں مذکور ہے کہ "وَتَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِیْنَ" یعنی ہم تمہارے (صلب و رحم میں) منتقل ہونے کو سجدہ کرنے والوں میں (بھی دیکھتے رہے)

خلاصہ یہ کہ حضرات یہ اصلاب طاہرہ سے ایک دوسرے کی طرف نقل ہوتے رہے ہیں اور شیخ عبدالجلیل قزوینی رازی نے کتاب نقض میں کہا ہے کہ "اصل اس امر میں یہ ہے کہ اعتقاد کا تعلق دل و نیت و علم سے ہے نہ کہ نام سے" اور کتب تاریخ و انساب عرب سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے قبائل عرب بنی کلاب و بنی نُمیر و بنی عتبہ یعنی کتوں کی اولاد اور کتے کی اولاد اور چیتے کی اولاد و گوہ کی اولاد نام سے مشہور ہیں لیکن اس سے انکی خرابی یا کم عزتی قطعاً نہیں سمجھی جاتی۔ اسی طرح سے اگر جناب پیغمبر خدا کے اجداد میں اگر بعض کے نام اصنام کے نام کے موافق ہوں بھی تو اس کی یہ وجہ تھی کہ اس زمانہ کے بادشاہوں نے کتابوں میں دیکھا تھا کہ ایک نور اس قبیلہ کی پشت سے ظاہر ہوگا جو تمام دنیا کے مذاہب و ملل کو مبدل و بت پرستی کو زائل کر دے گا۔ لہٰذا وہ لوگ ہمیشہ کوشش میں رہتے ہیں کہ اس نور کا قلع قمع ہو جائے ناچار حضرت کے اجداد نے ایسے نام اختیار کئے تھے کہ جن کی اضافت بتوں کی طرف تھی تا کہ اس نور کا سلسلہ منقطع نہ ہو اور شاہان ظلمہ حالت اشتباہ میں رہیں لیکن اہل سنت سے تعجب ہے کہ وہ **عبدالعزیٰ** کو محض نام کے سبب سے کافر سمجھتے ہیں۔

اور **عبداللہ** کو باوجود نام خدا پر مشتمل ہونے کے مومن نہیں جانتے اور آمنہ کو ناسکہ کہتے ہیں۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کو جناب رسالت مآب صلعم سے کامل محبت تھی اور وہ آپ کی نصرت میں ایک دقیقہ بھی فروگذاشت نہیں کرتے تھے حضرت ابوطالبؑ کے اشعار نیز آئمہ اطہار کے اخبار سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ بلحاظ مصلحت وقت اپنے ایمان کو چھپاتے تھے اور ظاہر بظاہر کلمۂ شہادت زبان پر جاری نہیں فرماتے تھے اور سب سے بڑی دلیل انکے ایمان پر اجماع اہل بیت علیہم السلام ہے چنانچہ شیخ بن اثیر جزری **شافعی** نے اپنی کتاب **جامع الاصول** میں اس اجماع کی نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اہل بیتؑ نے ایمان ابوطالب پر اجماع کیا ہے اور اجماع اہل بیت حجت ہے اور **جامع کلینی** جناب امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ جو شخص حضرت ابوطالب علیہ السلام کے کافر ہونے کا

اعتقاد کرے پس وہ کافر ہے۔ اس لئے کہ ظاہر ہے کہ ایسا اعتقاد اجماع ائمہ معصومین علیہم السلام بلکہ ان کی عصمت کی انکار کا باعث ہوگا اور ایسا شخص کافر ہے۔ اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے نقش نگیں کی یہ عبارت تھی "رضیتُ باللّٰہ رباً و بابن اخی محمدؐ نبیاً و یابنی علیؐ لہ وصیاً" جس کے خلاصہ معنی یہ ہیں "میں اللہ کی ربوبیت اور بھتیجے محمدؐ کی نبوت اور اپنے بیٹے علی کی وصایت نبیؐ سے خوشنود ہوا۔"

حاصل کلام جس طرح پر کہ **ابن ابی الحدید** نے شرح نہج البلاغہ میں ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ تمام امامیہ اور اکثر زیدیہ اور بہت سے معتزلہ مثل **ابوالقاسم** بلخی اور **ابوجعفر** اسکافی اور انکے امثال کے قائل ہیں کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام مومن تھے لیکن اہل سنت بسبب عداوت **امیر المومنینؑ** اور متابعت **معاویہ** کے انکار کرتے ہیں اور اس بزرگوار کو معاذ اللہ کافر جانتے ہیں۔

شیخ ابن حجر عسقلانی نے کتاب اصابہ فی معرفت الصحابہ میں حضرت کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت **ابوطالب** علیہ السلام کی ولادت پیغمبر صلعم کی ولادت سے پینتیس (۳۵) برس پہلے ہوئی ہے۔ اور حضرت **عبدالمطلب** کی وفات کا زمانہ قریب پہونچا تو انہوں نے جناب پیغمبر خداؐ کو حضرت ابو **طالبؑ** کے سپرد کیا اور حضرت ابوطالبؑ ہی آپ کے متکفل رہے اور بڑی محبت وشفقت کے ساتھ آپ کی تربیت میں منہمک رہتے تھے اور سفر شام میں حضرت کو اپنے ہمراہ لے گئے اور جب آنحضرت مبعوث ہوئے تو انہوں نے نصرت وامداد پر کمر ہمت مضبوط باندھ لی اور دشمنوں کو دفع کرتے رہے اور چند قصیدوں اور قطعات اشعار میں حضرت کی مدح کی ہے منجملہ ان قصائد کے ایک وہ قصیدہ ہے کہ جب اہل مکہ نے آنحضرتؐ سے دعائے باران کی خواہش کی تھی اور آپ کی دعا کی برکت سے باران کثیر برسا اس وقت حضرت **ابوطالب** علیہ السلام نے یہ قصیدہ فرمایا تھا جس کی دو بیتیں یہ ہیں

اَلَم تعلموا اَنَّ ابْنَنَا لامُکَذَّبٌ   لدینا وَلَا یعنی بقولِ الْاَبَاطِلِ

وَاَبْیَضِ یُسْتَسْقَلُی الغمامُ بوجْھِہٖ   ثِمَالُ الْیَتَامیٰ عصمۃٍ للاَرَامِلِ

جس کے بظاہر یہ معنی ہوتے ہیں:۔

"کیا نہیں جانا تم نے کہ ہمارا فرزند ہم لوگوں کے نزدیک جھٹلایا ہوا نہیں ہے اور نہ جھوٹی باتوں کی پروا کرتا ہے اور وہ صاحب جمال ہے کہ جس کی تصدیق میں ابر سے بارش طلب کی جاتی ہے اور وہ جائے پناہ ہے یتیموں کا اور بچانے والا ہے بیواؤں کا پھر ایک اور قصیدہ میں حضرتؐ ہی کی مدح میں کہا ہے:۔

وَشَقَّ لَہٗ مِنْ اِسْمِہٖ لِیُجِلَّہٗ   فَذُوالعَرْشِ محمودٌ وھٰذا محمدٌ

بظاہر یہ معنی ہیں کہ:۔

"خداوند عالم نے ان کی شان بڑھانے کے لئے اپنے نام سے ان کا نام مشتق کیا پس

صاحب عرش یعنی خدا محمود ہے اور یہ محمدؐ ہیں۔"

اور تاریخ **بخاری** محدث سے نقل کیا ہے کہ ایک روز قریش نے حضرت **ابوطالب** علیہ السلام سے کہا کہ آپ کے بھتیجے نے ہمیں بہت آزاری سے رکھا ہے اور بہت کچھ شکایتیں حضرت کی کیں یہاں تک کہ حضرت **ابوطالب** علیہ السلام نے **عقیلؑ** کو حضرت کے بلانے کے لئے بھیجا جب حضرت تشریف لائے تو ابوطالبؑ نے کہا کہ تمہارے **بنی اعمام** کا گمان ہے کہ تم نے ان کو اذیت پہونچائی ہے اگر ایسا ہے تو اب ان کو اذیت نہ پہونچاؤ۔ حضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ ان کو آزار محض اس سبب سے ہے کہ میں ان کو راہ راست کی طرف بلاتا ہوں اور میں اپنے کو اس امر سے باز رکھنے پر قادر نہیں ہوں۔ پس حضرت ابو طالبؑ نے کہا کہ خدا کی قسم میرا بھتیجا کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔

اور ابن حجر نے کہا ہے کہ رافضیوں کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ ابوطالبؑ نے حالت اسلام میں وفات پائی اور اس باب میں ان کی دو بیتیں بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

وَدَعَوْتَنِی وَعَلِمْتُ اَنَّکَ صَادِقٌ   وَلَقَدْ صَدَقْتَ وَکُنْتَ قَبْلُ اَمِیْناً

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِیْنَ مُحَمَّدٍ   مِنْ خَیْرِ اَدْیَانِ الْبَرِیَّۃِ دِیناً

اور اسی میں دو شعر اور بھی ہیں:۔

وَاللّٰہِ لَنْ یَّصِلُوْا اِلَیْکَ بِجَمْعِھِمْ   حَتّٰی اُوَسَّدَ فی التراب دفیناً

فَاصْدَعْ بِاَمْرِکَ مَاعَلَیْکَ غَضَاضَۃٌ   وَابْشِر وَقَرَّ بِذَاکَ مِنْکَ عُیُوْناً

ظاہری معنی ان اشعار کے یہ معلوم ہوتے ہیں کہ:۔

اور دعوت دی تم نے مجھ کو درحالیکہ جانتا ہوں اس بات کو کہ تم سچے ہو اور یقیناً تم نے سچ کہا اور تم ہمیشہ سے امین تھے اور یقیناً اور تحقیقاً جانتا ہوں میں کہ بتحقیق کہ دین محمدیؐ از روے دین تمام خلائق کے بہترین دینوں میں سے ہے اور خدا کی قسم ہرگز ہرگز یہ لوگ اپنی جمعیت کے ساتھ تم تک نہ پہونچ سکیں گے یعنی تم کو اے محمد صلعم کوئی ضرر نہ پہونچا سکیں گے۔ جب تک کہ میں خاک میں دفن نہ کر دیا جاؤں پس ظاہر کرو تم اپنے امر کو اور تم پر کوئی منقصت نہیں ہے اور مژدہ ہو تمہیں ٹھنڈی ہوں تمھاری آنکھیں۔"

اسی **ابن حجر** نے **ابن عساکر** سے نقل کیا ہے کہ بعضوں نے کہا ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے لیکن باوجود ان تمام اشعار و اخبار کے نقل کرنے کے کہ جو صریحاً اس بزرگوار کے ایمان پر دلالت کر رہے ہیں۔ پھر بھی **ابن حجر** سنگدل نے ان کے ایمان سے انکار کیا اور علمائے شیعہ کے اعتقاد کو ان کے ایمان کے بارہ میں نہیں پسند کیا اور کہا ہے کہ بعضے علمائے شیعہ کی تصنیف میں میں نے دیکھا ہے کہ **ابوطالبؑ** کے اسلام کو چند حدیثوں سے ثابت ہے لیکن بسبب اپنے تعصب اور گمراہی کے ان احادیث میں سے بعض کو ابن حجر نے

واہی کہا ہے اور بعض کی تاویلات باردہ اور توجیہات فاسدہ پیدا کر کے دوسرے معنی پہنائے ہیں اور بعض کی سند اور ولادت دونوں کو صحیح شمار کیا ہے لیکن کہا ہے یہ حدیث اپنے سے بڑھ کر اصح حدیث کے ساتھ معارضہ کر رہی ہے لہٰذا صحیح نہیں ہے حالانکہ عالم شیعہ نے جس حدیث سے تمسک کیا ہے۔

اور ابن حجر نے بھی اس کی صحت کا حکم دیا ہے وہ حدیث متفق علیہ فریقین ہے اور جس حدیث کو ابن حجر نے اس کا معارض قرار دیا ہے وہ محض اہل سنت کی وضعی حدیث ہے جس کی صحت کو شیعہ قبول نہیں کرتے پس وہ حدیث جو مختلف فیہ اہل اسلام ہیں کیونکر احادیث متفق علیہا کا مقابلہ کر سکتی ہیں اور منجملہ ان احادیث کے کہ جن کو ابن حجر نے معارض سمجھا ہے ایک وہ وضعی حدیث ہے جس کو شان نزول آیہ کریمہ وَمَا کانَ لِلنَّبی والذین امنوا ان یَّستَغفِروا لِلْمُشرکین ولو کانوا اُولی قُربیٰ میں نقل کیا ہے۔ یعنی نبیؐ اور مومنوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں اگر چہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔

اور حاصل اس معارضہ کا یہ ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابو طالب علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا اور جناب رسالت مآبؐ ان کے سرہانے تشریف لائے اور فرمایا کہ اے عم بزرگوار آپ کے حقوق پدری اور نصرت و مددگاری مجھ پر بہت ہیں میں چاہتا ہوں کہ اس وقت بھی کلمۂ شہادت کہہ کر میری مدد کیجئے۔

ابو جہل اور **عبداللہ بن امیہ** اس وقت موجود تھے ان لوگوں نے حضرت **ابو طالب** علیہ السلام سے کہا کہ تم **عبدالمطلب** کے دین سے روگردانی کرو گے حضرت ابو طالب علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اور دوسری روایت میں یوں ہے کہ ان لوگوں نے کہا کہ اے ابو طالبؑ تمام عمر تو ہم تم سے یہی سنتے آئے کہ ملت ابراہیم خلیل پر ہوں حضرت ابو طالبؑ نے فرمایا کہ ہاں میں نے ایسا کہا اور آج بھی ایسا ہی کہتا ہوں۔ اس پر حضرت رسول صلعم نے فرمایا کہ میں آپ کے لئے استغفار کروں گا اور جب استغفار حضرتؐ نے کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور چونکہ خداوند عالم نے رسالت مآب صلعم کو طلب مغفرت ابو طالبؑ سے منع کیا لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ کلمۂ توحید کے قائل نہ تھے اور اگر ایسا ہوتا تو خداوند عالم طلب مغفرت سے ان کی منع نہ کرتا منجملہ ایسی گڑھی ہوئی حدیثوں کے وہ حدیث بھی ہے جس کو شان نزول آیہ "اِنَّکَ لَا تَھدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ" میں نقل کرتے ہیں اور جواب معارضۂ اول سے یہ ہے کہ آیت میں تو کوئی دلالت طلب مغفرت حضرت ابو طالب علیہ السلام پر نہیں ہے اور جو حدیث انہوں نے شان نزول میں روایت کی ہے اس کی سند صحیح نہیں ہے اس لئے کہ بنا بر تحریر تفسیر نیشاپوری وغیرہ معلوم ہوتا ہے کہ راوی اس حدیث کا **سعید بن مسیّب** ہے جس نے اپنے باپ کے ذریعہ سے جناب پیغمبر خدا سے روایت کی ہے

اور سعید مذکور کی شقاوت اور عداوت آلِ ابو طالبؑ کے ساتھ ظاہر ہے یہاں تک کہ واقدی نے کہ جو علمائے اہل سنت سے ہیں روایت کی ہے کہ سعید نے جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے جنازہ پر نماز نہیں پڑھی اور جب جنازہ آیا اور لوگ ہر طرف سے اس شرف کے حاصل کرنے کے لئے جمع ہونے لگے تو سعید کے غلام **خشرم** نے اس سے کہا کہ آیا آپ اس مرد صالح کی نماز جنازہ کے لئے نہ جائیے گا کہ جو خود بھی صالح تھا اور خاندانِ صالح سے تھا سعید نے کہا کہ دو رکعت نماز پڑھنا بہتر ہے میرے لئے اس مرد صالح پر نماز پڑھنے سے علاوہ بریں جو کچھ اضطراب و اختلاف درمیان اہل سنت کے شانِ نزول میں ان آیات کے واقع ہوا ہے وہ خود ان دلائل کے فاسد ہونے کی دلیل قائم ہے اس لئے کہ صاحب کشاف نے ایک مرتبہ نقل کیا ہے کہ آیۂ مذکورہ استغفار **ابو طالبؑ** کی ممانعت کے لئے نازل ہوا دوبارہ نقل کیا ہے کہ ایام فتح مکہ میں جب حضرت رسالت مآبؐ اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور ان کے لئے استغفار کیا تو یہ آیت نازل ہوئی پھر بعضوں نے نقل کیا ہے کہ اپنے والد حضرت **عبداللہ** کے استغفار کرنے کے متعلق نازل ہوا ہے اور پھر بعضوں نے روایت کی ہے کہ مسلمانوں کی ممانعت کے لئے نازل ہوا ہے کہ وہ اپنے پدران کفار کے واسطے طلب مغفرت نہ کریں پھر صاحب **کشاف** نے ان روایتوں میں سے دوسری روایت کو اصح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت **ابو طالبؑ** قبل ہجرت کے وفات پا چکے تھے اور سورہ آخر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بمقام مدینہ نازل ہوا ہے لہٰذا **ابو طالبؑ** اس سے مراد نہیں ہو سکتے۔

پھر صاحب تقریب نے صاحب کشاف کی دلیل پر اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ ممکن ہے کہ جناب پیغمبر اسلامؐ خدا برابر حضرت ابو طالبؑ کے لئے استغفار کرتے رہے ہوں یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی اور مخفی نہ رہے کہ یہ اعتراض بالکل غیر موجہ ہے اس لئے کہ جب استغفار حضرت ابو طالبؑ کے لئے جائز ہی نہ تھا تو خداوند عالم کو مدت تک رسول خدا کو ایسے فعل میں مبتلا رہنے دینا بھی جائز نہ ہو گا اگر بناء بر مذہب بعض اہل سنت کے انبیاء سے صدور خطا ممکن بھی سمجھا جائے جب بھی اس کا تو کوئی قائل نہیں ہے کہ کوئی نبی ایک خطا کے اوپر مدت تک باقی رہے اور خداوند عالم اس کو متنبہ نہ کرے بلکہ کہا ہے کہ خدا پر واجب ہے کہ اس کو فوراً اس خطا پر تنبیہ کر دے جس طرح سے کہ اخذ فدیہ اسیران **بدر** کے بارہ حضرت رسالت مآب کو فوراً مطلع کیا اور اس سے عجیب تر یہ بات ہے کہ **امام فخر الدین رازی** نے اس اعتراض کو اور یہی سبک طریقہ سے بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ پہلے اپنے ماں باپ کے لئے استغفار خواہ وہ کافر ہی ہوں جائز رہا ہو اور حضرت رسالت مآبؐ اور تمام مومنین برابر استغفار کرتے رہے ہوں یہاں تک کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور اس وقت سے ناجائز ہو گیا۔

مؤلف کہتا ہے کہ فساد اس تقریر کا ظاہر ہے اس لیے کہ مَا کَانَ لِلنَّبِی صیغہ ماضی منفی ہے جو

صریح ہے اس بارہ میں کہ پیغمبر اسلام صلعم اور تمام مومنین کے لئے قبل نزول آیت بھی استغفار کرنا برائے کفار جائز نہ تھا۔ پس کیوں کر حضرت سالہا سال ایسی خطا پر استمرار کر سکتے تھے **نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ** اور اگر اور اگر ہم اس حدیث کو تسلیم بھی کر لیں تو کہیں کہ یہ حدیث حضرت **ابوطالبؑ** پر ہوں اور **عبدالمطلب** شیعوں کے نزدیک اور محققین اہل سنت کے نزدیک بھی مسلمان تھے جیسا کہ شیخ جلال الدین سیوطی اور ان کے امثال نے لکھا ہے لیکن دوسری حدیث کی بناء پر کہ حضرت ابوطالبؑ نے ارشاد فرمایا کہ میں ملت ابراہیم پر ہوں تو یقیناً جو شخص ایسے کلمہ کے کہنے والے کو کافر کہے وہ کافر ہے اس لئے کہ خداوند عالم کلام مجید میں اپنے رسول کو حکم دیتا ہے کہ "**وَاتَّبِعَ مِلَّۃَ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا**" اتباع کرو اے رسولؐ ملت ابراہیمؑ کا درحالیکہ وہ ہر طرح کی کجی سے بری ہے"۔

اور خود جناب **رسول خدا** صلعم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ملت **ابراہیمؑ** پر ہوں اور حضرت **یوسف** علیہ السلام سے کلام مجید میں بطور حکایت مذکور ہے کہ "**وَاتَّبَعْتُ مِلَّۃَ اٰبَآئِیْ اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْحَاقَ وَیَعْقُوْبَ**" یعنی میں نے اپنے آبا حضرت **ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوب** کی ملت کا اتباع کیا اور تحقیق یہ ہے کہ یہ آیت اس لئے نازل ہوئی ہے کہ جب حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ میں **ابوطالبؑ** کے لئے استغفار کروں گا اور استغفار کیا تو مسلمان جو وہاں موجود تھے تو انہوں نے خیال کیا کہ ہم بھی اپنے آبائے مشرکین کے لئے طلب مغفرت کریں لہذا خداوند عالم نے ان کو نہی فرمائی اور موید اس کے وہ روایت ہے جو واقدی کی آخر روایت میں واقع ہے کہ **ابوطالبؑ** نے ارشاد فرمایا کہ میں دین میں **عبدالمطلب** پر ہوں تو رسالت مآبؐ نے ان کے لئے استغفار کیا مسلمانوں نے کہا کہ ہم کیوں اپنے آباء کے لئے نہ استغفار کریں حالانکہ حضرت ابراہیمؑ نے بھی اپنے باپ کے لئے استغفار کیا تھا اور اس وقت جناب رسالتمآبؐ نے بھی اپنے چچا کے لئے استغفار کیا، پس جب لوگوں نے اپنے آباء و اعزاء کے لئے استغفار کرنا شروع کیا تب یہ آیت نازل ہوئی، اور بعض حاضرین کو حضرت ابوطالبؑ کے باایمان ہونے کی حالت نہ معلوم ہوئی ہو اور انہوں نے بھی گمان کیا کہ جناب رسول خدا صلعم ایک مشرک کے لئے استغفار کر رہے ہیں لہذا انہوں نے بھی اپنے آبائے مشرکین کے لئے استغفار کیا پس خداوند عالم نے یہ آیت بھیجی کہ ان کے گمان بد اور ظن خطا پر جو انہوں نے جناب رسول خداؐ کے بارے میں کہا تھا انکی تنبیہ کرے اور فرمایا کہ نہیں جانتے ہو تم کہ پیغمبرؐ مشرک کے لئے استغفار نہیں کر سکتا یعنی ابوطالبؑ کو مشرک خیال نہ کرو اگر وہ مشرک ہوتے تو رسولؐ ان کے لئے استغفار نہ کرتے اور اس کے بعد خداوند عالم نے ایک سوال مقدر کا بھی جواب دیا کہ "ابراہیمؑ نے اپنے چچا کے لئے کیوں استغفار کیا تھا وہ اس طور پر کہ ارشاد فرمایا "**وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاھِیْمَ لِاَبِیْہِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَۃٍ وَّعَدَھَا اِیَّاہُ**" یعنی حضرت ابراہیمؑ کا استغفار اپنے چچا آذر کے لئے بمنزلت آپ کے تھا محض بہ

سبب وعدۂ ایمان کے تھا جو اس نے حضرت ابراہیمؑ سے کیا تھا چنانچہ وہ استغفار اس طریقہ کے ساتھ مفید تھا کہ **اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ آذَرَ اِذَا آمَنَ** یعنی اے اللہ میرے باپ آذر کی مغفرت کر جب وہ ایمان لائے۔ اور اگر چہ آیت ظاہر الفاظ میں مقید نہیں ہے لیکن یقیناً مقید ہے اور وعدہ ایمان اور علوشان ابراہیم اس بات پر قرینہ ہے کہ وہ اس مسئلہ سے جاہل نہ رہے ہونگے اور انہوں نے استغفار مقید با ایمان کیا ہوگا۔ چنانچہ **فاضل** نیشا پوری نے اپنی تفسیر میں بعض مفسرین سے نقل کیا ہے کہ ابراہیم کے استغفار سے مراد ان کا تضرع و زاری کرنا ہے کہ خداوند تعالیٰ اس کو ایمان عطا فرمادے کہ جو موجب مغفرت ہو۔ اور ظاہر ہے کہ مخالفین ظاہر بین نے لفظ اولی قربیٰ کو دیکھ کر اور استغفار ابراہیمؑ کی آیت کے قرب کے سبب سے یہ روایت حضرت **ابوطالب** علیہ السلام کی شان میں گڑھ لی اور خوشامد **معاویہ** اور **یزید** میں اپنے کو اس عذاب میں مبتلا کیا۔ اور علاوہ جوابہائے گذشتہ کے ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت ابوطالب کے ایمان پر بہت زبردست دلیل ہے اس لئے کہ جناب رسالت مآب پناہ جو جامع علوم الٰہی تھے ان سے کس طرح ممکن ہے کہ ایک اصل کو اصول شرع میں سے نہ جانتے ہوں کہ مشرکین مصر بر کفر پر تبرا کرنا چاہئے نہ کہ استغفار حالانکہ کمتر آپ کی امت میں کوئی ایسا ہوگا جو اس مسئلہ سے نہ واقف ہو پس ظاہر ہو گیا کہ معارضہ کرنا خود جناب رسالت مآب صلعم پر کرنا ہے اور آپ کو جاہل مسئلہ قرار دینا ہے اور باوجود:۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی آپ کے نطق بالا استغفار کو خلاف وحی قرار دینا ہے کہ جس میں کلام مجید کی تکذیب بھی ہو رہی ہے۔

اور جواب معارضہ دوم سے یہ ہے کہ ظاہر آیت میں دشمن کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ آیہ حضرت **ابوطالب** علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اگر مان بھی لیں تو معنی یہ ہوں گے کہ اے رسولؐ آپ جیسے چاہئے ایسی ہدایت کہ جو حق تک پہونچا دے اور تمام شبہات کو زائل کر دے نہیں کر سکتے آپ کا کام صرف دعوت دینا ہے اور راہ دکھانا ہے اور یہ خداوند عالم نے نہیں فرمایا کہ میں نے **ابوطالب** کو ہدایت نہیں کی۔

ثانیاً لفظ **اَحْبَبْتَ** سے محبت رسولؐ حضرت **ابوطالب** علیہ السلام کے ساتھ ثابت ہوتی ہے اور کافر کی محبت جائز نہیں ہے پس لازم ہوا کہ حضرت ابوطالب علیہ السلام مومن رہے ہوں اور اسی طرح جناب رسالت مآب صلعم نے فرمایا ہے کہ مضبوط ترین رکن ارکان ایمان میں سے دوستی ہے دوستان خدا کے ساتھ اور دشمنی ہے دشمنان خدا کے ساتھ۔

اور امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَجْعَلْ لِلْفَاجِرِ عَلَیَّ یَداً لِکَیْلَا یَرْزُقَہُ فِیْ قَلْبِیْ فَاِنَّ مَوَدَّۃَ الْفُجَّارِ یُحَبَّرُ اِلَی النَّارِ** ۔ یعنی شکر ہے اس خدا کا جس نے کسی فاجر کافر کا دسترس میرے اوپر نہیں قرار دیا کہ میرے دل میں اس کی محبت ہو

اس لیے کہ فاجروں کی دوستی دوزخ کی طرف کھینچتی ہے۔

پس کون سا عاقل مسلمان کو گوارا ہوگا کہ جناب پیغمبر خدا کافروں کے دوست ہوں اور وہ حدیثیں جو سنی شیعہ دونوں میں حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کے متعلق نقل کی گئی ہیں وہ حد احصار سے زیادہ ہیں۔

منجملہ ان کے وہ حدیث ہے جو **شیخ سیوطی** نے جناب رسالت مآب کے آباء کے ایمان ثابت کرنے کے متعلق نقل کی ہے اور وہ یہ ہے کہ تفسیر جریر میں ابن عباس سے منقول ہے کہ خداوند عالم نے جو فرمایا "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ" یعنی عنقریب عطا کریگا تم کو تمہارا رب پس راضی ہوجاؤ گے تم۔ پس ابن عباس کہتے ہیں کہ

پس رضائے حضرت پیغمبر صلعم سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آپکے اہل بیت میں سے جہنم میں نہ جائیگا اور ظاہر ہے کہ جس طرح حضرت **عبداللہ** وحضرت **آمنہ** وحضرت **عبدالمطلب** آپ کے اہل بیتؑ میں سے ہیں اور ان کا جہنم میں نہ جانا ان کے اسلام کی دلیل ہے

اسی طرح سے حضرت ابوطالب علیہ السلام بھی آپ کے اہل بیتؑ میں ہیں اور ان کا دوزخ میں نہ جانا مستلزم ہے اس امر کا کہ وہ دنیا سے باایمان اٹھے ہوں اس لئے کہ غیر مسلم کا دوزخی ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔

نیز **شیخ سیوطی** نے کتاب **ذخائر العقبیٰ** سے روایت کی ہے کہ جناب رسالت مآب نے فرمایا ہے کہ جب روز قیامت ہوگا تو میں اپنے والد اور والدہ اور چچا اور اپنے اس بھائی کی کہ جو جاہلیت میں میرا بھائی تھا شفاعت کرونگا۔

اور بعد ان حدیثوں کے نقل کرنے کے شیخ سیوطی نے بسبب اپنے تعصب کے کہا کہ ان حدیثوں کو ابوطالبؑ کے بارے میں تاویل کرنا چاہیئے اس لئے کہ دوسری حدیث میں ان کے تخفیف عذاب پر دلالت ہے نہ کلیتہً عذاب کے رفع ہوجانے پر اور منصف پر اس تاویل کا بطلان ظاہر ہے۔

جناب **محمد باقر** علیہ السلام سے روایت ہیکہ جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ خداوند عالم نے حرام کردیا ہے اوپر جہنم کے اس صلب کو اور بطن کو کہ جس نے تجھے اٹھایا اور پستان کو جس نے تجھے دودھ پلایا اور اس گود کو جس نے تیری کفالت کی۔

اور اس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ کفالت حضرت صلعم کی جناب **ابوطالبؑ** اور جناب **فاطمہؑ بنت اسد** سے متعلق تھی۔

اور **اصبغ بن نباتہ** نے حضرت امیر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے ارشاد فرمایا "قسم خدا کی میرے باپ ابوطالب اور میرے دادا عبدالمطلب اور ہاشم اور عبدمناف نے کبھی بت کی عبادت نہیں کی بلکہ خدا کی عبادت کرتے تھے اور نماز کعبہ کی طرف پڑھتے تھے اور دین ابراہیمؑ سے تمسک رکھتے تھے۔"

اور پھر حضرت امیر علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک روز آپ رحبہ کوفہ میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص نے عرض کی "یا امیر المومنین! آپ تو جس درجہ پر ہیں اس پر ہی ہیں اور بزرگوار آپ کے معذب بالنار ہیں حضرت امیر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا "خدا تیرے منہ کو توڑے قسم اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور بشارت دینے والا قرار دیا اگر میرے باپ تمام روئے زمین کے گناہگاروں کی شفاعت کریں تو خداوند عالم ان کی شفاعت کو قبول فرمائے آیا میرا باپ معذب بالنار ہوگا درحالانکہ اس کا بیٹا **قسیم الجنت و النار** ہے۔"

اور امام **جعفر صادقؑ** سے روایت ہے کہ پہلی نماز جماعت جو اسلام میں ہوئی وہ نماز جماعت تھی کہ حضرت **ابوطالبؑ** گزرے اور جناب رسالت مآبؐ کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہے ہیں اور حضرت علیؑ ان کی داہنی طرف کھڑے ہوئے ہیں۔ جعفرؑ ابوطالبؑ کے ہمراہ تھے انہوں نے جعفرؑ کو حکم دیا کہ جاؤ اپنے ابن عم کے پہلو میں کھڑے ہوکر نماز پڑھو۔ چنانچہ وہ آئے اور بائیں طرف کھڑے ہوکر انہوں نے بھی نماز ادا کی اور حضرت ابوطالب نے یہ اشعار کہے۔

اِنَّ عَلِيّاً وَجَعْفَراً ثِقَتِي — عِنْدَ مُلِمِّ الزَّمَانِ وَالْكُرَبِ
وَاللّٰهِ لَا أَخْذُلُ النَّبِيَّ — وَلَا يَخْذُلُهُ مِن بَنِيَّ ذُو حَسَبِ
لَا تَخْذُلَا وَانْصُرَا ابْنَ عَمِّكُمَا — أَخِي لِأُمِّي مِنْ بَيْنِهِمْ وَأَبِي

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ زمانہ کے مصائب اور زحمتوں کے وقت علیؑ اور جعفرؑ پر میرا بھروسہ ہے کہ خدا کی قسم میں نبی کو نہ چھوڑوں گا اور میری اولاد میں سے جو صاحب عزت ہوگا وہ بھی انہیں نہ چھوڑے گا ہرگز نہ چھوڑنا تم دونوں اور نصرت کرتے رہنا اپنے ابن عم کی یعنی اپنے اس چچا کے بیٹے کی جو میرے تمام بھائیوں میں میرا عینی بھائی تھا اور یہ شعر بھی حضرت ابوطالبؑ ہی کا ہے:۔

يا شاهد الله عليَّ فاشهد — اٰمنتُ بالواحدِ رَبِّ احمدٌ

یعنی اے اللہ کی طرف سے مجھ پر گواہی دینے والے گواہ رہ کہ میں خدائے واحد و یکتا کے ساتھ ایمان لایا جو احمد کا رب ہے۔

اور منجملہ حضرت ابوطالبؑ کے اشعار کے جو حسین بن بشر آمدی نے کتاب ملح القبائل میں نقل کیا ہے یہ چند بیتیں ہیں:۔

أتَرجونَ أنْ نُستحي بقتلِ محمدٍ — وَلَمْ يُخْتَضَبْ سُمراً لا والي من الدم
كَذِبْتُم وبيتِ اللهِ حتّى تَعرِفُوا — جَماجِم تُلقَىٰ بالحطيم وَزمزم
وَينهضَ قومٌ في الحديد اليكم — يذودون عَن احسابِهِم كُل مُجرم

وَتقطع ارحامٌ وتنسیٰ خلیلُه ‘   خیلاً وَیَغشیٍ مجرم بعد مجرم

علیٰ ما الیٰ مِن بغیکم وضلالِکمٍ   وَغشانکم فی اَمُرنا کل ماتمٍ

بظلم نبیّ جاء یدعوا لی الهدیٰ   وَامراُتیٰ من عند ذی العرش مبرم

فلا تحسَبوا اَنا مسلّمیه ومثلمه   اذا کان فی قوم قلیس بمسلَمٍ

فهذا معاذیری تقدمه لکم   لکیلا یکون الحربُ قبل التقدیم

حاصل مضمون یہ ہے کہ کیا تم لوگوں کو یہ امید ہے کہ باوجود محمدؐ کے قتل ہوجانے کے ہم لوگ زندہ رہیں گے؟ اور نیزوں کی سنانیں خون سے خضاب آلودنہ ہوں گی اگر ایسا خیال ہے تو یقیناً تم لوگ جھوٹے ہو قسم خدا کی مقام حطیم وزمزم پر کھوپریاں ٹھوکریں کھاتی پھریں گی اور تم سے مقابلہ کرنے کے لئے لوہے کے اسلحہ میں ڈوبی ہوئی ایک قوم مستعد ہوگی جو ہر مجرم کو اپنی عزت کے بارے میں دفع کرتی ہوگی ایسی سخت جنگ ہوگی کہ قرابت دار اپنے داروں کو اور اپنے دوستوں کو بھول جائیں گے اور مجرموں کی لاشوں پر لاشیں ڈھیر کردی جائیں گی کب تک تمہاری ضلالت اور گمراہی باقی رہے گی اور کب تک ہمارے متعلق تم برائیوں پر آمادہ رہو گے اور کب تک اس نبیؐ پر ظلم کرتے رہو گے جو ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے اور صاحب عرش کے حتمی احکام کی طرف بلاتا ہے تم یہ نہ خیال کرو کہ ہم اسے تمہارے سپرد کردیں گے اور اس کا ایسا شخص جو کسی قوم میں ہو وہ ہرگز سپرد نہیں کیا جا سکتا پس یہ ہمارے عذر تھے جو ہم نے تمہارے سامنے پیش کردئے تا کہ قبل عذر پیش کرنے کے جنگ نہ واقع ہوجائے۔

اور شرح دیوان جناب **امیر المومنین** علیہ السلام میں لکھا ہوا ہے کہ نبوت کے آٹھویں سال قریش نے آپس میں اتفاق کیا کہ **بنی ہاشم** اور **بنی مطلب** کے ساتھ میل جول ترک کردیا جائے یہاں تک کہ کوئی شخص ان کے ہاتھ کوئی چیز نہ بیچے اور شادی بیاہ نہ کرے اس کے متعلق ایک عہد نامہ لکھا اور خانہ کعبہ میں لٹکا دیا اور مسلمانوں کو اذیت دینا شروع کردی۔

جناب **ابوطالب** علیہ السلام حضرت پیغمبر صلعم کے معہ گروہ مسلمانان کے اپنے شُعب میں لے گئے اور برابر ان کی حفاظت کرتے رہتے تھے کفار طرح طرح کی اذیتیں پہونچاتے تھے اور آب وطعام بند کر رکھا تھا تین سال تک یہی حالت باقی رہی آخر کار **مطعم** بن **عدی** بن **نوفل** بن **عبدمناف** اور **ھشام** بن **عمر** بن **ربیعہ** اور **زبیر** بن **ابی امیہ** بن **مغیرہ مخزومی** اور **ابو البختری** بن **عاص** بن **حشام** بن **حارث** بن **اسد** نے وہ عہد توڑ دیا اور مسلمانوں کو نجات ملی اس تین سال کے عرصہ میں **حضرت ابوطالبؑ** پیغمبر صلعم کی اس طرح سے حفاظت کرتے تھے کہ راتوں کو لوگوں کے سامنے حضرت سے کہتے تھے کہ تم اس بستر پر آرام کرو جب لوگ چلے جاتے تھے تو ان کی جگہ بدل دیتے تھے اور خود ان کی جگہ پر لیٹ رہتے تھے اور

بعض راتوں میں حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیتے تھے کہ وہ آنحضرت کے بستر پر سو رہیں۔

جب حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات کا زمانہ قریب آیا تو آپ نے اپنے تمام فرزندوں اور اقربا کو جمع کر کے جناب پیغمبر خدا صلعم کی نصرت کے بارے میں وصیت کی اور یہ اشعار کہے۔

اوصی بنصر النبی الخیر مشهد   علیاً ابنی وشیخ القوم عبّاساً

وحمزة الاسد المحامیٍ حقیقة   وجعفراً ان یَذُوُدُوُادونه الناساً

کونوا جذفدالکم اُمّیٍ ولدت   فی نصر احمدٌ دُون الناس اتراساً

حاصل مضمون یہ ہے کہ ”میں اپنے فرزند **علیؑ** اور بزرگ قوم **عباسؓ** اور **حمزہؑ** کو جو مثل شیر کے حمایت کرنے والے ہیں اور **جعفرؑ** کو وصیت کرتا ہوں کہ یہ **نبی** صلعم کی نصرت کرتے رہیں اور لوگوں کو ان سے دفع کرتے رہیں اور ان کی حفاظت ونصرت میں مثل سپر کے ہوجائیں۔

لیکن مخالفین کے شبہات بزمانہ بنی امیہ وضعی حدیثوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ جو ان کی خوشامد کے لئے بنائی گئیں اور متاخرین نے بغیر سوچے سمجھے اپنے بزرگوں کی تقلید کرلی چنانچہ منجملہ ان احادیث کے حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ریگستان نار میں ہونے کی روایت ہے جو تمام مخالفین نے صرف ایک شخص **مغیرہ بن شعبہ** سے نقل کیا ہے اور ان کا **بغض** وعداوت بہ نسبت **بنی ہاشم** کے عموماً اور حضرت **امیر** علیہ السلام کے خصوصاً مشہور ہے اور اس کے فسق کا قصہ کتب اہل سنت میں مذکور ہے اور ایک اور وجہ شبہہ کی یہ بھی ہے کہ حضرت ابوطالبؑ اپنے ایمان کو چھپاتے تھے لہٰذا بعض کو معلوم ہی نہیں ہوا کہ وہ باطناً مومن ہیں یا نہیں۔ لیکن حضرت کا اخفاے ایمان عین مصلحت کے مطابق تھا تا کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ہم مذہب ہونے کے سبب سے ان کی حفاظت کرتے ہیں اس لئے کہ سفہائے قریش آپ کو بھی مثل اور مسلمانوں کے سفیہ کہنے لگے اور عہدۂ ریاست قریش سے برطرف کردیتے اور ان کا رعب دلوں سے جاتا رہتا۔

حضرت ابوطالب علیہ السلام کی حالت مثل اصحاب کہف کے حال کے ہے کہ انہوں نے تقیہ کے سبب سے اپنے ایمان کو چھپایا ”**فاتاهم الله اجرهم مرّتین**“ ”یعنی پس خدا نے ان کو دوہرا اجر دیا“

اور یہی سبب تھا کہ جب حضرت ابوطالب علیہ السلام کی وفات کا زمانہ قریب آیا تو جبرئیل امین نازل ہوئے اور رسول خدا صلعم سے عرض کی کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ آپ مکہ سے چلے جایئے اس لئے کہ بعد آپ کے چچا ابوطالب علیہ السلام کی یہاں آپ کا کوئی ناصر ومددگار نہیں ہے۔ ان بیانات سابقہ سے وہ شبہہ فاسد جو شارح مقاصد نے اس مقام پر وارد کیا ہے دفع ہوا جاتا ہے وہ کہتے ہیں کہ جو شخص کلمۂ توحید سے انکار کرے اور اپنے انکار پر اصرار کرتا رہے وہ یقیناً کافر ہے لہٰذا حضرت ابوطالبؑ معاذ اللہ کافر تھے اور روافض کی بحث اس باب میں بیجا اور مکابرہ ہے وہ غور نہیں کرتے کہ ابوطالبؑ باوجود

اس کے کہ حضرتؐ کے چچاؤں میں بہت مشہور تھے اور حضرت کے ساتھ ان کی خصوصیات سب سے بڑھ کر تھیں۔ اور ان کا اہتمام حضرت کے متعلق سب سے زیادہ تھا تو حضرت کو بھی ان کے با ایمان ہونے کی خواہش بہ نسبت سب کے زیادہ رہی ہوگی۔ پس کیا سبب ہے کہ ایسا ایمان حمزہؓ و عباسؓ کا تو مشہور ہوا اور ان کے بارے میں احادیث کثیرہ ظاہر ہوئیں لیکن ایمان ابو طالبؑ کا مشہور نہ ہوا۔ یہ کلام شارح مقاصد کا تھا لیکن اس دلیل میں بہت سے مقاصد ہیں اولاً ہم ابو طالبؑ کے انکار ہی کو تسلیم نہیں کرتے ثانیاً اگر تسلیم بھی کر لیں تو کلمۂ توحید کا زبان سے نہ کہنا موجب کفر نہیں ہے منتہائے امر یہ ہے کہ گناہ کی حد تک پہونچ جائے اور گناہ صاحب ایمان سے بھی ہو سکتا ہے چنانچہ فاضل نیشاپوری نے اوائل تفسیر بقرہ میں حجۃ الاسلام غزالی سے نقل کیا ہے کہ جو شخص خدا کو دلیل سے پہچان لے اور اپنی معرفت کو چھپاتا رہے پس مرجائے یا اتنا وقت پائے کہ کلمہ کا تلفظ کر سکے یا تلفظ نہ کرے تو تلفظ نہ کرنا بجائے ایک گناہ کے ہوگا جو ساتھ ایمان کے متحقق ہو سکتا ہے۔

اور ثانیاً پھر یہ بھی تسلیم نہیں ہے کہ حضرت ابو طالبؑ کے بارے میں حدیثیں نہیں وارد ہوئیں بلکہ ان کی کوششیں دین کے بارے میں اور نصرت جناب رسول خدا صلعم کے متعلق بہت زیادہ تھیں چنانچہ جبرئیل نے اس سے خبر دی اور ان کی وفات ہی کے سبب سے جناب رسالت مآب کو ہجرت کرنی پڑی اور منجملہ عجائب کے یہ امر ہے کہ مخالفین حضرت عباس کے متعلق اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ فتح مکہ سے کئی سال پہلے ایمان لا چکے۔ اور اپنے ایمان کو چھپاتے تھے لیکن حضرت ابو طالبؑ کے بارے میں ایسی باتیں نہیں قبول کرتے اور اس سے بھی بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ اہل سنت فرعون کو جیسے مسلمانوں کے علاوہ یہود و نصاریٰ بھی کافر جانتے ہیں کہتے ہیں کہ وہ مسلمان اور عارف خدا تھا لیکن عناد کرتا تھا یا اپنی ریاست اور حکومت کے بچانے کے لئے چھپاتا تھا لیکن حضرت ابو طالبؑ کو کسی طرح سے مومن تسلیم کرتے چنانچہ کتاب فضائح الشیعہ کے مصنف نے کہ جو متعصبین اہل سنت سے ہے کہا ہے کہ رافضی ابو طالبؑ کو باوجود ظہور کفر کے مومن کہتے ہیں اور علیہ السلام لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام اجداد رسولؐ کے مومن تھے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ کیا رسول اللہؐ نے نہیں فرمایا کہ میں نے ابو طالبؑ کو نار کے ریگستان میں دیکھا محمد بن حسن نے سوحا میں اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے کہ مسلم کافر کا اور کافر مسلم کا وارث نہیں ہو سکتا اور ان کی سند میں ذکر کیا ہے کہ علیؑ بن الحسینؑ اور اسامہ بن زید نے کہا ہے کہ جب ابو طالبؑ کا انتقال ہوا تو حضرت رسول صلعم نے ان کی میراث عقیلؑ اور طالبؑ کو دی اور جعفرؑ اور علیؑ کو نہیں دی اس لئے کہ وہ دونوں کافر تھے۔ باوجود ان باتوں کے رافضی ابو طالبؑ کو مومن کہتے اور ابوبکر و عمر کو باوجود ان کی اس قدر بیش بہا خدمتوں اور ان زحمتوں کے جو انہوں نے دین خدا میں برداشت کیں اور باوجود ان تعریفوں کے

جو رسول خداؐ نے فرمائیں کافر جانتے ہیں اور عباسؓ کو باوجودیکہ خدائے تعالیٰ نے ہر طرح کی کرامت سے مخصوص کیا تھا اور ان کی بزرگی پر تمام امت کا اجماع ہے لیکن رافضی ان کو ضعیف الرائے کہتے ہیں حالانکہ جب عبد المطلب کا انتقال ہوا تو انہوں نے عباسؓ ہی کو وصی کیا باوجودیکہ وہ گیارہ بیٹوں سے چھوٹے تھے اور اس کا سبب یہی تھا کہ وہ نہایت عاقل اور فہمیدہ تھے کیسے ستم کی بات ہے کہ رافضی ایسے شخص کو ضعیف الرائے سمجھیں عباسؓ کو جو کرامت و جلالت خدا نے عطا کی منجملہ اس کے یہ بھی ہے کہ خلافت کو انہیں کے خاندان میں قرار دیا تا کہ قیامت تک وہی لوگ اس امت کے محافظ رہیں اور آلِ ابو طالبؑ کہ جو ابتدا سے انتہا تک ایک ذرّہ کو بھی فتح نہ کر سکے رافضیوں کے نزدیک صاحبان رائے قوی تھے یہ سب رافضیوں کی جہل کی دلیلیں ہیں۔ یہاں تک اس ناصبی غالی کا کلام تھا اور شیخ اجل عبد الجلیل رازی نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ اس ناصبی بے انصاف نے جو باتیں وارد کی ہیں ان کا جواب یہ ہے:۔

اولاً اس نے کہا کہ ابو طالبؑ کو باوجود ظہور کفر کے مومن کہتے ہیں اور علیہ السلام لکھتے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ ابو طالبؑ کے کفر کا ظہور اس ناصبی مقہور پر کیوں کر ہوا۔

آیا اس سبب سے کہ جب حضرت رسول صلعم بے ماں باپ کے رہ گئے تھے اور ان کے سب چچا ان سے بیزاری کرتے تھے۔ ابو طالبؑ نے ان کو اپنی حفاظت میں لیا اور تربیت کرتے رہے اور ہر طرح کی خدمتیں بجالاتے رہے یا اس وجہ سے کہ جب رسول صلعم نے قوم کو دین اسلام کی دعوت دی اور حضرت کے سب چچاؤں نے بیزاری اختیار کی اور ابو طالبؑ نے نصرت رسول صلعم پر کمر باندھ لی اور کفار قریش کی برائیوں کو ظاہراً و باطناً ان سے دفع کرتے رہے۔

یا اس جہت سے کہ جب علیؑ کو پیغمبر صلعم کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے دوسرے بیٹے جعفرؑ کو بھیج دیا کہ تم بھی اپنے ابن عم کے ساتھ نماز پڑھو۔

یا اس سبب سے ابو طالبؑ کا کفر ظاہر ہوا کہ جب انہوں نے اہل حبشہ کو خط لکھا تو اشعار ذیل حضرت رسول صلعم کی شان میں لکھے:۔

تعلم مَلِیکَ الحبش اَنّ محمدا   نبیّ کموسیٰ والمَسیحَ ابن مریم
اتیٰ بھدی مثلَ الذی اتباہ   فکُلٌ بِامرِ اللّٰہِ یَھدیٰ و یَعصِیم
وانکم تتلونہ فی کتابکم   بِصِدقِ حدیثٍ لا حدیثٍ مرجم
فلا تجعلوا للہ نداً واسلموا   فانّ طریق الحق لیس بمظلم

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "اے بادشاہ حبش تجھ کو معلوم ہونا چاہئے کہ محمدؐ مثل موسیٰؑ اور مسیحؑ بن مریم کے نبی ہیں اور اسی طرح سے ہدایت لیکر آئے ہیں جس طرح سے وہ دونوں ہدایت لائے تھے پس ہر ایک

ان میں کا خدا ہی کے حکم سے ہدایت کرتا ہے اور اسی کے حکم سے دین خدا اور خلایق خدا کی حفاظت کرتا ہے اور تم محمدؐ کا ذکر اپنی کتاب میں پڑھتے ہو اور یہ سچی بات ہے کوئی چھوٹی حدیث نہیں ہے پس تم خدا کے ساتھ کسی کو شریک و مثل نہ قرار دو اور اسلام کو قبول کرو۔ اس لئے کہ راہ حق ظلماتی نہیں ہے بلکہ کھلی ہوئی اور روشن ہے۔

یا اس سبب سے کہ انہوں نے اپنی ریاست اور مرتبہ کے باوجود قریش کے سامنے اپنے فرزندوں کو طلب کیا اور کہا کہ ان علیاً و جعفر اُنقی الخ

اس کے بقیہ اشعار معہ ترجمہ کے مذکور ہو چکے ہیں۔

یا اس وجہ سے ان کا کفر ظاہر ہوا کہ جب حضرت رسولؐ کی اجابت دعا اور بزرگی طلب باراں کے بارے میں ظاہر ہوئی تو انہوں نے اپنی بے انتہا خوشی کے اظہار کے لئے وہ مشہور قصیدہ نظم فرمایا جس کا مطلع یہ ہے:۔ وابیض یستسقیٰ انعام بو جھہ الخ

اس کے بھی بقیہ اشعار معہ ترجمہ کے مذکور ہو چکے ہیں۔

یا اس وجہ سے کہ جب حالت مرض الموت میں جو خداوند عالم کی طرف جا رہے تھے تو اپنے فرزندوں اور اعزا کو بلا کر نصرت، نبیؐ کی وصیت کی۔ اور فرمایا اُوصی بنصر نبیُّ الیٰ آخر الاشعار (جن کا ترجمہ ہو چکا ہے)

یا حضرت ابوطالبؑ کے ظہور کفر کی وجہ ہوئی کہ جب تک وہ زندہ رہے رسول اللہ صلعم کو مکہ سے ہجرت کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی اور جب وہ بزرگوار جوار رحمت پروردگار کی طرف تشریف لے گئے تو رسول مختار ہجرت کے لئے مجبور و ناچار ہوئے۔

شاید یہ خبر اس ناصبی کو نہیں پہونچی کہ جبرئیلؑ نے جناب رسالت مآبؐ کو بشارت دی کہ خدا نے جہنم پر اس صلب اور اس بطن کو جس نے تمہیں اٹھایا اور اس پستان کو جس نے تمہیں دودھ پلایا اور اس گود کو جس نے تمہاری کفالت کی حرام کر دیا ہے اور یہ حدیث عبداللہ اور آمنہ و حلیمہؓ اور ابوطالبؑ اور ان کی زوجہ فاطمہ بنت اسد کے ایمان پر دلالت کرتی ہے۔ اگر حضرتؑ ابوطالب کے ایمان کے دلائل کا ذکر کیا جائے تو کتاب اپنی حد سے بڑھ جائے یہاں تو صرف اس کلمہ کا جواب دینا مقصود تھا کہ رافضی حضرت ابوطالبؑ کو باوجود اتنے مراتب کے مومن کہتے ہیں اور علیہ السلام لکھتے ہیں لیکن اس سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ ناصبی اپنی جہالت سے معاویہ کو باوجود کھلم کھلا علیؑ مرتضیٰ کے ساتھ عداوت کرنے کے امام حق جانتے ہیں اور امیر المومنینؑ کہتے ہیں وہاں تو رسولؐ اللہ کی نصرت کفر ہے اور یہاں علیؑ مرتضیٰ کی عداوت جو باجماع امت امام بھی تھے امیر المومنین ہے یہ سب باتیں محض علیؑ کے بغض سے ہیں لیکن اس گڑھی ہوئی حدیث کا جواب کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ معاذ اللہ ابوطالبؑ کو میں نے ریگستان نار میں دیکھا ہے۔

یہ حدیث بے اصل ہے صاحبانِ تعصب اور جہل نے بنی امیہ کی خوشامد میں بنالی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ابوطالبؑ دوزخ میں کس لئے تھے اگر اس کا جواب اہل سنت یہ دیں کہ بسبب اپنے کفر کے تھے تو یہ ان کے اصول مذہب کے خلاف ہے اس لئے کہ وہ لوگ جبری ہیں ان کے یہاں اعمال کے عوض میں جزا و سزا نہیں ہوتی بلکہ مشیت باری سے تعلق رکھتے ہے وہ جائز جانتے ہیں کہ ابوجہل کافر داخل بہشت ہو اور حضرت یحیٰؑ پیغمبر معصوم جہنم میں جائیں پھر یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ قبل از قیامت حضرت ابوطالبؑ دوزخ میں کیونکر گئے باوجود اس کے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ابوطالبؑ مومن رہے ہوں لیکن سنیوں کے خدا نے انہیں جہنم ہی میں بھیج دیا ہو۔

اگر یہ حدیث صحیح بھی مان لی جائے جب بھی ان کا کفر ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ اہل سنت کے نزدیک بہشت میں جانا دلیل ایمان اور دوزخ میں جانا دلیل کفر نہیں ہے بلکہ ملک الملک کے ارادہ پر منحصر ہے اس سے ظاہر ہوا کہ یہ خبر بے اصل ہے۔ اور یہ جو انہوں نے کہا ہے کہ محمد بن حسن نے موطّا میں مسئلہ میراث مومن و کافر کا ذکر کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ شیعوں کے نزدیک صاحب موطا کا قول و بول برابر ہے۔ ان کا قول شیعوں کے مقابلہ میں بطور دلیل کے لانا دلیل حماقت ہے علمائے اہل سنت کا مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ کافر مومن کی میراث نہیں لے سکتا لیکن مومن کافر کی میراث لے سکتا ہے اس لئے کہ اگر کفر ایک نقص ہے جو مانع میراث ہو جاتا ہے اور ایمان کو اہل سنت ہی نقص کہیں گے مومن تو ایمان کو نقص نہیں کہہ سکتا اور علیؑ ابن الحسینؑ اور اسامہ بن زید پر جو صاحب موطا نے تہمت کی ہے اس کا حال بھی ظاہر ہے مشہور اور معروف واقعہ ہے کہ جب حضرت ابوطالبؑ کی میراث تقسیم ہونے لگی تو جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ حصہ کے علاوہ ان کی تلوار اور زرہ علیؑ کو دو ایسے مشہور واقعہ کے مقابلہ میں یہ خبر دروغ بے فروغ اس قابل نہیں ہے کہ ناقدانِ علم حدیث اس کی طرف توجہ کریں اور ابوبکر و عمر کی خدمتوں کے بارے میں جو اس ناصبی نے ذکر کیا اس کا جواب یہ ہے کہ:۔

اول تو حیات رسولؐ ہی میں ان کی کوئی ایسی خدمت جو قابل اعتنا ہو ثابت نہیں ہے کسی جہاد میں انہوں نے کوئی کارنمایاں نہیں کیا نہ کسی دشمن کو آنحضرت سے دفع کیا نہ کسی قلعہ کو فتح کیا۔ اور بعد آنحضرت صلعم کے تو ایسے افعال قبیحہ ان سے سرزد ہوئے کہ اگر سرتاپا وہ نیکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے اور ان کے محاسنِ اعمال بے انتہا ہوئے جب بھی حبط ہو جاتے اس لئے کہ انہوں نے رسولؐ کے عہد و بیعت کے خلاف عمل کیا اور امر خلافت میں اس نص پیغمبر کی مخالفت کی جو کتب فریقین میں مذکور ہے اور جناب فاطمہ علیہا السلام کو ناراض کر دیا اور لشکر اسامہ سے پلٹ آئے اور جو لکھا ہے کہ عباس کو باوجود اس کرامت کے جو خدائے تعالیٰ نے انہیں عطا کی تھی رافضی ضعیف الرائے کہتے ہیں یہ شیعوں پر بہتان ہے بلکہ خود

ناصبی لوگ ان کو ضعیف الرائے اور کم قدر جانتے ہیں اس لئے کہ اگر عباسؑ کی کچھ قدر ان کی نظر میں ہوتی تو ان کے سوا دوسرے کو امام نہ کرتے اور باوجود قرابت رسول صلعم ان کو مرتبہ خلافت سے نہ گراتے اور غیر کو ان کا امام نہ بناتے۔ اور جب ناصبی کے نزدیک ہر کام خدا ہی کرتا ہے تو عباسؑ کو بھی خدا ہی نے بے قدر وضعیف الرائے سمجھا ہوگا۔

اور یہ جو لکھا ہے کہ عباسؑ کو ان کے باپ نے باوجود کمسن ہونے کے اپنا وصی کیا اور یہ ان کے قوی العقل اور کامل الرائے ہونے کی دلیل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت رسول صلعم کی وصیت کو نہ بھولنا چاہئے کہ حضرت نے باوجود عباس اور تمام سن ومعمر صحابۂ کبار اور مہاجر وانصار کے موجود ہونے کے علیؑ مرتضٰی کو اپنا وصی کیا پس اگر عباس حضرت عبدالمطلبؑ کے انتخاب کے سبب سے ان کی تمام اولاد میں بہتر سمجھے گئے تو علیؑ مرتضٰی بہترین اولین وآخرین کے انتخاب وصایت کے سبب سے عباسؑ وابوبکر وعمر وعثمان سے بہتر کیوں نہ سمجھے جائیں ناصبی کو اپنے ہی قول کے مطابق ہماری دلیل کو قبول کرنا چاہئے یا اپنے قول سے باز آنا چاہئے اور یہ جو کہا کہ آل عباسؑ قیامت تک محافظ امت ہیں اور آلِ ابوطالبؑ ایک گاؤں بھی نہ حاصل کر سکے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقتاً راعی رعیت اور امام امت وہ لوگ ہیں جو خدا کی طرف سے واجب الاطاعت اور معصوم ہوں اور تمام خطاؤں اور لغزشوں سے بری ہوں اور خدا ہی نے انہیں معین کیا ہو۔

اب دیکھنا چاہئے کہ یہ صفات کس میں پائے جاتے ہیں اولاد علی علیہ السلام نے اگر ایک گاؤں نہیں حاصل کیا تو کوئی عیب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ دنیا انہیں کے باپ کی تلوار سے فتح ہوئی اور عباسؑ اور غیر عباس سب علیؑ ہی کی تلوار کے خوف سے ایمان لائے اور الحمد للہ کہ علی کسی کے خوف سے ایمان نہیں لائے بلکہ سب سے قبل بلوغ رسول صلعم کی پہلی ہی دعوت پر لبیک کہی۔

مؤلف کہتا ہے کہ اہل سنت نے جتنی روایتیں حضرت ابوطالبؑ کے کفر کے متعلق نقل کی ہیں ان میں اختلاف عظیم واقع ہے بعض کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ الصدر رسولؐ اللہ کے استغفار کرنے کے بعد ہی فوراً نازل ہوئی اور بعضوں نے کہا ہے رسولؐ اللہ کے استغفار کرنے کے بعد ہی فوراً نازل ہوئی اور بعضوں نے کہا ہے کہ سبب نزول بھی یہی تھا اگرچہ مدتوں کے بعد نازل ہوئی اور بعض نے کہا ہے کہ پہلے پیغمبر کو اجازت تھی کہ وہ حضرت ابوطالبؑ کے لئے استغفار کریں اس آیت نے اس اجازت کو منسوخ کر دیا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ رخصت تو نہ تھی لیکن سہواً اور خطاً رسولؐ اللہ استغفار ابوطالبؑ پر استمرار کرتے جاتے تھے اور خداوند عالم نے مدت تک ان کی خطا پر تنبیہ نہیں فرمائی غرض حضرت ابوطالبؑ کے ایمان کے متعلق مخالفین نے بہت سی حدیثیں نقل کی ہیں لیکن تکفیر کی حدیثوں کو ترجیح دی ہے اور ایمان کی

حدیثوں کی نیز ان اشعار کی جو ان کے ایمان کے بارے میں نص صریح کا حکم رکھتے ہیں طرح طرح کی تاویلیں کی ہیں پھر اس سے بھی ترقی کی ہے اور حضرت کے اشعار کے ساتھ کچھ اشعار اپنی طرف سے تصنیف کر کے ملحق کر دیئے ہیں کہ جن کے فرق کو ہر صاحب عربیت سمجھ سکتا ہے غرض اس تفصیل سے یہ ہے کہ صاحبان بصیرت پر مخفی نہ رہے کہ اہل سنت کا تکفیر حضرت ابوطالبؑ میں اس قدر اصرار محض جناب سید ابرار رسولؐ مختار کی عداوت اور ان کے خاندان کے ساتھ دشمنی رکھنے کے سبب سے ہے اس عناد کی خاص علامت یہ ہے کہ اس باب میں اہل سنت نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں اور اپنے دلائل باطلہ سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ کے آبائے طاہرین کفار تھے یہاں تک کہ جب نوبت جلال الدین سیوطی کی پہونچی تو انہوں نے بھی اس بارے میں ایک خاص رسالہ تصنیف کیا لیکن حق وباطل کا فرق اہل انصاف پر ظاہر ہو جاتا ہے کیا خوب اشعار میں جو شیخ عزالدین عبدالحمید بن ابی الحدید معتزلی نے حضرت ابوطالبؑ اور ان کے فرزند حضرت علی علیہ السلام کی مدح میں اپنی کتاب شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں جن کا خلاصہ مطلب یہ ہے:۔

کہ اگر ابوطالبؑ اور ان کے فرزند نہ ہوتے تو ہرگز دین اسلام قائم نہ ہوتا۔ ابوطالبؑ نے تو مکہ میں رسول کو پناہ دی اور حمایت کی اور ان کے فرزند نے مدینہ میں حضرت ابوطالبؑ نے پیغمبر صلعم کی بچپنے میں کفالت کی اور علیؑ نے انکی امداد کو انتہا کو پہونچا دیا۔ ابوطالبؑ کی بزرگی کو کسی جاہل کا لغو بکنا ضرر نہیں پہونچا سکتا اور نہ کسی آنکھ والے کے اندھے بننے سے انکے شرف کو کوئی نقصان پہونچتا ہے جس طرح سے اگر کوئی گمان کرنے والا دن کی روشنی کو ظلمت سمجھے تو اس کے سمجھنے سے دن کی روشنی کم نہ ہوگی۔

سید الشہداءؑ حمزہؑ بن عبدالمطلبؑ ہاشمی

یہ جناب رسالت مآب صلعم کے چچا اور حضرت کے برادر رضاعی بھی تھے اور ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے اور آپ کی نصرت میں بڑی بڑی کوششیں کیں۔ اور اسی طرح سے امیر المومنین علیہ السلام کی دوستی بھی اپنے لوح دل پر ثبت رکھتے تھے اور باوجود مرتبۂ پدری رکھنے کے ہمیشہ علی مرتضٰی علیہ السلام کے تقدم کا اعتراف کرتے رہے۔ شرح دیوان امیر المومنین علیہ السلام میں مذکور حضرت حمزہؑ نبوت کے چھٹے سال مسلمان ہوئے سبب یہ ہوا کہ ایک روز جناب پیغمبرؐ خدا صلعم مقام صفا پر ٹھہرے ہوئے تھے کہ ابوجہل کا گزر ہوا اس نے بلا سبب حضرت کو اذیت پہونچائی حضرت حمزہؑ شکار پر گئے ہوئے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ جب شکار سے واپس ہوتے تھے تو خانۂ کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے چنانچہ اس روز بھی جب حسب عادت واپس ہو کر طواف کر رہے تھے عبد اللہ بن جزعان کی کنیز نے اس واقعہ کی خبر دی جو آنحضرت کو ابو

جہل کے ساتھ پیش آیا تھا حضرت حمزہؑ فوراً قریش کے مجمع میں تشریف لے گئے اور ابو جہل کا سر کمان سے توڑ دیا اور اسی وقت دین اسلام کا اظہار کیا حضرت کے اشعار میں سے یہ چند شعر ہیں:۔

حَمِدتُ اللہ اذھدیٰ فوادیِ   اِلَی الاسلامِ وَالدِینُ الحنیف
بدینٍ جآءِ مِن رَبٍّ عزیزٍ   خبیرٍ بالعِبادِ واللطیفِ
اِذَا تُلِیَتْ رِسَائِلُہ‘ عَلَیْنا   تَھَرَّ دَمْعُ ذِی الصَلبِّ الخفیفِ

جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے:۔

میں نے اللہ کی حمد کی جس وقت اس نے میرے دل کو اور دین حنیف کی طرف ہدایت کی ایسا دین جو رب عزیز کے پاس سے آیا ہے جو اپنے بندوں کی حالت سے خبر دار اور ان پر لطف کرنے والا ہے جس وقت اس کے رسالے ہم پر پڑھے جاتے ہیں تو جس کو رونے کی عادت نہ ہو وہ بھی رونے لگتا ہے۔

اور کتاب کامل بہائی میں حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام اس زمانہ میں جب خلافت غاصبوں کے ہاتھ میں تھی فرمایا کرتے تھے کہ قسم خدا کی اگر حمزہؑ و جعفرؑ زندہ ہوتے تو ابو بکر خلافت کی طمع نہ کرتا لیکن میں دو جفا کرنے والے خشک آدمیوں کے ساتھ مبتلا ہوا ہوں یعنی عقیل و عباسؓ اس مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام حضرت حمزہؑ کو اپنے معتقدین خلافت میں جانتے تھے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت حمزہؑ بھی مثل حضرت ابو طالبؑ کے نصرت و حمایت مصطفیٰؐ و مرتضیٰؑ میں مدت العمر کوششیں کرتے رہے۔ آخر کار جنگ اُحد میں شربتِ شہادت نوش فرمایا اور شہادت اس طور پر واقع ہوئی کہ جبیر بن معطم جو رؤسائے عرب میں سے تھا اس کا ایک غلام حبشی تھا جس کو سب وحشی کہا کرتے تھے وہ ایک جنگ آزما جوان تھا اور ہمیشہ زوبین یعنی چکر کے ساتھ لڑتا تھا جب لشکر قریش نے مدینہ کا ارادہ کیا جبیر نے اس وحشی کو بلا کر کہا کہ جنگ بدر میں میرے چچا طیعمہ کو ان لوگوں نے بہت بری طرح قتل کیا ہے میرا صرف ایک ہی چچا تھا اور محمدؐ کے دو چچا حمزہؑ و عباس موجود ہیں عباسؓ تو خود مکہ میں ہیں لیکن حمزہؑ مدینہ میں ہیں اگر تو اس جنگ میں حمزہؑ کو قتل کر دے تو میں تجھے آزاد کر کے اپنی عطا سے مالا مال کر دوں گا وحشی نے اس کام کا ارادہ کر لیا ایک دوسرا محرک یہ بھی پیدا ہوا کہ ہند زوجہ ابو سفیان جو قبائل عرب میں اپنے حسن و جمال کے لئے مشہور تھی اور جنگ بدر میں اس کا باپ عتبہ قتل ہوا تھا اس نے وحشی کو بلا کر کہا کہ اگر تو محمدؐ یا ان کے اعزا میں سے کسی کو میرے باپ کے عوض میں قتل کرے تو جو آرزو تیرے دل میں پوشیدہ ہے وہ میں پوری کروں گی۔

وحشی اپنی آزادی کی خواہش اور وصل کی آرزو میں پورے طور سے مستعد ہو گیا روز جنگ احد

میں وہ موقع ڈھونڈھتا رہا لیکن دیکھا کہ جناب رسالت مآب صلعم کی حفاظت تمام سرداران مہاجرین وانصار کما حقہ‘ بجالا رہے ہیں کسی طرح سے موقع نہیں ہے جو آپ پر حملہ کیا جاسکے وہاں سے واپس ہو کر حضرت امیر علیہ السلام پر حملہ کرنے کی فکر کی لیکن دیکھا کہ مبارز میدان لافتا خطیب منبر ایوان ہل اتی ہر طرف سے باخبر ہے اور کسی طرف سے ان پر حملہ نہیں کیا جاسکتا آخر اس نے حضرت حمزہؑ کے قتل کا ارادہ کیا حمزہؑ مثل شیر غضبناک کے دونوں ہاتھوں میں تلوار لئے ہوئے صف لشکر کفار پر حملہ آور تھے اور پروں کو درہم برہم کرتے ہوئے سباع بن عبد العزیٰ تک پہونچے اور ایک آن کی آن میں اس کو جہنم کی طرف روانہ کیا اور مبارز طلبی کرنے لگے کوئی ان کے مقابلہ کے لئے نہیں آتا تھا یہاں تک کہ غیظ میں آکر اپنے کو درمیان لشکر میں ڈالدیا اور اپنی شمشیر آبدار سے شیرازہ لشکر کو منتشر کرنے لگے جوش شجاعت میں حضرت کے منہ سے کف جاری تھا اور اطراف و جوانب کی مطلقا پروانہیں کرتے تھے۔

وحشی چھپ کر راہ میں بیٹھا ہوا موقع دیکھ رہا تھا کہ یکا یک حضرت حمزہؑ کے گھوڑے نے بدلگامی کی وحشی نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور کمیں گاہ سے نکل کر ان پر ژوبین سے حملہ کیا جو ان کے زیر ناف پڑا اور حضرت حمزہؑ گھوڑے سے زمین پر گر گئے کمیں گاہ کی طرف متوجہ ہوئے کہ دیکھیں کس نے ان کو زخم پہونچایا ہے لیکن سنبھل نہ سکے کلمہ توحید کو اپنی زبان پر جاری کیا اور روح مبارک نے عالم قدس کی طرف پرواز کی۔

وحشی نے اتنا انتظار کیا کہ لوگ اس طرف سے ہٹ گئے اس نے حضرت کا شکم مبارک چاک کیا اور کلیجہ ہند کے پاس لے گیا ہند نے وہ کلیجہ لیکر کھانا چاہا۔ لیکن وہ جگر اس قدر سخت ہو گیا کہ وہ مجبور رہی آخر زمین پر پھینک دیا اور اپنا ایک گلوبند اور گوشوارہ بطور انعام کے وحشی کو دیا اور کہا کہ جب ہم مکہ واپس جائیں گے تو تیری اور خدمتیں بھی بجالائیں گے۔

اس کے بعد پوچھا کہ حمزہؑ کو کس جگہ قتل کیا ہے وحشی اس کو حضرت حمزہؑ کی لاش پر لے گیا اس ملعونہ نے چھری لیکے آپ کے کان اور ناک اور بعض دیگر اعضاء کو جسم مبارک سے جدا کیا اور ایک ڈورے میں پرو کر اپنے ساتھ لے گئی۔

جب حضرت رسالت مآب صلعم نے حضرت حمزہؑ کو نہ پایا تو اصحاب سے پوچھا کہ میرے چچا حمزہؑ کیسے ہیں میں انہیں کیوں نہیں دیکھتا۔

حارث بن صمہ حضرت حمزہؑ کو ڈھونڈھنے کے لئے گئے لیکن دیر لگائی تو حضرت امیر علیہ السلام روانہ ہوئے اور حمزہؑ کی یہ حالت دیکھ کر نہایت غمگین ہوئے اور روتے ہوئے واپس ہو کر آنحضرت کو خبر دی سید عالم حضرت حمزہؑ کی لاش کے پاس تشریف لائے اور یہ حالت مشاہدہ کر کے بہت روئے کیوں کہ حضرت حمزہؑ کو بہت چاہتے تھے بریں سبب کہ وہ آپ کے چچا بھی تھے اور برادر رضاعی بھی تھے۔

حضرت نے پھر ارشاد فرمایا کہ ہرگز کسی کی مصیبت میرے نزدیک مثل آپ کے نہ ہوگی پھر حکم دیا کہ حضرت حمزہؑ کو انہیں خون آلودہ کپڑوں سمیت قبر میں رکھیں۔

صاحب استیعاب نے روایت کی ہے کہ جب وحشی قاتل حمزہ علیہ السلام مسلمان ہوا تو حضرت رسول صلعم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے چہرہ کو مجھ سے غائب کرلے تاکہ میں تجھے نہ دیکھوں۔

مولف کہتا ہے کہ جب جناب رسالت مآب صلعم باوجود اس نفس قدسی کے اپنے چچا کے قاتل وحشی کی صورت درحالیکہ وہ مسلمان ہوگیا تھا اور تمام گناہاں سابق سے پاک ہوگیا تھا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ تو دوسرے جنہوں نے ظلمات کفر و جاہلیت میں نشو نما پائی تھی بمجرد اظہار اسلام کے اپنے اعزاء و اقارب کے خون کو کیوں کر بھول سکتے تھے جو علی بن ابی طالبؑ کے ہاتھ سے قتل ہوئے تھے یہ بھی ایک سبب تھا جو لوگوں نے جناب امیر المومنینؑ کی طرف رجوع نہیں کی اس لئے کہ ان کے دلوں میں کینہ دیرینہ باقی تھا۔

جعفرؑ بن ابی طالب الہاشمی

صاحب کتاب استیعاب نے کہا ہے کہ وہ جناب رسالت مآب صلعم سے صورت و سیرت میں اشبہ تھے اور حضرت ان کو بہت دوست رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ تم صورت و سیرت میں مجھ سے مشابہ ہو اور یہ انکے لئے بہت بڑے شرف کی بات تھی اور جعفر حضرت امیر علیہ السلام سے دس سال بڑے تھے اور عقیل جعفر سے دس سال اور طالب عقیل سے دس سال بڑے تھے اور جعفر مہاجرین اولین میں سے تھے کہ حبش کی طرف ہجرت کی اور فتح خیبر کے زمانہ میں جناب رسالت مآب صلعم کی خدمت میں پہونچے۔ حضرت نے جعفرؑ کا استقبال کیا اور وقت ملاقات اپنا دست مبارک ان کی گردن میں حمائل فرمایا اور ارشاد کیا کہ میں نہیں جانتا کہ کس بات پر میری خوشی زیادہ ہے جعفرؑ کے آنے پر یا خیبر کے فتح ہونے پر۔ اور جعفرؑ ہجرت کے ساتویں سال مدینہ میں وارد ہوئے۔ جناب رسالت مآب صلعم نے مسجد کے پہلو میں ان کے لئے ایک گھر مقرر فرمایا اور آخر جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔

روضۃ الشہداء میں لکھا ہے کہ ۸ھ میں جناب رسالت مآبؐ نے شرجیل بن عثمانی کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر نامزد فرمایا جعفر بھی اس لشکر میں تھے جب وہ لشکر مقام پر موتہ پہونچا جو ملک شام کا ایک موضع ہے تو لشکر کفار سے مقابلہ ہوا حضرت کے لشکر میں تین ہزار (۳۰۰۰) آدمی تھے اور شرجیل کی فوج میں ایک لاکھ سوار و پیادے سے بھی زائد لوگ تھے لیکن مسلمانوں نے دشمنوں کی کثرت کی کوئی پروا نہیں کی اور خدا پر توکل کرکے پائے ثبات میدان شجاعت میں گاڑ دئے اور کفار سے مقابلہ کرنا شروع کردیا۔

اثنائے جہاد میں جب زید بن حارث شہید ہوچکے تو جعفر بن ابی طالبؑ نے علم برداری کی ان کے گھوڑے کو دشمنوں نے پے کردیا اور مسلمانوں کا وہ پہلا گھوڑا تھا جو پے کیا گیا۔ جعفر پیادہ ہوکر جنگ میں مشغول ہوئے لیکن دشمنوں نے ایک ضرب ان کے داہنے ہاتھ پر ایسی لگائی کہ جسم سے جدا ہوگیا حضرت نے علم بائیں ہاتھ میں لے لیا لیکن دشمنون نے بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا جب بھی وہ بازؤں سے علم کو سنبھالے ہوئے تھے کہ ایک شخص رومی نے ایسا زخم کاری لگایا کہ جس کے بعد کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی۔

اور حدیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے کہ خداوند عالم نے اپنے پیغمبر کو اہل موتہ کے حالات پر اطلاع دی اور زمین کو بلند کردیا یہاں تک کہ حضرت نے جنگ کا حال مشاہدہ فرمایا اور اپنے اصحاب کو خبر دی کہ زید بن حارث نے علم برداری کی اور شہید ہوئے پھر جعفر بن ابی طالبؑ علم بردار ہوئے شربت شہادت نوش فرمایا پھر ابن رواحہ نے علم اٹھایا اور جام موت پیا۔

حضرتؑ یہ باتیں فرماتے تھے اور اشک مبارک آنکھوں سے جاری تھے پھر فرمایا کہ جعفرؑ بہشت میں آئے اور خداوند عالم نے ان کو دو پر یاقوت سرخ کے ان کے ہاتھوں کے عوض میں عطا فرمائے کہ وہ جہاں چاہتے پرواز کرتے ہیں۔

اور جناب امیر المومنینؑ سے منقول ہے کہ رسالت مآب صلعم نے فرمایا کہ "میں نے جعفرؑ کو بہشت میں دیکھا کہ مثل فرشتے کے پرواز کررہے تھے اور اسی سبب سے انہیں جعفر طیار کہتے ہیں اور حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے بعض اشعار میں ارشاد فرمایا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ جعفر کہ جو صبح و شام ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے رہتے ہیں میرے بھائی ہیں اور بعض قصوں میں مذکور ہے کہ حضرت جعفرؑ کے اس جنگ میں پچاس (۵۰) زخم لگے تھے یہاں تک کہ وہ میدان میں گر پڑے ان میں اٹھنے کی طاقت نہ تھی لیکن انکی ہیبت اور رعب کے سبب سے کسی میں اتنی تاب نہ تھی کہ ان کا سر مبارک جسم سے جدا کرسکے آخر کار سب نے ملکر حملہ کیا اور ان کو نیزوں پر اٹھالیا اس وقت سید عالمؐ مسجد مدینہ میں ممبر پر تشریف رکھتے تھے خداوند عالم نے پردے اٹھادئے اور حضرت نے اس معرکہ کا مشاہدہ کیا جب لوگوں نے حضرت جعفرؑ کو نیزوں پر اٹھالیا تو حضرت نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور عرض کی کہ بار آلہا میرے ابن عم کو رسوا نہ کر خداوند عالم نے اسی وقت ان کو دو پر عطا فرمائے اور حضرت کفار کے نیزوں ہی سے روضۂ رضواں کی طرف پرواز کرگئے اسی وجہ سے ان کو ذوالجناحین اور طیار کہتے ہیں۔ حضرت کی عمر شریف اس وقت اکتالیس سال کی تھی صلوٰۃ اللہ علیہ۔

عباس بن عبدالمطلب الہاشمی

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاتی چچا تھے اور سرداران صحابہ جناب رسالت مآبؐ اور اصحاب امیر علیہ السلام سے تھے اور بعد جناب ابو طالبؑ کے حجاج کے پانی پلانے کا کام انہی کے ذمہ ہوا اور جناب رسالت مآبؐ ان کی بزرگداشت اور تعظیم فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ عباسؓ بمنزلۂ میرے باپ کے ہیں۔ عباسؓ نے بھی مثل تمام بنی ہاشم کے ابوبکر کی بیعت سے اختلاف کیا تھا اور حضرت امیرؑ کی رائے کے تابع تھے یہاں تک کہ بعد وفات رسول اللہ صلعم حضرت امیر علیہ السلام سے عرض کی کہ اپنا ہاتھ بڑھاؤ میں تم سے بیعت کرلوں تا کہ تمہارے بارے میں دو آدمی بھی اختلاف نہ کریں حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ اس امر میں کیا کوئی ہم سے مخالفت بھی کرے گا؟

لیکن باوجود ان تمام امور کے مرتبۂ اخلاص مثل سید الشہداء حضرت حمزہؑ کے نہ تھا اور حضرت امیرؑ نے عباسؓ اور عقیلؓ کو حلفین جاقتین کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ جب ابوبکر نے خلافت پر قبضہ کرلیا تو حضرت عباسؓ نے چند اشعار کہے جن کا حاصل مضمون یہ ہے۔

"ندانم خلافت چرا منصرف — شد از ہاشم الگاہ از بوالحسن
نہ او اولیں مقبل بود — نہ او عالم وحی بود وسنن
نہ اقرب بعہد نبیؐ بود او — معین جبرئیلش بغسل وکفن
جز او مجمع تحلہ او صاف کیست — زقدر علیؑ وزخلق حسنؑ"

یعنی نہیں معلوم کیا سبب ہے کہ خلافت کل بنی ہاشم سے اور خاص کر ابوالحسنؑ سے بھی جدا ہوگئی کیا وہ سب سے پہلے نماز پڑھنے والے اور سب سے زیادہ اعلم احکام وحی اور سنت رسول صلعم نہ تھے؟ کیا وہ سب سے زیادہ پیغمبر کے مقرب نہ تھے جو کہ جبرئیل نے رسول اللہ صلعم کی تجہیز وتکفین میں آپ کی اعانت کی۔

سوائے ابوالحسنؑ کے یہ تمام صفتیں کس میں جمع ہیں کس کی قدر اتنی بلند اور کس کا خلق ایسا بہتر ہے۔

صاحب کتاب استیعاب نے ابو عمر سے روایت کی ہے کہ عباسؓ قبل فتح خیبر کے مسلمان ہوگئے تھے لیکن اپنے اسلام کو چھپاتے تھے روز فتح مکہ ظاہر کیا اور بعض دیگر اہل سنت نے روایت کی ہے کہ قبل جنگ بدر کے مسلمان ہو چکے تھے اور مشرکین مکہ کی خبریں حضرت صلعم تک پہو چایا کرتے تھے حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے لیکن آپ نے تحریر فرمایا کہ تمہارا مکہ میں رہنا میرے لئے یہاں آنے سے بہتر ہے اسی سبب سے روز بدر حضرت نے اپنے اصحاب سے فرمادیا تھا کہ اگر تم میں سے کوئی عباسؓ سے

ملاقات کرے تو انہیں قتل نہ کرے۔

مخفی نہ رہے کہ یہ روایت منجملہ ان روایتوں کے ہے جو علمائے اہل سنت نے خلفائے عباسیہ کی خوشامد میں گڑھی ہیں اور اس قسم کی حدیثوں میں سے ہے کہ جو شیخ جلال الدین سیوطی نے اور دیگر علمائے اہل سنت نے نقل کی ہے کہ خلافت آل عباس میں اس وقت تک باقی رہے گی کہ مہدیؑ موعود ظہور فرمائیں گے تو خلیفہ بنی عباس ہی خلافت ان کے سپرد کردے گا اور ان علمائے مذکورین نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے درحالیکہ سالہا سال ہو چکے کہ خلافت عباسیہ کا پتہ بھی نہیں ہے اور قلم قضا وقدر نے اس روایت کو جھوٹا ہی ثابت کرکے چھوڑا۔

عباسؓ دو یا تین سال جناب رسالت مآبؐ سے بڑے تھے اور ماہ مبارک رمضان ۳۲ھ میں قتل عثمان سے دو سال قبل وفات فرمائی ۔ اور قبر مبارک انکی بقیع میں ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ

بزرگان صحابۂ پیغمبر میں سے اور افضل اولاد عباسؓ ہیں مرید وشاگرد حضرت امیر المومنین علیہ السلام تھے اور آپ کے ہمراہ رکاب ہمیشہ دشمنوں سے جہاد کرتے رہے ان کا علو مرتبہ تفسیر وفقہ اور حدیث میں مشہور و مستغنی عن البیان ہے۔

صاحب استیعاب نے روایت کی ہے کہ جناب ختمی مرتبت نے ان کے متعلق دعا فرمائی تھی کہ خدایا! اسے علم حکمت اور تاویل قرآن عطا فرما۔ اور بعض روایتوں میں واقع ہے کہ "خدایا تو اس میں برکت دے اور اسے بشارت دے اور اس کو اپنے بندگانِ صالحین میں قرار دے"

سید المحدثین نے تحفۃ الاخبار میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ نے جنگ جمل میں زبیر بن العوام سے ملاقات کی اور کہا کہ تمہیں کچھ یاد آتا ہے کہ جب جناب رسالت مآبؐ کسی سفر سے واپس ہوئے تھے اور ہم اور ہمارے بھائی فضل اور تم استقبال کے لئے گئے تھے حضرت اپنے ناقہ پر سوار تھے۔ مجھ کو اور فضل کو سوار کرلیا اور ہم دونوں بھائی حضرت رسالت مآبؐ کے ہمراہ اس ناقہ پر سوار ہوکر مدینہ آئے اور تم کو رسالت مآبؐ نے پیدل چھوڑ دیا تھا۔

اور بھی لکھا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے عبداللہ بن عباسؓ کو صلح کیلئے طلحہؓ اور زبیر کے پاس بھیجا تو ان کلمات کے ساتھ ان کی تعریف فرمائی کہ "جس کا چچا زاد بھائی مثل ابن عباسؓ کے ہو یقیناً خدا نے اس کی آنکھیں ٹھنڈی کی ہیں۔

کتاب استیعاب میں روایت ہے کہ عبداللہ بن صفوان بن امیہ کہتا ہے کہ میں ایک روز مکہ

معظّمہ میں عبداللہ بن عباسؓ کے مکان کی طرف سے گذرا میں نے طلاب فقہ کی ایک جماعت کو دیکھا کہ تحصیل علم میں مشغول ہیں اور عبداللہ بن عباسؓ سے استفادہ کر رہے ہیں پھر اسی روز عبداللہ بن عباسؓ کے دروازہ کی طرف سے گذر ہوا وہاں دیکھا کہ لوگ گروہ در گروہ انکے دولت کدہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور ان کے دستر خوان انعام پر طرح طرح کی نعمتیں تناول کر کے رخصت ہو رہے ہیں پس میں عبداللہ بن زبیر کے دربار میں گیا۔ جنہوں نے اس زمانہ میں بنی امیہ پر خروج کیا تھا اور باوجود بخیل اور جاہل ہونے کے دعوائے خلافت کرتا تھا میں نے ان سے کہا کہ آج میں نے ایسی حالت دیکھی ہے کہ کچھ بیان نہیں کر سکتا دعوائے خلافت تو آپ کو ہے لیکن اولاد عباسؓ نے آپ کے لئے کوئی فضیلت نہیں چھوڑ رکھی انہوں نے پوچھا کہ یہ کیونکر معلوم ہوا۔ میں نے کہا کہ آج ایک بھائی کے دروازے سے گذر ہوا تو دیکھا کہ لوگ گروہ در گروہ علم وفقہ حاصل کرنے کے لئے جمع ہیں اور دوسرے بھائی کے یہاں دستر خوان عام ہے سب جاتے ہیں اور طرح طرح کی نعمتیں کھا کر واپس آتے ہیں عبداللہ بن زبیر نہایت برہم ہوا اور عبداللہ بن مطیع کو اپنے پاس بلا کر حکم دیا کہ پسران عباسؓ کے پاس جاؤ اور کہو کہ امیر المومنینؑ نے حکم دیا ہے کہ تم اور جتنے آدمی اہل عراق میں سے تمہارے ساتھ میں ہیں سبکے سب مکہ سے نکل جاؤ نہیں تو تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا پس عبداللہ بن عباس نے کہلا بھیجا کہ میرے پاس نہ لوگوں کا مجمع ہے نہ کوئی اور سامان صرف علم فقہ سیکھنے کے لئے چند طلباء آتے ہیں اور دو چار فقیر میرے بھائی کے دروازے پر گدائی کرتے ہیں تمھیں اس کا خوف نہ کرنا چاہئے اس قصہ کو ابن عراق نے بھی اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ جب عبداللہ بن زبیر نے یہ پیام اولاد عباسؓ کے پاس بھیجا تو ابوالطفیل عامر بن واثلۃُ الکنانی شاعر موجود تھا اس نے بنابر مقتضائے حال کے چند اشعار کہے جن کا خلاصہ یہ ہے:۔

کہ ”زمانہ میں سوائے مصائب کے کوئی خوش کرنے والی بات نہیں ہے منجملہ ان عجوبہ چیزوں کے جو باوجود اپنے عجیب ہونے کے رولاتی ہیں ابن زبیر کی حالت ہے کہ جو ہم کو دین و دنیا دونوں سے ہٹاتا ہے اور ایک ابن عباسؓ ہیں کہ جو ہمیں علم بھی عطا کرتے ہیں اور اجر بھی مرحمت فرماتے ہیں اور ہدایت بھی کرتے ہیں اور عبیداللہ کے کاسہائے طعام برابر چھکتے رہتے ہیں اور مہمان ومسکین سیر ہوتے ہیں پس دین و دنیا اور نیکی انہیں دونوں کے گھروں میں ہے جو چاہے وہ ان سے حاصل کرے پیغمبر خدا صلعم ایک نور تھے اور ان کے اہل بیت ہمارے دین کی حفاظت کے لئے مثل قلعہ کے ہیں اور ان کو ہمارے اوپر فضیلت ہے پس تو جو ہم کو ان کے پاس جانے سے منع کرتا ہے اور ان کو ہمارے بلانے سے روکتا ہے تو انہیں بھی اذیّت دیتا ہے اور ہمیں بھی۔ نہ تو رسول صلعم کا ویسا عزیز دار ہے اور نہ ویسا دیندار خداوند عالم کسی شخص کو ان کے بغض کے ساتھ نہ دین میں عزت عطا کرے گا اور نہ دنیا میں مکنت“

اور وہ مطاعن جو ابن عباسؓ سے خلفائے ثلاثہ کے بارے میں اور خصوصاً عمر کے متعلق نقل کئے گئے ہیں بکثرت ہیں منجملہ اس کے وہ بھی ہے کہ جو حجۃ الاسلام محمدؐ غزالی نے کتاب وسیط فقہ میں نقل کیا ہے کہ ابن عباس کہتے تھے کہ جو شخص مسئلہ عول میں نزاع کرے میں اس سے مباہلہ کروں گا لوگوں نے کہا کہ عمر کے زمانہ میں ایسا کیوں نہ کیا؟ ابن عباسؓ نے جوابدیا کہ وہ ایک ہیبت ناک آدمی تھا فوت ہوا۔

اور شیخ اجل ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ نے کتاب امالی میں یونس بن عبدالوارث سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباسؓ خطبہ پڑھ رہے تھے پڑھتے پڑھتے لوگوں کی طرف مخاطب ہوئے اور کہنے لگے کہ ”اے دین میں حیران ہونے والو! اگر تم لوگ اس کو مقدم کرتے جس کو خدا نے مقدم کیا تھا اور اس کو موخر کرتے جس کو خدا نے موخر کیا تھا اور وراثت اور ولایت کو وہیں رکھتے جہاں اللہ نے قرار دیا تھا سو فرائض خدا کا کوئی حصہ نہ پلٹتا اور ولی خدا محتاج نہ ہوتا اور حکم میں دو آدمی بھی اختلاف نہ کرتے پس اب اپنے کئے کا مزہ چکھو اور اپنے برے کاموں کی سزا بھگتو ”وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ“ مخفی نہ رہے کہ ابن عباسؓ کے حاصل کلام کا ذکر کمیت بن زید اسدی اور حکیم خاقانی کے حالات میں آیا ہے اور یہ تمام بلائیں اور مصیبتیں جو اہلبیتؑ پر پڑیں یہ سب عمر بن خطاب کے سبب تھیں یہاں تک کہ واقعۂ عظیمہ کربلا کا سبب بھی یہی غصب خلافت ہے بلکہ کہا گیا ہے اور سچ کہا گیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اسی روز شہید ہوئے جس روز عمر نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں ابو بکر سے بیعت کی چنانچہ منقول ہے کہ جب **کمیت بن زید اسدی** نے حضرت **امام باقر** علیہ السلام سے **ابو بکر و عمر** کا حال پوچھا تو حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جو قطرہ ہمارے یا ہمارے شیعوں کے خون کا گرایا گیا ہے اس کا گناہ انہیں دونوں کی گردن پر ہے اور قیامت تک جو قطرہ ہمارے خوں یا ہمارے شیعوں کے خوں کا گرایا جائے گا اس کا عذاب انہیں دونوں پر ہوگا۔

اور اسی طرح سے منقول ہے کہ جب زید بن زین العابدین علیہ السلام کے تیر لگا تو اُنہوں نے ارشاد فرمایا کہ اُنہیں دونوں نے مجھ کو اس مقام پر پہونچایا مترجم کہتا ہے کہ بعض شعرائے فرقۂ ناجیہ نے اسی معنی میں کہا ہے:۔ **شعر**

بد کردنِ شمر زبد کردنِ اوست　　　خونِ شہدا تمام بر گردنِ اوست

اس لئے کہ ظاہراً اگر خلفائے خلافت مآب ردائے پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو دوشِ اہل بیت علیہم السلام سے نہ اتار لیتے اور ان کی قدر ومنزلت کو نہ مٹا دیتے تو معاویہ اور یزید وغیرہ کی یہ مجال نہ تھی کہ غصب خلافت کر سکتے اور اہل بیت کو اس طرح سے قتل وغارت کرتے اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ یہ مضمون محض خیالی ہے بلکہ صاحبانِ تحقیق نے اس کے متعلق بہت سے دلائل قطعیہ سے ثابت کیا ہے اور خود

بعض علمائے اہل سنت اور مورخین اہل ضلالت نے اس کا اعتراف کیا ہے چنانچہ صاحب روضۃ الصفا نے واقعات سقیفہ کو ذکر کرتے لکھا ہے کہ جب بعد قیل وقال **بشیر** بن سعد انصاری نے **ابوبکر** سے بیعت کر لی تو **خباب بن منذر** نے کہا کہ میں ہرگز اپنے ابن عم کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرتا لیکن مسلمانوں کا حق ان کے ہاتھ سے نکل جاتا میرے نزدیک جائز نہیں ہے یہ کہکر خباب نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈال دیا یا بعض انصار نے خباب کا ہاتھ پکڑ لیا اور تسلی دینا شروع کی۔ خباب نے کہا کہ اب مجھ کو تسلی دینے سے کیا فائدہ اس لئے کہ امر اختیار سے نکل گیا اور تیر کمان سے چھوٹ چکا گویا میں تمھاری اولاد کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ مہاجرین کے دروازہ پر کھڑے ہوئے ذرا سا پانی پینے کے لئے مانگتے ہیں اور وہ نہیں دیتے ہیں **ابوبکر** نے کہا کہ اے خباب اس طرح کے افعال مجھ سے اور میرے ابنائے جنس سے سرزد نہیں ہو سکتے۔

خباب نے کہا کہ جب تک ہم اور تم زندہ ہیں لیکن جب دوسروں تک نوبت پہونچے گی تو یہ حالت باقی نہ رہے گی اور طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوں گی۔ اس طرح سے صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ ناصر خلیفۂ عباسی نے سلطان محمد خوارزم شاہ کی دشمنی کے سبب سے ارادہ کیا کہ چنگیز خاں کو اس کے ملک پر متصرف کر دے تاکہ سلطان محمدؐ خلیفہ سے مخالفت نہ کر سکے وزراء نے اس رائے کو نہیں پسند کیا اور کہا کہ اگر چنگیز خانی لوگ ملک میں جم گئے اور قوت پکڑ گئے تو خلافت کی کوئی عزت وحرمت باقی نہ رہے گی اور یہ آج ان کو جری کرنا اور قوت دینا انجام میں موجب ندامت کا ہوگا خلیفہ نے کہا ابھی پچاس برس تک تو وہ ممالک اسلام پر اقتدار نہیں حاصل کر سکتے بالفعل سلطان محمدؐ کی شوکت کا توڑنا ضروری ہے آخر کار خلیفہ نے وزراء کا کہنا نہ مانا اور چنگیز کو خوارزم شاہ کے ملک پر حملہ کرنے کی رغبت دلائی نتیجہ یہ ہوا کہ جب خلافت اس کے پوتے مستعصِم تک پہونچی تو انہیں چنگیزیوں نے جس طرح سے بنی عباسؑ کو غارت کیا اور خلافت کو مٹا دیا وہ ظاہر ہے گویا خلیفہ ناصر نے چنگیزیوں کو محض اپنے خاندان مٹانے کے لئے قوت دی تھی۔

شیخ طبرسی نے کتاب احتجاج میں سلیم بن قیس سے نقل کیا ہے کہ جب معاویہ مدینہ گیا اور اس کا گذر قریش کے ایک گروہ کی طرف سے ہوا سب کے سب تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے لیکن ابن عباسؓ نے تعظیم نہیں کی معاویہ نے کہا کہ تم کو میری تعظیم سے وہی کینہ دیرینہ مانع ہوا کہ میں نے صفین میں تم لوگوں سے جنگ کی ہے لیکن میں بھی عثمان کا فرزند ہوں کہ جس کو ظلم سے شہید کیا ہے غرض معاویہ کی یہ تھی کہ تم نے عثمان کو قتل کیا لہٰذا ہم نے بھی تم لوگوں سے قتال کیا اب اس کا خیال دل میں نہ رکھنا چاہئے ''عوض معاوضہ گلہ ندارد''

لیکن ابن عباسؓ نے اس مضمون سے چشم پوشی کی اور فرمایا کہ کیا کیا جائے عمر ابن خطاب بھی مظلوم شہید ہوئے۔

معاویہ نے کہا کہ عمر کو ایک کافر نے قتل کیا۔

معاویہ نے کہا کہ نہیں۔

ابن عباسؓ نے کہا کہ پھر اس کے معنی سمجھنے سے منع کرتے ہو۔

اس نے کہا کہ بے شک۔

ابن عباسؓ نے پوچھا کہ آیا ہم قرآن پڑھیں اور اس کے معنی کی اصل تحقیق نہ کریں کہ خداوند عالم نے کیا حکم دیا ہے اور اس کے مطابق عمل نہ کریں۔

معاویہ نے جواب دیا کہ اس کے معنی ایسے لوگوں سے پوچھو جو تمہاری اور تمہارے اہل بیتؑ کی تفسیر کے خلاف بیان کرتے ہوں۔

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ خداوند عالم نے کلام مجید کو ہم اہل بیت پر نازل کیا ہم اس کے معنی آلِ ابی سفیان سے کیونکر پوچھیں۔

آخر کار معاویہ سے کچھ جواب دیتے نہ بن پڑا اور کہا اے ابن عباس تم اپنے نفس کو روکو اور زبان کو باز رکھو اور اگر تم ضرور بیان کرنا چاہتے ہو تو چھپا کر بیان کرو تاکہ کوئی نہ سنے۔

پھر سلیم بن قیس کہتا ہے کہ معاویہ نے پکار کر کہا کہ میں اُس شخص سے بری اور بیزار ہوں جو ایک حدیث بھی حضرت علیؑ کے مناقب یا ان کے فضائل میں بیان کرے یوں تو اس بلا کا اثر ہر شہر پر کچھ نہ کچھ ہوا لیکن کوفہ پر بُرا اثر پڑا اس لئے کہ وہاں شیعہ بہت تھے اور معاویہ انہیں پہچانتا بھی تھا۔ اور ان کو پتھروں اور کنکروں کے نیچے دبا دبا کر مار ڈالا بہتوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اکثر کو شاخہائے خرمہ میں پھانسی دے دی، بہتوں کی آنکھیں نکلوالیں۔ بہتوں کو شہر بدر بلکہ ملک بدر کر دیا یہاں تک کہ یہ سب عراق سے چلے گئے اور کوئی مشہور ومعروف شیعہ نہیں باقی رہ گیا تھا لیکن یہ کہ قتل ہوا یا پھانسی دیا گیا یا محبوس رہا یا یہاں سے نکال دیا گیا اور جلاے وطن کر دیا گیا اور معاویہ نے اپنے تمام حکام کو احکام بھیجے کہ خبردار شیعیانِ عثمان اور مجلس اہل بیت عثمان میں سے کسی کے اوپر جرائت نہ کرنا۔ اور جو عثمان کے فضائل ومناقب بیان کرے اس کی قدر منزلت اور تعظیم واکرام میں زیادتی کرنا۔ اور ہر عثمان کے فضائل کے بیان کرنے کا نام معہ اس کے باپ اور قبیلہ کے نام کے لکھ لیا جائے۔ چنانچہ حکام نے ایسا ہی کیا سب سے فضائل عثمان کی روایتیں بہت سی ہو گئیں جو لوگوں نے گڑھ گڑھ کے بیان کیں اس لئے کہ ان کو اس کے صلہ میں خلعت انعام وجاگیریں ملتی تھیں یہاں تک نوبت آئی کہ جو شخص کسی شہر سے آتا تھا وہ عثمان کی منقبت میں کوئی نہ کوئی روایت ضرور بنا کر دیا کر لاتا تھا۔ اور اس کا نام راویوں میں لکھ لیا جاتا تھا اور معاویہ نے تمام شہروں میں یہ حکم بھیجا کہ جس شخص کے متعلق دو گواہیاں گزر جاویں وہ علیؑ یا (ان کے اہل بیت کو دوست رکھتا ہے

اس کا نام دفتر سے نکال دیا جاوے۔

پھر دوسرا حکم نامہ بھیجا کہ شیعیانِ علیؑ کو اگر چہ دو شہادتیں بھی نہ گذریں قتل کر دو بلکہ جس کے اوپر گمان اور شبہہ بھی شیعہ ہونے کا ہو اس کو بھی قتل کر دو اس وقت نوبت یہ تھی کہ جو لوگ دہریت اور کفر کی ترویج کرنے والے تھے ان کو کوئی خطرہ نہ تھا بلکہ حسب حیثیت انکا دینوی اعزاز واکرام بھی کیا جاتا تھا لیکن شیعیان علیؑ میں سے کوئی اپنی جان کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ اور یہ حالت شہر میں تھی خصوصاً کوفہ اور بصرہ میں۔

یہاں تک کہ اگر کوئی شیعہ علیؑ اپنے کسی دوست سے کوئی راز کہنا چاہتا تھا تو اپنے غلاموں سے ڈرتا تھا اور خود اپنے دوست سے بھی نہیں کہتا تھا جب تک اس سے بڑی بڑی قسمیں نہیں لے لیتا تھا کہ اسے چھپاتا رہے اور یہ مظالم یوں ہی بڑھتے رہے اور جھوٹی حدیثیں یوں ہی رواج پاتی رہیں اور لڑکیوں کو انہیں حدیثوں کی تعلیم ہوتی رہی اور سب سے بڑھکر اس بارہ میں وہ ریا کار علماء اور قاری تھے جو ریا کاری سے خضوع وخشوع اور سجود و رکوع میں مشغول رہتے تھے اور جھوٹی حدیثیں گڑھا کرتے تھے اور حکام اور قضاۃ سے انعام حاصل کیا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ حدیثیں اور روایتیں ان لوگوں کے نزدیک حق ہو گئیں اور انہیں احادیث میں ایک دوسرے پر ترجیح دی جانے لگی اور یہی حدیثیں ان کے عباد و زہاد اور متدینین نے کہ جو جھوٹی حدیثیں پسند نہیں بھی کرتے تھے یاد کیں اس لئے وہ انہیں حق سمجھتے تھے اگر انہیں باطل سمجھتے تو ہرگز ان کی طرف توجہ نہ کرتے بس حق ان لوگوں کے نزدیک باطل اور باطل حق ہو گیا اور کذب وصدق سے اور صدق کذب سے بدل گیا۔

پس جب امام ہمام حضرت حسنؑ بن علی علیہ السلام نے بھی شہادت پائی تو ان امور میں اور زیادتی ہوگئی اور خدا کا کوئی ولی نہیں رہ گیا تھا مگر یہ کہ اُسے اپنی جان کا خوف تھا۔

پس معاویہ کی موت سے دو سال قبل جناب امام حسین علیہ السلام اور عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن عباسؓ نے حج کیا تو حضرت امام حسینؑ نے بنی ہاشم کے تمام مردوں عورتوں اور غلاموں، دوستوں اور شیعوں کو حج کے لئے آئے ہو یا یوں ہی موجود ہوں جمع کیا اور اپنے اہل بیت کو بھی جمع فرمایا اور اصحاب رسولؐ اور ان کے فرزندوں میں سے اور تابعین میں سے جو صلاحیت اور عبادت کے لحاظ سے مشہور و معروف تھے کسی کو نہیں چھوڑا پس ہزار مردوں سے زیادہ جمع ہو گئے ان سب کو حضرت نے اپنے خیموں میں بٹھایا اور پھر خود کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور بعد حمد وثنائے الٰہی بجالانے کے ارشاد فرمایا (جس کا ماحصل یہ ہے):-

اس طغیان کرنے والے نے جو کچھ ہمارے اور ہمارے شیعوں کے ساتھ برتاؤ کیا وہ تم لوگ

جانتے ہو اور دیکھ چکے ہو اور تم اس کے شاہد ہو اور تم تک خبریں پہونچ چکیں ہیں اب میں تم سے چند باتوں کا سوال کرنا چاہتا ہوں اگر میں سچ بولوں تو میری تصدیق کرو اور اگر جھوٹ بولوں تو مجھے جھٹلاؤ میری بات سُنو اور میرے قول کو چھپاؤ پھر جب اپنے شہروں اور قبیلوں کی طرف واپس جاؤ تو جس کو قابل اعتبار سمجھو اس کو اس امر حق کی دعوت دو جو تمہیں معلوم ہے اس لئے کہ مجھے خوف ہے کہ یہ حق مٹ نہ جائے اور دین خدا جاتا نہ رہے "وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ" اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگر چہ کفار برا مانیں۔

پس حضرت امام حسینؑ نے ہر وہ آیت جو اہل بیت کی شان میں نازل ہوئی ہے تلاوت فرمائی اور اس کی تفسیر بیان فرمائی۔ پھر جناب رسالت مآب کی وہ تمام حدیثیں جو حضرت کے والد اور والدہ اور اہل بیت کی شان میں ہیں بیان فرمائیں اور تمام صحابہ شہادت دیتے جاتے تھے اور اقرار کرتے جاتے تھے کہ ہم نے سنا ہے اور ہم اس کے شاہد ہیں۔

اور تابعین کہتے تھے کہ ہم سے معتبر لوگوں نے بیان کیا ہے اور ہم اس پر ایمان لائے ہیں یہاں تک کہ حضرت نے کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی جو نہ فرمائی ہو پھر ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کو خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ واپس جا کر اپنے وموثق لوگوں سے اس کو بیان کرو پس لوگ یہ سب باتیں سن کر متفرق ہوئے"

ابن عباسؓ شعب ابو طالب علیہ السلام میں ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے اور جب جناب رسالت مآب صلعم نے وفات پائی اس وقت ان کی عمر تیرہ (۱۳) برس کی تھی اور بعضوں نے کم بھی کہا ہے اور ۶۸ھ میں مقام طائف میں انتقال فرمایا اس وقت ان کی عمر اکہتر (۷۱) برس کی تھی۔ اور بعضوں نے بہتر (۷۲) بھی کہا ہے۔

مروی ہے کہ جب ابن عباسؓ کو کفن پہنایا گیا تب ایک طائر سفید خوبصورت ان کے کفن میں داخل ہو کر غائب ہو گیا۔

اور منجملہ ابن عباسؓ کے حاضر جوابوں کے وہ موقع تھا کہ جب عبداللہ بن زبیر نے اپنے ایام سلطنت میں ان پر عتاب کیا اور کہا کہ تم نے ام المومنین اور نبیؐ کے حواریوں سے قتال کیا اور تم نے متعہ کے جواز کا فتویٰ دیا۔

ابن عباسؓ نے فوراً جواب دیا کہ ام المومنین کو تو نے اور تیرے باپ اور ماموں نے گھر سے باہر نکالا اور وہ ہمارے ہی سبب سے ام المومنین کہلائیں اور ہم ان کے بہترین بیٹے تھے اور تو نے اور تیرے باپ نے تو علی علیہ السلام سے قتال کیا پس اگر علیؑ مومن تھے تو تم ان سے قتال کرکے گمراہ ہو گئے اور اگر معاذ اللہ وہ کافر تھے جب بھی تم نے جہاد سے فرار کرکے غضب خدا میں گھر بنایا۔

اب رہا متعہ کہ جس کو میں حلال جانتا ہوں سو میں نے رسولؐ خدا سے خود سنا ہے کہ حضرت متعہ کو حلال فرماتے اور اجازت دیتے تھے پس میں نے بھی فتویٰ دیا۔ اور منجملہ اشعار ابن عباسؓ کے ایک دو قطعہ ہے جو انہوں نے جنگ جمل میں عائشہ سے خطاب کر کے پڑھا تھا جس کا مضمون یہ ہے:۔

کہ ''تو اونٹ پر سوار ہوئی۔ خچر پر سوار ہوئی اگر زندہ رہی تو ہاتھی پر سوار ہوگی آٹھویں کا نواں یعنی بہتر واں حصہ تیرا ہے اور تو کل کی مالک بن بیٹھی؟

مترجم کہتا ہے کہ میری نظر میں یہ اشعار ابن عباسؓ نے جناب امام حسن علیہ السلام کے جنازہ کے روکے جانے کے وقت اور روضہ رسولؐ میں دفن کیا ممانعت کئے جانے پر پڑھا ہے اور اسی روز عائشہ خچر پر سوار ہو کر آئی تھیں نہ کہ جنگ جمل میں اس لئے کہ جنگ جمل میں صرف اونٹ پر سوار ہوئیں تھیں خچر کی نوبت اس وقت تک نہیں آئی تھی۔

نیز روز شہادت امام حسن علیہ السلام وہ روضہ رسولؐ کی ملکیت کا دعویٰ کر رہی تھیں کہ یہ میرا گھر ہے میں اغیار کو مثل امام حسنؑ وغیرہ کے دفن نہ ہونے دوں گی یہ سب قرائن بھی شاہد ہیں کہ یہ قطعہ اسی وقت پڑھا گیا تھا واللہ اعلم بالصواب اور کتاب خلاصۃ الاقوال میں لکھا ہے کہ عبد اللہ ابن عباسؓ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے محب اور شاگرد تھے اور ان کی بزرگی اور ان کا اخلاص حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ محتاج بیان نہیں ہے۔

شیخ ابو عمر کشّی نے اپنی کتاب میں بعض روایتیں ایسی نقل کی ہیں کہ جن میں ابن عباسؓ کی کچھ مذمت ہے لیکن ابن عباسؓ کی شان اس سے اجلّ واعلیٰ ہے ان روایات کو میں نے اپنی رجال کی بڑی کتاب میں لکھا ہے اور جواب دیا ہے یہ کلام تھا علامہ علی اعلی اللہ مقامہ کا کتاب خلاصۃ الاقوال میں۔

مؤلف کہتا ہے کہ وہ مذمتیں جو ان روایتوں میں پائی جاتی ہیں۔ ابن عباسؓ کے بعض اقوال سے متعلق ہیں ان کے ایمان واعتقاد میں کسی قسم کی کمی نہیں پائی جاتی لیکن وہ جوابات جو جناب علامہ نے اپنی بڑی کتاب میں لکھے قاصر کی نظر سے نہیں گزرے بلکہ بعض معتبرین سے معلوم ہوا کہ کتاب مذکور قبل اس کے کہ شائع ہو بسبب عذر وفساد اہل ملک کے جو سلطان محمدؐ خدابندہ کے انتقال سے واقع ہوا تھا ضائع ہوگئی اور اس زمانہ کے علماء میں سے کسی نے نہ اس کو دیکھا اور نہ کہیں اس کا نشان پایا۔

شرح مسئلہ عول:۔ چونکہ مسئلہ عول غوامض مسائل فرائض میں سے ہے اور بن عباسؓ کے دعوے میں کوئی اس کی شرح نہیں ہے البتہ کتب فقیہہ امامیہ میں تفصیلاً مع ردّ وقدح مذکور ہے لیکن ان کتابوں کا دیکھنا ہر شخص کو ممکن نہیں ہے لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ اس مقام پر اس کی شرح کر دیجائے اور ابن عباسؓ کا دعویٰ ثابت کر دیا جائے۔ پس جاننا چاہئے کہ عول فرائض کی زیادتی کو کہتے ہیں اور حصہ کی کمی

کو۔ برعکس تعصیب کے کہ جس میں حصہ زیادہ ہوتا ہے اور فرائض کم ہوتے ہیں۔ اور ہر عارف پر پوشیدہ نہیں ہے کہ خداوند عالم ایسا ہرگز نہ فرمائے گا کہ مال میں اتنے فرائض قرار دے جتنے حصے نہ ہوسکیں اور اس بناپر ابن عباسؓ اور تمام علمائے شیعہ اس کے قائل ہیں کہ سب صاحبان فرض اپنا پورا پورا فریضہ لیں گے اور کمی لڑکیوں اور بہنوں کے حق میں کی جائے گی مثلاً ایسی صورت میں کہ میت کے باپ ماں دو بیٹیاں شوہر یا زوجہ باقی رہ گئے ہوں تو اصل فریضہ چھ قرار دیا جائے گا۔ ماں اور باپ کو چھٹا چھٹا حصہ ملے گا اور شوہر کو چہارم ایسی صورت میں چہارم عدد صحیح میں نہ نکل سکے گا پس بقاعدہ حساب ربع کو اصل فریضہ میں ضرب دیں گے یعنی چار کا چھ گنا جو چوبیس (۲۴) کا ربع ہے اور اگر بجائے زوج کے زوجہ ہو تو ان کا آٹھواں حصہ تین ہوا اب باقی جو بنابر فرض اول یعنی موجودگی شوہر کے دس۔ اور بنابر فرض ثانی یعنی موجودگی زوجہ کے تیرہ رہے دونوں لڑکیوں کو دیئے جائیں گے پس نقص لڑکیوں میں واقع ہوگا اس لئے کہ ان کا فریضہ دو ثلث ہے جو سولہ ہوتے ہیں نہ دس نہ تیرہ لیکن چونکہ والدین اور زوجین کے لئے بڑا حصہ بعض اوقات اور بعض اوقات چھوٹا حصہ مقرر ہو چکا ہے اور لڑکیوں اور بہنوں کے لئے ایک حصہ کے سوا اور مقرر نہیں ہے اولیٰ یہی ہے کہ ان کے حصہ میں کمی واقع ہو۔ تاکہ ان کے لئے بھی ایک چھوٹا حصہ قرار دیا جائے اور سب صاحبان سہام کے متعدد ہونے میں شریک و سہیم ہو جائیں لیکن مخالفین کے نزدیک سب صاحبان فرائض میں کمی کی جائے گی۔ پس وجود زوج کی حالت میں تیس حصے کئے جائیں گے جن میں سے سولہ (۱۶) لڑکیوں کے اور چھ شوہر کے آٹھ والدین کے اور برفرض وجود زوجہ ستائیس (۲۷) حصے کئے جائیں گے اور والدین اور لڑکیوں کو اتنا ہی اور زوجہ کو تین حصے دیئے جائیں گے پس اس صورت مین نقص سب کے حصوں میں واقع ہوگا اس لئے کہ زوجہ کا آٹھواں نواں ہو جائے گا اور تفصیل ان دلائل کی اور دلائل اہل سنت کی کتب تفسیر اور کتب فقہہ امامیہ میں پورے طور سے مذکور ہے واللہ اعلم بالصواب۔

عبداللہ بن عباس

اشرف صحابہ رسول صلعم اور سادات اصحاب جناب امیر المومنین علیہ السلام سے تھے صاحب استیعاب نے لکھا ہیکہ وہ اپنے بھائی عبد اللہ سے ایک سال چھوٹے تھے اور حضرت امیر علیہ السلام نے انہیں اپنے زمانہ خلافت میں حاکم یمن قرار دیا تھا اور تین برس حج کی امارت انؓ کے سپرد فرمائی۔ لیکن تیسرے سال معاویہ نے بزور یزید بن شجرہ کو اپنے اُمرا میں سے امارت حج پر بھیجا اور آپس میں دونوں کے نزاع ہوئی آخر کار صلح اس پر قرار پائی کہ شیبہ بن عثمان جو اشراف قریش میں سے

تھے لوگوں کو نماز پڑھانے کے لئے معین ہوں اور اس خبر میں بہت کچھ اختلاف ہے یہاں تک کہ بعضوں نے کہا ہے کہ امارت حج حضرت امیر علیہ السلام کی طرف سے قثم بن عباس سے متعلق تھی خلاصہ انجام کار عبیداللہ کا بُرا منظر رکھتا ہے باوجود اس نسبت وقرابت خاندان نبوت وطہارت کے طمع دنیا غالب آگئی اور پردۂ شرم وحیا درمیان سے اُٹھا دیا اور حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ بیوفائی کی۔

چنانچہ کشف الغمہ میں لکھا ہے کہ جب معاویہ بعد وفات حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ عراق فتح کرنے کی غرض سے مستعد ہوا تو حضرت امام حسن علیہ السلام نے بھی اس کے مقابلہ کے لئے لشکر جمع فرمایا اور کوفہ سے باہر تشریف لائے اور ایک لشکر جرار **عبیداللہ بن عباسؓ** اور **قیس بن سعد بن عُبادہ** کی سرداری میں آگے روانہ کیا تھا کہ معاویہ عراق تک نہ پہونچ سکے اور وہیں پر روک دیا جائے اور امیر لشکر عبیداللہ کو مقرر فرمایا تھا اور اگر کوئی حادثہ پیش آئے تو ایسی صورت میں قیس کو امیر قرار دیا تھا۔ اور خود حضرت کوفہ سے باہر معہ مختلف اہل لشکر کے مقیم تھے کہ جن میں سے بعض تو آپ کے اور پدر بزرگوار کے شیعوں میں سے تھے بعض اصحاب فتنہ وفساد اور شکاک تھے اور بعض متعصب اور مقلد روسائے قبائل اور بعض طماع تھے اور چونکہ حضرت نے ان میں آثار غدر ونفاق کا احساس فرمالیا تھا اور ان میں اور معاویہ میں جو خط وکتابت جاری تھی مطلع ہو چکے تھے لہٰذا ان کے اصلاح حال کی کوشش میں تھے کہ ناگاہ قیس بن سعد کا عریضہ آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ:۔

"جب معاویہ کا لشکر قریب پہونچا تو اس نے ایک خط عبیداللہ کو لکھا اور اپنی اطاعت کی رغبت دلائی اور ان کو دس لاکھ دینے کا وعدہ کیا جن میں سے نصف فوراً اور نصف کوفہ پہونچ کر اور عبیداللہ اس پر فریفتہ ہو گئے اور آدھی رات کو بے خبر معہ اپنے خواص کے معاویہ کے لشکر میں چلے گئے۔"

جب یہ خط حضرت امام حسن علیہ السلام نے ملاحظہ فرمایا تو آپ کو اپنے ساتھیوں کے فساد نیت کا اور یقین ہو گیا اور حضرت نے یہ خیال کیا کہ یہ لوگ یقیناً مجھ کو چھوڑ دیں گے اور شیعوں کی تعداد اتنی نہیں ہے کہ جو اہل شام سے مقابلہ کر سکیں بدیں وجہ آپ صلح پر مجبور ہوئے۔ عبیداللہ نے ۸۵ھ اور بعضوں کے نزدیک ۸۷ھ میں زمانہ عبدالملک بن مروان میں وفات پائی۔

قثم بن عباسؓ

جناب حضرت امام حسین علیہ السلام کے بہادر رضاعی تھے اور جناب رسالت مآب صلعم سے مشابہت تامہ رکھتے تھے عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ سب کے بعد تک پیغمبر صلعم کے ساتھ کے رہنے والے تھے اس لئے کہ وہ سب کے بعد قبر پیغمبر سے باہر آئے۔

اور عبداللہ بن جعفر سے منقول ہے کہ ہم اور عبداللہ وقثم پسران عباسؓ باہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ رسالت مآبؐ متوجہ ہوئے۔ فرمایا کہ قثم کو اٹھالو ہم لوگوں نے اٹھایا حضرت نے انہیں اپنا ردیف بنالیا اور اپنے سامنے بیٹھایا اور ہم سب کے لئے دعا فرمائی۔

اور تذکرۂ ابن عراق میں مذکور ہے کہ جب قثم والی یمامہ تھے تو **داؤد بن سلیمان** نے جو مشاہیر روزگار میں سے تھے ان کی شان میں کئی شعر کہے تھے۔

اور صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ قثم حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی طرف سے والی مکہ معظمہ تھے جب تک کہ حضرت امیر علیہ السلام شہید نہیں ہوئے یہ اپنے کام میں مصروف رہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ والی مدینہ تھے۔ اور معاویہ کے زمانہ میں سعید بن عثمان بن عفانؓ کے ساتھ سمرقند چلے گئے اور وہاں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

فضل بن العباسؓ

غزوہ حنین اور حجۃ الوداع میں حضرت رسالت مآبؐ کے ساتھ تھے اور آنحضرتؐ کے غسل میں حضرت امیر علیہ السلام کی امداد کی تھی اور بائیس (۲۲) برس کے سن میں طاعون عمواس میں جو سنہ ۱۸ھ میں واقع ہوا تھا اور اس طاعون میں اٹھارہ ہزار صحابہ وتابعین نے وفات پائی تھی عالم جاودانی کی طرف رحلت کی۔

تمام بن عباسؓ

صاحب اصابہ نے کہا ہے کہ وہ دسوں بھائیوں میں چھوٹے تھے اور نہایت شجاع اور قوی تھے

اور آخر میں کہا ہے کہ دسوں فرزندان عباسؓ کے حسب ذیل ہیں:۔

(۱) فضل (۲) عبداللہ (۳) عبیداللہ (۴) قثم (۵) مُعبد اور ان سب کے وجود پر اتفاق ہے

(۶) عبدالرحمٰن (۷) کثیر (۸) صبیح (۹) سمیر (۱۰) تمام۔

سوائے آٹھویں اور نویں کے ان دونوں کا ذکر صرف ھُشام بن کلبی نے کیا ہے واللہ اعلم۔

عبداللہ بن جعفرؑ الطیّار

یہ مسلمانوں کی پہلی اولاد سے ہیں جو زمین حبشہ میں متولد ہوئے اور بعد میں متولد ہوئے اور بعد ہجرت کے اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ مدینہ آئے اور جناب رسالت مآب صلعم کی زیارت سے مشرف

ہوئے خود ان سے روایت ہے کہ مجھے یاد ہے جب میرے پدر بزرگوار جعفرؑ طیار کی خبر وفات مدینہ میں پہونچی تو جناب رسالت مآب صلعم میرے گھر میں تشریف لائے اور والد ماجد کا پرسا دیا اور میرے اور میرے بھائی کے سر پر دست شفقت پھیرا اور ہم لوگوں کے بوسے لئے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے حتیٰ کہ آپ کی ریش مبارک سے قطرہ ہائے اشک ٹپک رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ جعفرؑ بہترین ثواب تک پہونچے اب تو ان کا خلیفہ ہوں ان کی ذرّیت میں بہترین خلافت کے ساتھ۔

پھر تیسرے روز ہمارے گھر میں تشریف لائے اور سب پر نوازش اور دلجوئی فرمائی۔ اور لباس ماتم اتروایا ہم لوگوں کے حق میں دعا کی اور میری ماں اسماء بنت عمیس سے ارشاد فرمایا کہ رنج نہ کرو میں ان کا ولی ہوں۔ دنیا و آخرت دونوں مقاموں پر۔

عبداللہ نہایت کریم اور سخی۔ خوش مزاج و حلیم اور عفیف تھے سخاوت کا یہ حال تھا کہ لوگ انہیں بحر جود کہتے تھے۔

منقول ہے کہ کسی نے ان کی سخاوت پر عتاب کیا انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ایک عرصہ سے لوگوں کو اپنے انعام کا عادی بنا چکا ہوں اب اگر اپنے انعام کو روک لوں تو یہ اندیشہ ہے کہ خداوند عالم کہیں مجھ سے اپنا انعام نہ روک لے۔

کتاب بہارستان میں مروی ہے کہ مدینہ میں ایک عالم عامل تھے جو کہ تمام امور دنیا میں کامل تھے ایک روز انکا گذر مکان نخاس کی طرف ہوا ایک گانے والی لڑکی پر نظر پڑ گئی جو خوبصورتی میں زہرہ جبیں اور حسن جمال میں رشک مہر مبیں تھی یہ اس پر والہ و شیفتہ ہو گئے اور اس کی خوش آوازی پر عالم کی ہستی ان کی نظر میں نیستی سے بدل گئی۔ قطعہ:۔

خوبی روئے وخوبی آواز هر یکے مے بردبتنہا دل
چوں شود جمع هر دو دریکجا کارِ صاحب دلاں شود مشکل

یعنی خوبصورتی اور خوش آوازی میں سے ہر ایک تنہا دلبری و دل فریبی کے لئے کافی ہے لیکن اتفاق سے اگر دونوں یکجا ہو جائیں تو صاحبان دل کے لئے ایسی مشکل ہے جس کو وہی سمجھ سکتے ہیں۔

ان عالم نے لباس دانائی اتار کر پیراہن رسوائی پہن لیا اور کوچہ و بازار مارے مارے پھرنے لگے دوستوں نے ملامت کرنی شروع کی۔ نصیحت کرنے والوں نے بہت کچھ نصیحت کی لیکن نتیجہ نہ ہوا۔ گویا بزبانِ حال یہ رباعی پڑھتے تھے۔

رباعی

این کونہ کہ جلوہ آن دل آویز کند عاشق ز بلا چہ گونہ پرہیز کند
باد است ملامت کساں در گوشم اما بعد کہ دانشم نیز کند

یعنی جب وہ معشوق دل آویز ایسا دل فریب جلوہ کرے تو عاشق بلائے عشق سے کیوں کر بچ سکتا ہے لوگوں کا ملامت کرنا میرے کانوں کے لئے مثل اس ہوا کے ہے کہ جو ایک طرف سے آئی اور دوسری طرف سے نکل گئی لیکن ایسی ہوا ہے کہ جو میری عقل کو اور تیز کرتی ہے۔

یہ قصہ لوگوں نے عبداللہ بن جعفر سے بیان کیا انہوں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا وہ لڑکی کسی کی کنیز ہے۔ عبداللہ بن جعفر نے صاحب کنیز کو بلایا اور چالیس ہزار درہم کی وہ کنیز خرید کر کے اس عالم عامل کو عطا فرمادی۔ وہ عالم ان کے قدموں پر گر پڑے اور ان کے دست و پا کو بوسہ دیتے تھے اور ان کی مدح وثنا میں ان کی زبان خشک ہوئی جاتی تھی آخر کار وہ رخصت ہوئے اور کنیز کو اپنے گھر لے گئے۔

جب عالم صاحب رخصت ہوئے تو عبداللہ بن جعفرؑ اپنے غلام کو حکم دیا کہ چالیس ہزار درہم اور ان کے گھر تک پہونچا دو تا کہ تنگی معیشت سے ان کی خوشی میں کمی واقع نہ ہو۔ شعر

آنکہ زدنیا لش نباشد غمے حاصل دنیا دہد اندر دمے
وان کہ گرہ زد بدلِ آودرم تہمت اسراف ہند بر کرم

یعنی جس کو دنیا کی پروا نہیں وہ تمام دنیا کا ما حاصل ایک دم میں عطا کر دیتا ہے اور جس کے دل پر روپے کی گرہ لگی ہوئی ہوتی ہے وہ سخاوت پر اسراف کی تہمت رکھتا ہے۔

۸۰ھ میں عبداللہ بن جعفرؑ نے وفات پائی اس وقت ان کی عمر شریف نوے (۹۰) سال کی تھی اور بعضوں نے کہا ہے کہ ۸۴ھ میں وفات پائی اور اس وقت بھی ان کی عمر صرف اسی (۸۰) سال کی تھی۔ لیکن صاحب استیعاب نے قول اول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ اکثر کا یہی خیال ہے۔

محمدؑ بن جعفر الطیّار

یہ بھی عہد رسالت مآبؐ میں پیدا ہو چکے تھے۔ اور جیسا کہ عبداللہ کے حالات میں گذرا کہ جب خبر وفات جعفرؑ مدینہ میں پہونچی تو حضرت نے ان کی اولاد امجاد پر نوازش فرمائی اور فرمایا کہ محمد ہمارے چچا ابوطالب علیہ السلام سے مشابہ ہیں یعنی اس حیثیت سے بھی میں ان کو دوست رکھتا ہوں۔

محمد مذکور بھی امیر المومنین علیہ السلام کے داماد تھے اور جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا ان کی زوجہ تھیں۔

صاحب روضۃ الشہداء نے لکھا ہے کہ محمد اور ان کے بھائی عون کربلا میں شہید ہوئے اور

صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ دونوں بھائی شوستر میں شہید ہوئے۔ مولف کہتا ہے کہ قول صاحب استیعاب محمد کے بارے میں قرین صواب ہے اس لئے کہ مزار محمد بن جعفر کا شہر دِزفول سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے اور دزفول توابع شوستر سے ہے پس ممکن ہے کہ شہادت ان کی شوستر میں ہوئی اور کسی وجہ سے اتنے فاصلہ پر دفن کئے گئے ہوں یا یہ کہ وہیں شہید ہوئے ہوں اور چوں کہ وہ توابع شوستر سے ہے لہٰذا مورخین نے ان کی جانب شہادت شوستر کو قرار دیا ہے۔

عون بن جعفرؑ الطیّار

صاحب اصابہ کہتے ہیں کہ وہ زمین حبشہ میں متولد اور شوستر میں شہید ہوئے

عقیلؑ بن ابی طالبؑ

ان کی کنیت ابویزید ہے صاحب استیعاب نے روایت کی ہے کہ حضرت پیغمبر صلعم نے ان سے فرمایا کہ اَبا یزید مجھ کو تم سے دوطرح کی محبت ہے اول تو قرابت کے سبب سے دوسرے اس سبب سے کہ میرے چچا ابوطالبؑ تم سے محبت کرتے تھے عقیلؑ نہایت درجہ ظریف۔ خوش طبع فصیح اور حاضر جواب تھے اور انساب قریش کے بڑے عالم تھے اور بعض گذشتگان قریش پر طعن کرتے اور ان کی برائیوں کو بیان کرتے تھے اس وجہ سے معاصرین قریش ان سے رنجیدہ رہتے تھے اور ان کے اوپر جھوٹی تہمتیں لگایا کرتے تھے اور احمق کہا کرتے تھے اور اس کی تائید میں ان کے اس واقعہ کو پیش کرتے تھے کہ امیر المومنین علیہ السلام سے خفا ہو کر معاویہ کے پاس چلے گئے اور اس کی ہم نشینی اختیار کی۔

شیخ عبدالجلیل رازی نے کتاب نقص میں فرمایا ہے کہ عقیلؑ حضرت امیر علیہ السلام سے ناراض نہ تھے اور معاویہ کے پاس اتمام حجت کے لئے گئے تھے اور اس لئے گئے تھے کہ شام میں بھی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے فضائل و مناقب بیان کریں۔

منقول ہے کہ ایک روز معاویہ نے عقیل کے سامنے لوگوں سے کہا کہ دیکھو اگر عقیلؑ مجھ کو اپنے لئے اپنے بھائی سے بہتر نہ سمجھتے تو ہرگز میرے پاس نہ آتے عقیلؑ نے فوراً جواب دیا کہ میرے بھائی میرے دین کے لئے بہتر ہے اور تو میری دنیا کے لئے بہتر ہے اور میں خدا سے انجام بخیر ہونے کی دعا کرتا ہوں۔ منجملہ ان کے لطائف یہ ہے کہ:-

لطیفہ ایک روز معاویہ نے ان کو اپنے پاس بلوایا اور لوگوں سے کہا یہ دیکھو یہ وہی عقیلؑ ہیں جن

کے چچا ابولہب تھے عقیلؑ نے جواب دیا کہ ایھا النّاس انہیں بھی پہچان لو یہ وہی معاویہ ہے جن کی پھوپھی حمّالۃ الحطب تھیں۔ اس کے بعد معاویہ سے کہا کہ جب جہنم میں جاؤ گے تو دیکھو گے کہ میرے چچا ابولہب تمہاری پھوپھی حمّالۃ الحطب پر چڑھے ہوئے ہوں گے تب تمہیں پتہ چلے گا کہ ان دونوں میں کون بہتر ہے۔ فاعل یا مفعول۔ معاویہ اپنی ظرافت سے بہت پشیمان ہوا اور ساری مجلس نے اسے ہنس لیا۔

لطیفہ دیگر پھر ایک روز معاویہ نے مزاحاً کہا کہ تم لوگ بنی ہاشم بڑے شہوت پرست ہوتے ہو۔ عقیلؑ نے جواب دیا کہ یہ بات تم لوگوں میں بھی ہے لیکن فرق اتنا ہے کہ ہمارے مرد شہوت پرست ہوتے ہیں اور تمہاری عورتیں۔ معاویہ کو پھر شرمندہ ہونا پڑا۔

حضرت عقیلؑ نے سلطنت معاویہ کے زمانہ میں ملک شام میں انتقال فرمایا۔

عباسؑ بن عتبہ بن ابی لہب الہاشمی

کتاب اصابہ میں مذکور ہے کہ ان کا باپ عتبہ جناب رسالت مآب صلعم کی بددعا کے سبب سے کافر مرا اور ان کے فرزند صرف یہی عباسؑ باقی رہے یہ پیغمبر صلعم کی وفات کے زمانہ میں جوان تھے اور ان کے ایک بیٹا تھا جن کا نام فضل تھا اور ایک شاعر مشہور تھا جس کا مشہور قصیدہ حضرت امیر علیہ السلام کی شان میں ہے اور اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے:-

"مَاکُنْتُ اَحْسَبُ ھٰذا لامر مُنْصَرِفاً عَنْ ھَاشِمٍ ثُمَّ مِنْھَا عَنْ ابی الحَسَنٌ"

یعنی میں اس امر کو پلٹنے والا نہیں سمجھتا تھا ہاشم سے (بنی ہاشم سے) اور پھر بنی ہاشم میں سے خاصکر ابوالحسنؑ سے۔ (امر سے مراد امر خلافت ہے)

اور بقیہ شعروں کا مطلب حضرت عباسؑ کے حالات میں گذر چکا ہے۔

بعضوں نے کہا ہے کہ یہ اشعار حسان بن ثابت کے ہیں جو ایام خلافت ابوبکر میں کہے تھے یعنی قبل اس کے کہ عثمان بیت المال دیکر حسانؔ کو اپنا فدائی بنائیں اور حضرت امیر علیہ السلام کی محبت ان کے دل سے نکال دیں حسان نے یہ اشعار کہے۔ اور قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں اور ان کے علاوہ اور علمائے اہل سنت نے اور کتابوں میں اس کی تصریح کی ہے اور اصح یہ ہے کہ یہ اشعار ربیعہ بن الحرث بن عبدالمطلب کے ہیں جو وقت بیعت ابوبکر انہوں نے کہے تھے۔

چنانچہ جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰؒ نے کتاب مجالس میں اس کی تصریح کی ہے اور پسر عباس مذکور کی طرف جو نسبت ابن حجر نے دی ہے اس کے جھوٹ ہونے کی یہ دلیل واضح ہے کہ ایسا کلام وہ شخص

کہہ سکتا ہے کہ جو جناب رسول خدا صلعم کے زمانہ میں موجود رہا ہو۔ اور حضرت امیر علیہ السلام کو مستحق خلافت سمجھ رہا ہو اور عباسؑ مذکور خود جوان تھے اس زمانہ میں ان کے ایسے فرزند کا موجود ہونا قرین قیاس نہیں ہے۔ اور ابن حجر نے جو یہ لکھا ہے کہ فضل عباسؑ کے بیٹے تھے یہ بھی غلط ہے بلکہ وہ عباسؓ کے بھائی اور عتبہ کے بیٹے تھے چنانچہ جناب سید مرتضیٰؒ علم الہدیٰ نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور ان کے اشعار کا بھی ذکر کیا ہے جو انہوں نے ولید بن عتبہ کے جواب میں کہے ہیں۔

ولید کے شعر کا مضمون یہ تھا کہ:۔

بعد رسالت مآبؐ اور ابوبکر و عمر کے تمام عالم سے افضل عثمان ہیں اس کے جواب میں فضل نے جو اشعار کہے ان کا مضمون یہ ہے کہ:

آگاہ ہو بتحقیق کہ بہترین خلائق بعد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ شخص ہے جو امر بالمعروف اور نہی لمن المنکر میں اور اچھائیوں اور برائیوں میں ان کے قدم بقدم ہے وہی کہ جسکو انہوں نے پسند کیا اور جس کو انہوں نے مشرکین کی ہدایت کے لئے بھیجا اور ابوبکر کو واپس بلایا۔ وہ پہلا شخص جس نے رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھی۔ پس وہ علیؑ ہیں اور کون ان پر فوقیت لے جاسکتا ہے ان کو قرابت بھی حاصل ہے اور دامادی بھی اور حقیقت میں ابن حجر اور اس کے امثال اس طرح کی غلطیوں میں معذور ہیں اس لئے کہ وہ اہل بیتؑ کو نہیں پہچانتے اور ان سے علم حاصل نہیں کرتے بخلاف جناب سید مرتضیٰ کے کہ وہ خود ذریت رسولؐ میں ہیں اور گھر والا گھر کا حال بہتر سمجھتا ہے۔

اور تحفۃ الاحباء وغیرہ میں مذکور ہے کہ جب عائشہؓ اور طلحہؓ اور زبیر اور عبداللہ بن زبیر اتفاق کرکے خروج کے لئے مہیا ہوئے اور اس کی شہرت ہوئی تو ولید بن عتبہ نے بنی ہاشم کے ڈرانے کے لئے یہ اشعار کہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

''اے بنی ہاشم ہمارے ستارے کبھی غروب نہیں ہوسکتے اگر ایک غروب ہوا تو دوسرا چمکتا ہے۔ تم نے عثمان بن عفان کے ساتھ عذر کیا۔ جس طرح سے کہ کسریٰ کے ساتھ ان کی رعایا نے عذر کیا تھا پس میں قسم کھاتا ہوں کہ اپنے بھائی اور اس کے قتل ہونے کو نہ بھولوں گا اور تم جنگ کے لئے آمادہ رہو''۔

اس کا جواب فضل بن عباسؑ نے ولید کو لکھ کر بھیج دیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

''اپنے بھائی کے قتل ہونے کا حال اہل مصر سے پوچھو اس لئے کہ انہوں نے قتل کیا ہے اور لوٹا ہے اور تم نے اس کو جو کسریٰ سے تشبیہہ دی تو یقیناً وہ کسریٰ کے مثل تھا اس کی خصلتیں اور عادتیں اور دین و مذہب سب کسریٰ کے مثل تھا۔ اور ولی امر بعد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علی علیہ السلام ہیں جو ہر جگہ رسولؐ اللہ کے ساتھ رہے اور سچے وصیؑ اور داماد ہیں اور پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے نماز پڑھی۔ اور ہم

تمہاری طرف ایک لشکر عظیم الشان لیکر آرہے ہیں جس کے آواز جرس سے سننے والوں کے کان بہرے ہوجاتے ہیں۔

مولف کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ اشعار بھی فضل برادر عباسؑ کے ہیں نہ فضل بن عباسؑ کے اس لئے کہ وہ روز وفات جناب رسالت مآبؐ بنا بر تصریح مورخین عباسؑ لڑکے تھے اور عثمان اس کے بائیس (۲۲) برس بعد قتل ہوئے۔ اس زمانہ میں عباسؑ جوان ہوں گے لیکن انکے ایسا فرزند پیدا ہو چکا ہو جو ایسا قصیدہ کہے ناممکن سا معلوم ہوتا ہے اور یہ اشعار فضل بن عباسؑ بن عبدالمطلبؓ کے بھی نہیں ہوسکتے اس لئے کہ انہوں نے ۸۱ھ میں وفات پائی جب تک عثمان قتل ہی نہیں ہوئے تھے لہٰذا یہ صاحب تحفۃ الاحباء کی غلطی ہے اور کیوں نہ ہو اس لئے کہ وہ ابن حجر کو محققین اہل حدیث و سیر میں سمجھتے ہیں۔

عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب

کتاب کشف الغمہ مذکور ہے کہ انہوں نے جنگ صفین میں بڑا جہاد کیا اور بعض دنوں میں یہ صفوف لشکر شام کے برابر آئے ایک شخص نے مبازرانِ شام میں سے ان سے مقابلہ کیا بہت دیر تک شمشیر زنی و نیزہ بازی ہوتی رہی یہاں تک کہ عباس کی نظر شامی کی زرہ پر پڑی دیکھ کر کہا کہ اس میں ایک جگہ شگاف ہے عباس نے اسی شگاف پر تلوار ماری اور دو ٹکڑے کردیا حضرت امیرؑ کے لشکر نے تکبیر کہی اور عباس اس شامی کے گھوڑے پر سوار ہوگئے۔ جب معاویہ نے یہ شجاعت دیکھی تو اپنے لشکر سے کہا کہ تم میں کون ہے جو اس جوان ہاشمی کا مقابلہ کرے اور قتل کرے تاکہ میں اس کو بہت کچھ انعام دوں۔ یہ سن کر دو سوار طائفہ لخم یمن میں سے اٹھے اور کہا کہ ہم اس کے مقابلہ میں جائیں گے۔ معاویہ نے کہا کہ جو شخص تم میں سے اس کو قتل کرے تو میں وہی انعام دوں گا جس کا وعدہ کیا ہے وہ دونوں شخص عباس کے مقابلہ میں آئے۔ اور پکارا اور اپنے مقابلہ کے لئے طلب کیا۔

عباسؑ نے کہا کہ میں اپنے سردار سے اجازت لے کر تمہارے مقابلہ پر آتا ہوں یہ کہہ کر امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت طلب کی حضرت نے فرمایا کہ تم اپنے کپڑے اور ہتھیار مجھے دیدو حضرت نے وہ لباس پہنا اور گھوڑے پر سوار ہوئے اور ان دونوں کے مقابلہ میں آئے انہوں نے پوچھا کہ اپنے سردار سے اجازت لے آئے۔ حضرت نے یہ آیت پڑھی ''اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرَہ'' یعنی قتال کرنے والوں کو اجازت دی گئی ہے اور خدا ان کی مدد کرنے پر قادر ہے پس ان میں سے ایک حضرت سے مقابل ہوا حضرت نے ایک تلوار اس کے شکم پر ماری کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا لیکن اس تیزی سے کہ دیکھنے والوں نے یہ سمجھا کہ تلوار آپ کی نہیں پڑی جب اس کے گھوڑے نے

حرکت کی تو دونوں ٹکڑے علیٰحدہ علیٰحدہ گرے اور اس کا گھوڑا حضرت کے لشکر میں بھاگ آیا۔ بعد اس کے دوسرے نے حضرت سے مقابلہ کیا اور ایک ہی ضرب میں اپنے رفیق سے مل گیا اس وقت حضرت اپنے گھوڑے کو جولاں دیتے ہوئے اپنے لشکرگاہ میں واپس تشریف لائے معاویہ نے جب یہ شجاعت دیکھی تو سمجھ گیا کہ حضرت امیرؑ تھے۔

معاویہ نے کہا کہ خدا برباد کرے ضد کو کہ جب میں نے اس سوار کے مقابلہ میں ضد کی کبھی پوری نہ ہوئی عمر عاص نے کہا کہ تمھارا کیا گیا مارے گئے تو وہ دونوں لخمی مارے گئے۔

معاویہ نے کہا کہ چپ رہ یہ مزاح کرنے کا وقت نہیں ہے۔

عمر نے جواب دیا کہ اگر مزاح کا وقت نہیں ہے تو خدا ان دونوں پر رحمت نازل کرے اگرچہ میرا گمان یہ ہے کہ نہ کرے گا۔

ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب

صاحب اصابہ نے کہا ہے کہ وہ اپنے چچا عباسؑ بن عبدالمطلب سے عمر میں بڑے تھے اور اپنے دونوں بھائیوں نوفل اور ابوسفیان سے قبل خلافت عثمان کے زمانہ میں انتقال کر گئے۔ بعضوں نے کہا ہیکہ ۲۳ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔

نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب

کتاب اصابہ میں لکھا ہے کہ ایام خلافت عثمان میں یہ قاضی مدینہ تھے اور امیر علیہ السلام کی خلافت کے زمانہ میں آپ کے ہمراہ تھے اور جب ابن ملجم نے سر اقدس پر ضربت لگائی تو مغیرہ نے اپنی چادر اس کے گلے میں ڈال کر اُسے زمین پر گرا دیا اور اس کی تلوار چھین لی اور اس کو قید کیا:۔

عبداللہ بن ربیعہ الحارث

اصابہ میں لکھا ہے کہ ان کی ماں اَمَةُ الحَکَمُ بنت زبیر تھیں۔

عبداللہ بن ابوسفیان بن الحارث

صاحب اصابہ نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ وہ کربلا میں جناب حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے۔

اور روایت کی ہے کہ جب عبداللہ نے سنا کہ عمر عاص معاویہ کے دربار میں بنی ہاشم پر طرح طرح کے عیب لگاتا ہے اور بُرائیاں بیان کرتا ہے تو یہ معاویہ کے پاس گئے اور عمر عاص پر عتاب کیا اور بات نے بہت طول کھینچا۔

ابن عساکر سے منقول ہے کہ عبداللہ مذکور مدائن میں حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں پہونچے اور جناب علم الہدیٰ نے کتاب مثقی میں ان کے دو شعر مدح جناب امیر المومنینؑ میں نقل کئے ہیں۔

وَکَانَ وَلِیِّ الْاَمْرِ بَعْدَ محمدٍ عَلِیٌّ فِیْ کُلِّ الْمَوَاطِنِ صَاحِبِه
وَصِیِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ حقًّا وَجَارُه وَاَوَّل مَنْ صَلّیٰ وَلَان جانُبه

یعنی بعد جناب رسالت مآب صلعم کے ولی امر علی بن ابی طالبؑ ہیں جو ہر جگہ انکے ساتھ رہے اور ان کے سچے وصی اور سب سے پہلے نماز پڑھنے والے ہیں۔

عبداللہ بن الزبیر بن عبدالمطلب

صاحب اصابہ نے لکھا ہے کہ وہ بھی جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ ایک روز عبداللہ مذکور جناب رسالت مآب صلعم کی خدمت میں مکہ سے حاضر ہوئے حضرت نے ان کو کپڑے پہنائے اور اپنے پہلو میں جگہ دی اور فرمایا کہ یہ میرے باپ کا بیٹا ہے ان کے باپ مجھ کو بہت چاہتے تھے اور میرے ساتھ نیکی کرتے تھے۔ عبداللہ کی عمر وقت وفات جناب رسالت مآبؐ تیس (۳۰) برس کی تھی اور جنگ روم میں شہید ہوئے۔

کہتے ہیں کہ پہلے جو مبازرانِ روم میں سے معرکہ میں آیا عبداللہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ پھر دوسرا آیا اس کو بھی عبداللہ نے قتل کیا آخرکار لوگوں نے عبداللہ کو میدان میں مقتول پڑا ہوا دیکھا اور ان کے گرد دس آدمی اہل روم کھڑے ہوئے تھے۔ صاحب استیعاب لکھتے ہیں کہ ان کی اولاد باقی نہیں رہی۔

جعفر بن ابی سفیان بن الحارث الہاشمی

صاحب اصابہ نے لکھا ہے کہ ان کی ماں حضرت ابوطالبؑ کی بیٹی تھیں اور وہ غزوہ حنین اور غزوہ موتہ میں شریک ہوئے اور ہمیشہ ملازم خدمت حضرت رسالت مآبؐ رہا کرتے تھے ۵۰ھ میں وفات پائی۔

مسلم بن عقیلؑ بن ابی طالبؑ

ان پر جو مصائب جناب حضرت امام حسین علیہ السلام کی ہواخواہی میں گذرے معروف و مشہور ہیں۔

ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب

کتاب اصابہ میں مذکور ہے کہ وہ جناب رسالت مآبؐ کے چچازاد بھائی اور ان کے برادر رضاعی تھے اور حضرت سے بہت مشابہ تھے اور قبل مسلمان ہونے کے مسلمانوں کو بہت تکلیف پہونچاتے تھے اور جناب پیغمبر خدا صلعم کی ہجو کرتے تھے جب مسلمان ہوئے تو فضل و تقویٰ کے اس درجہ پر پہونچے کہ زبان حقیقت بیان پیغمبر آخرالزمان صلعم سے یہ کلام سعادت انجام سنا:۔ کہ

ابوسفیان الحارث سید فیتان اہل جنت ہیں"

اور استیعاب میں عباس کے حالات میں مذکور ہے کہ روز حنین سب صحابہ بھاگ گئے لیکن علیؑ اور عباسؓ اور ابوسفیان بن الحارث ثابت قدم رہے۔

سعید بن الحارث بن عبدالمطلب

ان کا حال اصابہ میں لکھا ہے۔

عبدالمطلب بن ربیعہ بن الحارث

کتاب اصابہ میں مذکور ہے کہ انہوں نے جناب رسالت مآبؐ اور جناب امیر المومنینؑ سے روایت و احادیث نقل کی ہیں اور بخاری میں منقول ہے کہ انہوں نے اپنا نام مطلب رکھا تھا خلافت عمر کے زمانہ تک مدینہ میں تھے پھر دمشق چلے گئے اور ۶۲ھ میں وہیں وفات پائی اور ان کے بیٹے محمد دمشق میں بڑے مراتب پر پہونچے۔

عمر بن ابی سلمہ بن عبدالاسد

ان کو بھی بنی ہاشم میں شمار کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ ان کی ماں ام المومنین ام سلمہ تھیں اور وہ خود ربیب اور پروردۂ جناب رسالت مآب صلعم تھے۔

صاحب اصابہ لکھتے ہیں کہ وہ حبش میں پیدا ہوئے اور خلافت امیر المومنین علیہ السلام کے زمانہ میں والی بحرین تھے اور جنگ جمل میں آپ کے دشمنوں سے جہاد کیا اور ۸۲ھ میں وفات پائی۔

اور علامہ حلّی نے خلاصہ میں بجائے عمر بن سلمہ کے محمد کا ذکر کیا ہے اور روایت کی ہے کہ وہ اور ان کے بھائی سلمہ تمام لڑائیوں میں جناب امیر المومنین علیہ السلام جنگ مخالفین کی طرف متوجہ ہوئے ان کی ماں ام سلمہ ان کو لیکر تشریف لائیں اور کہا کہ میں ان کو آپ تصدق کرتی ہوں کہ آپ کی راہ میں قتل ہوں اور اگر شریعت میں مجھے گھر سے باہر آنا جائز ہوتا تو یقیناً میں آپ کے ساتھ چلتی اور شہید ہوتی۔

ابن داؤد نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ اصح یہ ہے کہ ام سلمہ کے دو بیٹے عمر اور سلمہ تھے نہ محمد وسلمہ واللہ اعلم۔

اور کتاب نہج البلاغہ میں لکھا ہے کہ عمر بن ابی سلمہ مخزومی حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی طرف سے عامل بحرین تھے اور جب حضرت نے ان کو معزول کیا اور نعمان بن اُجلان یا نعمان بن اجلان ذرقی کو بجائے ان کے بھیجا تو وہ نامۂ نامی ان کے نام لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

اما بعد پس تحقیق کہ میں نے نعمان اجلان کو والی بحرین قرار دیا اور تم کو اس کی ولایت سے بلا کسی مذمت کے معزول کیا تم نے بہت اچھی طرح سے ولایت کو انجام دیا اور امامت کو ادا کیا اب تم میرے پاس چلے آؤ درحالیکہ تم پر نہ کوئی ملامت ہے اور نہ تہمت اور نہ کوئی گناہ اس لئے بتحقیق کہ میں نے تاریکی شام کی طرف جانے کا ارادہ کیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ ہو اس لئے کہ تم ان لوگوں میں سے ہو کہ جن سے میں دشمن کے مقابلہ اور امور دین کے قائم کرنے میں مدد لوں گا انشاء اللہ تعالیٰ

طائفہ دوم غیر بنی ہاشم

جو اکابر صحابۂ مرضیہ میں سے اور شیعیان مرتضویہ میں سے ہیں جن میں سے اکثر کے بھائی اور فرزند یا اعزاء صحابی تھے اور انہوں نے امور دین و دنیا میں اپنے سردار کی موافقت کی۔

مقداد بن الاسود

تاریخ شیخ ابوالحسن مقدسی میں مذکور ہے کہ وہ ایک مرد بلند قامت وگندم گوں تھے اور ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب ان کی زوجہ تھیں اور وہ منجملہ شیعیان علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ قدیم الاسلام تھے اور تمام غزوات میں جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا ہے۔

صحیح ترمذی میں مذکور ہے کہ جناب رسالت مآب صلعم نے ارشاد فرمایا کہ

خداوند تبارک وتعالیٰ نے چار آدمیوں کے متعلق مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان سے محبت کروں اور یہ بھی خبر دی ہے کہ وہ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ علیؑ اور مقداد وسلمان اور ابوذر ہیں۔

اور جامع صغیر میں شیخ جلال الدین سیوطی شافعی نے لکھا ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا بتحقیق کہ جنت چار آدمیون کی مشتاق ہے۔

علیؑ وعمار وسلمان ومقداد

اور شیخ ابوعمر کشی نے جو علمائے امامیہ سے ہیں اپنی کتاب اسمال الرجال میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ سب لوگ مرتد ہو گئے سوائے تین آدمیوں کے سلمان وابوذر ومقداد۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کی عمار؟ حضرت نے فرمایا کہ وہ بھی کچھ حق سے پلٹ گئے تھے لیکن پھر حق کی طرف رجوع کی اور اگر تو اس شخص کو جاننا چاہتا ہے کہ جس نے ذرا شک نہیں کیا اور جس کے دل میں کوئی بات خلاف آئی تھی نہیں تو وہ مقداد ہیں۔

اور ابان بن تغلب سے منقول ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ آیا صحابہ میں سے کسی نے ابوبکر کے جانشین رسول صلعم بننے پر اعتراض کیا آپ نے فرمایا کہ ہاں بارہ آدمیوں نے انکار کیا۔

مہاجرین میں سے مقداد بن اسود۔ ابوذر غفاری۔ سلمان فارسی۔ بریدہ اسلمی۔ خالد بن سعید۔ عمار یاسر اور انصار میں سے ابوالہیثم تیہاں۔ عثمان بن حنیف۔ سہیل بن حنیف۔ خزیمہ بن ثابت۔ ابی بن کعب۔ ابوایوب انصاری۔

ان لوگوں نے آپس میں ذکر کیا کہ جب ابوبکر منبر رسولؐ پر بیٹھے تو ہم اُسے اتار لیں بعضوں نے کہا کہ ایسا نہ کرنا چاہئے جب کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مشورہ نہ کر لیا جائے سب کے سب

ایک ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا امیر المومنینؑ آپ نے اپنے حق کو چھوڑ دیا اور اس پر تصرف کرنے سے باز رہے درحالیکہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ

علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ حق اُسی طرف پھرتا رہے گا جدھر علی پھریں۔

اب ہم لوگوں کا ارادہ ہے کہ جائیں اور ابوبکر کو منبر سے اتار لیں۔ صرف آپ سے اجازت کے طالب ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ قسم خدا کی اگر ایسا کرو گے تو سب تلواریں کھینچ کر میرے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ بیعت کرو نہیں تو قتل کر دئے جاؤ گے اور جب ایسا ہو گا تو مجھ پر بھی دفاع لازم ہو گا دراں حالیکہ پیغمبر خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ میرے بعد یہ امت تم سے عذر کرے گی اور میرے عہد کو توڑ دے گی اور تم کو مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی جس طرح سے بنی اسرائیل نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو چھوڑ کر گوسالہ پرستی اختیار کی تھی اسی طرح سے یہ امت تمہیں چھوڑ کر دوسرے کو اختیار کرے گی۔ میں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! میں ان لوگوں کے ساتھ کیا کروں۔ ارشاد فرمایا کہ اگر ناصر و مددگار تمہیں ملیں تو ان سے قتال کرو اور اگر تمہیں نہ ملیں تو اپنے خون کی حفاظت کرو یہاں تک کہ میرے پاس آؤ۔

اس روایت سے مستفاد ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام بعد وفات سرور کائنات آنحضرت کی تاسی کرتے تھے اور انہیں کی وصیتوں پر عمل درآمد فرماتے تھے جو کچھ مصیبت آنحضرت صلعم کو قوم سے پہونچتی وہی حضرت امیر علیہ السلام کو پہونچی۔

آنحضرت صلعم نے ابتدائی حالت میں لکم دینکم ولی دین فرمایا یعنی تمہارے لئے تمہارا اور میرے لئے میرا دین ہے تو حضرت امیر علیہ السلام نے بھی اس قوم بیدین کی ریاست کو ترک کیا اور اگر اوائل میں آنحضرت نے چنانچہ صحابہ پر قناعت فرمائی تو حضرت امیر علیہ السلام نے بھی صرف سلمان وابوذر اور بارہ صحابیان پر اکتفا کی۔ اگر آنحضرت صلعم بوقت مجبوری غار میں تشریف لے گئے تو انہوں نے بھی اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اور خانہ نشینی اختیار کر لی۔ اگر وہ مکہ سے مدینہ آئے تو مدینہ سے کوفہ تشریف لے گئے۔ اگر ان کا گھر کفار مکہ نے غصب کر لیا تو ان کا باغ مسمیٰ بفدک کفار اسلام صورت مدینہ نے غصب کیا۔ اگر انہوں نے ابتدا میں صلح کی تو انہوں نے بھی اصلاح کی۔ اگر انہوں نے آخر زمانہ میں جہاد کیا تو انہوں نے بھی آخر زمانہ میں جمل وصفین ونہروان میں ناکثین وقاسطین اور مارقین سے قتال فرمایا۔ اگر آنحضرت نے بوقت فتح مکہ اپنے مکان میں نزول اجلال نہیں فرمایا اور اس پر قبضہ نہیں کیا تو انہوں نے بھی اپنے ایام خلافت ظاہریہ میں باغ مغصوب پر قبضہ نہیں کیا اگر حضرت امیر علیہ السلام نے صلح کی تو رسولؐ سے سیکھی تھی اگر جنگ کی تو انہیں جنگ کرتے دیکھا تھا اگر حنین میں ظفر نہیں ہوئی تو حنین

میں بھی رسولؐ خدا کو ظفر نہیں ہوئی تھی اگر آنحضرت صلعم روز فتح مکہ ظفریاب ہوئے تو انہوں نے بھی روز جنگ جمل ظفر پائی۔ اگر وہ سال و ماہ مشرکین کے دلوں میں مثل تیر کے کھٹکتے تھے تو یہ بھی شب و روز خار دیدہ مخالفین تھے مقداد بن اسود نے ۳۲ھ میں انتقال فرمایا۔

سلمان الفارسی

یہ اپنے بچپن کے زمانے سے طلب دین حق میں کوشاں تھے اور علمائے یہود و نصاریٰ وغیرہ کے پاس جایا کرتے تھے اس بارے میں جو مصیبتیں ان پر پڑتی تھیں ان پر صبر کرتے تھے یہاں تک کہ دس آدمیوں نے یکے بعد دیگرے ان کو اپنا غلام بنا کر بیچ دیا اور آخر کار نوبت جناب سرور کائنات صلعم کی آئی اور حضرت نے ان کو ایک یہودی سے خرید فرمایا۔

ان کی محبت اور اخلاص کا یہ درجہ ہوا رسول اللہ صلعم نے سلمان منّا اهل البیت ارشاد فرمایا کسی نے خوب کہا ہے:۔ شعر

كَانَتْ مَوَدَّةُ سَلْمَان لَهُ نسباً وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَ نُوحٍ وَابْنِهِ رَحْماً

یعنی سلمان کی محبت ان کے لئے مثل نسب کے ہوگئی درحالیکہ نوح اور انکے فرزند میں قرابت نہیں ہوئی۔

شیخ محی الدین محمد العربی نے اس حدیث کو سلمان کی عصمت و طہارت کی دلیل قرار دیا ہے اور اپنی کتاب فتوحات کے ایک مقام پر لکھا ہے کہ جب جناب رسالت مآب عبد مخلص یعنی خالص تھے اور خداوند عالم نے ان کو اور انکے اہل بیتؑ کو طاہر کیا اور اسنے نجاستوں کو دور کیا اور ہر چیز کو جو انہیں عیب ناک بناتی تو ان سے جدا رکھا اس لئے کہ رجس کے معنی قذرت کے ہیں جیسا فترا نے حکایت کی ہے اور خداوند عالم نے فرمایا۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْراً پس جس شخص کی نسبت ان کی طرف دی جائے گی وہ مطہر ہوگا اس لئے کہ اس کی نسبت دی جائے گی جو ان سے مشابہ ہوا اور جو چیز ان سے مشابہ ہوگی وہ طاہر اور مقدس ہوگی پس یہ پیغمبر خدا کی شہادت ہے۔ سلمان فارسی کی طہارت اور حفظ الٰہی اور عصمت کے بارے پس اب خود اہل بیتؑ کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جب ان سے مشابہ معصوم اور مطہر قرار پائے تو مشبہ کا کیا ذکر ہے۔ سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ وہ عین طہارت ہے۔

انتہیٰ کلام محی الدین محمد الغزالی اور باوجود ان تمام حالات اور کمالات کے خلفائے خلافت مآب نے بیعت کرنے کے لئے ان کو اسقدر اذیت پہونچائی اور مارا کہ ان کی گردن کج ہوگئی جو تا وقت

وفات کج باقی رہی۔

سید المتالہین حیدر بن علی الآملی نے اپنی کتاب کشکول میں لکھا ہے کہ روایت مشائخ حدیث میں عبداللہ بن عفیف سے اور پھر ان کے پدر بزرگوار سے مروی ہے کہ سلمان قبل ظہور جناب رسالت مآب صلعم مکہ میں آئے تھے اور دین حق کی جستجو کرتے تھے۔ پھر جب رسالت مآب صلعم مبعوث ہوئے تو یہ حاضر خدمت ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ اور جب آنحضرت نے سلمان کی قابلیت علماً و عملاً و رایاً ملاحظہ فرمائی تو ان سے مشورہ کیا کہ ابتداً اہل مکہ میں سے کس کو دعوت اسلام دینی چاہیئے مقصد حضرت کا یہ تھا کہ سلمان کا مافی الضمیر ظاہر ہو جائے۔ سلمان نے عرض کیا کہ ابتداً ابو فصیل عبدالعزیٰ پسر ابو قحافہ کو دعوت اسلام دینی چاہیئے اس لئے کہ وہ تعبیر خواب بیان کرنے میں عرب میں مشہور ہیں اور عرب تعبیر خواب کو ایک قسم کا علم غیب سمجھتے ہیں اور علاوہ بریں علم تاریخ اور انساب عرب سے بھی قدرے واقف ہیں نیز بچوں کی تعلیم بھی کرتے ہیں۔ عرب اپنے معاملات میں اکثر ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں ان کا اچھا خاصہ اثر ہے اگر یہ شخص مسلمان ہو جائے تو آپ کی نبوت کا شہرہ عربوں میں پھیل جائے گا اور وہ بھی اسلام کی طرف رجوع کریں گے اور یہ شخص بھی بعد اسلام لانے کے چونکہ ان کا مزاج داں ہے ان کو دین اسلام کی طرف مائل کر سکے گا۔ اور چونکہ بسبب معلّمی اطفال کے محبت ریاست وجاہ اس کے دل میں جاگزیں ہوگئی ہے جو کہ معلمین کا خاصہ ہے۔ اور آپ کی نبوت کا حال بھی کتب سابقہ سے اس کو معلوم ہو چکا ہے لہٰذا اب وہ طمع اور محبت دنیا کے سبب سے دین اسلام قبول کرے گا اور عرب ایسے شخص کی اطاعت کو دلیل حقیقت اسلام سمجھیں گے۔ اگر آپ نے بجائے اس کے ابتداءً کسی دوسرے کو دعوت دی تو اس کو حسد اور عناد پیدا ہوگا کہ دوسرا مجھ پر سبقت لئے جاتا ہے لہٰذا وہ آپ کی بدگوئی اور مخالفت کرے گا۔

جناب ختمی مرتبتؐ نے جناب امیر علیہ السلام اور جناب ابو طالب علیہ السلام سے ہی مشورہ کیا ان دونوں بزرگواروں نے بھی سلمان کی رائے کو پسند کیا۔ تب حضرت نے بھی ابوبکر سے ملاقات کی اور دین اسلام کی طرف مائل کیا اور حصول عزت اور وسعت اقتدار وغیرہ کی امید دلائی یہاں تک کہ وہ اس طمع میں مسلمان ہو گیا۔ حضرت صلعم نے ان کی کنیت جو ابوالفصیل تھی بدل کر ابوبکر کر دی اور نام جو عبدالعزیٰ تھا عبداللہ کر دیا اور ہمیشہ آپ اپنے اصحاب کے مجمع میں فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر نے تم پر روزہ و نماز کے سبب سے سبقت نہیں کی اس کی سبقت بسبب ایک شے کے تھی جس کا وقار اس کے دل میں بیٹھ گیا تھا۔

مراد حضرت کی محبت ریاست تھی جس کا وہ مفتوں تھا ورنہ اگر محبت خدا اور رسول صلعم سبب ایمان ہوتی تو غصب خلافت اور حق جناب سیدہ سے لینے کی کوئی وجہ نہ ہیں جیسا کہ شیخ علی سینا علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔ شعر

سر سرا باذی نکو نا یدار دے اعتقاد حق زہرا ابردن و دین پیمبر داشتن

یعنی مجھکو دل لگی اچھی نہیں معلوم ہوتی کوئی بات ہے کہ حضرت زہراؑ کا حق غصب کرنا اور دین پیمبر کہنا۔ ان دونوں کا جمع ہونا ناممکن ہے۔

مخفی تر ہے کہ بعض مورخین نے جناب سلمانؑ اور جناب رسالت مآب صلعم کی ملاقات کا ابتدائی بعثت میں انکار کیا ہے اور یہ انکار اس سبب سے تھا کہ وہ حالات سلمان سے ناواقف تھے اس لئے کفار عرب اسی ابتدائی زمانے میں کہتے تھے کہ سلمانؑ آنحضرت کو تعلیم کرتے ہیں چنانچہ خداوند عالم نے اس کی رد فرمائی ہے کہ جس کی طرف نسبت دیتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور کلام مجید کھلی ہوئی عربی میں ہے اور قاضی بیضاوی اور دیگر مفسران اہل سنت نے اس آیت کی تفسیر میں سلمانؑ کو بھی مراد لیا ہے۔

ابن قتیبہ نے جو مشاہیر علمائے مخالفین میں سے ہے لکھا ہے کہ اٹھارہ آدمی صحابہ میں سے رافضی تھے جن میں سلمان کو شمار کیا ہے اور شیخ اجل ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ نے کتاب امالی منصور بن روح سے روایت کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت صادقؑ سے عرض کی کہ اے مولا! میں آپ سے سلمان فارسی علیہ السلام کا ذکر بہت سنتا ہوں۔ اس کا ذکر کیا ہے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ سلمانؑ فارسی مت کہو۔ سلمان محمدی کہہ۔ اور سبب ان کے زیادہ تذکرہ ہونے کا ان کی تین بڑی فضیلتیں ہیں جن سے آراستہ تھے اولاً اگر یہ کہ وہ اپنی خواہش پر امیر المومنین علیہ السلام کی خواہش کو مقدم رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ فقراء کو دوست رکھتے تھے اور ان کو اغنیا اور صاحبان دولت پر ترجیح دیتے تھے۔ تیسرے یہ کہ علم اور علماء سے محبت رکھتے تھے۔ بتحقیق کہ سلمانؑ ایک عبد صالح مسلمان تھے اور مشرکین سے نہ تھے اور پھر جناب شیخ مذکور نے سکر یر صرفی سے روایت کی ہے اپنے پدر بزرگوار سے اور انہوں نے جناب امام محمد باقرؑ سے کہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ صحابہ بیٹھے ہوئے اپنے نسب کا ذکر کرتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے سلمانؑ بھی اس گروہ میں تھے عمر نے سلمانؑ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے سلمان تمہارا حسب ونسب کیا ہے؟ سلمان نے جواب دیا کہ میں سلمانؑ بندہ خدا کا بیٹا ہوں۔ میں گمراہ تھا خدا نے مجھکو محمدؐ کے ذریعہ سے ہدایت کی میں محتاج تھا خدا نے محمدؐ کے ذریعے سے مجھے غنی کر دیا۔ میں غلام تھا خدا نے محمدؐ کے ذریعے سے مجھے آزاد کر دیا پس یہ میرا حسب ونسب ہے۔

کتاب کامل بہائی میں مذکور ہے کہ جب سلمان نے بسبب متابعت آل رسول صلعم کے ابوبکر سے بیعت نہیں کی تو ایک روز عمر نے ان سے کہا کہ اگر بنی ہاشم نے بیعت سے انکار کیا تو اپنی عزت پر افتخار قرابت رسول صلعم کے سبب سے انکار کیا وہ اپنے کو رسولؐ کے بعد افضل خلق سمجھتے ہیں یہ تم کو کیا ہوا جو بیعت سے انکار کرتے ہو۔ سلمان نے جواب دیا کہ دنیا و آخرت میں ان کا شیعہ ہوں جس سے مخالفت کریں اس سے میں بھی مخالفت کرنے اور جس سے وہ بیعت کریں اس سے بیعت کرنے کو تیار ہوں۔

اور کشف الغمہ میں سلمانؑ سے روایت ہے کہ ہم نے رسولؐ اللہ کی بیعت مسلمانوں کی خیر خواہی اور علی ابن ابی طالبؑ کو اپنا امام قرار دینے پر کی تھی۔

اور سید عارف میر مخدوم نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ مرتضیٰ نے سلمان فارسی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ انہوں نے ظاہر اور باطن کسی میں میری مخالفت نہیں کی اور وہی چاہتے رہے جو میں نے چاہا۔ حاصل کلام حضرت سلمانؑ کا اختصاص جناب امیر المومنینؑ کے ساتھ کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہے۔

جناب شیخ شہید علیہ الرحمہ نے حاشیہ قواعد میں کتاب صفوۃ الصفوہ سے نقل کیا ہے کہ سلمانؑ نے بنی کندہ کی ایک عورت کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ جس سے دو بیٹے پیدا ہوئے تھے اور بکثرت اولاد ہوئی اور بعض ان میں سے اس ملک میں مقیم تھے اور سب صاحبان فضل و عقل تھے جیسا کہ کتاب رجال میں اس کا ذکر ہے۔

اور یہ جو خیال اور قلمروں میں مشہور ہے کہ سلمانؑ محبوب یعنی ذکر بریدہ تھے اور انہوں نے کبھی شادی نہیں کی یہ محض غلط ہے۔ اور مفصل حالات سلمانؑ کے اور وہ عہد نامہ حضرت امیر علیہ السلام نے بحکم حضرت پیغمبرؐ خدا سلمانؑ کے بھائی اور اولاد کے لئے لکھ دیا تھا۔

کتاب درج الدرری اور تاریخ گزیدہ میں مذکور ہے بنا بر اقل روایاں کے حضرت سلمانؑ کی عمر ڈھائی سو برس کی ہوئی۔ اور بنا بر اکثر روایات کے تین سو پچاس برس کی عمر پائی اور ۳۶ھ میں بمقام مدائن انتقال فرمایا

اور مروی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام ایک شب میں مدینہ سے مدائن تشریف لے گئے اور سلمانؑ کو غسل دیکر اسی شب پھر مدینہ تشریف لائے۔

اور مستقصر خلیفہ عباسی نے اس روایت کا انکار کیا تھا وہ انکار اسکے جواب کے اثنائے مجلس پنجم حالات سید عز الدین اقاسی کوفی میں مذکور ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

عمار بن یاسر

صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ ان کے باپ قبیلہ بنی مخزوم کے دوست اور ہمعہد تھے اور اس بنا پر جب عثمان نے عمار کو مارا کہ ان کے پہلو کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور فتق کا عارضہ بھی پیدا ہو گیا تو بنی مخزوم نے عثمان پر ہجوم کیا اور قسم کھالی کہ اگر عمارؓ مر گئے تو ان کے خون کے عوض میں عثمان ہی کو قتل کریں گے۔ عمار نے ابتدائے اسلام میں کفار کے ہاتھوں بڑی بڑی اذیتیں اٹھائیں اور ان کی ماں سمیہ نام قید

کفار ہی میں شہید ہوئیں، عمار منجملہ مہاجرین اولین اور اس جماعت کے ہیں جنہوں نے بحکم حضرت رسول مکہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی اور عمار نے قبلہ کی طرف نماز ادا کی اور غزوہ بدر اور علاوہ ان کے دیگر غزوات جو بعد بدر کے ہوئے ہر ایک میں داد مردانگی و شجاعت دی اور جنگ یمامہ میں کہ جہاں مسلمانوں نے فرار کیا تھا۔

عمارؓ نے بڑے بڑے زخم کھائے اور گوش مبارک ان کا کٹ کر دوش پر لٹک رہا تھا لیکن باوجود اس کے قرار نہیں کیا اور مشغول کارزار تھے اور اہل اسلام کو پکار بھی رہے تھے کہ اے گروہ مسلمانان کیا تم بہشت سے بھاگتے ہو، دیکھو میں عمار ہوں اور کھڑا ہوا ہوں میرے پاس تو آؤ آنحضرت صلعم نے ان کی شان میں فرمایا کہ عمار سر سے پاؤں تک ایمان سے بھرا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اے عمار تم کو گروہ باغی قتل کرے گا۔

اور جامع صغیر سیوطی سے منقول ہوا ہے کہ بہشت مشتاق ہے علیؑ اور عمار و سلمان و مقداد کی طرف اور تاریخ فتوح احمد بن عاثم کوفی میں لکھا ہے کہ عثمان خلیفہ ہوئے تو ایک سال تک تو عدالت کی بعد ایک سال کے پھر بہت سی چیزیں ان سے ایسی ظاہر ہوئیں کہ جن کو مسلمانوں نے نہیں پسند کیا گیا اصحاب نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ عثمان سے چل کر کہنا چاہئے کہ جو کام وہ طریق ثواب کے خلاف کر رہا ہے ان کو چھوڑ دے پھر سب کاموں کے لکھنے کی رائے قرار پائی اور ابتدائے خلافت سے اس وقت جو باتیں نامناسب اور بے قاعدہ انہوں نے کی تھیں وہ سب لکھی گئی اور یہ کہا کہ اگر ایسی باتوں کو ترک نہ کرو گے تو ہم تمہیں خلافت سے معزول کر دیں گے۔ جب یہ خط پورا ہو چکا تو عمار یاسر اس کے لیجانے کے لئے معین ہوئے۔ جب عثمان کے دروازہ پر پہونچے تو عثمان مکان سے باہر آئے اور عمار کو کاغذ لئے کھڑا دیکھا تو کہا اے ابو یقظان کوئی حاجت ہے۔ عمار نے کہا کہ مجھے تو کوئی حاجت نہیں ہے لیکن ایک گروہ نے جمع ہو کر کچھ لکھا ہے۔ عثمان نے وہ کاغذ لیا اور چند سطریں پڑھنے کے بعد ایسا غضبناک ہوا کہ وہ کاغذ ہاتھ سے پھینک دیا عمار نے کہا کہ کاغذ اصحاب رسولؐ نے لکھا ہے اس کو ہاتھ سے نہ پھینکو بلکہ بغور مطالعہ کرو اور دیکھو کہ اس میں کیا لکھا ہے اور یقین رکھنا چاہئے کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور یہ باتیں تمہاری نصیحت کی غرض سے کہہ رہا ہوں عثمان نے کہا کہ اے پسر سمیّہ تو جھوٹا ہے۔ عمار نے فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میں سمیہ اور یاسر کا بیٹا ہوں اس پر عثمان نے غصہ میں آ کر اپنے غلاموں کو حکم دیا ان سب نے عمار کو مارنا شروع کیا یہاں تک کہ عمار زمین پر گر پڑے اور بالکل بے جان ہو گئے اور چند لاتیں ان کے پیٹ پر ماریں کہ غش آ گیا اور علت فتق پیدا ہو گئی تھی۔ مخزوم کو جب یہ خبر ہوئی تو ھشام بن ولید ایک گروہ بنی مخزوم کے ساتھ آ کر عمار کو اٹھا لے گئے۔ لے جا کر بستر پر لٹا دیا درحالیکہ انہیں اپنی خبر نہ تھی ان لوگوں نے

قسم کھائی کہ اگر عمار نے اس صدمہ کے سبب سے وفات پائی تو یقیناً ہم عثمان کو قتل کریں گے۔

عمار اسی حالت میں بے ہوش و بے خبر پڑے رہے یہاں تک کہ شب کا بھی کچھ حصہ گزر گیا اور نماز ظہر اور دوسری نماز اور نماز مغرب وعشاء ان سے فوت ہو گئی جب درمیان شب میں ہوش آیا تو انہوں نے وضو کر کے سب نمازیں اسی وقت ادا کیں۔ یہ معاملہ جو کہ عمار کے ساتھ پیش آیا منجملہ ان معاملات کے تھا کہ جن کو اصحاب رسولؐ نے نہیں پسند کیا۔ اور اس کام میں عثمان پر اعتراض کیا یہ خبر جب ابوذر کو شام میں ہوئی تو انہوں نے عثمان پر بہت طعن کرنا شروع کی معاویہ نے ان کی حالت عثمان کو لکھی اس نے ان کو مدینہ بلا بھیجا چنانچہ اس کا ذکر حالات ابوذر میں آئے گا۔

مولف کہتا ہے کہ ہمارے علماء نے ضرب عمار کی وجہ سے ابطال خلافت عثمان پر استدلال کیا ہے اور وہ یوں کہ عثمان نے عمار کے ایسے شخص کو جو ممدوحان و مقبولان جناب رسالت مآبؐ میں سے تھے اس قدر مارا تو یقیناً عثمان ظالم قرار پائے اور بموجب الالعنت اللہ علی الظالمین مستوجب لعنت ہوئے نہ مستحق امامت وخلافت۔ اور مخالفین کہتے ہیں کہ عمار نے عثمان کے سامنے بے ادبانہ سخت کلامی کی اور جو شخص اس طرح سے بے ادبی کرے خلیفہ کے لئے جائز ہے کہ تادیب کرے اگرچہ ان کے قتل تک کی نوبت آ جائے۔ اور ضعف اس جواب کا ظاہر ہے اس لئے کہ اہل سنت کے نزدیک خلیفہ کی وقعت ایک مجتہد سے زیادہ نہیں ہے۔ اور دوسرے مجتہد کے لئے جائز ہے کہ وہ موافق اپنی رائے کہ اس پر اعتراض کرے۔ چنانچہ عمر نے اکثر ابوبکر سے مخالفت کی ہے۔ خصوصاً خالد بن ولید کے مواخذہ کے معاملہ میں۔ پس ہو سکتا ہے کہ عمار نے بھی اجتہاد کیا ہو اور بموجب اپنے اجتہاد کے عثمان کو ایسے امور سے منع کیا ہو اور ایسے خلیفہ کے ساتھ گستاخی کرنے پر قتل کرنا ہرگز جائز نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس کے خلاف ایک حدیث نبوی موجود ہے کہ جو بغوی نے کتاب مصابیح میں خود عثمان سے نقل کی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ مرد مسلمان نہیں قتل کیا جائے گا تین سببوں سے (۱) یا کفر بعد اسلام (۲) زنا بعد احصان (۳) یا قتل نفس بغیر نفس

(۱) اسلام لانے کے بعد کافر ہو جائے (۲) یا باوجود شوہر رکھنے کے کوئی عورت زنا کرے یا باوجود زوجہ رکھنے کے کوئی مرد زنا کرے۔ (۳) یا کسی نفس کو بغیر اس کے کہ اس نے کسی نفس کو قتل کیا ہو قتل کر دے۔

یہ حدیث خود عثمان نے نقل کی ہے اور باوجود اس کے عمار کو اس قدر مارنا یا ابوذر کو ربذہ کے میدان میں بھیج دینا یا عبداللہ بن مسعود کو محض قرآن نہ دینے پر اس قدر مارنا کہ جو منتہی ان کے قتل تک ہوا۔ یہ سب باتیں کیونکر جائز ہوں گی۔

سید المحدثین نے کتاب تحفۃ الاحبا میں لکھا ہے کہ جب حضرت امیر المومنینؑ جنگ جمل کی

طرف متوجہ ہوئے تو حضرت امام حسن علیہ السلام کو لشکر جمع کرنے کی غرض سے معہ عمار کے کوفہ بھیجا اور ابو موسیٰ اشعری خلافت عثمان کے زمانہ سے وہاں کا حاکم تھا اس نے لوگوں کو حضرت امام حسن علیہ السلام کی ہمراہی سے منع کیا امام ممدوح نے اس پر عتاب کیا۔ ابو موسیٰ نے جواب دیا کہ پیغمبرؐ نے اس فتنہ کو فتنۂ کبریٰ کہا ہے اس سے دور رہنا بہتر ہے اور گوشے میں بیٹھ رہنا اچھا ہے۔ عمار نے جواب دیا کہ یہ ایسا فتنہ ہے کہ جس میں مستعدی کرنا بیٹھ رہنے سے بہتر ہے اور حق کو باطل سے ممتاز کرنا اچھا ہے بہ سبب حق کے چھپانے کے۔

ابو موسیٰ نے کہا کہ جب حق و باطل میں تمیز نہ ہو سکے تو گوشہ نشینی ہی بہتر ہے۔

عمار نے جواب دیا کہ حق اس فتنہ میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے اور باطل بھی ظاہر ہے لیکن امتیاز سے مانع صرف ضعف بصیرت ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے مثنوی

اے برادر چون بینی قصر اُو　　چونکہ در چشم و دلت رُستہ ست مو
چشم و دل از موئے علت پاک دار　　وانگہِ دیدار قصرش پاک دار
ہر کرا ہست از ہوس ہا جان پاک　　زود بیند حضرت وایوان پاک
چون محمدؐ پاک بُد زین نار دو دُو　　ہر کجا رو کرد وجہ اللہ بود
چوں رفیق وسوسہ بد خواہ را　　کے بدانی سمت وجہ اللہ را
ہر کرا باشد بسینہ فتح باب　　بیند او بر چوخ دل صد آفتاب
حق بدیدہ است از میان دیگراں　　ہمچومہ اندر میانِ اختران
دوسرا نگشت بردو چشم نہ　　ہیچ بینی در جہاں انصاف دہ
ورنہ بینی ایں جہاں مخدوم نیست　　عیب جز انگشتِ نفش شوم نیست
نور چشم انگشت رابردار ہیں　　وانگہاں تو ہر چہ میخواہی ببیں
روئے وسر در جامہا پیچیدہ رند　　لاجر بادیدہٗ نادیدہ اند

خلاصہ مطلب ان اشعار کا یہ ہے:۔

یعنی اے بھائی جبکہ تیری آنکھوں اور دل پر بال اُگے ہوئے ہیں تو تو اس کا قصہ (محل) باوجود یکہ نہایت واضح اور عظیم الشان ہے کیوں کر دیکھ سکتا ہے۔ پہلے چشم و دل کو بالوں سے صاف کر لے پھر اس کے محل کو اچھی طرح سے دیکھ۔ جس کی جاں ہوش ہائے نفسانی سے پاک وصاف ہے وہ خداوند عالم کی درگاہ کا باوجود بظاہر پوشیدہ ہونے کے بہت جلد دیکھ لیتا ہے۔ چونکہ محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم دنیا کی آلائشوں سے پاک وصاف تھے لہٰذا جس طرف رخ کرتے تھے اسی طرف اللہ کو دیکھتے تھے اور جب تک وسوسہ بدخواہ کا رفیق ہے کیوں کر جان سکتا ہے کہ وجہ اللہ کدھر ہے۔ جس کا سینہ معرفت کے لئے

کشادہ ہو جاوے وہ اپنے آسمان دل پر سو (۱۰۰) آفتابوں کا جلوہ دیکھتا ہے حق کو دوسری چیزوں کے درمیان میں ایسا ہی پہچان لیتے ہیں جیسے سب لوگ چاند کو ستاروں میں پہچان لیتے ہیں۔ تو اپنی آنکھوں پر دو انگلیاں رکھ لے تو انصاف بتا کہ دنیا میں کچھ بھی دیکھ سکے گا؟ اور اگر تو نے نہ دیکھا تو یہ دنیا معدوم نہیں ہے بلکہ تیرے نفس شوم نے جو آنکھوں پر سے انگلیاں اٹھالے جو جی چاہے دیکھ۔ جو لوگ اپنے سر و مو کو کپڑوں میں لپیٹے ہوں لازمی بات ہے کہ باوجود آنکھیں رکھنے کے نہ دیکھ سکیں گے۔

اور شیخ اجل ابو جعفر طوسی نور اللہ مشہدہٗ نے کتاب امالی میں ابی بختہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ **عمار یاسر** نے **ابو موسیٰ اشعری** کو بہت لعنت و ملامت کی۔ اور پوچھا کہ کون سی چیز تجھ کو متابعت امیر المومنینؑ سے مانع ہو رہی ہے؟ قسم خدا کی اگر تجھے ان کی حقیقت میں کچھ شک ہے تو دائرہ اسلام سے خارج ہے ابو موسیٰ نے کہا کہ اس قدر غصہ نہ کرو میں بھی تمہارا بھائی ہوں۔ **عمار** نے فرمایا کہ میں تیرا بھائی ہرگز نہیں ہوں اس لئے کہ میں نے پیغمبر خداؐ سے سنا ہے کہ شب عقبہ تو بھی منافقین کے ساتھ آنحضرت کے قتل کے ارادہ سے شریک تھا اور رسول خداؐ نے تجھ پر لعنت کی ہے۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ یہ نہیں سنا کہ حضرت نے میرے لئے استغفار کیا تھا فرمایا میں نے لعنت کو سنا تھا استغفار کو نہیں سنا۔

پھر جناب شیخ نے موسیٰ بن عبد اللہ اسدی سے روایت کی ہے کہ جب اہل بصرہ شکست کھا چکے تو حضرت امیر علیہ السلام نے حکم دیا کہ **عائشہ** کو قصر ابن حلف میں اُتاریں جب عائشہ وہاں اُتر چکیں تو **عمار یاسر** ان کے پاس گئے اور فرمایا کہ اے مادر اپنے فرزند کی شمشیر زنی آپ نے دیکھی؟

عائشہ نے کہا "اے عمار چونکہ اس وقت تم کو غلبہ ہو گیا ہے لہٰذا دین میں صاحب بصیرت بصارت ہو گئے ہو۔

عمار نے جواب دیا کہ قسم خدا کی میری بصیرت دین کے امور میں اس سے زیادہ ہے کہ جو غلبہ کے سبب سے بڑھی یا مغلوبیت کے سبب سے گھٹ سکے قسم خدا کی اگر تم لوگ ہم پر اس طرح سے غالب آتے کہ نخلستان ہجر تک ہم کو بھگا دیتے جب بھی ہمیں یہی یقین رہتا کہ ہم حق پر ہیں اور تم باطل پر

عائشہ نے کہا کہ تمہارے دل میں لوگوں نے ایسا ہی ڈال دیا ہے۔

عمار نے کہا کہ قسم خدا کی میں نے جو کچھ اختیار کیا ہے حجت و دلیل سے اختیار کیا ہے نہ کسی کے شبہ ڈالنے اور خوبصورت تخیل پیدا کرنے سے میں از روئے یقین جانتا ہوں کہ حضرت امیر علیہ السلام تمام صحابہ پیغمبرؐ سے زیادہ قاری اور زیادہ تر حافظ کتاب خدا اور علم تفسیر قرآن کے جاننے والے ہیں اور حرمت و تعظیم قرآن میں سب سے زیادہ شدید ہیں علاوہ بریں جو قرب خاص ان کو پیغمبر خداؐ کے ساتھ حاصل ہے اور جس کثرت سے انہوں نے اسلام میں جہاد کئے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

تنبیہ۔ منجملہ وغریب اقوال وعقائد اہل سنت کے یہ ہے کہ وہ کہ گروہ باغیہ اہل جمل کو جنہوں نے حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ محاربہ کیا اور حضرت کے ساتھیوں کے ہاتھ سے مارے گئے شہدا کہتے ہیں اور ان کی قبروں کی زیارت کو منجملہ مستحبات شمار کرتے ہیں باوجود اس کے کہ اس امر کے بھی قائل ہیں کہ وہ سب باغی تھے اور حق سے منحرف تھے اور حدیث یَا عَلِیُّ حَرْبُکَ حَرْبِی" کو یعنی یا علی تمہاری لڑائی میری لڑائی اور تمہاری صلح میری صلح ہے صحیح مانتے ہیں اور خبر ہدایت اثر "عَلِیاً مَعَ الْحَقِ وَالْحَقُ مَعَ عَلِیٌّ" کو منجملہ اخبار صحیحہ شمار کرتے ہیں۔

اور اس سے بھی بڑھکر عجیب یہ ہے کہ رؤسائے باغیان یعنی طلحہ وزبیر۔ عائشہ اور معاویہ کو اس جنگ کے بارہ میں معذور رکھتے ہیں اور مستحق ثواب سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ لوگ مجتہد تھے ملتہائے امر یہ ہے کہ ان کے اجتہاد نے غلطی کی اور علی علیہ السلام کا اجتہاد صحیح تھا۔ اور مجتہد مخطی کو ایک ثواب ملتا ہے اور مجتہد مصیبت کو دو ثواب اور صاحبان عرفان اور اصحاب بصیرت پر پوشیدہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کو رتبہ اجتہاد بھی نہیں حاصل تھا۔ اور اگر بفرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ غلطی محض فروع میں نہیں واقع ہوئی بلکہ اصل میں بھی ہوئی ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے:۔ شعر

هر یکے کز رو بہی باشیر یزداں پنجہ کرد
گر ہمہ آہوے تاتار است دراصلش خطا است

یعنی اگر کوئی روباہ شیر یزداں سے مقابلہ کرے تو اگرچہ وہ مثل آہوئے تاتار کے حسین وجمیل اور خوشبودار ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس کی اصلیت میں ضرور خطا ہے۔

صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ روز جنگ صفین عمار نے ہاشم بن عتبہ سے کہا کہ اے ہاشم آج ہم بہشت عنبر سرشت میں جائیں گے اور آج ہم اپنے پیغمبرؐ اور ان کے گروہ سے ملاقات کریں گے۔ قسم خدا کی کہ اگر یہ باغی لوگ ہم کو نخلستان ہجرت بھی بھگا لے جائیں جب بھی ہم کو یہی یقین رہے گا کہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر یہ کہہ کر رجز پڑھنا شروع کیا:۔

مخمس

نحن ضربنا علیٰ تنزیله فالیوم نصربکم علیٰ تاویله
ضربا یزیل الهام عن مقیله ویدخل الخلیل حسن خلیله
اویرجع الحق الیٰ سبیله

یعنی ہم وہ ہیں کہ جنہوں نے تم کو تنزیل قرآن کی بنا پر مارا اور آج تاویل وتفسیر قرآن کی بنیاد پر تم کو ایسی مار ماریں گے کہ سر اپنی جگہوں پر قائم نہ رہیں گے اور عاشق اپنے معشوق کی محبت بھول جائے گا

جب تک کہ حق اپنی جگہ پر نہ پہونچ جائے۔

یہ رجز پڑھ کر عمار نے لشکر مخالف پر حملہ کر دیا۔

ابن جُزءُ جو اعیانِ شام میں سے تھا ان کے مقابلہ میں آیا عمار نے ایک ہی تلوار میں ابن جز کے چشم کا جزو اعظم (سر) جدا کر دیا اور پھر لشکر سے جنگ میں مشغول ہوئے اور برابر جہاد کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ رسولؐ کی پیشنگوئی کہ "اے عمار تم کو عنقریب گروہ باغی قتل کرے گا"

پوری ہوئی اور عمار نے جام شہادت نوش فرمایا۔ حضرت امیرؑ نے بہ نفس نفیس ان پر نماز پڑھی اور اپنے دستِ مبارک سے ان کو دفن کیا اس وقت ان کی عمر اکانوے (۹۱) برس کی تھی بعض مورخین نے لکھا ہے کہ روز شہادت عمار نے سر آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا کہ "اے خدا اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تیری مرضی میرے آب فرات میں ڈوب جانے میں ہے تو میں اپنے کو غرق کر دوں" پھر کہا کہ "اگر میں جانوں کہ تیری رضا مندی اس میں ہے کہ میں اپنی تلوار اپنے پیٹ پر رکھ کر زور کروں کہ پشت سے نکل کر جائے تو ایسا ہی کروں" پھر کہا کہ "بار خدایا میری نظر میں کوئی کام اس سے زیادہ تیری رضا مندی کا نہیں ہے جتنا کہ اس گروہ سے مقابلہ کرنا"

جب اس دعا ومناجات سے فارغ ہوئے تو اپنے دوستوں سے کہا کہ میں تین مرتبہ جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ علموں سے جو لشکر معاویہ میں میں جنگ کر چکا ہوں۔ اور آج پھر صاحبان علم سے لڑنا چاہئے تم پر مخفی نہ رہے کہ آج کے روز شہید ہوں گا۔ جب میں اس عالم فانی سے سرائے جاودانی کی طرف کوچ کروں تو میرا کام لطف ربانی پر چھوڑ دینا۔ اور خاطر جمع رکھنا کہ امیر علیہ السلام ہمارے مقتدا ہیں جو فردائے قیامت اشرار سے اخیار کا عوض لیں گے۔ جب عمار یہ کلمات فرما چکے تو اپنے گھوڑے کو جولاں کیا اور لشکر کفار پر متواتر حملہ کرتے تھے اور مختلف رجز پڑھتے تھے یہاں تک کہ بہت سے لوگوں نے ملکر گھیر لیا اور ایک شخص نے جس کی کنیت ابوالعادیہ تھی ایک زخم کاری لگایا جس سے عمار کی طاقت جاتی رہی وہ اپنی صف لشکر میں واپس آئے اور پانی مانگا ان کے غلام رشد نے دودھ کا پیالہ پیش کیا جب عمار نے پیالہ شیر کو دیکھا فرمایا "صدق رسولُ اللہ" لوگوں نے اس کی شرح پوچھی فرمایا کہ رسول اللہ صلعم نے خبر دی تھی کہ آخری روزی تمہاری جو دنیا میں تمہیں ملے گی وہ دودھ ہوگا۔ یہ فرما کر اس کاسۂ شیر کو پی لیا اور عالمِ بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ جب حضرت امیر علیہ السلام کو اس حال کی اطلاع ہوئی تو حضرت عمار کے سرہانے آئے اور عمار کا سر زانوئے مبارک پر رکھا اور یہ اشعار فرمائے۔

اَلَا یَا ایها الموتُ الذی هُوَ قاصِدِی اَرِحْنی فقدْ افْنَیْتِ کُلَّ خلیلی
اَرَاکَ بصیراً الذین اُحِبهُمْ کَاَنَّکَ تنحُوا نحوَهم بدلِیل

یعنی اے وہ موت! جو میرے تاک میں ہے تو نے میرے ہر دوست کو فنا کر دیا مجھے کچھ تو راحت لینے دے جن لوگوں کو میں دوست رکھتا ہوں میں دیکھتا ہوں کہ تو ان لوگوں کی طرف اسی طرح جاتی ہے جیسے کوئی راہ پر تجھے ان کا نشان بتا تا ہے۔

اس کے بعد ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن'' فرمایا اور ارشاد کیا کہ جو عمار کی وفات سے دل تنگ نہ ہو اس کو اسلام کا کوئی حصہ نہ ملے۔ (یعنی کافر ہی ہو) خداوند عالم عمار پر رحمت نازل کرے۔ اس وقت میں کہ جب نیک و بد سے سوال کریں جس وقت کہ میں نے خدمت میں جناب رسالت مآبؐ کے تین آدمیوں کو دیکھا تو چوتھے عمار تھے اور اگر پانچ آدمیوں کو دیکھا تو پانچویں عمار ضرور تھے۔ عمار پر صرف ایک مرتبہ بہشت نہیں واجب ہوا بلکہ بارہا انہوں نے اس کا مستحق پیدا کیا۔

جناب عدن ان کے لئے مہیا اور گوراموں اس لئے کہ وہ ایسی حالت میں قتل ہوئے کہ حق ان کیساتھ تھا اور وہ حق کے مددگار تھے۔ چنانچہ رسول خدا صلعم نے ان کی شان میں فرمایا ہے۔ ''حق عمار کے ساتھ پھرتا رہے گا جس طرف عمار پھریں'' بعد اس کے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ عمار کا قتل کرنے والا اور ان کو برا کہنے والا اور ان کے ہتھیاروں کا لوٹنے والا آتش جہنم میں معذب ہو گا۔ پھر کھڑے ہو کر ان پر نماز پڑھی اور اپنے دست مبارک سے قبر میں اتارا

تَرْحَمَهُ اللهُ وَرِضْوَانُهٗ عَلَيْهِ طُوْبٰى لَهٗ وَحُسْنُ مَآب شعر

خوش دمے چوں بہر یار مہرباں میرد کسے — چوں نباید مرد بارے آں چناں میرد کسے
چوں شہید عشق را در کوے خود جامی دہند — جاے آں دارد کہ بہر آں زماں میرد کسے

اور کتاب کامل بہائی میں قاضی عبد الجبار معتزلی سے منقول ہے کہ انہوں نے کتاب محیط میں لکھا ہے کہ علی علیہ السلام نے عمار کے قتل سے قبل کبھی اہل بغاوت کے قتال میں ابتداء نہیں کی تھی لیکن جب چھبیسویں (۲۶) روز عمار شہید ہوئے تو حضرت نے ان پر کفار کا حکم دیا اور ان کے قتل میں ابتداء فرمائی اور ایک شب میں پانچ سو تیس آدمیوں کو اپنے دست مبارک سے قتل کیا اور ہر ایک کو قتل کرنے کے بعد تکبیر اس طرح سے فرماتے تھے جیسا کہ قتل کفار میں قاعدہ ہے۔ اور فرماتے تھے کہ جس کو میری تلوار قتل کرے گی وہ جہنم میں جائے گا۔

اور منجملہ الطائف مناسبہ کے یہ ہے کہ جب حضرت عمار شہید ہوئے تو عباسؓ صفِ لشکر معاویہ کے پاس گئے۔ اور حدیث ''سَتَقْتُلُکَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَة'' یعنی عنقریب گروہ باغی تم کو قتل کرے گا۔ اہل لشکر کو سنائی اور ان کو بغاوت سے خوف دلایا۔

معاویہ نے جواب دیا کہ عمار کو اس شخص نے قتل کیا ہے کہ جوان کو اس معرکہ میں لایا ابن

عباسؓ نے فرمایا کہ اس بنا پر حمزہؓ کو پیغمبر صلعم نے قتل کیا جوان کو جنگ اُحد میں لے گئے ابن عباسؓ کے اس جواب پر معاویہ ایسا ساکت ہوا کہ گویا اس کے منہ میں کسی نے پتھر رکھ دیا۔

صاحب کتاب ظرائف نے محمود خوارزمی سے نقل کیا ہے کہ چونکہ یہ حدیث بہت زیادہ صحیح اور مشہور تھی معاویہ انکار نہ کر سکا لیکن ایسی واہیات تاویل کی جو ابن عباسؓ نے باطل کر دی۔

تنبیہ۔ منجملہ اقوال واہیہ اہل خلاف کے جو سراسر خلاف عقل وانصاف ہیں یہ ہے کہ معاویہ کے باوجود تمام برائیوں اور رذائل کہ جو حد شمار سے زائد تھیں بلکہ احاطۂ وہم وگمان سے خارج نہیں اور باوجود اس کے کہ اس کو ظالم اور باغی کہتے ہیں اور ولـد الـزنـا جانتے ہیں چنانچہ زمخشری نے جو مشائخ علمائے سنی حنفیہ میں سے ہیں۔ کتاب ربیع الابرار ہیں اس کی تصریح کی اور کہا ہے کہ چار شخص مدعی تھے کہ معاویہ میرا فرزند دلبند ہے باوجود ان تمام امور کے اکثر علماء ان کے معاد پر لعنت جائز نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ ہم اس مسئلہ میں متوقف ہیں حالانکہ لعنت کے معنی محض خدا کی رحمت سے دوری کے ہیں اور کوئی شک نہیں ہے کہ جس شخص میں ایسے صفات قبیحہ ورذیلہ ہوں اور وہ نطفۂ حرام بھی ہو تو وہ رحمتِ خدا سے یقیناً دور رہے گا اور حدیث ''ولـد الـزنـا لا يفلح'' یعنی ولد الزنا فلاح نہ پائے گا اس امر پر دلیل قاطع ہے علاوہ بریں زمخشری نے اسی کتاب میں روایت کی ہے کہ جناب رسالت مآب کھڑے تھے ناگاہ دور سے ابوسفیان نظر آیا جو ایک گدھے پر سوار تھا اور یزید اس کا بڑا بیٹا آگے سے اس گدھے کو کھینچ رہا تھا اور معاویہ پیچھے سے ہنکا رہا تھا جب آپ کی نظر ان پر پڑی تو فرمایا: ''لعن اللہ مراکب القائد السائق'' یعنی خدا سوار اور کھینچنے والے اور ہانکنے والے تینوں پر لعنت کرے۔ ایک شاعر غزنوی نے کیا خوب کہا ہے:۔ شعر

داستانِ پسر ہند مگر نشنیدی — کہ از و فرسہ کسے او بہ پیغمبرؐ چہ رسید
او بناحق داماد پیغمبرؐ بگرفت — پسرِ او سرِ فرزند پیغمبرؐ ببرید
پدر او لب و دندانِ پیغمبرؐ بشکست — مادر او جگرِ عم پیغمبرؐ بمکید
بر چنیں قوم تو لعنت نہ کنی شرمت باد — لعن اللہ یزید اُو علیٰ قوم یزید

''یعنی کیا تو نے پسر ہند یعنی معاویہ کی داستان نہیں سنی؟ کہ اس سے اور اس کے تین عزیزوں سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو کیا کیا صدمے پہونچے۔ اس نے ناحق داماد پیغمبرؐ یعنی حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کا حق لے لیا اور ان کے بیٹے یزید نے فرزند پیغمبرؐ یعنی جناب حضرت امام حسینؑ کا سر جسم اطہر سے جدا کیا اور اس کے باپ ابوسفیان نے خود جناب پیغمبر خدا صلعم کے لب و دندان مبارک پتھر سے توڑے اور اس کی ماں ہندہ نے حضرت رسول خدا صلعم کے چچا حضرت حمزہؓ کا جگر مبارک جسم اطہر سے علیحدہ کر کے چبایا۔ ایسی قوم پر تو لعنت نہیں کرے یہ بڑی شرم کی بات ہے۔ لعنت کرے خداوند عالم یزید اور اس کی قوم پر۔''

ابوذر جندب بن جنادۃ الغفاری

جناب رسالت مآب صلعم کے کبار صحابہ میں سے تھے اور قدیم الاسلام تھے چنانچہ صرف تین آدمیوں کے بعد مشرف باسلام ہوئے۔ صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ وہ ظرف علم تھے اور زہد و ورع حق گوئی میں اپنے اقران و امثال سے سبقت لے گئے تھے یہاں تک کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آسمان نے سایہ نہیں ڈالا اور زمین نے نہیں اٹھایا کسی ایسے شخص گویا کو جو ابوذر میں مثل عیسیٰ مریم کے ہے ان کے زہد میں۔ اور حضرت علیؑ سے کسی نے ابوذر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ، ایک ایسے شخص ہیں علوم دینیہ اور مسائل یقینیہ میں جو کچھ انہوں نے سیکھا اور یاد کیا ہے دوسرے اس کے سمجھنے سے عاجز ہیں۔ منقول ہے کہ ابوذر بعد اسلام لانے کے احکام خدا تعلیم دینے کے لئے اپنی قوم میں تشریف لے گئے تھے اور جب جنگ بدر واحد وخندق واقع ہوئی اس زمانہ میں یہ اپنی قوم کی ہدایت میں مشغول تھے پھر مدینہ میں حضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وقت وفات آنحضرت تک مشغول خدمت رہے۔

خلافت عمر کے زمانہ میں بہ نیت جنگ ملک شام کی طرف گئے اور خلافت عثمان کے زمانہ تک وہیں رہے۔

معاویہ بن ابی سفیان جو کہ عثمان کی طرف سے وہاں کا حاکم تھا اور طرح طرح کے دنیاوی تجملات اور تعمیر عمارت میں مشغول تھا ابوذر اس کی تنبیح و سرزنش فرمایا کرتے تھے کہ اعمال و افعال تیرے مطابق سنت جناب ختمی مرتبت نہیں ہیں۔ منقول ہے کہ ایک روز معاویہ نے اپنے دربار میں بیت المال کا نام بیت مال اللہ رکھا تھا۔ ابوذر نے کہا کہ تو بیت مال اللہ اس وجہ سے کہتا ہے کہ روز قیامت تیرا حساب محض خدا کے ساتھ پڑے۔ تجھے بیت المال المسلمین کہنا چاہئے۔ اور اس دنیا میں بھی اس کے حساب سے اپنے کو پاک رکھنا چاہئے۔ معاویہ کو یہ کلمات برے معلوم ہوئے اس نے عثمان کو ایک خط اس مضمون کا لکھا کہ اگر آپ کو ملک شام کی احتیاج ہے تو ابوذر کو کسی دوسرے ملک میں بھیج دیجئے۔ اس لئے کہ وہ یہاں کی خلائق کو آپ سے بدعقیدہ کر رہے ہیں۔ عثمان نے بذریعہ ایک خط کے ابوذر کو بلا بھیجا ابوذر طوعاً و کرہاً مدینہ کی طرف روانہ ہوئے لیکن وہاں پر پہونچ کر عثمان کے گناہوں اور اقوال و اعمال پر اعتراض کرنا شروع کیا اور جو اس کو دیکھتے تھے تو یہ آیت پڑھتے تھے۔

"یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکویٰ بھا جباھھم وجنوبھم"

اس سے اشارہ یہ تھا کہ عثمان بھی منجملہ ان لوگوں کے ہے جو خزانے جمع کرتے ہیں اور جہنم میں وہی چاندی و سونا گرم کر کے ان کی پیشانیاں اور پہلو داغے جائیں گے۔

منقول ہے کہ ایک روز ابوذرؓ نے عثمان سے فرمایا کہ زکوٰۃ دینے والے کو چاہئے کہ محض اپنے

اقارب و اعزا پر مال زکوٰۃ منحصر نہ رکھے۔

کعب الاخبار نے جو عثمان کا یار غار تھا کہا کہ جس نے فریضہ ادا کر دیا حق خدا اس سے ساقط ہو گیا، ابوذر نے فرمایا کہ اے پسر یہودیہ تجھے کیا حق ہے کہ تو مجھے جواب دے قسم خدا کی یہودیت تجھ سے خارج نہیں ہوئی اور ایک چھڑی کعب الاخبار کے سر پر ماری۔ الغرض عثمان ابوذر کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاب نہ لا سکا اور ابوذر کو ربذہ جانے کا حکم دیا جو وہاں کے بدترین مقامات میں سے تھا اور اس پر اکتفا نہیں کی بلکہ حکم دیا کہ وہ کسی مسلمان کے فتوے کا جواب نہ دیں باوجودیکہ پیغمبر خداؐ نے ابوذر کی صداقت کے متعلق جو کچھ فرمایا وہ ظاہر ہے پھر حکم دیا کہ ابوذر کے پہونچانے کے لئے کوئی شخص نہ جائے لیکن حضرت امیر المومنینؑ اور عمار یاسر پہونچانے کے لیے شہر کے باہر تشریف لے گئے مروان سے راہ میں ملاقات ہوئی اور اس نے کہا کہ تم لوگوں سے کیوں ایسا فعل سرزد ہوا جو خلیفہ عثمان کے حکم کے خلاف ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام اور مروان سے اس بارے میں گفتگو ہوئی اور حضرت نے ایک تازیانہ اس کے خچر کے دونوں کانوں کے بیچ میں مارا مروان نے جا کر عثمان سے شکایت کی جب حضرت سے اور عثمان سے ملاقات ہوئی تو عثمان نے کہا کہ مروان کو آپ سے شکایت ہے کہ آپ نے اس کے خچر کے دونوں کانوں کے درمیان تازیانہ مارا حضرت امیرؑ نے جواب دیا کہ میرا اونٹ دروازہ پر کھڑا ہے حکم دو کہ مروان باہر جا کر اس کے دونوں کانوں کے درمیان تازیانہ مار دے حاصل کلام ابوذر مع اہل و عیال ربذہ میں پہونچے اور وہاں ان پر ایسی مصیبت پڑی کہ وقت وفات کوئی ایسا کپڑا نہ تھا جو ان کے کفن کے کام آ سکتا۔ لیکن حسب پیشگوئی جناب رسالتمآب صلعم ایک گروہ غیب سے ظاہر ہوئے جس نے ان کی تجہیز و تکفین کی۔

ترجمہ فتوح احمد بن عاثم کوفی مذکور ہے کہ جب عمارؓ کے اذیت دینے کی خبر ابوذر کو شام میں پہونچی تو انہوں نے عثمان کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔

معاویہ نے عثمان کو خط میں وہ باتیں لکھیں اور لکھا کہ بعد مراسم خدمت و دعا کے معاویہ بن صخر خدمت امیر المومنین عثمان میں عرض کرتا ہے کہ ابوذر نے ملک شام کی خلقت کو آپ سے پھیر دیا ہے جب ابوبکر و عمر کا ذکر آتا ہے تو ان کی خوبیاں بیان کرتے ہیں اور جب آپ کا ذکر آتا ہے تو برے کلمات کہتے ہیں۔ ملک شام و مصر میں ان کا رہنا مصلحت نہیں ہے اس لئے کہ ان ملکوں کے لوگ فتنہ دوست ہیں۔ اب آپ کا جو حکم ہو اس کے مطابق کیا جائے۔ والسلام

جب معاویہ کا یہ خط عثمان کو پہونچا تو اس نے جواب لکھا کہ "خط تمہارا پہونچا تم نے جو کچھ ابوذر کا حال لکھا معلوم ہوا تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ بمجرد اس خط کے دیکھنے کے ابوذر کو ایک شریر و سخت سواری پر

سوار کر کے ایسے ہنکانے والے کے ساتھ بھیج دو جو روز شب ہنکاتا رہے تاکہ وہ نہ سوسکیں۔ اوران پر نیند غالب ہو جو میری اور تمہاری یاد ان کے دل سے بھلادے۔ جب یہ حکم معاویہ کو پہونچا تو اس نے ابوذرؓ کو ایک سخت کوہان والے شریر اونٹ پر بغیر کسی زین وچار جامہ وغیرہ کے سوار کیا ایک ظالم اور کج خلق آدمی کو ہمراہ کیا اور اس سے تاکید کردی کہ روز وشب اونٹ کو ہنکاتا رہے اور راستہ میں کسی جگہ نہ ٹھہرنے دے اور نہ اترنے دے جب تک **مدینہ** نہ پہونچادے۔ حضرت **ابوذرؓ** بلند قامت اور لاغر اندام تھے اور بڑھاپا پورا اثر کرچکا تھا سر وریش کے بال بالکل سفید تھے اور نہایت نحیف وضعیف ہوگئے تھے۔ راہبر اونٹ کو بہت تیزی سے ہنکاتا تھا۔ اور اونٹ پر کوئی چارہ وغیرہ نہ تھا۔ یہاں تک کہ حضرت **ابوذرؓ** کے پاؤں مجروح ہوگئے اور رانوں کا گوشت جدا ہوکر گرنے لگا۔ جب یہ مدینہ پہونچے اور عثمان سے ملاقات ہوئی تو عثمان نے کہا کہ اے **جندب** کوئی آنکھ تمہیں دیکھکر روشن نہ ہو۔

ابوذرؓ نے فرمایا کہ بیشک میرے باپ **جنادہ** نے میرا نام **جندب** رکھا ہے۔ جناب رسول خدا صلعم نے میرا نام **عبداللہ** رکھا ہے **عثمان** نے کہا کہ تم پیغمبر خدا پر تہمت کرتے ہو اور انکی طرف سے بیان کرتے ہو کہ خدا فقیر ہے اور ہم لوگ مالدار ہیں۔

ابوذر نے کہا کہ یہ کلمہ ہرگز میری زبان پر جاری نہیں ہوا لیکن رسالت مآبؐ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب ابوالعاص کی اولاد میں تیس (۳۰) آدمی ہوجائیں گے تو وہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے مال کو اپنے لئے وسیلۂ دولت واقبال قرار دیں گے اور بندگانِ خدا کو اپنا نوکر اور خدمت گار بنائیں گے اور دین میں خیانت کریں گے پھر خدا ہی اپنے بندوں کو ان سے خلاصی دے گا۔

عثمان نے حاضرین دربار سے پوچھا کہ "تم لوگوں نے کبھی آنحضرت صلعم سے یہ حدیث سنی ہے"؟

سب نے جواب دیا کہ ہم نے نہیں سنی"

عثمان نے ابوذر سے کہا کہ تم حضرت رسول خدا پر تہمت رکھتے ہو۔

حضرت ابوذر نے حاضرین دربار سے فرمایا کہ کیا تم لوگوں کا گمان ہے کہ میں یہ بات جھوٹ کہہ رہا ہوں۔

ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے کہ آپ جھوٹ کہتے ہیں یا سچ۔

عثمان نے حکم دیا کہ کوئی ابن ابی طالبؑ کو بلالائے۔ جب حضرت امیرؑ تشریف لائے تو عثمان نے ابوذر سے کہا کہ جو حدیث ابھی تم بیان کرتے تھے پھر بیان کروتا کہ ابوالحسنؑ سنیں۔

ابوذر نے وہ حدیث بیان کی۔

عثمان نے حضرت امیر علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ نے کبھی یہ حضرت رسالت مآبؐ سے سنا ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ ابوذر ہرگز جھوٹ نہیں بولتے۔

عثمان نے کہا آپؑ کس سبب سے ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

حضرتؑ نے ارشاد فرمایا اس لئے کہ جناب رسالت مآبؐ سے میں نے سنا ہے۔ کہ "آسمان نے کسی پر سایہ نہیں ڈالا اور زمین نے کسی کو نہیں اٹھایا جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو۔"

حاضرین مجلس نے بھی یک زبان ہوکر کہا کہ ابوذر سچ کہتے ہیں۔

ابوذر نے فرمایا کہ میں نے یہ حدیث بنی العاص کے بارہ میں جناب رسالت مآبؐ کے الفاظ سے نقل کی ہے اور تم لوگ اس کو جھوٹ کی نسبت دیتے ہو۔ میں تم لوگوں سے اپنے بارہ میں ایسی امید نہ رکھتا تھا۔

عثمان نے کہا کہ تم جھوٹ بولتے ہو اور فتنہ جوئی کرتے ہو اور فتنہ پردازی کو دوست رکھتے ہو۔

ابوذر نے فرمایا کہ تم ابوبکر وعمر کے طریقہ پر چلتے ہو تو تم پر کوئی اعتراض نہ کرسکے۔

عثمان نے کہا کہ تمہیں ان باتوں سے کیا مطلب؟

ابوذر نے فرمایا کہ اپنا کوئی گناہ سوائے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نہیں جانتا ہوں کہ اگر یہ گناہ کی باتیں ہیں تو میں گناہ گار ہوں۔

عثمان کا غصّہ اور زیادہ بڑھا اور اس نے لوگوں سے کہا کہ اس بڈھے کذاب کے ساتھ کیا کروں جو برابر فتنہ انگیزی کرتا ہے اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالتا ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ان کو رنج نہ دو اگر وہ اس روایت میں جھوٹے ہیں تو گناہ کذب میں ماخوذ ہوں گے اور اگر سچے ہیں تو اس کا اثر خود ہی ظاہر ہی ہوجائے گا۔

عثمان نے حضرت امیر علیہ السلام کی یہ باتیں پسند نہیں کیں۔ حضرتؑ نے ارشاد فرمایا کہ یہ نہایت بے انصافی ونامناسب بات ہے کہ جو تم ابوذر کے حق میں کرتے ہو درحالیکہ وہ رسول خدا صلعم کے دوست ہیں اور تم نے صرف معاویہ کے لکھنے کے سبب سے ان کے ساتھ ایسا برابرتاؤ کیا حالانکہ معاویہ کے ظلم وفساد اور فتنہ وعناد سے تم خود واقف ہو۔ عثمان خاموش ہورہا اور حضرت کی بات کا جواب نہیں دیا۔ پھر ابوذر سے مخاطب ہوکر کہنے لگا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔

ابوذر نے فرمایا کہ میں خود ایسا ہی کروں گا مجھے تمہاری ہم سائیگی میں رہنا گوارا نہیں ہے۔ اگر کہو تو شام چلا جاؤں۔

عثمان نے کہا کہ شام ہی سے تو تم کو ہم نے بلایا ہے۔ تم نے وہاں کے لوگوں کو ہم سے پھیر دیا۔ اب وہاں جانے کی اجازت نہیں مل سکتی۔

ابوذر نے کہا کہ اچھا عراق چلا جاؤں۔"

عثمان نے جواب دیا کہ وہاں جانے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اہل عراق ہمیشہ امرا

اور ائمہ پر طعن کرتے ہیں اور فتنہ برپا کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔

ابوذر نے کہا کہ میں جہاں رہوں گا سخنِ حق کہوں گا۔ اب تم بتاؤ مجھے کہاں جانے کا حکم دیتے ہو۔

عثمان نے حکم دیا کہ ربذہ میں چلے جاؤ اور سوائے اس موضع کے کسی دوسری جگہ نہ جاؤ۔

پس مروان کو حکم دیا کہ ابوذر کو ایک اونٹ پر سوار کر کے مدینہ سے باہر لے جاؤ اصحاب رسولؐ ابوذر کے ساتھ ایسا سخت برتاؤ کرنے سے نہایت رنجیدہ ہوئے اور حضرت امیر معہ حسنین علیہم السلام اور عبداللہ بن عباس اور عمار یاسر اور مقداد بن اسود رضی اللہ عنھم کے ابوذر کو پہونچانے کے لئے تشریف لے گئے اور ان کو بہت تسلی و تسکین دی اور امر بصبر فرمایا۔

مروان بن حکم نے کہا کہ کیا امیر المومنین عثمان نے منع کیا ہے کہ کوئی ان کو پہونچانے نہ جائے؟ حضرت امیر علیہ السلام کو یہ بات ناگوار ہوئی اور آپ نے اس کے خچر کے دونوں کانوں کے درمیان میں تازیانہ مارا اور فرمایا کہ "دور ہوائے کرنجی عورت کے بیٹے تجھے کیا حق ہے کہ ہمارے فعل پر اعتراض کرے۔"

الغرض ابوذر اسی حالت سے ربذہ کی طرف روانہ ہوئے مروان بن حکم عثمان کے پاس گیا اور حضرت امیرؑ کی شکایت کی عثمان نے کسی کو بھیجکر حضرتؑ کو بلا بھیجا اور کہا کہ "کیا میں نے حکم نہیں دیا تھا کہ کوئی شخص تم میں سے مدینہ سے باہر نہ جائے آپ کیوں گئے اور اپنے ساتھ اور لوگوں کو کیوں لے گئے حضرت نے فرمایا کہ "تمہارا حکم ماننا ہم پر واجب نہیں ہے"

عثمان نے کہا کہ مروان کو آپ سے شکایت ہے کہ آپ نے اسے دشنام دی اور اس کے خچر کے دونوں کانوں کے درمیان میں تازیانہ مارا آپ اس سے معافی مانگئے۔ اور اس کے دل کو خوش کیجئے۔

حضرتؑ نے فرمایا کہ میرا اونٹ کھڑا ہوا ہے وہ اس کے دونوں کانوں کے درمیان میں تازیانہ مارے لیکن دشنام وہ نہیں دے سکتا۔ قسم خدا کی اگر اس نے مجھے دشنام دی تو میں اس کا جواب تلوار سے دوں گا وہ میرا کفو نہیں ہے" یہ فرما کر حضرت غصہ میں اٹھ گئے اور عثمان ساکت رہا۔

جب ابوذر مقام ربذہ میں پہونچے تو اسی ویران مقام میں بسر کرتے تھے البتہ حج کے زمانہ میں حجاج اس طرف سے گزرتے تھے تو ان سے ملاقات ہوتی تھی اور وہ تحفہ ان کے لئے لے جاتے تھے لیکن وہ قبول نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہیں وفات پائی ان کی مصیبتوں اور زحمتوں کی تفصیل جو عثمان کے سبب سے ان پر پڑیں کتاب استیعاب وغیرہ میں مذکور ہیں نیز صاحب استیعاب نے لکھا ہے۔ کہ اَعْمش نے عبدالرحمٰن بن اعشم سے روایت کی ہے۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں ایک روز ابوذر کے پاس تھا کہ اتنے میں ایک شخص اہل مدینہ سے آیا ابوذر نے اس سے پوچھا کہ ابوذر کو تم نے کہاں چھوڑا اس نے

جواب دیا کہ ربذہ میں ابوذر نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" کہا اور کہا کہ اگر ابوذر میرے جسم کا کوئی عضو جدا کر ڈالتے جب بھی میں ان سے جدائی نہ اختیار کرتا۔ بسبب ان فضائل کے جو میں نے پیغمبرؐ خدا سے انکے بارہ میں سنے ہیں۔

شیخ اجل ابوالفتوح رازی نے آیہ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحاً" الخ کی تفسیر میں معروف بن جزنود سے روایت کی ہے اور انہوں نے ایک گروہ تابعین سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ ایک سال موسم حج میں لوگوں سے احادیث بیان کر رہا تھا۔ ناگاہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اعرابیوں کی ہیئت میں تھا اور عمامہ سیاہ سر پر باندھے ہوئے تھا۔ جب میں کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو وہ بھی ایک حدیث بیان کرتا تھا۔ یہاں تک کہ جب فارغ ہوا تو کہنے لگا کہ اے گروہ مردم جس نے مجھے پہچانا ہو اس نے تو پہچانا ہی اور جس نے نہ پہچانا اسے میں مطلع کرتا ہوں کہ میں جُندُب بن جنادہ ابوذر غفاری ہوں اور میں صحابی ہوں جناب رسول کا۔ میں نے حضرت کو اسی جگہ پر فرماتے ہوئے سنا اور اگر نہ سنا ہو تو بہرہ ہو جاؤں۔ جبکہ آنحضرت صلعم نے پکار کر فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحاً وَّاٰلَ اِبْرَاہِیْمَ وَاٰلَ عِمْرَانَ عَلَی الْعَالَمِیْن ذریۃ بَعْضُھا مِن بعض وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْم ☆ یعنی خداوند عالم نے برگزیدہ کیا ہے۔ آدمؑ و نوحؑ و ال ابراہیمؑ وال عمرآن کو عالمین پر درحالیکہ ذرّیت ہیں بعض سے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

پھر آن حضرتؐ نے ارشاد فرمایا لیکن ذرّیت پس نوحؑ سے ہے اور ال ابرہیم سے ہے اور سُلالہ اسمعیلؑ سے ہے اور عترت ہادیہ ذریت طاہرہ محمدؐ سے ہے اور صدیق اکبر علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں ،پس اے امت متحیرہ بعد اپنے نبی کے اگر تم اسی کو مقدم کرتے جس کو خدا اور رسولؐ نے مقدم کیا تھا اور اس کو موخر کرتے جس کو خدا اور رسولؐ نے موخر کیا تھا تو ہرگز ولی خدا محتاج نہ ہوتا اور امت میں سے راہ خدا میں کوئی حیران نہ ہوتا اور کوئی امت بعد اپنے نبیؐ کے مختلف نہ ہوتی لیکن یہ کہ تاویل اس کی اہل سنت سے معلوم ہو سکتی ہے پس اپنے کئے ہوئے کا مزہ چکھو اور عنقریب ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس طرح پلٹا کھاتے ہیں۔

شیخ ابوالفتوح کراجکو نے کنز الفوائد میں ابن عباس سے روایت کی ہے ابن عباس فرماتے ہیں کہ "میں نے ابوذر کو خانہ کعبہ کے حلقہ میں لٹکے ہوئے دیکھا درحالیکہ وہ لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ جو مجھے پہچانتا ہے تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا میں اسے اپنا نام بتاتا ہوں کہ میں **جندب ربذی ابوذر** غفاری ہوں۔ میں نے رسولؐ اللہ کو سال گذشتہ دیکھا ہے کہ آنحضرت صلعم بھی اس حلقہ کو پکڑے ہوئے تھے اور فرماتے تھے کہ:۔

ایھا الناس اگر تم اتنے روزے رکھو کہ مثل تانت کے دُبلے ہو اور اگر اتنی نمازیں پڑھو کہ مثل

کمان کے خم ہو جاؤ اور اتنی دعائیں کرو کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤ یعنی اس خضوع خشوع سے دعائیں مانگو کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤ یا یہ کہ دعوت اسلام اس طرح سے کرو۔ کہ کفار تم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور پھر تم بغض رکھو علیؑ بن ابی طالبؑ سے تو خداوند عالم تم کو اوندھے منہ آتش جہنم میں پھینک دے گا۔ اے ابوالحسن کھڑے ہو اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو بتحقیق کہ خداوند عالم نے مجھ کو اور تم کو ایک ہی شجرہ سے پسند کیا ہے میں اس کی اصل ہوں اور تم اس کی فرع پس جو شخص اس کی فرع کو قطع کرے خداوند عالم اس کو منہ کے بھل جہنم میں پھینک دے گا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ علیؑ سید المسلمین اور امام المتقین ہیں۔ ناکثین۔ مارقین و جاحدین کو قتل کریں گے۔

علیؑ کو مجھ سے وہی منزلت ہے جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی۔ لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی بھی نہیں ہے۔

بریدبن الحصین الاسلمی

اخیار صحابۂ جناب سید المرسلین صلعم سے تھے اور علامہ حلی علیہ الرحمہ نے کتاب خلاصۃ الاقوال میں ان کو منجملہ مقبولین اور خواص شیعہ امیر المومنین سے شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ منجملہ سب سے پہلے حضرت امیر علیہ السلام کی طرف رجوع کرنے والوں کے ایک وہ بھی تھے اور دوسرے بُرائۃِ مالک۔

صاحب روضۃ الصفا نے مؤلف ضعیۃ سے نقل کیا ہے کہ جب خبر وفات جناب رسالت مآبؐ برید کو پہونچی تو انہوں نے اپنے قبیلہ میں ایک علم مرتب کیا اور اسے لیکر مدینہ میں آئے اور حضرت امیر علیہ السلام کے دروازہ پر نصب کر دیا۔ عمر کو جب اس امر کی اطلاع ہوئی تو اس نے کہا کہ خلائق نے ابوبکر کی بیعت کر لی اور کوئی اظہار مخالفت نہیں کرتا تم کیوں مخالفت کرتے ہو۔

بُرید نے جواب دیا کہ میں سوائے اس گھر کے مالک کے اور کسی سے بیعت نہیں کروں گا۔

آخر کار لوگوں نے مجمع کیا اور بُرید کو زبردستی خوف دلا کر اور ڈرا کر جس طرح سے اور دوسرے دوستان امیر المومنینؑ سے بیعت لی تھی اسی طرح ان سے بھی بیعت لی۔

بُرید نے جنگ صفین میں حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ ہو کر جہاد کیا اور کبھی حضرت سے انحراف کر کے دوسرے کی طرف، جوع نہیں کی۔ شعر

چنان از جانب او جانب غیرے رود عاقل
کہ ہر جانب کہ او رفتہ است حق باشد بداں جانب

"یعنی کیونکر انکی طرف سے دوسری طرف کوئی عاقل جا سکتا ہے اس لئے کہ جس طرف وہ جاتے ہیں حق اسی طرف جاتا ہے"۔ مروی ہے کہ آخر عمر میں بُرید بہ قصد جہاد صرو کی طرف گئے تھے اور وہیں انتقال فرمایا۔

خالد بن سعید امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف بن قُصّی القرشی الاموی

ان کی کنیت ابوسعید ہے اور سابقین اولین میں سے ہیں ان کا اسلام ابوبکر کے اسلام پر مقدم ہے بلکہ ابوبکر انکا خواب سنکر مسلمان ہوئے۔

خالد کے اسلام لانے کا سبب ہوا کہ ایک مرتبہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ آگ بھڑک رہی ہے اور یہ اس کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں باپ ان کا چاہتا ہے کہ انہیں اس آگ میں گرا دے ناگاہ جناب رسالت مآبؐ نے ان کا گریبان پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹ لیا اور فرمایا کہ میری طرف چلے آؤ تاکہ آگ میں نہ گرو۔

خالد جب اس خواب ہولناک سے بیدار ہوئے تو انہوں نے قسم کھائی کہ میرا خواب صحیح ہے اور رسالت مآب صلعم کی خدمت میں روانہ ہوئے راستہ میں ابوبکر سے ملاقات ہوئی انہوں نے حالت پوچھی تو انہوں نے بیان کی ابوبکر ان کے ساتھ ہو لئے۔ دونوں ایک ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

اور کتاب اصابہ اور کتاب اسد الغابہ میں مذکور ہے کہ جب خبر اسلام خالد ان کے والد کو ملی تو انہوں نے اپنے اور بیٹوں کو بھیجا کہ خالد کو لے آئیں جب وہ انہیں لائے تو باپ نے بہت اذیت پہونچائی اور گھر سے نکال دیا اور دوسرے بیٹوں کو حکم دیا کہ ان کا کھانا پینا بند کر دو اور کوئی ان کے ساتھ ہمزبانی اور موافقت نہ کرے۔ خالد نے بھی اس پر تبرّا کیا اور کہا کہ جس خدا نے مجھے راہ حق دکھائی ہے وہ میری روزی بھی پہونچا دے گا اور حضرت پیغمبر صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شب و روز آپ ہی کے دسترخوان پر کھاتے پیتے اور بسر کرتے تھے۔ لیکن اپنے باپ سے بہت ڈرتے تھے لہٰذا جب مسلمانوں نے جبش کی طرف ہجرت کی تو یہ بھی اپنی زوجہ اُمیمہ بنت خالد الخزاعی کو ساتھ لیکر جبش چلے گئے اور وہیں ان کا لڑکا سعید اور ایک بیٹی پیدا ہوئی خالد کے بھائی عمر بن سعید نے بھی ان کے ساتھ موافقت کی اور روز جنگ خیبر دونوں بھائی حضرت جعفرؑ طیار ابن ابی طالبؑ کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور جنگ خیبر و مکہ و حنین و تبوک اور طائف میں شریک رہے بعد ازاں حضرت رسالت مآب صلعم نے خالد کو عامل صدقات یمن قرار دیا اور ان کے بھائی ابان کو عامل بحرین اور دوسرے بھائی عمر کو عامل تیما و خیبر و عرینہ مقرر فرمایا۔ اور یہ لوگ حضرت کی وفات تک اپنے کام میں مشغول رہے۔ لیکن جب حضرت کی خبر وفات پہونچی تو فوراً کام چھوڑ کر مدینہ چلے آئے جب ابوبکر نے ان لوگوں سے کہا کہ تم نے کام سے کیوں ہاتھ روک لیا تو خالد نے جواب دیا کہ ہم پیغمبر خدا صلعم کے بعد کسی کی خدمت نہ کریں گے اور انہوں نے

ابوبکر کی بیعت سے اختلاف کیا اور وہ شعر کہا خلاصہ یہ ہے:-

یعنی ''اے بنی ہاشم تم شجر بلند و پاک و پاکیزہ سے ہو تم لوگ ولی ہو یعنی مالک ہو اور ہم تمہارے تابع ہیں۔''

ابوالھیثم مالک بن التیھان الانصاری

کبار صحابہ سید ابرار سے تھے اور عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ میں منجملہ نقبا تھے اور تمام جنگوں اور غزوات میں حضرتؐ کے ساتھ کفار سے جہاد کیا۔

صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ ابوالھیثم بن التیھان نقیب پیغمبرؐ تھے اور امیر المومنین علی علیہ السلام کے بڑے مجاہدین میں سے تھے۔

اور کتاب کامل بہائی میں لکھا ہے کہ جنگ صفین میں خزیمہ بن ثابت اور ابوالھیثم انصاری بہت کوشش کرتے تھے اور امیر المومنینؑ کی تصرف میں مشغول تھے حضرت نے فرمایا کہ اگرچہ ان لوگوں نے ابتداء میں مجھے چھوڑ دیا تھا لیکن آخر میں توبہ کی اور سمجھ گئے کہ جو کچھ ہم نے کیا تھا برا تھا۔

علامہ حلی علیہ الرحمہ نے کتاب خلاصۃ الاقوال میں لکھا ہے کہ وہ سابقین صحابہ میں سے ہیں جنہوں نے حضرت امیر علیہ السلام کی طرف رجوع کی اور جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

اور کتاب استیعاب میں لکھا ہے کہ مالک بن الیتھان بن مالک ابوالھیثم البلوی مُرتبل بن الحاق بن قضاعہ انصاری کو ایک گروہ اہل علم نے کہا ہے کہ یہ قبیلہ اوس سے تھے اور اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں جنگ بدر و اُحد اور تمام مشاہد میں شریک رہے اور صفین میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ ۳۷ھ میں شہید ہوئے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ صفین میں علی علیہ السلام کے ساتھ تھے لیکن بعد کو اپنی موت سے مرے اور ان کے بھائی عبید ۳۷ھ میں جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

عثمان بن حنیف الانصاری

علامہ حلی علیہ الرحمہ نے خلاصۃ الاقوال میں لکھا ہے کہ یہ بھی منجملہ انسابقین صحابہ کے ہیں جنہوں نے حضرت امیر علیہ السلام کی طرف رجوع کی اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے کہ وہ پہلے عمر کی طرف سے عامل تھے پھر حضرت امیر علیہ السلام نے ان کو عامل مقرر کیا عمر نے ان کو والی

پیمائش عراق قرار دیا تھا اور اس امر پر بھی مقرر کیا تھا کہ خراج و جزیہ اہل عراق سے لیتے رہیں اور امیر المومنینؑ نے ان کو والی بصرہ قرار دیا اور جب طلحہ و زبیر بصرہ میں آئے تو ان کو نکال دیا اور وہ حضرت امیرؑ کے پاس چلے گئے۔

سید المحدثین نے کتاب تحفۃ الاحباء میں لکھا ہے کہ جب عثمان بن حنیف لشکر طلحہ و زبیر و عائشہ کے آنے سے واقف ہوئے تو ایک شخص کو بھیج کر دریافت کرایا کہ تم لوگوں کا یہاں آنے سے کیا مقصود ہے عائشہ نے کہلا بھیجا کہ ایک گروہ سفہاء نے مختلف شہروں سے جمع ہو کر عثمان بن عفان کو بے گناہ قتل کر ڈالا چونکہ میں مادر مومنین ہوں لہٰذا فوج لے کر آئی ہوں کہ ان کے خون کا انتقام لوں۔

قاصد عثمان بن حنیف نے یہ جواب عثمان کو پہونچایا اور عائشہ اور طلحہ اور زبیر کو جس طرح ایک لشکر آراستہ کے ساتھ جنگ پر آمادہ دیکھا تھا بیان کیا کہ یہ لوگ شہر بصرہ کے باہر صف کشی کئے ہوئے ہیں۔

عثمان بن حنیف نے فوج بصرہ کو جو ان کے زیر حکم تھی اور امیر المومنینؑ کے تابع تھی جمع کیا اور بارادۂ مقابلہ ان کے روبرو کھڑے ہوئے پس طلحہ دونوں صفوں کے درمیان میں آیا اور ایک خطبہ پڑھا اور لوگوں کو خون عثمان کے انتقام لینے پر ترغیب دلائی اور فضائل و مناقب عثمان کے ظاہر کئے پھر زبیر نے بھی ایسا ہی خطبہ پڑھا پھر عائشہ نے بھی اسی طرح کی تقریر کی اہل بصرہ نے جب ان تینوں آدمیوں کے خطبے سنے تو ان کے دو گروہ ہو گئے بعضوں نے ان تینوں کی موافقت کی اور بعضوں نے یہ خیال کر کے یہ حضرت علی علیہ السلام کی مخالفت کر رہے ہیں طلحہ و زبیر پر اعتراض کیا اور اگر یہی بات تھی تو تم نے پہلے حضرت علی علیہ السلام سے کیوں بیعت کی اور اب خون عثمان کے بہانے سے سلطنت کرنا چاہتے ہو۔ بعض اصحاب رسولؐ نے جو لشکر عثمان بن حنیف میں تھے باآواز بلند پکار کر کہا کہ قسم خدا کی عثمان بن عفان کا مارا جانا رسالت مآبؐ کے اوپر بہ نسبت اس امر کے سبک و آسان ہے کہ ان کے حرم محترم کو ایسی جگہ پر لایا جائے اور عائشہ کے ہودج کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اگر تم خود آئی ہو تو ہم کو تم سے لڑنا چاہئے اس لئے کہ تم نے اس پردہ عصمت کو چاک کیا جو پیغمبرؐ خدا نے تمہارے لئے مقرر کیا تھا اور ہم پر لازم ہے کہ ہم تمہیں واپس کر دیں اور اگر یہ لوگ تمہیں دھوکا دیکر لائے ہیں تو ہم لوگوں کو ان سے لڑنا چاہئے کہ یہ اس امر قبیح کے مرتکب ہوئے کہ اپنی عورتوں کو تو پردے میں بٹھایا اور حرم رسول خدا کو خلیفۂ حق کے مقابلہ میں لڑنے کیلئے میدان جنگ میں لائے۔ اس کے بعد حکیم بن جبلہ نے لشکر عثمان بن حنیف سے نکل کر لشکر عائشہ پر حملہ کر دیا۔

جانبین سے جنگ شروع ہو گئی اور دن بھر لڑائی جاری رہی جب شب ہوئی تو دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ پر واپس آئے۔ پھر دوسرے روز اسی طرح سے جنگ و جدل شروع ہوئی یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت آ گیا دونوں فوجیں تھک گئیں اور لڑائی سے ہاتھ روک لیا۔

عائشہ نے کہا کہ ہم فتنہ مٹانے اور مسلمانوں کے خون کی حفاظت کرنے کے لئے آئے ہیں نہ فتنہ برپا کرنے اور خون مسلمانوں کے بہانے کے لئے لہٰذا آپس میں صلح کر لینی چاہیے۔

عثمان بن حنیف نے کہا کہ ہم تم سے اس وقت تک صلح نہیں کر سکتے جب تک کہ تم طلحہ و زبیر کو اپنی پاس سے دور نہ کرو اس لئے کہ ان لوگوں نے خلیفۂ برحق کی بیعت کو توڑا ہے غرض کہ وہ دن یوں ہی گزرا جب شب ہوئی تو طلحہ و زبیر نے عثمان بن حنیف کے لشکر پر شب خون مارا اور ان کے بہت سے دوستوں کو قتل کر دیا عثمان بن حنیف کو گرفتار کر لیا پہلے قتل کا ارادہ کیا لیکن انکے قبیلہ کی زیادتی کے سبب سے ڈر گئے کہ وہ خون کا عوض لیں گے لیکن ان کے چہرہ اور سر اور آنکھوں اور مونچھوں اور بھوؤں کے بال نوچ ڈالے اور ان کا سر مُنڈا کر مدینہ کی طرف روانہ کر دیا وہ اسی حالت سے حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں درمیان راہ پہونچے اور حضرت پر سلام کیا حضرت نے نہیں پہچانا تب انہوں نے کہا کہ میں عثمان بن حنیف ہوں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا "سبحان اللہ حوادثِ ایام بچوں کو بوڑھا کر دیتے ہیں لیکن تمہیں کیا ہوا کہ باوجود بوڑھا ہونے کے پھر بچے ہو گئے عثمان بن حنیف نے عرض کی کہ دشمنوں کے ظلم وستم سے میری یہ نوبت ہوئی حضرت امیر علیہ السلام نے اس واقعہ کو سن کر بہ تعجیل تمام بصرہ کی طرف کوچ کیا اور دشمنوں سے عثمان بن حنیف کا انتقام بخوبی لیا۔

تنبیہ واضح رہے کہ عائشہ زمانہ پیغمبر خدا صلعم سے لے کر ہمیشہ امیر المومنین کے ساتھ عداوت کرتی رہیں اور ہمیشہ اہل بیت علیہ السلام کی قدر و منزلت کے مٹانے کی کوشش عمل میں لاتی رہیں یہاں تک کہ طلب خون عثمان کو بھی اس کا ایک بہانہ قرار دیا اور ترجمہ بن عاثم کوفی میں لکھا ہیکہ جب عثمان مارے گئے تو عائشہ حج کو گئی تھیں۔ جب حج سے واپس ہو کر مدینہ کے نزدیک پہونچیں تو عبید بن سلمہ اللیثی کہ جن کو امّ الکلاب بھی کہتے تھے عائشہ سے ملے عائشہ نے ان سے پوچھا کہ مدینہ کی کیا حالت ہے جوانہوں نے کہا کہ بہت نا گوار۔

عائشہ نے پوچھا کہ وہ نا گوار بات کیا ہے؟ جواب دیا کہ لوگوں نے عثمان کو قتل کر دیا۔ عائشہ نے پوچھا کہ اس کے بعد کیا کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے بیعت کی۔ عائشہ نے کہا کہ کاش کہ آسمان زمین پر پھٹ پڑتا اور میں یہ دن نہ دیکھتی اور نہ یہ خبر سنتی۔ قسم خدا کی عثمان کو ظلم سے مارا ہے۔ اور اس کا خون بے جرم بہایا ہے۔ واللہ کہ ایک دن عثمان کی عمر کا علی کی پوری زندگی سے بہتر تھا (درحالیکہ یہ خود عثمان کے عہد سلطنت میں برابر کہا کرتے تھیں کہ "اقتلو الغشلاً" یعنی نعثل کو قتل کرو اور عثمان کو نعثل کہنے کی وجہ یہ تھی کہ ایک لمبی ڈاڑھی والا یہودی جس کا نام نعثل تھا وہ عثمان سے بہت مشابہ تھا۔ لہٰذا جو لوگ عثمان سے خفا ہوتے تھے اس کو نعثل کہا کرتے تھے۔

چنانچہ فیروز آبادی نے جو علمائے سنت میں سے ہیں کتاب قاموس اللغت میں اس کو لکھا ہے)۔

اس کے بعد عائشہ نے کہا کہ میں بیٹھوں گی نہیں جب تک کہ عثمان کے خون کا انتقام نہ لے لوں۔ عبید نے کہا کہ ایسی باتیں کیوں کرتی ہو تم خود علیؑ کی تعریفیں بیان کیا کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ اس زمانہ میں تمام روئے زمین پر خداوند عالم کے نزدیک علیؑ سے بڑھ کر بزرگ کوئی نہیں ہے اب ان سے کیوں کراہت کرتی ہو اور ان کی حکومت کو کیوں نہیں پسند کرتیں۔ آخر تم ہی تو لوگوں کو عثمان کے قتل پر رغبت دلاتی تھیں اور ان کے عیب کو ظاہر و آشکار کیا کرتی تھیں اور کہا کرتی تھیں کہ اس بڈھے بجو کو قتل کرو۔ آج کیا ہوا کہ جو اس طرح سے کہہ رہی ہو۔

عائشہ نے کہا وہ اور وقت تھا جب میں ایسا کہتی تھی اب جو میں نے ان کے قتل کی خبر سنی تو ان خیالات سے باز آئی اور جب تم لوگوں نے ان سے توبہ طلب کی اور انہوں نے توبہ کی وہ پاک ہو گئے اور پھر تم لوگوں نے ان کو قتل کر دیا قسم خدا کی میں ان کے خون کا انتقام لوں گی اور خاموش نہ رہوں گی۔

عبید نے کہا کہ "اے ام المومنین واللہ یہ آپ اچھا نہ کریں گی سوائے اس کے کہ لوگوں کے درمیان ایک فتنہ برپا کر دیں گی۔

عائشہ نے جو عبید سے یہ باتیں سنیں۔ تو مدینہ نہیں آئیں بلکہ وہیں سے مکہ واپس گئیں۔

سہل بن حنیف الانصاری

یہ عثمان بن حنیف کے بھائی تھے۔ صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ تمام غزوات اور مشاہد میں جناب پیغمبر خدا صلعم کے ساتھ حاضر رہے اور جنگ اُحد میں جب اکثر صحابہ بھاگ گئے تھے انہوں نے ثابت قدمی کی اور بذریعہ تیراندازی کے دشمنوں کو جناب رسالت مآبؐ سے دور کرتے تھے۔ بعد وفات رسالت مآبؐ امیر المومنینؑ کے اصحاب میں شامل ہوئے جب حضرت جنگ جمل کیلئے تشریف لے گئے تو ان کو اپنا خلیفہ اور نائب مدینہ میں قرار دے گئے تھے۔

فارس کی حکومت بھی بعض اوقات ان سے متعلق رہی لیکن وہاں کی رعایا کی ناموافقت کے سبب سے حضرت امیر علیہ السلام نے ان کو معزول کر کے زیاد کو وہاں کا والی مقرر کیا۔ جنگ صفین میں انہوں نے حضرت کے ساتھ دشمنوں سے جہاد بھی کیا ہے۔

صاحب استیعاب کہتے ہیں کہ سہل بن حنیف نے کوفہ میں وفات پائی اور حضرت امیر علیہ السلام نے ان پر نماز جنازہ تکبیروں سے پڑھی۔ اور علامہ حلی علیہ الرحمہ نے کتاب خلاصۃ الاقوال میں لکھا ہے کہ حضرت نے ان کی نماز جنازہ پچیس تکبیروں سے پڑھی۔ مولف کہتا ہے کہ گھر والوں کو گھر کا حال بہتر معلوم ہوتا ہے۔

حکیم بن جبلۃ العبدی

استیعاب میں مذکور ہے کہ وہ شرف صحبت جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے مشرف ہوئے تھے اور نہایت مرد صالح اور اپنی قوم کے سردار تھے عثمان بن عفان نے ان کو اپنی سلطنت کے زمانہ میں سندھ کا حاکم مقرر کیا تھا تھوڑے ہی دنوں میں وہ وہاں کی حکومت سے تنگ آ کر عثمان کے پاس واپس آئے جب عثمان نے حالات پوچھے تو انہوں نے جواب دیا کہ "مَا عُرھَا وَمَثلُ وَبَصُّهَا بَطَلٌ وَسَهلهَا جَبَل اِن کَثیرَ الجُندُ بِهَا جَاعُوا وَاِن قَتَلُوا ضَاعُوا" یعنی پانی وہاں بہت کم ہے اور چور بڑے بہادر ہیں۔ نرم زمین مثل پہاڑ کے سخت ہے اگر بہت سی فوج وہاں رہے تو بھوکوں مرجائے اور کم ہو تو ضائع ہوجائے۔

حکیم مذکور منجملہ ان لوگوں کے ہیں جنہوں نے عثمان کے حرکات شنیعہ پر اعتراض کیا اور جب طلحہ وزبیر وعایشہ حوالی بصرہ میں پہونچے تو عثمان بن حنیف نے جو حضرت امیر علیہ السلام کی طرف سے وہاں کے والی تھے۔ حکیم بن جبلہ کو سات سو مرد قبیلہ عبدالقیس وبکر بن وائل کے ساتھ ان کے مقابلہ کو بھیجا حکیم نے موضع رابوقہ میں ان سے مقاتلہ کیا اور بہت کوشش کی یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ طلحہ وزبیر نے جیسا کہ سابقاً مذکور ہو چکا ہے مکر وفریب سے شب خون مار کر عثمان بن حنیف کو گرفتار کر لیا اور ان کی ایسی سخت توہین کی تو حکیم انتقام لینے کی غرض سے اپنی قوم کے سات سو آدمیوں کے ساتھ اہل بغاوت سے مقابلہ کرنے کے لئے نکلے اور سخت جہاد کیا اثنائے جنگ میں ایک تلوار حکیم کی پنڈلی پر پڑی۔ جو کچھ کٹ کر لٹک رہی تھی۔ انہوں نے کمال جرٔت کے ساتھ اس پنڈلی کو تلوار سے کاٹ کر دور پھینک دیا اور پھر جہاد کرنا شروع کیا یہاں تک کہ ایک ضربت ان کی گردن پر پڑی جس کے سبب سے وہ گھوڑے سے گر کر شہید ہوئے۔ اور ستر آدمی ان کی قوم کے بھی درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

حُذَیفۃُ بن الیمانی الانصاری العنی

جناب رسالت مآب صلعم کے راز دار اور جناب ولایت مآب کے ارکان اربعہ میں سے تھے صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ حزیفہ اپنے والد اور اپنے بھائی صفوان کے ساتھ جنگ اُحد میں خدمت جناب رسالت مآب صلعم میں حاضر تھے اس روز کسی مسلمان نے ان کے باپ کو کافر سمجھ کر قتل کر ڈالا اور بنا

بر اس راز کے جو جناب رسالت مآبؐ اور حزیفہ کے درمیان محفوظ تھا یہ منافقین صحابہ کو پہچانتے تھے چنانچہ بخاری میں تفسیر آیۂ "اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ" کو جو سورۃ النساء میں ہے اور جس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ بتحقیق کہ منافقین سب سے نیچے کے طبقۂ جہنم میں ہیں لکھا ہے کہ اسود نے کہا میں ایک روز مسجد مدینہ میں عبداللہ بن عمر کے حلقۂ درس میں بیٹھا تھا کہ حذیفہ آئے اور عبداللہ بن عمر کے پاس آ کر ان پر سلام کیا انہوں نے حذیفہ کی تعظیم نہ کی پس حذیفہ نے ان سے کہا کہ جو لوگ تم سے بہتر تھے ان میں نفاق بہت زیادہ تھا تو تم میں ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اسود کہتا ہے کہ جیسا حذیفہ نے یہ کلمہ کہا میں نے بھی آیت مذکورہ پڑھی عبداللہ بن عمر متبسم ہوئے اور ہنسنے لگے حذیفہ نے ان کی طرف سے منہ پھر لیا اور مسجد کے دوسرے گوشہ میں بیٹھ گئے۔ جب عبداللہ مسجد سے باہر چلے گئے اور ان کے اصحاب بھی متفرق ہوگئے تو حذیفہ نے ایک کنکری پھینک کر مجھے بلایا اور کہا کہ مجھے عبداللہ کے ہنسنے سے تعجب ہے، حالانکہ وہ سمجھ گیا ہوگا جو کچھ میں ـ نے کہا۔

مؤلف کہتا ہے کہ اگر حذیفہ عبداللہ کو منافق کہنے میں سچے تھے تو عبداللہ کا کفر لازم آتا ہے اور اگر جھوٹے تھے تو حذیفہ کا فسق لازم آتا ہے تقدیر کل صحابہ کی عدالت جس کے اہل سنت مدعی ہیں قائم نہیں رہ سکتی بلکہ حذیفہ کے کلام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عمر اور ان کے امثال جن کو لوگ عبداللہ بن عمر سے بہتر سمجھتے تھے منافق تھے۔

صاحب کتاب کشکول نے مفضل بن عمر سے اور انہوں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا۔ منافقین عہد رسالت مآبؐ میں بعض حضرت علیؑ سے پہچانے جاتے تھے اور حذیفہ ان لوگوں کو پہچانتے تھے اس لئے کہ جب جناب رسالت مآب غزوہ تبوک سے واپس آرہے تھے اثنائے راہ میں شب کے وقت کہ جس رات کو لَیْلَۃُ الْعُقْبَہ کہتے ہیں آنحضرت صلعم کے ناقہ کی مہار حذیفہ کے ہاتھ میں تھی اور پس پشت سے عمار ہنکا رہے تھے چونکہ اس سفر میں حضرت امیرؑ ہمراہ نہ تھے اور جناب رسالت مآبؐ مدینہ میں ان کو اپنا خلیفہ مقرر کر آئے تھے لہٰذا منافقین کو موقع ملا کہ حضرت امیرؑ کی غیبت میں حضرت رسالت مآب کو شہید کر دیں اور اپنا کینۂ دیرینہ نکالیں خصوصاً عمر کو اس بارہ میں بہت اصرار تھا اور وہ اپنے ساتھیوں کو رغبت دلاتے تھے اور کہتے تھے کہ فرصت کو غنیمت سمجھو ایسی حالت میں کہ جب علیؑ نہیں ہیں اپنے عزیزوں کا انتقام لے لو۔ ورنہ انہوں نے جس طرح سے ہم کو فریب دیکر ہمارے دین سے علیحدہ کیا اسی طرح سے اب اپنا تابع اور بنی ہاشم بلکہ ان کے غلاموں کا تابع قرار دیں گے اور یہ ذلت تابعیت کی ہم پر ہمیشہ باقی رہے گی۔

غرض کہ یہ لوگ حضرت کے قتل پر آمادہ تھے پتھر پھینکنے باجے بجائے کہ اونٹ بھڑک کر پہاڑ پر

سے گر جائے لیکن خداوند عالم نے حفاظت اور وہ سب کے سب خائب وخاسر رہے اتنے میں ایک بڑی چمکی جس کی روشنی میں وہ سب منافقین جو حضرت کے قتل پر آمادہ تھے دکھائی دیئے اور حضرت نے حذیفہ کو دکھایا۔ جب ابو بکر کو لوگوں نے خلیفہ بنایا تو عمر نے چاہا کہ حذیفہ سے رسالت مآب کی حفاظت کرنے کا انتقام لے۔ لیکن ابو بکر نے اس امر کو خلافت مصالحت سمجھا اور عمر کو باز رکھا اور کہا کہ سکوت اس کے بارے میں بہتر ہے جب بعد ابو بکر عمر خلیفہ بنے تو انہوں نے حذیفہ کو بلا کر دریافت کیا کہ ہم نے سنا ہے تم اصحاب رسولؐ میں سے ایک گروہ کو منافق کہتے ہو؟ اور کہتے ہو کہ وہ جہنم کے دروازے ہیں یہ کہہ کر اپنا درہ بلند کیا کہ حذیفہ پر مارے۔ حذیفہ نے کہا کہ اے عمر ٹھہر کہ تو بھی ایک دروازہ پر درواز ہائے جہنم میں سے ہے جو منافقین کو جہنم میں لے جانے سے روکے گا۔ جب عمر نے دیکھا کہ سختی کرنے میں راز افشا ہو جائے گا اور حذیفہ ڈرنے والے آدمی نہیں ہیں تو انہوں نے اس کو ہنسی میں ٹالا اور حذیفہ کی خوشامد کرنی شروع اور ان کے فضائل لوگوں کو سنانے لگے۔

کتاب رجال ابن داؤد وغیرہ میں مذکور ہے کہ حذیفہ بن یمان منجملہ ارکان اربعہ ہیں اور بعد وفات جناب رسالت مآب کوفہ میں رہنے لگے۔ اور حضرت امیرؑ کی بیعت کے چالیس (۴۰) روز بعد مدائن میں وفات پائی۔ اور اپنے دونوں بیٹوں صفوان اور سعید کو وصیت کی کہ وہ دونوں حضرت امیر علیہ السلام سے بیعت کریں دونوں نے باپ کی وصیت پر عمل کیا اور جنگ صفین میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

خزیمہ بن ثابت الانصاری الملقب بذوالشہادتین

جناب رسالت مآبؐ نے ان کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر اعتبار فرمایا ہے اور غزوۂ بدر اور اس کے بعد کی لڑائیوں میں حاضر تھے اور کتاب کامل بہائی مذکور ہے کہ پہلا شخص کہ جس نے انصار کو خلافت سعد بن عبادہ پر آمادہ کیا خزیمہ تھے انہوں نے کہا کہ علیؑ خانہ نشین ہیں اور عزاداری رسولؐ میں مشغول ہیں اور قریش میں سے کوئی دوسرا اس کام کے قابل نہیں ہے جب انصار نے یہ کلام سنا تو انہوں نے سعد کی طرف رجوع کی لیکن سعد نے اس کو قبول نہیں کیا چنانچہ اس کے بعد احوال سعد میں مذکور ہوگا۔

صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ جنگ صفین میں یہ بھی حضرات امیرؑ کے ساتھ تھے اور جب عمار یاسر پہونچے تو انہوں نے بھی تلوار کھینچی اور دشمنوں سے لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ شہید ہوئے اور ان اشعار ان کے جو مشعر صحت اعتقاد ہیں مشہور اور معروف ہیں جن کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ:۔

"جس وقت ہم نے علیؑ کی بیعت کر لی تو یہ ہمیں ہر خوفناک فتنہ سے بچنے کے لئے کافی ہے ہم

نے دلی خلق کو دیکھا کہ وہ کتاب، وسنت کے جاننے میں بہترین قریش ہے اور قریش میں وہ خوبیاں نہیں ہیں جو آپ کی ذات میں جمع ہیں وہ اہل سنت رسول صلعم میں سے وصی رسول خدا صلعم ہے اور ان کا مددگار ہے اور ایسا شجاع ہے جس نے ابتدائی زمانہ میں رسول اللہ کی مدد کی اور تمام خلائق سے پہلے نماز پڑھی سوائے جناب خدیجۂ کبریٰ کے اور ہر موقع پر رسول اللہ کے ساتھ رہا۔ پس میں اس امام کو نہ بھولوں گا یہاں تک کہ مجھے کفن پہنایا جائے۔

ابوایوب بن زید الانصاری

ان کا نام خالد ہے لیکن کنیت اسم پر غالب آگئی ہے یہ بھی جنگ بدر اور دیگر مشاہد میں حاضر رہے اور جنگ جمل وصفین ونہروان میں حضرت امیر علیہ السلام کی ہمراہی میں جہاد کیا۔

ترجمۂ فتوح ابن اعثم کوفی میں مذکور ہے کہ **ابوایوب** زمانہ جنگ صفین میں ایک روز لشکر حضرت امیر علیہ السلام سے نکلے اور میدان جنگ میں مبارز طلبی کی بہت پکارا لیکن لشکر شام سے کوئی ان کے مقابلہ پر نہ نکلا جب کوئی نہ آیا تو انہوں نے اپنے گھوڑے کو کوڑا مار کر لشکر شام پر حملہ کر دیا۔ سب اس کے سامنے سے بھاگتے تھے حتیٰ کہ معاویہ کے خیمہ تک پہونچ گئے۔

معاویہ اپنے خیمہ کے دروازے پر کھڑا تھا **ابوایوب** کو دیکھ کر وہ بھی بھاگا اور دوسرے دروازہ سے نکل گیا ابوایوب خیمہ کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور مبارز طلبی کرنا شروع کی تب اہل شام کا ایک گروہ ان کے مقابلہ پر آیا ابوایوب نے کئی نامی آدمیوں کو زخمی کر کے بھگا دیا اور پھر صحیح وسالم رہے اپنے لشکر میں واپس آئے معاویہ نے اپنے سرداروں کو جھڑکا اور بہت ملامت کی کہ ایک سوار علیؑ لشکر سے آیا اور میرے سرداروں میں داخل ہو گیا کیا تمہارے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے؟ جو تم اس سے مقابلہ نہ کر سکے تم سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ ایک ایک مٹھی خاک اس کے اوپر چھوڑ دیتے تو وہ دب جاتا۔ یہ سنکر ایک شخص نے اہل شام سے جس کا نام مترفع بن منصور تھا کہا کہ اے معاویہ اس کی فکر نہ کرو۔ جس طرح سے اس سوار نے حملہ کیا اور تمہارے خیمہ میں داخل ہو گیا ایسا ہی میں حملہ کر کے علیؑ کے خیمہ میں داخل ہو جاتا ہوں اور اگر علیؑ کو پایا تو ان کو زخمی کرتا ہوا آؤں گا اور تمہارے دل کو خوش کر دوں گا۔ یہ کہکر اس نے اپنے گھوڑے کو مہمیز کیا اور حضرت امیر علیہ السلام کے خیمہ کی طرف رخ کیا۔ ناگاہ ابو ایوب انصاری کی نظر اس پر پڑ گئی۔ انہوں نے فوراً گھوڑا دوڑا کر اس سے مقابلہ کیا اور پہلی ہی تلوار ایسی ماری جو اس کی گردن کو کاٹتی ہوئی نکل گئی لیکن سر اسی طرح سے جسم پر رکھا ہوا تھا اور گھوڑا دوڑتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ اور لوگ سمجھتے تھے کہ وہ باختیار خود اپنے گھوڑے کو دوڑائے ہوئے جا رہا ہے۔ ناگاہ گھوڑے نے ٹھوکر لی۔ تو سر ایک طرف اور جسم

دوسری طرف جا گرا۔ تمام لشکر کو ابوایوب کی اس تیز دستی پر تعجب ہوا اور ہر شخص نے ان کی تعریفیں کیں۔

ابوایوب معاویہ کے زمانہ میں جنگ روم گئے تھے اثنائے راہ میں بیمار ہو گئے اور وقت وفات وصیت کی کہ جہاں پر لشکر کفار سے ملاقات ہو اسی جگہ مجھے دفن کرو۔ اسی بنا پر شہر استنبول کے باہر شہر پناہ کے قریب دفن کئے گئے ان کے روضہ منور پر مسلمان و نصاری دونوں طلب باراں کیلئے دعا مانگنے آتے ہیں صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ جب اہل روم لڑائی سے فارغ ہوئے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ ابوایوب کی قبر کھود ڈالیں ناگاہ اس روز اس زور شور کی طوفانی بارش ہوئی کہ وہ لوگ تنبہہ ہوئے اور سمجھے کہ اگر قبر کھودیں گے تو قہر خدا نازل ہو جائے گا لہٰذا باز رہے۔

ابی بن کعب انصاری

علامہ حلی علیہ الرحمہ اور صاحب استیعاب لکھتے ہیں کہ عقبہٗ ثانیہ میں اسی آدمیوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور جناب رسالت مآبؐ سے بیعت کی اور جنگ بدر میں بھی خدمت آنحضرت میں حاضر رہے مرد فقیہ اور قاری تھے اور وحی لکھا کرتے تھے۔ منقول ہے کہ جب آیہ ''لَم یَکُنِ الَّذِینَ کَفَرُوا مِن اَھلِ الکِتَاب'' نازل ہوئی تو حضرت جبریل نے جناب رسالت مآب سے عرض کی کہ پروردگار عالم فرماتا ہے کہ اس آیت کو ابی بن کعب پر پڑھئے حضرت نے اس امر کو ابی سے بیان فرمایا انھوں نے خوش ہو کر حضرت سے پوچھا کہ کیا عالم بالا اور ملاءِ اعلیٰ میں بھی میرا ذکر ہوتا ہے! حضرت نے فرمایا کہ ہاں یہ سن کر ابی بہت روئے۔

اور کتاب کامل بہائی میں مذکور ہے کہ ابی بن کعب کہتے ہیں کہ میں روز سقیفہ رات کے وقت گروہ انصار کی طرف سے گزرا ان لوگوں نے پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو میں نے جواب دیا کہ اہل بیت رسولؐ کے پاس سے آرہا ہوں ان لوگوں نے پوچھا کہ اہل بیتؑ کو کس حالت میں چھوڑا میں نے جواب دیا کہ ایسے لوگوں کا کیا حال بیان کروں کہ آج تک جبرئیلؑ ان کے در دولت پر حاضر ہوتے تھے اور حضرت رسولؐ ان کے گھر میں تھے اور آج ہی ان کی حکومت ان کے ہاتھوں سے لے لی گئی۔ کہہ کر ابی بہت روئے اور ان کے رونے پر سب حاضرین رونے لگے۔

ابی کے زمانہ وفات میں بہت اختلاف ہے لیکن اکثر مورخین کا یہ خیال ہے کہ سلطنت عمر بن خطاب کے زمانہ میں خطاب ''اُدخلی جنتی'' سے سرفراز ہوئے۔

سعد بن عبادۃ الانصاری

سردار انصار اور کریم روزگار۔ اور نقیب رسول مختارؐ تھے۔ عقبہ اور بدر میں حاضر تھے اور روز فتح مکہ پیغمبر خدا کے علم بردار تھے۔ علامہ حلی قدس سرہ نے ان کو گروہ مقبولان میں شمار کیا ہے اور بعض کتب سیر میں مذکور ہے کہ سعد بن عبادہ کو امیر المومنینؑ سے خاص محبت تھی۔ اور جب جناب سیدہ کا عقد حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ ہوا تو سعید بن عبادہ معہ اپنے فرزندوں کے شادی اسباب مہیّا کرنے میں نہایت منہمک تھے۔

شیخ فاضل حسن بن علی بن محمد بن الحسن البطری نے کتاب کامل بہائی میں کہ جس کو انہوں نے صاحب اعظم خواجہ بہاء الدین جوینی رحمۃ اللہ کے نام پر لکھا ہے فرماتے ہیں کہ سعد بن عبادہ رئیس قبیلہٗ خزرج تھے اور اتقیائے انصار سے تھے جب لوگوں نے ابوبکر سے بیعت کرنا شروع کی تو انصار نے کہا کہ جب تم نے خدا اور رسول کے حکم کو چھوڑ دیا اور اپنی خواہشوں کی متابعت کی تو ہم انصار سعد بن عبادہ کو اپنا رئیس اور خلیفہ قرار دیتے ہیں۔

سعد نے جب یہ بات سنی تو فرمایا کہ میں دین دنیا کے عوض میں نہ بیچوں گا اور رسول خداؐ صلعم کو اپنا دشمن نہ بناؤں گا۔ اور خلافت ہرگز نہ قبول کروں گا۔ تاکہ مجھ میں اور دوسروں میں خداوند عالم کے نزدیک فرق رہے۔

جب سعد نے یہ فرمایا تو ابوبکر کو اور قوت حاصل ہوگئی۔ اس لئے کہ مقابل میں کوئی مدعی نہیں رہ گیا سبھی نے ابوبکر سے بیعت کرلی یہاں تک کہ سعد سے بیعت طلب کرنے لگے۔ سعد نے کہا کہ جس جھوٹ کو میں نے اپنے لئے پسند نہیں کیا بھلا اس کو دوسروں کے لئے کیونکر پسند کر سکتا ہوں اور دوسروں کی خاطر داری کے لئے جہنم میں جانا مجھے گوارا نہیں ہے۔ غرضکہ سعد نے معہ اپنی قوم کے ابوبکر سے بیعت نہیں کی۔

عمر نے اپنے زمانہ میں بہت کچھ اصرار کیا اور خوشامد کی کہ بیعت کر لو انہوں نے قبول نہیں کیا انکی قوت اور کثرت قوم کے سبب سے ان لوگوں کو خبر کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ لیکن ان کی بیعت حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کی ترکیبیں ہوتی رہیں۔ ایک روز سعد کے فرزند قیس نے عمر سے کہا کہ میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں اسے قبول کرو اور گوش ہوش سے سنو۔ میرے پدر بزرگوار سعد نے قسم کھائی ہے کہ وہ تم لوگون سے بیعت نہ کریں گے اور تم بجبر ان سے بیعت نہیں لے سکتے ہو لیکن یہ کہ قتل کر دو۔ اور ان کا قتل تمام قبیلہٗ خزرج کے قتل پر موقوف ہے اور خزرج کا قتل ہونا قبیلہٗ اوس کے قتل پر موقوف ہے اور قبیلہٗ اوس کا قتل ہونا تمام قبائل میں کے قتل پر موقوف ہے اور یہ تمہاری قدرت و طاقت سے باہر ہے لہٰذا

اس امر پر اصرار نہ کروں۔ سعد بن عبادہ عمر کے زمانہ میں کسی کام سے ملک شام کی طرف تشریف لے گئے خالد بن ولید اس زمانہ میں اسی ملک میں تھا۔ ایک شب سعد ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں جارہے تھے خالد کو یہ حال معلوم ہوا وہ خود بھی سخت کماندار اور تیر انداز تھا علاوہ بریں چند اور تیر اندازوں کو اجرت دیکر اپنے ساتھ لے گیا یہ سب تیر انداز راستہ میں چھپ کر بیٹھے۔

جب سعد کا اس طرف سے گذر ہوا تو تیر پھینکنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ انہیں تیروں سے شہید ہو گئے۔ لیکن ان لوگوں نے ان کے قبیلہ کے خوف سے یہ مشہور کر دیا کہ سعد کو جنات نے مار ڈالا اور یہ شعر بھی جن کی زبان سے نقل کر کے مشہور کیا:۔ شعر

قَدْ قَتَلْنَا سَیِّدَ الخزرج سعد بن عُبادہ   فَرَمَیْنَاہُ بِسَھْمَیْنِ فَلَم یَخطُ فوادَہ

یعنی بتحقیق کہ ہم نے خزرج سعد بن عبادہ کو قتل کر دیا اور ان کے دل پر دو تیر مارے جنہوں نے خطا نہیں کی غرض کہ اس حیلہ سے ان کو قتل کیا۔

اور کتاب محمد بن جریر طبری میں ابی علقمہ سے منقول ہے کہ میں نے سعد بن عبادہ سے اس وقت کہا کہ جب لوگ ابو بکر کی بیعت کی طرف مائل ہو چکے تھے کہ تم اس امر میں کیوں نہیں داخل ہوتے جس میں سب مسلمان داخل ہوئے۔

سعد نے جواب دیا کہ میرے پاس سے دور ہو۔ بتحقیق کہ میں نے جناب رسالت مآب کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب میرا انتقال ہوگا تو لوگوں کی خواہشیں ہر طرف بھٹکتی پھریں گی اور لوگ اپنے پس پشت یعنی کفر کی طرف پلٹ جائیں گے پس حق اس دن علی علیہ السلام کے ساتھ ہوگا اور کتاب خدا ان کے ہاتھ میں ہوگی وہ کسی سے بیعت نہ کرے گا۔ میں نے کہا کہ آیا یہ حدیث سوا تمہارے کسی اور نے بھی رسول اللہ صلعم سے سنی ہے؟

سعد نے جواب دیا کہ بہت سے لوگوں نے سنی ہے۔ لیکن ان کے دلوں میں عداوتیں اور کینے ہیں میں نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ تمہارا نفس خود خواہشمند خلافت ہے اس سبب سے تم بیعت نہیں کرتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہے اگر لوگ علی علیہ السلام سے بیعت کرتے تو پہلا بیعت کرنے والا سعد ہوتا پھر دوسرے مقام پر اسی کتاب میں لکھا ہیکہ انصاریان خزرج نے ابو بکر سے بیعت نہیں کی اور انکے رئیس سعد بن عبادہ تھے جنہوں نے حالت انکار بیعت ابو بکر و عمر میں انتقال کیا۔ اور قبیلہ اوس میں سے بھی بعض نے بیعت نہیں کی اور بعض نے بسبب حسد و عداوت قبیلہ خزرج سے بیعت کر لی۔ اس پر دلیل ایک خزرجی کا قول ہے جو بعد بیعت ابو بکر اس نے ایک اوسی سے کہا تھا کہ تجھ کو بیعت پر کس شے نے آمادہ نہیں کیا سوائے اس حسد کے جو تجھ کو اپنے چچا زاد بھائی سعد سے ہے۔

ابن عبد البر نے کتاب استیعاب میں اور ابن اثیر نے کتاب اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ سعد

نے ابو بکر و عمر کسی سے بیعت نہیں کی اور یہ لوگ بھی بہ سبب خوف ان کے قبیلہ کے اوپر جبر نہیں کر سکتے۔ جب بادشاہت عمر تک پہونچی تو ایک روز بازار مدینہ میں عمر کی نظر سعد پر پڑی عمر نے کہا کہ اے سعد یا بیعت کرو یا اس شہر سے چلے جاؤ۔

سعد نے کہا کہ جس شہر میں تو امیر ہو مجھے اس شہر میں رہنا حرام ہے اسی بنا پر وہ مدینہ سے شام کی طرف چلے گئے اور حوالیٔ دمشق میں بھی ان کا بہت بڑا قبیلہ تھا ایک ایک ہفتہ ہر ہر گاؤں میں اپنے اعزا کے پاس رہتے تھے ایک روز ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جارہے تھے راستہ میں ایک باغ پڑتا تھا جب اس باغ میں ہو کر گذرے لوگوں نے تیروں سے انہیں شہید کر دیا۔ اور صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ صاحبان اخبار اس امر پر متفق ہیں کہ سعد بن عبادہ نے ابو بکر سے بیعت نہیں کی اور مدینہ سے شام چلے گیے جہاں کسی بڑے آدمی کی تحریک سے قتل ہو گئے۔

اور بلادری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ عمر بن خطاب نے محمد بن مسلمہ انصاری اور خالد بن ولید کو مدینہ سے سعد کے قتل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ دونوں تیر پھینکتے تھے اور وہ انہیں تیروں سے شہید ہوئے۔

اور ایک گروہ اہل سنت و جماعت کا قول ہے کہ سعد کو اجنہ نے عمر کی خاطر سے مار ڈالا اور جن ایک درخت پر چڑھے ہوئے دف بجا بجا کر شعر گاتے تھے جو سابق میں مذکور ہو چکا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ یہ امر یا تو ظاہر البطلان ہے اس لئے کہ رسول اللہ اور ابو بکر کے دشمن قریش اور غیر قریش دونوں گروہوں میں بکثرت تھے لیکن جنوں نے نہ حضرت رسول خدا صلعم کی خاطر سے کسی کو قتل کیا اور نہ ابو بکر کی خاطر سے۔ اور عمر کی خاطر سے انہوں نے ایک ایسے مسلمان کو جو سردار انصار اور اکابر اصحاب سید ابرار میں سے تھا کیونکر قتل کیا۔ ایک شاعر انصاری نے البتہ اپنے اشعار میں پردہ اٹھا دیا ہے اس کے اشعار کا حاصل مضمون یہ ہے کہ:۔

لوگ کہتے ہیں کہ سعد کا شکم جنوں نے چاک کر ڈالا اس لئے کہ وہ کھڑے ہو کر پیشاب کرتے تھے لیکن میں نے جو تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ سعد کھڑے ہو کر پیشاب تو نہیں کرتے تھے لیکن ابو بکر سے بیعت نہیں کی تھی یہ اور تعجب خیز امر ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا سعد کے لئے تو برا قرار دیا ہے اور موجب ان کے قتل کا سمجھا ہے لیکن صحیح بخاری میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو سنت پیغمبر شمار کیا ہے۔

کتاب رجال ابو عمر کشی میں مذکور ہے کہ سعد کے چھ بیٹے تھے اور سب نے نصرت جناب رسالت مآبؐ میں جہاد کیا ہے جس میں سے ایک قیس تھے اور سعد اور انکے بیٹے قیس اپنے اپنے بالشت سے دس بالشت لمبے تھے اور ان کا ایک بالشت ہمارے ایک ہاتھ کے برابر تھا۔

سعد اباً عن جدٍ۔ رئیس تھے یعنی ان کے خاندان میں زمانہ جاہلیت سے ریاست چلی آرہی تھی اور ان کا دستر خوان ہمیشہ وسیع تھا۔

قیس بن سعد بن عبادۃ الانصاری

کرام صحابہ سید ابرار اور بزرگان روزگار میں سے تھے اور طریق جنگ آزمائی میں ہر جوان و پیر پر سبقت لے گئے تھے۔ صاحب استیعاب نے مالک بن انس سے نقل کیا ہے کہ وہ رسالت مآب صلعم کے ایسے مقرب تھے جیسے بادشاہوں کے داروغہ مقرب ہوئے ہیں اور روز فتح مکہ کبھی علم پیغمبران کے پدر بزرگوار سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں رہتا تھا اور کبھی ان کے ہاتھ میں جنگ جمل اور صفین میں یہ حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ رہے اور کبھی آپ سے جدائی نہیں اختیار کی۔ تفصیل حالات قیس اور ان کے خاندان کی بزرگی کتاب استیعاب میں پورے طور پر درج ہے۔ اور ترجمہ فتوح بن شام کوفی میں مذکور ہے کہ ایک روز جنگ صفین میں قیس بن سعد انصار کو بلایا اور کہا کہ اے اقوم الحمدا ہم اس لشکر میں ہیں اور اس علم کے سایہ میں ہم نے جنگ کی ہے کہ جس کے دائیں طرف جبرئیلؑ اور بائیں طرف میکائیلؑ رہتے تھے۔ اور معاویہ اور اس کی قوم اس علم کے ساتھ میں تھی کہ جس کا سردار ابوجہل تھا۔

انصار نے عرض کی کہ حق آپ کی طرف ہے اور آپ ہمارے رئیس و پیشوا سردار اور مقتدیٰ ہیں ہم خدمت کے لئے حاضر ہیں جو کچھ حکم دیجئے بجالائیں۔

قیس موقع دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ انہوں نے دیکھا کہ معاویہ کے لشکر سے سواروں کی فوج نے حرکت کی اور امیر المومنین علیہ السلام کے لشکر کی طرف چلے۔ قیس کو معلوم ہوا کہ معاویہ اس فوج میں ہے فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس فوج پر حملہ کر دیا اور اپنے کو لشکر کے درمیان میں ڈال دیا۔ اور ایک سوار کو معاویہ سمجھ کر ایسی تلوار ماری کہ وہ واصل جہنم ہوا بعد کو معلوم ہوا کہ وہ معاویہ نہ تھا دوسرے سوار کو دیکھا جو اچھے ہتھیار لگائے ہوئے تھا اس کو بھی جھپٹ کر قتل کیا۔

پھر معلوم ہوا کہ یہ بھی معاویہ نہیں ہے۔ تیسرے پر حملہ کیا یہاں تک کہ اسی طرح بڑے بڑے نامی سرداروں کو بکثرت قتل کیا۔

معاویہ ایک بلندی پر کھڑا ہوا یہ تماشا دیکھ رہا تھا آخر کار اس نے پکارا کہ اے اہل شام یہ سوار شیر ببر ہے اپنے کو اس سے بچاؤ اور اس کے مقابلہ سے پرہیز کرو۔

جب قیس نے یہ آواز سنی تو معلوم ہوا کہ اس فوج میں معاویہ نہیں ہے آخر کار مجبور ہو کر اپنے لشکر کو واپس آئے

اور کتاب روضۃ الصفا میں منقول ہے کہ جب حضرت امیر علیہ السلام نے قیس بن سعد کو مصر کی حکومت عطا فرمائی۔ اور حکم دیا کہ وہ وہیں سے شام کی طرف متوجہ ہوں۔ معاویہ کو بڑی مشکل پڑ گئی اس

نے چاہا کہ کسی حیلہ و تدبیر سے قیس بن سعد کو خلیفہ برحق کی مخالفت پر آمادہ کرے۔ بنابریں ایک خط مشتمل بر خوشامد و وعدۂ حکومت عراق قیس بن سعد کے نام لکھا قیس نے اس کا جواب لکھا کہ مجھے تجھ سے تعجب ہے کہ تو مجھے اس شخص کی مخالفت پر آمادہ کرتا ہے جو خلافت کے لئے سب سے اولیٰ اور اقرب ہے اور قرابت و سیرت کے لحاظ سے تمام خلائق میں رسول خدا صلعم سے قریب تر ہے اور ایسے کی اطاعت کی رغبت دلاتا ہے جس کے اوصاف قبیحہ اس کے برعکس ہیں حاشا و کلا میں ہرگز ہرگز اس امر کو اختیار نہیں کر سکتا اور لشکر شیطان میں اپنے کو داخل نہیں کرنا چاہتا۔

جب معاویہ قیس سے مجبور ہوا تو اس نے حضرت امیر علیہ السلام کو قیس سے بدگمان کرنا چاہا چنانچہ برابر اپنی مجلسوں میں بیان کرنے لگا کہ اگرچہ قیس بن سعد بظاہر علیؑ کے دوست ہیں لیکن چھپا کر مجھے خط لکھتے ہیں اور حق محبت میرے ساتھ بجالاتے ہیں۔ غرض کہ بنابر تحریر روضۃ الصفا کے یہاں تک نوبت پہونچی کہ حضرت امیر علیہ السلام قیس سے بدگمان ہو گئے اور محمد بن ابوبکر اور عبداللہ بن جعفرؑ طیار سے مشورہ کرنے کے بعد قیس بن سعد کو حکومت مصر سے معزول فرمایا اور محمد بن ابوبکر کو وہاں کا حاکم مقرر فرمایا۔

قیس نہایت ملول و محزوں ہو کر مدینہ واپس آئے۔

اس زمانہ میں حسان بن ثابت جو دل سے حضرت امیر علیہ السلام کا دشمن تھا قیس سے کہنے لگا کہ تم نے عثمان کے قتل میں اتنی کوشش کی اور پھر بھی علیؑ نے تمہیں معزول کر دیا اور وہ گناہ عظیم تمہاری گردن پر باقی رہ گیا اب میری نصیحت سنو! اور معاویہ کے پاس چلو وہ تمہارے اعزاز و اکرام میں کوئی بات اٹھا نہ رکھے گا۔

قیس نے حسان سے کہا کہ دل اور آنکھ کے اندھے میری محفل سے اٹھ جا اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ میرے اور تیرے قبیلہ میں جنگ ہو جائے گی تو ابھی تیری گردن کو تیرے سر کے بوجھ سے آزاد کر دیتا۔

مروان بن حکم نے بھی اسی طرح کی باتیں قیس سے کہیں لیکن قیس نے اس کے برخلاف جنگ صفین میں جا کر شرکت کی۔ معاویہ کو جب قیس کے آنے کی خبر ملی تو اس نے مروان کو پیغام بھیجا کہ اگر ایک لاکھ شمشیر زن اور نیزہ دار تو علیؑ کے پاس بھیجتا تو میرے لئے بہ نسبت اس کے آسان تر تھا کہ قیس بن سعد کو تو نے ان کے ساتھ آنے دیا۔

جب حضرت امیر علیہ السلام کو اصلی حالات معلوم ہوئے تو آپ نے قیس کی تعظیم و تکریم میں بہت زیادتی فرمائی اور محمد بن ابی بکر کو حاکم مصر قرار دینے سے پشیمان ہوئے۔

مترجم کہتا ہے کہ یہ مضمون کتاب روضۃ الصفا سے مولف نے نقل کیا ہے اور صاحب روضۃ الصفا سنی مذہب تھے۔ انہوں نے حضرت امیر کی طرف جو بدگمانی اور پشیمانی کی نسبت دی ہے وہ محض غلط ہے وہ امام عالم علوم ربانی معاویہ کی ایسی ابلہ فریبی میں آ کر قیس سے بدگمان نہیں ہو سکتے تھے اور نہ محمد بن

ابی بکر کو بھیج کر پشیمان ہوئے۔ بفرض اس امر کے تسلیم کرنے کے بعد کہ حضرت نے قیس کو معزول کیا اور محمد بن ابی بکر کو ان کی جگہ نصب کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے بدگمانی و پشیمانی نہیں ظاہر ہوئی بلکہ حضرت قیس کو مدینہ سے اپنی فوج کے ہمراہ جنگ صفین میں لے جانا بہ نسبت حاکم مصر رکھنے کے قرین مصلحت سمجھے جیسا کہ خود روضۃ الصفا کی تحریر سے ظاہر ہے کہ ان کا حضرت کی فوج میں ہونا معاویہ کے لئے لاکھ شمشیر زن ونیزہ داروں کے ہونے سے زیادہ سخت تر تھا قیس علیہ الرحمہ کے یہ چند شعر رئیس المفسرین شیخ ابوالفتوح خزاعی رازی نے اپنی تفسیر میں نقل کئے ہیں۔ شعر

قُلْتُ لَمَّا بغَاعَدُو عَلَيْنَا　　حَسْبُنَا رَبُّنَا وَنِعْمَ الْوَكِيلُ
حَسْبُنَا رَبُّنَا الَّذِی فَتحَ الْبَصرِ　　بِالامْسِ وَالْحَدِيثُ طَوِيلُ
وَعَلِىٌّ اِمَامُنَا وَاِمَامٌ　　لِسِوَانَا اَتَابِهَا التَنزِيلُ
يَومَ قَالَ النَّبِىُّ مَن كُنتُ　　فَهٰذَا مَوْلَاهُ خَطْبٌ جَلِيلُ

یعنی جب دشمنوں نے ہم سے بغاوت کی تو ہم نے کہا کہ ہمارا رب ہم کو کافی ہے اور بہت اچھا کارساز ہے ہم کو ہمارا رب کافی ہے جس نے بصرہ کو فتح کیا اور اس کا قصہ طولانی ہے اور علیؑ ہمارے اور کل انسانوں کے امام ہیں کہ جن کی امامت کے متعلق کلام مجید اس روز نازل ہوا تھا کہ جس دن نبیؐ نے فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں پس یہ علیؑ (بھی) اس کا مولا ہے اور یہ بڑا امر تبہ جلیلہ ہے۔

اور بعد وفات حضرت امیر علیہ السلام کے قیس بن سعد اصحاب حضرت امام حسنؑ میں داخل ہوئے۔ اور طریق وفاداری و جانثاری میں اسی طرح سے مشغول تھے جب معاویہ نے عبید اللہ بن عباس کو جو امام حسن علیہ السلام کے فوج ہراول کے سردار تھے فریب دیکر اپنے ساتھ شامل کر لیا اور عبید اللہ مع اس علم کے جو ان کے قبضہ میں تھا معاویہ کے پاس چلے گئے اور لشکر بے سردار کے رہ گیا تو قیس بن سعد نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور انتہائے خطبہ میں فرمایا کہ:۔

ایھا النّاس! تم لوگوں کو عبید اللہ کے چلے جانے سے ہول اور اضطراب نہ ہونا چاہئے وہ اور ان کے باپ دونوں کبھی کسی بڑے مرتبہ پر نہیں پہونچے۔ اس کے بعد قیس نے سرداری لشکر کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور دشمنوں سے جہاد کرنے لگے لیکن جب حضرت امام حسن علیہ السلام نے سلطنت معاویہ کے سپرد کر دی تو قیس کو بڑا صدمہ ہوا اور مدینہ میں خانہ نشین ہو کر عبادت میں مشغول ہو گئے اور ۶۰ ھ اور آخر خلافت معاویہ میں وفات پائی۔

صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ جب حضرت امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کر لی تو معاویہ سے یہ شرط کی کہ تمام شیعہ ہمارے امان میں رہیں۔ معاویہ نے کہا کہ تمام خلائق کے لئے امان ہے لیکن

قیس بن سعد کو امان نہ دونگا جناب امام حسنؑ نے کہلا بھیجا کہ اگر مجھے صلح منظور ہے تو قیس کو بھی امان دینا ضروری ہے آخر کار معاویہ نے مجبوری میں قیس کو امان دی۔

جب معاویہ نے قیس سے بیعت طلب کی تو انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ مجھے اور میرے باپ کو ہمیشہ اسی پر فخر رہا ہے کہ ہم لوگوں نے کبھی کسی ظالم کی بیعت نہیں کی معاویہ نے کہا کہ اے قیس میں نہیں چاہتا کہ میری حکومت کے زمانہ میں زندہ رہو قیس نے جواب دیا کہ میں خود ہی نہیں چاہتا تھا کہ تو حاکم ہو طرفین میں گفت وشنید غیظ وغضب کی ہونے لگی آخر کار حضار مجلس نے تسکین وتسلی دیکر غصہ زائل کیا۔

صاحب کتاب احتجاج نے سلیم بن قیس سے روایت کی ہے کہ معاویہ اپنے زمانہ خلافت میں بارادۂ حج مدینہ آیا اہل مدینہ نے اس کا استقبال کیا معاویہ نے جب دیکھا تو یہ دیکھا کہ ان میں کوئی بھی شخص انصار میں سے نہ تھا جب اترا تو پوچھا کہ انصار کو کیا ہوا محتاج وفقیر ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس سواریاں نہیں ہیں معاویہ نے کہا کہ انکے پانی بھرنے والے اونٹ کہاں گئے؟

اتفاقاً قیس ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے جواب دیا کہ اے معاویہ ہمارے اونٹ جنگ بدر واُحد میں پیغمبر خدا صلعم کے ساتھ ہلاک ہو گئے۔ جب ہم تجھ کو اور تیرے باپ کو قتل کر رہے تھے۔ معاویہ ساکت ہو گیا اور کچھ جواب نہ بن پڑا شیخ اجل ابو جعفر طوسی طیّب اللہ مشھدہٗ نے کتاب امالی میں قیس بن سعد سے روایت کی ہے کہ میں نے علی بن ابی طالب علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں وہ پہلا شخص ہوں گا جو روز قیامت خداوند عالم کے حضور میں اپنے دشمنوں سے خصومت کے لئے دوزانو بیٹھے گا۔

سعید بن سعد بن عبادہ الانصاری

یہ بھی بمقتضائے کلمہ جامعہ اَلْوَلَدُ الْحُرُّ يَقْتَدِي بِاٰبَائِهِ الْغُرِّ ۔ یعنی فرزند آزاد اپنے اجداد کی اقتدا کرتا ہے

بیٹا وہی قدم بقدم ہو جو باپ کے

مثل اپنے باپ اور بھائی کے غلامان با اخلاص امیر المومنین میں سے تھے۔ صاحب اصابہ نے لکھا ہے کہ تمام ارباب سیران کو صحابہ میں شمار کرتے ہیں اور ابن عبدالبرؒ نے استیعاب میں کہا ہے کہ انکو تھوڑی صحبت حاصل ہوئی تھی اور حضرت امیر علیہ السلام کی طرف سے والی یمن تھے۔

بشر بن سعید بن ثعلبۃ الخزرّجی الانصاری

صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ وہ اصحاب عقبہ میں سے تھے اور پھر سماک بن سعید کے ساتھ جنگ بدر میں حاضر ہوئے۔ اور پھر جنگ اُحد اور تمام غزوات میں جو پیش آئے حاضر رہے کہتے ہیں کہ پہلا شخص جس نے روز سقیفہ ابو بکر سے بیعت کی اور زمانہ خلافت ابو بکر میں خالد بن ولید کے ہمراہ رہا اور موضع عین التمر میں شہید ہوا وہ بشر بن سعید تھے۔

لیکن علامہ حلی علیہ الرحمہ نے کتاب خلاصہ میں ان کو داخل مقبولیں قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ بشیر بن سعید انصاری جنگ بدر میں حاضر ہوئے اور ایام خلافت ابو بکر و امارت خالد بن ولید بمقام یمن قتل ہوئے مولف کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ جناب علامہ نے انہیں اس لئے مقبولین میں شمار کیا ہو کہ قصہ بیعت ابو بکر وہمراہی خالد وغیرہ کو صحیح نہ سمجھتے ہوں یا کسی وجہ سے امر بیعت میں ان کو معذور و مجبور جانتے ہوں اس لئے کہ بشر اور علاوہ ان کے اکثر لوگوں نے جو ابو بکر سے بیعت کرلی۔ اس کا سبب عمر کا فریب تھا کہ وہ جب سقیفہ میں داخل ہوئے تو یہ کہتے ہوئے آئے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیا ہے۔ اور امر خلافت کہ جو بموجب نص ان کے لئے معین تھا اسے چھوڑ بیٹھے ہیں اور اس کی پروانہیں رکھتے۔ اس کے بعد انصار و مہاجرین میں سخت بحث ہونے لگی اور قریش کا استحقاق بمقابلہ انصار بشر اور ان کے امثال کی نظر میں قوی معلوم ہوا لہٰذا انہوں نے بیعت کرلی۔ اور سعد بن عبادہ اور باقی انصار نے مخالفت کی لیکن بشر کی بیعت ابو بکر کے ساتھ اس پر دلالت نہیں کرتی کہ وہ ابو بکر کی طرف طبیعتاً مائل تھے۔ اور ان کو مستحق خلافت آلٰہیہ جانتے تھے بلکہ ممکن ہے کہ اس شبہ کے زائل ہونے کے بعد جو عمر نے ڈالا تھا وہ پشیمان ہوئے ہوں اور اس قول کی تائید شیخ فاضل صالح ابو السّعادات الحلی علیہ الرحمہ کے اس قول سے ظاہر ہوتی ہے جو انہوں نے شرح دعاے صنمے قریش میں لکھا ہے کہ انصار روز سقیفہ ابو بکر و عمر کی بیعت سے انکار کر رہے تھے اور اس انکار پر مصر بھی تھے کہتے تھے کہ ریاست عامہ علیؑ بن ابیطالب سے تعلق رکھتی ہے چنانچہ ہم اور تم سب مامور ہیں کہ ان کا اقرار کریں اور امیر المومنین کہہ کر ان پر سلام کریں۔

ابو بکر نے کہا کہ یہ تم سچ کہتے ہو کہ جناب رسالت مآب صلعم نے انکے بارہ میں یہ فرمایا تھا لیکن بعد اس کے اس کو منسوخ کر دیا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے خود جناب رسالت مآب صلعم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم اہل بیتؑ کو خداوند عالم نے بزرگ کیا اور نبوت کے ساتھ برگزیدہ کیا اور [illegible] لیئے دنیا کو نہیں پسند کیا۔ ہے اور بتحقیق کہ خداوند عالم نبوت و خلافت کو جمع نہیں کریگا یہ سن کر ابو عبیدہؓ

جراح اور سالم غلام حذیفہ نے ابو بکر کی تصدیق کی اور کہا کہ۔

"ہمنے بھی یہ حدیث جناب رسالت مآب صلعم سے سنی ہے"

اس کلام فریب انجام سے گروہ انصار شبہہ میں پڑ گئے اور بعض نے ان میں سے بیعت کرلی۔

کتاب نہج الایمان میں مذکور ہے کہ جب قریش اور انصار میں نزاع ہونے لگی اور انصار نے کہا کہ ہم اپنے لئے ایک علیحدہ امیر بنا دیں گے تو قریش نے انہیں منع کیا اور کہا کہ خلیفہ رسول تمام امت کے لئے ایک ہونا چاہیئے۔ سعد بن عویم بن ساعدہ نے کہا کہ بتحقیق کہ خلافت سوائے اہل بیت نبوت کے اور کہیں نہیں ہوسکتی پس جس طرح۔ سے خداوند عالم نے خلافت کو قرار دیا ہے تم لوگ بھی اس کو اسی طرح رکھو۔

جریر بن عبداللہ البجلّی

نہایت طویل القامت اور حسین و جمیل آدمی تھے ان کا قد چھ ہاتھ لمبا تھا کتاب مقصد اقصا میں مذکور ہے کہ جریر اپنے قبیلہ کے ڈیڑھ سو (۱۵۰) آدمیوں کے ساتھ خدمت جناب رسالت مآب صلعم میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے خود جریر راوی ہیں کہ جب میں جناب رسالت مآب صلعم کی خدمت میں پہونچا تو حضرتؐ نے میری بہت تعظیم کی اور اپنے پاس میرے بیٹھنے کیلئے اپنی ردائے مبارک بچھا دی لیکن میں نے بہ لحاظِ ادب ردا پر پاؤں نہیں رکھا پھر حضرت نے اصحاب کی طرف دیکھا اور فرمایا جس وقت تمہارے پاس کوئی کریم آئے پس اس کا اکرام کرو۔

اور پھر جریر سے منقول ہے کہ جب ہم مدینہ کے قریب پہونچے تو بہت عمدہ کپڑے پہنکر مسجد رسول صلعم میں داخل ہوئے حضرت خطبہ پڑھ رہے تھے۔ بعد شرف ملاقات کے میں نے اصحاب سے پوچھا کہ آیا میرے آنے سے پہلے بھی حضرت کچھ میرا ذکر کرتے تھے۔

ان لوگوں نے کہا کہ ہاں حضرت فرماتے تھے کہ اس دروازہ سے ایک مرد آنے والا ہے جو بہترین اہل یمن اور میرے فضلائے اصحاب میں سے ہوگا اور آسمانی انوار اور ملکی آثار اس کی پیشانی میں واضح و آشکار ہونگے۔ پس میں شکر خدا بجالایا اور جب تک حضرت کی خدمت میں رہا حضرت نہایت خندہ روئی سے مجھ سے ملاقات کرتے تھے علامہ حلی قدس سرہٗ نے کتاب خلاصۃ الاقوال میں اور حسن بن داوٗد نے اپنی کتاب میں جریر کو منجملہ مقبولان کے شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ امیر المومنین کے قاصد ہو کر معاویہ کے پاس گئے تھے۔

اور صاحب استیعاب نے بھی کہا ہے کہ حضرتؑ نے انکو قاصد بنا کر معاویہ کے پاس بھیجا تھا۔ اور شیخ زین الدین علی شامی علیہ الرحمہ نے اپنے حواشی کتاب خلاصۃ الاقوال میں فرمایا ہے کہ حضرت

امیر کا قاصد ہوتا اگرچہ انکی مدح پر دلالت کرتا ہے لیکن حضرت سے مفارقت اور معاویہ سے بلحاظ ان کو گروہ ممدوحان ومقبولان سے خارج کرتا ہے اور ان کے معاویہ سے مل جانے کے بعد حضرت امیر علیہ السلام کا ان کے گھر کو جو کوفہ میں تھا کھدوا ڈالنا مشہور ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ یہ گمراہی اور بے عقلی انکی طویل القامتی سے بعید نہیں ہے واللہ اعلم۔ صاحب اسد الغابہ اور صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ جریر جناب پیغمبر خدا صلعم کی بعثت سے چالیس روز قبل مسلمان ہوئے۔

اور شیخ بن حجر نے کتاب اصابہ میں ان دونوں کے قول کو غلط جانا ہے اور کہا ہے کہ اوائل بعثت میں وہ حضرت کی خدمت میں آکر مسلمان ہوئے اور پھر اپنی قوم کی طرف پلٹ گئے تھے اور پھر آخر زمانہ میں حاضر خدمت ہوئے اور ان کے علاوہ دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ جس سال رسالت مآب صلعم کی وفات ہوئی جریر اسی سال مسلمان ہوئے اور ۴۲ھ میں وفات پائی۔

حجر بن عدی الکندی الکوفی

صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ وہ فضلائے صحابہ میں سے تھے اور باوجود کمسن ہونے کے بزرگانِ صحابہ میں شمار ہوتے تھے اور مستجاب الدعوات تھے جنگ صفین میں حضرت امیر المومنینؑ کی طرف سے لشکر کندہ کے امیر تھے اور جنگ نہروان میں حضرت امیر علیہ السلام کے پورے لشکر کے سپہ سالار تھے۔

علامہ حلی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ حجر اصحاب حضرت امیر المومنینؑ میں سے اور ابدال میں سے تھے۔ اور حسن بن داؤد نے ذکر کیا ہے کہ حجر عظمائے معاویہ اور اصحاب امیر المومنینؑ میں سے تھے۔

ایک مرتبہ معاویہ کے کسی حاکم نے حجر کو مجبور کیا کہ معاذ اللہ حضرت امیر المومنینؑ پر لعنت کریں انہوں نے کہا کہ امیر لشکر نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں علیؑ پر لعنت کروں پس اس پر لعنت کرو خدا اس پر لعنت کرے۔

حجر معہ اپنے بعض اصحاب کے زیاد بن ابیہ کی چغلخوری اور معاویہ بن ابی سفیان کے حکم سے ۵۱ھ ہجری میں شہید ہوئے۔

کتاب کامل بہائی میں مذکور ہے کہ زیاد بن ابیہ نے چاہا کہ حجر بن عدی کو جو رئیس شیعیان کوفہ تھے قتل کردے لہٰذا وہاں کے رؤساء کو طوعاً و کرہاً کیا کہ وہ گواہی دیں کہ حجر معاویہ کے خلاف ہوگئے ہیں اور ابو بردہ میں ابو موسیٰ اشعری نے ایک محضر لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

یہ وہ کاغذ ہے کہ جس پر ابو بردہ نے محض خداوند عالم کے لئے گواہی دی ہے کہ حجر بن عدی نے

اطاعت کو چھوڑ دیا اور جماعت سے جدائی کی خلیفہ پر لعنت کی اور فتنہ کی طرف دعوت دی گروہوں کو جمع کیا اور ان کی بیعت توڑ دی اور امیر المومنین معاویہ بن ابوسفیان کے معزول کرنے پر رغبت دلائی پس زیاد نے حکم دیا اور رؤساء کوفہ نے اس محضر پر مہریں کیں اور معاویہ نے اس بہانے سے حجر کو معہ پانچ سو شیعوں کے قتل کردیا۔

اور روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ حجر کے قتل کی وجہ یہ ہوئی کہ مغیرہ بن شعبہ جس زمانہ میں معاویہ کی طرف سے حاکم کوفہ منبر پر گیا اور امیر المومنینؑ اور تمام بنی ہاشم کو گالیاں دیں اور عثمان کے لئے مغفرت کی دعا کی حجر بن عدی ان باتوں کی تاب نہ لاسکے اور مغیرہ سے کہا کہ تم ایسے لوگوں کی خداوند عالم نے مذمت کی ہے اور لعنت فرمائی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جس کو تم لوگ رد کرو وہ خدا کے نزدیک مقبول ہے اور جس کی تم مدح کرو وہ مذمت اور سرزنش کرنے کے قابل ہے۔ پھر ایک جمعہ کو مغیرہ منبر پر گیا کہ خطبہ پڑھے حجر بن عدی نے معہ اپنے اصحاب کے اس پر پتھر برسانا شروع کئے وہ بسرعت تمام منبر سے اُتر کر دارالامارہ میں بھاگ گیا اور پانچ ہزار درہم حجر کے گھر بھیج دئے لوگوں نے مغیرہ کو ملامت کی اور کہا کہ تمہارا یہ فعل موجب توہین حکومت وامارت ہے اس نے جواب دیا کہ آج میں نے جو حجر پر احسان کیا ہے یہ انکے قتل ہونے کا پیش خیمہ ہے اس لئے کہ وہ دلیر ہو جائیں گے اور میرے بعد جو حکام آئیں گے ان سے بھی ایسا ہی برتاؤ کریں گے یہاں تک کہ قتل ہوں گے جب مغیرہ اپنی راہ پر گیا اور معاویہ نے حکومت زیادہ بن امیہ کو دی وہ بھی امیر المومنین علیؑ پر سب وشتم کرتا تھا اور حجر منع کرتے تھے یہاں تک کہ چھ مہینہ کوفہ میں رہنے کے بعد زیاد بصرہ چلا گیا اور عمر بن حریث کو اپنا نائب کر گیا عمر ایک جمعہ کو منبر پر گیا اور چاہا کہ خطبہ پڑھے حجر بن عدی نے معہ اپنے اصحاب کے پتھر مارنا شروع کردیا وہ منبر سے اتر کر دارالامارہ میں گیا اور دروازہ بند کرلیا اور زیاد کے پاس خط لکھا زیاد کوفہ واپس آیا اور حکم دیا کہ تخت مسجد میں بچھایا جائے اور پھر خود جا کر اس تخت پر بیٹھا۔

پہلا شخص جو رؤسائے کوفہ میں سے اس کے پاس آیا وہ محمد بن قیس بن اشعث کندی تھا جب محمد نے سلام کیا تو زیاد نے کہا تجھ پر سلام نہ ہو۔ جا اپنے چچازاد بھائی حجر بن عدی کو اسی وقت میرے پاس حاضر کر۔

محمد نے جواب دیا کہ اے امیر مجھکو حجر سے کوئی تعلق نہیں ہے نہ میں ان کا ہم نشین ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ مجھ میں اور ان میں کس قدر عداوت ہے جریر بن عبداللہ نے کہا کہ میں حجر کو لاسکتا ہوں بشرطیکہ ان کو معاویہ کے پاس بھیج دو وہ جو چاہے ان کے ساتھ برتاؤ کرے۔ زیاد نے قبول کرلیا جریر حجر کو اپنے ساتھ لے آیا زیاد نے ان ..کے قید کا حکم دیا۔ اور حکم دیا کہ ان کے اصحاب کو بھی لے آؤ جب سب جمع ہوگئے تو ان کو سو معتمد آدمیوں کے ساتھ دمشق بھیجا اور بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ جب حجر معہ اپنے

اصحاب کے شہر دمشق سے چار فرسخ فاصلہ تک پہونچے تو معاویہ نے ایک سردار لشکر کو ان کی طرف روانہ کیا اور کہا کہ پہلے اس گروہ سے توبہ کراؤ کہ محبت علی بن ابی طالبؑ سے رجوع کریں اگر اس کو قبول کر لیں تو فبہا ورنہ سب کو سزا دو جب وہ شخص ان کے نزدیک پہونچا تو ایک شیعہ نے کہا کہ آدھے آدمی سزا پائیں گے اور آدھے رہائی۔ لوگوں نے کہا کہ تمہیں یہ کیونکر معلوم ہوا انہوں نے جواب دیا کہ اس سبب سے کہ یہ شخص جو ہمارے پاس آرہا ہے کانا ہے اسے دیکھ کر میرے دل میں یہ بات آگئی۔

جب وہ پاس آیا اور ان لوگوں کو محبت امیر المومنین علی علیہ السلام ترک کرنے کا حکم دیا تو واقعی آدھے لوگوں نے دوستی علیؑ سے کنارہ کشی کی اور نصف دیگر نے انکار کیا۔ اس ملعون نے اہل محبت کو قتل کر دیا اور دوسروں کو چھوڑ دیا۔

اور تاریخ ابوحنیفہ دینوری میں مذکور ہے کہ زیاد بن امیہ نے ابو بردہ بن ابوموسیٰ شریح بن ہانی۔ حارث۔ و ابوعبیدہ قینی کو معاویہ کے پاس بھیجا کہ افعال پر گواہی دیں جب ان چاروں نے گواہی دی تب معاویہ نے ان کے قتل کا حکم دیا۔

صاحب کتاب احتجاج نے صالح بن کیسان سے روایت کی ہے کہ جس سال معاویہ نے حجر بن عدی کو معہ ان کے اصحاب کے قتل کیا اسی سال وہ حج کو گیا اور اثنائے حج میں جناب حضرت امام حسین علیہ السلام سے ملاقات کر کے کہا کہ آیا آپ کو خبر پہونچی کہ میں نے حجر اور ان کے اصحاب کے ساتھ جو آپ کے والد کے شیعہ تھے کیا کیا؟ حضرت نے فرمایا کہ تو خود بیان کر! اس نے کہا کہ میں نے ان کو قتل کر کے غسل و کفن دیکر ان پر نماز پڑھی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ لوگ روز قیامت تیرے خصم ہونگے لیکن اے معاویہ اگر ہم تیرے شیعوں کو قتل کریں گے تو نہ انہیں غسل دیں گے نہ کفن نہ نماز پڑھیں گے اور نہ قبر میں دفن کریں گے۔

قبر منور حجر اور ان۔ کے اصحاب کی مقام عذر میں ہے جو دمشق سے دو فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے اور بعض ثقات نے مولف سے بیان کیا کہ جب شیخ سعید ابوعبداللہ الشہید نے حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کی زیارت کی تو یہ دو شعر اس جگہ پر لکھ دیے:۔ شعر

جَمَاعَةٌ بِفَنَاءِ عَذرٍ قَد دُفِنُوا   لَهُمْ مِن الله اجلالٌ واكرامٌ
حَجَرٌ قبيصَتُهُ ضَيفي شَرِيكُهُم   وَصَالحٌ ثُمَّ هَمَّامٌ وَكَرَّامٌ

یعنی میدان عذر میں جو جماعت مدفون ہے خداوند عالم کے نزدیک وہ اجل و اکرم ہے اور وہ بڑے بزرگ اور صاحب کرم اور صاحب صلاحیت لوگ ہیں جن میں حجر اور ان کے شرکاء ہیں۔

عدی بن حاتم الطائی

صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ وہ اکابر مہاجرین میں سے تھے اور ان کے اسلام لانے کے روز جناب پیغمبر خدا صلعم نے بہت خوشی فرمائی اور اپنی ردائے مبارک ان کے لئے بچھادی اور زبان معجز بیان سے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی کریم آئے تو اس کا اکرام کرو۔

عدی ممدوح جنگ جمل و صفین و نہروان میں ملازم رکاب ولایت انتساب حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام رہے اور جنگ جمل میں ان کی ایک آنکھ ضایع ہوئی زمخشری نے کتاب ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ معاویہ نے ایک خط عدی بن حاتم کو لکھا اور اپنی بیعت کی خواہش کی۔ عدی نے جواب میں یہ دو شعر لکھ دے شعر

يُجَادِلُنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَخرٍ   وَلَيْسَ اَبِي الَّذِي يَبْغِي سَبِيلُ
يُذَكِّرُنِي اَبَا حَسَنٍ عَلِياً   وَحَظِنِي اَبِي حَسَنٍ جَلِيلُ

یعنی " جدال کرتا ہے مجھ سے اور جھگڑتا ہے معاویہ بن صخر درحالیکہ باغی یعنی معاویہ کی طرف جانے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ وہ مجھ سے ابوالحسنؑ علیؑ کے بارہ میں نصیحت کرتا ہے درحالیکہ میرا حصہ ابوالحسنؑ کے بارہ میں یعنی ان کی محبت میں بہت بڑا ہے" مروی ہے کہ جب عدی بن حاتم کو شہادت حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام مجلس معاویہ میں جانا پڑا اور اس مجلس میں عبداللہ بن زبیر جو جنگ جمل میں قتل ہونے سے بچ گیا تھا حاضر تھا۔

عبداللہ نے معاویہ سے کہا کہ اگر تم اجازت دو تو میں ایک گروہ قریش کے شمول میں عدی بن حاتم سے باتیں کروں اس لئے کہ شیعوں کا گمان ہے کہ خوش بیانی اور سخن وری میں کوئی ان کا مثل نہیں ہے۔

معاویہ نے کہا کہ عدی حقیقت میں ویسے ہی حاضر جواب و زبان آور ہیں جیسا شیعہ انہیں کہتے ہیں ڈرتا ہوں کہ کہیں انسے مناظرہ کر کے تم اپنے کو ضائع نہ کرو اور مجھ کو تکلیف و زحمت میں نہ ڈالو۔

عبداللہ بن زبیر اور تمام ملاعین قریش نے اصرار کیا پس عبداللہ نے ابتدا کی کہ اے ابا طریف کس روز تمہاری آنکھ لوگوں نے ضائع کی۔

عدی نے جواب دیا کہ جس روز تمہارے باپ میدان جنگ سے بھاگ گئے اور بری طرح سے مارے گئے تھے اور اشتر نے تمہارے مبزر پر نیزہ مارا تھا جس سے تم بھاگے تھے۔

جب معاویہ نے یہ سنا تو عبداللہ بن زبیر سے کہا کہ آخر میں نے نہیں کہا تھا کہ تم ان سے مقابلہ نہ کرو؟ اور کتاب غُرَرُ الفوائد و دُرَرُ القلائد میں کہ جو مولفاتِ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمہ میں

اصحاب کے شہر دمشق سے چار فرسخ فاصلہ تک پہونچے تو معاویہ نے ایک سردار لشکر کو ان کی طرف روانہ کیا اور کہا کہ پہلے اس گروہ سے توبہ کراؤ کہ محبت علی بن ابی طالبؑ سے رجوع کریں اگر اس کو قبول کرلیں تو فبھا ورنہ سب کو سزا دو جب وہ شخص ان کے نزدیک پہونچا تو ایک شیعہ نے کہا کہ آدھے آدمی سزا پائیں گے اور آدھے رہائی۔ لوگوں نے کہا کہ تمہیں یہ کیونکر معلوم ہوا انہوں نے جواب دیا کہ اس سبب سے کہ یہ شخص جو ہمارے پاس آرہا ہے کانا ہے اسے دیکھ کر میرے دل میں یہ بات آگئی۔

جب وہ پاس آیا اور ان لوگوں کو محبت امیر المومنین علی علیہ السلام ترک کرنے کا حکم دیا تو واقعی آدھے لوگوں نے دوستی علیؑ سے کنارہ کشی کی اور نصف دیگر نے انکار کیا۔ اس ملعون نے اہل محبت کو قتل کر دیا اور دوسروں کو چھوڑ دیا۔

اور تاریخ ابو حنیفہ دینوری میں مذکور ہے کہ زیاد بن امیہ نے ابو بردہ بن ابو موسیٰ شریح بن ہانی۔ حارث۔ و ابو عبیدہ قینی کو معاویہ کے پاس بھیجا کہ افعال پر گواہی دیں جب ان چاروں نے گواہی دی تب معاویہ نے ان کے قتل کا حکم دیا۔

صاحب کتاب احتجاج نے صالح بن کیسان سے روایت کی ہے کہ جس سال معاویہ نے حجر بن عدی کو مع ان کے اصحاب کے قتل کیا اسی سال وہ حج کو گیا اور اثنائے حج میں جناب حضرت امام حسین علیہ السلام سے ملاقات کر کے کہا کہ آیا آپ کو خبر پہونچی کہ میں نے حجر اور ان کے اصحاب کے ساتھ جو آپ کے والد کے شیعہ تھے کیا کیا؟ حضرت نے فرمایا کہ تو خود بیان کر! اس نے کہا کہ میں نے ان کو قتل کر کے غسل و کفن دیکر ان پر نماز پڑھی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ لوگ روز قیامت تیرے خصم ہونگے لیکن اے معاویہ اگر ہم تیرے شیعوں کو قتل کریں گے تو نہ انہیں غسل دیں گے نہ کفن نہ نماز پڑھیں گے اور نہ قبر میں دفن کریں گے۔

قبر منور حجر اور ان۔ کے اصحاب کی مقام عذر میں ہے جو دمشق سے دو فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے اور بعض ثقات نے مولف سے بیان کیا کہ جب شیخ سعید ابو عبداللہ الشہید نے حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کی زیارت کی تو یہ دو شعر اس جگہ پر لکھ دیے:۔ **شعر**

جَمَاعَةٌ بِفَنَاءِ عَذرٍ قَد دُفِنُوا — لَهُم مِنَ اللهِ اجلالٌ و اکرامٌ

حَجَرٌ قَبِیصَتُهُ صَیفِی شَرِیکُهُم — وَصَالحٌ ثُمَّ هَمَّامٌ وَکَرّامٌ

یعنی میدان عذر میں جو جماعت مدفون ہے خداوند عالم کے نزدیک وہ اجل و اکرم ہے اور وہ بڑے بزرگ اور صاحب کرم اور صاحب صلاحیت لوگ ہیں جن میں حجر اور ان کے شرکاء ہیں۔

عدی بن حاتم الطائی

صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ وہ اکابر مہاجرین میں سے تھے اور ان کے اسلام لانے کے روز جناب پیغمبر خدا صلعم نے بہت خوشی فرمائی اور اپنی ردائے مبارک ان کے لئے بچھادی اور زبان معجز بیان سے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی کریم آئے تو اس کا اکرام کرو۔

عدی ممدوح جنگ جمل و صفین و نہروان میں ملازم رکاب ولایت انتساب حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام رہے اور جنگ جمل میں ان کی ایک آنکھ ضایع ہوئی زمخشری نے کتاب ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ معاویہ نے ایک خط عدی بن حاتم کو لکھا اور اپنی بیعت کی خواہش کی۔ عدی نے جواب میں یہ دو شعر لکھ دیے **شعر**

یُجَادِلُنِی مُعَاوِیَةُ بنُ صَخرٍ — وَلَیسَ اَبِی الَّذِی یَبغِی سَبِیلُ

یُذَکِّرُنِی اَبَا حَسَنٍ عَلِیاً — وَحَظِّی اَبِی حَسَنٍ جَلِیلُ

یعنی "جدال کرتا ہے مجھ سے اور جھگڑتا ہے معاویہ بن صخر درحالیکہ باغی یعنی معاویہ کی طرف جانے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ وہ مجھ سے ابوالحسن علیؑ کے بارہ میں نصیحت کرتا ہے درحالیکہ میرا حصہ ابوالحسنؑ کے بارہ میں یعنی ان کی محبت میں بہت بڑا ہے" مروی ہے کہ جب عدی بن حاتم کو شہادت حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام مجلس معاویہ میں جانا پڑا اور اس مجلس میں عبداللہ بن زبیر جو جنگ جمل میں قتل ہونے سے بچ گیا تھا حاضر تھا۔

عبداللہ نے معاویہ سے کہا کہ اگر تم اجازت دو تو میں ایک گروہ قریش کے شمول میں عدی بن حاتم سے باتیں کروں اس لئے کہ شیعوں کا گمان ہے کہ خوش بیانی اور سخن وری میں کوئی ان کا مثل نہیں ہے۔

معاویہ نے کہا کہ عدی حقیقت میں ویسے ہی حاضر جواب و زبان آور ہیں جیسا شیعہ انہیں کہتے ہیں ڈرتا ہوں کہ کہیں انسے مناظرہ کر کے تم اپنے کو ضائع نہ کرو اور مجھ کو تکلیف و زحمت میں نہ ڈالو۔

عبداللہ بن زبیر اور تمام ملاعین قریش نے اصرار کیا پس عبداللہ نے ابتدا کی کہ اے ابا طریف کس روز تمہاری آنکھ لوگوں نے ضائع کی۔

عدی نے جواب دیا کہ جس روز تمہارے باپ میدان جنگ سے بھاگ گئے اور بری طرح سے مارے گئے تھے اور اشتر نے تمہارے مبز پر نیزہ مارا تھا جس سے تم بھاگے تھے۔

جب معاویہ نے یہ سنا تو عبداللہ بن زبیر سے کہا کہ آخر میں نے نہیں کہا تھا کہ تم ان سے مقابلہ نہ کرو؟
اور کتاب غرر الفوائد و درر القلائد میں کہ جو مولفات سید مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمہ میں

سے ہے مذکور ہے کہ جب عدی بن حاتم بعد شہادت حضرت علیؑ معاویہ کے پاس آئے تو اس نے بطور شماتت ان سے پوچھا کہ تمہارے تینوں بیٹے طریف اور طراف وطرفہ کیا ہوئے۔

عدی نے جواب دیا کہ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے۔

معاویہ نے کہا کہ ابن ابی طالبؑ نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ کہ اپنے بیٹوں کو صحیح وسالم رکھا اور تمہارے بیٹوں کو قتل ہونے دیا۔

عدی نے جواب دیا کہ میں نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا اس لئے کہ وہ شہید ہو گئے اور میں زندہ ہوں۔ **شعر**

دوراز حریم کوئے تو شرمندہ ماندہ ام
شرمندہ ماندہ ام کہ چرا زندہ ماندہ ام

علامہ حلی قدس سرہ نے کتاب خلاصۃ الاقوال میں لکھا ہے کہ عدی بن حاتم طائی منجملہ ان اصحاب کے ہیں جنھوں نے حضرت امیر علیہ السلام کی طرف رجوع کی اور مستبصر ہو گئے۔

اُسامہ بن زید بن شراجیل الکلبی

صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ ان کی ماں ام ایمن تھیں کہ جن کا نام بَرکہ تھا اور جناب رسالت مآب کی کنیز تھیں اور آنحضرت صلعم کی وفات کے روز اسامہ کی عمر بیس برس (۲۰) کی تھی اور بعضوں نے انیس (۱۹) اور بعضوں نے اٹھارہ (۱۸) ہی کہا ہے اور بعد آنحضرت صلعم کے وادی القریٰ میں رہنے لگے اور آخر میں پھر مدینہ واپس ہوئے اور اواخر خلافت معاویہ میں وفات پائی۔ اور روایت کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب نے اسامہ بن زید کو پانچ ہزار اشرفیاں بیت المال سے مقرر کیں اور اپنے بیٹے عبداللہ کے لئے صرف دو ہزار۔

عبداللہ نے کہا کہ آپ نے اسامہ کو مجھ پر فضیلت دی؟ درحالیکہ میں نے جناب رسالت مآب صلعم کے وہ غزوات دیکھے ہیں جو اسامہ نے نہیں دیکھے۔

عمر نے جواب دیا کہ میں نے اس کو تجھ پر اس لئے فضیلت دی کہ رسول اللہ صلعم اس کو تیرے باپ سے زیادہ چاہتے تھے۔

مولف کہتا ہے کہ عمر نے سبب تفصیل بیان کرنے میں کذب سے کام لیا ہے بلکہ اصلی وجہ اس کے فضیلت دینے کی یہ ہے کہ اسامہ کو جناب رسالت مآب صلعم نے امیر لشکر کر کے بھیجا تھا اور ابوبکر وعمر وغیرہ کو ان کا تابع قرار دیا تھا اور فرمایا تھا کہ جو لشکر اسامہ سے روگردانی کرے اس پر خدا کی لعنت ہے۔

یہ لوگ پلٹ آئے اور خدا کی لعنت کو اپنے حق میں مضر نہیں سمجھا لیکن اسامہ چونکہ آخر جناب رسول خدا صلعم تک ان کے امیر تھے بعد وفات ان کو اپنا امیر نہیں مانتے تھے آخر کار ان لوگوں نے روپیئے اور پیسے کی طمع دلا کر اور ان کو امیر بنانے کا وعدہ کر کے اپنی مخالفت اور بنی ہاشم کی متابعت سے باز رکھا اور یہ اسامہ کا ایک بہت بڑا احسان ان کی گردن پر تھا جن کا عوض بمصالح دینوی وقت گزرنے کے بعد بھی یہ لوگ کرتے رہے پس اصلی وجہ اسامہ کے فضیلت دینے کی یہ تھی نہ وہ کہ جو عمر نے اپنے بیٹے سے بیان کی۔

منقول ہیکہ جب ابوبکر منتظم امر خلافت ہوئے تو اسامہ نے بکمال عتاب ان سے خطاب کیا کہ رسول اللہ نے مجھ کو تجھ پر امیر قرار دیا تھا یہ تجھ کو کس نے مجھ پر خلیفہ بنایا جو رسول اللہؐ نے جس کو خلیفہ کیا وہ علیؑ بن ابی طالب ہیں آخر کار ابوبکر وعمر اسامہ کے پاس گئے اور خوشامد کر کے ان کو راضی کیا اور اپنی عمر بھر ان کو امیر کہا کرتے تھے بعض تاریخوں میں مذکور ہے کہ جب ابوبکر خلیفہ ہوئے تو اسامہ کو اسی لشکر کے ساتھ جو پیغمبر خدا نے ان کے لئے مقرر کیا تھا شام کی طرف جانے کا حکم دیا۔

اسامہ نے کہا پیغمبر خدا صلعم نے جن جن لوگوں کو میرے لشکر میں شامل کیا تھا اور روگردانی کرنے پر لعنت کی تھی وہ سب کے سب میرے ساتھ چلیں تو البتہ میں جاؤں گا جن میں سے ایک تو اور دوسرے عمر ہیں اور بہت سے وہ لوگ ہیں جو میرے یار ومددگار ہیں۔ ابوبکر کو اس سبب سے رنجش پیدا ہوئی اور انہوں نے اسامہ کو معزول کر کے خالد کو ان کی جگہ پر منصوب کیا اور بجانب شام روانہ کیا۔ **شعر**

کسے کہ عزل کند آن کہ از نبیؐ شدہ نصب — چہ گونہ میر شدش دعوی وفاق نبیؐ
صباح روز قیامت چہ حال خواہد داشت — کسے کہ کردہ تجرع مئے نفاق نبیؐ

علامہ حلی علیہ الرحمہ اور حسن بن داؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے اسامہ کے بارہ میں فرمایا کہ اسامہ نے آخر میں حق کی طرف رجوع کی تھی لہٰذا ان کے حق میں سوائے اچھائی کے کچھ نہ کہو اور اسی طرح سے پھر روایت کی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے زمانہ خلافت میں اپنے والی کو لکھا کہ سعد وقاص اور عبداللہ عمر کو مال فے میں سے کہ جس سے مراد مال خراج وغنیمت ہے کچھ نہ دو اور اسامہ بن زید کو دو اسلئے کہ میں نے اسامہ کو ان کی اس قسم کے متعلق جو ان پر تھی معذور رکھا ہے۔

لیکن علامہ علیہ الرحمہ نے آخیر میں فرمایا ہے کہ ان دونوں روایتوں کے طریق میں ضعف ہے جس کا بیان میں نے اپنی بڑی کتاب کے آخر میں کیا ہے اور دوئی یہ ہے کہ جس حدیث کے راوی اسامہ ہوں اس میں توقف کیا جائے۔

ابراھیم بن رافع یا ابورافع

کتاب خلاصۃ الاقوال میں مذکور ہے کہ وہ جناب رسالت مآب صلعم کے غلام آزاد کردہ تھے اور مشاہد و غزوات میں حضرت کے ہمراہ رہے اور بعد وفات آنحضرت جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کے ساتھ رہے اور بہترین ثقات شیعہ میں سے تھے اور کتاب اصابہ میں مذکور ہے کہ اسلم ابورافع کا قبطی نام ہے جو جناب پیغمبر خدا صلعم کے غلام تھے لیکن ان کی کنیت نام سے زیادہ مشہور تھی بخاری نے بھی جزمی طور پر لکھا ہے کہ ان کا نام اسلم تھا اور شیخ جلیل احمد بن نجاشی نے اس بارہ میں تردد کیا ہے کہ ان کا نام اسلم یا ابراھیم اس لئے کہ پہلے فرمایا ہے کہ ابورافع غلام جناب رسالت مآب کا نام اسلم تھا اور وہ اصل عباس بن عبدالمطلب کے غلام تھے جب انہوں نے عباس کے مسلمان ہونے کی بشارت حضرت کو پہونچائی تو اس خوشی میں آزاد کیا اور پھر **احمد بن محمد بن سعید** حافظ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ابن عقدہ سے روایت کی ہے کہ ابن عقدہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ابورافع کا نام ابراھیم تھا اور وہ مکہ میں مسلمان ہوئے اور مدینہ کی طرف ہجرت اور غزوات میں جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ اور پھر ملازم خدمت حضرت امیرؑ رہے اور بہترین شیعوں میں سے تھے اور تمام جنگوں میں حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ رہے اور آپ کی طرف سے بیت المال کے خزانہ دار تھے اور ان کے دو بیٹے عبیداللہ اور علیؑ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ارکان میں سے تھے اور عبیداللہ بن عبیداللہ بن ابی رافع سے روایت کی ہے کہ وہ اپنے باپ رافع سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک روز خدمت جناب رسالت مآبؐ میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ جناب رسالت مآب صلعم سو رہے ہیں یا آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے اور گھر کے کنارہ پر ایک سانپ ہے میں نے نہ چاہا کہ اس سانپ کو ماروں کہ ایسا نہ ہو کہ حضرت بیدار ہو جائیں لہٰذا میں حضرت صلعم اور اس سانپ کے درمیان لیٹ گیا کہ اگر سانپ سے کوئی نقصان پہونچے تو مجھے پہونچے لیکن حضرت صلعم محفوظ رہیں۔ اسی اثناء میں حضرت بیدار ہوئے اور آیۂ "اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَالَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ" پڑھ رہے تھے جس کا ظاہری ترجمہ یہ ہے:۔ کہ "اس کے سوا نہیں ہے کہ تمہارا ولیؑ امر خدا ہے اور اس کا رسولؐ اور وہ لوگ ہیں کہ جو ایمان لائے اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔"

اس کے بعد ارشاد فرمایا:۔ الحمد لله الذى اكمل لعلى منيتة وهنيئاً لعلى بتفضّل الله اياهُ یعنی شکر اس خدا کا جس نے علیؑ کے لئے ان کی آرزو کو پورا کر دیا اور گوارا ہو علیؑ کے واسطے خدا کا تفضّل۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور مجھے ایک کنارہ پر لیٹا ہوا دیکھ کر فرمایا کہ اے ابورافع کنارہ پر

کیوں لیٹے ہو میں نے سانپ کی حکایت عرض کی۔ فرمایا اٹھو اور اسے مار ڈالو۔ میں نے اٹھ کر سانپ کو مار ڈالا۔ تب حضرت نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیا اور فرمایا کہ تم اس قوم کے بارہ میں کیا کہتے ہو جو علیؑ سے ایسی حالت میں مقابلہ کرے جب علیؑ حق پر ہوں اور وہ لوگ باطل پر ہوں۔

میں نے عرض کی کہ ایسی قوم سے جہاد کرنا حق ہے اور جس کو جہاد پر قدرت نہ ہو اسے چاہئے کہ دل سے اس قوم سے منکر ہو بس میں نے حضرت سے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلعم میرے حق میں دعا فرمایئے کہ جب میں اس گروہ تک پہونچوں تو خداوند عالم مجھ کو ان سے جنگ کرنے میں قوت دے۔ حضرت نے دعا فرمائی کہ اے اللہ اگر یہ اس قوت تک پہونچے تو اس کو وقت دے اور اس کی اعانت کر۔

اس کے بعد حضرت گھر سے باہر ان لوگوں کے پاس تشریف لائے جو باہر جمع ہوئے تھے اور فرمایا کہ اے لوگو جو شخص میرے نفس اور میرے اہل کے امین کو دیکھنا چاہتا ہو۔ تو یہ **ابورافع** میرا امین ہے میرے نفس پر اور اسی طرح سے روایت کی ہے۔

طاعون نے عبیداللہ بن ابی رافع سے کہ ابورافع نے کہا کہ جب لوگوں نے حضرت امیر علیہ السلام سے بیعت کی۔ اور امیر معاویہ نے اظہار مخالفت کی اور طلحہ و زبیر بصرہ کی طرف گئے۔ ابورافع نے اپنے دل میں کہا کہ یہی وہ راز ہے جو جناب رسالت مآبؐ فرماتے تھے کہ عنقریب علیؑ سے ایسی قوم قتال کرے گی جس سے راہ خدا میں جہاد کرنا حق ہوگا۔ لہٰذا ابورافع نے اپنا گھر اور اپنی کھیتی جو خیبر میں تھی فروخت کر ڈالی۔ اور بقصد شہادت حاصل کرنے کے معہ اپنے فرزندوں کے حضرت امیر علیہ السلام کے ہمراہ مدینہ سے باہر آئے اور اس وقت ان کی عمر پچاسی (۸۵) برس کی تھی اثنائے راہ میں کہتے جاتے تھے کہ الحمد للہ میں نے ایسی صبح کی کہ کوئی میری منزلت پر نہیں ہے میں نے دو بیعتیں کیں یعنی بیعت عقبہ اور بیعت رضواں اور دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور تین ہجرتیں کیں۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے جب ان سے پوچھا کہ وہ تین ہجرتیں کون سی ہیں تو جواب دیا کہ ایک ہجرت جعفر بن ابی طالبؑ کے ساتھ حبشہ کی طرف اور دوسری جناب رسالت مآبؐ کے ہمراہ مکہ سے مدینہ کی طرف اور تیسری حضرت علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام کے ہمراہ کوفہ کی طرف۔

اور ہمیشہ ابورافع حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں رہے یہاں تک کہ وہ حضرت شہید ہوئے۔ پھر ابورافع حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ مدینہ واپس آئے چونکہ مکان اور زراعت نہ رکھتے تھے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا مکان اپنے اور ابورافع کے درمیان میں آدھا آدھا تقسیم کر دیا اور زراعت بھی ان کو عطا فرمائی۔ درّرام نے اپنے مجموعہ میں لکھا ہے کہ علی بن ابی رافع کہتے ہیں کہ میں عامل بیت المال تھا اور حضرت امیر علیہ السلام کا کاتب بھی تھا بیت المال

میں ایک لڑی موتیوں کی تھی جو بصرہ سے حاصل ہوئی تھی حضرت امیر علیہ السلام کی صاحبزادی نے ایک شخص کو میرے پاس بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ بیت المال میں ایک موتیوں کی لڑی ہے اور وہ تمہارے قبضہ میں ہے میں چاہتی ہوں کہ وہ بطور عاریت مجھے دو روز عید قرباں میں اسے پہنوں

میں نے جواب دیا کہ بطور عاریت مضمونہ کے میں دوں گا یعنی اگر تلف ہو جائے تو اس کا تاوان آپ عطا فرمائیں۔

ان معظمہ نے پیام بھیجا کہ ہاں اس طریقہ سے مجھے منظور ہے اور تین روز بعد تمہیں واپس کردوں گی میں نے وہ لڑی بھیج دی۔ اتفاقاً حضرت امیرؑ نے جو انہیں پہنے ہوئے دیکھ لیا اور پہچانا دریافت فرمایا کہ یہ کہاں سے تمہیں ہاتھ آئی تو انہوں نے عرض کی علی بن رافع خازن بیت المال سے میں نے بطور عاریت لی ہے کہ روز عید اسے پہنوں اور پھر واپس دیدوں۔ حضرت نے مجھے طلب فرمایا۔ جب میں حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا کہ تو مسلمانوں کے بیت المال میں بغیر ان کی رضامندی کے خیانت کرتا ہے؟

میں نے عرض کی کہ یا امیر المومنینؑ آپ کی صاحبزادی نے بطور عاریت مضمونہ مجھ سے مانگ بھیجی تھی اور میں نے اپنے اوپر بھی ضمانت رکھ کے ان کو دی ہے کہ میں اس کو اس کی جگہ پر واپس لاؤں۔

حضرت نے فرمایا کہ آج ہی اسے واپس لینا چاہئے اور اسے اس کی جگہ پر رکھ دینا چاہئے۔ اور اگر پھر تجھ سے ایسا امر ظاہر ہوا تو میں تجھے سزا دوں گا اور اگر میری لڑکی نے بطور عاریت مضمونہ مردودہ نہ لیا ہوتا تو یقیناً وہ پہلی زن ہاشمیہ ہوتی جس کا ہاتھ چوری میں کاٹا جاتا۔

علی بن ابی رافع کہتے ہیں حضرت نے جو یہ عتاب مجھ پر فرمایا اس کی خبر ان صاحبزادی کو بھی پہونچ گئی انہوں نے عرض کی کہ میں آپ کی بیٹی ہوں اور آپ کا ایک جزو جسم ہوں مجھ سے زیادہ کون اس کے پہننے کا حق دار ہو سکتا ہے۔

حضرت نے جواب دیا کہ اے لڑکی اپنی خواہش نفس کے سبب سے دائرہ حق سے باہر نہ جا کیا تمام مہاجرین کی عورتیں روز عید ایسی ہی موتیوں کی لڑی پہنے تھیں؟ کہ تجھے بھی اس کے ساتھ مزین ہونا ضروری تھا۔

علی بن رافع کہتے ہیں کہ بعد اس گفت وشنید کے میں نے وہ موتیوں کی لڑی واپس لے لی اور اس کے مقام پر رکھ دی۔

برّ ابن مالک بن النضر الانصاری

علامہ حلی علیہ الرحمہ اور حسن بن داؤد علیہ الرحمہ نے ان کو مولفین و ممدوحین صحابہ میں ذکر کیا ہے اور کتاب استیقاب میں مذکور ہے کہ برّ ابن مالک بن النضر الانصاری انس بن مالک کے عینی بھائی تھے اور جنگ اُحد اور مابعد کے غزوات جناب پیغمبرؐ خدا کے ساتھ تھے اور فضلائے زمانہ اور دلیران فرزانہ میں سے تھے ابن سیرین سے منقول ہے کہ عمر بن الخطاب نے اپنے حکام کو لکھا تھا کہ براء بن مالک کو لشکروں کے خوفناک مقامات پر نہ بھیجو اس لئے کہ یہ اپنی مردانگی کے سبب سے دوسروں کو بھی جرأت دلا کر قتل کرا دے گا۔

اور یہ بھی روایت کی ہے کہ مسیلمہؑ کذاب کو انہیں نے مار گرایا تھا واقعہ یوں تھا کہ جب لشکر اسلام نے مسیلمہ اور اس کے اصحاب کو عاجز کر دیا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے باغ کی چاردیواری میں پناہ لی۔ براء نے کہا کہ اے مسلمانوں مجھے اپنے کندھے پر اٹھالو تا کہ میں اس باغ میں اتر جاؤں اور اس سے جہاد کروں پس لوگوں نے انہیں اٹھا کر دیوار پر بیٹھا دیا یہ دشمنوں کے درمیان میں کود پڑے اور قتال کرتے ہوئے باغ کا دروازہ کھول دیا لشکر اسلام باغ میں داخل ہو گیا اور مسیلمہ قتل ہوا اور اس جنگ میں اسی (۸۰) زخموں سے زیادہ براء کے جسم پر لگے تھے۔

زمانہ خلافت عمر میں وقت فتح شوستر شہید ہوئے اور قبر ان کی وہین ہے اور مشہور زیارت گاہ جمہور ہے۔

برّاء بن عازب الانصاری الحارثی الخزرجی

علامہ حلی علیہ الرحمہ نے ان کو مقبولیں میں شمار کیا ہے کہ کتاب کامل بہائی میں اسحٰق بن جعفر اور انہوں نے اعمش سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اخیار تابعین میں سے دس آدمیوں نے میرے سامنے گواہی دی کہ براء بن عازب کہتے تھے کہ میں مرتا ہوں اور تبرا کرتا ہوں اُن لوگوں پر جنہوں نے علی علیہ السلام پر تقدم کیا۔ اور دنیا و آخرت میں ان سے بری ہوں۔

اس کتاب کے دوسرے مقام پر مذکور ہے کہ براء بن عازب اور بریدہ بن حصین حضرت امیر علیہ السلام کی خانہ نشینی کے زمانہ میں بیعت ابوبکر کی خبر آپ کو پہونچاتے تھے صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ جنگ جمل و صفین و نہروان میں حاضر تھے اور پھر کوفہ میں رہنے لگے اور مصعب بن زبیر کے زمانہ میں وہیں وفات پائی۔

البراء بن مغرور بن سخر الانصاری السلمی الخزرجی

صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ وہ عقبہٗ اولیٰ کے نقباء اور بزرگ انصار منجملہ مقبولان تھے میں ہیں اور بنی مسلمہ جوان کے اعزاء ہیں کہتے ہیں کہ پہلا شخص جس نے شب عقبہ جناب رسالت مآبؐ کی بیعت کی وہی تھے اور بعضوں نے کہا کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے سب سے پہلے انہیں نے نماز پڑھی تھی۔ اور انہیں نے سب سے پہلے ثلث مال کی وصیت کی۔ ان کی وفات زمان حیات پیغمبرؐ خدا میں اور (بلکہ آپ کے مدینہ تشریف لانے سے پیشتر) مدینہ میں ہوئی اور جب حضرت مدینہ تشریف لائے معہ اپنے اصحاب کے ان کی قبر پر جا کر نماز پڑھی۔

بشر بن براء بن مغرور الانصاری

علامہ حلی نے کتاب خلاصہ میں ان کو گروہ مقبولان سے شمار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اور یہ واقد بن عبداللہ تمیمی کے ساتھ جو بنی عدی کا حلیف تھا۔ جنگ بدر و اُحد و خندق وحدیبیہ میں حاضر تھے۔

اور روز خیبر جناب رسالت مآبؐ کے ہمراہ گوشت گوسفند زہر آلود کھایا اور اس کے اثر سے وہیں انتقال کیا۔

عقبہ بن عمر بن ثالبہ الانصاری

علامہ حلی علیہ الرحمہ نے کتاب خلاصہ میں ان کو بھی مقبولین میں زکر کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ اصحاب جناب رسالت مآبؐ میں سے تھے اور کوفہ میں جناب امیر علیہ السلام کے خلیفہ تھے۔ صاحب اصابہ نے کہا ہے کہ وہ اپنی کنیت ابومسعود کے ساتھ مشہور ہیں اور اس پر سب نے اتفاق کیا ہے کہ وہ بیعت عقبہ میں حاضر تھے لیکن جنگ بدر میں حاضر ہونے کے متعلق اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ جنگ بدر میں حاضر نہ تھے لیکن بعد کو مقام بدر میں ساکن ہو گئے اس لئے ابومسعود بدری کہلاتے ہیں اور یہ بھی کہا ہے کہ وہ منجملہ اصحاب امیر المومنین علیہ السلام تھے اور ایک مرتبہ حضرت نے ان کو کوفہ میں اپنا خلیفہ بنایا تھا بعض نے وفات ۴۰ھ میں اور بعض نے اس سے پہلے لکھی ہے اسی طرح سے مقام وفات میں بھی اختلاف ہے کہ مدینہ میں مرے یا کوفہ میں۔

حارثہ بن سراقہ الانصاری

کتاب خلاصہ اور کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ وہ جنگ بدر میں آئے اور وہیں شہید ہو گئے۔ صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ حارثہ کی ماں انس بن مالک کی پھوپی تھیں۔ وہ حالت جوانی میں روز بدر شہید ہوئے تو ان کی ماں جناب رسالت مآب صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور حارثہ سے اپنے تعلق خاطر کا حال بیان کیا۔ حضرت صلعم نے ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ خوش رہو اس لئے کہ وہ جنت الفردوس میں ہیں۔

حارثہ بن تعمان بن نقی الانصاری

کتاب استیعاب میں مذکور ہے کہ تمام مشاہد غزوات سرور کائنات صلعم میں حاضر تھے اور فضلائے صحابہ میں سے تھے خود انہیں سے منقول ہے کہ ایک روز میں خدمت جناب رسالت مآب صلعم میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ جبرئیلؑ آپ سے بات کر رہے ہیں پس میں نے سلام کیا اور گزر گیا۔ جب میں پھر حضرت کی خدمت میں آیا تو حضرت نے فرمایا کہ آیا اس شخص کو جو میرے ساتھ تھا تم نے دیکھا۔ میں نے عرض کی کہ جی ہاں! حضرت نے فرمایا کہ وہ جبرئیلؑ تھے تم نے سلام کیا انہوں نے تمہارے سلام کا جواب دیا علاوہ بریں ان کے اور فضائل بھی کتاب استیعاب میں مذکور ہیں جن کا ذکر موجب تطویل ہے۔

اور کتاب خلاصہ اور کتاب حسن بن داؤد میں مذکور ہے کہ انہوں نے دو مرتبہ جبرئیلؑ کو دحیہ کلبی کی صورت میں دیکھا۔

ایک مرتبہ جب جناب پیغمبر خدا صلعم بنی قریظہ کی طرف تشریف لے گئے تھے اور دوسری مرتبہ جب حنین سے واپس ہو رہے تھے حارثہ مذکور حضرت امیر علیہ السلام کی ہر جنگ میں نہایت وفاداری اور جانثاری کے ساتھ ہمراہ رہے اور معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔

حارثہ بن نعمان بن اُمیۃ الانصاری

کتاب خلاصہ میں صنف مقبولین میں مذکور ہیں صاحب استیعاب نے کہا کہ وہ خواتؔ بن جیر کے چچا تھے اور جنگ بدر و اُحد میں شریک ہوئے۔

حارث بن ھشام المعرۃ القرشی المخزومی

خلاصہ میں یہ بھی مقبولین میں مذکور ہیں۔ اور صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ روز فتح مکہ مسلمان ہوئے اور فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ زمانہ عمر بن خطاب میں بغرض جہاد شام گئے اہل مکہ بسبب ان کے حُسن سلوک کے شہر کے باہر تک انہیں پہونچانے گئے اور ان کی مفارقت پر روتے تھے وہ ان لوگوں کو تسلی دیتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے تم پر دوسرے لوگوں کو ترجیح دیکر مفارقت نہیں اختیار کی ہے بلکہ تمہیں چھوڑ کر خدا کی طرف جا رہا ہوں۔

نواحی شام میں جہاد میں مشغول رہے یہاں تک کہ ۱۸ھ میں وفات پائی اور بعضوں نے کہا ہے کہ واقعہ یرموق میں قتل ہوئے اور وہ واقعہ ماہ رجب ۱۵ھ میں ہوا ہے۔

کتاب اصابہ میں مذکور ہے کہ حارث مذکور ابوجہل کے بھائی اور خالد بن ولید کے چچازاد بھائی اور سردار بنی مخزوم تھے اور صحابہ میں سے سوائے سابقین اسلام کے کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔

حارث بن غیزۃ الانصاری

صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ وہی تھے جو روز جنگ جمل باآواز بلند انصار کو قتال اہل ضلال پر رغبت دلاتے تھے اور کہتے تھے کہ اے گروہ انصار اس وقت آخر میں امیر المومنین علی علیہ السلام کی اس طرح مدد کرو جس طرح سے ابتداء میں تم نے رسول خدا صلعم کی مدد کی تھی خدا کی قسم یہ آخر اول سے مشابہ ہے لیکن یہ کہ اول ان دونوں میں افضل تھی۔

عرفۃ الازدی الانصاری

کتاب خلاصہ اور کتاب بن داؤد کے باب عین خلہ میں مذکور ہے کہ وہ منجملہ اصحاب امیر المومنین علیہ السلام تھے اور جناب پیغمبر خدا صلعم نے ان کے حق میں دعا کی تھی کہ خدایا ان کے داہنے ہاتھ

کی بیعت میں برکت دے۔

صاحب استیعاب نے ان کا ذکر اکثر باب عین منقوطہ میں کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ جب مصر میں ساکن تھے ایک نصرانی نے جناب رسالت مآب صلعم کو دشنام دی انہوں نے اس نصرانی کو اس قدر مارا کہ اس کی ناک ٹوٹ گئی یہ مقدمہ عمر عاص والی مصر کے سامنے پیش ہوا۔ عمر نے ان پر عتاب کیا اور کہا کہ ہم نے نصاری سے عہد کیا ہے تم نے برا کیا جو اس کو تکلیف پہونچائی۔

عرفہ نے جواب دیا کہ معاذ اللہ کیا ان سے ایسا عہد کیا جاسکتا ہے کہ وہ جناب رسالت مآب صلعم کو دشنام دیں ان سے صرف اس قدر عہد ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی کتاب پر عمل کرتے رہیں اور انہیں تکلیف مالایطاق نہ دیجائے اور اگر کوئی دشمن ان کو ستانا چاہے تو ہم اسے دفع کریں اور اپنے دین کے احکام پر عمل کرتے رہیں یا کسی مسلمان کے حکم پر راضی ہوں تو اس وقت ان کے درمیان میں بموجب حکم خدا و پیغمبر صلعم حکم کیا جائے۔

مؤلف کہتا ہے کہ اس مقام پر معلوم ہوتا ہے کہ عمر عاص اور اس کے انصار باطن میں پیغمبر صلعم کے خلاف تھے اور محض اپنے دینوی انتظام کے لئے اظہار اسلام کرتے تھے ورنہ جو شخص مسلمان اور صحابی پیغمبر ہو پیغمبر کی دشنام گوارا نہیں کرسکتا۔ نہیں سے معلوم ہوتا ہے'' جو بعض ہندیوں نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے کہ دشنام جناب رسالت مآب صلعم موجب قتل دشنام دہندہ نہیں ہے

اس کے لئے زمانہ قدیم میں عمر عاص ان کے لئے ایک یادگار چھوڑ گیا ہے اور تعجب کا مقام یہ ہے کہ یہ ہندی معاند شیخ اہل ہند تھا اور سب شیخین ہر حکم قتل دیتا تھا۔ نیز کتاب استیعاب میں عرفہ سے منقول ہے کہ مجھے حضرت امیر علیہ السلام کے متعلق شک ہوا جب وہ جنگ صفین کے لئے جا رہے تھے اس لئے کہ حضرتؑ ساحل فرات پر پہونچے تو راستہ سے تھوڑا ہٹ کر ایک جگہ پر کھڑے ہوئے ہم لوگ بھی ان کے گرد کھڑے ہوگئے پس حضرت علیہ السلام نے دست مبارک سے اشارہ کیا اور فرمایا کہ یہ ان کے راحلوں کی جگہ ہے یہ ان کے اونٹوں کا مقام ہے یہ ان کے خونوں کے بہائے جانے کی جگہ ہے۔ کیا ہوا ہے مجھے وہ لوگ کہ جن کا کوئی ناصر زمین و آسمان میں سوائے خدا کے نہیں ہے۔

عرفہ کہتے ہیں کہ مجھے اس دن سے ایک شک سا عارض رہا یہاں تک کہ جناب امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے۔ میں حضرتؑ کے مشہد پر گیا دیکھا میں نے کہ یہ وہی مقام ہے جس کا پتہ حضرت امیر علیہ السلام نے اتنے دن قبل بتایا تھا اور حالتیں بھی وہی پیش آئی تھیں جو حضرت نے فرمائی تھیں تب میں نے استغفار کیا اور مجھ کو معلوم ہوا کہ جو کچھ حضرت فرماتے تھے وہ الہام الٰہی اور تعلیم حضرت رسالت پناہی سے فرماتے تھے۔

نیز صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ عرفہ اصحاب صُفّہ اور انصار میں سے تھے اور جناب رسالت مآب صلعم نے دعائے سابق انکے حق میں فرمائی تھی۔

صاحب اصابہ نے دعائے مذکور کی اسناد میں قدح کی ہے اور کہا ہے کہ اس کے راوی اہل کوفہ ہیں اور اکثر اہل کوفہ شیعہ ہیں۔

مخفی نہ رہے یہ قدح صاحب اصابہ کی قرین صواب نہیں ہے اس لئے کہ مطلق تشیع نقادان حدیث کے نزدیک بموجب قدح روایت نہیں ہے چنانچہ احوال ابان بن تغلب میں کتاب میزان ذہبی سے نقل کیا جائے گا لہٰذا تصریح کی ہے کہ سات آدمی مشائخ حدیث بخاری میں سے شیعہ ہیں علاوہ بریں روایت کی غلطی کا حکم دینا کہ اس سبب سے کہ اس شہر کے اکثر لوگ شیعہ ہیں نہ موافق عقل ہے نہ مطابق نقل۔ جب تک کہ خودداریاں حدیث کا مذہب نہ معلوم ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

عبداللہ بن بدیل بن ورقآء الخزاعی

کتاب خلاصہ ابن داؤد میں مذکور ہے کہ ان کو اور ان کے دونوں بھائیوں محمد و عبدالرحمن کو جناب رسالت مآب صلعم نے ان کے باپ بدیل کے پاس یمن بھیجا اور بعد حضرت کی وفات کے حضرت امیر علیہ السلام کے پاس رہے یہاں تک کہ جنگ صفین میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

اور کتاب استیعاب میں مذکور ہے کہ عبداللہ معہ اپنے باپ کے قبل فتح مکہ مسلمان ہوئے اور یہ قبیلہ خزاعہ کے روساء میں سے تھے اور خزاعہ جناب پیغمبر خدا صلعم کے راز دار تھے۔

عبداللہ مذکور غزوۂ حنین و طائف و تبوک میں حاضر تھے اور ان کی قدر و منزلت بہت زیادہ تھی جنگ صفین میں اپنے بھائی عبدالرحمن کے ساتھ شہید ہوئے اور اس دن حضرت امیر علیہ السلام کے پیادہ لشکر کے سردار تھے اور حضرت امیر علیہ السلام کے اکابر اصحاب میں سے تھے۔

شعبی نے روایت کی ہے کہ عبداللہ بدیل جنگ صفین میں دو زرہ پہنے تھے اور دو تلواریں رکھتے تھے اور اہل شام کو قتل کرتے جاتے تھے اور وہ رجز پڑھتے تھے جس کا خلاصہ یہ ہے:۔ کہ

اب نصرت اور توکل کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی اور خداوند عالم جو چاہتا ہے اسی کے موافق اپنی قضاء جاری فرماتا ہے اور وہی کرتا ہے۔ اور برابر تلواریں مارتے اور مقابل کو گراتے جاتے تھے یہاں تک کہ معاویہ کے پاس پہونچ گئے اور اس کو اس کی جگہ سے ہٹا دیا اصحاب جو اس کی حوالی میں تھے ان کو متفرق کر دیا آخر کار اس کے ساتھیوں نے متفق ہو کر پتھر برسانا شروع کیا اور تلواریں اور تیر بھی مارتے تھے یہاں تک کہ عبداللہ شہید ہو گئے۔

معاویہ معہ عبداللہ بن عامر کے ان کی لاش پر آیا عبداللہ بن عامر نے اپنا عمامہ ان کو پہنا دیا۔

معاویہ نے اس ارادہ سے کہ ان کے کوش و بینی کو ان کے جسم سے جدا کرے حکم دیا کہ ان کا چہرہ کھول دو عبداللہ بن عامر نے قسم کھائی کہ جب تک میرے جسم میں جان ہے کسی کو ان سے تعرض نہ کرنے دوں گا۔

معاویہ نے کہا اچھا عبداللہ بن عامر کی خاطر سے اس کو بخش دیا اب چہرہ اس کا کھول دو جب چہرہ کھولا گیا اور نظر ان کی شکل و صورت پر پڑی تو کہنے لگا قسم خدا کی یہ اپنی قوم کا سردار تھا خدایا مجھ کو اشتر اور اشعث بن قیس پر بھی ظفر دے کہ لشکر علی علیہ السلام میں وہی دو اس مقتول کے مثل ہیں پھر معاویہ نے کہا کہ قبیلہ خزاعہ علی علیہ السلام کو اس قدر دوست رکھتے ہیں کہ اگر ان کی عورتیں ہم سے جنگ کر سکتیں تو کمی نہ کرتیں مردوں کا کیا ذکر ہے زید بن وہب الجہنی سے روایت کی گئی ہے کہ عبداللہ بن بدیل جنگ صفین میں ایک روز اپنے اصحاب کے درمیان میں کھڑے ہوئے تھے اور خطبہ پڑھتے تھے پہلے حمد و ثنائے الٰہی بجالائے اور پیغمبر صلعم پر درود بھیجا پھر فرمایا کہ آگاہ ہو بتحقیق کہ معاویہ نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا ہے جو اس کے لئے نہیں ہے اور جھگڑا کیا ہے اس امر میں اہل اَمر سے اور ایسے بزرگ لوگوں سے کہ یہ جن کے مثل نہیں ہے۔ اور حق مٹانے کے لئے باطل کے ساتھ ہو کر جدال کرتا ہے اور تم لوگوں پر حملہ کرتا ہے اعرابیوں اور مختلف گروہوں کے ساتھ جن کے لئے اس نے گمراہی کو زینت دی ہے اور ان کے دلوں میں فتنہ بو دیا ہے اور امر کو ان پر مشتبہ کر دیا ہے اور تم خدا کی قسم حق پر ہو اور دلیل واضح تمہارے ساتھ ہے اور اپنے رب کی رحمت پر فائز ہونے والے ہو۔ پس قتال کرو تم ان جفا کار طغیان کرنے والوں سے خداوند عالم تمہارے ہاتھوں سے ان پر عذاب کرے گا۔ اور انہیں نقصان پہونچائے گا اور تمہاری امداد کرے گا۔ اور مومنین کے دلوں کو شفا دے گا قتال کرو اس باغی گروہ سے جس نے صاحبان امر سے اس امر کی بابت جھگڑا کیا حضرت رسول صلعم نے بھی اس گروہ سے قتال کیا ہے خدا کی قسم یہ لوگ اپنی قدیم جالت سے نہ بہتر ہیں اور نہ نیکوکار ہیں اور نہ متقی تر ہیں دشمن خدا اور اپنے دشمن سے لڑنے کے لئے چلو خدا تم پر رحم کرے۔

عبدالرحمن بن جبل الجمحی

صاحب اصابہ نے لکھا ہے کہ انکے باپ اہل یمن سے تھے وہاں سے مکہ آئے اور عبدالرحمن اور ان کے بڑے بھائی کلدہ میں متولد ہوئے اور عبدالرحمن اچھے اشعار کہتے تھے چنانچہ اشعار ہجو عثمان بن عفان میں انہیں کے کہے ہوئے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے:۔

"میں بندوں کے پرورش کرنے والے خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اس نے کسی شے کو بیکار نہیں پیدا کیا لیکن ہمارے لئے ایک فتنہ پیدا کیا گیا ہے تا کہ ہمارا یا تیرا امتحان لیا جائے تو نے رسول اللہ صلعم کی سنت

کے خلاف ان کے شہر بدر کردہ شخص کو بلا لیا اور اس کی خاطر مدارات کی اور اپنے عزیز داروں کو بندگان خدا کا والی بنایا درحالیکہ یہ گزشتہ لوگوں کے طریقہ کے خلاف تھا اور خمس مال غنیمت تو نے مروان کو دیا اور اپنی عزیز داری کا لحاظ کیا اور اشعری نے تیرے پاس جو خراج بھیجا وہ تو نے زنا کار کا دیا۔''

جب یہ اشعار عثمان نے سنے تو اس نے حکم دیا کہ ان کو خیبر میں قید کیا جائے۔ انہوں نے قید خانہ میں ایک اور قطعہ لکھ کر حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کیا جس کا ماحصل یہ تھا۔

''اے ابوالحسنؑ آپ پر میری جان فدا ہو میں مقام خیبر میں مبتلائے بلائے شدید ہوں اور مصیبت کی یہ حالت ہے کہ گویا قبر میں دفن کر دیا گیا ہوں۔''

صاحب اصابہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام نے عبدالرحمن کے بارہ میں عثمان سے بہت گفتگو کی آخر ان کو قید سے چھڑا دیا اور جنگ جمل و صفین میں وہ ملازم رکاب حضرت امیر علیہ السلام رہے یہاں تک کہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

اسعد بن زرارہ ابوامامۃ الخزرجی الانصاری

کتاب خلاصہ میں زکور ہے کہ وہ شب عقبہ کے نقبائے ثلاثہ میں سے تھے معاویہ نے ایک گروہ کو ان کی حراست کے لئے معین کیا تھا تا کہ وہ بھاگ کر حضرت امیر علیہ السلام کے پاس نہ جا سکیں۔ ان کے دو بھائی نیک سیرت تھے ایک کا نام سعد اور دوسرے کا نام عثمان تھا۔

صاحب استیعاب کہتے ہیں کہ اسد کی کنیت ان کے نام پر غالب تھی اور وہ اسی سے مشہور تھے اور وہ نقبائے عقبہ میں سے تھے اور عقبہ اولیٰ میں وہ چھ یا سات آدمیوں کے ساتھ حاضر تھے اور عقبہ ثانیہ میں بارہ آدمیوں میں داخل تھے اور عقبہ ثالثہ میں ستر (۷۰) آدمیوں میں داخل تھے اور پہلا وہ شخص جس نے بارہ نقیبوں میں سے جناب رسالت مآب صلعم سے بیعت کی۔ ابوامامہ تھے اور وہ بارہ آدمی سعد بن عبادہ۔ اسعد بن زرارہ۔ سعد بن ربیع۔ سعد بن خیثمہ۔ منزر بن عمر عبداللہ بن عمر بن حزام۔ عبادہ بن الصامت۔ رافع بن مالک تھے۔ اور ابوامامہ نے سال اول ہجرت میں وفات پائی۔

اور انصار سے منقول ہے کہ وہ پہلے مسلمانوں میں سے تھے کہ جو بقیع میں مدفون ہوئے اور مہاجرین کہتے ہیں کہ پہلے مدفون بقیع عثمان بن مظعون تھے۔

ابوالیسیر کعب بن عمر بن عبادی الانصاری الاسلمی

کتاب خلاصہ اور کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ وہ افاضل صحابہ اور اصحاب امیر المومنین علیہ السلام سے تھے۔

صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ وہ عقبہ اور بدر میں حاضر تھے اور روز جنگ بدر عباس کو اسیر کر کے حضرت رسالت مآب صلعم کی خدمت میں لائے چونکہ یہ مرد پستہ قد اور عباس طویل القامت تھے۔ حضرت پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا کہ ''عباس کے قید کرنے میں ایک فرشتہ بزرگ نے تمہاری مدد کی'' اسی جنگ میں انہوں نے جرأت کر کے مشرکین سے ان کا علم چھین لیا پھر جنگ صفین میں حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ اعدار نے دین سے جہاد کیا اور ۵۵ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

عمر بن الحمق الخزاعی

کتاب استیعاب میں مذکور ہے کہ حدیبیہ کے بعد حضرت رسالت مآب صلعم کی خدمت میں پہونچکر مسلمان ہوئے اور مدت تک آنحضرت کی صحبت میں رہے اور حدیثیں حفظ کرتے تھے پھر کوفہ آئے اور وہیں وطن بنا لیا اور وہ ان چار آدمیوں سے تھے جو عثمان بن عفان کے گھر میں داخل ہوئے اور شیعیان علی بن ابی طالبؑ میں سے تھے اور جمل و نہروان و صفین کی جنگوں میں حضرت امیر علیہ السلام کے ہمراہ تھے اور حضرت کی وفات کے بعد حجر بن عدی کی اعانت کرتے رہے اور بنی امیہ کو حضرت امیر علیہ السلام پر سب و شتم کرنے سے منع کرتے تھے جب زیاد نے حجر کے گرفتار کرنے کا حکم دیا تو عمر مذکور موصل چلے گئے ایک غار میں چھپے اس غار میں ایک سانپ نے ان کو کاٹ لیا جس سے ان کا انتقال ہو گیا۔

جو لوگ زیاد کی طرف سے ان کے گرفتار کرنے کے لئے گئے تھے جب اس غار میں پہونچے تو ان کو مردہ پایا ان کا سر جدا کر کے زیاد کے پاس لے گئے۔ زیاد نے وہ سر معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ اور یہ مسلمانوں کا پہلا سر تھا جو ایک شہر سے دوسرے شہر کو بھیجا گیا۔

بعض کہتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عثمان ثقفی نے جو عبدالرحمن بن ام الحکم کا چچا تھا ۵۰ھ میں ان کو قتل کیا۔

اور کتاب اکمال میں مذکور ہے کہ حجۃ الوداع میں عمر بن حمق صحبت جناب رسالت مآب صلعم میں پہونچے اور آنحضرت صلعم کی خدمت میں رہے پھر حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ رہے اور ہر جنگ

میں بکمال اخلاص جہاد کرتے رہے ۵۰ ھ میں مقابلے میں عبدالرحمن بن حکم کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔

شعبی نے روایت کی ہے کہ اسلام میں جو پہلا سر نیزہ پر چڑھایا گیا وہ عمر بن حمق کا سر تھا۔

اور کتاب ابو عمر کشی میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسالت مآب صلعم نے کسی قوم کے مقابلہ پر فوج بھیجی تھی اور فرمایا تھا کہ شب کے فلاں حصہ میں تم لوگ راستہ بھول جاؤ گے پس بائیں طرف متوجہ ہونا وہاں ایک شخص کو دیکھو گے جو راستہ جانتا ہے لیکن تمہیں راستہ نہ بتایا جائے جب وہ ایسا کرے تو تم میرا اسلام اسے پہونچانا اور کہنا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں ظاہر ہوئے جب وہ فوج روانہ ہوئی تو بموجب حضرت صلعم کے فرمانیکے وہ بھول گئے اور بائیں طرف چلے یہاں تک کہ عمر بن حمق پر گذر ہوا ان سے راستہ دریافت کیا انھوں نے کہا کہ تمہیں راستہ نہ بتاؤں گا تم لوگ اترو اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ یہ لوگ اترے اور کھانا کھایا جب فارغ ہوئے تب عمر بن حمق نے کھڑے ہو کر ان لوگوں کو راستہ بتایا یہ لوگ حضرت کا سلام پہونچانا اور خبر ظہور حضرت صلعم ان سے کہنا بھول گئے یہاں تک کہ انہوں نے خود پوچھا کہ مدینہ میں کوئی پیغمبر ظاہر ہوا ہے تب ان لوگوں نے کہا کہ ہاں اور تم کو بھی کہا ہے۔ عمر یہ سن کر خوش ہوئے اور حضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت نے فرمایا تم اپنی قوم کی طرف واپس جاؤ اور جب امیر المومنین علی علیہ السلام کوفہ جائیں تب ان کے پاس جانا اور عمر بعد وفات حضرت رسالت مآبؐ کے پاس اتنی حالت باقی رہی یہاں تک کہ حضرت علیؑ کو خلافت ظاہری حاصل ہوئی اور حضرت نے اپنا دارالخلافہ کوفہ قرار دیا۔ عمر کوفہ میں حاضر خدمت ہوئے اور وہیں رہنے لگے اور تمام لڑائیوں میں حضرتؑ کے ساتھ تھے حضرت کی وفات کے بعد معاویہ نے ایک گروہ کو ان کی تلاش کے لئے بھیجا وہ ایک غار میں جا کر چھپے لیکن وہ لوگ ان کے نقش قدم دیکھتے ہوئے اس غار تک پہونچ گئے اور وہاں انہیں گرفتار کر کے سر مبارک جسم سے جدا کیا اور نیزہ پر چڑھایا۔

اسد بن الحُضیر بن سماک الانصاری الاشہلی

کتاب خلاصہ اور کتاب داؤد میں بھی ان کا شمار مقبولین میں ہے اور کتاب استیعاب میں مذکور ہے کہ وہ سعد بن معاذ سے پہلے مُصعب بن عمیر کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور یہ منجملہ اس گروہ کے تھے جو عقبہ ثانیہ میں حاضر تھا اور ان کے نقباء میں سے تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے لیکن اکثر کے نزدیک جنگ بدر و اُحد اور ان کے مابعد کی لڑائیوں میں شریک تھے اور جنگ احد میں سات زخم ان کے جسم پر لگے تھے باوجود اس کے ثابت قدم رہے اور دوسرے ضعیف الاعتقاد لوگوں کی طرح بھاگے نہیں۔ آنحضرت صلعم نے ان کو زید بن حارثہ کا بھائی قرار دیا تھا اور یہ بہت خوش آواز تھے اور

قرآن خوب پڑھتے تھے یہاں تک کہ مروی ہے کہ ملائکہ ان کی قرآن خوانی کان دھر کے سنتے تھے ماہ شعبان ۲۰ ھ میں اور بروایتے ۲۱ ھ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئے۔

اوس بن ثابت بن المنذر الانصاری

علامہ حلی علیہ الرحمہ نے انہیں مقبولین میں شمار کیا ہے اور منقول ہے کہ جنگ بدر و عقبہ میں ستر آدمیوں کے ساتھ حاضر تھے اور جناب رسالت مآبؐ نے انہیں عثمان بن عفان کا بھائی بتایا تھا۔ استیعاب میں مذکور ہے کہ وہ حسان بن ثابت شاعر مشہور کے بھائی تھے اور جنگ بدر و عقبہ میں حاضر تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ تمام غزوات میں حاضر تھے اور زمانہ خلافت عثمان میں بمقام مدینہ منورہ وفات پائی۔

اَبیٔ بن ثابت الانصاری

علامہ حلی علیہ الرحمہ نے انہیں بھی مقبولین میں شمار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حسان بن ثابت کے بھائی تھے اور جنگ بدر و احد میں حاضر تھے۔

ابیٔ بن عمارۃ الانصاری

خلاصہ میں مذکور ہے کہ انہوں نے جناب رسالت مآبؐ کے ہمراہ دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔

ابیٔ بن قیس

کتاب خلاصہ و کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ وہ صحابی تھے اور اصحاب حضرت علی علیہ السلام میں سے تھے اور جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

ارقم بن اَبی ارقم المخزومی

علامہ حلی علیہ الرحمہ نے انہیں بھی مقبولین میں شمار کیا ہے اور صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ وہ سات یا دس آدمیوں کے بعد اسلام لائے اور مہاجرین اوّلین میں سے ہیں اور جناب رسالت مآب ابتدا میں مدت تک ان کے گھر میں پوشیدہ رہے اور لوگوں کو دعوت اسلام دیتے تھے کہ وہاں سے باہر آئے۔

اور صاحب اصابہ نے کہا ہے کہ ارقم کا مکان مقام صفا پر تھا اور وہاں چالیس آدمی مشرف باسلام ہوئے جن میں کے آخر عمر بن خطاب تھے اور جب چالیس آدمی پورے ہو گئے تو وہ مدینہ سے باہر آئے۔ ۵۵ھ میں اسی برس سے زیادہ عمر پا کر وفات پائی۔

ثابت بن زید

خلاصہ اور استیعاب میں مذکور ہے کہ وہ ان چھ آدمیوں میں سے ہیں جو عہد پیغمبر خدا صلعم میں قرآن جمع کرنے میں مشغول تھے۔

ثابت بن قیس بن شماس الخزرجی الانصاری

کتاب خلاصہ اور استیعاب میں مذکور ہے کہ وہ خطیب انصار تھے اور ان کو خطیب رسول اللہ صلعم کہتے تھے جس طرح سے کہ حسان کو شاعر رسول اللہ صلعم کہتے تھے یہ جنگ احد اور مابعد کی لڑائیوں میں حاضر تھے اور ایام خلافت ابوبکر میں بمقام یمامہ شہید ہوئے۔

مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِی۔" "اے مومنو! تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو۔"

ثابت اپنے گھر گئے اور دروازہ بند کر لیا جب آنحضرت نے انہیں نہیں دیکھا تو کسی کو بھیجا کہ انکی خبر لائے ثابت نے اس شخص سے کہا کہ میری آواز بہت بڑی ہے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اس وجہ سے میرے عمل ضائع نہ ہو جائیں پس آنحضرتؐ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ جن لوگوں کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے تم ان میں سے نہیں ہو تمہاری زندگی بھی بخیر ہے اور موت بھی بخیر ہوگی۔

صاحب اصابہ نے روایت کی ہے کہ جناب رسالت مآب صلعم نے ثابت بن قیس کو بشارت دی اور شہر المجتہدین شیخ زین الدین علی عاملی شامی قدس اللہ روحہ نے حاشیہ خلاصہ میں اس امر کی تصریح کی ہے اور فرمایا ہے کہ ثابت بن قیس نے ۱۱ھ میں وفات پائی۔

ثابت بن ضحاک الخزرجی الانصاری

منجملہ مقبولین ہیں اور کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ جناب رسالت مآبؐ سے زیر شجر بیعت کی۔ اور کتاب اکمال الدین اور کتاب اصابہ میں مذکور ہے کہ جب روز خندق آنحضرت صلعم موضع حمراء الاسد

میں جاتے تھے تو ثابت مذکور کو اپنا ردیف بنایا تھا یعنی اپنی سواری پر سوار کر لیا تھا اور ثابت راستہ بتاتے تھے ۴۵ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

حُرمت بن زید الانصاری

جنگ بدر و احد میں حاضر تھے اور کتاب خلاصہ میں وہ صنف مقبولین میں مذکور ہیں۔

زید بن ثابت

کتاب رجال شیخ طوسی میں مذکور ہے کہ یہ بھی منجملہ مقبولین صحابی کے تھے۔

زید بن ارقم الخزرمی الانصاری

کتاب خلاصہ میں شیخ اعظم فضل بن شاذان القمی سے منقول ہے کہ وہ منجملہ سابقین اولین کے تھے جنہوں نے حضرت امیر علیہ السلام کی طرف رجوع کی۔ اور کتاب زہرۃ العیون وجلاء القلوب میں جو کہ ایک شافعی عالم کی تصنیف ہے لکھا ہے کہ جب روز سقیفہ گروہ انصار سے اپنی سبقت اسلام اور جہاد کا ذکر کیا تو عبدالرحمٰن بن عوف نے جواب دیا کہ اے گروہ انصار! اگر تم ویسے ہی ہو جیسے کہتے ہو جب بھی تم میں ابوبکر و عمر اور علیؑ اور ابوعبیدہ جراح کا مثل نہیں ہے زید بن ارقم نے کہا کہ ہم تمہاری ذکر کردہ فضیلت کا انکار نہیں کرتے ہم میں سے سید انصار سعد بن عبادہ ہیں اور وہ شخص جس کے متعلق رسول خدا صلعم نے حکم دیا کہ قرآن انہیں سنایا جائے اور وہ ابی بن کعب ہیں اور وہ شخص کہ جس کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر رسالت مآبؐ نے قرار دیا خذیمہ بن ثابت ہیں اور وہ شخص جو روز قیامت پیشوائے علماء ہوگا معاذ بن جبل ہیں اور بتحقیق کہ جس شخص کا نام تم نے قریش میں سے لیا ہے اگر وہ اس امر کو طلب کرے تو کوئی اس سے جھگڑا نہ کرے اور زید بن ارقم نے اپنے قول سے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو مراد لیا تھا۔ انتہیٰ کلامہٗ

یہ عبارت جو ایک عالم شافعی کی تھی صاف صاف دلالت کر رہی ہے کہ انصار حضرت امیر علیہ السلام کو مستحق خلافت جانتے تھے اور جب ان کو دھوکا دیا گیا کہ حضرت خلافت لینا نہیں چاہتے تب انہیں دوسرے کے معین کرنے کی فکر ہوئی۔

اور کتاب استیعاب میں مذکور ہے کہ زید بن ارقم اکثر غزوات میں جناب رسول خدا صلعم کے ہمراہ تھے اور انہیں نے آنحضرت کو خبر پہونچائی کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کہتا ہے لئن رفعنا الی المدینہ

لیخرجن الاعز منھا الاذل یعنی اگر ہم مدینہ پلٹ کر جائیں گے تو یقیناً معزز آدمی ذلیل آدمی کو نکال دیں گے لیکن عبداللہ مذکور نے انکار کیا۔ اور قسم کھائی کہ میں نے یہ جملہ نہیں کہا مگر خداوند عالم نے اپنے پیغمبر صلعم کو خبر دی کہ زید سچے ہیں۔ آخر زمانہ میں زید مذکور کوفہ میں ساکن ہوئے اور محلہ بنی کندہ میں گھر بنالیا اور جنگ صفین میں حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ تھے اور حضرت کے خواصِ اصحاب میں سے تھے۔ اور کتاب اصابہ اور روضۃ الشہداء میں مذکور ہے کہ جب ذلی بن یزید سر مبارک جناب امام حسین علیہ السلام کا ایک طبق میں رکھ کر ابن زیاد کے پاس لے گیا اور وہ بے حیا ایک چھڑی سے حضرتؑ کے ہونٹوں کے ساتھ بے ادبی کرتا تھا تو زید بن ارقم کہ صحابہ کبار میں سے تھے اور اس مجلس میں حاضر تھے باآواز بلند چلائے کہ اے پسر مرجانہ یہ چھڑی ہٹالے خدائے کعبہ کی قسم میں نے اتنی مرتبہ جناب رسالت مآب کو ان لب و دندان پر بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے کہ جن کا شمار نہیں کرسکتا ہوں یہ کہہ کر باآواز بلند روئے اور حاضرین مجلس بھی رونے لگے۔ ابن زیاد غصہ میں آیا اور کہا کہ اگر تم بوڑھے خرف نہ ہو گئے ہوتے تو میں تمہاری گردن اُڑا دیتا۔

زید بن ارقم یہ کہتے ہوئے محفل سے اُٹھ گئے کہ اے گروہ عرب حق سبحانہ تعالیٰ تم سے خوش نہ ہو اس لئے کہ تم نے فرزند فاطمہؑ کو شہید کیا اور ابن مرجانہ کو اپنا امیر بنایا یہ کہتے ہوئے دارالامارہ سے نکل گئے اور ۶۸ ھ میں وفات پائی۔

عبادہ بن الصامت الانصاری

کتاب خلاصہ اور کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ وہ ابوذر کے بھتیجے اور امیر المومنینؑ کے شیعہ اور گروہ سابقین میں سے تھے کہ جنہوں نے حضرت کی طرف رجوع کی اور کتاب استیعاب میں مذکور ہے کہ عبادہ نقباء میں سے تھے اور تینوں عقبات میں حاضر ہوئے اور جنگ بدر اور تمام غزوات میں رسالت مآب صلعم کی ہمراہی کی اور زمین فلسطین میں وفات پائی اور بیت المقدس میں مدفون ہوئے اور اب تک ان کی قبر وہاں مشہور ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ رملہ میں وفات پائی لیکن اکثر قول اول پر ہیں۔

حباب بن الارث

صحابہ کرام جناب سید الانام اور اصحاب حضرت امیرؑ میں سے تھے۔ حسن بن النجف الاستر ابادی نے تفسیر آیات احکام میں کہا کہ صاحب حلیۃ الاولیاء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ

ان کی قبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ "خداوند عالم جناب پر رحم کرے" کہ رغبت کے ساتھ اسلام لائے اور اطاعت کے ساتھ ہجرت کی اور جہاد کی حالت میں زندگی بسر کی اور مختلف حالات سے ان کے جسم میں ان کا امتحان لیا گیا اور خداوند عالم بہترین عمل کرنے والوں کا اجر ہرگز ضائع نہ کریگا۔

شیخ ابو جعفر طوسی نے فرمایا ہے کہ انہوں نے کوفہ میں وفات پائی اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ان کے لاشہ پر نماز پڑھی اور ان کی قبر بھی کوفہ میں ہے۔ اور صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ حباب کے نسب میں اختلاف ہے بعض ان کو خزاعی اور بعض تمیمی کہتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ وہ نسب میں تمیمی اور حسب میں خزاعی تھے اوراپنی زہرہ کے حلیف یعنی ہم عہد تھے۔ فضلائے مہاجرین اولین میں سے تھے۔ بدر اور مابعد کی لڑائیوں میں جناب پیغمبر خدا صلعم کے ہمراہ رہے پھر ساکن کوفہ ہوئے اور وہیں ۳۷ ھ میں بعد شرکت جنگ صفین و نہروان کے انتقال کیا۔ اور حضرت امیر المومنینؑ نے ان پر نماز پڑھی۔ اس وقت ان کی عمر ترسٹھ (۶۳) برس کی تھی۔

عبداللہ بن جناب بن الارث

صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ وہ زمانہ پیغمبر صلعم میں پیدا ہوئے پس حضرت نے ان کا نام عبداللہ رکھا اور خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ اصحاب حضرت امیر علیہ السلام میں سے تھے اور خوارج نے قبل جنگ نہروان انہیں شہید کردیا۔

عبدالغفار بن قیس بن فہد الانصاری

کتاب خلاصہ میں ان کا شمار مقبولین میں ہے اور صاحب استیعاب نے قیس بن فہد کے باب میں کہا ہے کہ وہ ابو مریم عبدالغفار بن القاسم الانصاری کوفی کے دادا تھے۔

محمد بن عمر بن حزم الانصاری

علامہ حلّی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ وہ صحابہ اور اصحاب حضرت علیؑ میں تھے اور لڑائیوں میں آنحضرت صلعم کے ہمراہ تھے اور کتاب استیعاب میں مذکور ہے کہ وہ ۸ ھ میں جب ان کے باپ جناب رسالت مآب کی طرف سے عامل بحرین تھے پیدا ہوئے اور بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت کی وفات کے دو سال قبل پیدا ہوئے باپ نے ان کا نام محمد رکھا۔ اور کنیت ان کی ابو سلیمان مقرر کی اور جناب

رسالت مآب کو اس مضمون کی اطلاع بھیجی حضرت نے تحریر فرمایا کہ نام ان کا محمد رکھو اور کنیت ابوعبدالملک قرار دو اسی وجہ سے عمر بن حزم کی اولاد میں کوئی ایسا نہیں ہوتا کہ جن کا نام محمد ہو اور کنیت ابوعبدالملک نہ ہو اور محمد بن عمر بن حزم مذکور فقیہ تھے اور ایک گروہ اہل مدینہ نے ان سے روایت کی ہے اور وہ اپنے باپ اور دیگر صحابہ سے روایت کرتے تھے اور پینتیس (۳۵) برس کی عمر میں روز واقعہ حرہ مارے گئے۔

کہا جاتا ہے کہ بتحقیق کہ عثمان پر بڑی شدت کرنے والے محمد ہیں یعنی محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن عمر بن حزم مذکور۔

یہ کلام صاحب استیعاب کا تھا اور مراد واقعہ سے وہ واقعہ ہولناک ہے جو زمانہ یزید پلید میں واقع ہوا اور یہ ۶۳ھ میں جب اہل مدینہ طیبہ نے ان کو خلافت سے معزول کر دیا تھا واقع ہوا اور اکثر اہل مدینہ لشکر یزید کے ہاتھ سے قتل ہوئے اور صحابہ کا ایک بڑا گروہ شہید ہوا اور مدینہ لوٹ لیا گیا اور ہزار لڑکیوں کی بکارت ضائع کی گئی۔ چونکہ واقعہ حرہ یزید پلید کے زمانہ میں ہوا پس محمد بن عمر مذکور کا وہاں قتل ہونا حضرت امیرؑ کی لڑائیوں میں شرکت سے منافات نہیں رکھتا ہے جس کا ذکر علامہ حلی علیہ الرحمہ نے کیا ہے کہ وہ لڑائیوں میں حضرت امیرؑ کے ساتھ تھے۔

نعمان بن عجلان الانصاری

کتاب استیعاب میں مذکور ہے کہ وہ بسامِ انصار اور ان کے شاعر تھے اور اپنی قوم کے بزرگ تھے اور وہ اشعار جن میں انہوں نے قریش کی خطا ظاہر کی ہے اور ابوبکر کے نصب کرنے اور حضرت علیؑ کے چھوڑ دینے پر اعتراض کیا ہے ان کا خلاصہ مطلب حسب ذیل ہے:۔

''کہہ دو قریش سے 'ہم اصحاب مکہ ہیں اور ہم سوار ہیں جنگ بدر کے اور بدر و حنین کے اور ہم اصحاب ہیں احد اور نضیر اور خیبر کے اور ہم قریظہ کے ساتھ ذکر کے واپس ہوئے اور ہم زمین شام سے جہاں جعفرؑ اور زید اور عبداللہ قتل کئے گئے تھے فتح یاب واپس ہوئے اور ہر ایسے خوفناک دنوں میں کہ جب کتا اپنے صاحب کو چھوڑ دے اور جسم گندم گوں پر نیزے چلتے تھے اور برق کی طرح تلواریں چمکتی تھیں اور سر دھڑ ادھڑی کے ساتھ گر رہے تھے ہم نے نبیؐ کی نصرت کی اور گردشِ ایام اور مصائب عظیمہ سے نہیں ڈرے اور جب مہاجرین ہجرے کر کے آئے تب ہم نے انہیں نہایت خندہ پیشانی سے اپنا مہمان کیا اور کہا کہ تم فقر و فاقہ سے بے خوف ہو گئے ہم اپنے اموال و اپنے گھر تمہیں بانٹ دیں گے اور تمہاری ہر مصیبت میں کفالت کریں گے لیکن ہم نے غلطی کی اور تم نے ہر کام درست کیا گویا ہم کچھ نہیں سمجھتے ہیں تم نے کہا کہ سعد کو خلیفہ بنانا حرام ہے تو کیا تم نے جو عتیق بن عثمان یعنی ابوبکر کو خلیفہ بنایا یہ حلال ہے؟ اور کیا ابوبکر خلافت کے لئے اہل ہیں درحالیکہ علی علیہ السلام موجود ہوں اور یہ خلافت علی کے لئے کوئی باعث عظمت نہیں تھی اور وہ یقیناً اس کے اہل تھے خواہ تم سمجھو یا نہ سمجھو'' اور کتاب ابن داؤد اور خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ نعمان مذکور حضرت علیؑ کی طرف سے عامل بحرین اور عمان تھے۔

سعبد بن معاذ الانصاری

اکابر صحابہ سے ہیں اور کتاب رجال شیخ طوسی اور کتاب ابن داؤد میں صنف مقبولین میں مذکور ہیں۔

تمیم مولیٰ خداش بن الثمر

یہ بھی صحابہ رسول صلعم سے ہیں۔ اور حضرت نے ان کے اور جیاد مولیٰ عتبہ بن غزوان کے درمیان برادری قرار دی تھی اور وہ جنگ بدر و احد میں حاضر تھے ان کے حالات کتاب استیعاب میں مذکور ہیں اور کتب اصحاب میں صنف مقبولین میں مذکور ہیں۔

ابوساسان و ابوعمرۃ الانصاری

کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ کسی نے ابونصیر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا ''میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ سنا ہے کہ بعد جناب رسالت مآبؐ کے سب صحابہ نے حضرت علی علیہ السلام سے مخالفت کی اور مرتد ہو گئے سوائے تین آدمیوں کے۔ یعنی ابوذر۔ مقداد۔ اور سلیمان حضرت نے فرمایا کہ پس ابوساسان اور ابوعمرۃ انصاری کہاں ہیں۔

مولف کہتا ہے کہ یہ قول تمام صحابہ بعد پیغمبر صلعم کے سوائے تین آدمیوں کے مرتد ہو گئے بہت شائع اور مشہور ہے اور تمام شیعوں کی زبان پر مذکور ہے لیکن امام علیہ السلام کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کلام محمول ہے مبالغہ پر یعنی مخالف بہت تھے اور موافق کم تھے نیز ان تینوں بزرگواروں کے اختصاص پر دال ہے۔ اور کتاب استیعاب میں لکھا ہے کہ ابوعمرہ جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ تھے اور وہیں شہید ہوئے۔

مالک بن نویرۃ الحنفی الیربوعی

مہربان ترین بادشاہان اور شجاعان روزگار اور فصحائے شیریں گفتار اور صحابہ سید مختار اور مخلصین ذوالفقار میں سے تھے ان کا کچھ حال محبت اہل بیتؑ میں یہ فتوائے ابوبکر خالد بن ولید کے ہاتھ سے شہادت پانا اور یہاں اس ظلم کا جوان پر اور ان کی قوم پر ہوا مجملاً مجلس دوم میں ذکر ہو چکا ہے اور تفصیل اس کی بروایت براء بن عازب یہ ہے کہ ''ایک روز جناب رسول خدا صلعم کے بیٹھے ہوئے تھے کہ روساء بنی تمیم کہ جن میں سے ایک مالک بن نویرہ بھی تھے حاضر ہوئے اور بعد ادائے خدمت کے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلعم مجھے ایمان کی تعلیم دیجئے کہ ایمان کیا ہے''؟ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ''ایمان یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ سوائے خدا کے کوئی خدا نہیں ہے اور میں رسول خدا صلعم ہوں اور نماز پنج گانہ پڑھ اور ماہ مبارک کے روزے رکھ اور زکوٰۃ ادا کر اور حج بیت اللہ بجالا اور میرے اس وصی (علیؑ ابن ابی طالبؑ) کی طرف اشارہ اس کو دوست رکھ۔ اور خون نہ بہا۔ چوری نہ کر۔ خیانت نہ کر۔ مال یتیم نہ کھا۔ شراب نہ پی۔ میری شریعت پر ایمان لا۔ میرے حلال کو حلال اور میرے حرام کو حرام جان جو حق تیرے نفس پر ہو خواہ ضعیف ہو یا قوی۔ بڑے یا چھوٹے کا وہ تو ادا کر اور حضرت رسالت مآب صلعم نے اسلام کے طریقے ان کے سامنے شمار کئے اور انہوں نے یاد کئے۔ تب مالک خوش خوش اُٹھے اور فرط خوشی سے زمین پر دامن کشاں جارہے تھے اور کہتے تھے کہ قسم رب کعبہ کی میں نے ایمان سیکھ لیا۔

جب حضرت صلعم کی نظر سے دور ہو گئے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ''جو کسی جنتی مرد کو دیکھنا چاہتا ہو وہ اس مرد کو دیکھ لے''

ابوبکر و عمر حضرت صلعم سے اجازت لیکر ان کے عقب میں گئے اور یہ ان کو بشارت پہنچائی اور خواہش کی کہ چونکہ جناب رسالت مآب صلعم نے آپ کو اہل جنت میں شمار کیا ہے لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے لئے دعائے مغفرت کیجئے!

مالک نے کہا ''لَا غَفَرَ اللّٰہُ لَکُمَا '' خداوند عالم تمہیں نہ بخشے۔ یہ دونوں رنجیدہ واپس آئے۔ جب نظر جناب سرور کائنات کی ان پر پڑی تو حضرت نے فرمایا فِی الْحَقِّ مَبْغَضَۃٌ یعنی حق بات بری لگتی ہے۔

جب جناب رسالت مآب صلعم نے وفات پائی تو مالک مدینہ میں آئے اور دریافت کیا کہ قائم مقام جناب رسالت مآب صلعم کا کون ہے۔ ایک جمعہ کے دن دیکھا کہ ابوبکر منبر پر بیٹھے ہوئے خطبہ پڑھ رہے ہیں مالک کو تاب نہ رہی ابوبکر سے کہا کہ کیا تو وہی ہمارا تیمی بھائی نہیں ہے؟ اس نے کہا کیوں نہیں

ہوں۔ مالک نے پوچھا کہ پھر آخر اس وصی رسول کو کیا بات پیش آئی جس کی ولایت کا مجھے رسول خدا صلعم نے حکم دیا تھا۔

لوگوں نے جواب دیا کہ اے اعرابی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک بات کے بعد دوسری بات پیدا ہو جائے۔

مالکؔ نے کہا قسم خدا کی کوئی بات پیدا نہیں ہوئی بلکہ تم نے خدا اور رسول خدا صلعم کے کام میں خیانت کی۔ پھر ابوبکر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ وصی پیغمبر خدا صلعم کی موجودگی میں کس نے تجھ کو منبر پر چڑھا دیا۔

ابوبکر نے اہل محفل سے کہا کہ اس کھڑے ہو کر پیشاب کرنے والے اعرابی کو یہاں سے نکال دو۔ عمرؔ کے بھائی قنفذ اور خالد بن ولید نے چاہا کہ مالک کو مسجد سے نکال دیں لیکن مالک خود ہی چلے گئے اور مالک نے اپنے اونٹ پر سوار ہو کر رسول خدا صلعم پر درود بھیجا اور بعد درود کے یہ اشعار پڑھے:۔ شعر

اَطَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَانَ بَیْنَنَا　　فَیَاقَوْمُ ماشانی وشَانُ اَبِی بکر

اذا مَاتَ بَکْرٌ قَامَ بَکْرٌ مُقَامَہٗ　　فَتِلْکَ وَبَیْتِ اللّٰہِ قَاصِمَۃُ الظَّھرِ

یعنی جب تک رسول اللہ ہمارے درمیان تھے ہم نے ان کی اطاعت کی پس اے قوم ہم سے اور ابوبکر سے کیا مطلب؟ اگر کوئی بکر مرتا تو بکر کو اس کا قائم مقام ہونا چاہیئے تھا نہ کہ رسول اللہ کا قائم مقام۔ بیت کعبہ کی قسم یہ بات کمر توڑ دینے والی ہے۔

بلال بن رباح

ان کی کنیت ابو عبید اللہ ہے اور وہ جناب رسالت مآب صلعم کے غلام اور موذن تھے۔ کتاب کامل بہائی میں مذکور ہے کہ بلال نے ابوبکر کے لئے اذان نہیں کہی اور نہ ان کی بیعت کی۔

شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ نے کتاب اختیار الرجال میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ اور حضرتؑ نے ابوالبختری سے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن حسن سے سنا کہ بلال نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی۔

عمر نے ان کے کپڑے جو گوسفند کے تھے پکڑ کر کہا کہ:۔ ''ابوبکر کی یہی جزا تھی جو اس نے تمہیں آزاد کیا کہ تم اس سے بیعت نہیں کرتے ہو؟''

بلالؔ نے کہا کہ ''ابوبکر نے اگر خدا کے لئے مجھے آزاد کیا ہے تو مجھے خدا ہی کے لئے چھوڑ دے۔ اور اگر جنگ کے لئے مجھے آزاد کیا ہے تو میں ان کی خدمتیں کرنے کو مستعد ہوں لیکن ایسے شخص سے

بیعت نہیں کروں گا جس کو رسول خدا صلعم نے اپنا خلیفہ نہ بنایا ہو۔"

پس عمر نے ان سے سختی کی اور وہ عاجز آکر ملک شام میں چلے گئے منجملہ ان کے اشعار کے وہ چند بیتیں بھی ہیں جن کا ذکر ماحصل حسب ذیل ہے:۔

"قسم خدا کی میں نے ابوبکر کی طرف رجوع نہیں کی میں خیبر کا پیرو ہوں اور بدعت کا پیروی کرنے والا نہیں ہوں جیسی کہ اس نے بدعت کی۔

صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے وفات پائی تو بلال نے چاہا کہ ملک شام کی طرف چلے جائیں ابوبکر نے ان کو مجبور کیا کہ ہمارے پاس رہو بلال نے کہا کہ اگر تم نے اپنے لئے مجھے آزاد کیا ہے تو مجھے قید رکھو اور اگر خدا کے لئے آزاد کیا ہے تو چھوڑ دو کہ راہ خدا پر جہاں چاہوں چلا جاؤں آخر کار ابوبکر نے چھوڑ دیا۔ اور بلال نے شہر دمشق میں مرض طاعون میں وفات پائی اور باب صغیر میں مدفون ہوئے۔

الحارث بن قیس

کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ منجملہ ان ستر (۷۰) آدمیوں کے تھے جو عقبہ ثالثہ میں خدمت جناب رسالت مآب صلعم میں حاضر ہوئے تھے اور جنگ بدر اور مابعد کی لڑائیوں میں بھی حاضر ہے اور جنگ یمامہ بھی گئے تھے اور خلافت عمر کے زمانہ میں فوت ہوئے۔

الحارث بن حشام

کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ اصحاب جناب رسالت مآبؐ میں سے تھے اور بعض کہتے ہیں شام میں واقعہ یرموک میں شہید ہوئے۔

عمر بن اُمّ مکتوم القرشی العامری

ذھبی نے کتاب کاشف میں کہا ہے کہ وہ جناب خدیجۃ الکبریٰ کے ماموں زاد بھائی تھے اور سابقین اسلام میں سے ہیں چند مرتبہ جناب رسالت مآبؐ نے مدینہ میں ان کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے۔

ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص الزّہری

صاحب اصابہ نے کہا ہے کہ یہ وہی مشہور شجاع ملقب بہ مرقال ہیں اور اس لقب نے اس سبب سے شہرت پائی کہ ارقال ایک قسم کی دوڑ کا نام ہے اور وہ میدان جنگ میں تین تین دشمنوں سے ایک ساتھ دوڑ دوڑ کر مقابلہ کرتے تھے اور کلبی از ابن حیان نے نقل کیا ہے کہ وہ صحبت جناب رسالت مآبؐ سے مشرف ہوئے اور روز فتح مکہ مسلمان ہوئے اور جنگ عجم میں اپنے چچا سعد وقاصی کے ہمراہ قادسیہ میں تھے اور وہاں بہت کچھ جوانمردی دکھائی اور جنگ صفین میں ملازم رکاب ظفر انتساب شاہ ولایت تاب رہے اور مراسم جہاد بجالائے اور فتوح ابن عاثم کوفی اور کتاب اصابہ میں مذکور ہے کہ جب عثمان کے مارے جانے اور امیر المومنینؑ کی خلافت کی خبر منتشر ہوئی اور اہل کوفہ نے یہ خبر سنی اس زمانہ میں ابوموسیٰ اشعری حاکم کوفہ تھا کوفہ کے لوگ اس کے پاس آئے اور کہا کہ امیر المومنین علیؑ سے بیعت کیوں نہیں کرتے؟ ابوموسیٰ نے جواب دیا کہ ابھی میں توقف کروں گا دیکھوں اس کے بعد کیا ہوتا ہے ہاشم بن عتبہ نے کہا کہ ہوگا کیا؟ عثمان مارا گیا اور خاص و عام نے علیؑ سے بیعت کر لی اب کیا یہ ڈرتے ہو کہ اگر علیؑ سے بیعت کرو گے تو عثمان پھر واپس آئیں گے اور تمہیں ملامت کریں گے؟ ہاشم نے یہ کہہ کر اپنا داہنا ہاتھ بائیں پر رکھا اور کہا کہ بایاں ہاتھ میرا میری طرف سے ہے اور داہنا جناب علی بن ابی طالبؑ کی طرف سے میں نے ان سے بیعت کی اور ان کی خلافت پر راضی ہوا!

جب ہاشم نے ان کے روبرو اس طرح سے بیعت کی تو ابوموسیٰ کو کچھ عذر کی گنجائش ہی باقی نہ رہی اور مجبوراً بیعت کرنا پڑی پھر تمام اکابر سرداران کوفہ نے بھی بیعت کی۔ کتاب اصابہ میں مذکور ہے کہ ہاشم وقت بیعت یہ اشعار برجستہ نظم کر کے پڑھتے جاتے تھے۔ شعر

اُبَایِعُ غَیرُ مُکتَرِثٍ عَلِیاً   وَلا اَفشلی امیراً اَشْعَرِیًّا
اُبَایِعُہٗ وَاَعْلَمُ ان سَامفیٍ   بِذالک اللہَ حقاً وَالنبیًّا

یعنی۔"میں بے خوف علیؑ سے بیعت کرتا ہوں اور حاکم اشعری سے کچھ نہیں ڈرتا! میں ان سے بیعت کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ اس بیعت کے سبب سے میں حق کی طرف جاؤں گا اور خدا اور رسول صلعم تک پہونچوں گا۔

ہاشم جنگ صفین میں درجہ شہادت پر پہونچے اور بعد ان کے ان کے بیٹے عتبہ بن ہاشم نے ان کے باپ کا علم اٹھایا اور اہل شام پر حملہ کیا۔ اور بہت سے آدمیوں کو قتل کر کے آخر کار شربت شہادت نوش فرمایا اور اپنے پدر بزرگوار کے پاس پہونچ گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ابوسعید الخدریٰ

کتاب داؤد میں مذکور ہے کہ وہ منجملہ سابقین اولیں کے تھے جنہوں نے حضرت امیرؑ کی طرف رجوع کی اور مستقیم الاعتقاد تھے۔

ابوالطفیل عامر بن واثلۃ اللیثی

کتاب استیعاب میں مذکور ہے کہ ان کی کنیت ان کے نام پر غالب تھی اور سال جنگ احد میں پیدا ہوئے اور زمانہ جناب رسالت مآب صلعم میں آٹھ برس کے تھے اور جناب رسالت مآب صلعم کے دیکھنے والوں میں سب کے آخر میں انہوں نے وفات پائی ہے اور امیر المومنینؑ کو بہت دوست رکھتے تھے اور اہل بغاوت کی لڑائیوں میں حضرت امیرؑ کے ہمراہ تھے۔ ثقہ اور امین تھے اور فضل شیخین کا اعتراف کرتے تھے لیکن حضرت امیر علیہ السلام کو ان پر فضیلت دیتے تھے اور ۱۰۰ھ میں وفات پائی۔

مولف کہتا ہے کہ اگر ہم صاحب استیعاب کے قول کو مان لیں جب بھی شیخین کے اعتراف فضل کو تقیہ پر محمول کریں گے اس لئے کہ عامر مذکور بنا بر تحریر شیخ ابوعمر کشی کے کیسانی مذہب تھے یعنی امامت محمد بن حنفیہ کے قائل تھے اور کیسانی مذہب امامیہ کا ایک فرقہ ہے جو اصل اعتقاد خلافت بلا فصل امیر المومنینؑ میں مثل اثناعشری کے ہیں اور خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو باطل جانتے ہیں البتہ بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کے اثناعشری اور ان میں اختلاف ہوگیا ہے۔ فتوح عاثم کوفی میں مذکور ہے عامر جنگ صفین میں کمین گاہ کی پیادہ فوج کے سردار تھے اور کتاب کشی میں مذکور ہے کہ جب مختار بن ابی عبیدہ نے آل مروان پر خروج کیا عامر بن طفیل ان کے شریک تھے اور کہتے تھے کہ وہ ستر آدمی جنہوں نے عقبۂ ثالثہ میں جناب رسالت مآب سے بیعت کی تھی انتقال کر چکے، تنہا میں باقی ہوں۔

جابر بن عبداللہ بن عمر بن حزام الانصاری

کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ وہ اصحاب رسول خدا صلعم سے تھے اور جنگ بدر اور اٹھارہ لڑائیوں میں جناب رسالت مآب صلعم کے ہمراہ تھے اور حضرت صادقؑ سے روایت کی ہے کہ وہ اصحاب رسولؐ سے سب کے آخر میں باقی رہنے والے شخص ہیں اور ان کی بازگشت ہم اہل بیتؑ کی طرف تھی۔

اور کتاب خلاصہ فضل بن شاذان سے روایت کی ہے کہ وہ ان سابقین صحابہ میں سے جنہوں نے بعد حضرت رسول خدا صلعم کے حضرت امیرؑ کی طرف رجوع کی۔ اور ابن عقدہ نے جو اکابر محدثین

میں سے ہیں ان کی محبت اہل بیتؑ اور متابعت اہل بیتؑ کی تصریح کی ہے۔ اور وہ آخر ان صحابہ کے ہیں جنہوں نے مدینہ میں وفات پائی۔

اور کتاب استیعاب میں مذکور ہے کہ وہ جنگ صفین میں حضرت امیرؑ کے ہمراہ تھے اور ابو عمر کشی نے لکھا ہے کہ جابر عمامہ سیاہ باندھتے تھے اور مسجد مدینہ میں بیٹھ کر مسائل دینی بیان فرمایا کرتے تھے مسائل بیان کرتے کرتے یکبارگی کہنے لگتے تھے "یَابَاقِرَ الْعِلْمِ" اہل مدینہ جب یہ کلمہ سنتے تو آپس میں کہتے کہ جابر بن عبداللہ بڈھے ہوگئے۔ ہذیان بکتے ہیں جب یہ بات جابر نے سنی تو انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم! میں ہذیان نہیں بکتا بلکہ پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا کہ تم عنقریب میرے اہل بیتؑ میں سے ایسے مرد کو دیکھو گے جس کا نام میرا نام ہوگا اور جس کے شمائل میرے شمائل ہوں گے وہ علم کو اس طرح شگافتہ کریگا کہ جو شگافتہ کرنے کا حق ہے میں نے یہ کلام معجز نظام جناب سرور انام سے سنا ہے مجھ کو اس کے دیکھنے کی آرزو بے اختیار کر دیتی ہے اتفاقاً ایک روز جابر کوچہ ہائے مدینہ میں گذر رہے تھے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے دروازہ پر ایک لڑکے کو دیکھا کہ جس سے جناب رسالت مآبؐ کے شمائل ظاہر تھے اپنے پاس بلایا حضرت سامنے آئے جابر نے کہا ذرا پلٹ جائیے پلٹ گئے جابر نے اپنے جی میں کہا کہ یہ شمائل تو پیغمبرؐ کے شمائل ہیں ان کو قسم دی کہ آپ کا کیا نام ہے انہوں نے فرمایا محمدؑ بن علیؑ بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ یہ سن کر جابر آگے بڑھے اور انہوں نے سر مبارک پر بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کے جد امجد نے آپ کو سلام کہا ہے حضرت یہ خبر سنکر متاثر ہوئے اور اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوکر واقعہ بیان کیا۔ جناب زین العابدین علیہ السلام نے اس خبر کے افشا ہونے سے اندیشہ کیا اور فرمایا کہ آخر جابر نے سلام و پیام کو ظاہر کیا انہوں نے عرض کی کہ ہاں! امامؑ نے فرمایا کہ اے فرزند اب تم گھر میں بیٹھو اور باہر نہ جاؤ اس لئے کہ لوگ تمہاری طرف رجوع کرنے لگیں گے اور دشمنوں کے مظالم ہم پر بڑھ جائیں گے بعد ازاں جابر ہر صبح و شام امام محمد باقرؑ کی خدمت میں تنہا حاضر ہوتے تھے اور علم کی باتیں سیکھتے تھے اہل مدینہ اس امر سے تعجب کرتے تھے اور یہ حکایت خاتمۂ کتاب روضۃ الشہداء میں اس طرح لکھی ہوئی ہے کہ:۔ آخر عمر میں جابر کی آنکھیں جاتی رہی تھیں ایک روز امام محمد باقرؑ اپنے عنفوان شباب میں ان کے پاس آئے اور ان پر سلام کیا جابر نے جواب سلام دے کر پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ محمدؑ بن علیؑ بن حسینؑ ہوں۔ جابر نے عرض کی کہ اے سردار میرے پاس آئیے اور اپنا ہاتھ مجھے دیجئے امامؑ نے اپنا ہاتھ جابر کے ہاتھ میں دیا۔ جابر نے ہاتھ پر بوسہ دیا اور چاہا کہ پاؤں پر بھی بوسہ دیں لیکن امامؑ نے پیر پر نہ دینے دیا جابر نے عرض کی کہ اے فرزند رسول خدا صلعم نے آپکو سلام کہا ہے امامؑ نے فرمایا "وعلیٰ رسول اللہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" پھر جابر سے فرمایا کہ اے جابر اس کا حال بیان کرو۔ جابر نے عرض کی کہ ایک روز میں حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ تھا آنحضرت نے ارشاد

فرمایا کہ اے جابر شاید تم اس وقت رہو کہ میرے ایک فرزند سے ملاقات کرو جن کا نام محمدؐ بن علیؑ بن حسینؑ ہو۔ خداوند عالم اس کو اپنا نور اور حکمت دیگا اس کو میری طرف سے سلام پہونچا دینا۔ نیز کتاب کشی میں مذکور ہے کہ جابر عصا ہاتھ میں۔لئے ہوئے کوچہ ہائے مدینہ اور وہاں کی مجالس میں جاتے تھے اور کہتے تھے "علیٌّ خَیرُ البَشَرِ مَن اَبیٰ فَقَد کَفَر" یعنی علیؑ خیر البشر ہیں جو شخص اس سے انکار کرے یقیناً وہ کافر ہے" اور فرماتے تھے کہ اے گروہ انصار اپنی اولاد کو محبت علیؑ بن ابی طالب کے ساتھ ادب سکھاؤ جو شخص انکار کرے اس کی ماں کی حالت پر غور کرو۔شعر

محبت شہ مردان مجوز بے پدرے   کہ دست غیر گرفتہ است پائے مادر او

افضل المحققین خواجہ نصیر الدین طوسی طیب اللہ مشہدہٗ نے اپنے رسالہ اوصاف الاشراف میں لکھا ہے کہ جب جابر بن عبداللہ آخر عمر میں مبتلائے ضعف پیری ہوئے تو حضرت امام محمد باقرؑ انہیں دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے اور ان کا حال پوچھا جابر نے کہا کہ ایسی حالت ہے کہ اس حالت میں بڑھاپے کو جوانی پر اور بیمار کو تندرستی پر اور مرنے کو زندہ رہنے پر ترجیح دیتا ہوں حضرتؑ نے ان کی تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ لیکن اگر خدا مجھے بڈھا کرے تو بڑھاپے کو دوست رکھتا ہوں اور اگر جوان بنائے تو جوانی کو اور اگر بیمار بنائے تو بیماری کو اور اگر شفا دے تو شفا کو اور اگر موت دے تو مرنے کو اور اگر زندہ رکھے تو زندگی کو دوست رکھتا ہوں۔ جب جابر نے یہ بات حضرتؑ سے سنی تو آپ کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا اور کہا کہ رسول اللہ صلعم نے سچ فرمایا تھا کہ تم میری اولاد میں سے ایک ایسے شخص تک پہونچو گے جن کا نام میرا نام ہوگا اور وہ علوم کو اس طرح سے شگافتہ کریگا کہ جس طرح سے زرگاؤ زمین کو شگافتہ کرتا ہے۔اور اس سبب سے نام اس کا باقر العلوم اولیں وآخرین رکھا ہے اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جابر مقام صبر تک پہونچے ہوئے تھے اور حضرت امام باقر علیہ السلام مرتبۂ رضا پر فائز تھے خداوند عالم ہم کو اور تمام مومنین کو صابرین راضیین مرضیین میں۔سے قرار دے بحق محمد وآلہ المعصومین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین۔یہ سو آدمیوں کا حال اکابر واشرف اور عدول صحابۂ جناب رسول مختارؐ بنی ہاشم مہاجر وانصار میں سے تھا اور بنا بر قصد اختصار کے اسی پر اکتفا کی گئی ان میں بعض ایسے تھے جنہوں نے مدت العمر ابوبکر وعمر کی اطاعت نہیں کی مثل سعد بن عبادہ اور ان کے عزیز واقارب کے اور بعض نے ابتدا میں متابعت نہیں کی لیکن آخر میں جبراً وقہراً ظاہری طور پر بیعت کر لی مثل مقداد وسلمان وابوذر اور خالد بن سعید اموی اور ان کے بھائیوں کے اور بعض ایسے ہیں کہ جنہوں نے قبل وفات جناب رسالت مآبؐ امر خلافت اور اس کے مستحق کے بارہ میں کچھ غور نہیں کیا اور یکا یک بیعت ابوبکر کے لئے مجبور کئے گئے انہوں نے بھی دوسروں کی تقلید کر کے ابوبکر کی بیعت کر لی اور کچھ دنوں اس کو حق سمجھتے رہے لیکن آخر میں متنبہ ہوئے اور حضرت امیر علیہ السلام کی طرف رجوع کی اور سو اشخاص کہ جن کا حال اس کتاب میں کیا گیا ہے ایسے لوگ ہیں کہ اعتقاد مؤلف میں جن کے مثل

صحابہ میں دس آدمی بھی نہ نکل سکیں گے اس لئے کہ افضل صحابہ اہل سنت کے نزدیک ابوبکر عمر وعثمان ہیں اور ہر مصنف کے نزدیک ظاہر ہے کہ اگر یہ لوگ غصب خلافت کے سبب سے سلطنت نہ پا جاتے تو یہ جھوٹی حدیثیں جوان کے فضائل میں بنائی گئیں نہ بنتیں اور اہل زمانہ ان کو قنبر اور بلال حبشی کے مرتبہ میں بھی نہ سمجھتے چنانچہ شیخ سنائی علیہ الرحمہ نے کہا ہے:۔شعر

آنکہ اورا بر علی مرتضی خوانی امیر   باللہ ازاو میتواند کفش قنبر داشتن

لیکن وہ لوگ کہ جنہوں نے برغبت ابوبکر وعمر وعثمان سے بیعت کی تھی وہی لوگ تھے جنہوں نے آگے چل کر طلحہ وزبیر ومعاویہ سے بیعت کی مثل عمر عاص اور مغیرہ بن شعبہ اور ابوہریرہ اور ابوالاعور سلمی اور ابو موسیٰ اشعری اور سعد وقاص اور بسر بن ارطاۃ القرشی اور حبیب بن مسلمۃ القرشی اور محمد بن مسلمہ اور حسان بن ثابت اور سعد بن مالک اور اولاد عمر خطاب اور عبداللہ زبیر اور عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید اور عتبہ بن ابی سفیان اور مروان بن الاحکم اور ضحاک بن قیس الفہری اور ان کے مثال جن کے نام کتب سیر میں مذکور ہیں بلکہ کتب سیر میں لکھا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ قریش کے صرف پانچ آدمی تھے محمد بن ابی بکر جو آپ کے ربیب تھے جُعدہ بن بصیرۃ المخزومی کہ جو حضرت امیر علیہ السلام کے بھانجے تھے اور ابوالربیع ابو العاص بن ربیعہ اور محمد بن ابی حذیفہ بن عتبہ جو معاویہ کے بھانجے تھے اور ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص جو سعد و وقاص کے بھتیجے تھے اور معاویہ کے ہمراہ قبیلۂ قریش کے تھے اور صاحبان شعور پر ظاہر ہے کہ جو لوگ معاویہ باغی طاغی کی متابعت امیر المومنینؑ کے مقابلہ میں کریں ان کی بصیرت اور دینداری کا کیا درجہ ہے کوئی شبہہ نہیں کہ ان کا قول وبول براز ہے پس جس طرح سے کہ ان لوگوں کا معاویہ کے ساتھ بیعت کرنا دلیل حقیقت خلافت معاویہ نہیں ہے اسی طرح سے خلفائے ثلاثہ کی بیعت بھی دلیل حقیقت نہیں ہے۔

واضح رہے کہ ان سو آدمیوں کے (جن کا ذکر ہوا) اعزا اور اقارب بھائی اور فرزند غلام وغیرہ بھی تھے اور اکثر ان میں کے صحابی تھے اور اپنے بزرگوں کے عقیدے کے پابند تھے لیکن انہیں لوگوں پر اکتفا اس لئے کی گئی کہ یہ لوگ اصل تھے اور وہ ان کے تابعین میں ورنہ متقدمین علماء میں۔

شیخ اعظم محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ قمی وغیرہ نے بڑی بڑی کتابیں نیکوکاران صحابۂ سید مختار کے حالات میں لکھی ہیں اگرچہ دشمنوں کے ڈھونڈ ڈالنے اور جلا دینے اور ضائع کر دینے کے سبب سے اب ان کتابوں کا پتہ بھی نہیں ہے۔

تمام شد مجلس سوم

خدا کی رحمت ہوئی جو مونس تو چھپ گئی تیسری مجلس   مٹا کے اپنے کو راہ حق میں تجلی حق دکھا رہے ہیں
پکار کر تم بھی کہہ دو انجم کہ بھر لیں سب اپنے اپنے دامن   حقیقت ومعرفت کے گوہر شہید ثالث لٹا رہے ہیں

مجلس چہارم

در ذکر اکابر دین وافاضل مومنین از زمرئہ تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین

سید التابعین ابو القاسم محمد بن امیر المومنین علی بن ابی طالب علیھم السلام

شارح دیوان مرتضوی نے کہا ہے کہ امام محمد علی مرتضیٰ کے بیٹے تھے اور ماں ان کی بنی حنیفہ سے تھیں اور اسی بنا پر ان کو ابن حنیفہ کہتے ہیں محمد مذکور نے انہتر برس کی عمر میں ۸۱ ھ میں وفات پائی لیکن ان کو شیعہ کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں اور کوہ رضوی میں جو نزدیک مدینہ کے ہے موجود ہیں اور وہی مہدی موعود ہیں اور ان کے ظہور کے وقت زمانہ عدل سے بھر جائے گا۔ چنانچہ کثیر شاعر نے کہ جو ان کے شیعوں میں سے ہیں اپنے اشعار میں اس طرح اظہار کیا ہے اور کہا ہے:۔ **شعر**

وسبط لا یزوق الموت حتی   یقود الخیل یقدمہ اللّواء

یغیب فلا یرافیھم زمانا   برضوی عندہ غسل وماء

یعنی وہ اولادِ انبیاء میں سے ہیں جو موت کا مزہ نہ چکھیں گے جب تک کہ وہ فوج کی سرداری نہ کریں اور ان کے سامنے علم لشکر نہ ہو وہ غائب ہو جائیں گے کوہ رضوان میں پس ایک زمانہ تک انہیں کوئی نہ دیکھے گا۔

تاریخ ابن خلکان میں مذکور ہے کہ محمد بن حنیفہ اس لئے کہلاتے ہیں کہ ان کی ماں خوکہ بنت جعفر قبیلہ بنی حنیفہ سے تھیں اور ان کی کنیت ابو القاسم اس وجہ سے ہے کہ ان کے بارے میں جناب رسالت مآب صلعم نے اجازت دی تھی اور حضرت امیرؑ کو خبر دی تھی کہ میرے بعد تمہارے ایک بیٹا پیدا ہوگا میں نے اپنا نام اور اپنی کنیت اس کو عطا کی اور کسی کے لئے میری امت میں سے حلال نہیں کہ وہ میرے نام اور کنیت کو باہم جمع کرے۔ اور محمد مذکور علم وورع وشجاعت میں مشہور تھے اور جنگ جمل وصفین میں علمبردار لشکر حضرت امیر المومنینؑ تھے اور نہایت شدید القوت تھے ان کے بارے میں عجیب وغریب خبریں مشہور ہیں منجملہ ان کے مُبَرَّدؒ نے کتاب کامل میں ذکر کیا ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کے پاس ایک

زرہ تھی جو آپ کے قد میں لانبی تھی حضرت نے وہ زرہ محمد کو دی اور فرمایا کہ اس کا اتنا حصہ جدا کرا دو! محمد نے ایک ہاتھ دامن زرہ پر رکھا اور دوسرا اس مقام پر جہاں سے جدا کرنے کو فرمایا تھا اور چاک کر دیا۔

عبداللہ بن زبیر جب یہ تذکرہ سنتے تھے تو آتش رشک وحسد سے جل جاتے تھے۔ اس لئے کہ وہ بھی نہایت طاقت دار تھے اور اپنے سے زیادہ قوی کسی کو خصوصاً اولاد حضرت امیرؑ کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔

نیز ابن زبیر نے جب اپنے ایام خلافت میں محمد بن حنیفہ اور عبداللہ بن عباس کو اپنی بیعت کی تکلیف دی اور ان لوگوں نے انکار کیا تو اس نے ان کا محاصرہ کر لیا اور قسم کھائی کہا اگر بیعت نہ کریں گے تو ان کو آگ سے جلا دوں گا اور تفصیل اس قصہ کی نہایت طولانی ہے۔ اور کتاب تحفۃ الاحیاء میں لکھا ہے کہ روز جنگ جمل حضرت امیر المومنینؑ نے علم لشکر محمد بن حنیفہ کے ہاتھ میں دیا اور فرمایا۔

"آگے بڑھو" محمد چند قدم بڑھے اور پھر اثنائے راہ میں ٹھہر گئے اور بنا بر بعض روایات کے یہ ہے کہ کہا "قسم خدا کی یہ فتنہ سخت ہے" پس حضرت امیر المومنینؑ نے پکارا کہ داخل ہو تیرے لئے ماں نہ ہو آیا یہ فتنہ ہو سکتا ہے کہ تیرا باپ جس کا پیشوا ہو اور وہی اسے بہکا کرلے چلتا ہو۔ پس محمد نے علم اٹھایا اور لشکر پر حملہ کر دیا اور اپنے نیزۂ خونخوار سے اشرار کو زمین پر گراتے جاتے تھے اور اس طرح شجاعت کے ساتھ جنگ کر رہے تھے کہ دوست دشمن سب تحسین وآفرین کے نعرے بلند کر رہے تھے اور جناب ولایت پناہ اپنے فرزند ارجمند کی لڑائی دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ محمد بن حنیفہ نے پہلے نیزہ سے بہت سے دشمنوں کو قتل کیا اور پھر تلوار نیام سے کھینچی اور اصحاب جمل کو صحرائے عدم کی طرف روانہ کرنا شروع کیا دیر تک داد مردی ومردانگی دینے کے بعد اپنے مقام پر واپس آئے کتاب کشف الغمہ اور تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے کہ ایک روز لوگوں نے محمد حنیفہ سے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے جو آپ کے پدر بزرگوار آپ کو میدان جنگ میں بھیجتے ہیں اور آپ کے دونوں بھائیوں حسنؑ اور حسینؑ کو اپنے پہلو میں محفوظ رکھتے ہیں۔ محمد نے جواب دیا کہ وہ دونوں ان کی آنکھیں ہیں اور میں ان کا ہاتھ ہوں قاعدہ کی بات ہے کہ انسان اپنی آنکھوں کی حفاظت اپنے ہاتھ سے کرتا ہے ایک مرتبہ پھر لوگوں نے یہی سوال کیا محمد نے جواب دیا کہ ان کا بیٹا ہوں اور وہ دونوں رسول خدا صلعم کے فرزند ہیں۔ کتاب شواہد النبوۃ اور کتاب خرائج الجرائح میں مذکور ہے کہ محمد بن حنیفہ نے بعد شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے کہا کہ وصایت میرا حق ہے اس لئے کہ میں تمہارا چچا ہوں اور تم سے سن میں بڑا ہوں۔ امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے چچا آپ خوف کیجئے اور یہ دعویٰ نہ کیجئے لیکن محمد بن حنیفہ نے نہ مانا اور اس نزاع نے طول کھینچا آخر کار امام نے جواب دیا کہ اے چچا چلیئے ہم اور آپ دونوں ایک حَکَم کے پاس چلیں محمد بن حنیفہ نے کہا کہ حَکَم کون ہے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ حجر اسود کے پاس چلیں۔

دونوں ہمراہ حجر اسود کے پاس آئے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے محمد سے کہا کہ پہلے آپ سوال کیجئے کہ خلافت کس کا حق ہے محمد نے سوال کیا لیکن کوئی جواب نہ سنا۔ تب امام نے اپنے ہاتھ دعا کے لئے بلند کئے اور خداوند عالم کو اسماء عظام کے ساتھ پکارا۔ اور خواہش کی کہ حجر اسود کو گویا کردے پھر حجر اسود سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ تجھے اسی خدا کی قسم جس نے اپنے معتبر بندوں کو تیرے ساتھ مبعوث کیا ہے ہمیں بتادے کہ امامت و وصایت بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کے کس کا حق ہے؟ یہ سننا تھا کہ حجر اسود کو جنبش ہوئی اور اس طرح سے متحرک ہوا قریب تھا کہ اپنی جگہ سے گر پڑے۔ اور وہاں عربی فصیح میں کہا کہ اے محمد تم کو تسلیم کرنا چاہیے کہ وصایت بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کے علی بن الحسینؑ کا حق ہے جب محمد حنیفہ نے یہ معجزہ دیکھا تو حضرت کی امامت تسلیم کرلی اور پاہائے مبارک کو بوسہ دیا۔ نیز کتاب خرائج میں یہ بھی مذکور ہے کہ محمد بن حنیفہ نے یہ نزاع ضعیف العقیدہ لوگوں کے شکوک اور اوہام زائل کرنے کے لئے کی تھی اور حضرت کے مراتب خلائق پر ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ فی الحقیقت امامت میں جھگڑنا مقصود نہ تھا۔

محمد بن حنیفہ کی وفات ۱۰۱ھ میں یا ۸۲ھ میں بمقام مدینہ میں ہوئی اور بقیع میں مدفون ہوئے اور ان کی بہت سی حدیثیں مشہور ہیں رضی اللہ عنہ

محمد بن ابی بکر ابی قحافہ التیمی القرشی

ان کی ماں اسماء بنت عمیس ہیں جو دراصل جعفر بن ابی طالب کی زوجہ تھیں جعفر کے شہید ہونے کے بعد ابوبکر نے ان سے عقد کرلیا۔ اور محمد سال حجۃ الوداع میں پیدا ہوئے جب ابوبکر کا انتقال ہوا تو حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ان سے عقد کرلیا اور محمد آپ کے ربیب اور پروردہ تھے۔ شیخ ابوعمر کشی نے روایت کی ہے کہ جب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی مجلس میں محمد بن ابی بکر کا ذکر ہوتا تھا تو آپ ان پر صلوٰۃ اور رحمت بھیجتے تھے نیز حضرت ہی سے مروی ہے کہ آپ فرماتے تھے نجابت محمد بن ابی بکر کی ان کی ماں اسماء بنت عمیس کی طرف سے ہے نہ کہ ان کے باپ کی طرف سے اور دوسری روایت میں فرمایا ہے کہ ہر اہل بیتؑ میں ایک شخص ایسا ہوتا ہے جو اپنی ذات سے نجیب ہوتا ہے اور بڑے اہل بیت میں سے انجب نجباء محمد بن ابی بکر ہیں۔

نیز جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ محمد بن ابی بکر نے شیخین سے بیزار رہنے کے عہد پر امیر المومنینؑ سے بیعت کی تھی اور ان تینوں روایتوں کے موید محمد بن ابی بکر کے اشعار ہیں:۔ شعر

یا ابانا قد وجدنا ماصلح ۔۔۔ خاب من انت ابوہ وافتضح

انما اخرجوء منک الذی ۔۔۔ اخرجت الدُرّ من الماء الملح
انسیت مالعھد فی خمٍ وما ۔۔۔ قالہ المبعوث فیہ وشرح
فیک وصی احمد فی یومھا ۔۔۔ ام لمن ابواب خیبر قد فتح
ام بارثٍ قد تقمصت بھا ۔۔۔ بعد مابخع علجک وکشح
ماقویٰ عن رک فی الحشر ھذا ۔۔۔ یالک الویل اذا الحق اتضح
وسئلک المصطفیٰ عمّا جریٰ ۔۔۔ من قضایا کم ومن تلک القبح
ثم عن فاطمۃ وارثھا ۔۔۔ من ردیٰ عنہ ومن فیہ نصح
وعلیک اخزی بن ربّ السماء ۔۔۔ کلما ناح حمامٌ وصدح
یا بنی زھراءَ انتم عدتی ۔۔۔ وبکم فی الحشر میزانی رجح
واذا صحّ ولائی لکم ۔۔۔ لا ابالی ایّ کلب قد نبح

ماحصل ان اشعار بلاغت آثار کا یہ ہے:۔ کہ ''اے ہمارے باپ ہم اچھی چیز پاگئے اگرچہ تم جس کے باپ ہو اس کے ناامید ہونے اور رسوا ہونے میں کوئی بات باقی نہیں رہتی مجھ کو اسی قادر مطلق نے تم سے پیدا کیا کہ جو آب شور سے موتی کو پیدا کردیتا ہے کیا تم اس عہد کو بھول گئے جو روز غدیر خم نبی مبعوث نے فرمایا تھا اور اس کی شرح بھی کی تھی کیا روز غدیر تمہارے بارے میں احمد نے وصیت کی تھی یا اس شخص کے بارے میں جس نے خیبر کو فتح کیا ہے یا وراثت کے سبب سے تو نے خلافت کا کرتہ کھینچ تان کر پہن لیا۔ بعد اس کے کہ ظاہر میں تو تمہارے کافر دل نے اقرار کیا اور باطن میں عداوت رکھی۔ تم فردائے قیامت کیا عذر رکھتے ہو تمہارے واسطے ویل ہے۔ جس وقت حق واضح ہوگا اور محمد مصطفیٰ تمہارے قضیئے اور تمہاری برائیاں پوچھیں گے تو کیا جواب دو گے؟ پھر تم نے فاطمہؑ سے غصب کرلیا جو اس کی وارثہ تھیں اور جنہوں نے رسول اللہ سے روایت کی تھی اور جن کے بارے میں رسول اللہ نے امت کو نصیحت کی تھی تمہارے اوپر رب السموات کا عذاب نازل ہو۔ جب تک کہ کبوتر آواز دے اور گونجے۔ اے اولاد زہرا تمہیں میرے ذخیرہ ہو اور تمہارے ہی سبب سے روز قیامت میرا پلہ عمل بھاری ہوگا اور جبکہ میری محبت تمہارے ساتھ صحیح ہو تو پھر مجھے کسی کتے کے بھونکنے کی پرواہ نہیں ہے۔

صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ حضرت امیر محمدؑ کو بہت دوست رکھتے تھے اور ان کی تعریفیں کرتے تھے اور اقران پر فضیلت دیتے تھے اس لئے کہ وہ عابد و مجتہد تھے اور محمد جنگ جمل اور صفین میں حضرت کے ہمراہ تھے اور منجملہ اس گروہ کے تھے کہ جنہوں نے عثمان بن عفان کے گھر کا محاصرہ کیا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ان کے خون میں بھی شریک تھے اور علمائے اہل سنت نے شرکت خون کی نفی کی ہے۔

مؤلف کہتا ہے کہ ان بعض علماء نے بڑی مصلحت کا خیال کیا ہے لیکن یہ انکار بے فائدہ ہے اس لئے کہ خون عثمان میں ان کا شریک ہونا حد تواتر تک پہونچا ہوا ہے۔ اور تمام کتابیں متقدمین محدثین تابعین کی اس پر شاہد ہیں۔ تاریخ احمد بن اعثم کوفی میں جو شافعی المذہب اور ثقات متقدمین ارباب سیر میں سے ہیں۔ موجود ہے کہ جب عثمان پر سخت محاصرہ ہوا تو لوگ ہر طرف سے ان کے گھر میں داخل ہونے لگے محمد بن ابی بکر نے اپنے کو عثمان کے پاس پہونچایا اور کہا کہ ہاں اے بجُو خصلت بڈھے! عثمان نے کہا کہ میں عثمان بن عفان خلیفہ رسول خدا صلعم ہوں اور تم جھوٹے ہو کہ میری اہانت کرتے ہو؟ محمد نے عثمان کی ڈاڑھ پکڑلی اور کہا کہ دیکھ!...... خدا نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ عثمان نے جواب دیا کہ خدا ہمیشہ میرے ساتھ اچھائی کرتا رہا اے بھتیجے خدا سے ڈر اور میری ڈاڑھی چھوڑ دے اگر تیرا باپ ابوبکر زندہ ہوتا تو ہرگز ڈاڑھی نہ پکڑتا اور میری اس طرح سے اہانت نہ کرتا۔ محمد نے جواب دیا کہ اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو ہرگز تم کو اس طرح کے کام نہ کرنے دیتا۔ عثمان نے ہاتھ بڑھا کر جو قرآن اس کے پاس رکھا ہوا تھا ہاتھ میں لے لیا اور کہا کہ یہ کتاب خدا ہے اور میں اسی کے ساتھ تم لوگوں میں حکم کروں گا اور ہر طرح سے تمہاری رضا جوئی کروں گا جو کچھ تمہاری مراد ہوگی اسے پوری کروں گا۔ محمد نے اس آیت کلام مجید کی تلاوت کی۔

"الْاٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ" یعنی اب! درحالیکہ اس سے پہلے تو نے گناہ کیا اور تو مفسدین سے تھا یہ کہہ کر تبر عثمان کی گردن میں مارا۔ جس سے وہ مجروح ہوئی اور خون بہنے لگا۔ پس کنانہ بن بشر داخل ہوا اور ایک گرز اس کے سر پر مارا اور سید بن حمران مرادی نے تلوار ماری اور دوں نے داہنے بائیں سے تلواریں مارنی شروع کیں یہاں تک کہ اپنے ٹھکانے پہونچ گئے۔ محمد مذکور جب شاہ ولایت کی طرف سے والی مصر تھے تو معاویہ کے لشکر کے مقابلہ میں شہید ہو گئے۔ جب خبر شہادت حضرت امیرؑ کو پہونچی تو روئے اور فرمایا کہ وہ اللہ کا بندۂ صالح تھا۔ تنبیہہ اہل سنت جماعت معاویہ باغی کو ام المومنین ام حبیبہ کے بھائی ہونے کی حیثیت سے خال المومنین یعنی مومنین کا ماموں کہتے ہیں لیکن اصل وجہ ماموں کہنے کی یہ ہے کہ امیر المومنینؑ کا دشمن تھا ورنہ محمد بن ابی بکر کو خال المومنین کہنا چاہئے تھا اس لئے کہ یہ عایشہ کے بھائی تھے۔

حضرت شیخ سنائی نے اس بارے میں فرمایا ہے۔ **شعر**

آنکہ مردے دہا و تلپس است   آن نہ خال ونہ غم کہ ابلیس است
ہر کرا خال ازیں شمار بود   مرو را باعلی چہ کار بود
گر ہمین خال بایدت ناچار   پور بو بکر رامجال انکار
عایشہ چونکہ بود خواہر او   خال مابہ بود برادر او

چوں قتادی بدخت بوسفیان   کہ از وگشت خاندان ویران

اہل سنت کے ایسے ہی واہیات اقوال میں سے یہ بھی ہے کہ وہ شیعوں کو اس لئے کافر رافضی کہتے ہیں کہ منکر امامت ابوبکر و عمر ہیں۔ لیکن معاویہ کو مسلمان جانتے ہیں باوجودیکہ وہ منکر امامت حضرت علی علیہ السلام تھا اور آپ کے مقابلہ میں تلوار کھینچی تھی اور کہتے ہیں کہ رافضی چونکہ ابوبکر و عمر کو دوست نہیں رکھتے اس لئے ان کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ لیکن یزید کہ جس نے حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا اس کی توبہ قبول ہوگی۔ **شعر**

سنیے راکہ مذہبش اینست   نیست سنّی مخرب دین است

اُویس القرنی ایمنی سہیل ملک یمن اور آفتاب قبیلہ قرن تھے تابعین کے آٹھ زاہدوں میں ایک ان کا بھی شمار ہے جنھوں نے زہد کی انتہا کردی اور جناب ختم المرسلینؐ نے اویس کی شان میں "نص الرحمن" اور خیر التابعین فرمایا ہے۔ اویس مذکور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تھے اور غائبانہ آپ پر ایمان لائے تھے لیکن بسبب اپنی بڈھی ماں کی خدمت میں مشغول رہنے کے حضرت کی صحبت سے مشرف نہیں ہوئے۔ دن کو شتربانی کرتے اور اس کی مزدوری سے اپنا اور اپنی ماں کا خرچ چلاتے تھے۔ سید محمد نور بخش نور اللہ مرقدہٗ نے کتاب شجرۂ اولیاء میں لکھا ہے کہ اویس قرنی مجذوب قدس سرہٗ وہی ہیں جنہیں رسول اللہؐ نے ولی کہا ہے اور فرمایا ہے کہ میں یمن کی طرف سے نفس الرحمن کا احساس کرتا ہوں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ سید تابعین ہیں۔ پس جس کی تعریف خود پیغمبر خدا نے کی ہو اس کو امت میں سے کسی کی تعریف کی حاجت نہیں ہے۔ سید المتابعین حیدر بن علی آملی اوامل کتاب منبع الاسرار میں لکھتے ہیں کہ اویس قرنی کی جلالت قدر اور راز دار اسرار الٰہی ہونے کی وجہ سے جناب رسالت مآبؐ جب یمن کی طرف سے ان کی انفاس شریفہ کی خوشبو سونگھتے تھے تو فرماتے تھے کہ "میں یمن کی طرف سے روح رحمٰن کو سونگھ رہا ہوں" منقول ہے کہ سلمان نے جناب پیغمبر خدا صلعم سے سوال کیا کہ "وہ کون شخص ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ یمن میں ایک شخص ہے جسے اویس قرنی کہتے ہیں وہ روز قیامت تنہا ایک امت کے مثل محشور ہوگا اور اس کی شفاعت میں مثل قبیلۂ ربعیہ و مُضر کے داخل ہوں گے۔ آگاہ ہو کہ جو شخص تم میں سے انہیں دیکھے وہ میرا سلام پہونچا دے اور ان کو حکم دے کہ وہ مجھے (بلائیں یا) میرے لئے دعا کریں اور کتاب تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ جب جناب امیرؑ اور عمر نے حسب الوصیت جناب رسالت مآبؐ کے آنحضرت کا خرقہ اویس کو پہونچایا اور عمر نے ان کو دیکھا کہ وہ ایک شتری گلیم اوڑھے برہنہ سر و برہنہ پا ہیں اور دونوں عالم کی تونگری کو اپنی گلیم میں چھپائے ہوئے ہیں تو اپنی خلافت انھیں حقیر معلوم ہوئی اور کہا کہ کون شخص ایسا ہے جو خلافت مجھ سے ایک روٹی کے عوض میں مول لے لے۔ اویس نے کہا کہ اے عمر کون ایسا بے عقل

ہے جو روٹی دے کر خریدے گا یہ تو کیا بیچ رہا ہے۔ ''پھینک دے جس کا جی چاہے گا اٹھالے گا۔'' مخفی نہ رہے کہ اس کلام میں اویس نے عمر پر صاف صاف طعن کی ہے اور اس کے بیچنے کو خلاف عقل قرار دیا اس لئے کہ امامت خدا کی طرف سے ہوتی ہے اس کا ابوبکر سے خریدنا اور عثمان کے ہاتھ بیچنا عقل وشرع دونوں کے خلاف ہے نیز یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ یہ عمر کا دعویٰ زبانی تھا دل اس کے چھوڑنے کو گوارا نہیں کرتا تھا ورنہ بیچنے کی کیا ضرورت تھی اگر وہ اپنے دعوے میں سچے ہوئے تو طلحہ وزبیر ومعاویہ اور ان کے امثال لاکھوں دے کر خریدتے ایک روڈ؛ کا کیا ذکر؟ لیکن سب جانتے تھے کہ جس طرح سے ابوبکر اقالہ کیا کرتے تھے یعنی کہا کرتے تھے ...... کہ مجھے چھوڑ دو میں علی کی موجودگی میں سب سے بہتر نہیں ہوں لیکن پھر خود خلافت کو مدت العمر نہ چھوڑا اسی طرح سے یہ ان کے مقلد یا مقتدا عمر کا قول تھا انہی وجہ سے کوئی خریدنے پر مستعد نہیں ہوا۔ پھر کتاب مذکور میں مروی ہے کہ جب حضرت امیرؑ اویس کی باتیں سن کر خاموش ہو رہے ہیں تو عمر نے اویس سے کہا کہ پیغمبر خدا صلعم کے دیکھنے کے لئے کیوں نہ آئے؟ اویس نے پوچھا کہ تم نے پیغمبر کو دیکھا ہے؟ عمر نے جواب دیا ہاں! اویس نے فرمایا کہ شاید تم نے صرف ان کا جبہ دیکھا اور اگر دیکھا ہے تو بتاؤ کہ ان کے ابرو پیوستہ تھے یا کشادہ؟ اس پر عمر سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔

مخفی نہ رہے کہ اس روایت سے صاف صاف ظاہر ہے کہ اویس نے عمر کے ساتھ استہزا کیا اور ان کی جہالت و بے گانگی کو جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ ظاہر کیا۔ منقول ہے کہ پھر عمر نے اویس سے کہا کہ میرے لئے دعا کیجئے۔ اویس نے کہا کہ ایمان میں میرے مثل ہو جاؤ۔ میں ہر نماز کے قنوت میں دعا کیا کرتا ہوں:۔ ''اللھم اغفر للمومنین والمومنات'' اگر تیرا ایمان سالم ہے تو وہ دعا تجھے بھی شامل ہے ورنہ میں اپنی دعا کو ضائع نہ کروں گا۔ اس کلام میں بھی عمر کے عاقبت بد ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ جب تو انہیں اپنی دعا کے ضائع ہونے کا خوف ہے۔

منقول ہے کہ وہ سہیل یمن بعض راتوں میں کہتے تھے تو یہ رکوع کی رات ہے اور پوری رات ایک سجدہ میں بسر کر دیتے تھے اور بعض شیعوں میں کہتے تھے کہ یہ سجود کی رات ہے اور ایک سجدہ میں رات کاٹ دیتے تھے۔ کسی نے ان سے کہا کہ اے اویس تم کو عبادت کی اتنی طاقت کیسے حاصل ہوئی کہ ایسی طولانی راتیں ایک حالت میں کاٹ دیتے ہو؟ جواب دیا کہ رات طولانی کہاں ہوتی ہے؟ کاش کے ازل سے لیکر ابد تک ایک رات ہوتی اور میں پوری رات ایک سجدہ میں کاٹ دیتا اور اچھی طرح سے گریہ وزاری کرتا۔ **شعر**

بہ نیم شب کہ ہمہ مست خواب خوش باشند   من وخیال تو بہ وگریہ ہائے در وآلود

حبیب السیر میں مذکور ہے کہ ایک معتبر کتاب میں نظر سے گذرا ہے کہ ایک دن اویس قرنی

آب فرات کے کنارے وضو کر رہے تھے کہ ایک طبل کی آواز کان میں پہونچی۔ لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیسی آواز ہے لوگوں نے جواب دیا کہ حضرت امیر المومنینؑ کی فوج جنگ معاویہ کے لئے جارہی ہے اویس نے کہا کہ کوئی عبادت میرے نزدیک متابعت علی مرتضیٰؑ سے افضل نہیں ہے لہٰذا یہ کہہ کر اسی طرف دوڑے اور ملازم رکاب فیض انتساب رہے یہاں تک کہ درجۂ عالیہ شہادت پر فائز ہوئے۔

سید المحدثین نے کتاب تحفۃ الاحباء میں عبداللہ بن عباس سے نقل کیا ہے کہ جب ہم لوگ حضرت امیرؑ کے ساتھ مقام ذیقار میں پہونچے تو کوفہ اور اس کے توابع ولواحق کا لشکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے فرمایا کہ آج اکیس فوجیں ہمارے پاس آئیں گی اور ہر فوج میں ہزار آدمی ہوں گے ابن عباس کہتے ہیں کہ میرے قیاس میں یہ امر بعید معلوم ہوا اور جناب ولایت مآبؑ میرے دل کا حال سمجھ گئے حکم دیا کہ اس صحرا میں دو نیزے نصب کر دیئے جائیں تاکہ جو لشکر ہماری نصرت کے لئے آئے ان دو نیزوں کے درمیان میں ہو کر آئے اور لوگوں کو حکم دیا کہ نہایت تحقیق واحتیاط کے ساتھ ہر فوج کے افراد کو شمار کرتے رہیں جب غروب کا وقت قریب ہوا۔ جتنا حضرت نے فرمایا تھا اس سے ایک آدمی کم آیا۔ لوگوں نے مظہر العجائب وغرائب کی خدمت میں یہ خبر پہونچائی۔ فرمایا کہ وہ بھی آئے گا اور وعدہ کو پورا کرے گا۔ ناگاہ دیکھا کہ ایک مرد پیادہ آرہے ہیں اور اپنا زادراہ اپنی پشت پر باندھے ہوئے ہیں اور ایک پانی کی چھوٹی مشک گردن میں لٹکائے ہوئے ہیں اور نہایت ضعیف ونحیف ولاغر ہیں چہرہ زرد وغبار آلود ہے۔ جب حضرت کی خدمت میں پہونچے تو سلام کیا۔ حضرت کے جواب سلام دینے کے بعد نام اور قبیلہ دریافت کیا عرض کی کہ میں اویس قرنی ہوں یا امیر المومنینؑ ہاتھ بڑھایئے میں بیعت تو کرلوں۔ فرمایا کس چیز پر بیعت کروگے عرض کی اس وعدہ پر کہ آپ کی نصرت ومددگاری میں اپنے کو چھوڑ دوں اور اپنا سر آپ پر نثار کردوں ؎

چوں سر از دست من بے سر خواہد شد   نہ ہماں بہ کہ فدائے کف پائے تو بود

جب اویس بھی آچکے تو حضرت نے وہاں سے معہ تمام لشکر کے کوچ کیا ابن حجر نے کتاب اصابہ میں کہا ہے کہ اویس قرنی وہی زاہد مشہور ہیں جنہوں نے زمانہ نبی صلعم دیکھا ہے اور عبدالغنی بن سعد قرنی نے کہا ہے کہ وہ اویس ہیں جن کی خبر ان کے وجود سے قبل پیغمبر خدا صلعم نے دی تھی۔ اور وہ جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے ساتھ شریک ہوئے اور بہترین مسلمانوں میں سے تھے۔ اور ضمرہ نے اصبغ بن زید سے روایت کی ہے کہ اویس زمانہ پیغمبر خدا صلعم ہی میں مسلمان ہوئے لیکن اپنی ماں کی خدمت گذاری کے سبب سے حاضر خدمت نہ ہو سکے۔ اور اویس معہ اپنے اصحاب کے ایک گروہ کے علی بن ابی طالبؑ کی نصرت میں شریک ہوئے اور اصبغ بن زید سے روایت ہے کہ میں نے علی کو روز صفین دیکھا کہ آپ فرما

رہے تھے کہ کون شخص ہے جو موت پر مجھ سے بیعت کرے۔ پس ننانوے آدمیوں نے آپ سے بیعت کی فرمایا کہ پورا کرنے والا کہا ہے۔ پس ایک مرد آیا جو صوف کے کپڑے پرانے اوڑھے ہوئے اور سر منڈائے ہوئے تھا۔ پس اس نے قتل ہونے کے لئے حضرت کے ساتھ بیعت کی۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ اویس قرنی ہیں۔ اویس قرنی اس بیعت کے کرنے کے بعد جب تک زندہ رہے علی الاتصال جنگ ہی کرتے رہے۔ مروی ہے کہ علی کے منادی نے آواز دی کہا اے لشکر خدا تمہیں بشارت ہو۔ پس اویس نے تلوار کھینچ کر دشمنوں کے مارنا شروع کیا یہاں تک کہ تلوار ٹوٹ گئی پس انہوں نے پکار کر کہا۔ کہ ایھا الناس کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بغیر جنت دیکھے ہوئے جنگ سے منہ نہ پھرائیں گے۔ یہ کہتے ہوئے چلے جاتے تھے کہ ایک تیر آیا جو ان کے دل پر لگا۔ پس اسی جگہ پر وفات پائی۔ گویا کہ ایک زمانہ ہوا مر چکے تھے۔" یہاں تک کلام صاحب ادسابہ کا تھا۔ اور مولانا نورالدین جعفر حشی نے کتاب خلاصۃ المناقب میں لکھا ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلعم نے یمن کی طرف رخ کیا اور کپڑا اپنے سینے سے علیحدہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ میں جانب یمن سے نفس الرحمن کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اس سے مراد حضرت کی خواجہ اویس تھے۔

خواجہ اویس یمن میں شتر بانی کرتے تھے اور اسی کی اجرت سے معہ اپنی ماں کے بسر کرتے تھے۔ ایک دن اپنی ماں سے زیارت پیغمبرؐ خدا کی اجازت مانگی ماں نے کہا کہ جاؤ لیکن اگر آنحضرت مکان میں نہ ہوں تو ٹھہرنا نہیں اور فوراً واپس آنا۔ اتفاقاً جب یہ مدینہ پہونچے تو حضرت صلعم مکان پر تشریف نہ رکھتے تھے۔ فوراً یمن کی طرف واپس گئے جب آنخضرت مکان میں تشریف لائے آپ نے گھر میں ایک نور دیکھا جو کبھی نہ دیکھا تھا دریافت فرمایا کہ دروازۂ مکان پر کوئی آیا تھا؟ جواب ملا کہ ہاں! یمن سے ایک شتربان اویس نامی آیا تھا اور سلام کہہ کر واپس گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں یہ اویس کا نور ہے جو خود چلے گئے اور نور بطور ہدیہ ہمارے گھر میں چھوڑ گئے۔

مالک بن الحارث الاشتر النخعی

لقب شریف ان کا اشتر ہے اور میدان جنگ میں دشمنوں کو اس طرح سے چن لیتے تھے کہ مرغ رائی کے دانے بھی اس تیزی سے نہیں چن سکتا۔ چنانچہ جب طرماح بن عدی امیر المومنینؑ کی طرف سے معاویہ کے پاس گئے اور معاویہ نے کہا کہ حضرت علی بن ابی طالبؑ سے کہہ دینا کہ کوفہ کی رائی کے دانوں کے برابر میرے پاس لشکر ہے جو لیکر آپ سے لڑنے آؤں گا طرماح نے جواب دیا کہ حضرت امیرؑ کے پاس ایک مرغ ہے جس کا اشتر لقب ہے وہ سب دانے چن لے گا۔ معاویہ خجل ہو گیا۔ کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ اشتر جلیل القدر عظیم المنزلت تھے اور ان کی خصوصیت حضرت امیر المومنینؑ کے ساتھ پنہاں ہو

سکنے سے زیادہ روشن ہے حضرت نے ان کی موت پر بہت رنج کیا اور فرمایا کہ وہ میرے لئے ایسا تھا کہ جیسا میں جناب پیغمبر خدا صلعم کے لئے تھا۔ کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ جب خبر وفات اشتر حضرت امیر المومنینؑ کو پہونچی تو آپ نے ایک آہ سوزناک کھینچی اور فرمایا کہ "خدا مالک پر رحمت نازل کرے اس نے کبھی مجھ سے انحراف نہیں کیا وہ شجاعت میں سنگ سخت تھا اور شان وشوکت میں کوہ بلند تھا گویا اس کی خبر موت نے میرے قد کو ٹکڑے کر دیا اور میری کمر توڑ دی۔ اشتر بھی محمد بن ابی بکر اور دوسرے صحابہ کے ساتھ قتل عثمان میں شریک تھے۔ فتوح بن عاثم کوفی میں مذکور ہے کہ جب محمد بن ابی بکر کے اصحاب نے تلوار کھینچی اور اصحاب عثمان پر حملہ کیا تو مغیرہ بن اخنث اس طرف سے بڑھا اور دفاع بن رافع انصاری پر حملہ کیا رفاع نے ایک تلوار اس کو ایسی لگائی کہ وہ واصل جہنم ہوا پس مروان ابن حکم نے تلوار کھینچ لی اور ان پر حملہ کیا حجاج بن غزیہ انصاری نے مروان سے مقابلہ کیا اور ایک تلوار مروان کی گردن پر ماری جو زرہ کو کاٹتی ہوئی گردن تک پہونچ گئی مروان زخمی ہو کر بھاگا اور عورتوں میں چھپ رہا عبداللہ بن عبدالرحمن بن العوام آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ شرم کرو اور خدا سے ڈرو اور امیر المومنین عثمان کے قتل کا ارادہ نہ کرو! اس لئے کہ ان کی اطاعت تم پر فرض ہے ابھی یہ باتیں کہہ ہی رہا تھا کہ عبدالرحمن بن حنبل حجمی نے دوڑ کر ایک تلوار لگائی اور عبداللہ مذکور واصل جہنم ہوا۔ پس عثمان کے ایک غلام نے عبدالرحمن بن حنبل پر حملہ کیا کہ اتنے میں اشتر نخعی آگئے اور ایک وار میں اس غلام کو روانہ دارا ہوار کیا۔ دوسرے غلام نے حملہ کیا وہ بھی مارا گیا۔ عبداللہ بن زمعہ نے حملہ کیا وہ بھی قتل ہوا آخر اشتر نے بڑھ کر عبد مسیر بن عوف السباق کو بھی قتل کر کے قتل عثمان کا ارادہ کیا لیکن جب نزدیک پہونچے تو اس کو تنہا پایا اور اس کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہ تھا اشتر کو شرم معلوم ہوئی کہ ایسے شخص کو جس کے پاس سلاح جنگ نہیں ہے قتل کریں لہٰذا واپس ہوئے۔

مسلم بن کوفی نے آواز دی کہ اے اشتر ان کو مارنے کے ارادے سے آئے تھے جب پاس پہونچے تو ڈر گئے! اشتر نے جواب دیا کہ میں نے اسے تنہا پایا اور کوئی ایسا نہ تھا جو مجھ سے مقابلہ کرتا لہٰذا اسے قتل کرتے ہوئے مجھے شرم معلوم ہوئی۔

اور کتاب کامل بہائی میں لکھا ہے کہ جب حضرت امیرؑ جنگ جمل کے لئے جا رہے تھے تو آپ نے ابوموسیٰ اشعری کے نام طلب فوج کے لئے خط لکھا اور محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر کو اس خط کے ساتھ روانہ کیا ابوموسیٰ اشعری نے فوج دینے سے انکار کیا محمد بن ابی بکر نے اس کو بہت سخت وسست کہا اس کے بعد حضرت کا ایک نامہ نامی ہاشم بن عتبہ کے نام پہونچا جس کا مضمون ہدایت مشمون یہ تھا کہ! "اے اہل کوفہ! تمہیں معلوم ہیکہ یہ امر (خلافت) ابتدا ہی سے میرا حق ہے لیکن امت کے متفرق ہونے کے خوف سے چپ رہا اور صبر کرتا رہا۔ آج کے دن جب کہ مہاجرین وانصار نے مجھ سے بیعت کی ہے تم لوگوں کو

لازم ہے کہ میری مددگاری میں کاہلی اور کسالت کو دخل نہ دو اس کے بعد پھر آپ نے ایک خط حضرت امام حسن علیہ السلام اور عمار یاسر کے ہاتھ بھیجا لیکن ابوموسیٰ نے اسی طرح سے انکار کیا یہاں تک کہ عمار سے اور اس سے سخت گفتگو ہوئی۔ جب اہل کوفہ کے آنے میں بہت دیر ہوئی اور یہ حالت کوفہ کی معلوم ہوئی تو عبداللہ بن عباس نے کہا ''یا امیر المومنینؑ گویا کوفہ سے کوئی مدد کے لئے نہ آئے گا ؟!'' مالک اشتر نے جب یہ کلمہ عبداللہ سے سنا تو عرض کی ''یا امیر المومنینؑ! میں کوفیوں کی زبان اوران کی عادتوں سے بخوبی واقف ہوں مجھے اجازت دیجئے کہ کوفہ جا کر وہاں کے لوگوں کو حاضر خدمت کروں۔'' حضرت نے اجازت دی یہ کوفہ آئے اور حضرت امیرؑ کے مناقب وفضائل اہل کوفہ کے سامنے بیان کرنے لگے اوران کو مدد اور نصرت کی ترغیب دلائی۔ ابوموسیٰ جو حاکم وقت تھا منبر پر جا کر لوگوں کو منع کرتا تھا اور کہتا تھا کہ ابھی توقف کرنا چاہئے دیکھو آئندہ کیا ہوتا ہے؟ مالک اشتر نے حکم دیا کہ ابوموسیٰ کو منبر پر سے گھسیٹ لو اور مسجد سے باہر نکال دو۔ ان کے نکال دینے کے بعد نماز جماعت حضرت امام حسن علیہ السلام نے پڑھائی۔ اور قرطہ بن کعب انصاری کو وہاں کا والی مقرر کیا اور بارہ ہزار فوج کے ساتھ حاضر خدمت باسعادت حضرت امیرؑ ہوئے۔ صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ روز جمل اشتر نے ان لوگوں پر جو عایشہ کے اونٹ کے گرد تھے تین مرتبہ حملہ کیا۔ اور ہر حملہ میں اونٹ کا ایک پاؤں کاٹ دیا۔ ابن عاثم کوفی نے لکھا ہے کہ جنگ جمل کے آخری روز جب دونوں لشکر آراستہ ہو کر میدان جنگ میں آئے اور صفوں کو درست کیا عایشہ ایک ہودج پر بیٹھیں اوران کا اونٹ لشکر کے سامنے لایا گیا سب لوگ ان کے اونٹ کے گردا گرد کھڑے ہو گئے حضرت امیر المومنینؑ نے بھی اپنا لشکر درست فرمایا۔ اور جنگ جو سپاہی میدانِ جنگ میں اترنے لگے اور اتنے آدمی مارے گئے کہ میدان کی زمین سرخ ہو گئی اور اصحاب امیر المومنینؑ جوش شجاعت میں جھپٹ جھپٹ کر اصحاب جمل پر حملہ کر رہے تھے پہلے حجاج بن غزیہ انصاری نے گھوڑا بڑھایا پھر خزیمہ بن ثابت پھر شریح بن ہانی الحارثی پھر ہانی بن عروۃ المذحجی نے حملہ کیا پھر زیاد بن کعب ہمدانی جھپٹے ان کے پیچھے عمار یاسر نے گھوڑا اڑالا اشتر نخعی نے حملہ کیا پھر سعید بن قیس ہمدانی دوڑے پھر عدی بن حاتم طائی نے گھوڑے کو مہمیز کیا پھر رفاعہ بن شداد نے گھوڑا دوڑایا پھر حضرت کے تمام مشہور اصحاب یکے بعد دیگرے راست وچپ وقلب وجناح پر حملے کرنے لگے اور ایسی زبردست شجاعت دکھلائی کہ اس کا مثل کسی نے اس سے پہلے نہ دیکھا تھا اصحابِ جمل بہت زیادہ قتل ہوئے اور وہ ہودج جس پر عایشہ سوار ہیں مثل خار پشت کے ہو گیا قبیلۂ بنو ضبہ عایشہ کے اونٹ کے گرد حفاظت کر رہے تھے اور اپنے انتہائی اعتقاد کے سبب سے اس اونٹ کی مینگنیاں اٹھا کر سونگھتے تھے اور آپس میں کہتے تھے کہ ام المومنین کے اونٹ کی مینگنیاں مشک سے زیادہ خوشبودار ہیں اور اس پر فخر کرتے تھے اور مہار ناقہ تھامے ہوئے تھے اور بڑی مردانگی کے ساتھ اشتر

کے ہاتھ سے قتل ہو رہے تھے عبداللہ بن زید کے جب اشتر نخعی کو دیکھا تو پکارا کہ اے دشمن خدا ٹھہر جا کہ میں تمام دنیا میں سے تجھی کو چاہتا تھا کہ تجھ سے مقابلہ کروں۔ اور تو بھی دیکھ کہ مرد کیسے ہوتے ہیں! یہ کہہ کر نیزہ گھمانا شروع کیا اور گھوڑا دوڑایا کچھ دیر تک آپس میں نیزہ بازی ہوتی رہی آخر کار اشتر نے ایک نیزہ مار کر گھوڑے سے گرا دیا اور فوراً اپنے گھوڑے سے کود کر اس کے سینہ پر جا بیٹھے عبداللہ بن زبیر نے چھٹنے کے لئے بہت سے حیلے اور تدبیریں کیں۔ اشتر اس روز روزہ سے تھے اور اس سے دو روز قبل بھی بسبب بیماری کے کچھ نہیں کھایا تھا۔ عبداللہ کے ساتھیوں نے بھی ہر طرف سے حملہ کرنا شروع کر دیا۔ اس کشمکش میں عبداللہ اشتر کے ہاتھ سے چھوٹ کر بھاگ گیا۔

آخر کار جب اصحاب امیر المومنینؑ نے ہر طرف سے حملے کئے اور اصحاب جمل تاب مقاومت نہ لا سکے رائے قرار پائی اور سب نے بھاگنا شروع کیا اور کتاب فتوح ابن عاثم کوفی میں مذکور ہے کہ جب جنگ صفین نے طول کھینچا۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن بدلل اور ہاشم بن عتبہ بو مشاہیر لشکر حضرت امیر علیہ السلام سے تھے شہید ہو گئے۔ پھر عمار بن یاسر بھی درجۂ شہادت پر فائز ہو چکے اور حضرت ان کی شہادت سے بہت متاثر ہوئے تو ایک روز کہ جس کی شب آئندہ لیلۃ الھریر کہلاتی ہے بنفس نفیس متوجہ میدان کارزار ہوئے اشتر نخعی نے جب یہ دیکھا تو اپنے اعزاء واقرباء کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے آل مذحج اگر تم نے خداوند عالم کی خوشنودی کے لئے دانتوں سے پتھر پکڑے ہیں۔ جب بھی ابھی تم نے خدا کو خوش نہیں کیا ہے آج کا دن مردوں کا دن ہے اس قوم گمراہ کے ساتھ جہاد کرو تا کہ خداوند عالم کی رضا مندی حاصل ہو یہ کہکر لشکر مخالف پر حملہ کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ ان کے اعزاء واقارب نے بھی حملہ کیا اہل شام ان کی لڑائی دیکھ کر حیران تھے اور ان کے ہاتھ پاؤں پھولے جاتے تھے اشتر اس روز ایک لمبی دم والے سیاہ گھوڑے پر سوار تھے اور ہاتھ میں ایک نئی تلوار لئے ہوئے تھے جب اسے حرکت دیتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ آگ کا شعلہ بھڑک رہا ہے۔ اور جب ہاتھ بلند کرتے تھے تو نگاہیں جھپک جاتی تھیں۔ اسی گھوڑے پر متواتر حملہ کر رہے تھے اور دشمنوں کو مارتے اور گراتے جاتے تھے نہ ان میں تھکاوٹ معلوم ہوتی تھی اور نہ ان کا گھوڑا تھکتا تھا اور نہ ان کی تلوار ہی رکتی تھی۔ پھر تلوار کو نیام میں رکھ لیا اور نیزہ لے کر ایک سخت حملہ کیا سواروں کو ان کی زینوں سے اچھالتے جاتے تھے یہ لڑائی اسی حالت پر باقی رہی حتیٰ کہ نماز ظہر کا وقت گذر گیا۔ ابن ابی الحدید مدائنی شرح کتاب مستطاب نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ خداوند عالم نے عرب اور عجم میں کسی کو سوائے علیؑ کے اشتر کا مثل نہیں پیدا کیا تو مجھے گمان ہے کہ یہ قسم سچی ہوگی۔

اور کسی نے کیا خوب کہا ہے جب اس سے اشتر کی شجاعت کا حال پوچھا گیا تو اس نے جواب

دیا کہ میں ایسے شخص کی شجاعت کیا بیانکروں؟ جس کی زندگی نے اہل شام کو شکست دی اور موت نے عراق کو اور جو اس فضیلت کے لائق تھا جسے امیر المومنینؑ نے اس کے حق میں فرمایا کہ "اشتر میرے لئے ایسا ہے جیسا کہ میں جناب رسالت مآبؐ کے لئے۔"

لیلۃ الحریر کے پہلے روز کثرت اشتغال کے سبب سے اشتر کو چار نمازوں میں سجدہ کرنے کی نوبت نہیں آئی اور صرف تکبیرات پر اکتفا کی۔ اس روز طرفین کے ستر (۷۰) آدمی قتل ہوئے اور اشتر میمنہ اور میسرہ کے درمیان مثل شیر ژیاں تیغ سناں سے حملہ کر رہے تھے اور ہر قبیلہ کے لوگوں کو دشمنوں سے مقابلہ کرنے پر تحریص و ترغیب کرتے تھے یہاں تک کہ بہت سے آدمی اس قدر تھک گئے کہ ان کے ہاتھ پاؤں بیکار ہو گئے۔ جب اشتر نے یہ حالت دیکھی تو گھوڑے کو دوڑایا اور اپنا علم زمین پر گاڑ دیا اور لشکروں کے درمیان میں آ کر آواز دی کہ "کون اپنی جان اللہ کے ہاتھ بیچتا ہے کہ جو اشتر کے ساتھ چلکر لڑے یہاں تک کہ فتحیات ہو یا خدا کے پاس پہونچ جائے" اشتر کے اس کہنے سے لوگوں میں پھر جوش پیدا ہو گیا اور پھر جہاد میں مشغول ہو گئے۔ شیخ ابوالحسن احمد بن علی نجاشی نے کتاب رجال میں ذکر صعصعہ بن صوحان میں لکھا ہے کہ جب حضرت امیر الومومنین علیہ السلام نے مالک کو حکومت مصر پر بھیجا تو یہ عہد نامہ لکھ کر انہیں دیا "بندۂ خدا امیر المومنینؑ کی طرف مسلمانوں کی طرف سلام علیکم! میں ایسے خدا کی حمد بجالاتا ہوں جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اما بعد پس یقیناً میں تمہاری طرف خدا کے ایسے بندہ کو بھیجتا ہوں جو ایام خوف میں نہیں سوتا۔ اور دشمنوں سے خستہ نہیں ہوتا مرد جرار اور دورہ کرنے والا آدمی ہے ارادے اس کے سبک نہیں ہیں وہ بندگان خدا میں بہت شدید الرعب ہے اور حسبا اکرم عباد خدا ہے کفار پر آگ کے جلنے سے زیادہ سخت ہے نجاست و ننگ سے بہت دور ہے اور وہ مالک بن حارث برادر قبیلۂ مذحج ہے جس کی ضربت نافرمانی نہیں کرتی اور باڑہ کند نہیں ہوتی جدال و قتال سے بخوبی واقف ہے۔ وقت مصیبت صابر ہے پس تم اس کی بات سنو! اور اس کے امر کی اطاعت کرو اگر وہ تمہیں کوچ کا حکم دے تو کوچ کرو اور اگر ٹھہرنے کا حکم دے تو ٹھہرو اور بتحقیق کہ وہ بغیر میرے حکم کے نہ آگے بڑھتا ہے اور نہ پیچھے ہٹتا ہے یقیناً میں نے تم کو اس شخص کے ساتھ اپنے نفس پر ترجیح دی کیونکہ میں نے (مالک اشتر کو) اپنے پاس نہ رکھا بلکہ تمہارے پاس بھیج دیا۔ تاکہ وہ تمہاری نصیحت کرے اور اس سبب سے کہ وہ تمہارے دشمنوں سے انتقام لینے میں نہایت شدید ہے خداوند عالم تم کو تقوے کے ساتھ محفوظ رکھے اور مغفرت کے ساتھ زینت دے ہم کو اور تم کو اپنی مرضی حاصل کرنے کی توفیق دے۔ والسلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ

اور کتاب نہج البلاغہ میں وہ عہد نامہ اس طرح مذکور ہے "اما بعد بتحقیق کہ میں نے بندگان خدا میں سے اس کو تم پر حاکم کرکے بھیجا ہے جو زمانۂ خوف میں نہیں سوتا اور ڈر کے وقتوں میں دشمنوں سے

خستہ نہیں ہوتا۔ وہ دشمنوں کے لئے آگ میں جلنے سے زیادہ شدید ہے اور وہ مالک بن الحارث برادر قبیلۂ مذحج ہے پس اس کی بات سنو اور اس کے امر کی ان چیزوں میں اطاعت کرو جو مطابق حق ہوں اس لئے کہ وہ خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جس کی باڑھ کند نہیں ہوتی اور جس کی ضربت خطا نہیں کرتی۔ پس اگر وہ تمہیں کوچ کا حکم دے تو کوچ کرو اور اگر ٹھہرنے کا امر کرے تو ٹھہرو اس لئے کہ وہ بغیر میرے حکم کے نہ آگے بڑھتا ہے اور نہ پیچھے ہٹتا ہے میں نے تم کو اپنے نفس پر ترجیح دی کہ اسے اپنے پاس سے تمہارے پاس بھیج دیا تاکہ وہ تمہیں نصیحت کرے اور تمہارے دشمنوں سے انتقام شدید لے۔ مؤلف کہتا ہے کہ فی الحقیقت یہ دونوں فصلیں حضرت کے کلام کی دو خط میں جو حضرت نے اشتر کے بارہ میں اہل مصر کو لکھے۔

اور جو عہد نامہ حضرت نے ان کے لئے لکھا ہے وہ آپ کے عہد ناموں میں سب سے بڑا ہے سب سے لطائف اور محاسن پر مشتمل ہے اور کتاب مستطاب نہج البلاغہ میں مذکور ہے۔ مخفی نہ رہے کہ اشتر رضی اللہ عنہ جس طرح سے کہ عقل و شجاعت و بزرگی و فضیلت کے زیور سے آراستہ تھے اسی طرح سے حلم و زہد و فقر و درویشی میں بھی کامل تھے۔ مجموعۂ ورّام میں ابن ابی فراش نے لکھا ہے کہ مالک ایک روز بازار کوفہ میں جا رہے تھے اور بنا بر طریق فقراء کے ایک لباس جسم پر پہنے ہوئے تھے۔ اور ایک ٹکڑا اسی کپڑے کا بجائے عمامہ کے سر پر رکھے ہوئے تھے۔ بازاریوں میں سے کسی نے جو ایک دوکان پر بیٹھا ہوا تھا اشتر کو اس وضع و لباس میں دیکھا تو اس کی نظر میں حقیر آدمی معلوم ہوئے اس نے شاخ باقلہ کھینچ کر ماری اشتر نے اس کی طرف التفات بھی نہیں کیا۔ ایک شخص حاضرین میں سے اشتر کو پہچانتا تھا اس نے جو یہ حالت دیکھی تو اس بازاری سے کہا کہ وائے ہو تیرے اوپر کچھ تجھے معلوم بھی ہے کہ وہ کون شخص تھا جس کی تو نے اہانت کی؟ اس نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا! بتلایا کہ وہ مالک اشتر تھے جو مصاحب خاص امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہم السلام کے ہیں اس مرد بازاری کو جب یہ معلوم ہوا تو اس کے جسم میں لرزہ پڑ گیا اور ان کو ڈھونڈھتا ہوا اسی طرف چلا کہ معافی مانگے اور عذر خواہی کرے دیکھا کہ اشتر ایک مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں اس نے انتظار کیا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو سلام کیا اور ان کے قدموں پر گر پڑا اور ان کے پاہائے مبارک کو بوسہ دینا شروع کیا اشتر ملتفت ہوئے اور اس کا سر اٹھا کر پوچھا یہ کیا ہے! جواب دیا کہ یہ عذر ہے اس گناہ کا جو مجھ سے صادر ہوا میں نے آپ کو نہیں پہچانا تھا۔ اشتر نے کہا کہ تیرے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے۔ خدا کی قسم میں مسجد میں اسی لئے تو آیا تھا کہ تیرے لئے دعائے مغفرت کروں۔

مؤلف کہتا ہے کہ ہاں! امیر المومنینؑ کے پیرو ایسے ہی ہوتے ہیں کہ جو شیطانی و معادس اور نفسانی آرزوؤں کی طرف التفات نہیں کرتے اور ریاضتوں اور جہادوں میں اپنے مولا کی اقتدا کرتے ہیں۔ لیکن باوجود ان حالات و کمالات کو جو اشتر کو حاصل تھے سید عارف مختوم قدس سرہٗ نے تزلزل و ترددکی

نسبت اشتر کی طرف دی ہے اور فرمایا ہے کہ کمال پیوستگی کی علامت فرمانبرداری ہے۔ قول و فعل بزرگنان پر اعتراض کرنا پہونچے ہوئے لوگوں کا طریقہ نہیں ہے اس لئے کہ چھپی ہوئی حکمتیں بکثرت ہوتی ہیں اور دنیا محل امتحان ہے۔ چنانچہ جناب امیر المومنینؑ سے امور معاش کے متعلق ایسا ضعف لوگوں کو دکھائی دیا کہ ان کے تمام دوست متزلزل ہو گئے۔ یہاں تک کہ مالک اشتر بھی لیکن سلمان کہ جو ان کے فرزند روحانی تھے اور ان کے اسمائے حسنیٰ میں سے تھے اور جن لوگوں نے پستان ولایت کا دودھ نہ پیا ہو وہ محفوظ و بے خوف نہیں ہیں چنانچہ معصومین کا قول ہے "امرنا صعب مستصعب" یعنی ہمارا امر سخت و صعب ہے۔

"کانمشتہ بخون اندریں کوچہ دلیراں"

تاریخ یافعی میں مذکور ہیکہ اشتر منجملہ عقلائے عرب و شجاعان روزگار و دلیران معرکہ کارزار تھے اور اپنی قوم کے سردار اور خطیب تھے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ عثمان کے قتل میں شریک تھے کہتے ہیں کہ عثمان کے ایک غلام نے راہ مصر میں جب یہ حضرت امیر کی طرف سے حاکم ہو کر جا رہے تھے شہد میں زہر ملا کر دیا جس کے نوش کرنے سے شہید ہو گئے۔ صاحب معجم البلدان نے احوال بعلبک میں لکھا ہے کہ معاویہ نے کسی کو بھیجا اور اس نے راہ مصر میں اشتر کو شہد زہر آلود کھلا دیا اور وہ حوالی بحر قلزم میں شہید ہو گئے جب خبر وفات معاویہ کو پہونچی تو اس نے بہت خوشی کی اور کہا کہ شہد میں بھی خدا کا لشکر ہے۔ مالک کا جنازہ وہاں سے مدینہ کی طرف نقل کیا گیا اور ان کی قبر منور وہاں مشہور و معروف ہے۔ **زید بن صوحان العبدی** کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ ابدال اصحاب حضرت امیر المومنینؑ میں سے تھے اور جنگ جمل میں شہید ہوئے۔

اور شیخ ابو عمر کشی نے روایت کی ہے کہ جب زید زخم کاری کھا کر پشت زین سے زمین پر گرے تو حضرت امیرؑ ان کے سرہانے تشریف لائے اور فرمایا کہ اے زید خدا تم پر رحم کرے۔ کہ تمہارا خرچ کم اور اعانت عظیم تھی پس زید نے اپنا سر حضرت کی طرف پھیرا۔ اور عرض کی یا امیر المومنینؑ خداوند عالم آپ کو جزائے خیر دے قسم خدا کی! آپ کو کوئی نہیں پہچانتا سوائے اس شخص کے جو خدا کو پہچانتا ہو۔ خدا کی قسم! میں نے آپ کے ساتھ جہالت سے جہاد نہیں کیا بلکہ میں نے ام سلمہ زوجۂ نبیؐ سے سنا تھا کہ رسول اللہ فرماتے تھے کہ:۔ جس کا میں مولا ہوں یہ علیؑ بھی اس کا مولا ہے۔ خدایا جو اسے دوست رکھے اسے تو دوست رکھ اور جو اسے دشمن رکھے اسے تو دشمن رکھ اور جو اس کی مدد کرے تو اس کی مدد کر اور جو اسے چھوڑ دے تو اسے چھوڑ دے۔" فضل ابن شاذان نے روایت کی ہے کہ زید مذکور رؤساء تابعین اور زہاد تابعین میں سے تھے۔ اور جب عایشہ بصرہ پہونچیں تو انہوں نے زید کے نام ایک خط لکھا کہ "یہ خط عایشہ زوجہ نبی کی طرف سے ہے۔ اس کے فرزند زید بن صوحان کی طرف۔ امابعد! جب یہ خط میرا تمہیں پہونچے تو تم اپنے گھر میں بیٹھ رہو۔ اور لوگوں کو نصرت علی بن ابی طالبؑ سے روکو" جب زید کو یہ خط پہونچا تو انہوں نے جواب لکھا

کہ "تم نے مجھ کو ایسی چیز کا حکم دیا ہے کہ جس کے غیر پر میں مامور ہوں اور تم نے خود اس چیز کو ترک کر دیا ہے جس پر تم مامور ہو والسلام۔" اس کلام میں اس طرف اشارہ ہے کہ عائشہ باوجود "قرن فی بیوتکن" کے حکم صریحی کے گھر سے باہر آئیں اور مردوں کو باوجود "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" کی تصریح کے اعانت امیر المومنین ع سے منع کرتی تھیں۔

صعصعہ بن صوحان: کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ اکابر اصحاب حضرت امیرؑ میں سے تھے اور حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ اصحاب حضرت امیرؑ میں کوئی ایسا نہ تھا جو حضرت کے حق کو کما حقہ جانتا ہو سوائے صعصعہ اور ان کے اصحاب کے۔ چنانچہ ابن داؤد نے کہا ہے کہ اسی قدر ان کے علو قدر اور اشرف ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اور کتاب استیعاب میں لکھا ہے کہ صعصعہ بن صوحان عیدی عہد رسالت مآبؐ میں مسلمان ہوئے تھے۔

لیکن کسی وجہ سے حضرت کی زیارت سے محروم رہے۔ اور بزرگان قوم عبدالقیس میں سے تھے اور فصیح و خطیب و زبان آور و دیندار و فاضل و بلیغ تھے اور وہ اور ان کے بھائی زید اصحاب امیر المومنینؑ میں شمار کئے جاتے ہیں اور روایت کی ہے کہ ابوموسیٰ اشعری نے جو کہ عمر کی طرف سے حاکم تھا دس لاکھ درہم عمر کے پاس بھیجے عمر نے وہ مال مسلمانوں پر تقسیم کیا جب تھوڑا سا رہ گیا تو عمر نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا اور کہا کہ "ایھا الناس! اس مال میں سے آدمیوں کے حقوق دینے کے بعد کچھ باقی رہ گیا ہے اس کے بارہ میں کیا کہتے ہو؟ صعصعہ جو اس زمانہ میں بے ڈاڑھی مونچھ کے نوجوان تھے کھڑے ہو گئے اور کہا کہ مشورہ اس چیز میں کرنا چاہئے جس کے لئے قرآن میں حکم نازل نہ ہوا ہو اور قرآن نے جس چیز کو صاف بیان کر دیا ہے تو اسی طرح سے اسے بجالا۔ پس عمر نے کہا کہ تم نے سچ کہا "تم مجھ سے اور میں تم سے ہوں" پھر وہ بقیہ مال بھی مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ مؤلف کہتا ہے کہ یہاں سے فضیلت صعصعہ کی معلوم ہوتی ہے کہ کم سنی میں کس طرح سے عمر کے جہل کو ظاہر کیا۔ شیخ ابو عمر کشی نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ صعصعہ بیمار تھے حضرت امیر ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے صعصعہ میری عیادت کو اپنے لئے قوم پر زیادتی کا سبب نہ قرار دینا۔ صعصعہ نے کہا کہ بہت اچھا خدا کی قسم! میں اس کو خدا کا احسان و تفضل سمجھتا ہوں اور اسی طرح سے مروی ہے کہ جب معاویہ کوفہ آیا تو وہاں کے لوگوں کا ایک گروہ جن کے لئے حضرت امام حسن نے معاویہ سے امان لے لی تھی اس کی مجلس میں داخل ہوا۔ صعصعہ بھی اس گروہ میں تھے جب معاویہ کی نظر ان پر پڑی تو کہا کہ خدا کی قسم! میں نہ چاہتا تھا کہ تم میری امان میں آؤ صعصعہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! میں بھی نہیں چاہتا تھا کہ تو خلیفہ ہو۔ معاویہ نے کہا کہ اے صعصعہ اب منبر پر جاؤ اور علیؑ پر لعنت کرو۔ صعصعہ منبر پر گئے اور حمد و ثنائے الٰہی اور درود حضرت رسالت مآبؐ پناہی بجالانے کے

بعد کہا کہ ''ایھا الناس! مجھ کو ایسے شخص نے بھیجا ہے جس نے اپنے شر کو مقدم کیا ہے اور خیر کو پس پشت ڈال دیا ہے اور مجھ کو حکم دیا ہے کہ علی بن ابی طالبؑ پر لعنت کروں پس تم لوگ اس پر لعنت کرو خدا اس پر لعنت کرے۔ تمام اہل مسجد نے آمین کی آواز بلند کی صعصعہ منبر سے اتر کر معاویہ کے پاس گئے اور جو کچھ کہا تھا بیان کیا معاویہ نے کہا کہ تم نے مشتبہ عبارت کہی اور تم نے ارادہ میری لعنت کا کیا۔ پھر منبر پر جاؤ اور تصریحاً علی پر لعنت کرو! صعصعہ پھر منبر پر گئے اور کہا کہ معاویہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ ''علی پر لعنت کروں'' لہٰذا میں ہر اس شخص پر لعنت کرتا ہوں جو علی پر لعنت کرے'' حاضرین مجلس نے پھر آمین کی آواز بلند کی جب معاویہ کو اس کی خبر ملی تو وہ سمجھ گیا کہ علی پر لعنت نہ کریں گے لہٰذا ان کو کوفہ سے شہر بدر کرو! کتاب کامل بہائی میں لکھا ہے کہ ایک روز معاویہ نے روز جمعہ خطبہ پڑھا اثنائے خطبہ میں بڑی خوفناک آواز سے گوز کیا۔ اہل مسجد پریشان ہوئے لیکن اس بے حیا پر قطعاً اثر نہ ہوا اور خطبہ چھوڑ کر کہنے لگا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے بدنوں کو پیدا کیا اور اس میں ہماری روحوں کو جگہ دی اور ان ابدان میں ہواؤں کو قرار دیا اور ان کے صادر ہونے کو نفس کے لئے موجب راحت بنایا پس بسا اوقات وہ بے وقت خارج ہو جاتی ہیں پس کوئی گناہ اس پر نہیں ہے جس سے ایسا ہو صعصعہ بھی مسجد میں حاضر تھے کھڑے ہو گئے اور کہا کہ اے معاویہ تو نے سچ کہا خداوند عالم نے ہمارے بدنوں کو پیدا کیا ہے اور اس میں روحوں کو ساکن کیا ہے اور اس میں ریاح کو قرار دیا ہے اور خروج ریاح کو نفس کے لئے راحت بنایا ہے۔ لیکن پائخانہ میں ریاح کا چھوڑنا راحت قرار دیا ہے اور منبر پر بدعت۔ اور پھر اہل شام کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارے امیر نے نماز توڑ دی نہ اس کی نماز صحیح ہے اور نہ تمہاری۔ اور کتاب امالی شیخ ابو جعفر طوسی طیب اللہ مشہدہٗ نے صعصعہ سے نقل کیا ہے کہ میں ایک گروہ اہل مصر کے ساتھ عثمان بن عفان کے پاس اس کے ظلموں کی شکایت کرنے کے لئے گیا عثمان نے کہا کہ اپنے میں سے ایک شخص کو پسند کرو جو مجھ سے گفتگو کرے۔ سب نے مجھے اختیار کیا۔ عثمان نے کہا کہ یہ کم سن نوجوان ہے اس کو اتنی لیاقت نہیں ہے کہ مجھ سے باتیں کر سکے میں نے جواب دیا کہ علم سیکھنے سے آتا ہے سن وسال پر موقوف نہیں ہے اگر سن وسال پر موقوف ہوتا تو مجھے اور تمہیں کسی کو وہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا آخر الامر عثمان نے کہا کہ اچھا جو کچھ دل میں ہے کہو میں نے کہا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور'' یعنی وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں تمکن دیں تو وہ نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بجالائیں اور خدا ہی کی طرف تمام امور کی بازگشت ہے'' عثمان نے کہا کہ یہ آیت تو ہماری شان میں نازل ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بجالاؤ! اس نے کہا ''اچھا اس کو جانے دو۔'' میں نے پھر کہا۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ الآیہ

یعنی وہ لوگ جو اپنے گھروں سے بغیر کسی ایسے امر کے جس کے سبب سے ان کا نکال دیا جانا حق ہو نکال دئے گئے ہیں سوائے اس بات کے کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب خدا ہے'' عثمان نے کہا کہ یہ آیت بھی ہماری شان میں نازل ہوئی ہے۔ میں نے کہا کہ اچھا جو کچھ خدا نے فرمایا ہے اس کے موافق عمل کرو! عثمان نے مجھے کچھ جواب نہ دیا اور میرے ساتھیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا:۔ ''ایھا الناس! تم کو سننا اور اطاعت کرنا چاہیئے جماعت پر خدا کا ہاتھ ہے اور تنہا آدمی پر شیطان ہے پس اس شخص کا قول نہ سنو! اس لئے کہ یہ نہ اللہ کو جانتا ہے کہ وہ کون ہے؟ اور نہ یہ جانتا ہے کہ خدا کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ اے عثمان تم نے جو خواہ مخواہ اپنی اطاعت کا حکم دیا کیا تم یہ چاہتے ہو کہ فردائے قیامت ہم بھی کفار کی طرح خدا سے یہی کہیں کہ ''رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ کُبَرَائَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَ'' یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بزرگوں کی اطاعت کی۔ پس انہوں نے ہمیں راستہ بھلا دیا۔'' اور یہ جو تم نے کہا کہ یہ نہیں جانتا ہے کہ خدا کون ہے تو میں خوب جانتا ہوں کہ اللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّ آبَائِنَا الْاَوَّلِیْنَ۔ یعنی اللہ ہمارا رب ہے اور ہمارے آباء اولین کا رب ہے اور یہ جو تم نے کہا کہ میں نہیں جانتا ہوں کہ خدا کہاں ہے تو اس کو بھی میں خوب جانتا ہوں ''فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی بِالْمِرْصَادِ'' یعنی تحقیق کہ خداوند عالم کمین گاہ میں ہے۔ یہ سن کر عثمان کو غصہ آ گیا اور اس نے حکم دیا کہ ہم لوگوں کو باہر نکال کر دروازے بند کر لئے جائیں اسی طرح ے کتاب امالی میں روایت ہے کہ جب علمائے قریش اور صنادید بادشاہان یمن اطراف و جوانب سے معاویہ کے پاس جمع ہوئے اور اس نے مسجد دمشق کے منبر پر جا کے خطبہ پڑھا اور اس خطبہ میں کہا کہ یقیناً خدا نے اپنے خلفاء کو بزرگ کیا ہے پس جنت ان کے لئے واجب ہے اور جہنم سے ان کو علیحدہ کیا ہے اور میرے انصار اہل شام کو قرار دیا ہے کہ جو جرم خدا سے دشمنوں کو دور کرنے والے ہیں اور ظفر خدا کے ساتھ موید ہیں اور دشمنان خدا کے مقابلہ میں نصرت دئے گئے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ احنف بن قیس اور صعصعہ مسجد میں حاضر تھے جب انہوں نے یہ کلام ضلالت نظام سنا تو احنف نے صعصعہ سے کہا کہ تم معاویہ کو جواب دو گے یا میں اٹھوں! صعصعہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ اے پسر ابوسفیان تو نے باتیں کیں اور بہت باتیں کیں اور اپنے ارادہ کو پورا کیا درحالیکہ جو کچھ تو نے کہا وہ کیوں کر ہو سکتا ہے بتحقیق کہ تو نے ہم پر زبردستی غلبہ کر لیا اور بجبر وقہر بادشاہ بن گیا۔ بغیر اسباب فضل خدا کے مستولی ہو گیا۔ اب رہے اہل شام سو ان سے زیادہ میں نے کسی کو مخلوق کی اطاعت کرنے والا اور خالق کی نافرمانی کرنے والا دیکھا ہی نہیں! وہ ایسے لوگ ہیں کہ تو نے مال دے کر ان کے ایمان اور جان کو خرید لیا ہے جب تک تو انہیں دیتا

رہے گا وہ تیری حمایت ونصرت کرتے رہیں گے اور جب روک دے گا تو وہ چھوڑ کر بیٹھ جائیں گے معاویہ نے خطبہ چھوڑ کر ان کو ڈرانا اور دھمکانا شروع کیا صعصعہ بھی ساکت ہو کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

تنبیہ (یا استدراک)

کوئی شخص یہ توہم نہ کرے کہ احنف بن قیس جن کو حضرت امیرؑ کی ایسی محبت تھی کہ خود معاویہ سے مقابلہ کرنا چاہتے تھے اور صعصعہ کو جواب دینے کے لئے آمادہ کیا اور پھر حضرت کی صحبت سے بھی مشرف ہو چکے تھے اور خدمتیں بھی بجالائے تھے یقیناً زمرۂ مومنین سے ہوں گے لیکن ایسا نہیں ہے کہ مدار ایمان کا پائداری اور استمرار پر ہے محض محبت کا ظاہر کرنا یا صحبت میں پہونچ جانا یا کوئی خدمت بجالانا موجب ایمان نہیں ہوتا بلکہ غبارِ محبت اغیار سے پاک وصاف رہنا اور خاتمہ بخیر ہونا دلیل ایمان ہے اور باوجود ان اوصاف کے احنف بن قیس کا انجام بخیر نہیں ہوا آخر میں معاویہ نے پچاس ہزار درہم دے کر ان کا دین مول لے لیا۔ اور وہ دین بنی امیہ پر ہو گئے اس سبب سے ان کا شمار مومنین میں نہیں کیا گیا۔ محض صحبت کافی نہیں ہے چنانچہ علامہ حلی علیہ الرحمہ کتاب خلاصہ میں لکھتے ہیں کہ عمر بن حریث اصحاب امیر المومنینؑ میں سے تھا اور خدا کے نزدیک ملعون تھا۔ اور یہی حال تمام خوارج نہروان کا ہے کہ وہ آپ کے اصحاب میں سے تھے اور آپ کے ساتھ ہو کر انہوں نے جہاد کیا اور پھر پلٹ گئے اور گروہ مردود دین میں داخل ہو گئے۔

محمد بن ابی حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس بن عبد مناف القرشی

کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ حضرت امیرؑ کی طرف سے عامل مصر تھے۔ معاویہ نے ان کو گرفتار کر کے مجبور کیا کہ حضرت امیر کو دشنام دیں اور انسے بیزاری اختیار کریں۔ محمد نے انکار کیا معاویہ نے ان کو بہت ایذائیں دیں اور قید رکھا کہ شاید ان مصیبتوں کی تاب نہ لا کر دشنام امامؑ پر اقدام کریں لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ اور کتاب استیعاب میں مذکور ہے کہ محمد مذکور عہد رسالت مآبؐ میں بمقام حبشہ متولد ہوئے اور حضرت امیر کی طرف سے مدت تک والی مصر رہے پھر حضرت نے ان کو معزول کر کے قیس بن سعد کو والی مصر کیا تھا اور محمد منجملہ ان لوگوں کے تھے جنہوں نے قتل عثمان میں بڑا اہتمام کیا اور عثمان کے مارے جانے

کے بعد شام گئے وہاں دوستان معاویہ میں سے کسی کے ہاتھ سے شہید کیے گئے۔ کتاب کشی میں مذکور ہے کہ محمد معاویہ کے ماموں کے بیٹے اور شیعہ امیر المومنینؑ تھے جب معاویہ نے انہیں گرفتار کیا اور چاہتا تھا کہ قتل کرے مگر پہلے مدت تک قید رکھا ایک روز اپنے اہل مجلس سے کہا کہ آیا تم لوگوں کی رائے ہے؟ کہ اس سفیہ محمد بن ابی حذیفہ کو اس کی گمراہی سے آگاہ کروں اور حکم دوں کہ علی بن ابی طالبؑ کو دشنام دے اور قید خانہ کی مصیبت سے چھوٹ جائے حاضرین نے کہا کہ نہایت مناسب ہے پس معاویہ نے کسی کو حکم دیا کہ محمد کو قید خانہ سے لاؤ جب محمد آئے تو معاویہ نے ان سے کہا کہ اے محمد! وہ زمانہ گیا اب وہ وقت ہے کہ محبت ونصرت علیؑ سے پشیمان ہو اور گمراہی سے باز آؤ کیا تم نہیں جانتے کہ عثمان مظلوم شہید ہوئے عایشہ وطلحہ وزبیر انہیں کے خون کا عوض لینے کو نکلے تھے اور علی نے پوشیدہ طور پر لوگوں کو حکم دیا تھا کہ عثمان کو قتل کر دیں ہم بھی عثمان کے خون کا انتقام لینا چاہتے ہیں محمد نے جواب دیا کہ تمہیں نہیں معلوم ہے کہ میں تمہارا اعزیز قریب ہوں اور سب سے زیادہ تمہارا حال جانتا اور پہچانتا ہوں معاویہ نے کہا کہ بیشک! ایسا ہی ہے محمد نے کہا کہ خدا کی قسم! میرے نزدیک تمہیں قاتل عثمان ہو اس لئے کہ جب عثمان نے تم کو اور تمہارے ایسے اور ظالموں کو مسلمانوں کا حاکم بنایا تو مہاجر وانصار نے خواہش کی کہ ایسے لوگوں کو جو مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں اور سنت پیغمبرؐ پر عمل نہیں کرتے معزول کرے اس نے تم لوگوں کے معزول کرنے سے انکار کیا۔ اور تمہاری ہی شومی اور نحوست کے سبب سے اس کا یہ حال ہوا اور طلحہ وزبیر تو انہیں لوگوں میں تھے جو عثمان کے قتل پر اوروں کو آمادہ کرتے تھے۔ اے معاویہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے تجھے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں دیکھا ہے لیکن ہمیشہ ایک ہی حالت اور ایک ہی طبیعت پر پایا۔

اسلام نے تجھ میں کچھ بھی زیادتی نہ کی علامت اس کی یہ ہے کہ بس تو مجھ کو محبت علی کے سبب سے ملامت کرتا ہے حالانکہ جو لوگ تیرے ساتھی ہیں وہ منافق ہیں اور ایسے لوگ ہیں جن کو صحابہ نے بعد غلام بنانے کے آزاد کیا تو نے ان کے دین کو دینار ودرم دے کر خرید لیا ہے اور انہوں نے تیری دنیا حاصل کی ہے۔ اے معاویہ! تو خوب جانتا ہے کہ جو کچھ تو نے کیا وہ تیرے پیرو بھی جانتے ہیں۔ قسم خدا کی! میں جب تک زندہ رہوں گا علیؑ کو دوست رکھوں گا۔ میں ان کی محبت کو وسیلۂ قرب خدا ورسول سمجھتا ہوں معاویہ یہ باتیں سن کر غضبناک ہوا اور حکم دیا کہ ان کو پھر قید خانہ میں لے جاؤ چنانچہ وہ اسی قید خانہ سے بہشت عنبر سرشت کی طرف راہی ہو گئے۔

جعدہ بن ہبیرہ ابی وہب المخزومی القرشی

کتاب فتوح ابن عاثم کوفی اور کتاب استیعاب میں مذکور ہے کہ حضرت امیرؑ کے بھانجے ان کی ماں ام ہانی بنت ابی طالب تھیں حضرت نے انہیں اوائل خلافت میں امیر خراسان مقرر فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ ملک خراسان کا جو حصہ باقی رہ گیا ہے اسے فتح کریں اور وہ قطعہ انہیں کا نظم کیا ہوا ہے جو انہوں نے اپنی شرافت نسب کے متعلق کہا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

"میں بنی مخزوم میں سے ہوں اور میری ماں بنی ہاشم سے ہیں جو بہترین قبائل ہیں اور کون شخص ایسا ہے کہ جس کا ماموں علی بن ابی طالبؑ کا ایسا صاحب جود و سخا ہو۔ اور دوسرے ماموں میرے عقیل ہیں

اور کتاب کشی میں مذکور ہے کہ ایک دن جنگ صفین میں عبیدہ بن ابو صفیان نے جعدہ سے کہا کہ یہ سب دلیریاں اور بہادریاں جو جنگ میں تم سے ظاہر ہوتی ہیں تمہارے ماموں کی طرف سے ہیں جعدہ نے جواب دیا کہ اگر تمہارے ماموں بھی ایسے ہوتے تو یقیناً تم اپنے باپ کو بھول جاتے۔

سعید بن قیس ہمدانی

بزرگان قبیلۂ ہمدان اور فدائیان امیر مومنان سے تھے کتاب فتوح عاثم کوفی میں مذکور ہے کہ سعد بن قیس جنگ جمل میں سواران میسرۂ لشکر حضرت امیرؑ کے سردار تھے اور جنگ صفین میں عدیل بن بدیل بن ورقاء الخزاعی کے ساتھ سواران جنان کے سردار تھے اور حضرت امیرؑ نے اپنے دیوان حقائق بیان میں فضائل قبیلۂ ہمدان اور جنگ صفین میں ان کی جانفشانی کا حال بیان فرمایا ہے جس کا ذکر مجلس دوم میں ہو چکا ہے نیز ابن عاثم کوفی کہتا ہے کہ عمر بن حصین سکونی جنگ صفین میں علی مرتضیٰ علیہ السلام کے پس پشت آیا اور چاہتا تھا کہ آپ کو نیزہ سے زخمی کرے سعید بن قیس نے اسے فوراً قتل کر دیا اور وہ اشعار کہے جن کا ماحصل یہ ہے کہ معاویہ بن صخر کو یہ خبر پہونچا دی جائے کہ ہم ہمیشہ تیرے دشمن رہیں گے کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہمارے والد ابوالحسن علی ہیں اور ہم ان کے فرزند ہیں اور ہم سوائے ان کے اور کسی کو نہیں چاہتے اور یہی عین ہدایت ہے اور یہی ہماری خوش قسمتی ہے۔ معاویہ نے جب یہ سنا تو اس نے تمام قبائل یحصب وکندہ ولخم وخرام کو ذوالکلاح حمیری کے ہمراہ بھیجا کہ خاص کر ہمدان سے جنگ کرو جب امیر المومنینؑ نے یہ حالت دیکھی تو آپ نے قبیلۂ ہمدان کو پکارا سب لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھے حضرت نے فرمایا کہ: "اس لشکر سے مقابلہ کرو جو معاویہ نے خاص تمہارے لئے بھیجا ہے سعید بن قیس نے معہ

اپنے قبیلہ کے اس لشکر پر حملہ کر دیا اور صفوں کو درہم برہم اور پراگندہ کر دیا یہاں تک کہ ان کو بھگاتے ہوئے سراپردۂ معاویہ تک جا پہونچے اور کئی سرداران نامدار کو ان میں سے قتل کیا جب مغرب کا وقت آ گیا تو ایک دوسرے سے جدا ہوئے حضرت امیرؑ نے اس جنگ کو پسند کیا اور سعید بن قیس کو مع ان کی قوم کے اپنے سامنے بلایا اور ان کی تعریفیں فرمائیں اور فرمایا: کہ اے آل ہمدان تم بجائے میرے جوشن وسپر و تیر و کمان کے ہو میں ہمیشہ تم سے مدد حاصل کرتا رہا ہوں اے سعید تو میرے چشم بینا اور بجائے میرے ہاتھ کے ہے میں ہر وقت اور ہر کام میں تیری شجاعت اور مردانگی اور خردمندی پر اعتماد کرتا رہا ہوں۔ قسم خدا کی! اگر تقسیم بہشت میرے ہاتھ ہوئی تو اے قبیلۂ ہمدان تم کو بہشت کے بہترین مقام میں اتاروں گا۔ سعید بن قیس نے عرض کی کہ یا امیر المومنینؑ یہ کام ہم محض خدائے تعالیٰ کے لئے کرتے ہیں آپ پر کوئی احسان نہیں ہے خداوند عالم اس کی جزا اور اس کا ثواب پورے طور پر ہمیں عطا کرے گا جو خدمت سخت سے سخت ہو وہ آپ ہم سے متعلق کیجئے اور جہاں جی چاہے بھیج دیجئے ہم دل وجان سے آپ کو دوست رکھتے ہیں اور آپ کے مطیع ہیں حضرت امیرؑ نے ان کی تعریفیں فرمائیں اور وہ لوگ اپنی کارگذاری پر مسرور و خوش ہوئے۔

ربیع بن خثیم توری کوفی

کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ تابعین کے آٹھ زاہدوں میں سے تھے اور کتاب کشی میں مسطور ہے۔ شیخ اجل فضل بن شاذان قمی سے آٹھ زاہدوں کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ کون ہیں انہوں نے فرمایا کہ چار ان میں سے ربیع بن خثیم۔ ہروم بن حیان۔ اویس قرنی۔ عامر بن عبد قیس۔ زہاد اور اتقیائے اصحاب حضرت امیرؑ میں سے تھے پانچواں ابو مسلم خولانی کہ جو ایک فاجر مروانی تھا اور معاویہ کا مصاحب تھا اور لوگوں کو جنگ حضرت امیرؑ پر ترغیب دیتا تھا ایک روز حضرت امیرؑ سے کہنے لگا کہ ان مہاجر وانصار کو جنہوں نے عثمان پر خروج کیا تھا ہمارے قبضہ میں دیدیجئے کہ ہم انہیں قتل کریں حضرت نے انکار فرمایا ابو مسلم نے کہا کہ اب لڑائی اچھی۔ ہے اور یہ اس کی ایک حیلہ سازی تھی کہ انتقام خون عثمان کے بہانے سے حضرت سے جنگ کرنا چاہتا تھا۔ چھٹا مسروق بن اجدع یہ بھی معاویہ کا مصاحب خاص تھا اور مقام رصافہ پر مر گیا اس کی قبر بھی وہیں ہے۔ ساتواں حسن بصری جو ہر گروہ کے ساتھ ان کی خواہشوں کے موافق عمل درآمد کرتا تھا اور اسی کو وسیلہ کسب ریاست دینوی قرار دیا تھا چنانچہ رئیس فرقۂ قدریہ وہی ہے۔ آٹھواں اسود بن زید تاریخ ابن عاثم کوفی میں مذکور ہے کہ آخری تائب جو بوقت سفر شام حضرت امیرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ ربیع بن خثیم تھے کہ جو چار ہزار مسلح اور مکمل فوج کے ساتھ ملک رے سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور جب آپ کی خدمت میں پہونچے تو لوگوں کو ملک شام جانے

اور معاویہ سے جنگ کرنے کی رغبت دلاتے تھے ان کی قبر شریف رودخانہ طوس کے کنارہ مشہد مقدس کے پاس واقع ہے اور اس شہر کے ثقات سے سنا گیا ہے کہ جب حضرت امام الانس وجن علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام شہر طوس میں تشریف رکھتے تھے تو خواجہ ربیع کی زیارت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے اور یہ فضل وشرف انکے لئے کافی ہے۔

اعین بن صبیعہ بن ناجیہ التمیمی الحنظلی الدارمی

کتاب اصابہ میں مذکور ہے کہ صعصعہ بن ناجیہ کے بھتیجے تھے کہ جو فرزدق کے دادا تھے انہوں نے حضرت امیر کی ملازمت اختیار کی اور جنگ جمل میں عائشہ کے اونٹ کا ایک پاؤں کاٹا اسی طرح سے مروی ہے کہ جب عبداللہ خزرمی بصرہ پر مستولی ہوگیا اور امیر المومنینؑ نے اعین کو اس کے دفع کیلئے بھیجا۔ تو عائشہ نے کسی کو پوشیدہ طور پر معین کیا کہ موقع پا کر انہیں (اعین کو) قتل کردے اور یہ واقعہ ۳۸ھ میں ہوا۔

عبدالرحمٰن بن جرد التنوخی

کتاب تحفۃ الاحیاء میں مذکور ہے کہ عبدالرحمٰن نے بموجب حکم امیر المومنینؑ عائشہ کے اونٹ کا ایک پاؤں قلم کردیا لیکن اونٹ تین پاؤں پر کھڑا رہا۔ پھر دوسرا پاؤں کاٹا تب اونٹ نے سینہ زمین پر ٹیک دیا۔ تیم بن مُرّہ نے بعد واقعہ جمل کے عبدالرحمٰن سے پوچھا کہ ''عائشہ کے اونٹ کو تمہیں نے پے کیا تھا'' جواب دیا کہ ہاں اگر میں پے نہ کرتا تو ایک متنفس زندہ نہ رہتا خواہ تم برا مانو یا بھلا یہ توفیق خدا کی طرف سے تھی جو مجھے حاصل ہوئی۔

طرماح بن عدی بن حاتم کتاب ابن داؤد میں قسم مقبولین میں مذکور ہیں اور یہ مرد جسیم وطویل، ادیب وفصیح زبان آور وحاضر جواب تھے تاریخ ابن ہلال میں ہے کہ جو شاہ شجاع مبازری کے نام پر لکھی گئی ہے مذکور ہے کہ جب حضرت امیر المومنینؑ جنگ جمل سے واپس ہوئے تو معاویہ نے اس مضمون کا خط حضرت کے نام لکھا:۔ امابعد! پس آپ نے اس چیز کی پیروی کی ہے جو آپ کے حق میں مضر ہے اور اپنے نفع کو چھوڑ دیا ہے اور کتاب خدا اور سنت نبی کی مخالفت کی ہے مجھ کو وہ خبریں ملیں جو آپ نے رسولؐ اللہ کے حواریہ میں طلحہ وزبیر اور ام المومنین عائشہ کے ساتھ برتاؤ کئے پس قسم خدا کی! میں آپ کو ایسا تیر شہابی ماروں گا جس کو پانی نہ بجھا سکے ہوائیں حرکت نہ دے سکیں جب وہ پڑے تو داخل ہو جائے اور داخل ہو جائے تو سوراخ کردے اور سوراخ کردے تو اس میں سوزش ہو۔ پس آپ اپنے سامان حرب اور فوجوں پر

مغرور نہ ہو جیئے والسلام'' جب یہ نامہ امیر کبیر وصی بشیر ونذیر کی خدمت میں پہونچا تو حضرت نے جواب لکھا۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط بندۂ خدا ابن بندۂ خدا امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام برادر رسولؐ خدا اور ان کے وصی اور پدر حسنؑ وحسینؑ کی طرف سے ہے جو قتل کرنے والا تیرے چچا اور تیرے جد اور تیرے ماموں کا ہے کیا تو اپنی قوم کی حالت روز بدر بھول گیا؟ اور اس تلوار کا خیال ذہن سے جاتا رہا؟ جس سے میں نے ان کو قتل کیا تھا وہی تلوار آج میرے قبضہ میں ہے اور میرا دل اسی طرح سے ثابت ہے اور میرے ہاتھ میں وہی قوت موجود ہے۔ اس کے آگے ملاحظہ ہو صفحہ ۶۲۔

اور اس میں تلوار اسی طرح سے ہے جیسے حضرت رسالت مآبؐ نے دی تھی اور خدا کی نصرت میرے ساتھ ہے میں نے خدا کے سوا کسی دوسرے کو اس کے بدلے اپنا رب نہیں بنایا اور نہ میں نے اپنے دین اسلام کو بدل کر دوسرا دین اختیار کیا اور نہ میں نے محمدؐ کے عوض کسی دوسرے کو نبی قرار دیا اور رزم میں نے اپنی تلوار بدلی۔ بس تیرا جتنا جی چاہے مبالغہ اور کوشش کر اور کمی نہ کر۔ تجھ پر شیطان غالب آگیا ہے اور جہالت نے تجھے خفیف کر دیا ہے'' ۔ ''وسیعلموا الذین ظلموا ایّ منقلب ینقلبون۔''

پھر نامہ نامی طرماح بن عدی کے حوالہ کیا اور فرمایا:۔ کہ یہ خط معاویہ بن ابی سفیان کے پاس لے جاؤ اور جواب لاؤ اور فرمایا: کہ ایک شتر تیز رفتار سرخ موئے سفید شکم سیاہ چشم طرماح کو دیا جائے۔ طرماح ایک مرد شجاع اور حاضر جواب تھے نہایت طلیق وذلیق اور خوش بیان تھے انہوں نے وہ خط لے کر اپنے عمامہ میں باندھ لیا اور سمعاً وطاعتاً کہہ کر بکمال تعجیل جانب دمشق روانہ ہوئے۔ اتفاقاً دمشق میں ایسے وقت پہونچے کہ معاویہ معہ اپنے ارکان دولت کے ایک باغ میں تفریح کر رہا تھا عمر بن العاص مروان بن الحکم اور شرجیل ابوالاعور سلطی ابو ہریرۃ الدوسی اس کے ہمراہ تھے باغ کے ہر ہر گوشہ میں کئی کئی آدمی سیر کر رہے تھے یکایک کسی کی نظر پڑی کہ پشت دیوار پر ایک اعرابی بلند قامت ایک اونٹ پر سوار جا رہا ہے ان لوگوں نے نہیں پہچانا کہ یہ حضرت امیر علیہ السلام کا قاصد ہے آپس میں کہا آؤ اس اعرابی کو پکاریں اور کچھ دیر اس سے مذاق کریں عمر عاص آگے بڑھا اور پوچھا اے اعرابی تجھے کچھ آسمان کی بھی خبر ہے؟ طرماح نے جواب دیا۔ ہاں! خدا میرا رب آسمان میں ہے اور ملک الموت ہوا میں ہیں اور امیر المومنینؑ پس پشت تشریف لا رہے ہیں پس اے اہل عداوت وشقاوت! تم پر بلا نازل ہونے والی ہے۔ اس کے لئے مستعد ہو جاؤ! ان لوگوں نے پوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہو! جواب دیا کہ حُر تقی نقی زکی رضی مرضی کے پاس سے پوچھا کہاں جاؤ گے۔ جواب دیا کہ موذی کے پاس جس کو تم لوگ اپنا امیر سمجھتے ہو۔ عمر عاص نے معاویہ کے نام رقعہ لکھا کہ علی کے پاس سے ایک اعرابی صحرائی جس کی زبان نہایت فصیح اور کلام نہایت ملیح ہے خط

لیکر آیا ہے پس غافل نہ رہو!" جب طرماح کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ معاویہ کے اصحاب ہیں تو اونٹ بٹھا کر اتر پڑے اور ان لوگوں سے باتیں کرتے رہے جب معایہ کو خبر پہونچی تو باغ سے مکان واپس گیا اور اپنے بیٹے یزید کو حکم دیا کہ پردے لٹکائے جائیں اور دربار آراستہ کیا جائے۔ پھر عمر عاص اور اس کے اتباع طرماح کو لے کر دربار میں آئے جب طرماح کی نظر پڑی اور دیکھا کہ سب سیاہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں جو بنی امیہ کا شعار تھا تو فرمایا: کہ اس قوم کو کیا ہوا ہے گویا یہ جہنم کے لوگ ہیں! جب نزدیک آئے اور یزید کو دیکھا جس کی ناک پر ایک ضربت کا نشان تھا اور آواز بہت بلند تھی تو طرماح نے فرمایا: کہ من هذا المیشوم ابن المیشوم الواسع الحلقوم المضروبِ علی الخرطوم۔ یعنی یہ منحوس بن منحوس بھونڈی آواز والا نکٹا کون ہے؟ لوگوں نے کہا اے شخص گستاخی مت کر یہ یزید ہیں طرماح نے کہا کہ لازاد اللہ مزادہ ولا بلغهٔ مرادہ۔ خدا اس کے توشہ کو زیادہ نہ کرے اور اس کو مراد تک نہ پہونچائے :۔ جب طرماح نے یزید پر سلام نہیں کیا تو میں نے کہا کہ امیر المومنین تم پر سلام کرتے ہیں طرماح نے کہا کہ میری حاجت یہ ہے کہ مجھ کو معاویہ کے پاس لے چلو تا کہ نامہ نامی حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کا اس تک پہونچا دوں یزید انہیں اپنے ساتھ معاویہ کے پاس لے گیا جب دربار خاص کے پاس پہونچے تو کسی نے کہا "اخلع تعلبکِ!" طرماح نے داہنے بائیں بغور دیکھا اور کہا:۔ اَهٰذا الوادی المقدس ؟ کیا یہ وادی مقدس ہے جو میں جوتیاں اتار دوں پھر دیکھا کہ معاویہ تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور ارکان دولت گرد بیٹھے ہوئے ہیں یہ فرش کے کنارے اس کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے اور کہا:۔ "السلام علیک ایها الملک العاصی."

اے بادشاہ گنہگار تجھ پر سلام ہو معاویہ نے کہا اے اعرابی! تجھ پر وائے ہو مجھ پر امیر المومنین کہہ کر کیوں سلام نہیں کیا۔ طرماح نے جواب دیا تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے مومنین ہم ہیں تجھ کو کس نے ہمارا امیر کیا۔ معاویہ نے کہا تمہارے ساتھ کیا ہے۔ جواب دیا "کتاب کریم" یعنی "نامہ بزرگ" معاویہ نے کہا "مجھے دو فرمایا" مجھے تیرے فرش پر پیر رکھنا ناپسند ہے" معاویہ نے کہا "اچھا میرے وزیر عمر عاص کو دو" فرمایا "هیهات امیر ظالم وزیر خائن" معاویہ نے کہا "اچھا میرے بیٹے یزید کو دے دو" فرمایا "ہم ابلیس ہی سے خوش نہیں ہیں تو اس کی اولاد کا کیا ذکر ہے" معاویہ نے کہا "اچھا میرے غلام کو دو" "فرمایا "برا غلام ہے جو بغیر حق کے خریدا گیا اور مال ناجائز سے اس کی قیمت ادا کی گئی" معاویہ نے کہا "آخر پھر خط تم سے کیوں کرلوں۔" فرمایا "طرماح نے جواب دیا کہ "اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی جگہ سے اٹھو اور مجھ سے خط لیجاؤ" معاویہ یہ سن کر حالتِ غضب میں اپنی جگہ سے اٹھا اور خط لیکر اپنے مقام پر چلا گیا۔ پھر معاویہ نے پوچھا کہ علی بن ابی طالبؑ کو کس حالت میں چھوڑ کر آئے ہو؟ جواب دیا۔ الحمد للہ

مثل چودھویں رات کے چاند۔ کے اصحاب مثل ستاروں کے گرد حلقہ کئے ہوئے ہیں جب کسی بات کا حکم دیتے ہیں فوراً بجالاتے ہیں اور جب منع کرتے ہیں تو اس پر جرأت نہیں کرتے اور وہ باوجود اس رعب وداب کے پھر انہیں کے حافہ میں بیٹھے رہتے ہیں اگر ان کی شجاعت پوچھتا ہے تو تنہا لشکر کو شکست دے دیں قلعہ ہو توڑ ڈالیں اور اگر کوئی بڑا بہادر دشمن مقابل ہو قتل کر دیں۔ معاویہ نے پوچھا کہ حسنینؑ کو کس حالت میں چھوڑا فرمایا۔ خلفهما شبابین اعتین تقیین عفیفین صحیحین فصحین ادمین ای الربین لبیبین خطیبین سیدین سندین طیبین طاهرین اعلمین عاصلین یصلحان الدنیا والآخره۔ یعنی میں نے ان دونوں جوانوں کو ایسی حالت میں چھوڑا ہے کہ وہ دونوں جوان صاحب تقویٰ اور پاکیزگی میں عفیف وصحیح وفصیح وادیب ہیں صاحب عقل وصاحب دانش اور خطبہ گو ہیں دونوں سردار ہیں اور دونوں سند ہیں طیب وطاہر عام وعامل ہیں۔ دنیا وآخرت دونوں کی اصلاح کرتے ہیں معاویہ نے کہا اے اعرابی تو تو بڑا فصیح ہے؟ جواب دیا "لو بلغت باب امیر المومنین علی بن ابی طالب ورأیت الفصحاء البلغاء الفقهاء الظرقاء النجباء الا دیاء الا سخیاء الا صفیاء لغرقت فی بحر عمیق۔ اگر تو درگاہ امیر المومنینؑ تک پہونچے اور وہاں کے فصحاء وبلغاء وفقها وظرفا ونجباء وادباء واسخیاء اور اصفیا کو دیکھے تو تیرے ہوش دنگ ہو جائیں اور تعجب وحیرت کے گہرے سمندر میں ڈوب جائے عمر عاص نے معاویہ سے کہا کہ یہ مرد اعرابی صحرائی ہے اگر اس کو کچھ انعام دیجئے تو خوش ہو جائے گا ممکن ہے کہ تیری کچھ تعریفیں کرے پھر طرماح سے پوچھا کہ اگر امیر کچھ انعام دے تو قبول کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں تو اس کی قبض روح کرنا چاہتا ہوں مال کی کیا ہستی ہے؟ معاویہ نے حکم دیا کہ دس ہزار درہم انہیں دے جائیں! پھر پوچھا کہ اور زیادہ دوں جواب دیا کہ ہاں! اس نے دس ہزار اور بڑھائے پھر پوچھا کہ اور دوں جواب دیا کہ ہاں! طاق کر دے خدا طاق کو دوست رکھتا ہے۔

معاویہ نے تیس ہزار پورے کر دئے لیکن لانے والے نے لانے میں دیر کی طرماح کچھ دیر سر جھکائے خاموش بیٹھے رہے جب دیکھا کہ دیر ہوتی ہے تو کہا اے معاویہ کیا تو اپنے مہمان سے مذاق کرتا ہے؟ معاویہ نے کہا کیا ہوا؟ جواب دیا کہ یہ کیسا انعام ہے کہ نہ میں دیکھتا ہوں اور نہ تو! آخر معاویہ نے حکم دیا کہ فوراً لا کر ان کے پاس رکھ دو! جب وہ مال آ گیا طرماح چپ ہو گئے اور کسی سے بات نہیں کرتے تھے۔ عمر عاص نے کہا کہ امیر المومنین کا انعام تمہاری نظر میں کیسا ہے یعنی کم ہے یا زیادہ جواب دیا کہ یہ مسلمانوں کا مال اور خزانہ خدا سے ہے جس کو خدا کے بندوں میں سے ایک نیک بندہ نے لے لیا۔ معاویہ نے منشی کو حکم دیا کہ خط کا جواب جلدی لکھواس لئے کہ اس اعرابی نے میری آنکھوں میں دنیا تیرہ

وتار کردی منشی نے خط لکھنا شروع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ خط بندۂ خدا اور اس کے بندہ کے بیٹے معاویہ بن ابو سفیان کی طرف سے علی بن ابی طالبؑ کی طرف ہے۔ یقیناً میرے لشکر کی طرف مثل ستاروں کے ہے کہ جن کی سمائی نہ زمین میں ہے نہ آسمانوں میں یا مثل ہزار رائی کے دانوں کے ہے کہ ہر رائی کے نیچے ہزار سپاہی ہیں۔ طرماح نے جب اس خط کا مضمون سنا تو ہسنے ہنسی۔ جب پوچھا گیا تو کہا اے معاویہ علیؑ مثل آفتاب کے ہیں جب طالع ہوں گے سب ستارے مٹ جائیں گے اور ان کے پاس ایک مرغ اشتر ہے کہ وہ سب رائی کے دانے چن کر اپنے پوٹے میں رکھ لے گا۔ معاویہ کو غصہ آ گیا اور منشی سے کہا کہ کچھ نہ لکھ!

عمر عاص نے طرماح سے کہا کہ آخر یہ کون سی فصاحت ہے کہ خط کا جواب تک نہیں لکھنے دیتے ۔ اب اس کے بعد چپ رہو یہاں تک کہ خط پورا ہو جائے۔ طرماح نے سکوت اختیار کیا یہاں تک کہ خط پورا لکھا گیا۔ پھر اسے لے کر اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور روانہ ہو گئے۔ جب طرماح چلے گئے تو معاویہ نے اپنے اصحاب پر غصہ کرنا شروع کیا کہ اگر اپنا تمام مال تم میں سے ایک کو دیدوں جب بھی تم اس شخص کا عشر عشیر بھی علیؑ تک پیام نہیں پہونچا سکتے قسم خدا کی! اس اعرابی نے دنیا مجھ پر تنگ کر دی۔ عمر عاص نے جواب دیا کہ اے معاویہ علیؑ کو پیغمبرؐ سے جو قرب منزلت ہے اگر وہ تجھے حاصل ہوتی اور جس طرح سے علیؑ حق پر ہیں تو حق پر ہوتا تو ہم اس اعرابی سے بہتر سفارت کرتے معاویہ نے جواب دیا (خدا تیرا منہ توڑے اور تیرے پہلو کی ہڈیاں کاٹ دے قسم خدا کی! تیری بات مجھے اس اعرابی کی بات سے بھی زیادہ بری معلوم ہوئی۔

سعید بن جبیر صفت علم و زہد عبادت سے موصوف اور اظہار کشف و کرامت میں معروف ہیں عبداللہ بن عباس سے حدیثیں سنیں اور علم تفسیر و قرات وغیرہ حاصل کیا۔ یافعی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ امام کبیر شہید سعید صالح مقری فقیہ محدث مفسر سعید بن جبیر کہ جو علمائے تابعین میں سے تھے اور ماہ شعبان ۹۵ ھ میں حجاج کے حکم سے شہید ہوئے۔ اور کتاب کشی میں مذکور ہے کہ جب حجاج کی نظر اس سعادت مند پر پڑی تو کہا کہ تم شقی بن کسیر ہو سعید نے جواب دیا کہ میری ماں میرا نام بہتر جانتی تھیں انہوں نے میرا نام سعید بن جبیر رکھا حجاج نے پوچھا اچھا ابو بکر و عمر کے حق میں کیا کہتے ہو؟ آیا بہشت میں ہیں یا دوزخ میں سعید نے جواب دیا کہ اگر میں بہشت میں جاؤں اور وہاں کے رہنے والوں کو دیکھوں تو معلوم ہو کہ وہاں کون ہے؟ اور یہی حال دوزخ کا ہے حجاج نے کہا کہ خلفائے اربعہ کی نیکی و بدی کے بارہ میں کیا کہتے ہو؟ سعد۔ نے جواب دیا کہ میں ان کا پیشرو نہیں ہوں حجاج نے پوچھا کہ اچھا کس کو زیادہ دوست رکھتے ہو جوابدیا کہ جس سے خدا زیادہ راضی ہو حجاج نے پوچھا کہ خدا کس سے زیادہ راضی ہے؟ جواب دیا کہ اس بات کو خدائے دانا خوب جانتا ہے حجاج نے کہا کہ یہ سب اظہار جہل اس سبب سے

کر رہے ہو تا کہ میرے عقیدہ کی خلفاء کے بارہ میں تصدیق کرو؟ سعید نے فرمایا بلکہ اس وجہ سے کہ میں تیری تکذیب کرتا اور میرے عقیدے کے بطلان کو نہیں ظاہر کرنا چاہتا اور کتاب کشی میں مذکور ہے کہ چونکہ سعید بن جبیر مذہب تشیع میں مستقیم تھے اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی پیروی کرتے تھے اور حضرت ان کی تعریف کرتے تھے اس لئے حجاج چالیس دن سے زیادہ زندہ نہیں رہا۔ اور ایام مرض الموت میں بار بار بے ہوش ہو جاتا تھا اور جب ہوش میں آتا تھا تو کہتا تھا کہ سعید بن جبیر مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ اور دوسری روایت میں ہے کہ ہر وقت خواب میں دیکھتا تھا کہ سعید اس کا دامن پکڑے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں اے دشمن خدا تو نے کیوں مجھے قتل کیا۔ سعید کی عمر صرف انچاس برس کی تھی اور ان کی قبر واسط میں مشہور ہے۔

اصبغ بن نباتہ الحنظلی المجاشعی الکوفی

کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے خواص میں سے تھے اور کتاب کشی میں ابی الجزور سے روایت ہے کہ میں نے اصبغ سے پوچھا کہ تمہارے خیال میں حضرت امیرؑ کا کیا مرتبہ ہے۔ اصبغ نے جواب دیا کہ مجملاً یہ ہے کہ تلواریں ہم اپنے دوش پر رکھے ہوئے ہیں۔ حضرت امیرؑ جس شخص کو حکم دیں ہم اسے قتل کریں پھر اصبغ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت نے تمہارے انصار کا نام شرط الخمیس کیوں رکھا تھا؟ فرمایا: کہ ہم لوگوں نے حضرت سے شرط کی تھی کہ ہم آپ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ظفر پائیں یا شہید ہوں اور حضرت سے شرط کی تھی اور ضامن ہوئے تھے کہ اس جہاد کے عوض میں ہم کو بہشت میں پہونچا دیں۔ واضح رہے کہ خمیس لشکر کو کہتے ہیں اس لئے کہ وہ پانچ فرقوں سے مرکب ہوتا ہے۔ (۱) مقدمہ (۲) قلب (۳) میمنہ (۴) میسرہ (۵) ساقہ۔ پس یہ جو کہتے ہیں کہ فلاں شخص حضرت امیر علیہ السلام کے شرائط الخمیس میں سے ہے تو اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ حضرت کے لشکر کے ان لوگوں میں سے ہیں کہ جن لوگوں اور حضرت کے درمیان میں شرط کی تھی وہ چھ ہزار تھے اور روز حرب جمل حضرت نے عبداللہ بن یحیٰ خزرمی سے فرمایا کہ اے فرزند یحیٰ تجھے بشارت ہو کہ تو اور تیرا باپ شرط الخمیس میں سے ہیں اور حضرت امیرؑ نے مجھے تیرے اور تیرے باپ کے نام سے خبر دی ہے۔ اور خداوند عالم نے بزبان مبارک جناب پیغمبر خدا صلعم شرط الخمیس نام رکھا ہے اور کتاب میزان ذہبی میں جو سنیان ناصبی میں سے ہے مذکور ہے کہ علمائے رجال حدیث اہل سنت اصبغ کو شیعہ جانتے ہیں۔ اور اس بنا پر ان کی حدیث کو متروک سمجھتے ہیں اور ابن حیان نے نقل کیا ہے کہ اصبغ محبت علی ابن ابی طالب علیہ السلام میں مفتوں تھے لہٰذا ان کی حدیث کو ترک کیا گیا۔ بالجملہ تشیع اصبغ کا باتفاق ثابت ہے۔ مسلم المجاشعی

کتاب تحفۃ الاحبا میں مذکور ہے کہ مسلم شجاعت وصولت میں امثال واقران میں مسلم تھے منقول ہے کہ جب حضرت امیرؑ نے روز جنگ جمل قتال وجہاد پر مصمم ارادہ کرلیا تو ایک کلام مجید طلب کر کے داہنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا: کہ کون شخص ہے جو مصحف کو مجھ سے لیکر ان باغیوں کو اس کے مضمون کی طرف بلاتا ہے ۔مسلم نے ہاتھ بڑھایا حضرت نے فرمایا: کہ مجھے غیب سے معلوم ہوگیا ہے کہ جو شخص اس امر کا مرتکب ہوگا اس کا ہاتھ تلوار سے کاٹا جائے گا۔ گھبرا کر بائیں ہاتھ میں لیگا۔ بایاں ہاتھ بھی جدا کریں گے پھر اس کا سر بھی جدا کیا جائے گا۔ مسلم نے جب یہ حضرت امیرؑ سے سنا تو خوف جان کے سبب سے عرض کی کہ مجھے اس کام کی قوت نہیں ہے۔ حضرت علیؑ نے پھر اسی کلام سابق کی تکرار کی مسلم نے پھر ہاتھ بڑھایا۔ حضرت نے پھر وہی کلام وحشت آثار فرمایا اب کے مرتبہ چونکہ سوچ سمجھ کر صدق واخلاص کے ساتھ ہاتھ بڑھایا تھا لہذا عرض کی یا امیر المومنینؑ آپ رنج نہ کیجئے یہ راہ خدا میں کم ہے۔ القصہ مسلم نے بکمال رغبت کلام مجید ہاتھ میں لے لیا اور اصحاب جمل کی طرف روانہ ہوئے جب ان کے پاس پہونچے تو فرمایا اے اصحاب جمل میں تم کو دسترخوان نعمت الٰہی کی طرف بلاتا ہوں میری دعوت کو قبول کرو اور راہ صلاح وسداد اختیار کرو تا کہ مستحق رحمت حضرت باری ہو طلحہ نے کہا اے مسلم تم جھوٹ کہتے ہو اور یہ پسر ابو طالب کا مکر ہے۔ یہ کہہ کر اپنے لشکر سے کسی کو حکم دیا کہ حامل مصحف کا ہاتھ قطع کردے اس شخص نے تلوار لگائی مسلم کا داہنا ہاتھ کٹ گیا انہوں نے فوراً بائین ہاتھ میں مصحف لے لیا۔ بائیں ہاتھ پر بھی وہی حادثہ گذرا آخر بازوؤں کی اعانت سے مصحف کو سینہ سے ملالیا۔ یہاں تک کہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ مسلم کی ماں نہایت بڈھی اور ضعیف تھیں۔ جب انہوں نے یہ حالت دیکھی تو سر آسمان کی طرف بلند کیا اور وہ اشعار پڑھنا شروع کئے جن کا ماحصل یہ ہے۔

کہ اے پروردگار کہ مسلم ان لوگوں کے پاس گیا تھا اور تیری کتاب محکم کے ساتھ ان کو دعوت دیتا تھا۔ کتاب خدا ان کے سامنے پڑھتا تھا اور نہیں ڈرتا تھا پس ان لوگوں نے اس کے خون سے اپنی ڈاڑھیاں رنگین کیں۔ جب اس نے ان کو پکارا تو اس کے ہاتھ میں مصحف تھا جو ان کے مولا نے دے کر بھیجا تھا پس ان لوگوں نے عذر کیا درحالیکہ میں ان کو دیکھ رہی تھی۔

جابر بن یزید الجعفی الکوفی

کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ حضرت صادقؑ علیہ السلام ان کے لئے دعائے رحمت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ وہ جو کچھ ہم سے نقل کرتے تھے وہ درست وراست ہوتا تھا اور ابن غضائری نے کہا ہے کہ جابر خود ثقہ ہیں لیکن اکثر ان سے روایت ایام جوانی میں خدمت امام محمد باقرؑ میں گیا جب میں حاضر

مجلس ہوا تو آپؑ نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں نے عرض کی کہ میں کوفہ کا رہنے والا ہوں فرمایا کس گروہ سے ہو عرض کیا جعفی فرمایا: کس لئے آئے ہو میں نے عرض کی طلب علم کے لئے فرمایا: کس سے طلب علم کروگے۔ عرض کی آپ سے پس آپ نے فرمایا: کہ اگر تم سے کوئی پوچھے کہ کہاں کے رہنے والے ہو تو کہنا کہ اہل مدینہ سے ہوں۔ پس میں نے عرض کی کہ سب سوالات سے پہلے آپ سے یہی سوال کرتا ہوں کہ کیا مجھے جھوٹ بولنا جایز ہے؟ حضرت نے فرمایا: کہ جو کچھ میں نے تمہیں تعلیم دی وہ جھوٹ نہیں ہے۔ اس لئے کہ جو شخص جس شہر میں ہو وہ وہاں کا اہل ہے۔ جب تک کہ وہاں سے باہر نہ جائے۔ پھر حضرت نے ایک کتاب مجھے دی اور فرمایا: کہ جب تک بنی امیہ باقی ہیں اس وقت تک اگر کوئی روایت اس کتاب کی تم بیان کروگے تو میری اور میرے آباء کی لعنت تم پر ہوگی۔ پھر اس کے بعد ایک کتاب مجھے اور دی اور فرمایا: کہ لو اور اس کے مضمون کو جانو لیکن ہرگز کسی سے روایت نہ کرو اور اگر اس کے خلاف کیا تو تم پر میری اور میرے آباء کی لعنت ہے۔ پھر روایت ہے کہ جب ولید پلید جو فراعنہ بنی امیہ سے میں سے تھا مارا گیا تو جابر نے فرصت کو غنیمت شمار کیا اور عمامہ خز سرخ کا سر پر رکھ کر مسجد میں آئے لوگ ان کے گرد جمع ہوگئے انہوں نے حدیث امام محمد باقرؑ کی نقل کرنا شروع کی اور جو حدیث نقل کرتے تھے کہتے تھے کہ بیان کیا مجھسے وصی اوصیاء وارث علوم انبیاء محمد بن علی علیہ السلام نے جو لوگ اس مقام پر حاضر تھے انہوں نے جابر کی یہ جرأت دیکھی تو آپس میں کہنے لگے کہ جابر دیوانے ہوگئے ہیں۔ پھر جابر سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے میں ستر ہزار حدیثوں کی امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت رکھتا ہوں کہ جس میں سے ایک بھی کسی سے نہیں بیان کی اور نہ بیان کروں گا۔ منقول ہے کہ ایک دن جابر نے حضرت سے عرض کی کہ آپؑ نے ان احادیث کے راز میں رکھنے کا ایک بار عظیم مجھ پر رکھا ہے کہ میں کسی سے نہ بیان کروں بعض اوقات میں دیکھتا ہوں کہ میرے سینہ میں جوش کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور میری حالت جنون کی سی ہوجاتی ہے ۔حضرت نے فرمایا: کہ جب تم میں یہ حالت پیدا ہو تو صحرا کی طرف چلے جایا کرو اور ایک گڈھا کھودو اس میں سر ڈال کر کہو کہ مجھسے محمد بن علی نے یہ بیان کیا نیز نقل کیا ہے کہ جب ہشام بن عبدالملک تخت سلطنت پر بیٹھا تو جابر کو اس سے وہم ہوا انہوں نے اپنے کو دیوانہ بنالیا۔

ایک دن گھر سے باہر آئے تو ایک خرمہ کی ڈلیا اپنے سر پر رکھ کر مثل بچوں کے ایک نئے پر سوار ہوئے اور کوفہ کی گلیوں میں آئے لوگوں کو ان کے جنون کا یقین ہوگیا چند روز کے بعد ہشام کا پروانہ حاکم کوفہ کے نام پہونچا کہ جابر کو میرے پاس بھیج دو حاکم کوفہ نے جب جابر کا حال دریافت کیا تو اہل شہر نے گواہی دی کہ وہ دیوانے اور خرف ہوگئے ہیں ان کی دیوانگی کی کیفیت ہشام کو لکھی پھر ہشام نے کوئی تعرض نہیں کیا کچھ دنوں بعد جابر پھر اپنی اصل حالت پر آگئے اور شیخ نجاشی نے کہا کہ جابر نے امام محمد باقرؑ اور

امام صادق علیہ السلام سے ملاقات کی اور ۱۲۸ھ میں وفات پائی اور میزان ذہبی میں مذکور ہے جابر بن یزید جعفی علمائے شیعہ میں سے تھے اور ابن مہدی سے نقل کیا ہے کہ جابر حدیث میں صاحب ورع تھے جھوٹ بولنے سے بہت ڈرتے تھے اور میں نے ان سے بڑھ کر اور کسی کو نہیں دیکھا اور شعبی نے ان کو صدوق کہا ہے اور یحییٰ بن ابی بکر نے ان کو اوثق ناس یعنی معتبر ترین خلایق شمار کیا ہے اور وکیع نے ان کو ثقہ کہا ہے اور عبدالحکیم نے شافعی سے روایت کی ہے کہ سفیان ثوری شعبی سے کہتے تھے کہ اگر تو جابر کے حق میں کوئی بات کہے گا تو میں تیرے حق میں کہوں گا اور بعض اصحاب حدیث اہل سنت نے جابر پر شیعہ ہونے کے سبب سے طعن بھی کی ہے کہ وہ بعض صحابہ پر سب وشتم کرتے تھے۔

میثم التمار الکوفی

حضرت امیر کے بہت نیک اصحاب میں سے تھے علامہ حلّی علیہ الرحمہ نے کتاب خلاصہ میں انہیں مقبولین میں ذکر کیا ہے اور کشی میں مذکور ہے کہ میثم ایک بڑے خاندان سے تھے ان کے گھر میں بہت سے آدمی تھے جو بیت التمارین یعنی خرمے والوں کے گھر سے مشہور تھا اور سب شیعہ امیر المومنین تھے اور روایت کی ہے کہ حضرت امیرؑ نے ان سے کہا اے میثم جب زیاد کا بیٹا عبداللہ تمہیں حکم دے گا کہ تم مجھ سے بیزاری کرو تب تم کیا کرو گے میثم نے کہا قسم خدا کی! میں آپ سے بیزاری نہ کروں گا۔ حضرت نے فرمایا: کہ اگر نہ کرو گے تو وہ تمہیں دار پر کھینچے گا میثم نے جواب دیا کہ صبر کرونگا اس لئے کہ اتنا عذاب راہ خدا میں بہت نہیں ہے حضرت نے فرمایا: کہ اگر ایسا کرو گے تو میرے ساتھ میرے درجہ میں ہو گے اس کے بعد میثم اپنی اولاد اور اپنے عزیزوں کو خبر دیا کرتے تھے کہ ابن زیاد عمر بن حریث کے گھر میں مجھے سولی دے گا اور چوتھے روز میرے ناک کے دونوں سوراخوں سے خون نکلے گا عمر بن حریث کے مکان کے پاس ایک خرمہ کا درخت تھا میثم جب اس طرف سے گذرتے تھے تو اس درخت پر ہاتھ پھیرتے تھے اور کہتے تھے کہ اے درخت تو میرے ہی لئے اُگا اور بڑا ہوا ہے اور میں تیرے ہی لئے پیدا اور بڑا ہوا ہوں اور جب عمر بن حریث کے دروازہ سے گذرتے تھے تو کہتے تھے کہ عمر اگر میں تیرا پڑوسی ہو جاؤں تو اچھے پڑوسی کا ایسا برتاؤ کرنا۔ عمر گمان کرتا تھا کہ شاید اس کے گھر کے پاس کوئی گھر لیں گے اور کہتا تھا کہ کاش کے تم ایسا کرتے! آخر کار جب میثم کو ابن زیاد کے پاس لائے تو اس نے پوچھا کہ تم میثم ہو؟ فرمایا ہاں! ابن زیاد نے کہا ابو تراب سے بیزاری کرو فرمایا: کہ میں ابو تراب کو نہیں پہچانتا اس نے کہا علی بن ابی طالبؑ سے بیزاری کرو انہوں نے پوچھا کہ اگر نہ کروں تو تو میرے ساتھ کیا کرے گا؟ اس نے کہا کہ میں تمہیں مار ڈالوں گا۔ میثم نے کہا مجھ کو میرے مولاؑ نے خبر دی ہے کہ تو مجھے عمر بن حریث کے گھر کے سامنے صلیب یعنی سولی

دے گا اور چوتھے روز میری ناک سے خون بہے گا تب ابن زیاد نے حکم دیا کہ ان کو اسی جگہ صلیب دیں اور میثم جب دار پر تھے اور ابھی نہیں مرے تھے لوگ ان کے گرد جمع ہوتے تھے یہ ان لوگوں کو حدیثیں سناتے اور ہر طرح کی باتیں کرتے تھے۔ جب یہ خبر ابن زیاد کو پہونچی تو اس نے ایک خاص لگام بنا کر بھیجی کہ وہ ان کے لگا دی جائے تا کہ بات نہ کر سکیں اور ابو خالد تمار نے روایت کی ہے کہ میں جمعہ کے دن میثم کے ساتھ دریائے فرات میں ایک کشتی پر سوار تھا کہ ناگاہ ایک تیز ہوا چلی میثم کشتی کے باہر چلے آئے اور بعد غور کرنے کے اہل کشتی سے کہا کہ کشتی کو باندھ دو اس لئے کہ یہ ہوا نہایت شدید ہوگی اور یہ علامت اس بات کی ہے کہ معاویہ آج مرا ہوگا آخر ان کی خبر کی سچائی ظاہر ہوئی اور جمعہ آئندہ کو ایک پیامبر شام سے آیا اور اس نے معاویہ کے مرنے کی خبر سنائی اس سے ہم لوگوں نے پوچھا کہ کس روز معاویہ کی رحلت ہوئی اس نے جواب دیا کہ جمعہ گذشتہ کو اس واقعہ کا شمار ان کی کرامت میں ہو سکتا ہے۔

حبیب بن مظاہر الاسدی

ابن داؤد نے ان کو اکابر تابعین میں شمار کیا ہے اور روضۃ الشہداء میں مذکور ہے کہ حبیب مرد صاحب جمال وکمال تھے اور واقعہ کربلا کے روز بڈھے تھے کلام مجید کے حافظ تھے اور ہر شب پورا کلام مجید ختم کیا کرتے تھے جناب رسالت مآب صلعم کی خدمت میں بھی مشرف ہوئے تھے اور حضرت سے حدیثیں سنی نہیں اور جناب علی مرتضیٰؑ کی خدمت میں مدتوں معزز ومکرم رہے اور کتاب کشی میں مذکور ہے کہ حبیب ان ستر آدمیوں سے تھے جنہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی مدد کی اور صدموں کے مقابلہ میں مثل لوہے کے پہاڑوں کے ہو گئے یہ لوگ نیزوں کو اپنے سینوں پر اور تلواروں کو اپنے چہروں پر روکتے تھے اور باوجود اس کے کہ دشمنان اہل بیتؑ ان کو امان دیتے تھے بلکہ محض امان نہیں مال ہائے کثیر بھی ان کے سامنے پیش کرتے تھے لیکن انہوں نے ان کی موافقت سے انکار کیا اور کہا کہ اگر امام حسینؑ شہید ہو گئے اور ہم نے ان کی امداد نہ کی تو پیغمبرؐ خدا کے آگے کیا عذر کریں گے ان لوگوں نے حضرت کے قدم نہیں چھوڑے یہاں تک کہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ نیز روایت کی ہے کہ حبیب صحرائے کربلا میں سیکڑوں طرح سے کرب وبلا میں مبتلا تھے روز عاشورہ اپنے کسی دوست سے مزاح کرتے بُریر بن خضیر ہمدانی نے جو قاریوں کے سردار اور بندگان صالحین میں سے تھے کہا کہ اے بھائی آج ہنسنے اور مزاح کرنے کا دن نہیں ہے۔ حبیب نے جواب دیا کہ پھر اور کون سا دن آج سے بڑھ کر خوشی کا ہو سکتا ہے اس لئے کہ آج ہم امام حسینؑ کے قدم پر اپنی جان قربان کریں گے اور بہشت عنبر سرشت میں حور العین سے ہم آغوش ہوں گے۔ شعر

خاکِ قدم دوست شدم نیست کسے را   آن عیش کہ امروز مرا در قدم اوست

الحارث بن عبداللہ عور الہمدانی

تاریخ یافعی میں مذکور ہے کہ حارث حضرت امیرؑ کے مصاحب تھے اور عبداللہ بن مسعود کی صحبت میں پہونچے تھے فقیہہ تھے اور ان کی حدیث سنن اربعہ میں مذکور ہے اور کتاب میزان ذہبی میں لکھا ہے کہ حارث تابعین کے بڑے علماء میں تھے اور ابن حیان نے نقل کیا ہے کہ حارث شیعہ عاشق تھے اور ابوبکر بن ابی داؤد جو علمائے اہل سنت میں سے ہیں کہتے تھے کہ حارث اعور تمام خلایق سے بڑھکر فقیہہ اور فرائض اور حساب کے جاننے والے تھے اور علم فرایض حضرت امیرؑ سے حاصل کیا تھا اور نسائی نے باوجود اس کے کہ رجال حدیث کے بارہ میں سختی کیا کرتا ہے۔ حارث کی حدیث سنن اربعہ میں ذکر کی ہے اور اس کے ساتھ دلیل لایا ہے اور حارث کے قول کو قوت دی ہے کتاب کشی میں مذکور ہے کہ ایک شب حضرت امیرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے پوچھا کہ رات میں آنے کا کیا سبب ہوا۔ حارث نے جواب دیا کہ جو محبت مجھ کو آپ کے ساتھ ہے وہی لے آئی حضرت نے فرمایا: کہ اے حارث تم کو جاننا چاہیئے کہ کوئی شخص میرے دوستوں میں سے نہیں مرتا مگر یہ کہ وقت نزع مجھ کو دیکھتا ہے اور میرے دیکھنے سے امید وار رحمت الٰہی ہوتا ہے اور کوئی شخص میرے دشمنوں سے نہیں مرتا مگر یہ کہ مجھے دیکھتا ہے اور میرے دیکھنے سے غرق خجالت ناامیدی ہوتا ہے اور اس حدیث کا مضمون بعضے اشعار دیوان معجز نشان حضرت میں مذکور ہے اور بعض نے ان اشعار کو سید حمیری کی طرف نسبت دی ہے صاحب کشف الغمہ نے حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں بزرگواروں نے فرمایا: کہ روح کو جسم سے جدا ہونا حرام ہے جب تک کہ پنجتن پاک یعنی محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو نہ دیکھ لے اور دیکھ کر یا اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی یا گرم یعنی یا خوش ہوگا یا رنجیدہ۔

حُبّہ بن الجوین العرنی الکوفی

کتاب خلاصہ میں اواخر قسم اول مسلک اصحاب امیر المومنینؑ میں مذکور ہیں اور ذہبی نے کتاب میزان میں لکھا ہے کہ حبہ خلاف شیعہ سے تھے اور باوجود اس کے کہ نقل کیا ہے کہ بعض علمائے اہل سنت نے ان کو معتبر سمجھا ہے اور طبرانی سے منقول ہے کہ حُبّہ نے جناب رسالت مآبؐ کو دیکھا تھا اور ۷۶ھ میں وفات پائی۔

رشید الہجری۔ کتاب ابن داؤد میں اور کتاب کشی میں مذکور ہے کہ رشید حضرت علیؑ کے

مصاحب تھے اور حضرت نے ان کا نام رشید البلایا رکھا تھا اور یہ اشارہ ہے اس طرف کہ جرم محبت اہل بیتؑ میں سے سخت طریقہ سے قتل کئے جائیں گے اور بلاؤں پر صبر کریں گے دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت نے ان کو علم منایا اور علم بلایا (یعنی لوگوں کی موتوں اور بلاؤں کے نازل ہونے کا علم) تعلیم فرمایا تھا چنانچہ جس کے متعلق کہہ دیتے تھے کہ فلاں موضع میں یا فلاں روز مرے گا ویسا ہی ہوتا تھا۔ مروی ہے کہ حضرت امیرؑ نے ان کو خبر دی تھی کہ ابن زیاد ملعون انکو حضرت سے بیزاری کرنے پر مجبور کرے گا اور جب وہ انکار کریں گے تو ان کے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ ڈالے گا۔ آخر وہی ہوا اور عبداللہ بن زیاد نے ان کو گرفتار کیا اور حضرت امیرؑ سے بیزاری اختیار کرنے کا حکم دیا ابن زیاد نے کہا کہ آیا تمہارے صاحب نے تم کو یہ بھی خبر دی ہے کہ میں تم کو کس طرح سے قتل کروں گا؟ رشید نے کہا کہ ہاں خبر دی ہے کہ تو مجھے ان سے بیزاری اختیار کرنے کا حکم دیگا اور انکار کرنے پر میرے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ ڈالے گا۔ ابن زیاد نے کہا واللہ میں تمہارے صاحب کو جھوٹا ثابت کر کے چھوڑوں گا پس حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جائیں لیکن زبان چھوڑ دی جائے۔ جب ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے اور ابن زیاد کے گھر سے باہر لائے گئے تو ان کی بیٹی نے ان سے پوچھا کہ آیا ہاتھ پاؤں کے کٹنے سے کوئی تکلیف ہے؟ فرمایا: کہ ہاں اسی قدر تکلیف ہے جتنی کہ لوگوں کے جمع ہونے اور بھیڑ ہونے سے ہوتی ہے یعنی اگر کسی مقام پر بہت سے لوگ جمع ہوتے ہیں اور مجمع کثیر ہوتا ہے تو کچھ نہ کچھ ہر شخص کو تکلیف ہوتی ہے۔ پھر لوگ ان کے گرد جمع ہوئے اور انہوں نے دوات و قلم منگوایا کہ لوگوں کے لئے بعض حالات آیندہ جو معدن علم سے انہوں نے حاصل کئے تھے لکھوادیں اور یہ خبر ابن زیاد کو پہونچی تو وہ گذشتہ باتیں بھول گیا اور کسی کو حکم دیا کہ جاکر ان کی زبان کاٹ لو اور دار پر چڑھا دو۔ آخر حضرت امیرؑ کی خبر کی صداقت ظاہر ہوکر رہی۔

عبدالعزیز بن حارث الجعفی

یہ بھی اصحاب حضرت امیر المومنینؑ میں سے تھے اور جنگ صفین میں آپ کے ہمراہی میں جہاد کیا ابن عاثم کوفی لکھتا ہے کہ ایک روز جنگ صفین میں لشکر معاویہ نے حملہ کیا اور لشکر امیر المومنین علیہ السلام کے ہزار آدمیوں کا محاصرہ کرلیا حضرت کے لشکر کے لوگ ان ہزار آدمیوں کو حملہ کرتے ہوئے نہیں دیکھتے تھے حضرت نے آواز بلند سے فرمایا: کہ آیا کوئی مرد ایسا ہے؟ جو اپنی جان خدا کے ہاتھ بیچے اور اپنی دنیا کو آخرت کے عوض میں فروخت کرڈالے؟ عبدالعزیز بن حارث مذکور حاضر ہوئے درحالیکہ غرق آہن تھے اور عرض کی کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھ کو حکم دیجئے جو کچھ حکم دیجئے گا بجالاؤں گا حضرت نے ارشاد فرمایا۔ اے ابوالحارث حملہ کرو خدا تمہارے رکن کو مضبوط کرے۔ اہل شام پر حملہ کرو یہاں تک

کہ اپنے اصحاب تک پہونچ جاؤ پس ان سے میرا سلام کہو اور ان سے کہو کہ امیر المومنینؑ نے حکم دیا ہے کہ
تکبیر وتہلیل کہیں پس ہم انشاء اللہ ان تک پہونچ جائیں گے۔
عبدالعزیز نے لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ صفوں کو شگافتہ کرتے ہوئے ان لوگوں تک پہونچ
گئے اور حضرت کا پیام پہونچایا ان لوگوں نے تکبیر وتہلیل کہنا شروع کی اور حضرت امیرؑ نے بھی مع اپنے
اصحاب کے تکبیر وتہلیل کہی اور حملہ کیا یہاں تک کہ لشکر شام کو شکست دیدی۔

نعیم بن دُجاجۃ الاسدی

کتاب کشی میں مذکور ہے کہ حضرت امیرؑ کو خبر پہونچی کہ بشر بن عطارو تمیمی آپ کو برا کہتا ہے
حضرت نے اپنے ملازمین میں سے کسیکو اس کی طلب میں بھیجا آپ کا فرستادہ اثنائے راہ میں قبیلۂ بنی
اسد کی طرف سے گذرا نعیم بن دجاجہ جب اس مضمون پر مطلع ہوئے تو انتہائے محبت کے سبب سے یہ خود
بشر کے پاس گئے اور اس کو بہت مارا یہاں تک کہ وہ مجروح ہوگیا۔ حضرت امیرؑ نے نعیم کو طلب فرمایا اور
حکم دیا کہ ان کی تقریر کیجائے نعیم نے حضرت سے خطاب کیا کہ قسم خدا کی! آپ کے ساتھ رہنا ذلت ہے
اور آپ سے جدا رہنا کفر ہے۔ حضرت امیرؑ نے جب یہ الفاظ سنے تو فرمایا: کہ میں نے تیرے گناہ کو
معاف کیا۔ اس سبب سے کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے اِدْفَع بِالَّتِی هِیَ اَحْسَنُ یعنی دفع کر وایسے
طریقہ سے جو بہتر ہو اور قول تیرا کہ فِرَاقُکَ کُفرٌ یعنی آپ کی جدائی کفر ہے یہ ایک حسنہ ہے کہ جو اس
گناہ کے مقابل ہوسکتا ہے۔

سفیان بن ابی لیلۃ الہمدانی

کتاب کشی میں مذکور ہے کہ جب حضرت امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے صلح کر لی تو ایک
روز حضرت اپنے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے کہ اس اثناء میں سفیان ایک اونٹ پر سوار حضرت کے
پاس آئے اور بسبب اس رنج کے جو اس صلح سے ان کے دل میں تھا اونٹ سے نہیں اترے بلکہ اونٹ ہی پر
سے سلام کیا اور کہا کہ یامذل المومنین۔ یعنی اے مومنین کو ذلیل کرنے والے! پس حضرت نے فرمایا: کہ
اونٹ سے اترو اور جلدی نہ کرو تا کہ حقیقت حال تم پر ظاہر ہو جائے۔ سفیان اونٹ سے اترے اور اپنا اونٹ
باندھکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے پوچھا کہ تم نے کیا کہا تھا عرض کی کہ میں نے
"السلام علیک یامذل المومنین" کہا، حضرت نے فرمایا: کہ تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ میں مومنین کا ذلیل

کرنے والا ہوں عرض کی اس وجہ سے کہ آپ ریاست امت محمدی کے مستحق ہیں اور پھر آپ نے اس کو اپنی
گردن سے ہٹا دیا اور معاویہ پر چھوڑ دیا جو احکام الٰہی کے خلاف حکم کرتا ہے۔ حضرت نے فرمایا: کہ
میں نے یہ کام اس وجہ سے کیا کہ میں نے اپنے جد سے سنا ہے کہ ہرگز یہ شب و روز ختم نہ ہوں گے جب
تک کہ حاکم امت ایسا شخص نہ ہو جائے جس کی حلق چوڑی اور سینہ کشادہ ہو اور وہ کھاتا جائے اور سیر نہ ہو۔
اور وہ معاویہ ہے پھر تم نے کیوں مجھ سے ایسا خطاب کیا۔ سفیان نے معافی مانگنا شروع کی اور عرض کیا
آپ کی محبت اس کا باعث ہوئی، کہ میں نے یہ کلمہ کہا پس حضرت نے فرمایا: کہ قسم خدا کی! جو کوئی ہمارا
دوست ہو اگرچہ کفار و یلم کے درمیان میں گرفتار بلا ہو ہماری محبت اس کو ضرور نفع پہونچائے گی اور ہماری
محبت آدمیوں کے گناہوں کو اس طرح سے گراتی ہے جس طرح سے ہوا درختوں کے پتوں کو۔

محقن بن ابی محقن الفیبی

بعض مولفاتِ شیخ محمد بن ابی جمہور میں مذکور ہے کہ وہ حضرت امیر علیہ السلام کے اصحاب میں
سے تھے ایک مرتبہ شام گئے اور مجلس معاویہ میں داخل ہوئے جب معاویہ کی نظر ان پر پڑی تو بہت خوش ہوا
اور پوچھا اے محقن کس کے پاس سے آتے ہو؟ محقن نے کہا کہ انجل ناس اور اجبن ناس اور آلام ناس اور
اعیائے ناس یعنی بخیل ترین خلایق اور لئیم ترین خلایق کے پاس سے آتا ہوں کہ جو تمام دنیا سے زیادہ بودا
ہے اور جس کو بات کرنے کا ذرا بھی سلیقہ نہیں ہے۔ پس معاویہ نے اپنے اصحاب کو کہا کہ سنو! تمہارا برادر
عراقی کیا کہتا ہے؟ پس اہل مجلس نے ان کا ہر طرح کا اعزاز و اکرام کیا اور ہر طرح کے تحفے ان کو دیئے
دربار برخاست ہو چکا تو معاویہ نے ان سے کہا کہ ذرا پھر تو وہی باتیں کہہ کہ کس کے پاس سے آتے ہو؟
محقن نے پھر وہی باتیں کہیں اب کی مرتبہ چونکہ خلوت تھی معاویہ نے کہا کہ قسم خدا کی! جھوٹ کہتے ہو۔
فرزند ابو طالبؑ کیوں کر بخیل ترین ہوسکتا ہے حالانکہ وہ ایسا جوان مرد ہے کہ اگر ایک گھر گھانس بھونس
سے اور دوسرا سونے سے بھرا ہوا ہو تو وہ سونا قبل گھانس بھونس کے صرف کر ڈالے اور لوگوں کو دے ڈالے
اور باوجود اس کے کہ کوئی شخص میدان جنگ میں ان سے مقابل نہیں ہوا مگر یہ کہ وہی اس سے زیادہ شجاع
ثابت ہوئے وہ تمام خلایق سے زیادہ بودے کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ اور وہ لئیم ترین مردم کیوں کر ہو سکتے
ہیں حالانکہ ان کے باپ ابو طالبؑ بزرگ قریش اور سید بطحا ہیں اور ماں ان کی فاطمہ بنت اسد اور بھائی
جعفر اور چچا حمزہ اور چچا زاد بھائی رسول اللہ صلعم ہیں زوجہ فاطمہ بنت رسول صلعم اور اولاد حسن و حسین علیہم
السلام ہیں قسم خدا کی! کسی کا نسب ان کے نسب کے مثل نہیں ہے اور وہ احیائے ناس یعنی بات کرنے میں
عاجز ترین مردم کیونکر ہو سکتے ہیں حالانکہ وہ افصح قریش ہیں محقن نے کہا کہ جب تم جانتے ہو کہ وہ ان

فضائل سے آراستہ ہیں تو ان سے مقابلہ کیوں کرتے ہو؟ معاویہ نے اپنی مہر والی انگوٹھی کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ اس سے مقابلہ کرتا ہوں کہ دنیا میں میرا حکم وفرمان جاری ہو۔ محقن نے کہا کہ آخرت میں یہی تمہیں کافی ہو جائے گا۔؟ جب آتشِ دوزخ میں ڈالے جاؤ گے تو یہ فرمان روائی تمہیں کیا فائدہ پہونچائے گی۔ معاویہ نے کہا کہ اے محقن شاید تم نے خدا کا قول نہیں سنا؟

''اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ'' یعنی یقیناً رحمتِ خدا نیکوکاروں سے قریب ہے'' مخفی نہ رہے کہ یہ استدلال معاویہ کا عین حماقت وضلالت ہے اس لئے کہ خود آیت میں لفظ محسنین موجود ہے۔ یعنی نیکوکاروں سے رحمت خدا قریب ہے نہ بدکاروں سے اور علی سے مقابلہ کرنا رسول خدا صلعم سے جنگ کرنا ہے اور رسول صلعم سے جنگ کرنا خدا سے جنگ کرنا ہے اور خدا سے جنگ کرنے والا ہرگز فلاح نہیں پاسکتا نیز رسول خدا صلعم نے فرمایا: ہے کہ جس نے علی پر سب وشتم کی اس نے مجھ پر سب وشتم کی اور جس نے مجھ پر سب وشتم کی اس نے خدا پر کی اور جس نے خدا پر کی۔ اس کو خداوند عالم اس کے ناک کے نتھنوں کے بھل جہنم میں پھینک دیگا۔ پس حضرت امیر علیہ السلام پر سب وشتم کرنا اور ان سے جنگ کرکے فضلائے صحابہ کو مثل عمار یاسر وغیرہ کے شہید کرنا کہ جن کے متعلق رسالت مآب نے فرمایا: تھا کہ ''عمار میری آنکھ کے بیچ کی جلا ہیں۔ اور ان کو گروہ باغی قتل کرے گا'' کیا نیک کام ہیں؟ کہ جن کے کرنے والے سے رحمت خدا قریب ہو۔

ضرار بن حمزہ النہشلی

کتاب کامل بہائی میں مذکور ہے کہ وہ اصحاب حضرت امیر المومنینؑ میں سے تھے ایک روز معاویہ کے پاس گئے معاویہ نے ان سے کہا کہ ہم سے علیؑ کے کچھ اوصاف بیان کرو ضرار نے کہا کہ مجھے معاف کرو۔ معاویہ نے قسم دلائی کہ جو کچھ تم ان کے اوصاف جانتے ہو ضرور بیان کرو ضرار نے کہا کہ چونکہ کرنا ضروری ہوا للہذا بیان کرتا ہوں کہ قسم خدا! کی حضرت نہایت دوراندیش اور صاحب قوت شدید تھے تھے۔ آپ کے اطراف وجوانب سے علم کی نہریں جاری تھیں اور آپ کی زبان سے حکمت کا طوطی بولتا تھا دنیا اور اس کی خوش نمائیوں سے گھبراتے تھے اور رات سے اور اس کی وحشت سے مانوس تھے صاحب فکر طویل اور اشک کثیر تھے اپنی ہتھیلیوں کو پلٹتے تھے اور اپنے نفس سے خطاب کرتے تھے۔ کھرا کپڑا اور بدمزہ کھانا آپ کو پسند تھا ہم لوگوں میں اس طرح سے رہتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہمیں میں کے ایک شخص ہیں جب ہم جاتے تھے تو ہمیں اپنے پاس بٹھاتے تھے جب ہم پکارتے تھے جواب دیتے تھے اور ہم لوگ باوجود اس قرب کے اور ہر وقت کی ہمنشینی کے بسبب ان کی عظمت اور ہیبت کے (جو خدا کی طرف سے

تھی) حضرت سے ابتداءً کلام نہیں کرسکتے تھے۔ جب آپ تبسم فرماتے تھے تو آپ کے دندان آب دار موتیوں کی لڑی کی طرح چمکتے تھے اہل دین کو مقدم کرتے تھے اور مسکینوں کو فضیلت دیتے تھے قومی لوگ حضرت سے باطل کی طمع نہیں رکھ سکتے تھے اور ضعیف آپ کی عدالت سے مایوس نہ تھے میں خدا کی قسم کھاتا ہوں! کہ میں نے بعض حالتوں میں حضرت کو دیکھا ہے جب رات نے اپنے پردے ڈال دیئے ہیں اور ستارے گہرائی میں پہونچ گئے ہیں کہ حضرت اپنی محراب میں اپنی ریش اقدس ہاتھ میں لئے ہوئے کھڑے ہوئے ہیں اور مار گزیدہ کی طرح سے تڑپ رہے ہیں اور صاحب حزن واندوہ کی طرح سے روتے ہیں اور رونے کی حالت میں فرماتے ہیں کہ اے دنیا آیا مجھ سے تعرض کرتی ہے؟ یا مجھے شوق دلاتی ہے ہیہات ہیہات۔ تیرا وقت قریب نہو۔ کسی دوسرے کو فریب دے میں نے تو تجھے یقیناً تین طلاقیں دیدی ہیں جن کے بعد میرے لئے رجعت جائز نہیں ہے تیرا عیش حقیر اور تیری بزرگ کم تیری عمر قصیر آہ آہ! کہ زاد کم ہے اور سفر طولانی ہے اور راستہ وحشت ناک ہے۔

جب ضرار نے یہاں تک بیان کیا تو معاویہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے جو اس کی ڈاڑھی پر بہ رہے تھے اور وہ آستین سے پونچھتا جاتا تھا اور سب اہل دربار رو رہے تھے۔ پھر معاویہ نے کہا کہ خدا ابوالحسن پر رحم کرے حقیقت میں وہ ایسے ہی تھے۔ پس اے ضرار ان کے فراق میں تمہارے رنج کی کیا کیفیت ہے؟ ضرار نے جواب دیا کہ جو اس عورت کی حالت ہو کہ جس کا اکلوتا بیٹا اس کی گود میں ذبح کر دیا گیا ہو کہ اس کی حرارت کبھی نہ بجھے اور اس کے آنسو کبھی نہ رکیں معاویہ نے کہا کہ لیکن میرے اصحاب ایسے نہیں ہیں اگر میرے مرنے کے بعد کوئی ان سے میرے متعلق پوچھے تو ان باتوں میں سے ایک بات بھی نہ کہیں گے۔ صاحب کامل نے کہا ہے کہ یہ روایت میں نے کتاب ابوسعید سمان سے نقل کی ہے جو مشاہیر علمائے اہل سنت میں سے ہیں۔

قنبر غلام امیر المومنین علیہ السلام

کتاب کشی میں مذکور ہے کہ قنبر سے کسی نے پوچھا کہ تم کس کے غلام ہو انہوں نے کہا کہ میں اس کا غلام ہوں کہ جس نے دو تلواروں سے جہاد کیا اور دو نیزوں سے قتال کیا اور دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور دو بیعتیں اور دو ہجرتیں کیں اور خدا کے ساتھ ایک آنِ واحد بھی کفر نہیں کیا میں مولا ہوں اس شخص کا جو صاحب ہے مومنین کا اور نور ہے مجاہدین کا اور وارث النبیین اور خیر الواصلین اور بزرگ ترین مسلمین اور سردار مومنین ہے۔ خدا کے خوف سے رونے والوں کا رئیس اور عابدوں کی زینت۔ گذشتہ لوگوں کا چراغ اور موجود لوگوں کی روشنی اور تمام دعا کرنے والوں سے افضل رب العالمین کا پیام پہونچانے والا

آل یٰسین میں سے پہلا ایمان لانے والا ہے جس کی تائید جبرئیل امین اور نصرت میکائیل نے کی اور تمام اہل آسمان اس کی ثناء وعفت کرتے رہتے ہیں مسلمین سابقین کا سردار ناکثین وقاسطین کا قاتل مسلمین کا محافظ واصبین سے جہاد کرنے والا آگ بھڑکانے والوں کی آگ کو بجھانے والا اور تمام قریش سے بڑھ کر فقر کا اختیار کرنے والا۔ خدا کی دعوت کو سب سے پہلے قبول کرنے والا امیر المومنینؑ اور تمام عالمین میں وصی نبی مخلوقوں کے لئے امین خدا اور جن کی طرف نبی بھیجے گئے ان سب کا خلیفہ مشرکین کا پراگندہ کرنے والا اور منافقین کے لئے خدا کے تیروں میں سے ایک تیر کلمۂ عابدین کی زبان اور دین خدا کا ناصر۔ ولی اللہ ولسان اللہ وکلمۃ اللہ وناصر اللہ۔ صندوقِ علم اللہ اور جائے پناہ دین اللہ امام الابرار پسندیدۂ خداوند جبار۔ سخی باذل۔ جری کامل۔ صابر وروزہ دار ہدایت یافتہ وپیش قدمی کرنے والا سخت چیزوں کو کاٹنے والا لشکروں کو متفرق کرنے والا۔ مالک الرقاب سب سے بڑھ کر مطمئین دل رکھنے والا۔ ارادوں کا مضبوط۔ باذل باسل۔ ہزبر ضرغام۔ اولوالعزم صاحب عقل کامل دشمنوں پر مثل برق کے حملہ کرنے والا اور خصم کو دلیل قاطع سے ساکت کردینے والا۔ کریم الاصل۔ شریف البذل۔ اس کا قبیلہ سب سے افضل۔ خاندان پاک وپاکیزہ صاحب امانت۔ بنی ہاشم۔ ابن عم نبی صلعم۔ امام ہادی۔ ہدایت ورشد کے ساتھ مہدی۔ فساد کا ترک کرنے والا۔ شیر میدان وغا۔ چودھویں کے چاند کے مثل روشن رہنے والا۔ صاحب قوت روحانی اور نور شعشعانی۔ سردار عرب ضیغم میدانِ وغا مومنین کی کسوٹی۔ ابو السبطین الحسن والحسین واللہ سچا امیر المومنین یعنی علی بن ابی طالب علیہ السلام کا غلام ہوں اور نیز کتاب کشی میں مذکور ہے کہ جب قنبر کو حجاج بن یوسف کے پاس لائے تو اس نے پوچھا کہ علی کی خدمتوں میں سے کون سی خدمت تمہارے متعلق تھی۔ فرمایا: کہ میں حضرت کے وضو کے لئے پانی لایا کرتا تھا۔ حجاج نے کہا کہ جب وضو سے فارغ ہوتے تھے تو کیا کہتے تھے؟ قنبر نے جواب دیا کہ اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے:۔ فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شی حتیٰ اذا فرحوا بما اوتوا اخذنٰھم بغتۃً فاذا ھم مبلسون فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للہ رب العالمین ☆ جس کا ظاہری ترجمہ یہ ہے۔

پس جب بھول گئے وہ لوگ اس نصیحت کو جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ہر چیز کے دروازے ان پر کھول دئے۔ یہاں تک کہ جب وہ پائی ہوئی چیز سے خوش ہوئے (تو) ہم نے ان کو دفعۃً گرفتار کیا پس وہ ناامید رہ گئے۔ پس ظالموں کی جڑ کاٹ ڈالی گئی اور سب تعریفیں خدا کے لئے ہیں جو تمام عالمین کا پالنے والا ہے حجاج نے کہا کہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ اس آیت کی تاویل ہم لوگوں کی شان میں کرتے تھے اور ہمیں لوگوں کو ظالم سمجھتے تھے۔ قنبر نے کہا ہاں! ایسا ہی ہے۔ حجاج نے کہا کہ اگر میں تمہاری گردن مارنے کا حکم دوں تو کیا ہو؟ فرمایا: کہ میں سعادت مندوں میں سے ہوں گا اور تو شقیوں میں سے۔ آخر اس ملعون نے

حکم دیا کہ قنبر کا سر جدا کیا جائے اور وہ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

عبید اللہ بن ابی رافع

ان کا اور ان کے بھائی کا کچھ حال ان کے والد ابراھیم بن ابی رافع کے حال میں گذر چکا ہے اور شیخ اجل ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ کی کتاب وفہرست میں مذکور ہے کہ عبید اللہ حضرت امیر علیہ السلام کے کاتب تھے اور حضرت کے قضایا کے بیان میں ایک کتاب لکھی ہے اور اسی طرح سے ان کی ایک کتاب ان صحابہ کے ذکر میں جو حضرت کے ساتھ جنگ جمل وصفین ونہروان میں حاضر تھے موجود ہے۔

صفی بن فیل

ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ حضرت امیر علیہ السلام کے خواص میں سے تھے اور ظاہراً یہ وہ ہیں جو حجر بن عدی وغیرہ کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

تمیم بن خدیم الناجی خدیم بکسر حا وسکون ذال المعجمہ وفتح یائے مثناۃ من تحت ان کے باپ کا نام ہے اور ان کا نسب ناجی ہے اور خود فرقہ ناجیہ سے ہیں اور کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ وہ خواص حضرت امیر علیہ السلام میں سے تھے اور تینوں لڑائیوں میں حضرت کی ہمراہی میں جہاد کیا اور بعض اصحاب نے بجائے خدیم کے خدلم بلام ذکر کیا ہے اور یہ اقرب بصواب ہے اور جوہری کی تحریر کے موافق ہے۔

تمیم بن عمر ان کی کنیت ابوجیشہ ہے اور حضرت امیر علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور سہیل بن حنیف کے پہونچنے تک حضرت کی طرف سے مدینہ میں عامل تھے

ثابت بن بنانی۔ بائے مضمومہ دونوں الف درمیان۔ ابن داؤد نے کہا ہے کہ بنائی نسبت ہے قبیلہ بنانہ کی طرف کنیت ان کی ابوفُضالہ ہے بدر میں پیدا ہوئے اور جنگ صفین میں حضرت امیر علیہ السلام کے ساتھ رہے اور وہیں شہید ہوئے۔

جُعدۃ الہمدانی۔ بضم جیم وفتح عین وتائے تانیث۔ ابن داؤد نے کہا کہ وہ قبیلۂ ہمدان سے تھے حضرت امیر ہمدان کے خواص میں سے تھے پھر حسنین علیہم السلام اور امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں پہونچے۔

حارث بن الربیع۔ ان کی کنیت ابوزیاد ہے ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ اصحاب امیر المومنین

علیہ السلام سے تھے اور مدینہ میں آپ کے عامل تھے۔

حارث بن قیس۔ ابن داؤد نے شیخ طوسی اور ابو عمر کشی سے نقل کیا ہے کہ وہ ممدوح ہیں اور جنگ صفین میں ان کا ایک پاؤں کٹ گیا تھا۔

حارث بن ہمام النخعی۔ اہل بدر اور راویان حضرت امیر علیہ السلام سے تھے۔

زیاد بن کعب بن مرحب۔ کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ رجال حضرت امیر علیہ السلام میں ہیں۔

زیاد بن عبید۔ بصرہ میں حضرت امیر علیہ السلام کے عامل تھے۔

زید بن وہب الجہنی۔ کتاب ابن داؤد اور کتاب فہرست میں مذکور ہے کہ وہ حضرت امیر علیہ السلام کے خواص میں سے تھے۔ اور حضرت جمعوں میں اور عیدوں میں جو خطبے پڑھا کرتے تھے ان کو جمع کیا کرتے تھے۔ ذہبی نے کتاب میزان میں لکھا ہے کہ زید بن وہب ثقات تابعین میں سے تھے اور سب نے ان کی روایت کے دلیل ہونے پر اتفاق کیا ہے مگر یعقوب فسوی نے اختلاف کیا ہے اور اپنی تاریخ میں کہا ہے کہ ان کی حدیث میں بہت خلل ہے لیکن فسوی حق پر نہیں ہے اس لئے کہ اس نے ان چند روایتوں کو جو ان سے واقع ہوئی ہیں ان کے نامعتبر ہونے کی دلیل قرار دیتا ہے۔ جس میں سے ایک روایت یہ ہے کہ عمر نے حذیفہ کو قسم دی کہ بتاؤ کہ میں منافقین میں سے ہوں یا نہیں؟ دوسری روایت یہ ہے کہ جب دجال نکلے گا تو دوستداران عثمان ان کے مطیع ہوں گے لیکن اس طرح کی روایتیں ان کی قادح نہیں ہوسکتیں اور اگر یہی ہو تو بہت سی حدیثوں کو رد کرنا لازم ہو جائے گا۔ حالانکہ زید سردار جلیل القدر تھے اور آخر ایام حیات جناب رسالت مآبؐ میں ہجرت کر کے حضرت کی خدمت میں آئے۔ ابھی اثناء راہ ہی میں تھے کہ حضرت صلعم نے وفات پائی اور انہوں نے عمر و عثمان اور حضرت امیر علیہ السلام سے روایت کی ہے اور بہت سے لوگوں نے ان سے روایت کی ہے اور ابن محیق وغیرہ نے ان کو معتبر مانا ہے یہاں تک کہ اعمش کہتے تھے کہ جب زید بن وہب کوئی حدیث کسی سے تمہارے پاس نقل کریں تو وہ حدیث یہ حکم رکھتی ہے کہ گویا تم نے خود اس شخص سے سنا ہے۔ ۹۰ھ سے قبل یا اس کے کچھ بعد وفات پائی یہ ذہبی کا خلاصہ کلام تھا۔

سالم بن ابی جعدہ۔ کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ وہ حضرت امیرؑ کے خواص میں سے تھے۔

مسلمہ بن کہیل البرقی۔ بن داؤد نے کہا ہے کہ وہ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کے خواص میں سے تھے۔

سلیمان بن مسہر بکسر میم و فتح ہا۔ ابن داؤد نے کہا ہے کہ انہوں نے حضرت امیر علیہ

السلام سے روایت کی ہے اور اس طرح خرشہ بجائے معجمہ و راو شین معجمہ فتوحات ابن الحر بجائے مہملہ مضمومہ و تشدد را سے بھی روایت کی ہے۔

سفیان بن یزید۔ کتاب خلاصہ و کتاب ابن داؤد میں ذکر ہے کہ وہ حضرت امیر علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور جنگ صفین میں خود معہ اپنے بھائیوں کے یکے بعد دیگرے حضرت کے علمبردار ہوتے رہے حتیٰ کہ سب نے شہادت پائی۔

شُرجُیل بضم شین و فتح را و سکون جائے مہملہ و یائے مفردہ و یائے مشناہ تحت ساکنہ۔ خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ اور ان کے بھائی شُمیر اور کریرا اور جُمیر اور بُریدہ۔ جنگ صفین میں یکے بعد دیگرے لڑتے رہے یہاں تک کہ سب کے سب قتل ہوئے۔

ظالم بن سراق الازدی بضم سین مہملہ کنیت ان کی ابوحضرہ ہے اور وہ مُہلب ...... کے باپ تھے ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ حضرت امیر علیہ السلام کے شیعہ تھے اور جنگ جمل میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ واللہ اگر اس سے قبل میں آپ کی خدمت میں مشرف ہوں تو کوئی ازدی آپ کے مقابلہ میں تلوار کھینچتا۔ پھر بصرہ میں وفات پائی اور حضرت امیر علیہ السلام نے انکے جنازہ پر نماز پڑھی۔

عامر بن شرجیل۔ بضم شین معجمہ و فتح را و سکون حائے مہملہ۔ ان کی کنیت ابو عمر ہے اور ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ ایک مرد فقیہ راویان حضرت امیر علیہ السلام میں سے تھے۔

عامر بن عبداللہ۔ ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ اصحاب حضرت امیر علیہ السلام میں سے تھے اور آٹھ مشہور زاہدوں میں سے تھے۔

عبایہ بن رفاعہ۔ بہائے مفردہ و یائے مشناۃ من تحت بن رافع بن خدیج الانصاری۔ ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ ساکن یمن اور راویان حضرت امیر علیہ السلام میں سے تھے۔

عبداللہ بن حجل۔ ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ خواص حضرت امیر علیہ السلام میں سے تھے

عبداللہ بن خباب۔ بجائے معجمہ و دو بائے مفردہ اول از ایشان مشددہ ان کے باپ کا نام ارتبر او تائے مشناۃ من فوق مشددہ۔ ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ حضرت امیر علیہ السلام کے خواص میں سے تھے اور خوارج نے قبل از جنگ نہروان انہیں شہید کر دیا۔

عبداللہ بن مسلمہ۔ خدمت حضرت امیر علیہ السلام میں تھے لیکن چونکہ جنگ صفین میں شریک نہیں ہوسکے تھے اس لئے بہت افسوس کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میں چاہتا تھا کہ تمام جنگوں میں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں ہوتا۔

عبداللہ بن شداد بن الہاد اللیثی۔ ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ حضرت امیر علیہ السلام کے

خواص میں سے تھے اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے بعض بیماریوں میں ان کی عیادت فرمائی ہے اور حضرت کے آنے کی برکت سے نوراً ان کا بخار جاتا رہا اور کتاب کامل بہائی میں مروی ہے کہ عبداللہ کہتے تھے کہ میں چاہتا تھا۔ "ممبر پر جاتا اور صبح سے نماز ظہر تک حضرت امیر علیہ السلام کے مناقب لوگوں سے بیان کرتا بس لوگ مجھے منبر پر سے کھینچ لیتے اور مار ڈالتے، ذہبی نے کتاب کاشف میں لکھا ہیکہ وہ ثقہ تھے اور واقعہ روز جبل میں شہید ہوئے۔

عبداللہ بن صامت۔ ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ حضرت ابوذر کے بھتیجے تھے اور بصرہ رہتے تھے اور مذہب شیعہ رکھتے تھے جو انہوں نے اپنے والد اور چچا سے میراث میں پایا تھا۔

عبداللہ بن خیر الخیونی۔ بجائے معجمہ ویائے مثناۃ تحت ساکنہ ونون۔ قبیلۂ خیوان کی طرف منسوب ہیں جو ہمدان کا ایک جز ہے اور دار قطنی نے جو محدثانِ اہل سنت سے ہیں اس لفظ کو حائے مہملہ کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن اشہر اول ہے۔ ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ حضرت امیر علیہ السلام کے خواص میں سے تھے۔

عبدالرحمن بن لیلہ۔ ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ عربی کوفی تھے اور تمام لڑائیوں میں حضرت امیر علیہ السلام کی ہمراہی میں جہاد کیا۔ حجاج بن یوسف علیہ اللعنہ نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کے دونوں مونڈھے سیاہ ہو گئے۔

علقمہ بن قیس۔ ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ اور ان کے بھائی اُبٰی جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

علی بن ربیعہ الوالبی الاسدی۔ ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ راویان حضرت امیر علیہ السلام میں سے تھے اور اپنے زمانے کے عابدوں میں تھے۔

عمر بن تھمن۔ کنیت ابومحیہ بدو حائے مہملہ ہے جنگ صفین میں زخمی ہوئے اور جب حضرت امیر علیہ السلام جنگ جمل کے لئے جا رہے تھے تو انہوں نے حضرت کے لشکر کے سامان میں ایک لاکھ درہم اپنے مال سے صرف کئے۔

عمر بن دینار الکوفی۔ ابن داؤد نے کہا ہیکہ وہ فاضل وثقہ اور ائمہ تابعین میں سے تھے۔

الفاکہۃ بن سعد۔ ابن داؤد نے کہا ہے کہ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

کعب بن عبداللہ۔ ابن داؤد نے کہا ہے کہ تمام جنگوں میں حضرت امیر علیہ السلام کے ہمراہ تھے۔

کلیان بن کلیب۔ ان کی کنیت ابو صادق ہے ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ خدمت حضرت امیر علیہ السلام اور حضرت امام حسن علیہ السلام وحضرت امام حسین علیہ السلام میں پہونچے اور ان سے روایت کی ہے۔

لوط بن یحیٰی الازدی۔ ان کی کنیت ابومخنف ہے۔ شیخ ابوعمر کشی نے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت امیر علیہ السلام سے روایت کی ہے اور شیخ ابوجعفر طوسی نے فرمایا ہے کہ یہ روایت میرے نزدیک غلط ہے اس لئے کہ انہوں نے حضرت سے ملاقات نہیں کی ہاں ان کے باپ یحیٰی آپ کے اصحاب میں سے تھے اور لوط مذکور کے تصانیف علم سیر میں کثیر ہیں منجملہ ان کے کتاب مقتل حضرت امام حسین علیہ السلام اور کتاب اخبار مختار کتاب مقتل محمد بن ابی بکر اور کتاب مقتل عثمان اور کتاب جمل وصفین اور کتاب خطبہ الزہرا اور اس کے مثل۔

منہال بن عمر الاسدی۔ راویان حضرت امام حسین علیہ السلام اور محبان علیؑ اور آل علی علیہم السلام میں سے تھے ابن داؤد نے کہا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت سے بھی مشرف ہوئے ہیں، سید فاضل امیر معین الدین شافعی نے رسالۂ معاویہ میں کہا ہے کہ ابن معین اور عجل منہال بن عمر کو ثقہ جانتے ہیں اور عادل کہا ہے پھر کہا ہے کہ حمید بن ہلال سے کسی نے منہال کا حال پوچھا انہوں نے کہا کہ وہ ثقہ ہیں ان کے امثال کے متعلق سوال نہ کرنا چاہیئے۔

ابن عدی نے کہا کہ منہال کے احادیث میں کوئی ضعف نہیں ہے اس لئے کہ انہوں نے ثقہ سے روایت کی ہے اور مسلم نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے۔ انتہا اور شیخ ابوعلی طبرسی نے تفسیر آیۂ "والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن" میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ مراد تجرہ معونہ سے بنی امیہ ہیں اور جناب رسالت مآبؐ نے خواب میں ان کی ذریت کو اذیت پہونچاتے ہیں منہال مذکور سے روایت کی ہے کہ منہال کہتے تھے کہ ایک روز میں خدمت جناب امام زین العابدین علیہ السلام میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ اے فرزند رسولؐ آپ نے کیسی صبح کی؟ حضرت نے فرمایا: کہ "جیسی صبح بنی اسرائیل آلِ فرعون کے زمانہ میں کرتے تھے کہ آل فرعون ان کے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور صبح کی بہترین خلق نے بعد رسول اللہ صلعم کے ایسی حالت میں کہ منبروں پر ان کے اوپر لعنت کی جاتی تھی اور صبح کی اس شخص نے کہ جو ہمیں دوست رکھتا ہے ایسی حالت میں کہ ہماری محبت کے سبب سے اس کا حق کم کر دیا گیا اور منجملہ اشعار منہال کے جو انہوں نے اغیار جفا کار کے اعتراض میں کہے ہیں یہ دو شعر بھی ہیں۔ **شعر**

يُعَظِّمُونَ لَهُ اَعْوَادَ مِنْبَرِهِ   وَتَحْتَ اَرْجُلِهِم اَوْلَادُهُم وَضَعُوا
بِاَیِّ حُكْمٍ بَنُوهُ يَتْبَعُوْ مِنْكُم   وَفَخْرُكُم اِنَّكُم صَحْبٌ لَهُم تَبَعُوا

"یعنی رسول اللہ صلعم کے سبب سے تو انکے منبر کی لکڑیوں کی تو تعظیم کرتے ہیں اور انکی اولاد کو پاؤں سے روندتے ہیں آخر رسولؐ صلعم کی اولاد کس حکم کی رو سے تمہاری متابعت کرے اور کیوں تمہاری پیروی کرے اس لئے کہ تمہارا فخر اور مرتبہ یہ ہے کہ تم ان کے مصاحب و پیرو ہو۔" اور انہیں دونوں بیتوں

کے مثل وہ دو بیتیں ہیں جو ابن سنان خفاجی نے کہ موستان تابھی سے ہیں کہی ہیں جن کا ماحصل یہ ہے:۔

منبروں پر تم اس شخص کی سب وشتم کرتے ہو جس کی تلوار کے سبب سے منبر کی لکڑیاں نصب ہو سکیں اور منبر تیار ہوا خدا کی قسم! اگر تیم اور عدی یعنی ابوبکر و عمر نے خلافت غصب نہ کی ہوتی تو یزید و زیاد کو ان مظالم کی مجال نہ ہوتی۔''

قدامہ السعیدی۔ اصحاب حضرت امیر علیہ السلام میں سے تھے اور شیخ ابوالفتوح نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب دوبارہ زمین بابل میں خداوند عالم نے آفتاب کو حضرت امیر علیہ السلام کی دعا سے واپس کیا تاکہ حضرت کی نماز قضا نہ ہو تو اس وقت قدامہ حضرت کے ہمراہ تھے اور انہوں نے اس بارہ میں چند شعر بھی کہے ہیں۔

مخنف بن سلیم الازدی۔ ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ عربی وکوفی اصحاب حضرت امیر علیہ السلام میں سے تھے اور آپ کو امیر الفاسقین (معاویہ) کے پاس لے گئے تھے۔

المہدی مولیٰ عثمان بن عفان۔ ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ پسندیدہ تھے اور محمد بن ابی بکر کی موجودگی میں حضرت امیر علیہ السلام سے اس بات پر بیعت کی کہ آپ کے دشمنان گذشتہ وآئندہ سے بیزار ہوں گا۔

النعمان بن صہبان۔ راویان حضرت امیر المومنینؑ میں سے تھے اور روز جنگ جمل حضرت نے فرمایا تھا کہ جو شخص مخالفین میں سے نعمان کے مکان پر پناہ لے لے وہ بے خوف رہے۔

نعمان بن عجلان۔ بنی زُرَیق بزائے مضموم ورائے مفتوحہ سے تھے اور بنی زریق انصار کے ایک گروہ کا لقب ہے جن میں کے اکثر مدینہ میں ہیں نعمان مذکور حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے بحرو بن عمان کے عامل تھے۔

نمیلۃ الہمدانی۔ ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ حضرت امیر علیہ السلام کے خواص میں سے تھے۔

ابوجند بن عبدی۔ اصحاب حضرت امیر علیہ السلام میں سے تھے اور جنگ جمل میں عائشہ کے اونٹ کا ایک پاؤں کاٹا تھا۔

ابوالجوشہ۔ بجیم وواو وشین معجمہ کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ جس روز حضرت امیر علیہ السلام کوفہ سے صفین کی طرف متوجہ ہوئے تو حضرت نے اپنا علم ابوالجوشہ کو دیا اور مہاجرین کا علم نوح بن حارث بن عمر مخزومی کو اور انصار کا علم قرضہ بن کعب کو اور جاۃ کا علم عبداللہ بن بگیر کو اور ہذبل کا علم عمر بن ابی عمر عدلی کو اور ہمدان کا علم رفاعہ بن ابی رفاعہ ہمدانی کو دیا اور مقدمہ لشکر ابولیلہ بن حمزہ تھے۔

ابوحیہ۔ بجائے مہملہ ویائے مثناۃ تحت۔ طارق بن شباب الاحمسی اہل کوفہ اور ملازمین خاص علی مرتضٰی علیہ السلام میں سے تھے۔

ابوزید مولائے عمر بن حریث۔ انہوں نے تمام لڑائیوں میں حضرت امیر علیہ السلام کی ہمراہی میں جہاد کیا۔

ابوسعید عُقیقہ۔ بضم عین وبعدازاں قاف حضرت امیر علیہ السلام کے خاص اصحاب میں سے تھے۔

ابوالسفاح البجلی۔ حضرت امیر علیہ السلام کے اصحاب میں سے پہلے شخص ہیں جو جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

ابوشمر بن ابرہہ بن الصباح الحمیری۔ اہل شام سے تھے اور ایک گروہ اہل شام کا ان کے ہمراہ تھا صفین اہل بغاوت سے علیحدہ ہو کر معہ اپنے ہمراہیوں کے حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں چلے آئے۔

ابوطبیان۔ بطائے مہملہ وبائے مفردہ ویائے مثناۃ تحت۔ حضرت امیر علیہ السلام کے اصحاب خاص سے تھے۔

ابوقرۃ القاضی الکندی۔ راویان حضرت امیر علیہ السلام میں سے تھے۔

ابوعمرۃ الانصاری۔ یہ بھی حضرت کے راویوں میں سے تھے۔

ابوعمر الفارسی۔ ان کا نام زاذان بزائے معجمہ وذال معجمہ خواص اصحاب جناب امیرؑ میں سے تھے۔

ابویحیٰ حکیم بن سعد النخعی۔ شرط الخمیس میں سے تھے۔

ابوالاسود ظالم بن عمر الدیلمی البصری۔ سادات تابعین اور ان کے اعیان میں تھے اور حضرت امیر علیہ السلام کے مصاحب تھے اور جنگ صفین میں ہمراہ تھے اور رائے وعقل میں اکمل رجال تھے اور یہ پہلے شخص ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام کے فرمانے سے علم نحو کو جمع کیا۔

جلال الدین سیوطی نے طبقات اللغات میں کہا ہے کہ وہ پہلے موسّس نحو ہیں یعنی نحو کی بنا انہیں سے شروع ہوئی ہے جیسا کہ ہم نے مقدمات الطبقات الکبریٰ میں ذکر کیا ہے اور ہم نے اس اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے جو واضع اول نحو کے بارہ میں ہے اور سبب اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے اور انکے نام ونسب میں اختلاف کثیر ہے جس کا ذکر بھی ہم نے طبقات میں کیا ہے اور یہ راویان تابعین میں سے تھے اور رائے وعقل میں اکمل وارشد رجال تھے اور شیعہ وشاعر وحاضر جواب وثقہ فی الحدیث تھے امیر المومنین علیہ السلام اور ابن عباسؓ اور ابوذر وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹے اور یحیٰ بن عمر نے روایت کی ہے جنگ صفین میں حضرت امیر علیہ السلام کے ہمراہ تھے اور معاویہ کے پاس گئے تو اس نے ان کی بڑی تعظیم وتکریم کی اور بڑا انعام دیا اور ان کو قاضی بصرہ بنایا اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مصحف میں نقطے دئے جاحظ نے کہا ہے کہ ابوالاسود کا شمار تابعین وفقہا ومحدثین وشعراء وامراء وعقلاء اور نحویین میں ہے اور یہ

حاضر جواب اور شیعہ تھے ۶۹ھ میں بمرض طاعون انتقال ہوا زمخشری نے کتاب ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ معاویہ نے ابوالاسود کے پاس بہت سے ہدیئے بھیجے جن میں حلوا بھی تھا جب ابوالاسود کی لڑکی کی نظر اس پر پڑی تو پوچھا کہ یہ ہدیہ کس کا ہے ابوالاسود نے جواب دیا کہ معاویہ نے بھیجا ہے تا کہ ہم کو ہمارے دین میں دھوکا دے تو اس لڑکی نے فوراً یہ دو شعر کہے:۔ شعر

ابا الشھد المزعفر یا ابن حرب نبیع علیک احسانا و دینا

معاذاللہ کیف یکون ھذا ومولانا امیر المومنینا

''یعنی اے حرب کے بیٹے (معاویہ) کیا زعفران ملے ہوئے شہید کے عوض میں ہم اپنا دین اور نیکیاں تیرے ہاتھ بیچ ڈالیں گے؟ معاذ اللہ یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ ہمارے مولا امیر المومنین علیہ السلام ہیں''۔ سید اجل مقتدی امیر مرتضٰی علم الھدیٰ کتاب عزر من الفوائد و دُرَرُ القلائد میں فرماتے ہیں کہ ابوالاسود حاضر جواب شیریں کلام لطیفہ سنج تھے۔ یہاں تک کہ شعبی نے انتہائی تعجب سے ان کے حق میں کہا ہے کہ ''خدا ابوالاسود سے قتال کرے وہ کس قدر حاضر جواب اور خوش بیان ہیں۔'' اور منجملہ کے لطیفوں کے ایک یہ بھی ہے کہ جب مقام نخیلہ میں معاویہ سے ملے تو معاویہ نے ان سے پوچھا کہ ''سنا ہے جنگ صفین کے فیصلہ کرنے کے لئے تمہارے حکم ہونے کا بھی ذکر ہوا تھا۔ ابوالاسود نے کہا کہ ہاں! معاویہ نے کہا کہ اگر تمہیں حکم بناتے تو تم کیا کرتے؟ جواب دیا کہ ہزار آدمیوں کو مہاجرین میں سے اور ہزار کو انصار میں سے جمع کرتا اور ان سے پوچھتا کہ ''ایھا الناس! آیا خلافت رسول خدا صلعم کے لئے ایک مرد مہاجرا حق و اولٰی ہے یا ایک ایسا شخص کہ جس کو حالت کفر میں مسلمانوں نے قید کیا ہو اور پھر غلامی سے آزاد کیا ہو! معاویہ نے یہ سنکر کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے تیرے شر سے مجھے بچایا۔''

منقول ہے کہ ابوالاسود حضرت امیر علیہ السلام کی محبت کے سبب سے چاہتے تھے کہ حکم قرار پائیں اور حضرت سے عرض کرتے تھے کہ ابوموسٰی اشعری کے حکم ہونے پر راضی نہ ہوجیئے! میں اس کا امتحان لے چکا ہوں اور آزما چکا ہوں اور اچھی طرح سے دیکھا بھالا ہے میں خوب جانتا ہوں کہ وہ آپ کی دشمنی سے خالی نہیں ہے اور ناصبیان یمن میں سے ہے۔ اگر ممکن ہو تو آپ مجھے حکم قرار دیجئے تا کہ اس طرح کا حکم جو عقدۂ مشکل حل کرے گا میں اس سے زیادہ مشکل پیش کروں گا اور اگر بسبب صحابی نہ ہونے کے میرا حکم ہونا قبول نہ کریں تو مجھ کو ابوموسٰی کا شریک بنایئے تا کہ اس کی حفاظت کرتا رہوں لیکن مخالفین جس طرح سے ابن عباس کے حکم ہونے پر راضی نہ ہوئے۔ اسی طرح سے ابوالاسود کی شرکت گوارا نہیں کی اور کتاب عزر اور تفسیر شیخ ابوالفتوح رازی میں مذکور ہے کہ ابوالاسود قبیلۂ بنی قشیر میں اترے چونکہ یہ شیعہ تھے اور وہ لوگ ناصبیان مجبر و تھے رات کے وقت ان پر پتھر پھینکتے تھے اور جب صبح ہوتی تھی تو ابوالاسود ان

کی ملامت کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ ہم نے پتھر نہیں مارا بلکہ خدا نے مارا ہے ابوالاسود نے کہا کہ خدا پر بہتان نہ کرو کیونکہ اگر اللہ نے مارا ہوتا تو وہ خطا نہ کرتا۔ پھر لوگوں نے خواہش کی اور وہ بڑی دیر تک مداحی اہل بیتؑ کرتے رہے اور وہ مدح اہل بیتؑ بہت کیا کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ کب تک علیؑ کی مدح کروگے انہوں نے جواب میں اشعار پڑھے جن کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے:۔

رذیل بنی قشیر کہتے ہیں کہ یہ کبھی علیؑ کو نہیں بلاتا میں محمدؐ و عباسؓ و حمزہؓ و وصی رسول علی بن ابی طالبؑ کو بہت دوست رکھتا ہوں اور جب سے اسلام کی چکی گردش میں ہے جب ہی سے مجھ کو ان کی محبت ہے پس اگر ان کی محبت ہدایت ہے تو میں اس ہدایت کو پہونچ جاؤں گا اور گر معاذ اللہ گمراہی ہے جب بھی میں خطا کار نہیں ہوں۔'' تو لوگوں نے کہا کہ اس آخری شعر میں تم نے شک کا پہلو ظاہر کیا جواب دیا کہ پس خداوند عالم نے بھی اس طرح کا شک کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔'' اِنَّا وَاِیَّاکُمْ لَعَلیٰ ھُدًا اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْن ''یعنی ہم اور تم یا ہدایت پر ہیں یا کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں ابوالاسود کا یہ مطلب تھا کہ یہ شک نہیں ہے بلکہ مخاطب کے شک کا خیال کر کے متکلم اس طرح کی بات کرتا ہے پھر کتاب عزر میں روایت ہے کہ ایک روز ابوالاسود نے بنی قشیر سے کہا کہ تم سے بڑھ کر میں عرب کے کسی گروہ کے باقی رہنے کا خواہشمند نہیں ہوں ان لوگوں نے سبب دریافت کیا۔ جواب دیا اس لئے کہ جو کام تم کرتے ہو میں جانتا ہوں کہ محض گمراہی و خطا ہے لہٰذا اس سے پرہیز کرتا ہوں اور جو کام تم چھوڑ دیتے ہو میں جانتا ہوں کہ وہی عین ہدایت ہے لہٰذا میں بجالاتا ہوں۔ نیز عزر میں مذکور ہے کہ عبید اللہ بن زیاد نے ابوالاسود سے کہا کہ اگر تم بڈھے نہ ہوتے تو میں تم سے طلب امداد کرتا ابوالاسود نے کہا کہ اگر کشتی لڑنے کے لئے مجھے چاہیئے ہو تو مجھ سے بے شک نہیں ہوسکتا لیکن اگر مجھ سے رائے لینا مقصود ہے تو یہ قوت مجھ میں بہ نسبت پہلے کے اب زیادہ ہے ایک دن لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ ظرف علم اور حلم ہیں لیکن عیب اتنا ہے کہ بخیل ہیں انہوں نے جواب دیا کہ برتن کی خوبی بھی یہی ہے کہ وہ ممسک ہو یعنی جو چیز اس میں رکھی جائے وہ ضائع نہ ہو اور اگر ظرف ایسا نہ ہوا تو معیوب ہے ایک اعرابی نے ابوالاسود پر سلام کیا ابوالاسود نے کہا کہ یہ تو کہی ہوئی بات ہے ایک اعرابی نے کہا کہ مجھ کو اترنے کی اجازت ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تیرے لئے زیادہ وسیع ہے۔ اس نے پوچھا کہ آپ کے پاس کچھ ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! اس نے کہا کہ مجھے کچھ کھلایئے! جواب دیا کہ میرے عیال تجھ سے زیادہ حق دار ہیں۔ اس نے کہا کہ میں نے تم سے زیادہ بخیل کسی کو نہیں دیکھا۔ جواب دیا کہ تو اپنے کو بھول گیا۔ ایک شخص نے کچھ مانگا۔ ابوالاسود نے نہیں دیا۔ اس نے کہا کہ تم نے حاتم کی ایسی صبح نہیں کی۔ جوابدیا کہ میں نے ایسی صبح کی جسے تو سمجھ نہیں سکتا حاتم ہی نے وہ شعر کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے:۔ کہ ''عطا وہ ہے جو بغیر زجر و توبیخ کے دیا جائے۔'' کتاب ربیع الابرار میں مذکور

ہے کہ زیاد بن ابیہ نے ابوالاسود سے کہا کہ دوستی حضرت امیر علیہ السلام جو تمہارے دل میں ہے اس کی کیا کیفیت ہے جوابدیا کہ حضرت کی دوستی میری مالداری و تونگری کو اس طرح زیادہ کرتی ہے کہ جیسے معاویہ کی دوستی تیرے لئے لیکن میں علیؑ کی دوستی سے آخرت چاہتا ہوں اور تو معاویہ کی دوستی سے دنیا اور صاحب کشاف نے کتاب ربیع الابرار میں ابوالاسود کے وہ دوشعر لکھے ہیں جنکا خلاصہ یہ ہے کہ "اے محبت آل محمدؐ میں ملامت کرنے والے! تیرے منہ میں پتھر ہے خواہ تو اپنی ملامت کو زیادہ کر خواہ کم:۔ شعر

هر کرا هست با علیؑ کینه　　دامن مادرش نمازی نیست

ابان بن تغلب بن ریاح بن سعید جریری

ان کا نسب بکر بن وائل تک منتہی ہوتا ہے اور یہ اپنے زمانہ کے قاری اور عالم تھے اور تمام وجوہ قرأت سے واقف تھے اور خود اپنی قرأت علیحدہ رکھتے ہیں جو قرّہ میں مشہور ہے اور علم و تفسیر و حدیث و فقہ و لغت و نحو میں امام زمانہ تھے کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ انہوں نے تیس ہزار حدیثیں حضرت صادق علیہ السلام سے حفظ کی تھیں اس کی تصانیف بکثرت ہیں مثل تفسیر غریب القرآن اور کتاب فضائل اور اس کی احوال صفین وغیرہ اور کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ ابان ہمارے اصحاب میں ثقہ اور جلیل القدر و عظیم المنزلت ہیں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام و امام محمد باقرؑ امام جعفر علیہم السلام کی خدمت میں پہونچے ہیں اور ان کی مہربانیوں سے مشرف ہوئے ہیں اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ان سے فرمایا تھا کہ مسجد مدینہ میں بیٹھو اور لوگوں کو فتوے دو میں دوست رکھتا ہوں کہ میرے شیعوں میں تم ایسے لوگوں کو دیکھیں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ اہل مدینہ سے مناظرہ کرو اس لئے کہ میں دوست رکھتا ہوں کہ میرے راویان و رجال تم ایسے ہوں۔ ابان نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی حیات میں وفات پائی جب حضرت کو خبر پہونچی تو آپ نے ان کے لئے دعائے رحمت فرمائی اور بقسم ارشاد فرمایا: کہ ابان کی موت سے میرے دل کو صدمہ ہوا۔ ان کی وفات ۱۴۱ھ میں ہوئی اور حضرت صادق علیہ السلام نے ان کو ان کے وقت وفات کی خبر دیدی تھی۔ شیخ نجاشی نے روایت کی ہے کہ جب ابان مدینہ جاتے تھے تو لوگ ان سے حدیثیں سنتے اور مسائل دینیہ حاصل کرنے کے لئے اس قدر جمع ہوتے تھے کہ سوائے ستون مسجد کے جو ان کے لئے خالی رکھا جاتا تھا اور کہیں جگہ خالی نہ رہتی تھی اور اسی طرح عبداللہ بن حجاج سے روایت کی ہے کہ ایک دن مجلس ابان بن تغلب میں تھا کہ ناگاہ ایک شخص داخل ہوا اور ابان سے پوچھا کہ اے ابوسعید صحابہ پیغمبر میں سے کتنے آدمیوں نے حضرت امیرؑ کی پیروی کی؟ ابان نے جواب دیا کہ شاید تم علیؑ کی فضل و بزرگی ان اصحاب کے ذریعہ سے پہچاننا چاہتے ہو کہ جنہوں نے حضرت کی پیروی کی؟

اس نے کہا کہ ہاں! میرا مقصود یہی ہے ابان نے کہا قسم خدا کی! میں صحابۂ رسول صلعم کے لئے بغیر امیر المومنینؑ کی متابعت کے کوئی فضیلت ہی نہیں سمجھتا۔

ذھبی نے ابتدائے کتاب میزان میں لکھا ہے کہ ابان بن تغلب سخت شیعہ تھے لیکن سچے تھے پس ان کی سچائی ہمارے لئے ہے، اور ان کی بدعت ان کے لئے اور کہا ہے کہ احمد بن خلیل اور ابن معین اور ابوحاتم ان کو ثقہ کہتے ہیں اور ابن عدی نے ان کا ذکر کیا ہے اور کہا کہ تشیع میں غالی تھے پھر ذہبی نے ایک سوال کیا ہے کہ بدعت کرنے والے کے ثقہ ہونے کا حکم کیونکر دیا جا سکتا ہے حالانکہ عدالت جو ثقہ کے لئے لازمی ہے منافی بدعت ہے پھر خود ہی اس سوال کا جواب یوں دیا ہے کہ غلوی تشیع اور تشیع بلا غلو تابعین اور تبع تابعین میں بہت تھا باوجودیکہ سب کے سب دیندار اور صاحب ورع و صداقت تھے پس اگر ان سب لوگوں کی حدیث رد کر دی جائے تو بہت سی احادیث نبویہ ضائع ہو جائیں۔

یہ وہ سو (۱۰۰) آدمی بلکہ زیادہ ہیں کہ جنہوں نے حضرت امیر علیہ السلام کی محبت اور اکثر نے آپ کی ملازمت حاصل کی اور یہ سب کے سب تشیعہ تابعین میں سے تھے اور حضرت امیر علیہ السلام کی رائے کے تابع تھے۔ اگرچہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مثلاً وہ لوگ کہ جو سبطین علیہما السلام کی خدمت میں شہید ہوئے یا اور ان کے اصحاب پسندیدہ لیکن اس خاکسار نے برعایت اختصار اسی پر اکتفاء کی ہے اس لئے کہ ان سب کا ذکر کرنا مشکل بلکہ قریب بمحال ہے اس لئے کہ تابعین اور تبع تابعین میں شیعوں کی کثرت حد سے زاید تھی چنانچہ ابن عاصم کوفی نے کتاب فتوح میں اس کی تصریح کی ہے اور ذہبی نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے جیسا کہ گذرا بلکہ ذہبی نے کتاب میزان میں قریب چار سو (۴۰۰) آدمیوں کے فضلائے شیعیان تابعین میں سے بتفصیل نام بنام ذکر کئے ہیں اور اکثر کو ان میں سے صدوق اور ثقہ کہا ہے۔ نیز کتاب انساب سمعانی میں بھی بہت سے عدول فضلائے تابعین شیعہ کا ذکر کیا ہے نیز میر صدر الدین محمدؒ شیرازی اور مولانا جلال الدین محمد دوّانی نے اپنے حواشئ جدیدۂ تجرید میں صیغۂ افعل التفضیل کے بیان میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ ابتداء سے لیکر ہمارے زمانہ تک ہر زمانہ میں علمائے شیعہ بکثرت ہوئے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جن لوگوں نے سلیمان بن حرد خزاعی یا ان کے بعد مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کا ساتھ دیا اور بنی امیہ پر خروج کیا وہ سب شیعہ تابعی تھے اور حضرت امیر علیہ السلام اور دیگر صحابہ تک پہونچے تھے اسی طرح سے وہ لوگ جو زمانہ بنی امیہ اور بنی عباس میں بزرگان سادات علویہ مثل زید بن علی اور ابراہیم محمد و یحییٰ کے ہمراہ تھے وہ سب شیعہ تھے اور ابوسلمۂ خلال جو رئیس اہل عراق تھے وزیر آل محمدؐ کے نام سے مشہور تھے اور تین سو برس تک خلفائے اسمٰعیلی کی سلطنت مغرب و مصر و شام و خلب و حرمین شریفین

میں رہی جس کا ذکر کتب تاریخ میں مذکور ہے۔ نیز دیا کہ اور ان کے بادشاہ اور آل کا بویہ اور آل ہمدان وغیرہ یہ سب شیعہ تھے نیز خلفائے عباس کے زمانہ میں شیعیان بغداد کا غالب ہونا خصوصاً باہل کرخ میں جس کا بیان کچھ ہو چکا ہے اور آیندہ بھی ہوگا تاریخ دیکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے اور بھی حال سادات رفیع الدرجات اہل مدینہ کا ہے جن کا ذکر اس وقت تک امامی اثنا عشری تھے اور ہیں اور نہ تقیہ کیا ہے اور نہ کریں گے۔

اسی طرح سے سادات شرافت آیات مکہ معظمہ کے جو شیعہ جارودی زیدی ہیں اور کبھی اپنے مذہب کو نہیں چھپاتے ہیں بلکہ ان کے غلبہ کے سبب سے اہل سنت ان کی خوشامد کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مذاہب شیعہ میں سب سے بہتر مذہب اصحاب زید بن علیؑ کا ہے۔ اسی طرح سے سادات عراق عرب مثل آل کمونہ کے جو اولاد عبید اللہ ثالث سے ہیں کہ جن کی کثرت کے سبب سے اہل عراق کہا کرتے تھے کہ زمین و آسمان اولاد عبید اللہ کا ہے اور یہی حال سادات عالی درجات موسوی و رضوی کا ہے جو زمانہ قدیم سے مشہد مقدس کے نقیب رہے اسی طرح سے سادات سلطنت آیات مرعشیہ آمل و مازندران اور سادات اخیار بنی مختار جو بنی عباس کے زمانہ میں امیر الحج اور متولی نجف اشرف و کربلائے معلیٰ رہتے تھے۔

اور پھر سبزوار آئے اور تمام اہل خراسان کے مرجع رہے۔

اسی طرح سے سادات علی مرعشیہ شوشتر جو مثل اپنے بزرگوں کے غلام با اخلاص امیر المومنین حیدرؑ اور غیرت افزائے سلمان و بوذر رہے ہیں لیکن باوجود شیعوں کی اس کثرت کے سعد الدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ شیعوں میں کسی زمانہ میں اتنے آدمی جمع ہوئے ہی نہیں کہ تواتر ہو سکے۔

یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواههم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون

تمام شد مجلس چہارم

قطعہ

خیریت سے لیجئے یہ چوتھی مجلس چھپ گئی
ہو گئے ہیں حاسدوں کے جس سے عقل و ہوش گم
اب دعا کرتا ہے انجمؔ یہ بفضل پنجتن
جلد چھپ جائے الٰہی مجلس پنجم ششم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجلس پنجم

بعض اکابر و بزرگان مفسرین و محدثین و فضلائے فقہا و مجتہدین اعیان نجمات لغوئین کے بیان میں جو تبع تابعین میں سے تھے ابو خالد کابلی اپنی کنیت سے مشہور تھے اور ان کا نام کنکر تھا اور تابعین نے کہا ہے کہ ان کا نام وردان تھا جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے ابتدا میں کیسانی مذہب تھے اور جناب محمد حنفیہ کی امامت کے قائل تھے۔ ایک دن سوال کیا اور کہا کہ آپ کو میں جناب رسالت مآبؐ و حضرت امیر المومنینؑ کی حرمت کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں کہ مجھے اتنا بتا دیجئے کہ آیا بعد حسینؑ ابن علی علیہ السلام کے آپ ہی امام ہیں اور آپ ہی کی اطاعت خلق پر واجب ہے محمد حنفیہ نے جواب دیا کہ اے ابو خالد چونکہ تم نے مجھے بہت بڑی قسم دی لہٰذا میں تمہیں بنائے دیتا ہوں کہ امام مفترض الطاعت مجھ پر اور تجھ پر اور تمام خلائق پر علی ابن الحسین علیہ السلام ہیں یعنی امام زین العابدین علیہ السلام ہیں یہ سن کر ابو خالد حضرت کے درِ دولت پر حاضر ہوئے اور بعد حصول اجازت شرف حضوری مجلس کے مشرف ہوئے جب حضرت کے پاس پہونچے تو آپؐ نے فرمایا مرحبا یا کنکر تم تو ہماری زیارت کو نہیں آیا کرتے تھے یہ کیا ہوا ابو خالد نے جب اپنا اصلی نام جو سوا اس کے ماں باپ کے کوئی نہیں جانتا تھا حضرت کی زبان سے سنا تو فوراً سجدۂ شکر میں جھک گئے اور عرض کی کہ شکر ہے اس خدا کا کہ جس نے مجھے اس وقت زندہ رکھا کہ میں نے اپنے امام کو پہچان لیا حضرت نے فرمایا: کہ تو نے اپنے امامؑ کو کیونکر پہچانا عرض کی کہ آپ نے میرا وہ نام لیا جو سوائے میرے ماں باپ کے اور کوئی نہیں جانتا تھا دوسرے یہ کہ میں مدت سے محمد ابن حنفیہ کی خدمت میں تھا اور کبھی ان کی امامت میں مجھے شک نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ ایک روز خود بخود میرے دل میں آیا اور میں نے ان کو جناب رسالت مآبؐ اور حضرت امیر علیہ السلام کی قسم دیکر تحقیق حال کیا تو انہوں نے مجھے آپ کی طرف ہدایت کی اور فرمایا: کہ آپ ہی وہ امام ہیں کہ جس کی اطاعت خدا نے فرض کی ہے اور کتاب کشی میں یحییٰ ابن ام الطویل کے حالات میں لکھا ہے کہ حجاج ابن یوسف علیہ اللعن نے چند شیعوں کو جس میں ابو خالد تھے طلب کیا اور بعضوں کو ان میں سے قتل کر دیا ابو خالد مکہ کی

طرف بھاگ گئے اور وہاں پوشید ہو گئے نیز اسی کتاب میں لکھا ہے کہ خالد مدت تک امام علیہ السلام کی خدمت میں رہنے کے بعد اپنے وطن جانے کا ارادہ کیا حضرت نے رائے نہیں دی انہوں نے عرض کی کہ میں اپنی مادر پیر کے دیکھنے کا مشتاق ہوں چونکہ حضرت محض اس سبب سے روک رہے تھے کہ ان کو کچھ خرچ راہ عنایت فرمائیں جب انہوں۔نے بہت اصرار کیا تب حضرت نے فرمایا: کہ اے ابو خالد کلہ اہل شام سے ایک شخص مالدار آئے گا اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی ہوگی جس پر جن کا اثر ہو گیا ہے وہ اس کے علاج کی کوشش کرے گا جب وہ آئے تو تم اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ تیری لڑکی کا علاج اس شرط سے کروں گا کہ دس ہزار درہم مجھ کو دئے جائیں جب اس کے اور تمہارے درمیان میں یہ امر طے ہو جائے تو تم میرے پاس آنا میں تمہیں ایسی خبر بتادوں گا کہ جس کے سبب سے اس کو شفاء ہو جائے چنانچہ دوسرے دن بموجب حضرت کے فرمانے کے وہ شخص جورؤسائے اہل شام میں سے تھا آیا اور معالج کی تلاش کرنے لگا ابو خالد اس کے پاس گئے اور کہا کہ میں اس شرط سے علاج کروں گا کہ مجھے دس ہزار درہم دو اگر تم اس شرط کو پورا کرو گے تو ہرگز یہ مرض عود نہ کرے گا جب یہ شرط طے ہو گئی تو وہ حضرت کی خدمت میں آئے اور خبر دی آپ نے ارشاد فرمایا: کہ میں جانتا ہوں کہ وہ ابھی شرط کو پوری نہ کرے گا لیکن تم جاؤ اور لڑکی کا بایاں کان پکڑ کر کہو کہ اے خبیث علی ابن الحسین علیہما السلام نے تجھے حکم دیا ہے کہ تو نکل جا اور پھر واپس ہوا ابو خالد گئے اور کلمات لڑکی کے کان میں کہے فوراً وہ خبیث دور ہو گیا اور لڑکی ہوش میں آ گئی ابو خالد نے اپنی شرط کے موافق دس ہزار درہم مانگے لیکن ان لوگوں نے انکار کر دیا یہ غمگین حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے فرمایا: کہ میں تمہیں غمگین دیکھتا ہوں بظاہر جیسا میں نے کہا تھا وہی ہوا لیکن تم خوش رہو کہ وہ پھر تمہارے پاس آئیں گے اب ان سے کہنا کہ میں اس وقت تک علاج نکروں گا کہ جب تک دس ہزار درہم علی ابن الحسین علیہما السلام کے پاس رکھوا نہ دو الغرض ایسا ہی ہوا پھر مرض نے عود کیا اور وہ لوگ ابو خالد کے پاس آئے ابو خالد نے بھی وہی شرط پیش کی جب ان لوگوں نے روپیہ حضرت کے پاس رکھوا دیا تب ابو خالد گئے اور لڑکی کے کان میں کہا کہ اے خبیث علی ابن الحسینؑ تجھ کو حکم دیتے ہیں کہ تو اس لڑکی سے دور ہو جا اور اس کے سامنے سوائے اچھے طریقہ کے نہ آ اگر تو واپس نہ ہوا تو میں تجھ کو اللہ کی ایسی بھڑکتی ہوئی آگ سے جلادوں گا جو دلوں تک پہونچ جاتی ہے پس وہ خبیث چلا گیا اور پھر واپس نہیں ہوا۔حضرت نے مال مذکور ابو خالد کو عطا فرمایا جسے لیکر وہ وطن کی طرف واپس ہوئے۔

ابوحمزۃ الثمانی

ان کا نام **ثابت ابن دینار** ہے اور کنیت **ابو صفیہ** ہے کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ جناب امام زین العابدین امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہم السلام کے راویوں میں سے تھے اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں پہونچے تھے یا نہیں۔ شیخ ابو عمرو کشی نے کہا ہے کہ میں نے ابو عبداللہ محمدؐ ابن نعیم کی تحریر میں دیکھا تھا کہ میں نے فضل ابن شاذان سے سنا ہے انہوں نے کہا کہ میں نے ایک ثقہ سے سنا اور اس ثقہ نے کہا کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے سنا ہے کہ حضرت فرماتے تھے: کہ ابو حمزہ اپنے زمانہ مین مثل سلمان کے ہیں جنہوں نے ہم میں سے چار بزرگواروں کی خدمت کی علی ابن الحسینؑ محمد بن علیؑ جعفر ابن محمد موسیٰؑ ابن جعفر علیہم السلام اور بعض محدثین اہل سنت نے بھی ابو حمزہ کو ثقہ قرار دیا ہے اور ان سے بہت سی روایتیں کی ہیں ۱۵۰ھ ہجری میں حمزہ کی وفات ہوئی ان کے تین بیٹے۔نوح و منصور و حمزہ زید ابن علیؑ کے ساتھ قتل ہوئے اور کتاب نجاشی میں لکھا ہے کہ ابو حمزہ ثمانی مولائے کوفی ثقہ تھے اور آلِ محلب ابن ابی صفرہ ان کی غلامی کا دعویٰ کرتے تھے لیکن وہ ان کے غلام نہ تھے۔ اور روایت حدیث میں معتمدین وثقات اور اخیار اصحاب میں سے تھے۔ کتاب تفسیر و کتاب نو اور حدیث اور کتاب زہد انہیں کی تصنیفات میں سے ہیں۔

کتاب میزان ذہبی میں مذکور ہے کہ ثابت ابن ابی صفیہ ابو حمزہ ثمانی محلب ابن ابی صفرہ کے مولا تھے اور یہ روایت ذہبی نے انس اور سعبی اور یک گروہ سے کی ہے اور وکیع اور ابو نعیم اور یک جماعت علمائے اہل سنت نے ابو حمزہ نمالی سے روایت کی ہے لیکن احمد بن حنبل اور ابن معین نے کہا ہے کہ وہ کچھ نہیں ہے اور ابو حاتم نے لین الحدیث یعنی نرم بات کرنے والا ہے۔ اور نسائی کہا ہے کہ وہ ثقہ نہیں تھے اور عبداللہ ابن موسیٰ سے نقل کیا ہے کہ ایک روز میں ابو حمزہ نمالی کے پاس تھا کہ اتنے میں عبداللہ ابن مبارک آئے پس ابو حمزہ نے عثمان کے باب میں ایک حدیث بیان کرنا شروع کی جس میں عثمان پر طعن تشیع کرتے تھے پس عبداللہ ابن مبارک اُٹھ گئے اور جو کچھ روایتیں اور حدیثیں اس سے لکھی تھیں پھاڑ ڈالیں اور باہر چلے گئے اور سلیمان نے ان کو رافضیوں کی ایک قوم میں شمار کیا ہے)

یہ ذہبی کا کلام تھا جس سے اس قدر ظاہر ہو گیا کہ ابو حمزہ فضلا اور اکابر فن حدیث میں سے تھے یہاں تک کہ وکیع اور ابو نعیم اور عبداللہ ابن مبارک کے ایسے علمائے اہل سنت ان سے استفادہ کرتے تھے اور شیخ ابو علی طبری نے بھی کتاب احتجاج میں ابو حمزہ سے نقل کیا ہے کہ ایک روز حسن بصری خدمت میں امام محمد باقر علیہ السلام میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں آپ کے پاس بعض آیات کلام الٰہی کے معنی پوچھنے

کے لئے آیا ہوں حضرت نے فرمایا: کہ کیا تم بصرہ کے فقیہ نہیں ہو حسن نے کہا کہ لوگ کہتے تو ایسا ہی ہیں حضرت نے فرمایا: کہ تمام اہل بصرہ تم سے مسائل پوچھتے ہیں جواب دیا ہاں۔ حضرت نے فرمایا: تم نے ایک بڑا کام اپنی گردن پر لیا ہے اور مجھ تک تمہاری ایک خبر پہونچی ہے میں نہیں جانتا کہ وہ سچ ہے یا تم پر افترا کیا گیا ہے حسن نے عرض کی کہ بیان فرمایئے حضرت نے فرمایا: کہ لوگ کہتے ہیں کہ تم قائل ہو گئے ہو کہ خداوند عالم نے خلق کو پیدا کر کے انکے امور انہیں کے سپرد کر دیئے ہیں حسن ساکت ہو گئے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا: کہ تم نے کتاب خدا میں دیکھا ہوگا کہ بعضوں کی شان میں۔ انک اَمُنْ۔ ارشاد ہوا آیا ایسا شخص بعد اس کلام کے دیکھنے کے جو اس کی شان میں نازل ہوا ہو خائف ہو سکتا ہے۔ حسن نے عرض کی کہ نہیں۔ ارشاد فرمایا: کہ میں ایک آیت تمہارے لئے پڑھتا ہوں اور میرا گمان ہے کہ تم اس کی وہ تفسیر نہ کرو گے جو اس سے مقصود ہے اور ایسا کرنے میں ہلاک ہو گے اور اپنے مقلدین کو بھی ہلاک کرو گے۔

حسن نے کہا وہ کونسی آیت ہے فرمایا۔ **وجعلنا منهم وبين القرىٰ النبي باركنا فيها قرى ظاهرة وقدرنا فيها السر** ۔ یہاں تک کہ آمنین فرمایا ہے اے حسن مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے فتویٰ دیا ہے کہ مراد قریٰ سے مکہ ہے درحالیکہ حاجیان مکہ لٹ جاتے ہیں اور اہل مکہ کو لوگ ڈراتے ہیں اور ان کا مال لوٹ لیتے ہیں پس آمنین کا اطلاق ان پر کیونکر ہو سکتا ہے بلکہ خداوند عالم نے ہم اہل بیتؑ کے بارے میں بہت سی مثلیں فرمائیں ہیں، اور ہم میں وہ قرائے مبارکہ اور ضمیر پیہم کی ان لوگوں کی طرف پھرتی ہے جو ہمارے حق اور فضل کا اقرار کرتے ہیں اور مرد' قرائے طاہرہ سے اہل علم ہمارے راویوں میں کے ہیں۔ کہ جو احکام الٰہی کو ہم سے لیکر شیعوں تک پہونچاتے ہیں اور حاصل معنی اس آیت کے یہ ہیں کہ قرار دیا ہے تم میں شیعیان اہل بیتؑ اور قرائے مبارکہ یعنی اہل بیتؑ کے درمیان میں قرائے طاہرہ کہ جو راویان اور متقیان علما ہیں تا کہ اہل بیتؑ، کے علوم کو شیعوں تک پہونچا دیں اور سیر کنایہ ہے علم سے اس لئے کہ ہمارے علوم فرائض احکام کی طرف حلال و حرام روز و شب سیر کرتے رہتے ہیں۔ صاحبان بزرگی اور مراد آمین سے یہ ہے کہ جب ان علوم کو اس کے معدن سے اخذ کریں گے جہاں سے ان کو حکم دیا گیا ہے تو ہر طرح کے شک و شبہہ سے ایمن رہیں گے اس لئے کہ علوم آسمانی بموجب نصّ قرانی ذرّیت یہ محمد مصطفیٰ صلعم منتھی ہوئے ہیں اور ہمیں ہیں وہ ذرّیت نہ تو اور نہ تیرے امثال پس اگر میں تجھے کہوں کہ اے جاہل بصرہ تو نے اس چیز کا دعویٰ جو تیرے لئے نہیں ہے کیا ہے تو یہ میرا قول اسی کے سپرد نہیں کر دیا ہے بہ سبب کمزوری اور ضعف کے اور ان کو اپنے گناہوں پر زبردستی نہیں کھینچا ہے۔

ثویر ابن فاختہ ابی جہم الکوفی

شیخ حسنؒ ابن داؤد نے ان کو ممدوح کہا ہے اور علامہ حلّی نے ان کی روایت میں توقف کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کے بارے میں جو روائتیں پہونچی ہیں ان سے نہ انکی مدح ثابت ہوتی ہے نہ قدح اور کتاب نجاشیؒ میں مذکور ہے کہ وہ اپنے والد سعید ابن علاقہ سے روایت کرتے تھے اور ان کے والد جناب ام ہانیؒ یعنی جناب ابو طالبؑ کی صاحبزادی کے غلام تھے سبابہ ابن نوار نے یونس ابن اسحاق سے کہ جو محدثین اہل سنت سے۔ تھے پوچھا کہ آپ ثویر سے اخذ حدیث کیوں نہیں کرتے حالانکہ اسرائیل جو اکابر محدثین زمانہ سے ہیں ان سے روایت کرتے ہیں یونسؒ ابن اسحاق نے جواب دیا کہ مجھ سے کیا مطلب وہ رافضی تھا۔

اور کتاب میزان قرشی میں مذکور ہے کہ ثویرؒ ابن ابی فاختہ ابو جہم الکوفی غلام ام ہانی بنت ابی طالبؑ اور بقول غلام شوہر ام ہانیؒ تھا جن کا نام جحیدہ ابن جبیرہ تھا ثویر نے ابو عمرو زید ابن ارقم۔ اور چند اصحاب سے اور شعبہ اور سفیان نے ان سے روایت کی ہے یونس ابن اسحاق نے کہا ہے کہ وہ رافضی تھے اور ابو حاتم وغیرہ نے ان کو ضعیف اور دار قطنی ان کو متروک کہا ہے لیکن ان کے باپ فاختہ جن کا نام سعید ابن علاقہ تھا کبار تابعین سے تھے اور عجلی اور دار قطنی نے ان کی توثیق کی ہے انہوں نے علیؑ بن ابی طالب علیہم السلام اور طفیل ابن اُبی ابن کعب سے روایت کی ہے اور ثویر ابن ابی فاختہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ کو کافر اور ولد الزّنا دوست نہ رکھے گا انتہیٰ کلام الذہبی۔

عبداللہ ابن شریک العامری

کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ جناب امام زین العابدینؑ و امام محمد باقر علیہما السلام کے راویوں میں سے تھے اور کتاب مختار کشی میں مذکور ہے کہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک روز ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ میں عنقریب دیکھتا ہوں کہ عبداللہ ابن شریک العامری عمامہ سیاہ سر پر رکھتے ہوئے اپنے گیسوؤں کو دونوں شانوں کے درمیان میں ڈالے ہوئے ہم اہل بیتؑ کی خدمت میں چار ہزار مرد کرّار و جرار کے ساتھ فجّار و اشرار سے جہاد کر رہے ہیں مولف کہتا ہے کہ اس کلام شریف میں رجعت کی طرف اشارہ ہے جو اصول عقاید شیعہ امامیہ میں سے ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عبداللہ

اہل رجعت میں سے ہوں گے عبداللہ نے اپنے والد شریک سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت امیر علیہ السلام نے اہل جمل کو شکست دی تو حکم دیا کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے اور زخمی قتل نہ کئے جائیں اور جو شخص اپنے خیمہ کا دروازہ بند کر لے وہ محفوظ رہے۔

جب جنگ صفین واقع ہوئی تو حضرت نے حکم دیا جو شخص لشکر مخالف سے بھاگے وہ بھی قتل کیا جائے اور ان کے زخمیوں کا کام تمام کیا جائے شریک کہتے ہیں کہ ابان ابن تغلب نے مجھ سے پوچھا کہ ان دو مختلف حکموں کے متعلق کیا کہتے ہو جو ان دو معرکوں میں حضرت امیر علیہ السلام سے صادر ہوئے میں نے کہا کہ جنگ جمل میں باغیوں کے سردار طلحہ و زبیر تھے وہ دونوں قتل ہو گئے اور فتنہ فرو ہو گیا اور بھاگنے والوں اور زخمیوں کو قتل کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن جنگ صفین میں چونکہ سرگروہ اشرار معاویہ تھا اور وہ باقی تھا لہٰذا جو بھاگا ہوا یا زخمی بچ جاتا وہ اس کے لشکر کے لئے باعث تقویت اور آئندہ کے لئے سبب فساد ہوتا لہٰذا حضرت نے ایسا حکم دیا۔

سعد ابن طریف الحنظلی

کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ ان کو سعد اسکاف اور سعد خفاف بھی کہتے ہیں یعنی موچی اور موزے بنانے والے بعض شہروں کے قاضی تھے اور امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں پہونچے تھے اور امامین ہمامین امام باقر و صادق علیہم السلام اور اصبغ ابن نباتہ سے روایت کی ہے اور شیخ ابو جعفر طوسی نے صحیح الحدیث نے کہا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ ناؤسی مذہب تھے اور امامت میں امام جعفر صادقؑ پر توقف کرتے تھے یعنی بھڑ جاتے تھے۔ اور ابن داؤد نے کہا ہے کہ یہ عیب سعد کے بارے میں ظاہر نہیں ہوا۔ مختار کشی میں مذکور ہے کہ سعد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں اپنی مجلس میں آپ کے فضائل لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہوں آیا آپ راضی ہیں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں دوست رکھتا ہوں کہ ہر تیس گز زمین پر مثل تیرے کوئی ذکر کرنے والا ہو جو فضائل اہل بیتؑ کو بیان کرے اور لوگوں کو ان کی محبت اور اطاعت کی ہدایت کرے۔

قاسم ابن عوف ایشبانی الخوازی

خوازطہ استر آباد میں ایک قریہ کا نام ہے۔ کتاب مختار کشی اور کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے وہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور کبھی حضرت محمد حنفیہ کی خدمت میں بھی

حاضر ہوتے تھے قاسم مذکور سے منقول ہے کہ ایک روز میں خدمت امام زین العابدین علیہ السلام میں حاضر ہوا حضرت نے فرمایا کہ ڈرتے رہو کہ مبادا ان علوم کو جو تمہیں حاصل ہیں اپنی ریاست کا سبب قرار دو اور اپنے کو ہمارے مقابلہ میں رئیس امور دین و دنیا سمجھنے لگو ایسی صورت میں خداوند عالم تم کو پست و ناچیز کر دے گا اور اسی طرح سے ڈرتے رہو کہ مبادا ہمارے مال میں خیانت کرو اسلئے کہ اس وقت خداوند عالم تمہارے فقر کو زیادہ کر دے گا جان لو کہ اگر تم خیر کی دم بھی ہو تو یہ بہتر ہے اس سے کہ شر کا سر ہو۔ جان لو کہ جو شخص ہم سے ایک حدیث یاد کرے اور اس کی ویسی روایت کرے جس طرح ہم سے سنی ہے تو خداوند عالم اس کو صدیقوں میں لکھتا ہے، اور اگر اس روایت میں ہم پر کچھ افترا کرے تو اس کو کذابوں میں لکھتا ہے اس کے بعد حضرت نے اپنے فرزند ارجمند امام باقر علیہ السلام کے موجود ہونے کی بشارت دی اور مجھ کو ان کی ملازمت کی وصیت کی مولف کہتا ہے کہ اس حدیث میں جو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرے مال میں خیانت نہ کرو اس میں اشارہ ہے کہ قاسم حضرت کے وکیل تھے واللہ اعلم

سالم ابن ابی حفصہ العجلی الکوفی

شیخ نجاشی نے فرمایا: کہ وہ حضرت علی ابن الحسینؑ امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے راویوں میں سے تھے اور ابوالحسن اور ابو یونس دونوں ان کی کنیتیں ہیں ان کے والد کا نام زیاد تھا اور ۱۳۷ھ میں بحالت حیات جناب امام جعفر صادق علیہ السلام، انہوں نے وفات پائی اور علم حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے۔

القاسم ابن محمد ابن ابی بکر ابن ابی قحافہ التیمی القرشی

کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ وہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور فقیہ و فاضل تھے اور تاریخ قاضی ابن خلکان شافعی میں مذکور ہے کہ قاسم سرداران تابعین اور فقہائے سبعہ مدینہ میں سے تھے اور اپنے زمانہ میں افضل اہل زمانہ تھے ایک گروہ صحابہ سے روایت کی ہے اور ان سے ایک گروہ تابعین نے روایتیں کی ہیں۔

یحییٰ ابن سعید نے کہا ہے کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ جس کو قاسم ابن محمد پر فضیلت دی جا سکتی اور مالک ابن انس کہا کرتے تھے کہ قاسم فقہائے امت سے تھے اور محمد ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ کسی نے قاسم سے پوچھا کہ آیا آپ اعلم ہیں یا سالم ابن عبداللہ ابن عمر خطاب قاسم نے جواب دیا کہ وہ

ایک مردِ مبارک ہے نہ یہ کہ وہ مجھ سے اعلم ہے تا کہ جھوٹ نہ ہو جائے اور نہ یہی کہ میں اس سے اعلم ہوں اس لئے کہ اس میں اپنی تعریف تھی قاسم مذکور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے اور انکی والدہ یزدجرد شہر ایرانکے آخری بادشاہ کی بیٹی تھیں قاسم کے زمانہ وفات میں اختلاف ہے ابن خلکان کے نزدیک ۱۰۱ھ میں ان کی وفات بہ نسبت اور اقوال کے قوی تر ہے ان کی عمر (۷۰) ستر یا (۷۲) بہتر سال کی تھی۔

یحیٰ ابن اُم الطّویل

کتاب خلاصہ میں کشی سے نقل کیا ہے کہ وہ امام زین العابدین علیہ السلام کے خواص میں سے تھے اور فضل ابن شاذان نے کہا ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے ابتدائے زمانہ میں خالص شیعہ صرف پانچ تھے جن میں سے ایک یحیٰ ابن ام الطویل تھے اور امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا: کہ بعد شہادت امام حسین علیہ السلام سب مرتد ہو گئے لیکن پانچ آدمی ابو خالد کابلی اور یحیٰ ابن ام الطویل اور جبیر ابن مطعم اور جابر ابن عبداللہ انصاری اور شبکہ کہ جو حرم محترم امام حسین علیہ السلام تھے اس کے بعد لوگ اطراف سے آئے اور بہت ہو گئے کتاب کشی میں مذکور ہے کہ حجاج ملعون نے ان لوگوں کے قتل کرنے کا ارادہ کیا پہلے یحیٰ کو گرفتار کیا اور حکم دیا کہ حضرت امیر علیہ السلام کو برا کہیں جب انہوں نے انکار کیا تو ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر کے قتل کر دیا۔ ابو خالد کابلی بھاگ کر مدینہ چلے گئے اور وہاں جا کر پوشیدہ ہو گئے۔ اور جابر ابن عبداللہ انصاری چونکہ صحابی تھے اس لئے وہ ملعون ان کے قتل پر جرأت نہ کر سکا۔

اسمٰعیل ابن عبدالخالق ابن ابی میموں بسیار

کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ اسمٰعیل ابن عبدالخالق موالی بنی اسد سے تھے اور اعیان اصحاب اہل تشیع میں شمار ہوتے تھے اور ان کا ایک بڑا خاندان ہے ان کے بنی اعمام شہاب عبدالرحیم اور وہب یہ سب کے سب ثقہ تھے اور جناب امام محمد باقرؑ وامام جعفر صادق علیہم السلام سے روایت کی ہے اور کتاب نجاشی وفہرست شیخ طوسی میں مذکور ہے کہ اسمٰعیل کی ایک کتاب علم حدیث میں ہے جس کی روایت ایک گروہ نے ان سے کی ہے۔

عبدالخالق ابن عبدالرّبہ

کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ موالی بنی اسد سے ہیں کشی نے محمد ابن مسعود سے انہوں نے عبداللہ ابن محمد سے اور انہوں نے اپنے والد اسمٰعیل ابن عبدالخالق سے روایت کی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے میرے والد کا ذکر کیا اور پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور تین مرتبہ فرمایا: خداوند عالم صلوات بھیجے تیرے باپ پر۔

عبداللہ ابن ابی یعفور

کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ ان کی کنیت ابو محمد تھی اور وہ ثقہ ہیں اور ہمارے اکابر اصحاب میں سے ہیں وہ ایک مرد قاری تھے اور مسجد کوفہ میں کلام مجید کی تدریس اور تلاوت میں مشغول رہتے تھے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے نزدیک ثابت معزز و محترم تھے اور حضرت کی حیات ہی میں انتقال کیا کشی نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرت فرماتے تھے عبداللہ ابن ابی یعفور حوارئین امام محمد باقرؑ وامام جعفر صادق علیہم السلام میں سے تھے اور حضرت فرماتے تھے کہ میں نے کسی کو ایسا نہیں پایا کہ جو میری وصیت قبول کرے اور میرے امر کی اطاعت کرے سوائے عبداللہ ابن ابی یعفور کے اور جب انہوں نے وفات کی تو حضرت نے ان کے لئے دعاء رحمت کی۔

اور کتاب کشی میں مذکور ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا کہ میں نے کسی کو ایسا نہیں پایا کہ جو میرے امر کو اختیار کرے اور میرے پدر بزرگوار کے اصحاب کے قدم بقدم چلے سوائے دو شخصوں کے کہ خدا ان پر اپنی رحمت فرمائے۔ ایک عبداللہ ابن ابی یعفور دوسرے حمران ابن ایمن لیکن یہ دونوں ہمارے شیعوں میں مومنین خالصین میں سے ہیں ان کے نام ہمارے پاس کتاب اصحاب الیمین میں جو خداوند عالم نے محمد مصطفیٰ صلعم کو عطا فرمائی ہے لکھے ہوئے ہیں اور عبداللہ نے روایت کی ہے کہ میں نے ایک روز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اپنے اخلاص کا اظہار کیا اور عرض کی اگر آپ ایک انار کے دو ٹکڑے کر دیں اور حکم دیں کہ آدھا اس میں کا حلال اور آدھا حرام تو میں گواہی دوں گا کہ جس کو آپ نے حلال فرمایا ہے وہ حلال ہے، اور جس کو آپ نے حرام فرمایا ہے وہ حرام ہے پس آن حضرت نے میرے لئے مکرر دعائے رحمت فرمائی اور فرمایا خدا تجھ پر رحم کرے۔ خدا تجھ پر رحم کرے۔ اسی طرح کتاب مختار میں علی ابن الحسین عبدی سے منقول ہے کہ عبداللہ ابن ابی یعفور کے انتقال کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام

نے مفصل ابن عمرو کولکھا ہے کہ میں تم سے وہی عہد کرتا ہوں جو عبداللہ ابن ابی یعفور صلوٰۃ اللہ علیہ سے کیا تھا پس ان کا انتقال ہوا ایسی حالت میں کہ وہ اس عہد کو جو انہوں نے خدا کے لئے کیا تھا اور ان کی فیض روح ہوئی صلوٰت ہو خدا کی اوپر ان کی روح کے درحالیکہ وہ محمود الاثر اور مشکور السعی تھے وہ مغفور اور مرحوم ہیں بہ سبب رضائے خدا اور رسولؐ اور امام کے میں قسم کھاتا ہوں! اپنی ولادت کے جناب رسالت مآب صلعم سے کہ ہمارے زمانوں میں کوئی ان سے زیادہ اطاعت کرنے والا خدا کی رسولؐ و امام کا نہ تھا اور ہمیشہ اسی حالت میں رہے یہاں تک کہ خداوند عالم نے اپنی رحمت کے ساتھ انہیں لے لیا اور رسول اللہ اور امیر المومنین علیہما الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جنت میں مساکن و درجات ایک ہی طرح کے ہوں جب بھی خداوند عالم نے ان کا درجہ اپنی رضامندی اور فضل و مغفرت کے سبب سے زیادہ قرار دیا۔

الفضل ابن یسار النہدی

کتاب خلاصہ میں فرمایا ہے کہ وہ عرب خالص بصرہ کے رہنے والے ثقہ اور جلیل القدر اور امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادق علیہم السلام کے اصحاب میں سے ہیں اور حضرت امام صادق علیہ السلام کے زمانہ میں وفات کی حضرت جب ان کو دیکھتے تھے تو فرماتے تھے کہ مبارک ہو مبارک ہو انکسار و تواضع کرنے والوں کو جنت کی بشارت دیگئی ۔ ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ حضرت نے فرمایا بہ تحقیق کہ زمین ساکن ہوتی ہے فضل ابن یسار کی طرف اور یہ بھی فرمایا کہ فضل میرے والد کے اصحاب میں سے ہیں اور میں دوست رکھتا ہوں ایسے شخص کو جو اپنے والد کے اصحاب میں سے کسی کو دوست رکھے اور کشی نے فرمایا ہے کہ فضل منجملہ ان لوگوں کے ہیں جن کی تصدیق پر گروہ امامیہ نے اجماع کیا ہے کہ جب زید ابن علی باغیان لشکر شام کے ساتھ جہاد کر رہے تھے میں بھی ان کے ہمراہ تھا ان کی شہادت کے بعد مدینہ میں حضرت امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے مجھ سے پوچھا ہے کہ فضیل تم میرے چچا کے ساتھ جنگ اہل شام میں حاضر تھے میں نے اقرار کیا حضرت نے سوال فرمایا کہ کتنے آدمیوں کو ان مین سے قتل کیا میں نے کہا کہ چھ آدمیوں کو ارشاد فرمایا کہ مبادا تم کو شک ہوا ان کے خون کے حلال ہونے میں میں نے کہا کہ اگر شک ہوتا تو میں کیوں انہیں قتل کرتا یہ سن کر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ خدا مجھے بھی ان خونوں میں شریک کرے قسم خدا کی میرے چچا زید اور ان کے اصحاب اس دنیا سے چلے گئے جس طرح سے کہ علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام اور ان کے اصحاب۔

کشی میں ابی عیان سے روایت ہے کہ میں ایک روز فضیل کے پاس گیا اور ان کو خبر دی کہ عبداللہ محض کے دو بیٹوں ابراھیم و محمد نے خلفاء بنی عباس پر خروج کیا ہے انہوں نے کہا کہ وہ کچھ نہ کریں

گے یہاں تک کہ تین مرتبہ ان کے پاس گیا اور خبر دی اور انہوں نے یہی جواب دیا میں نے کہا کہ آپ اپنی عقل و قیاس سے روایت کی ہے کہ جس نے فضیل کو وقت موت غسل دیا تھا وہ کہتا ہے کہ غسل دیتے وقت جب میں ان کی عورتوں کو غسل دینا چاہتا تھا تو فضیل کا ہاتھ مجھ سے پہلے پہونچ جاتا تھا میں نے یہ حالت حضرت صادق علیہ السلام سے بیان کی ان حضرت نے فرمایا کہ خداوند عالم فضیل ابن یسار پر رحم کرے اور وہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ بچہ کو زن یہودیہ و نصرانیہ سے دودھ پلوانا بہ نسبت زن ناصبیہ سے دودھ پلوانے کے بہتر ہے فضیل مذکور کی ایک کتاب احادیث اہل بیتؑ میں سے ہے۔

لیث ابن البختری الاسدی او المرادی

کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ ان کی کنیت ابو بصیر و ابو محمد ہے اور وہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام و امام جعفر صادق علیہ السلام کے راویوں میں سے تھے اور امام محمد باقر علیہ السلام نے ان کی شان میں فرمایا ہے کہ جو لوگ خداوند عالم کے لئے خضوع و خشوع کریں ان کو جنت کی بشارت دو اور منجملہ انکے لیث ہونگے۔

اور کتاب خلاصہ اور مختار کشی میں جمیل ابن درّاج سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ بشارت دو تواضع کرنے والوں کو جنت کی یعنی برید ابن معاویہ تجلی اور ابو بصیر لیث ابن البختری اور محمد ابن مسلم اور زرارہ یہ چاروں نجیب ہیں اور حلال و حرام خدا کے لئے اس کے امین ہیں اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو نبوت منقطع اور مندرس ہو جاتی۔

نیز کتاب کشی میں مذکور ہے کہا ابو بصیر منجملہ ان لوگون کے ہیں کہ جن کی تصدیق پر امامیہ نے اجماع کیا ہے اور ان کی فقہ کا اقرار کیا ہے اور بکیر ابن اعین سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک روز ابو بصیر کو دیکھا پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو جواب دیا کہ تمہارے مولا جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں جاتا ہوں میں نے کہا کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔

جب ہم لوگ حضرت کی خدمت میں پہونچے حضرت نے ابو بصیر کو نگاہ تیز سے دیکھا اور فرمایا کہ حالت جنب میں پیغمبروں کے گھروں میں آتے ہو۔ ابو بصیر نے عرض کی کہ میں پناہ مانگتا ہوں خدا کے غضب سے اور آپ کے غضب سے اور طلب مغفرت کرتا ہوں خدا سے اور اب ایسا نہ کروں گا اور خود ابو بصیر سے روایت کی ہے کہ ایک روز میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے پوچھا کہ تم علیائے ابن ذراع اسدی کے مرتے وقت موجود تھے میں نے عرض کیا جی ہاں انہوں نے مجھے خبر دی کہ آپ ان کے ضامن ہو گئے ہیں کہ وہ جنت میں داخل ہوں اور مجھ سے

خواہش کی تھی کہ میں یہ مضمون آپ کو یاد دلا دیا ان ارشاد فرمایا کہ انہوں نے سچ کہا ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں رونے لگا اور عرض کی میری جان آپ پر فدا ہو میری کیا تقصیر ہے جو اس عنایت کے قابل نہ ہوا کیا میں بڑھا آپ کی درگاہ میں پناہ کے متوسلین میں سے نہیں ہوں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے لئے بہشت کا ضامن ہوا میں نے عرض کی کہ اپنے پدران بزرگوار کو ضامن قرار دیجئے اور کیے بار دیگرے سب کے نام لئے حضرت نے فرمایا کہ میں نے ان سب کو ضامن کیا پھر میں نے عرض کی اپنے جد عالیمقدار یعنی جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ضامن قرار دیجئے فرمایا کہ ایسا بھی کیا پھر میں نے عرض کی کہ خداوند عالم کو بھی ضامن قرار دیجئے حضرت تھوڑی دیر تک سر جھکائے رہے اور بعد اس کے فرمایا کہ یہ بھی کیا۔

برید ابن معاویہ العجلی

کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادق علیہم السلام کے حوارین میں سے تھے اور ان دونوں اماموں سے روایتیں کی ہیں حضرت صادق علیہ السلام کے زمانہ میں وفات پائی وہ ہمارے اصحاب کے بزرگوں میں سے تھے اور فقیہ اور صاحب منزلت میں سے تھے ائمہ علیہم السلام کے نزدیک صاحب قدر قیمت تھے۔

اور شیخ ابو عمرو کشی نے کہا ہے کہ وہ منجملہ ان لوگوں کے ہیں کہ جنکی تصدیق پر امامیہ کا اتفاق اور جن کی فقاہت پر ان کا اعتقاد ہے اور ایسے حضرات شمار میں چھ ہیں زرارہ اور معروف ابن خربوذ اور فضل ابن یسار اور محمد ابن مسلم طائفی اور ابو بصیر اسدی اور برید مذکور اور ان سب میں افقہ زرارہ تھے۔

اور مختار ابن کشی میں جمیل ابن درّاج سے روایت ہے کہ انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے سنا ہے کہ اوتاد زمین اعلام دین چار شخص ہیں محمد ابن مسلم یزید ابن معاویہ لیث ابن البختری زرارہ ابن عین۔ اور نیز حضرت سے مروی ہے کہ میرے اصحاب اچھے تھے خواہ زندہ ہوں یا مردہ مراد لیتا ہوں میں ان سے زرارہ اور محمد ابن مسلم کو اور انہیں میں سے میں لیث مراری اور برید عجلی یہ وہ لوگ ہیں کہ جو عدل وصدق پر قائم رہنے والے ہیں اور وہی السابقون بقون کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی ہے اور علم حدیث میں ان کی ایک کتاب ہے۔

محمد ابن مسلم ابن ریاح الطافی السقفی الکوفی

ان کی کنیت ابو جعفر ہے اور یہ مرد عالی مقدار بہت بڑے مالدار تھے کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ ہمارے اصحاب کے اعیان میں سے تھے اور زیور ورع تقویٰ سے آراستہ اور روسائے کوفہ میں سے تھے امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادق علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب میں سے تھے اور دونوں اماموں سے روایت کی ہے اور ان دونوں اماموں کے نزدیک سب لوگوں میں موثق تھے ابواب حلال وحرام میں ان کی ایک کتاب ہے جو چار سو مسئلہ کے نام سے مشہور ہے اور کشی نے عبداللہ ابن ابی یعفور سے روایت کی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہر وقت آپ کی خدمت میں نہیں پہونچ سکتا ہوں اور بعض اوقات مرے بعض اصحاب آتے ہیں اور مجھ سے مسائل دینی پوچھتے ہیں اور جواب مجھے ہر مسئلہ کا نہیں معلوم ہوتا ہے حضرت نے فرمایا کہ محمد ابن مسلم سے کیوں نہیں پوچھتے اس لئے کہ مسائل دینی انہوں نے میرے پدر بزرگوار سے سنے ہیں اور ان کے نزدیک صاحب قدر ومنزلت تھے۔ اور جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ محمد ابن مسلم امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے انصار اور حوارین میں سے تھے کشی نے کہا ہے کہ تصدیق محمد ابن مسلم اور ان کی فقاہت کے اعتقاد پر گروہ امامیہ کا اجماع ہے اور زرارہ سے نقل کیا ہے کہ محمد ابن مسلم اور ابو کریبہ ایک روز شریک کے پاس جو قاضی اہل شہر تھا اور مقدمہ میں گواہی دینے گئے پس شریک نے بغور دیکھا اور کہا کہ فاطمیان جعفریان یعنی یہ دونوں دوستداران اولاد فاطمہ اور مذہب امام جعفر صادق علیہ السلام پر ہیں محمد ابن مسلم نے رونا شروع کیا شریک نے پوچھا کہ روتے کیوں ہو فرمایا کہ تو نے مجھ کو ایسے گروہ کی طرف نسبت دی کہ جو مجھ کو اپنی برادری میں داخل کرنا نہیں چاہتے اس سبب سے کہ میرے ورع تقوی میں کمی دیکھتے ہیں اسی طرح سے ہوں ہاں اگر تفضل کرے اور مجھ کو اپنے غلاموں میں قبول کرے تو اس کا بڑا احسان ہے پس شریک نے تبسم کیا اور ان کی گواہی کو قبول نہیں کیا۔ زرارہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں حج کے لئے گیا اور شریک کے واقعہ کو حضرتؑ کی خدمت میں بیان کیا حضرتؑ نے فرمایا: کہ کیا سبب ہے جو شریک ہماری اور ہمارے شیعوں کی عداوت کا اظہار کرتا ہے خدا اس کو آتشی ریسمانوں سے باندھے۔

نیز خود محمد ابن مسلم سے روایت کی ہے کہ ایک شب میں اپنے کوٹھے پر سو رہا تھا ناگاہ میں نے سنا کہ کوئی شخص میرا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے میں نے آواز دی کہ کون ہے جواب ملا کہ میں تمہاری کنیز ہوں خدا تم پر رحم کرے میں لب بام گیا دیکھا کہ ایک عورت کھڑی ہے جب اس نے مجھے دیکھا تو کہا کہ میری لڑکی جس کی تھوڑے دن ہوئے شادی ہوئی تھی حاملہ تھی اس کو درد زہ عارض ہوا اور مر گئی بچہ اس کے شکم میں

حرکت کر رہا ہے کیا کرنا چاہئے میں نے کہا کہ یہ مسئلہ ایک روز امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا تھا حضرت نے فرمایا تھا کہ مردہ کے شکم کو چاک کر کے بچہ کو نکال لینا چاہئے تم بھی ایسا ہی کرو اس کے بعد میں نے کہا کہ اے کنیز خدا ہم لوگ جو کہ گوشہ نشینی میں بسر کرتے ہیں تجھ کو کس نے ہمارا پتہ بتایا اس نے جواب دیا کہ میں ابوحنفیہ کے پاس گئی تھی جو صاحب رائے و قیاس ہے اس نے کہا کہ میں یہ مسئلہ نہیں جانتا ہوں محمد ابن مسلم ثقفی کے پاس جا وہ تجھ کو یہ مسئلہ بتا دے گا اور جو کچھ وہ فتویٰ دیں وہ مجھ سے آکر بیان کر دینا میں نے اس عورت کو رخصت کیا اور صبح کو مسجد میں گیا دیکھا کہ ابوحنفیہ بیٹھا ہوا وہی مسئلہ اپنے اصحاب سے بیان کر رہا ہے اور ان سے سوال کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ جو جواب میں نے دیا ہے اپنے نام سے بیان کرے میں نے گوشۂ مسجد سے کھکھارا ابوحنیفہ نے کہا خدا تجھے بخشے ایک لحظہ دم لینے دے یعنی ساکت رہ کہ میں لوگوں پر اپنی علمیت ظاہر کروں اور ابن ابی کہمش سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک روز امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے فرمایا کہ سنا ہے کہ محمد ابن مسلم نے ابولیلا کے پاس گواہی دی اور اس محمد کی گواہی رد کر دی جب تم کوفہ جانا تو اپنی کو ابولیلا کے پاس پہونچانا اور کہنا کہ میں تم سے تین مسئلے پوچھنا چاہتا ہوں ان کا جواب اپنے قیاس سے دو یہ نہ کہو کہ میں نے اپنے اصحاب سے ایسا ایسا سنا ہے پھر ان سے یہ مسئلہ پوچھنا کہ اگر کوئی شخص نماز فریضہ کی پہلی دو رکعتوں میں شک کرے تو اس کا کیا حکم ہے اور دوسرا مسئلہ یہ پوچھنا ہے کہ اگر کسی کے کپڑے یا جسم پیشاب سے نجس ہو گیا تو کیوں کر طاہر کرے تیسرا مسئلہ یہ کہ اگر کوئی شخص حج میں سات سنگ ریزے مارنے کے لئے جائے اور ان میں سے ایک گم ہو جائے تو وہ کیا کرے جب وہ ان مسائل کا جواب دے سکے تب اس سے کہنا کہ جعفر ابن محمد نے تمہیں پیغام بھیجا ہے کہ تو نے ایسے شخص کی گواہی جو تم سے زیادہ احکام خدا و سیرت پیغمبرؐ جانتا ہے کیوں رد کی۔

ابن ابو کہمش کہتے ہیں کہ جب میں کوفہ آیا تو حسب الحکم حضرت کے ابولیلا کے پاس فوراً آگیا اور جس طرح سے امام علیہ السلام نے فرمایا تھا اس سے مسائل پوچھے اور کہا کہ اپنے قیاس سے جواب دو اصحاب کا حوالہ نہ دو اس نے ہر مسئلے کے جواب میں اصحاب کا حوالہ دیکر کچھ بیان کرنا چاہا لیکن جب میں نے کہا کہ یہ شرط کے خلاف ہے، تو اس نے اظہار عجز کیا جب میں نے حضرت کا پیغام اس کو پہنچایا تو اس نے کہا کہ وہ کون شخص ہے جس کی گواہی میں نے رد کی ہے میں نے کہا کہ محمد ابن مسلم طائفی فقیہ انہوں نے کہا کہ تم قسم کھاؤ کہ حضرت نے یہ پیغام بھیجا ہے جب میں نے قسم کھا کر بیان کیا تب اس نے محمد بن مسلم کو بلایا اور ان کی گواہی سابق کو قبول کر کے اسی کے موافق فیصلہ کیا مروی ہے محمد ابن مسلم نے چار سال تک مدینہ قیام کر کے جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے احکام دینی کی تعلیم حاصل کی اور پھر حضرت صادق علیہ

السلام سے استفادہ کرتے رہے خود محمد ابن مسلم سے منقول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں نے تیس ہزار حدیثیں امام محمد باقر علیہ السلام سے اور ان کے بعد سولہ ہزار حدیثیں ان کے خلف الصدق امام جعفر صادق علیہ السلام سے یاد کیں نیز انہیں سے منقول ہے کہ میں مدینہ گیا تو بہت بیمار تھا لوگوں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو خبر دی حضرت نے اپنے ایک غلام کے ہاتھ ایک پانی کا کوزہ رومال میں لپٹا ہوا بھیجا اور غلام نے مجھ کو دیا اور کہا کہ اس پانی کو پی لو حضرت نے حکم دیا ہے کہ جب تک تم پانی نہ پی چکو میں واپس نہ ہوں جب میں وہ پانی پی چکا تو غلام نے کہا کہ حضرت نے تم کو حکم دیا ہے کہ یہ پانی لیکر میرے پاس آؤ میں چونکہ کھڑے ہونے کی قدرت نہ رکھتا تھا متردد ہوا لیکن جیسے ہی پانی میرے دہن میں پہونچا ایسی کیفیت مجھ میں ظاہر ہوئی کہ گویا میرے پاؤں کی بیڑیاں کٹ گئیں پس میں حاضر ہوا اور اذن دخول طلب کیا حضرت نے میری آواز سن کر باآواز بلند فرمایا: کہ تم اچھے ہو گئے آؤ آؤ۔ میں روتا ہوا اندر داخل ہوا اور رونے کی حالت میں آپ پر سلام کیا اور آپ کے دست مبارک کو باادب بوسہ دیا حضرت نے فرمایا: کہ رونے کا کیا سبب ہے، میں نے عرض کیا کہ میری جان آپ پر فدا ہو اپنی غربت و مشقت اور دوری راہ اور یہاں زیادہ ٹھہر نہ سکنے پر روتا ہوں کہ جی بھر کے حضور سے مشرف نہ ہوسکوں گا حضرت نے اپنے احباب کا اس کے ساتھ امتحان لیا ہے اور مسافرت میں تم کو تاسی حاصل ہے امام حسین علیہ السلام کہ جس طرح سے حضرت اپنے وطن شریف سے جدا ہو گئے اسی طرح سے تم بھی جدا ہوا اور تمام مومنین اس دنیا میں مسافر و غریب ہیں جب تک کہ جوار رحمت ایزدی میں نہ پہونچ جائیں اور یہ جو تم نے کہا کہ تم ہمارے پاس زیادہ قیام نہیں کر سکتے اور ہماری زیارت سے مشرف نہیں رہ سکتے تو خداوند عالم تمہارے دل کا حال جانتا ہے اور اسی کے موافق تم کو جزا دے گا۔

اور کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ ۱۵۰ھ میں محمد ابن مسلم نے وفات پائی رحمۃ اللہ علیہ

زرارہ ابن اعین الشیبانی الکوفی

کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ وہ امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ و امام موسیٰ کاظم علیہم السلام کے اصحاب میں سے تھے اور اپنے زمانہ میں اخلاق و افضل اہل زمانہ تھے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگر زرارہ نہ ہوتے تو میں کہتا کہ میرے پدر بزرگوار کی حدیثیں جاتی رہیں گی اور آخر کلام ابن داؤد میں مذکور ہے کہ زرارہ کی حالت اس سے زیادہ واضح ہے کہ واضح کیجائے اور ان کے دو بیٹے فاضل تھے ایک کا نام حسن تھا اور دوسرے کا نام حسین تھا علامہ حلی علیہ الرحمہ نے کتاب خلاصہ میں فرمایا ہے کہ زرارہ ہمارے اصحاب میں سے ایک بزرگ تھے جو اپنے زمانہ میں مقدم

اور قاری وفقیہ ومتکلم ادیب اور شاعر تھے اور زیور دین وفضل سے آراستہ اور روایت میں سچے تھے۔

اور کتاب کشی میں زرارہ سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: کہ اے زرارہ تمہارا نام اسماء اہل جنت میں بے الف لکھا ہے میں نے عرض کی کہ میں آپ پر فدا ہوں میرا نام عبدربہ ہے اور میں اپنے لقب زرارہ سے مشہور ہو گیا ہوں نیز زرارہ سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر حرف پر جو میں حضرت صادق علیہ السلام سے سنتا ہوں میرا ایمان زیادہ ہوتا ہے۔

اور ابن ابی عمر سے جو فضلائے شیعہ میں سے تھے منقول ہے کہ ایک روز جمیل ابن درراج سے جو بزرگان فقہا ومحدثین فرقہ امامیہ میں سے ہیں کہا کہ آپ کی مجلس درس کس قدر بہتر اور کس قدر مزین ہے جمیل نے جواب دیا کہ قسم ہے! خدا کی باوجود اس حالت کے زرارہ ابن اعین کے سامنے مجھ کو وہی نسبت تھی جو مکتب کے بچوں کو معلم سے ہوتی ہے اور فضل بن عبدالملک سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے سنا کہ دوست ترین مردم تمہارے مردہ وزندہ سے میرے نزدیک چار شخص ہیں برید ابن معاویہ عجلی اور زرارہ اور محمد ابن مسلم اور احول نیز حقت سے روایت ہے کہ فرماتے تھے زرارہ ابو بصیر اور محمد ابن مسلم اور برید منجملہ ان لوگوں کے ہیں جن کے بارے میں خداوند عالم نے فرمایا ہے۔ السابقون السابقون اولائک المقربون.

اور یہ بھی آنحضرت سے روایت ہے کہ کسی نے ہمارے ذکر اور میرے والد کی احادیث کو زندہ نہیں کیا لیکن زرارہ اور ابو بصیر اور سیث المرادی اور محمد ابن مسلم اور برید ابن معاویہ عجلی نے اور اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو کوئی شخص ہدایت کا استنباط نہ کرتا۔ یہ لوگ دین کی حفاظت کرنے والے اور حلال وحرام خدا پر میرے والد کے امین تھے یہی لوگ دنیا میں ہماری طرف سبقت کرنے والے ہیں اور یہی لوگ آخرت میں بھی ہماری طرف سبقت کریں گے اور محمد بن عبداللہ ابن زرارہ سے اور ان کے دونوں بیٹوں حسنؑ وحسینؑ سے بواسطہ عبداللہ ابن زرارہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے والد سے میرا اسلام کہنا اور یہ کہہ دینا کہ میں صرف دفاع کے لئے تم کو برا کہتا ہوں اس لئے کہ دشمن لوگ اس شخص کو اذیت پہونچانے میں جلدی کرتے ہیں جو ہمارا مقرب ہو اور جس کی ہم تعریف کریں اور ہماری محبت اور نصرت کے سبب سے اس کو بدنام کرتے ہیں جس کو ہم عیب دار قرار دیں ان کی تعریف کرتے ہیں چونکہ تم ایسے شخص ہو کہ ہماری طرف رجوع کرنے میں مشہور خلائق ہو گئے ہو اور لوگ تمہاری ذات صفات کی مذمت کرتے ہیں۔ میں اسی سبب سے تم کو عیب دار قرار دیتا ہوں اور دوست رکھتا ہوں کہ میں تم کو معیوب قرار دوں تا کہ لوگ امر دین میں تمہاری تعریف کریں اور یہ امر میری طرف سے تم سے لوگوں کی شرونغ کرنے کا سبب ہوگا جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ یہ کشتی چند

مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کرتے تھے پس میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کو عیب دار بنا دوں اور ان مسکینوں کے تعاقب میں ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو غصب کر لیتا تھا پس اس مثل کو سمجھو خدا تم پر رحم کرے۔ قسم خدا کی! تم میرے نزدیک احب الناس ہو اور محبوب ترین ہو میرے پدر بزرگوار کے اصحاب سے حیاً ومیتاً اور یقیناً تم اس بحر خمخام زخّا کے بہترین کشتی ہو کہ جن کے پیچھے ایک بادشاہ ہے ظالم جو ہر کشتی کو غصب کر لیتا ہے اور ہر اچھی کشتی کی تاک میں رہتا ہے جو اس بحر ہدایت کی طرف سے وارد ہوتا کہ اس کو غصب کر لے پھر اس کو اور اس کے اہل کو غصب کر لیتا ہے پس رحمت ہو خدا کی تمہارے اوپر زندگی میں اور رحمت ورضوان ان کی ہو مرنے پر تمہارے دونوں بیٹوں حسن وحسین نے تمہارا خط مجھ تک پہونچا دیا خداوند عالم ان کی حفاظت کرے ان کے باپ کی صلاح کے لئے جس طرح سے کہ غلامین کی حفاظت کی پس تمہارا سینہ تنگ نہ ہو اس چیز سے جس کا میرے والد نے تمہیں حکم دیا ہے یا میں نے حکم دیا ہے اور ابو بصیر نے جو تمہیں خبر پہونچائی وہ اس امر کے خلاف تھی جو ہم نے تم کو دیا ہے قسم خدا کی! میں نے تم کو اور اس کو وہی حکم دیا ہے جس کی وسعت ہم میں اور تم میں ہو اور ان سب کے لئے گردانیں ہیں اور معنی میں جو موافق حق ہیں اگر ہمیں اجازت ہوتی تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ حق اسی میں ہے جو ہم نے تمہیں حکم دیا پس امر کو ہماری طرف پلٹا دو اور ہمارے اوامر کو تسلیم کرو اور ہمارے احکام پر صبر کرو اور راضی رہو اور وہ شخص کہ جس نے تمہارے درمیان میں فرق کیا ہے تمہارا وہ چرواہا ہے کہ جس کو خدا نے تمہارے چرانے کے لئے معین کیا ہے پس وہ اپنے گوسفندوں کے مصالح ومقاصد بہتر جانتا ہے کبھی ان کے درمیان میں فرق کر دیتا ہے تا کہ سالم رہیں اور کبھی اکٹھا کر دیتا ہے تا کہ فساد سے بچے رہیں اور دشمن کے خوف سے محفوظ رہیں ایسے آثار میں کہ جس میں خداوند عالم کی اجازت ہے اور وہ امن وکشادگی عطا فرماتا ہے تم کو تسلیم کرنا چاہئے اور اگر ہمارے قائم کھڑے ہوں اور ہمارا بات کرنے والا بات کرے اور تم کو سرے سے تعلیم قرآن اور تعلیم شرائع دین واحکام وفرائض اسی طرح سے دے جس طرح سے خدا نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا ہے تو تم اہل بصائر اس روز انکار شدید کریں اور پھر تم لوگ دین خدا پر مستقیم نہ رہو الّا تلوار کی باڑہ کے نیچے لوگ جناب رسالت مآبؐ کے بعد اپنے اگلے لوگوں کے طریقہ پر چلے پس انہوں نے دین خدا میں تغیر وتبدل وتحرف وزیادتی نقص کر دیا پس ہر شئے ان چیزوں سے جن پر لوگ قائم ہیں نزول وحی کے خلاف ہے پس جواب دے تو یا قبول کر تو خدا رحم کرے۔ جس طرف سے پکارا جائے یہاں تک کہ وہ شخص آئے جو تمہیں پھر سے دین خدا سکھا دے اور تم کو نماز چھیالیس (۴۶) کا التزام رکھنا چاہئے اور حج کرنا چاہئے اس طرح سے کہ اہلال کرو ساتھ افراد کے اور نیت کرو فسخ کی اور جب مکہ پہونچو اور طواف کرو اور سعی کرو تو فسخ کر دو اس چیز کو کہ جس کا تم نے اہلال کیا اور الٹ دو حج کو عمرے کیساتھ محل ہو جاؤ گے تم

تروبہ تک پھر سے اہلال کروساتھ آج کے مفرد اً منیٰ تک اور حاضر رہو مناسک میں عرفات ومزدلفہ میں پس اسی طرح سے حج کیا ہے رسول اللہ صلعم نے اور ایسے ہی حکم دیا ہے اپنے اصحاب کو کہ بجالا دین اور فتح کریں اس چیز کو کہ جس کے ساتھ انہوں نے اہلال کیا تھا اور بدل دیں حج کو عمرے سے اور جز این نیست کہ جناب رسالت مآب صلعم جو اپنے احرام پر قائم رہے بہ سبب شوق کے تھا جو اپنے ساتھ لے گئے تھے اور سابق جو ہے وہ قارن ہے اور قارن محل نہیں ہوسکتا جب تک کہ ہدی اپنے محل تک نہ پہونچ جائے محل اس کا متحیر ہے منیٰ پس جس وقت کہ پہونچ جائے محل ہوجائے پس یہ حج جس کا ہم نے تم کو حکم دیا ہے یہ حج تمتع ہے اس کو لازم قرار دو اور اپنا سینہ تنگ نہ کرو اور جو ابو بصیر نے تم سے کہا ہے کہ اکاواہ رکعت نماز اور اہلال ساتھ تمتع کے پس اس کے لئے ہمارے پاس معانی ہیں اور گردانیں ہیں اسی طرح سے ہے وہ چیز جو وسعت رکھتی ہے واسطے ہمارے اور وسعت رکھتی ہے واسطے تمہارے اور ان میں سے کوئی شے حق کے خلاف نہیں ہے اور نہ متضاد ہے اور نیز روایت کی ہے کہ حسین ابن زرارہ کو میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ میرے والد نے حضور کو سلام کہا ہے اور عرض کی ہے کہ خدا مجھے آپ پر فدا کرے برابر ایک پاؤں دو آدمی آیا کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ حضور نے میرا ذکر کیا اور مجھ کو برا کہا پس حضرت نے ارشاد فرمایا: کہ اپنے باپ کو میرا اسلام کہنا اور کہہ دینا کہ قسم خدا کی کہ میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بہتری چاہتا ہوں اور قسم خدا کی! تم سے راضی ہوں پس تم لوگوں کے کہنے کی کچھ پروانہ کرو اس کے بعد دوسرے صفحہ پر حضرت صادق علیہ السلام یا کچھ کم انتقال کیا اور خلاصہ میں مذکور ہے کہ ان کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہوا اور کتاب نجاشی میں مذکور ہے کہ تحقیق استطاعت جبر میں ان کی ایک کتاب ہے اور کتاب میزان ذہبی میں مذکور ہے کہ زرارہ ابن اعین کوفی برادرِ حمران، رافضی تھا عقیلی نے کہا ہے کہ ضعفا میں سے تھا ان سے یحییٰ ابن اسمٰعیل اور ان سے یزید ابن خالد سقفی اور ان سے عبداللہ ابن جلید الصدری اور ان سے ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ ہم سے یحییٰ ابن ابی سترہ اور ان سے سعید ابن منصور اور ان سے ابن سماک نے کہا کہ میں حج کو گیا تھا مقام قادسیہ میں زرارہ ابن اعین سے ملاقات ہوئی زرارہ نے کہا کہ مجھے تم سے ایک حاجت ہے اور اس کو بہت عظمت بھی دی میں نے کہا وہ کون سی حاجت ہے کہا کہ جب جعفر ابن محمد باقر علیہ السلام سے ملاقات ہو تو ان سے میرا اسلام کہنا اور یہ سوال کرنا کہ وہ مجھے خبر دیں کہ میں اہل جہنم سے ہوں یا اہل جنت سے ہوں میں نے ان کے اس سوال سے تعجب کیا زرارہ نے کہا کہ وہ یقیناً اس بات کو جانتے ہیں اور مجھ سے پیہم اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے وعدہ کرلیا پس جب میں جعفر ابن محمد باقر علیہ السلام سے ملا تو میں نے انہیں یہ خبر دی انہوں نے فرمایا کہ وہ اہل نار سے ہے میرے دل میں ان کے اس قول سے خیال پیدا ہوا اور میں نے کہا کہ آپ کو کہاں سے

معلوم ہوا کہ وہ اہل نار سے ہے فرمایا کہ جو ایسے علم کا میرے لئے دعویٰ کرے وہ اہل نار سے ہے جب میں پلٹا اور زرارہ سے ملاقات ہوئی تو میں نے یہی خبر دی زرارہ نے کہا انہوں نے تمہارے ساتھ تقیہ کیا اور ابن ابی حاتم نے زرارہ کے حال میں لکھا ہے کہ انہوں نے ابو جعفر علیہ السلام سے روایت کی ہے اور سفیان ثوری نے کہا ہے کہ ابو جعفر یعنی امام باقر علیہ السلام کو دیکھا ہی نہیں۔

حمران ابن اعین الشیالی الکوفی

یہ زرارہ کے بھائی ہیں اس سے پہلے کچھ حالات ان کے مذکور ہو چکے ہیں وہ بھی مثل اپنے بھائی زرارہ اور عبدالملک اور بکیر اور عبدالرحمان کے دین میں مستقیم تھے اور کتاب کشی میں مذکور ہے کہ چار شخص ان میں سے کہ جو امام محمد باقر علیہ السلام کے اصحاب میں سے بھی تھے امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں راہی جنت ہوئے اور زرارہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زمانہ تک باقی رہے حمران کے دو فرزند فاضل تھے ایک حمزہ دوسرے محمد۔

اور کتاب کشی میں مذکور ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے حمران کو بشارت جنت کی دی ہے اور بنا بر دوسری روایت کے فرمایا کہ حمران مومن ہے اور ہرگز اپنے ایمان سے نہ پلٹے گا۔

مروی ہے کہ حمران کہا کرتے تھے امامت آپ سے لے کر صاحب الامر علیہ السلام تک ہے جو شخص اس سے تجاوز کرے خواہ علوی ہو یا غیر علوی ہو میں اس سے بیزار ہوں نیز حمران سے منقول ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ جو محبت اور اخلاص اہل بیتؑ کی طرف سے میرے دل میں ہے کمتر کسی شیعہ کے دل میں ہو۔

منقول ہے کہ حمران اپنے اصحاب میں بیٹھ کر اہل بیتؑ کے فضائل بیان کرتے تھے اگر کوئی شخص دوسرا ذکر کرنے لگتا تھا تو وہ تین بار اس کو ملطفت کرتے تھے کہ یہی فضائل سنے اگر لوگ ملطفت نہ ہوتے تھے تو وہ اس جلسہ سے اٹھ جاتے تھے اور کتاب میزان ذہبی میں جو سنی المذہب تھا مذکور ہے کہ حمران ابن اعین قرآن نہایت صحیح پڑھتے تھے ابن صفین نے ان کی بابت کہا ہے کہ وہ کچھ نہ تھے اور ابو حاتم نے ان کو نسخ اور داؤد نے ان کو رافضی کہا ہے۔

عبدالملک ابن اعین الشیائی الکوفی

کتاب خلاصہ میں علی ابن احمد عقیقی سے منقول ہے کہ عبدالملک فضائل ائمہ اور ان کے حق کے عارف تھے اور شیخ ابو جعفر بابویہ قمی نے روایت کی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام معہ اپنے اصحاب کے

ترویہ تک پھر سے اہلال کرو ساتھ آج کے مفرداً منیٰ تک اور حاضر رہو مناسک میں عرفات و مزدلفہ میں پس اسی طرح سے حج کیا ہے رسول اللہ صلعم نے اور ایسے ہی حکم دیا ہے اپنے اصحاب کو کہ بجالا دین اور فتح کریں اس چیز کو کہ جس کے ساتھ انہوں نے اہلال کیا تھا اور بدل دیں حج کو عمرے سے اور جز این نیست کہ جناب رسالت مآب صلعم جو اپنے احرام پر قائم رہے بہ سبب شوق کے تھا جو اپنے ساتھ لے گئے تھے اور سابق جو ہے وہ قارن ہے اور قارن محل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہدی اپنے محل تک نہ پہونچ جائے محل اس کا متحیر ہے منیٰ پس جس وقت کہ پہونچ جائے محل ہو جائے پس یہ حج جس کا ہم نے تم کو حکم دیا ہے یہ حج تمتع ہے اس کو لازم قرار دو اور اپنا سینہ تنگ نہ کرو اور جو ابو بصیر نے تم سے کہا ہے کہ اکاواہ رکعت نماز اور اہلال ساتھ تمتع کے پس اس کے لئے ہمارے پاس معانی ہیں اور گردانیں ہیں اسی طرح سے ہے وہ چیز جو وسعت رکھتی ہے واسطے ہمارے اور وسعت رکھتی ہے واسطے تمہارے اور ان میں سے کوئی شے حق کے خلاف نہیں ہے اور نہ متضاد ہے اور نیز روایت کی ہے کہ حسین ابن زرارہ کو میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی کہ میرے والد نے حضور کو سلام کہا ہے اور عرض کی ہے کہ خدا مجھے آپ پر فدا کرے برابر ایک پاؤں دو آدمی آیا کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ حضور نے میرا ذکر کیا اور مجھ کو برا کہا پس حضرت نے ارشاد فرمایا: کہ اپنے باپ کو میرا سلام کہنا اور کہد ینا کہ قسم خدا کی کہ میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی بہتری چاہتا ہوں اور قسم خدا کی! تم سے راضی ہوں پس تم لوگوں کے کہنے کی کچھ پروا نہ کرو اس کے بعد دوسرے صفحہ پر حضرت صادق علیہ السلام یا کچھ کم انتقال کیا اور خلاصہ میں مذکور ہے کہ ان کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہوا اور کتاب نجاشی میں مذکور ہے کہ تحقیق استطاعت جبر میں ان کی ایک کتاب ہے اور کتاب میزان ذہبی میں مذکور ہے کہ زرارہ ابن اعین کوفی برادرِ حمران، رافضی تھا عقیلی نے کہا ہے کہ ضعفا میں سے تھا ان سے یحیٰ ابن اسمٰعیل اور ان سے یزید ابن خالد ثقفی اور ان سے عبداللہ ابن جلید الصدری اور ان سے ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ ہم سے یحیٰ ابن ابی سترہ اور ان سے سعید ابن منصور اور ان سے ابن سماک نے کہا کہ میں حج کو گیا تھا مقام قادسیہ میں زرارہ ابن اعین سے ملاقات ہوئی زرارہ نے کہا کہ مجھے تم سے ایک حاجت ہے اور اس کو بہت عظمت بھی دی میں نے کہا وہ کون سی حاجت ہے کہا کہ جب جعفر ابن محمد باقر علیہ السلام سے ملاقات ہو تو ان سے میرا سلام کہنا اور یہ سوال کرنا کہ وہ مجھے خبر دیں کہ میں اہل جہنم سے ہوں یا اہل جنت سے ہوں میں نے ان کے اس سوال سے تعجب کیا زرارہ نے کہا کہ وہ یقیناً اس بات کو جانتے ہیں اور مجھ سے پیہم اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے وعدہ کر لیا پس جب میں جعفر ابن محمد باقر علیہ السلام سے ملا تو میں نے انہیں یہ خبر دی انہوں نے فرمایا کہ وہ اہل نار سے ہے میرے دل میں ان کے اس قول سے خیال پیدا ہوا اور میں نے کہا کہ آپ کو کہاں سے

معلوم ہوا کہ وہ اہل نار سے ہے فرمایا کہ جو ایسے علم کا میرے لئے دعویٰ کرے وہ اہل نار سے ہے جب میں پلٹا اور زرارہ سے ملاقات ہوئی تو میں نے یہی خبر دی زرارہ نے کہا انہوں نے تمہارے ساتھ تقیہ کیا اور ابن ابی حاتم نے زرارہ کے حال میں لکھا ہے کہ انہوں نے ابو جعفر علیہ السلام سے روایت کی ہے اور سفیان ثوری نے کہا ہے کہ ابو جعفر یعنی امام باقر علیہ السلام کو دیکھا ہی نہیں۔

حمران ابن اعین الشیالی الکوفی

یہ زرارہ کے بھائی ہیں اس سے پہلے کچھ حالات ان کے مذکور ہو چکے ہیں وہ بھی مثل اپنے بھائی زرارہ اور عبدالملک اور بکیر اور عبدالرحمان کے دین میں مستقیم تھے اور کتاب کشی میں مذکور ہے کہ چار شخص ان میں سے کہ جو امام محمد باقر علیہ السلام کے اصحاب میں سے بھی تھے امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں راہی جنت ہوئے اور زرارہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زمانہ تک باقی رہے حمران کے دو فرزند فاضل تھے ایک حمزہ دوسرے محمد۔

اور کتاب کشی میں مذکور ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے حمران کو بشارت جنت کی دی ہے اور بنا بر دوسری روایت کے فرمایا کہ حمران مومن ہے اور ہرگز اپنے ایمان سے نہ پلٹے گا۔

مروی ہے کہ حمران کہا کرتے تھے امامت آپ سے لے کر صاحب الامر علیہ السلام تک ہے جو شخص اس سے تجاوز کرے خواہ علوی ہو یا غیر علوی ہو میں اس سے بیزار ہوں نیز حمران سے منقول ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ جو محبت اور اخلاص اہل بیتؑ کی طرف سے میرے دل میں ہے کمتر کسی شیعہ کے دل میں ہو۔

منقول ہے کہ حمران اپنے اصحاب میں بیٹھ کر اہل بیتؑ کے فضائل بیان کرتے تھے اگر کوئی شخص دوسرا ذکر کرنے لگتا تھا تو وہ تین بار اس کو ملطفت کرتے تھے کہ یہی فضائل سنے اگر لوگ ملطفت نہ ہوتے تھے تو وہ اس جلسہ سے اٹھ جاتے تھے اور کتاب میزان ذہبی میں جو سنی المذہب تھا مذکور ہے کہ حمران ابن اعین قرآن نہایت صحیح پڑھتے تھے ابن صفین نے ان کی بابت کہا ہے کہ وہ کچھ نہ تھے اور ابو حاتم نے ان کو نسخ اور داؤد نے ان کو رافضی کہا ہے۔

عبدالملک ابن اعین الشیائی الکوفی

کتاب خلاصہ میں علی ابن احمد عقیقی سے منقول ہے کہ عبدالملک فضائل ائمہ اور ان کے حق کے عارف تھے اور شیخ ابو جعفر بابویہ قمی نے روایت کی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام معہ اپنے اصحاب کے

عبدالملک کی قبر جو مدینہ منورہ میں واقع ہے زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ اور کتاب کشی میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت نے عبدالملک کی وفات کو سنا ان کے لئے دعا فرمائی اور بہت زیادہ دعائے رحمت کی۔ نیز مروی ہے کہ آنحضرتؑ نے فرمایا ہے مانند عبدالملک کے ابھی پیدا نہیں ہوا۔ عبدالملک کے ایک بیٹے کا نام حریص تھا لہٰذا ان کی کنیت یہی قرار دی۔

بکیر ابن اعین الشیانی الکوفی

کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ ان کی کنیت ابوجہیم تھی اور ان کے چھ بیٹے فاضل اور عارف تھے۔ ابوعبداللہ اور جہیم اور عبدالحمید اور عبدالاعلیٰ اور عمر اور یزید اور بکر امامین ہمامین محمد باقرؑ امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں اور راویوں میں سے تھے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کے انتقال کے بعد فرمایا کہ خداوند عالم نے ان کو اپنے رسولؐ اور امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان میں جگہ دی ہے۔

مترجم کہتا ہے کہ یہ جو تعجب کیا جاتا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام یا جناب امام حسن علیہ السلام نے اپنے بعض صاحبزادوں کا نام ابوبکر یا عمر یا عثمان کیوں رکھا اور اہل بیتؑ اس ذریعہ سے محبت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان لوگوں کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں یہ استدلال فضول ہے اس لئے کہ اس زمانہ میں سیکڑوں آدمیوں کے نام ہوا کرتے تھے اور کوئی خصوصیت خلفاء ثلاثہ کے نام کی نہ تھی جیسے اب ہوگئی ہے اگر ایسا ہوتا ہو کم سے کم مومنین اپنی اولاد کا نام یزید نہ رکھتے۔

عبدالعزیز ابن احمد ابن عیسیٰ الجلووی الخروی

کتاب نجاشی میں مذکور ہے کہ وہ ہمارے اصحاب کے بزرگوں میں سے بصرہ میں رہتے تھے اور ان کے محدثین میں سے تھے ان کے دادا یحییٰ امام محمد باقر علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔ علم فقہ وحدیث سیر میں ان کی بہت سی کتابیں ہیں منجملہ انکے مسند حضرت امیر المومنینؑ۔ کتاب جمل۔ کتاب صفین کتاب حکمین کتاب خوارج کتاب حروب حضرت علی کتاب مانزلہ فی الخمسۃ علیہم السلام کتاب ذکر علی فی خروب النبی علیہم السلام کتاب محبّ علی وفن ذکر بخیر کتاب من احب علی ومن الغضہ، کتاب ضغائن فی صدور فومن کتاب فقیر حسن علی کتاب القرأت کتاب مانزلہ فی علی من القران کتاب خطبۃ۔ کتاب شعرہ کتاب خلاصۃ۔ کتاب عمالہٖ وولاتہٖ۔ کتاب قولہ فی الشورہ کتاب ماکان بین علی وعثمان من الکلام۔ کتاب الطرع من احب کتاب مال الشیعہ بعد علی۔ کتاب ذکر الشیعہ ومن ذکرہم ہوا احب من الصحابہ کتاب قضاء

علی کتاب رسائل علی کتاب من رواعنہ من الصحابہ۔ کتاب مواعظہ، کتاب ذکر من کلامہٖ فی الملاحم کتاب ما قیل فیہ من الشعر اوصدحاً کتاب مقتلہ وکتاب علمہ کتاب قسمہٖ کتاب الدعاء عنہ کتاب الناس عنہ، کتاب الشراب وسفنہ وذکر شربہٖ کتاب الادب عنہ کتاب النکاح عنہ، کتاب الطلاق عنہ کتاب البخارات عنہ، کتاب الجنات والدیات عنہ، کتاب الضحایا والذبائح والعبید والایمان والجراح کتاب الفرائض والعتیق والتدبیر والمکاتبت عنہ، کتاب الحدود عنہ کتاب الطہارت عنہ، کتاب الصلوٰۃ عنہ، کتاب الصیام عنہ کتاب الذکوٰۃ عنہ، کتاب ذکر خدیجہ وفضل اہل بیت کتاب فاطمہ الا ابی بکر کتاب ذکر الحسنؑ والحسینؑ کتاب فی المرا لحسنؑ کتاب ذکر الحسینؑ کتاب مفضل الحسینؑ الکتب المنعلقہ بعید اللہ ابن عباس کتاب التنزیل عنہ کتاب التفسیر عنہ کتاب الماسک عنہ کتاب النکاح والطلاق کتاب تفسیر بہ عن الصحابہ، کتاب بقیۃ قولہ فی الطہارہ کتاب الصلوٰۃ والزکوٰۃ کتاب الذیاح ولعطمۃ والالباس کتاب الفیتا واشہادات والاقضیۃ واجہاد والعدۃ وشرائع الاسلام کتاب قولہٖ فی الدّعاء والعوذہ وذکر الخیر ونواب الاعمال ولطب ونجوم کتاب القرأت عنہ کتاب البیوع والاتجارات عنہ کتاب الناسخ والمنسوخ عنہ کتاب ما اسندہٗ ان الصحابہ کتاب من رواہ منراء الصحابہ کتاب قولہ قتال اہل القبلۃ والکار الرجعۃ والامر بالمعروف کتاب الادب وذکر الانبیاء واولٗ کلامہٖ فی العرب کتاب بقیۃ کلامہٖ فی العرب والقریش الصحابہ وتابعین ومن ذمہ کتاب قولہ فی شیعۃ علی کتاب لفیۃ رسائلہ وخطبہ واول مناظرتہٖ کتاب بقیۃ مناظرتہٖ وذکر لنسائہٖ وولدلہٖ اخر کتب ابن عباس اخبار التوابین وحین الروہ اخبار الامختار ابن ابی عبیدہ الثقفی اخبار علی ابن الحسین اخبار ابی جعفر محمد ابن علی کتاب اخبار المہدی کتاب اخبار زید ابن علی کتاب اخبار عمر ابن عبدالعزیز کتاب اخبار ابن محمد حنفیہ کتاب اخبار العباس کتاب اخبار جعفر ابن ابی طالبؑ کتاب اخبار ام ہانی کتاب اخبار عبداللہ ابن جعفر کتاب اخبار الحسن ابن ابی الحسن کتاب اخبار الحسین ابن الحسن کتاب اخبار مجتہد ابن عبداللہ کتاب اخبار ابراہیم ابن عبداللہ ابن الحسن کتاب اخبار من عشقہ من الشعراء کتاب اخبار لقمان الحکیم کتاب مروج الفقہاء کتاب من خطبہ الاجمر۔ کتاب اخبار تابط شراً کتاب اخبار اعراب کتاب اخبار قریش والاصنام کتاب فی الجوابات کتاب قبائل نزار وحرن ثقیف کتاب الطب کتاب الطبقات، العرب والشعراء کتاب النحو کتاب السمر کتاب الزجر الطیر کتاب مارثے بہ النبہ کتاب الرویا کتاب اخبار السودان کتاب العود کتاب الرقا کتاب المطر کتاب الصماب والرعد البرق کتاب امراین معدی کرب کتاب اخبار امیہ ابن ابی صلت کتاب اخبار ابی الاسود الدیلمی کتاب اخبار اکثم ابن صفی کتاب اخبار عبدالرحمان ابن حسّان کتاب اخبار خالد ابن صفوان کتاب اخبار الصحاج کتاب النکاح کتاب ماجاء فی الحمام کتاب اخبار روبہ ابن العجاج کتاب ماروبہ فی الشطرنج کتاب الشعر عباد ابن یسار کتاب اخبار ابی بکر وعمر کتاب من اوصیٰ باشعراً جمعہ کتاب من قال شعراً فی وصیۃ

کتاب الخطب النبی کتاب خطب ابی بکر کتاب خطب عمر کتاب خطب عثمان ابن اخوان کتاب رسائل ابی بکر کتاب رسائل عمر۔ کتاب رسائل عثمان کتاب حدیث یعقوب ابن جعفر ابن سلیمان کتاب الطیب۔ کتاب الریاحین کتاب التمشیل بالشعر۔ کتاب قطاع النبی۔ کتاب قطائع ابی بکر و عمر عثمان۔ کتاب مقتل محمد ابن ابی بکر۔ کتاب السماء والکرم۔ کتاب الاعتقاد۔ کتاب اخبار ابی داؤد۔ کتاب الحساب۔ کتاب الدنا نیر والدراہم۔ کتاب اخبار الاحنف کتاب اخبار زیاد۔ کتاب الوفود عن النبی وابی بکر و عثمان و عمر۔ کتاب الانجیل والشیح۔ کتاب اخبار ضمیر۔ کتاب الولایت والرایات۔ کتاب الرایات الارذ۔ کتاب اخبار شریح ۔ کتاب اخبار حسان۔ کتاب اخبار و عقل النسابہ۔ کتاب اخبار سلیمان، کتاب حمزہ ابن عبدالمطلب۔ کتاب اخبار الجن۔ کتاب اخبار صعصعہ ابن صوحان۔ کتاب اخبار الحجاج۔ کتاب اخبار فرضدق۔ کتاب الزہد۔ کتاب الدعا۔ کتاب القصاص کتاب الذکر کتاب المواعظ۔ کتاب اخبار جعفر ابن محمد۔ کتاب اخبار موسیٰ ابن جعفر کتاب مناظرات علیؑ ابن موسیٰ الرضا۔ کتاب اخبار عقیلؑ ابن ابی طالبؑ کتاب اخبار السید ابن محمد ۔ کتاب اخبار بنی مروان ابن محمد کتاب اخبار العرب والفروس کتاب ابرہیم کتاب ہدیہ ابن حشوم کتاب اخبار المحد ثین۔ کتاب اخبار سدیف۔ کتاب مقتل عثمان۔ کتاب اخبار ایاس ابن معاویہ کتاب اخبار ابی الطفیل۔ کتاب الغار۔ کتاب الزود۔

شیخ نجاشی نے ان کتابوں کے ذکر کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ یہ سب کتابیں ابی احمد جلودی کی ہیں ان کے نام میں نے فہرستوں میں دیکھے ہیں اور بعض کتابوں کو میں نے خود بھی دیکھا ہے اور مجھ سے عبداللہ ابن حسین ابن عبیداللہ نے کہا کہ مجھ کو ان کی تمام کتابوں کا اجارہ ابوالحسن علیہ ابن عبداللہ ابن حماد عدری نے دیا ہے اور یہ سبب تعصب مذہبی کے عبداللہ کو ایسی نسبت دی ہے جیسا کہ اس کے اور کلمات سے بھی پتہ چلتا ہے ورنہ علماء شیعہ عبداللہ مذکور کے حالات سے زیادہ واقف ہیں اور ان میں سے کسی نے بھی مقام جرح و تعدیل میں اس دعوے کا ذکر نہیں کیا ہے۔

عبدالمومن ابن القسم ابن قیس ابن فہد الانصاری الکوفی

کتاب نجاشی میں مذکور ہے کہ وہ انامین حمامین محمد باقرؑ و جعفر صادق علیہم السلام کے راویوں مین سے تھے اور وہ اور اس کے بھائی ابی مریم ابن عبدالغفار ابن قاسم دونوں ثقہ ہیں اور قیس ابن فہد صحابی تھے چنانچہ گذرہ اور عبدالمومن کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور علم حدیث میں ان کی ایک کتاب علم حدیث میں ہے اکاسی (۸۱) برس کی عمر پا کر ۱۴۷ھ میں وفات پائی۔

اسمٰعیل ابن ابی خالد محمد ابن مہاجر ابن عبید الازدی

ان کے والد نے جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے اور یہ خود امام جعفر صادق علیہ السلام کے راویوں میں سے تھے کتاب فہرست شیخ طوسی میں مذکور ہے کہ دونوں ثقہ اور کوفی اور ہمارے اصحاب میں سے تھے اسمٰعیل کی ایک کتاب قضایا میں ہے جس کے باب باب انہوں علیحدہ کئے ہیں۔

حارث ابن المغیرہ الابصری

یہ امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ و امام موسیٰ کاظم علیہم السلام اور زید ابن علی علیہ السلام کے راویوں سے تھے اور کتاب نجاشی میں مکرر ان کی توثیق کی ہے اور کہا ہے کہ علم حدیث ان کی ایک کتاب ہے۔

راجع ابن زیاد الاشجعی الکوفی

شیخ نجاشی نے فرمایا ہے کہ یہ امامین محامین محمد باقرؑ و جعفر صادق علیہم السلام کے راویوں میں سے تھے بلکہ ثقات و اعیان روات میں سے تھے اور ان کی ایک کتاب بھی ہے۔

ابراہیم ابن محمد ابن ابی تحیٰ ابواسحاق المدنی

کتاب نجاشی میں مذکور ہے کہ وہ جناب امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہم السلام کے مخصوص راویوں میں سے تھے اسی بناء پر محدثین اہل سنت نے ان کو ضعیف شمار کیا ہے اور ہمارے بعض اصحاب نے بعض مخالفین سے نقل کیا ہے کہ واقدی کی تمام کتابیں دراصل محمد مذکور کی ہیں جن کو واقدی نے نقل کر کے اپنے نام سے شہرت دیدی نیز منقول ہیکہ ابراہیم کی ایک کتاب متوب حلال وحرام کی بابت میں ہے جو انہوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔

عبداللہ ابن علی ابن ابی شعبہ الحلبی

کتاب نجاشی میں مذکور ہے کہ وہ اہل کوفہ سے تھے لیکن چونکہ وہ خود اور ان کے والد اور بھائی حلب میں تجارت کرتے تھے اس سبب سے حلبی کہلانے لگے کوفہ میں آل ابی شعبہ کا ایک بڑا گھر ہے ان کے

داداابوشعبہ نے جناب امام حسن علیہ السلام وامام حسین علیہ السلام سے روایت کی ہے اور یہ لوگ ثقہ تھے اور عبداللہ مذکور اس خاندان میں سب سے بزرگ تھے ان کی ایک کتاب ہے جو کے شیخ تھے اور بصرہ میں صاحب عزت ووقار تھے اور اپنے بھائی عامر ابن عبدالملک سے زیادہ معزز تھے اور بصرہ میں ان کی بہت اولاد ہے۔ جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے انہوں نے کچھ روایت کی ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے تو بہت سی روایتیں کی ہیں اور حضرت کے مخصوصین میں سے تھے چنانچہ حضرت نے ایک روز ان سے ارشاد فرمایا کہ میں نے تم کو روز عظیم کے لئے مہیا اور آمادہ کر رکھا ہے ان کلمات ہی سے حضرت کے اعتماد کی حالت ظاہر ہے مسمع مذکور نے جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے بھی روایتیں سنی ہیں اور ان سے بہت سی نادر روایتیں مروی ہیں۔

سلیمان ابن خالد ابن دہقان البجلی الاقطع الکوفی

کتاب نجاشی اور کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ قاری قرآن تھے ان کی ایک انگلی زید ابن علی کی ہمراہی میں یوسف ابن عمر کی تلوار سے جو امیر لشکر کا مخالف تھا کٹ گئی تھی اور سوائے ان کے اصحاب امام جعفر صادق علیہ السلام میں سے کسی نے زید کے ساتھ خروج نہیں کیا تھا۔ برقی وغیرہ سے منقول ہے کہ انہوں نے لڑائی میں راہ فرار اختیار کی اور چونکہ اس جنگ میں امام محمد باقر علیہ السلام کی طرف سے مامور نہ تھے اس لئے توبہ کی اور حضرت کی طرف رجوع کی اور یہ امام محمد باقرؑ امام جعفر صادق علیہ السلام کے راویوں میں سے تھے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں وفات پائی۔

عیص ابن القسم

سلیمان ابن خالد کے بھانجے تھے کتاب کشی میں ان سے منقول ہے کہ میں ایک روز اپنے ماموں کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے میرے ماموں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں جب انہوں نے بتایا کہ میرا بھانجہ ہے تو حضرت نے پوچھا کہ تمہارے امر کو یعنی تمہارے مذہب کو جانتا ہے میرے ماموں نے عرض کی کہ جی ہاں جانتا ہے ارشاد فرمایا کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے اسے شیطان نہیں بنایا۔

عبداللہ ابن میمون ابن اسود القارح

کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ موالی بنی مخذوم میں سے تھے اور پیالے بنایا کرتے تھے ان کے باپ نے امام محمد باقر علیہ السلام وامام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہیں اور انہوں نے خود امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے اور ثقہ تھے۔

کتاب کشی میں عبداللہ مذکور سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ تم میں سے کئے آدمی مکہ میں ہیں میں نے عرض کی کہ ہم لوگ چار آدمی ہیں فرمایا کہ **اظلکم نور اللہ فی ظلمات الارض** یعنی تم لوگ اندھیری زمینوں میں اللہ کا نور ہو۔ اور یہ روایت ان کی عدالت پر دال نہیں ہوسکتی اس لئے کہ وہ قابل اعتماد ہیں۔ نیز کتاب نجاشی میں مذکور ہے کہ ان کی دو کتابیں ہیں ایک احادیث بعثت جناب پیغمبر خدا صلعم اور دوسری جنت ونار کے حالات میں ہے۔ کتاب انصاف سمعانی میں مذکور ہے کہ میمون جعفر کے غلام تھے اور عبداللہ اسمٰعیل کے پاس رہنے لگے اور جب اسمٰعیل نے وفات پائی تو عبداللہ نے دعویٰ کیا کہ میں اسمٰعیل کا بیٹا ہوں حالانکہ میمون غلام کے بیٹے تھے۔ مولف کہتا ہے کہ سمعانی میں نے بھی ابوالحسن علی ابن حماد شاعر کو اجازہ دیا ہے اور مجھ کو ابوعبداللہ ابن ہدیہ نے خبر دی کہ مجھ کو جعفر ابن محمد نے خبر دی کہ مجھے عبدالعزیز نے اپنی تمام کتابوں کا اجارہ دیا ہے۔

محمد ابن قیس ابونصر الاسدی

کتاب نجاشی میں مذکور ہے کہ وہ کوفہ کے اعیان عرب میں سے تھے اور عمر عبدالعزیز اور بعد اس کے یزید ابن عبدالملک سے خصوصیت خاصہ رکھتے تھے ان میں سے کسی نے محمد ابن قیس کو بادشاہ روم کے پاس بطور سفیر کے بھیجا تھا تا کہ ان مسلمانوں کو جنہیں کفار روم نے اسیر کر لیا ہے رہا کریں اور یہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے راویوں میں سے تھے اور ان کی ایک کتاب قضایائے امیر المومنین علیہ السلام میں اور ایک کتاب نوادر حدیث میں ہے۔

محمد ابن الحسن ابن ابی سیّارہ الرّواسی

کتاب نجاشی میں مذکور ہے کہ انکی اصل کوفہ سے تھی لیکن وہ ان کے والد پہلے ساکن قبل تھے اور دونوں امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے راویوں میں سے تھے محاذ ابن مسلم ابن

ابی سیارہ کہ جن کا ذکر اس کتاب میں ائمہ نحو کے باب میں آئے گا محمد ابن حسن کے چچازاد بھائی تھے اور ان کا خاندان خاندان فضل وادب تھا کسائی نحوی نے علوم غریبہ محمد ابن حسن اور معاویہ مذکور سے حاصل کئے ہیں اور فرّاء نے اپنی کتابوں میں اکثر حکایتیں ان سے نقل کی ہیں اور حمید کی ایک کتاب بیان وقف ابتدا اور دوسری کتاب کتاب ہمزہ اور تیسری کتاب اعراب قرآن کے بارے میں ہے۔

اسمٰعیل ابن الفضل ابن یعقوب ابن عبداللہ ابن الحارث ابن نوفل ابن الحارث ابن عبدالمطلب الہاشمی

ابن داؤد نے کہا ہے کہ وہ امامین ہمامین محمدؑ باقرؑ و جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے اور کتاب کشی میں مذکور ہے کہ ثقات بصرہ میں سے تھے۔

ابی ہارون

مختار کشی اور کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ وہ اصحاب امام محمد باقر علیہ السلام کے بزرگوں میں سے تھے۔ اور مختار میں ابی ہارون سے منقول ہے کہ میں حسن ابن حسین علوی کے گھر میں رہتا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ مجھے امام محمد باقر علیہ السلام و امام جعفر صادق علیہ السلام سے تعلق ہے تو انہوں نے مجھے اپنے گھر سے نکال دیا امام محمد باقر علیہ السلام میرے احوال پرسی کے لئے تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ اس شخص نے تمہیں اپنے گھر سے نکال دیا ہے میں نے عرض کی کہ میری جان آپ پر فدا ہو یہ خبر صحیح ہے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تم اس گھر میں تلاوت قرآن مجید بہت کرتے تھے اور جس گھر میں تلاوت کلام مجید کی جاتی ہے وہاں سے ایک نور الٰہی آسمان تک جاتا ہے کہ اس نور کے سبب سے اور گھروں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔

مسمع ابن عبدالملک ابن النّیار

کتاب خلاصہ اور کتاب نجاشی اور مختار کشی میں مذکور ہے کہ وہ قبیلہ بکر ابن وائل انہوں نے تالیف کرنے کے بعد حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی اور حضرت نے ان کی تصحیح فرمائی اور فرمایا کہ ہمارے مخالفین کے پاس ایسی کتاب نہیں ہے اور یہ کتاب ہمارے اصحاب میں مشہور متداول تھی

ابن داؤد نے کہا ہے کہ پہلے شخص ہیں اصحاب امام جعفر صادق علیہ السلام سے جنہوں نے حدیث اور ثقہ کے بارے میں کتاب تصنیف کی۔

محمد ابن علی ابن النعمان ابن ابی طرفہ الاحول البجلّی الکوفی الابصری المقلب بہ مومن الطاق

ذہانت وذکاوت میں طاق اور تمیز حق باطل میں یگانہ آفاق تھے ان کا لقب روشن محک ایمان پر کسا گیا اور پورا اترا معیار عقل نے ایسا بے میل زر نہیں دیکھا اور جوہر شناس فہم کی نظر سے ایسا بے بہا گوہر نہیں گزرا۔

کتاب ابن داؤد اور خلاصہ اور کشی میں مذکور ہے کہ وہ امامین ہمامین امام جعفر صادقؑ و امام موسیٰ کاظم علیہما السلام کے اصحاب میں سے تھے انکی کنیت ابوجعفر اور لقب احول اور مومن الطاق ہے لیکن مخالفان شیطان سیرت ان کو شیطان الطاق کہتے تھے اس لئے کہ وہ کوفہ میں طاق حمامل کے پاس دوکان رکھے ہوئے تھے اور لوگ روپیہ اور اشرفیاں پرکھوانے کے لئے ان کے پاس جایا کرتے تھے اس لئے کہ کھوٹے کھرے کی پہچاننے میں ان کو مہارت تامہ تھی یہاں تک کہ لوگ تعجب کرتے تھے اور انکو شیطان الطاق کہتے تھے چنانچہ مشہور ہے کہ ایک روز ابوحنیفہ کوفہ میں معہ اپنے اصحاب کے کہیں پر بیٹھا ہوا تھا یکایک حضرت ابوجعفر دور سے دکھلائی دئے اور اسی جلسہ کی طرف متوجہ ہوئے ابوحنیفہ کی نظر ان پر پڑی تو اپنے اصحاب سے کہنے لگا کہ تمہارے پاس شیطان الطاق آتا ہے ابوجعفر نے یہ کلمہ سن لیا قریب پہونچ کر یہ آیت پڑھی۔ انا ارسلن الشیاطین علی الکافرین توذھم اذّا۔

شیخ نجاشی نے کہا ہے کہ وہ خاندان بزرگ سے تھے اور ان کے والد منذر ابن ابی طرفہ راویان امام زین العابدینؑ امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہم السلام سے تھے ان کے چچازاد بھائی حسین ابن ابی طرفہ بھی تینوں اماموں کے راویوں میں سے تھے مومن الطاق کا علم وفضل محتاج بیان نہیں ہے منجملہ اپنی کتابوں کی کتاب احتجاج در امامت امیر المومنینؑ و کتاب ردخوارج کتاب افعل لا تفعل ہیں نیز ایک کتاب ادن صخیون کے حالات سی حکایتیں ابوحنیفہ کے ساتھ مشہور ہیں چنانچہ ایک روز ابوحنیفہ نے ان سے کہا کہ اے ابوجعفر تم رجعت کے قائل ہو انہوں نے کہا کہ ہاں۔ ابوحنیفہ نے کہا کہ پانچ سو اشرفیاں مجھ کو قرض دو رجعت کے زمانہ میں ادا کردوں گا۔ ابوجعفر نے کہا کہ منجملہ احکام رجعت کے یہ بھی ہے کہ بعض مخالفین اہل بیتؑ زمانہ رجعت میں کتے اور سور وغیرہ کی شکلوں میں رجوع کریں گے تم کوئی ضمانت

دو کہ ان چیزوں کی شکل میں نہ ہو گے تو میں تمہیں قرض دوں نہیں تو میں ڈرتا ہوں کہ تم کتے اور سور کی شکل میں ہو تو میرا قرضہ کیونکر ادا ہوگا۔

نیز مروی ہے کہ ایک روز ابو حنیفہ نے کہا کہ اگر علی ابن ابی طالبؑ کو خلافت کا حق تھا تو بعد وفات جناب رسالت مآبؐ اپنے حق کو طلب کیوں نہ کیا مومن طاق نے جواب دیا کہ حضرت کو یہ اندیشہ ہوا کہ آپ کو بھی ابو بکر و عمر کی صحبت جناب مغیرہ ابن شعبہ کے تیر سے مثل سعد ابن عبادہ کے قتل نہ کر دیں۔

منقول ہے کہ ایک روز ابو حنیفہ اور مومن طاق ساتھ ساتھ کوفہ کی گلیوں میں پھر رہے تھے کہ یکا یک آواز آئی۔ من بدلّنی علیٰ صبی خیالٌ یعنی کون ہے جو میرے گم شدہ لڑکے کا پتہ دے۔

مومن طاق نے جواب دیا کہ جتنی ضال تو میں نے نہیں دیکھا اگر شیخ ضال درکار ہو تو یہ ابو حنیفہ کوفی موجود ہیں۔

نیز منقول ہے کہ جب امام جعفر صادق علیہ السلام نے وفات پائی تو ابو حنیفہ مومن طاق کے پاس آیا اور بطور شماتت یہ کہا کہ تمہارے امام مر گئے مومن طاق نے جواب دیا کہ بیشک لیکن تمہارا امام تو وقت معلوم تک مہلت دیا گیا ہے یعنی تمہارا امام شیطان ہے جو وقت معلوم تک نہ مرے گا۔ اسی طرح مومن طاق اور ابن ابی جدرہ کے درمیان میں جو مثل ابو حنیفہ مومن طاق کو دیکھا کہ مسجد مدینہ میں اہل مدینہ کے ساتھ مناظرہ کر رہے ہیں میں پاس گیا اور کہا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہم کو منع فرمایا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ بات کریں ابو جعفر نے کہا کہ کیا تم کو اس کا بھی حکم دیا ہے کہ تم مجھے منع کرو میں نے کہا کہ مجھ کو یہ حکم دیا ہے کہ مخالفین سے بات نہ کروں انہوں نے کہا اچھا جاؤ تم اور اطاعت کرو میں امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور سب حالات بیان کئے حضرت نے تبسم فرمایا۔ اور فرمایا کہ اے ابو خالد خالد صاحب طاق اگر لوگوں سے بات کرتا ہے اور مناظرہ کرتا ہے تو ان کی حالت مثل اس طائر کے ہے کہ جس کے بال کاٹ بھی دئے جائیں جب بھی وہ اڑ سکے لیکن اگر تمہارے پر تراش دئے جائیں تو تم نہیں اڑ سکتے ۔ اور کتاب جامع کافی کلینی علیہ الرحمہ میں ابو جعفر مذکور سے روایت ہے کہ جس زمانہ میں زید ابن علی بنی امیہ سے چھپے ہوئے تھے اور ارادہ خروج کرنے کا رکھتے۔ کسی کو بھیج کر مجھے بلا بھیجا اور فرمایا کہ اگر کوئی شخص ہمارے خاندان سے ان ظالموں پر خروج کرے اور تم سے اپنی ہمراہی کا خواستگار ہو تو تم ہمراہی کرو گے یا نہیں میں نے کہا کہ اگر وہ آپ کے والد یا آپ کے بھتیجے ہوں تو ان کے ساتھ ہمراہی کروں گا اور ان سے جہاد کروں گا یہ سن کر زید نے فرمایا کہ میں متغلیان بنی امیہ پر خروج کروں گا اور ان سے جہاد کروں گا تم میرا ساتھ دو میں نے کہا کہ میری جان آپ پر فدا ہو میں اس کام میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا زید نے فرمایا کہ تم اپنی جان میرے مقابلہ میں عزیز رکھتے ہو میں نے عرض کیا کہ میری ایک نفس سے زیادہ نہیں ہے

جس کو راہ حق میں صرف کرنا چاہئے اگر خداوند عالم کی طرف سے کوئی حجت زمین میں موجود ہے تو جو شخص آپ کی ہمراہی نہ کرے وہی ناجی اور ستمگار اور جو آپ کے ساتھ خروج کرے وہ ہلاک ہونے والا ہے اور اگر خدا کی کوئی حجت نہیں ہے تو آپ کا ساتھ دینے والا اور نہ دینے والا دونوں مساوی ہے۔

زید نے فرمایا کہ ابو جعفر میں بارہا اپنے بزرگوں کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھا ہوں اور حضرت کو مجھ سے ایسی محبت تھی کہ جب لقمہ میرے منہ میں دیتے تھے تو پہلے اسے ٹھنڈا کر لیتے تھے کہ مبادا اس کی گرمی سے مجھ کو اذیت نہ ہو کیا جو شخص ایک لقمہ کی حرارت میرے لئے پسند نہ کرے کیا وہ آتش دوزخ کو میرے لئے پسند کرے گا اور حجت خدا کو تمہیں بتا دے گا اور مجھ سے چھپائے گا۔ میں نے عرض کیا کہ میری جان آپ پر فدا ہو یہ بھی انتہائی محبت کا سبب تھا انہوں نے یہ خیال کیا کہ حجت خدا کو آپ پر ظاہر کریں اور آپ باوجود ان سے سننے کے پھر بھی اطاعت نہ کیجئے تو جہنم آپ پر واجب ہو جاتی اور پھر وہ آپ کی اطاعت نہ کر سکتے لہذا انہوں نے آپ سے پوشیدہ رکھا کہ اگر آپ نادانی کی حالت میں حجت خدا کی اطاعت نہ بھی کیجئے گا جب بھی اس جہالت کے عذر کے سبب سے قابل شفاعت رہے گا اور میرے متعلق انکو ایسا خیال نہ تھا اس لئے مجھے بتا دیا کہ اگر میں نے اطاعت کی تو جنت میں جاؤں گا اور اگر مخالفت کی تو جہنمی ہوگا تو اس کا کوئی حرج نہیں اس کے بعد میں نے پوچھا کہ آیا آپ افضل ہیں یا انبیاءؑ انہوں نے فرمایا کہ انبیاءؑ افضل ہیں۔ میں نے کہا پھر حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹے حضرت یوسفؑ سے کیوں منع کیا کہ اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا پس جب حضرت یعقوب نے اپنے بیٹے حضرت یوسف کی نبوت اپنے اور بیٹوں سے چھپائی تو اگر آپ کے والد نے آپ کے بھائی کی امامت کو آپ پر پوشیدہ رکھا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے زید نے یہ جواب سن کر پسند کیا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے مراتب و فضائل کرامت و ولایت و حجت کو بیان فرمایا اور کہا کہ تمہارے صاحب نے مجھ کو مدینہ میں خبر دی ہے کہ میں اس خروج میں قتل ہوں گا اور مقام کناسہ میں مجھ کو پھانسی دیجائے گی اور انکے پاس ایک ایسا صحیفہ ہے کہ جس میں میرے قتل اور پھانسی دئے جانے کا حال لکھا ہے۔ ابو جعفر کہتے ہیں کہ میں اسی سال حج کو گیا اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور زید کی گفتگو کا ذکر کیا حضرت نے فرمایا کہ تم نے تو ان کو ہر شش جہت سے ایسا گھیر لیا کہ نکلنے کا راستہ ہی نہ رکھا۔ نیز مروی ہے کہ جب ضحاک خارجی نے کوفہ میں خروج کیا اور اپنا نام امیر المومنین رکھا اور لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف دعوت دینے لگا مومن طاق اس کے پاس گئے اس کے اصحاب نے فوراً ان کو گرفتار کر لیا اور ضحاک کے پاس لے گئے مومن طاق نے ضحاک سے کہا کہ میں ایک ایسا شخص ہوں کہ امور دین میں بصیرت رکھتا ہوں اور آپ کے عدل و انصاف کا شہرہ سن کر حاضر ہوا ہوں کہ آپ کے اصحاب میں داخل ہوا ہوں یہ سنکر ضحاک نے اپنے اصحاب

سے کہا کہ واقعاً یہ شخص اگر ہمارے ساتھ ہو جائے تو ہمارا کام چل نکلے گا۔

مومن طاق نے کہا کہ یہ فرمائیے کہ آپ علی ابن ابی طالبؑ سے کیوں بیزار ہیں اور انکے قتل وقتال کو کیوں حلال سمجھتے ہیں۔

ضحاک نے کہا کہ انہوں نے دین خدا میں حکم قرار دیا تھا تو آپ نے باگ موڑی اور پھر دوسرے راستہ کی طرف تشریف لے گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ ہیبت اور رعب خداوند عالم کی طرف سے ہے اور چونکہ حضرت کو اس کی درگاہ میں بیحد قرب ومنزلت حاصل ہے اسی وجہ سے یہ اثر ہے پس حشام نے حضرت کی طرف رجوع کی اور اپنے مذہب باطل کو چھوڑ دیا اور مذہب حق جعفری اختیار کیا اور کچھ دن میں حضرت کے دوسرے اصحاب پر فوق لے گئے اور مختار کشی میں یونس ابن عبدالرحمن نے نقل کیا ہے کہ ایک دن میں حشام ابن حکم کے ساتھ مسجد میں تھا کہ یحیٰ ابن خالد کا آدمی آیا اور کہا کہ یحیٰ کہتے ہیں کہ میں نے رافضیوں کے مذہب کو باطل کر دیا اس لئے کہ ان کے خیال میں بغیر امام زندہ کے دین قائم نہیں رہ سکتا اور میں نے ان کے امام کو اسیر کر لیا ہے نہیں سمجھ سکتے کہ انکے امام زندہ ہیں یا مردہ ہیں۔

حشام نے جواب دیا کہ ہم کو بھی عقیدہ رکھنا لازم ہے کہ جب تک خبر وفات امام کی ہم تک نہ پہونچے ہم ان کو زندہ ہی سمجھیں خواہ وہ ظاہر ہوں یا غائب جیسے اگر کوئی شخص اپنے اہل اور زوجہ سے کچھ دنوں کے لئے غائب ہو جائے اور ان کو پتہ نہ چلے کہ کہیں سفر پر گیا ہے یا اسی شہر کے کسی مکان میں چھپا ہے تو ان لوگوں پر اس کا زندہ ہی سمجھنا واجب ولازم ہے یہ سن کر یحیٰ کا قاصد پلٹ گیا۔ یحیٰ نے یہ جواب سن کر کہا کہ آخر میں حشام پر کوئی الزام رکھنے کی کوئی تدبیر نہ کر سکا یہ کہہ کر یحیٰ ہارون کے پاس گیا اور اس کو حشام کے جواب کی اطلاع دی۔

اس نے ہشام کے بلانے کے لئے کسی کو بھیجا حشام کو بھی اطلاع ہو گئی اور وہ پوشیدہ ہو گئے ڈھونڈھنے والے لوگ آئے اور گھر میں نہ پا کر واپس گئے اس واقعہ کے دو ہی مہینہ یا کچھ زائد کے بعد حشام نے انتقال فرمایا۔

یونس سے منقول ہے کہ حشام کا یحیٰ ابن خالد کے پاس جانے اور سلیما ابن جلیل سے مباحثہ کرنا ۔امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اسیر ہونے کے بعد کے واقعات ہیں نیز مختار میں یونس ابن یعقوب سے روایت کی ہے کہ ایک روز امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں آپ کے اصحاب بیٹھے ہوئے تھے جن میں حجران ابن عقیل مومن الطاق طیار اور حشام ابن سالم اور حشام ابن حکم بھی تھے اور حشام ابن حکم اس زمانہ میں نوجوان آدمی تھے۔

حضرت نے حشام سے فرمایا کہ تم نے جو عمرو ابن عبید رئیس معتزلہ کے ساتھ مناظرہ کیا تھا اس کو

بیان کرو۔ حشام نے عرض کی کہ مجھے حضور کے سامنے عرض کرتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے اور میری زبان نہیں کھل سکتی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب میں تم لوگوں کو کسی چیز کی اجازت دوں تو اس میں توقف نہ کرنا چاہیے۔ پس حشام نے باطمینان تمام عرض کرنا شروع کیا کہ جب مجھے خبر ملی کہ عمرو ابن عبید مسجد بصرہ میں مسند پر بیٹھا ہے اور مسئلہ امامت نیز اور مسائل سائل اصول کلام بیان کرتا ہے اور اپنے بزرگوں کے طریقہ کو بہتر سمجھتا ہے تو میں بصرہ گیا اور روز جمعہ مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ عمرو ابن عبید ایک سوف سیاہ کا شملہ پہنے ہوئے اور دوسرے شملہ کی ردا بنائے ہوئے بیٹھا ہے اور لوگ اس کے گرد دورہ کئے ہوئے اس سے سوال مسائل علمی کے کر رہے ہیں پس میں لوگوں کے مجمع کو چیرتا ہوا اس کے قریب پہونچکر دوزانو بیٹھ گیا اور کہا کہ اے عالم میں ایک مرد مسافر ہوں آپ اجازت دیتے ہیں کہ سوال کروں۔ اس نے کہا کہ ہاں۔

میں نے پوچھا کہ آیا آپ کے آنکھ ہے اس نے کہا کہ اے فرزند یہ کیا سوال ہے جو تم نے مجھ سے کیا۔ میں نے کہا کہ میرا مسئلہ تو یہی ہے اس نے کہا کہ اچھا سوال کرو اگرچہ سوال احمقانہ ہی کیوں نہ ہو میں جواب دوں گا۔ میں نے کہا اچھا میرے سوال کا جواب دیجئے۔ کہنے لگا کہ ہاں میرے آنکھ ہے۔ میں نے کہا کہ تم اپنی آنکھ سے کیا دیکھتے ہو انہوں نے کہا کہ مختلف رنگوں کو دیکھتا ہوں اشخاص کو پہچانتا ہوں۔ میں نے سوال کیا کہ تمہارے ناک ہے۔ جواب دیا کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ اس سے کیا کام لیتے ہو کہا کہ خوشبو سونگتا ہوں۔ پھر میں نے کہا کہ تمہارے دہن ہے۔ جواب دیا کہ ہاں۔ میں نے کہا اس سے کیا کام لیتے ہو۔ کہا کھانے کا مزہ چکھتا ہوں۔ میں نے کہا کہ تمہارے دل بھی ہے جواب دیا کہ ضرور ہے۔ میں نے کہا کہ اس سے کیا کام لیتے ہو۔ کہنے لگا کہ دل کے ذریعہ سے میں ان چیزوں میں تمیز کرتا ہوں جو اعضائے مذکورہ پرواردہوتی ہیں یعنی خوشبو بدبو شیرینی اور تلخی اور نمکینی نیز مختلف رنگ کے درمیان میں تمیز کرتا ہوں کہ یہ چیز کیسی ہے میں نے کہا کہ آیا یہ اعضاء دل کے محتاج ہیں یا نہیں اس نے کہا کہ محتاج ہیں میں نے کہا کہ کیوں کر محتاج ہیں درانحالیکہ خود صحیح وسالم ہیں اور قوت واحساس رکھتے ہیں۔ جواب دیا کہ اے فرزند جب مجھے کسی دیکھی ہوئی یا سونگھی ہوئی چیز میں شک ہوتا ہے تو دل کی طرف رجوع کرتا ہوں پس یقین ہو جاتا ہے اور شک زائل ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ خدائے تعالیٰ نے دل اسی لئے پیدا کیا ہے کہ اعضا کا شک زائل ہو اور یقین حاصل ہو سکے اس نے کہا کہ ہاں ایسا ہی ہے اور جو شخص دین خدا میں حکم قرار دے اس کا قتل کرنا جائز ہے مومن طاق نے کہا کہ اچھا آپ اپنے اصول دین سے مجھ کو آگاہ کیجئے تاکہ میں آپ کے ساتھ مناظرہ کروں اور جب آپ از روئے دلیل مجھ پر غالب آجائیں تو میں آپ کے اصحاب میں داخل ہو جاؤں۔ ضحاک اس پر راضی ہوا مومن طاق نے کہا کہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اور شخص بھی میرے اور آپ کے مناظرے کو سنے تاکہ میرے اور آپ کے دلائل کی صحت وفساد کو سمجھ کر

فیصلہ کر سکے کہ کس کے دلائل صحیح ہیں اور کس کے غلط۔

ضحاک نے اپنے اصحاب میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ یہ شخص عالم و فاضل ہے میں اس کو حکم قرار دیتا ہوں۔

مومن طاق نے فرمایا کہ اس امر دین میں اس شخص کو قرار دیتے ہو۔ ضحاک نے قبول کیا مومن طاق اس کے اصحاب کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ دیکھو! تمہارے صاحب نے دینِ خدا میں حکم قرار دیا اب تم جانو اور وہ اصحاب ضحاک یہ سن کر ایسا برافروختہ ہوئے کہ فوراً لکڑیوں اور تلواروں سے ضحاک کو واصل جہنم کیا مختار کشی میں مفصل ابن عمر سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ مومن طاق کے پاس جاؤ اور حکم دو کہ مخالفین سے مناظرہ نہ کرے میں ان کے دروازہ پر آیا جب انہوں نے کوٹھے پر سے دیکھا تو میں نے کہا کہ امام نے تم کو حکم دیا ہے کہ اغیار سے باتیں نہ کرو۔

مومن طاق نے جواب دیا کہ میں ڈرتا ہوں کہ صبر نہ کر سکوں۔

مولف کہتا ہے کہ میں بھی مدتوں اس بلا میں گرفتار تھا اور اغیار سے تقیہ اور مدارات کرتا تھا اور بے صبری سے ڈرتا تھا آخر کار وہی پیش آیا اور دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ گیا اور بے صبری کی حالت میں میں نے یہ کتاب لکھی اب میں خدا کی درگاہ میں پناہ مانگتا ہوں اور اپنے جوش بے اختیاری کو پیش کر کے اسی کتاب کو اپنا سفارشی بناتا ہوں۔

ابو محمد ہشام ابن الحکم الکندی الشیبانی الکوفی

بزرگان ائمہ کلام و اذکیاء علمائے اعلام میں سے تھے اور اپنے ذہانت و خوش بیانی سے مذہب امامیہ کی ترویج اور مذاہب باطلہ کا ابطال کرتے رہتے تھے زود فہمی اور بدیہہ گوئی بلندی فطرت اور حاضر جوابی میں مشہور ہیں حسن ابن داؤد نے نقل کیا ہے کہ ایک دن کسی نے ہشام سے پوچھا کہ آیا معاویہ جنگ بدر میں شریک ہوا تھا ہشام نے فوراً جواب دیا کہ ہاں کفار کی طرف سے شریک ہوا تھا کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ ہشام موالی قبیلہ کندہ میں سے ہیں کوفہ میں پیدا ہوئے اور محلہ بنی سبعمان میں ان کا مکان تھا نشو و نما ان کی واسط میں ہوئی بغداد میں تجارت بھی کرتے تھے اور وہیں انتقال بھی کیا۔

جناب امام جعفر صادقؑ و امام موسیٰ کاظم علیہم السلام کے راویوں میں سے تھے اور روایت اخبار میں صدوق اور صدیق اور مذہب ائمہ میں ثقہ اور صاحب تحقیق تھے اور ان کے اوصاف جمیلہ کا شہرہ تمام شہروں میں ہے اور ان کی شام میں امامین ہمامین علیہم السلام سے روایتیں مروی ہیں جب ۱۹۷ھ میں انہوں نے وفات پائی اور یہ خبر وحشت اثر امام رضا علیہ السلام نے سنی تو ان کے لئے دعائے رحمت کی۔

شیخ ابو عمرو کشی نے داؤد ابن ہاشم جعفری سے نقل کیا ہے کہ میں نے ایک روز امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ہشام ابن الحکم کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں حضرت نے جواب دیا کہ خدا ان کی مغفرت کرے وہ مخالفین کے شبہات دفعہ کرنے میں بہت اہتمام کرتے تھے۔

نیز کتاب کشی میں عمرو ابن یزید سے منقول ہے کہ میرے چچازاد بھائی ہشام ابتدا میں جہم ابن صفوان کے مذہب پر تھے اور نہایت خبیث تھے۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ مجھ کو امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں لے چلو تو میں ان سے مناظرہ کروں میں نے کہا کہ جب تک حضرت سے اجازت نہ لے لوں تم کو نہیں لیجا سکتا۔ پس میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہشام کے لئے اجازت مانگی۔

حضرت نے اجازت دی اور میں اٹھ کر چند قدم چلا کہ مجھ سے ہشام کی شوخی طبیعت اور جسارت یاد آئی میں پھر پلٹا اور حضرت کو ہشام کے حال کی خبر دی۔ حضرت نے فرمایا کہ تم میرے متعلق ڈرتے ہو میں اپنے کلام سے پشیمان اور خجل ہوا اور ہشام کو حضرت کے اجازت کی خبر دی۔ ہشام میرے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان سے ایک ایسا مسئلہ پوچھا کہ جس کا جواب نہ دے سکے چند دن کی مہلت طلب کی حضرت نے مہلت دی لیکن باوجود چند روز کوشش کرنے کے کوئی جواب نہ مل سکا ہشام حضرت کی خدمت میں واپس آیا اور اس مسئلہ کا جواب حضرت ہی سے سیکھا پھر حضرت نے ایک دوسرا سوال کیا کہ جس میں ہشام کے مذہب کا ابطال تھا ہشام غمگین اور متحیر چلے آئے اور چند روز تک متحیر رہے۔

عمرو ابن یزید کہتے ہیں کہ آخر کار پھر مجھ سے درخواست کی کہ مجھ کو حضرت کی خدمت میں پھر لے چلو میں نے ان کی خواہش کا حال میں نے حضرت سے عرض کیا آپ نے فرمایا کہ کل چاشت کے وقت فلاں مقام پر آئیں میں وہیں ملوں گا۔

ہشام نے جب یہ خبر سنی تو بہت خوش ہوئے اور حضرت سے قبل ہی اس مقام پر پہونچ گئے۔

میں نے ہشام سے اس ملاقات کا حال پوچھا تو انہوں نے بیان کیا کہ جب میں اس مقام پر گیا کچھ دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ حضرت ایک خچر پر تشریف لا رہے ہیں بمجرد زیارت آپ کا کچھ ایسا رعب میرے دل پر بیٹھ گیا کہ دل میں میرے کوئی خیال نہ رہا اور نہ زبان میں طاقت گویائی۔

حضرت کچھ دیر تک سر جھکا کر کھڑے رہے کہ شاید میں کچھ باتیں کروں لیکن جب دیکھا کہ جس قدر حضرت ٹھہریں گے میری حیرت بڑھتی جائے گی۔ ناچار آپ نے اپنے گھوڑے کی باگ اس جانب کے بعض کوچہ کی طرف موڑی اور مجھے معلوم ہوگیا کہ جو کچھ رعب و داب آپ کا مجھ پر طاری ہوا تھا وہ منجانب خدا تھا نیز اس کا باعث ان جناب کی قرب منزلت درگاہ جناب حق تعالیٰ تھا۔ پس ہشام نے اس

دن آنحضرتؐ کی خدمت میں رجوع اور اپنے سابق مذہب سے روگردانی کی اور پابند مذہب حق جعفری ہو گیا۔ چنانچہ تھوڑے عرصہ میں حضرت کے اوراصحاب پر فوقیت لے گیا۔

مختار کشی میں یونس بن عبدالرحمان سے نقل کیا ہوا ہے وہ کہتا ہے کہ ایک روز میں ہشام بن الحکم کے ہمراہ مسجد میں تھا کہ ناگاہ ایک قاصد یحیٰی بن خالد کی جانب سے آیا کہا کہ یحیٰی کہتا ہے کہ میں نے رافضی مذہب کو ان پر فاسد کردیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ دین بغیر زندہ امام کے قائم نہیں رہ سکتا اور اب ہم نے ان کے امام (مراد حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام) کو قید کر رکھا ہے ان کو (شیعوں کو) معلوم نہیں کہ ان کا امام زندہ یا مردہ۔

ہشام نے جب یہ بات سنی تو کہا کہ دین میں اس قدر اعتقاد واجب ہے کہ امام زندہ ہے خواہ ہمارے نزدیک حاضر ہو یا چھپا ہوا ہو تاوقتیکہ اس کے انتقال کی خبر ہم کو ملے۔ اور جب تک اس کے انتقال کی خبر ہمکو نہ ملے تو ہم اس کی زندگی کے اعتقاد پر باقی رہیں گے۔ تب ایک مثال (ہشام نے) پیش کی اور کہا جس وقت کوئی آدمی اپنے اہل (مراد زوجہ) کے نزدیک ہو پھر سفر مکہ کو جائے یا اہل محلّہ کے کسی گھر یا شہر میں چھپا رہے تو ہم پر ضروری ہے کہ اس کی زندگی کو تسلیم کریں جب تک اس کے برخلاف نہ ظاہر ہو (یہ سن کر) یحیٰی کا قاصد واپس ہوا اور ہشام کا جواب اس تک پہونچایا۔

یحیٰی نے جب اس جواب کو سنا تو کہنے لگا آخر ہشام کے الزام دینے میں کچھ بن نہ پڑا۔ اس کے بعد یحیٰی ہارون کے پاس گیا اور اس کو ہشام کے جواب سے آگاہ کیا۔ چنانچہ ہارون نے دوسرے ہی دن ہشام کو بلا بھیجا۔ ہشام صورت حال سے مطلع ہو کر چھپ گیا اور ہارون کے قاصدوں نے اس کو نہ پایا آخر واپس ہوئے۔

اس واقعہ کے بعد ہشام دو ماہ یا کم عرصہ کے اندر جوار رحمت الٰہی میں پہونچے اور مواخذہ ہارون کی سختی سے رہائی پائی۔

یونسؒ سے منقول ہے کہ ہشام کا یحیٰی بن خالد کے پاس جانا اور اس کا مباحثہ سلیمان بن جریر کے ساتھ حضرت امام موسیٰ کاظم کے قید ہونے کے بعد تھا۔ اور نیز مختار ابن یونس بن یعقوب سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت صادقؑ کے اصحاب کی ایک جماعت اس کے پاس موجود تھی۔ انہیں میں سے حمران بن اعین۔ مومن الطاق۔ طیّار۔ ہشام بن سالم۔ ہشام بن الحکم تھے ان میں سے ہشام جوان تازہ تھا۔ پس حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہشام سے فرمایا تقریر کر اس مناظرہ کی جو تجھ میں اور عمرو بن عبید رئیس (فرقہ) معتزلہ میں واقع ہوا۔

ہشام نے عرض کی مجھے حضور کے رعب میں ان باتوں کے ذکر کرنے سے شرم آتی ہے

اور میری زبان حضور کے رعب کے مارے کھلتی نہیں۔ حضرت نے فرمایا جب کہ میں نے تمہیں کسی بات کے لئے اجازت دیدی تمہیں اس میں تاخیر نہیں کرنا چاہئے۔ تب ہشام نے بڑے اطمینان کے ساتھ خدمت امام میں عرض کرنا شروع کیا کہ جب مجھے خبر ملی کہ عمرو ابن عبید بصرہ کی مسجد میں مسند دعویٰ پر بیٹھا ہوا ہے اور مسئلہ امامت اور اصول کلام کے مسائل کے متعلق اپنے سلف کے طریقہ کو ترجیح دیتا ہے تو میں بصرہ کی طرف متوجہ ہوا اور جمعہ کے دن وہاں پہونچا اور مسجد میں داخل ہوا میں نے دیکھا کہ عمرو بن عبید سیاہ اونی عمامہ باندھے ہوئے اور اسی طرح ایک سیاہ اونی ردا اوڑھے ہوئے ہے اور ایک جماعت اس کے گرد صف بستہ ہے جو اس سے مسائل علمیہ دریافت کر رہی ہے میں نے صفوں کو چیرا اور عمرو کے برابر جا کر دو زانوں بیٹھ کر اس سے پوچھا کہ اے عالم میں ایک اجنبی آدمی ہوں کیا آپ مجھے سوال کرنے کی اجازت دیتے ہیں عمرو وہاں اجازت ہے۔ میں نے (سب سے پہلے) اس سے دریافت کیا تمہارے آنکھیں ہیں۔

عمرو نے کہا اے فرزند یہ کیسا سوال تم مجھ سے کر رہے ہو۔ میں نے کہا میرا سوال تو یہی ہے۔

عمرو نے کہا اچھا سوال کرو اگرچہ تمہارا سوال احمقانہ ہے۔

میں نے کہا مجھے میرے سوال کا جواب دیجئے۔ عمرو نے کہا کیوں نہیں میری آنکھیں ہیں۔ میں نے کہا آپ اس سے کیا دیکھتے ہیں۔

عمرو میں ان سے رنگوں اور وجود اشخاص کو دیکھتا ہوں۔

(دوسرا سوال) میں نے پوچھا تمہارے ناک ہے۔ بولا ہاں ہے۔

میں اس سے کیا کام کرتے ہو۔ بولا اس سے سونگھتا ہوں۔

میں تمہارے کان ہیں بولا ہیں۔

میں اس سے کیا کام لیتے ہو۔ عمرو اس سے باتیں سنتا ہوں۔

(چوتھا سوال) میں نے دریافت کیا تمہارا مُنہ بھی ہے۔ کہا ہے۔

میں اس سے کیا کام لیتے ہو بولا اس سے کھانا چکھ لیتا ہوں۔

(پانچواں سوال) میں نے دریافت کیا کہ تیرے دل ہے۔ بولا ہے۔

میں نے کہا اس سے کیا کام لیتے ہو۔ بولا میں اس سے ان چیزوں میں تمیز کرتا ہوں جو اعضائے مذکورہ پر وارد ہوتی ہیں۔

میں۔ اعضا کیوں بے پرواہ نہیں ہیں باوجود یکہ دریافت کرنے کی قوت رکھتے ہیں اور صحیح وسالم ہیں۔ بولا اے فرزند جب کبھی مجھے شک ہوتا ہے دیکھنے یا چکھنے یا سونگھنے کی چیزوں میں تو میں اپنے دل کی جانب رجوع کرتا ہوں تو مجھے یقین ہو جاتا ہے اور شک دور۔

میں نے اس وقت کہا کہ خداتعالیٰ نے دل کو اعضا کو شک کے دور کرنے کے لئے بنایا ہے۔ بولا ہاں۔

میں۔ تو دل کا ہونا ضروری ہوا تا کہ اعضا کو یقین حاصل ہو۔ بولا ہے تو یونہی۔

میں۔ تو پھر تم اسباب کے قائل ہو کہ خدائے تعالیٰ نے ان اعضاء کو تو ایک ایسے امام سے (جو کہ ان میں تمیز و یقین اور صحیح و باطل میں ان کے فرق کرے) خالی نہ چھوڑے اور اتنی بڑی مخلوق کو واوئے حیرت و شک واختلاف میں مقیم رکھے اور انکے لئے ایک ایسا امام کہ وہ سب شک و حیرت کی حالت میں اس سے رجوع کریں مقرر نہ فرمائے عمرو یہ سن کر چپ ہو گیا اور سوچنے لگا اور ایک لحظہ کے بعد سر اٹھا کر میری طرف متوجہ ہوا اور بولا۔

ہشام بن الحکم تو ہی ہے۔

میں نہیں تو۔ بولا کیا تو اس کے ہمراہ بیٹھ چکا ہے۔

میں۔ نہیں۔ بولا۔ کہو کہاں کے ہو۔

میں۔ کوفہ کا رہنے والا ہوں۔ بولا ہشام تو ہی ہے۔ تب عمرو اٹھا اور مجھے بغل میں لیا اور اپنی جگہ بٹھایا۔ اور پھر جب تک میں اس کی مجلس سے باہر نہ آیا عمرو نے اس وقت تک کوئی بات نہ کی۔

میں نے یہ ماجرا تمام کیا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہنس پڑے اور فرمایا کہ یہ باتیں تو نے کس سے سیکھیں تھیں۔ میں نے عرض کیا۔ اے فرزند رسولؐ خدائے تعالیٰ نے انکو میری زبان پر جاری کر دیا۔ اس وقت آنحضرت نے فرمایا واللہ یہ مضمون حضرت ابراہیمؑ و جناب موسیٰؑ کے صحیفوں میں موجود ہے۔

نیز مختار کشی میں مذکور ہے۔ ایک روز نظام نے ہشام سے کہا کہ جنت والے سرمدی و ابدی زندگی بہشت میں نہیں رہ سکتے کیونکہ اس صورت میں ان کا باقی رہنا مثل بقائے تعالیٰ کے لازم آئے گا۔ ہشام نے کہا کہ جنتی لوگوں کے جنت میں رہنے سے خدائے تعالیٰ کے ساتھ مشابہت دوام لازم نہیں آتی کیونکہ مخلوق کا زندہ رہنا ایک ایسی ذات کے باعث ہوگا جو اور دن کو باقی رکھنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کا باقی رہنا بغیر کسی ذات کے ہے جو اس کی باقی رکھنے والی ہے۔

پس عمرو نے مکابرہ (بڑائی جتانا) کے طور پر کہا البتہ محال ہیکہ جنتی لوگ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں بلکہ ان پر ایک بے ہوشی (کی حالت) طاری ہوگی۔

میں۔ تو نے قرآن مجید پڑھا ہوگا کہ جو چیز آدمی کا نفس جنت میں جائے گا اس کو حاصل ہوگی۔ دیکھو اس آیت کو فیھا ماتشبھه الا نفس الآیہ (جنت میں خواہش و مطلوب نفس حاصل ہوگا۔ عمرو کیوں نہیں۔

میں۔ پس اگر جنتیوں کا نفس بقاء ابدی کا طالب ہوگا اور اس کی خواہش خدا سے کریں گے

چاہئے کہ حاصل ہو۔

عمرو خدائے تعالیٰ اس خواہش کی ان کے دلوں میں جگہ نہ دے گا۔

میں۔ اگر خلقت کو غشی و بے ہوشی جنت میں جائز ہو تو ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جنتی میوہ دار درختوں کے میوہ کی طرف نظر کرے اور جب ہاتھ میوہ کے لینے کو بڑھائے تو وہ درخت اور اس کا میوہ اپنا سر جھکائیں گے پس جنتی آدمی ایک ہاتھ سے اس درخت کو مضبوطی سے پکڑے رہے گا اور دوسرے سے حسب خواہش میوہ لے لے گا اور جب کہ دونوں ہاتھ اس درخت میوہ دار سے متعلق ہوں گے تو اس کو بیہوشی طاری ہوگی اور ہر درخت بلندی کی طرف مائل ہوں گے اور جنتی اسی طور پر سولی یافتہ (لٹکا ہوا) رہے گا۔ حالانکہ بہشت میں کسی کو سولی نہ ملے گی۔

عمرو۔ اس صورت کا واقع ہونا محال ہے۔

میں۔ اے جاہل اگر غشی کا ہونا مستلزم محال ہے تو۔ محال۔ محال نہ ہوگا اس لئے کہ جو ہمیشگی مستلزم محال نہیں وہ محال نہیں کہلاتی۔

کتاب مختار میں مذکور ہے کہ ہشام بن الحکم اپنے پروردگار کی مناجات میں کہا کرتا تھا ''اللّٰھمّ ما عمِلت واعمل من خیرٍ مفترضٍ وغیر مفترضٍ فجمیعهٗ عن رسول اللّٰہ واھلبیة الصّادقین صلواتک علیه وعلیھم حسب منازلھم عندک فتقبل ذالک کلّهٗ منّی وعنھم واعطنی من جزیل ثوابک به حیث ما انت اھله''' (ترجمہ) اے اللہ جو کچھ (گذشتہ زمانہ میں عمل کر چکا اور آئندہ کروں گا خواہ وہ فرض ہوں یا غیر فرض (واجب ہوں یا سنت) وہ سب کے سب جناب رسول اللہ اور ان کے سچے اہل بیت کے لئے کئے ہیں تیری تمام رحمتیں برکتیں جناب رسول اللہ صلعم اور ان کے اہل بیتؑ پر ان کے مراتب کے موافق جو عمری علم میں ان کو حاصل ہیں نازل ہوں اور (اے اللہ) تو یہ میرے اعمال کل کے کل میری جانب سے ان کے لئے مقبول فرما۔ اور جس بات کا اہل ہے (یعنی کرم کا فضل کا اس کے مطابق مجھے کثرت ثواب و جزا سے مالا مال کر دے۔

کتاب فصول منقات میں جو کہ تصنیف لطیف حضرت سید مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمہ کی ہے۔ جناب شیخ بزرگوار محمد بن النعمان المفید علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ ہشام بن الحکم حضرت امام محمد باقرؑ و جناب امام جعفر صادقؑ کے بزرگ اصحاب میں سے تھے فقیہ و محدث کے تھے اور امام ششم کی خدمت فیھد رجت کے بعد ان کو شرف قدمبوسی حضرت امام موسیٰ کاظمؑ بھی حاصل ہوا ان کی کنیت ابومحمد و ابوالحکم تھی۔ بنی شیبان کے غلام تھے کوفہ میں بسر کرتے تھے اور ان کا مرتبہ حضرت امام جعفر صادق علی السلام کی خدمت میں اس درجہ بلند ہوا تھا کہ ایک روز مقام منیٰ میں جناب امامؑ کی خدمت میں گئے جب کہ یہ جوان العمر تھے اور ایک جماعت کثیر بزرگان شیعہ کی مثل حمران بن اعین۔ یونس بن یعقوب و قیس و ناصر و ابو

جعفر صادق علیہ السلام نے ہشام کو سب سے بالاتر جگہ دی باوجودیکہ مذکورین سب ان سے عمر رسید تھے
اور جب امامؑ نے قرینہ حالیہ سے دریافت کرلیا کہ موجودہ جماعت کو ہشام کا مقدم ہونا ناگوار ہے تو آپ
نے اپنے اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا ھٰذا ناصرنا بقلبہ ولسانہ ویدہ یہ ہشام ہمارا مددگار ہے
اپنے دل۔ زبان وہاتھ سے چنانچہ آنحضرت نے اسماء الٰہیہ اور ان کے مشتقات ہشام سے دریافت فرمائی۔
ہشام نے یہ فہم کی قوت تجھے اس لئے عطا فرمائی ہے کہ اس کے ذریعہ سے تو ہمارے دشمنوں کو دفع کرے۔
ہشام نے عرض کی انشاء اللہ ایسا ہی کروں گا تب آنحضرت نے ہشام کے لئے دعا
فرمائے اور یہ الفاظ مبارک زبان فیض ترجمان پر جاری فرمائے۔ ''نفعک اللہ بہ وثبتک اللہ
تعالیٰ تجھے اس (قوت فہم) کے سبب سے نفع عطا فرمائے اور تجھے ثابت قدم رکھے پس ہشام نے
اظہار نعمتِ الٰہی کے طریقہ پر عرض کیا۔ خدا کی قسم کسی نے مجھے توحید کے مسائل میں مغلوب نہیں کیا
اس وقت تک کہ میں یہاں پر بیٹھا ہوں۔

نیز کتاب مذکور میں لکھا ہے کہ ایک روز یحییٰ ابن خالد برمکی نے ہارون الرشید (خلیفہ عباسی)
کے سامنے ہشام سے پوچھا کہ آیا حق دو مختلف طرفوں میں ہوسکتا ہے۔ ہشام نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا۔ پھر
یحییٰ نے کہا مجھے بتاؤ کہ ایسے دو شخص جو احکام دین میں جھگڑا کر رہے ہوں اور اختلاف کر رہے ہوں آیا وہ
دونوں حق پر ہیں یا دونوں باطل پر۔ یا ایک حق پر ہے اور دوسرا باطل۔
ہشام نے کہا جواب سوال سابق سے معلوم ہوا جائز نہیں ہے کہ دونوں حق پر ہوں۔
یحییٰ نے کہا پس مجھ کو خبر دے اس بات سے کہ جو جھگڑا مابین حضرت علیؑ وعباس کی میراث
پیغمبرؐ کے متعلق ہوا تھا ان میں سے کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔
ہشام سے منقول ہے کہ جب یہ کلام مجھ پر وارد ہوا تو میں نے غور کیا کہ اگر یوں کہوں کہ علیؑ
باطل پر تھے تو کافر ہو جاؤں گا اور مذہب سے اپنے خارج اور اگر کہوں کہ عباس باطل پر تھے تو ہارون الرشید
تلوار سے میری گردن اڑا دے گا۔ اور یہ مسئلہ اس سے پہلے کبھی میرے دل میں گذرا بھی نہ تھا کہ میں
اس کے متعلق غور و فکر کرتا اور کوئی جواب مہیا کرتا کہ اثنائے فکر و تردد میں مجھے وہ دعا جو کہ امامؑ نے میرے
حق میں فرمائی تھی یاد آئی اور یہ وہ الفاظ تھے۔ ''یاھشامؑ لانزال مویداً بروح القدس مانصرتنا
بلسانک'' اے ہشامؑ جبرئیل ہمیشہ تمہارے مددگار رہیں جب تک تم اپنی زبان سے ہماری نصرت کرتے رہو۔''
پس مجھے معلوم ہوا کہ میں (اس اعتراض کے جواب میں) عاجز نہ ہوں گا اور فوراً اس مسئلہ کا
جواب مجھ پر ظاہر ہوا اور میں نے کہا کہ حضرت علیؑ وعباس دونوں باطل پر نہ تھے اور دونوں میں کوئی مخالفت
واختلاف ہی نہ تھا۔ اور اس کی نظیر قصہ جناب داؤدؑ پیغمبر ہے چنانچہ قرآن مجید میں جہاں پر ان کا ذکر ہے

اس طرح پر ارشاد فرمایا ہے۔
ھل اتاک نبؤ الخصم اذ تسور المحراب تا الفاظ خصمان بغیٰ بعضنا علیٰ
بعض ۔ کیا تمہارے پاس جھگڑا کرنے والے کے متعلق خبر پہونچی ہے جنہوں نے محراب کو پھاندا تھا تا کہ
اینکہ دادن دونوں نے آکر سامنے پیغمبر کے عرض کیا) ہم میں سے بعض نے بعض پر زیادتی کی ہے۔
پس کہو اے یحییٰ وہ دونوں فرشتے جو بطور خصومت کے حضرت داؤدؑ کے پاس آئے تھے کون
خطاوار تھا اور کون صواب پر۔ یا کیونکر تم کہہ سکتے ہو کہ دونوں خطاکار تھے پس حاصل کلام یہ ہے کہ جو کچھ
جواب تمہارا ہے وہی ہمارا بھی ہے۔
یحییٰ نے سن کر کہا میں نہیں کہتا ہوں کہ وہ دونوں فرشتے برسر خطا تھے بلکہ یہ کہتا ہوں کہ دونوں
صواب پر تھے۔ کیونکہ فی الحقیقت وہ دونوں باہم حکم میں اختلاف وجھگڑا نہ رکھتے تھے اور اس مخالفت کے
اظہار سے مقصود تنبیہ جناب داؤدؑ کی اس خطا پر تھی جو اس سے سرزد ہوئی تھی اور ان کو حکم الٰہی سے خبردار کر
رہے تھے۔ ہشام نے کہا میں بھی نہیں کہتا ہوں کہ حضرت علیؑ وعباسؓ حقیقتاً خصومت ومخالفت نہ کرتے تھے
بلکہ اس بات کے (یعنی طلب میراث پیغمبرؐ سے) اظہار سے تنبیہ ابوبکر مقصود تھی۔ اس غلطی پر غصب
خلافت اور منع میراث جناب رسالتؐ اس سے وقوع میں آئی تھی۔ یہ اس لئے انہوں نے فرمایا تا کہ اس کو
اس کی خطا پر واقف کریں اور وقتی ظلم جو خلیفہ اول نے میراث جناب رسالت مآبؐ دینے میں کیا تھا اس
سے آگاہ کریں۔
یحییٰ یہ سن کر بند ہو گیا اور ہارون الرشید نے اس جواب کو پسند کیا۔
اور اسی طرح کتاب مذکور میں لکھا ہے کہ ہارون الرشید نے چاہا کہ ہشام کا کلام علمائے خوارج
کے ساتھ سنے۔ چنانچہ ہارون نے حکم دیا کہ ہشام کو مع ابوعبداللہ بن زید ایاضی کے (جو رئیس علمائے
خوارج تھا) مجلس میں حاضر کریں اور خود ہارون ایسی جگہ بیٹھ گیا جو ان کے کلام کو سن سکے اور وہ اس کو نہ دیکھ
سکیں۔ اس وقت یحییٰ سے کسی نے کہا کہ عبداللہ بن زید سے کہو کہ ہشام سے سوال کرے۔
ہشام نے جب یہ بات سنی تو بولے کہ خارجیوں کو ہم سے سوال کرنے کی مجال نہیں ہے عبداللہ
بن زید نے کہا ایسا کس لئے۔ کہا اس واسطے کہ تیری قوم میں ایک جماعت ایسی ہے کہ مرد (مراد ذاتِ
حضرت امیرؑ خیبر گیر) کی ولایت۔ عدالت اقرار امامت۔ اور ان کی بزرگی مین ہم سے متفق ہے اور اس
کے بعد وہ ہم سے جدا ہو گئے انہیں کی عداوت پر اور ان سے بریت حاصل کی پس ہم تو اسی سابق اجماع
پر قائم ہیں اور تمہاری اسباب میں شہادت ہماری دلیل ہے اور تمہاری مخالفت ہمارے مذہب میں کوئی
خرابی نہیں ڈال سکتی۔ اور نہ دعویٰ تمہارا قابل قبول ہے کیونکہ اختلاف اتفاق کی برابری نہیں کرسکتا اور دشمن

کی گواہی دشمن کے لئے قبول ہے،اور خود اس کے حق میں (اسی کی گواہی) مردود ہے۔

پس یحیٰی نے کہا کہ اے ہشام تو نے اس کو حد الزام تک پہونچا دیا لیکن برابر اس کے ساتھ اپنا کلام جاری رکھو اور مجادلانہ گفتگو اس سے مت کرو کیونکہ ہارون کو تمہاری باتیں پسند آتی ہیں۔

ہشام نے شعر آیندہ کے مضمون کو اپنی زبان پر جاری کیا ہے ہم مجادلہ میں سب خلقت سے کمتر ہیں اور اگر وہ انصاف کرے تو ہم سب پر فوقیت رکھتے ہیں۔

اے یحیٰی مناظرہ سے عرض اظہار حق ہے اور انصاف کا پہلو بھی مدنظر ہوتا ہے کبھی کلام بہت گہرا اور دقیق ہوتا ہے تا اینکہ بعض کے فہم پر اس کی حقیقت مخفی رہتی ہے اس وقت دو جھگڑا کرنے والوں میں سے ایک مکابرہ و دشمنی پر آمادہ ہو جاتا ہے اگر تو یہ چاہے کہ حق ظاہر ہو تجھے چاہئے کہ انصاف کی رعایت رکھے اور مجھ میں اور اپنے درمیان عدل کا واسطہ قرار دے تا کہ جو کوئی حق کی راہ سے پھرے وہ ہمیں راہ پر لائے اور کجی کو نہ چھوڑے۔

پس عبداللہ بن زید نے کہا بے شک ابو محمد یعنی ہشام ہم کو راہ انصاف کی طرف بلاتا ہے اور ہم بھی اس سے روگردانی نہ کریں گے۔

ہشام نے کہا یہ واسطہ کیا آدمی ہونا چاہئے اور کیا مذہب رکھتا ہو۔ میرے اصحاب میں سے ہو یا تیرے اصحاب سے۔ یا ہم دونوں کے مخالف۔ یا تمام ملّت (اسلامیہ) کے مخالف۔

عبداللہ نے کہا جس کو چاہو اختیار کرو کہ میں اس سے رضامند ہوں۔

ہشام نے کہا کہ ان تمام قسموں پر راضی ہونا مشکل ہے اس لئے کہ اگر وہ واسطہ (مراد ثالث) میرے اصحاب سے ہوگا تو تو تعصب سے محفوظ نہ رہے گا۔ اور اگر تیرے اصحاب سے ہوگا تو میں اس سے محفوظ نہ رہوں گا۔ اور اگر دونوں کے مخالف ہوگا تو ہم میں سے کوئی محفوظ نہ رہے گا۔ پس مناسب تو یہی ہے کہ ایک شخص تیرے اصحاب سے اور ایک میرے اصحاب سے مقرر ہو تا کہ وہ متفق ہو کر ہمارے مناظرہ میں غور کریں اور عدل و راستی سے ہم پر حکم کریں۔

عبداللہ نے جب یہ بات سنی تو بولا اے ابو محمد تو نے انصاف کیا اور میں بھی ایسا چاہتا تھا۔

پس ہشام یحیٰی بن خالد برمکی سے متوجہ ہوا اور کہا۔ خبردار ہو۔ میں نے اس کے کلام کو قطع اور تھوڑی سی کوشش سے اس کے تمام مذہبوں کو باطل کر دیا اور کوئی راستہ کلام کرنے کا اس کے لئے نہ چھوڑا اور میں اس کے مناظرہ سے فارغ ہوا۔

ہارون نے پس پردہ جب یہ بات سنی تو اس نے پردہ کو ہلایا اور یحیٰی کو اپنی جانب متوجہ کیا اور یحیٰی سے کہا کہ اس شیعہ متکلم نے اس مرد (مراد عبداللہ بن زید) سے آداب مناظرہ کی قرارداد کی اور ابھی

مناظرہ شروع بھی نہیں کیا اور دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے مذہب کو میں نے باطل کر دیا اور اس کے مناظرہ سے مطمئن ہو گیا اس سے کہو کہ اس دعویٰ کی دلیل لائے۔

پس یحیٰی نے ہشام سے کہا کہ اس دعویٰ کی دلیل جو تم نے اس مرد (اپنے مقابل) سے کیا ہے بیان کرو۔

ہشام نے یہ قوم (مراد خوارج) ہمیشہ سے ولایت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام پر متفق تھے تا ایں کہ معاملہ حکمین واقع ہوا (مراد دو پنچ ایک معاویہ کی طرف سے یعنی عمرو عاص اور ایک حضرت علیؑ کی جانب سے ابوموسیٰ اشعری کہ اس موخر الذکر کو بھی معاویہ نے روپیہ کا لالچ دے کر اپنی طرف ملا لیا تھا۔ مترجم)

پس انہوں (خوارج) نے بذریعہ حکمین کے تکفیر (۱) و تضلیل (۲) (۱۔ کافر بنانا ۲۔ گمراہ کرنا) ان کی (یعنی جناب امیرؑ کی) حالانکہ انہوں ہی نے آنحضرت کو معاملہ حکمین کے قبول کرنے پر مجبور کیا تھا اور اب یہ شیخ جو اپنے اصحاب میں عمدہ فرد ہے بحالتِ اختیار بغیر کسی مجبوری کے اپنے مذہب میں دو مرد مختلف کو حکم بناتا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک تو جناب امیرؑ کو معاذ اللہ کافر دوسرا عادل بتاتا ہے۔ پس اگر وہ اس پنچ بنانے میں مصیب و کامیاب ہے تو حضرت امیرالمومنینؑ اولیٰ براہ صواب ہیں اور اگر خطاوار و کافر ہے تو ہم کو اس نے نظر بر حال ما آسودہ کر دیا کیونکہ اس نے اپنے کفر کی گواہی دی اور اس کے کفر و ایمان پر غور کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت اس کے حضرت امیرالمومنینؑ کو کافر بتاتے ہیں۔

پس ہارون الرشید نے اس بات کو پسند کیا اور لائق انعام ہشام کو دیا اور اس کے گھر اس کو بھجوا دیا۔

محمد بن عبدالکریم شہرستانی اشعری نے اپنی کتاب ملل و نحل میں لکھا ہے کہ ہشام بن حکم متکلمین شیعہ سے ہیں اور ان میں اور ابو الہذیل علاف میں جو کہ قدیم علماء معتزلہ سے تھا علم کلام میں بہت سے مناظرے واقع ہوئے اور منجملہ ان کے مناظرات کے جو ابوالہذیل سے ہوا یہ ہے کہ ایک روز ابوالہذیل نے ہشام سے کہا کہ میں تم سے مناظرہ کرتا ہوں مگر اس شرط پر کہ اگر تم مجھ پر غالب آ گئے تو میں تمہارے مذہب کی طرف لوٹ جاؤں گا اور اگر میں تم پر غالب آ گیا تو تو میرے مذہب کی طرف رجوع کرنا۔

ہشام نے جواب میں کہا کہ تو نے مجھ سے انصاف نہ کیا۔ انصاف تو یہ ہے کہ اگر میں تجھ پر غالب آ گیا تو تو میرے مذہب کی طرف رجوع کرنا اور اگر تجھے مجھ پر غلبہ حاصل ہو گیا تو اس وقت ہم اپنے امام کی طرف رجوع کریں گے۔ اسی طرح اس بیان کو جناب شیخ بزرگوار ابن بابویہ رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب اعتقادات میں درج کیا ہے۔

اور بعض نے فاسد، راویوں سے ہشام کے کلام پر اعتراض کئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک جماعت اس کے اصحاب کی ان فاسد راویوں کی ترویج دہندہ تھی اور انہیں کو ہشامیہ کہتے ہیں۔

کلام جناب مؤلف علّام مجالس المومنین دریں باب

مخفی نہ رہے کہ اگران فاسد آرا کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ان کا صدور پیشتر حصول سعادت ملازمت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہوگا۔ چنانچہ اس سے پہلے بھی بعض راویان شیعہ سے منقول ہوا کہ ہشاؔم دراصل مذہبِ جہمی رکھتے تھے اور جب خدمت امام میں پہونچے اور ان جناب کے کلمات مشتمل بر ہدایات کو سنا تو ہشام نے مذہب جہمّیہ سے روگردانی کی اور مذہب حق جعفری کو قبول کیا۔

اور مسئلہ بدآء (یعنی کسی بات کو ملتوی کر دینا بعد اس کے کہ اس کے کرنے کا ارادہ ہو چکا ہو) جس کو لوگ ہشاؔم کی طرف منسوب کرتے ہیں تو اس سے مراد خطا وغیرہ حضرت پروردگار کا جائز ہونا مراد نہیں ہے جیسا کہ خطا کارون نے غلط خیال کر لیا ہے اور اس کا انکار کرتے ہیں بلکہ اس کے دوسرے معنی ہیں جو قابل انکار نہیں۔ چنانچہ شیخ ابوالفتوح کراچی نے کتاب کنز الفوائد اس (مسئلہ بداء) کی تحقیق فرمائی ہے اور کیونکر شیعہ خدائے تعالیٰ پر خطا کو جائز قرار دیں جبکہ اس صفت (خطاء) کو وہ رسولوں پر جائز نہیں قرار دیتے جو حضرات منجملہ مخلوق الٰہی ہیں۔

اور خلاصۂ کلام تحقیق مرام (مقصود) ہشام دور کرنے میں اوہام ناجیان بدانجام کے کہ مفہوم لفظ بداء یعنی آغاز وانجام اس کا ہے وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کسی بات کو روک دے اس کے واقع ہونے کے وقت سے پہلے۔ اور مخالفین نے (مراد اہل سنت الجماعت) چونکہ بذریعہ ارادہ فہم کے باوجود کثرت عباد کے اوسی تھی (روکنا) کو مقصود جان لیا ہے اگر چہ براہ جعل وپشیمانی کے ہے لہٰذا ضرورتاً کبھی کہتے ہیں کہ بداء کے قائل (یعنی شیعہ) ذات خدا پر شرمندگی وندامت کو جائز سمجھتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ فرقہ خدا پر خطا کو جائز قرار دیتا ہے اور کبھی بداء کو اصول مقررہ شیعہ سے نہیں جانتے تاکہ اپنی سمجھ کے قصور کی کسوٹی کو سمجھیں۔ حاصل کلام بداء کے معنی یہی ہیں کہ کبھی آقا بندہ کو اس کی خوبی طاعت کی وجہ سے جو اس کو دوسرے غلاموں پر حاصل ہوتی ہے حکم دیتا ہے کسی دشوار بات کے کرنے کا اور جب غلام اس بات کے بعض اجزاء کو کرنا شروع کر دیتا ہے تو (آقا) اس کو روک دیتا ہے اور اسی معنی کے مصداق میں افعال الٰہیہ کے اندر قصہ حضرت ابراہیمؑ ہے جن کو خدائے تعالیٰ نے ذبح اسماعیل پر مامور فرمایا تھا اور جس وقت حضرت ابراہیمؑ نے حکم الٰہی کے مطابق اس حکم کی تعمیل میں جلدی کی اور دونوں (باپ بیٹے) کی جانب سے رضاء تسلیم کی علامتیں ظاہر ہوئیں تو خدائے تعالیٰ نے ذبح سے روک دیا اور ان کی تعریف کی اور ان کے اجر کو ڈبل (دوچند) قرار دیا۔ اگر (اس محل پر) یہ کہیں کہ خدائے تعالیٰ نے ارادہ ذبح بھی کیا تھا اور نہیں بھی کیا تھا۔

پہلی صورت میں لازم آتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے نہی فرمائی ہو اس بات کے متعلق جس کا پہلے حکم دیا تھا۔

دوسری صورت میں لازم آتا ہے کہ حکم کیا ہو اس چیز کا جس کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ اور ان دونوں باتوں کا لازم آنا خلاف اعتقاد مذہب شیعہ ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فی الحقیقت اجزاء کے جدا ہونے کا نام ہے اور ذبح کے مقدمات یعنی ارادہ کر ذبیحہ کا لٹانا۔ چھری ہاتھ میں لینا۔ اس کا حلق پر رکھنا ان کو بھی ذبح کرنا ہی کہتے ہیں بطور مجاز کے۔ اور اس قسم اطلاق کی نظریں بہت ہیں۔

اب ہم کہتے ہیں کہ مراد خدائے تعالیٰ اس امر میں جس میں جناب خلیل اللہ کو اول مرتبہ اس کا حکم دیا یعنی ذبح کا تو دشوار مقدماتِ ذبح یعنی اعتقاد کرنا اور ذبح کے لئے ذبیحہ کو لٹانا اور چھری حلق پر رکھنا اور اس معاملہ پر صبر کرنا اور اس کو ذبح سے تعبیر کرنا تاکہ ابراہیمؑ معنی حقیقی کا اعتقاد کر کے صبر کریں اور مستحق ثواب ہوں مقصود تھا اور جس سے روکا گیا وہ حقیقتِ ذبح تھی۔ پس لازم نہیں آتا کہ خدائے تعالیٰ نے اس بات کا حکم دیا ہو جس کا اس نے ارادہ ہی نہ کیا تھا یا روک دیا اس سے جس کا حکم دیا تھا خلاصہ کلام یہ ہے کہ اطلاق (بولا جانا) مضمون بداء مذکور معاملہ وغیرہ پر نظر بحالتِ ظاہری ہے کیونکہ جناب ابراہیمؑ وحضرت اسماعیلؑ کا خیال اس معاملہ میں یہ تھا کہ آج حقیقی ذبح کا حکم ہے اور جب کہ مرتبہ ثانی میں ان پر حقیقت حال ظاہر ہوگئی تو ان کے گمان کے برخلاف نہی کی گئی۔ پس ظاہر اس کا بداء ہو گیا بنا بر اسی مشابہت کے جو اس صورت کو حاصل ہے اس شخص کے حال سے جو حکم دے کسی بات کا اور اسی سے روکے اور اس کا دیکھنے والا اس بات کے ظاہری حال سے خبردار ہو نہ اس کے باطن سے۔ والحمد للہ اور منجملہ آپ کے مصنفات کے جو کہ کتاب نجاشی میں مذکور ہیں کتاب المعروفۃ کتاب المجالس دربارہ توحید الٰہی اور کتاب الجبر والقدر۔ کتاب المجالس درباب امامت۔ کتاب التدبیر درباب امامت کتاب درباب طابل ہونے امامتِ مفضول (کم درجہ) کے۔ کتاب دربارہ وصیت نبیؐ اور رد میں ان لوگوں کے جو اس وصیت (نبویؐ دربارہ خلافتِ علوی) سن کر ہیں۔ کتاب دربارہ لوگوں کے امامت میں اختلاف کرنے کے۔ کتاب ارسطا طالیس زرد توحید کے بارہ میں۔ اصحاب الطبائع کے بارہ میں تردیداً ایک کتاب معتزلہ کی رد میں ایک کتاب۔ طلحہ وزبیر کی تردید میں ایک کتاب۔ زندیقوں کی رد میں ایک کتاب۔ کتابِ اسباب حرمت اشیا کے بیان میں۔ کتاب الفرائض (میراث کے بارہ میں) کتاب فن حدیث میں۔ کتاب دربارہ میزان (تولنے کے بیان میں) کی۔ کتاب استطاعت۔ ایک کتاب جس میں ۸ باب وغیرہ کا بیان ہے۔ اور منجملہ لطیف مناظرات ہشام کے جو کتاب میں مذکور ہیں یہ ہے کہ ایک ضرار بن عمرو جتّی جو اپنے زمانے

میں مشاہیر میں سے تھا یحییٰ بن برمکی کے پاس گیا یحییٰ نے اس سے کہا کیا تم اس زمانہ کے رکنِ مذہب شیعہ سے مناظرہ کر سکتے ہو ضرار نے کہا تمہارا جی جس کو چاہے لاؤ۔

یحییٰ نے کسی کو ہشام کے بلانے کے لئے بھیجا۔ جب ہشام آگئے تو یحییٰ نے ہشام سے کہا یہ شخص ضرار نامی ہے علم اصول میں تمہارے مخالفین علماء متکلمین سے ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ مسئلہ امامت میں تم اس سے مناظرہ کرو۔

ہشام نے قبول کر کے ضرار کی جانب منہ کیا اور کہا کہ اے عمرو مجھے خبر دے کہ ولایت (۱) برائیت (۲) بظاہر (۱) واجب ہے یا بباطن (واجب ہے)

ضرار نے کہا بظاہر (واجب ہے) کیونکہ باطن کا حال نہیں جان سکتے مگر بذریعہ وحی کے۔

ہشام نے کہا تو نے ٹھیک جواب دیا۔ اب مجھے بتاؤ۔ کہ کس شخص نے حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ وابوبکر دونوں میں سے حضرت پیغمبرؐ خدا سے تلوار کے ذریعے زیادہ دشمنوں کو دور کیا اور دشمنانِ خدا کو جہاد اسلامی میں زیادہ قتل کیا اور جہاد کے آثار اس سے زیادہ ظاہر ہوئے۔

ضرار نے کہا اس بارہ میں علیؑ ابن ابی طالبؑ بڑھے ہوئے ہیں لیکن ابوبکر کا یقین زیادہ مضبوط تھا۔

ہشام نے کہا یہ وہی باطنی حال ہے جس پر ہم نے تم نے ابھی گفتگو کی تھی اور تم نے اقرار کیا تھا کہ آراستگی ظاہری علیؑ بن ابی طالبؑ خدا اور رسولؐ کے ساتھ دربارہ ولایت ابوبکر سے بڑھ کر ہے۔

ضرار نے کہا یہ تو ظاہری حال ہے۔

ہشام نے کہا آیا تمہیں اقرار ہے کہ جب کسی کا باطن اس کے ظاہر سے زیادہ اچھا ہوتا ہے تو اس کی فضیلت اس میں ہوگی۔

ضرار نے کہا کیوں نہیں۔

ہشام نے کہا تم جانتے ہو کہ جناب رسول خداؐ نے حضرت علی بن ابی طالبؑ سے فرمایا اَنْتَ مِنِّی بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ اے علی ابن ابی طالبؑ تمہارا مرتبہ میرے نزدیک وہی ہے جو کہ ہارون کا موسیٰؑ کے نزدیک تھا مگر (فرق یہ ہے کہ) میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

ضرار نے کہا میں (اس حدیث کو) جانتا ہوں ہشام نے کہا کہ جائز ہے کہ آنحضرتؐ نے ایسی بات علی ابن ابی طالبؑ کے بارہ میں فرمائی ہو لیکن علی ابن ابی طالبؑ باطن میں ایمان قوی نہ رکھتے ہوں ضرار نے کہا ایسا نہیں (کہ علی باطن میں ایمان قوی نہ رکھتے ہوں) ہشام نے کہا پس بنابریں علی بن ابی طالبؑ کہ آنحضرتؐ باطن وظاہر کا صحیح ہونا ظاہر ہو گیا اور تیرے صاحب (دادا ابوبکر) کے ظاہر باطن یکساں ہونے کی صحت کسی کو معلوم نہیں ہے پس خدا کا شکر ہے کہ ہمارے مولا علیؑ بن ابی طالب کا ظاہر

وباطن یکساں ہے۔ جس ہر قول رسولؐ مذکور شادی ہے۔

مترجم مخفی نہ رہے کہ خلاصہ اغراض ضرار اس مقام پر وہی ہے کہ شارح جدید تجرید (نام کتاب مصنف علاّمہ حلّی علیہ الرحمہ۔ مترجم) جو علمائے سنت والجماعت میں سے ہے بعد ذکر شمار فضائلِ حضرتِ امیرؑ (جن فضائل کو مصنف علام علیہ الرحمہ نے ذکر فرمایا ہے۔

کہتا ہے کہ حضرت کے فضائل ومناقب کثیرہ میں کسی کو کلام نہیں ہے اسی طرح آپ کا کمالات سے متصف ہونا اور مخصوص ہونا کرامات سے (اعتراض) لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ بس آپ اور صرف آپ ہی پیش خدائے تعالیٰ عزّت وکرامت اور ثواب رکھتے ہوں۔ اس (اعتراض کا) کا مفصل جواب جس طریقہ سے بعض اصحاب متاخرین (پچھلے) نے دیا ہے یہ ہے کہ وہ کسی عاقل پر مخفی نہیں ہے کہ سبب کرامت وعزّت وثواب جو عبادت کے عوض ہے بنابر تعظیم کے ان امور کے سوا نہیں ہے جنہیں اس نے قبول کیا ہے کہ یہ تمام باتیں ذاتِ حضرت امیرؑ میں بہت زیادہ تھیں (بہ نسبت دیگر جملہ اصحاب آنحضرتؐ کے) اور بعض باتیں مخصوص بذات جناب امیرؑ اور اگر تسلیم بھی کر لیں (کہ حضرت امیرؑ فضائل میں سب سے مقدم اور بعض امور میں مخصوص تھے) لیکن عاقل کب قائل ہو سکتا ہے کہ دوسرا ایسا شخص (جو کہ ان فضائل ومناقب سے بے بہرہ ہو) وہ امام ومقتدا نہیں ہو سکتا (جیسا کہ ثلثہ تھے) مخصوص اس لئے کہ شاید دوسرا بہتر ہو یا یہ کہ دوسرا ان صفات سے متصف ہو اور ظاہر ہے کہ عاقل کہتا ہے کہ فی الحال ہماری نظر میں یہ شخص بہتر ولائق تر نہیں ہے تا ایں کہ یہ باتیں دوسرے میں پائی جائیں۔ کیونکہ اس کے کچھ معنی نہیں کہ کوئی شخص کہے مثلاً فلاں شخص سے علم کا حاصل کرنا اس لئے بہتر نہیں ہے کہ اس کا عمل معلوم نہیں بہ نسبت اس کے جس کا عمل معلوم ہو اور یہ بہت ہی ظاہر بات ہے نزدیک عقل کے اور نقل میں یعنی قرآن وحدیث میں ہے جیسا کہ قول حق تعالیٰ اَفَمَنْ یَّهْدِیْ اِلَی الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْ اِلَّا اَنْ یُّهْدٰی فَمَا لَکُمْ کَیْفَ تَحْکُمُوْنَ یعنی آیا جو شخص کہ ہدایت حق کی جانب کرتا ہے (درانحالیکہ خود منجانب خدا ہدایت یافتہ ہے) وہ پیروی کیلئے زیادہ سزاوار ہے۔ یا وہ شخص جو کہ ہدایت (لوگوں کو اس وقت تک) نہیں کر سکتا جب تک اس کو دوسرے ہدایت نہ کریں تمہیں کیا ہو گیا (کہ افضل اور غیر افضل میں فرق نہیں کرتے ہو) تم یہ کیا حکم کرتے ہو، مراد یہ ہے کہ جب تم صاحبانِ عقل ہو اور تمہیں معلوم ہے اور عقل حکم کرتی ہے کہ اول بہتر ہے پس اس کا رد کرنا اور مخالفت برتنا زبردستی ودشمنی ہے اور عاقل تو وہی ہے جو کہ (اندھی) تقلید وہٹ دھرمی سے خالی ہو اور اپنے آپ ایسی باتوں سے دور رکھے اور یوں نہ کہے کہ پہلے عالم اور بزرگ اسی روش پر چلے ہیں انہوں نے غلطی نہیں کی۔ اسی طرح ہمارے آباواجداد نے بھی غلطی نہیں کی۔ کیونکہ غیر انبیاء اور ائمہ ھدیٰ غلطی کر سکتے ہیں۔ یا یہ کہ احتمال تقیہ اور شیطان ودنیا سے دھوکہ کھانا۔ (غیر انبیاء وائمہ ھدیٰ کو

)ممکن ہے اس لئے کہ اب یہ بات معلوم ہے کہ بادشاہ کمال درجہ ظلم کرتے ہیں اور باوجود اس بات کے لوگ ان کے پاس جاتے ہیں اور ان کی ملازمت اختیار کرتے ہیں اور ان کے مطیع ہوتے ہیں اور اگر کوئی نیک آدمی (ان جانے والوں سے) کہے کہ تم ظالم کے تابع نہ ہو بلکہ ظالم کی تعظیم اور اس کے لئے دعا نہ کرو تو اس مرد نیک کو برا کہتے اور مذمت کرتے ہیں اور اگر ظالم حکم دے کہ اس مرد نیک کر مار ڈالو تو فوراً اس کو قتل کر ڈالیں گے اور یہ بات بہت ہی ظاہر اور کھلی ہوئی ہے اور اس پر بیشمار قرینے موجود ہیں۔

اور کتاب ایضاح جو کہ تالیف محمد بن جریر رستم طبری امامی کی ہے اس میں موجود ہے کہ ایک روز یحییٰ برمکی نے ہشام سے پوچھا مشہور ہے کہ علی بن ابی طالبؑ نے عمر بن الخطاب کو امیر المومنین کہہ کر پکارا۔ آیا آپ اس کہنے میں سچے تھے یا نہیں ہشام نے کہا آپ سچے تھے۔

یحییٰ نے کہا پھر آپ کے لئے تم ان کی امامت کا انکار کرتے ہو۔

ہشام نے کہا خدائے تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی زبانی بتوں کو لفظ معبود سے تعریف فرمائی جہاں پر فرمایا ہے۔ فـراغَ اِلـیٰ آلِھتِھـم پس بتوں کو معبود فرمایا حالانکہ وہ فی الحقیقت معبود نہ تھے اور حق تعالیٰ کے فرمانے میں کوئی شک نہیں پس اسی قیاس پر ہو سکتا ہے کہ حضرت امیرؑ نے عمر کو بوصف امیر المومنین یاد فرمایا ہو اور فی الحقیقت ایسے نہ ہوں پس باوجود اس کے آپ کے سچے چہرے پر اس (اعتراض) سے کوئی خراش واقع نہیں ہو سکتی۔"

مؤلف (علاّم علیہ الرحمہ) کہتے ہیں کہ یحییٰ کا اعتماد عمر اور مثل عمر (عثمان وغیرہ) پر اس وصف (امیر المومنین) کے جاری کرنے کے متعلق موافق عرف شرع اور صدر اول کے لوگوں کے استعمال کے متوجہ ہوگا اور وہ جواب ہشام کا محتاج ہے لیکن یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ حضرت امیرؑ نے اصل وضع اور زبان کے لحاظ سے ان پر اس وصف کا اجراء فرمایا ہو یعنی لوگوں پر حکم کرنے والا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اس ترجمہ کو بالکل فارسیوں (ایرانیوں) کی اصطلاح میں جاری کرنے پر کوئی دلالۃ موصوف (ابوبکر و عمر وغیرہ) کے مستحق امامت ہونے پر نہیں۔ اسی لئے اسی نکتہ ظاہری پر خیال کرتے ہوئے صدارت پناہ میر **شمس الدین اسراله شوشتری** (علیہ الرحمہ) نے ترجمہ رسالہ نفحات اللاہوت فی لعنا لجبت والطاغوت میں ہر جگہ جہاں پر اصل رسالہ میں غلبہ پانے والوں خلافت امیر المومنین کو خطاب کیا ہے تو وہاں پر ائے مومنوں پر حکم کرنے والے ترجمہ کیا ہے برخلاف دوسرے ترجمہ کرنے والوں کے مثل میر ابوالمعانی استر آبادی وملاّ محمد ابی طالب کہ یہ حضرات اس نکتہ سے غافل رہے یعنی ان سب حضرات نے اسی لفظ امیر المومنین کو بغیر ترجمہ ذکر کیا ہے۔

اور نیز مختار کشی میں یونس بن عبدالرحمٰن سے منقول ہے وہ کہتا ہے چونکہ ہشام در بارہ وراثت

جناب رسالت مآبؐ ہارون الرشید سے اس نے کی تھی اس کی وجہ سے ہارون کی طبیعت کو اپنی طرف مائل کر لیا تھا یحییٰ بن خالد برمکی اس سے رنجیدہ ہوا اور اس پر رشک کرتا تھا اور فرصت چاہتا تھا کہ اس کو دور کرے یہاں تک کہ اس (یحییٰ) نے ایک روز ہارون سے عرض کیا کہ میں نے ہشام کا حال تحقیق کر لیا ہے اور جان گیا ہوں کہ اس کا خیال یہ ہے کہ تمام روئے زمین پر ایک امام تیرے سوا جس کی اطاعت فرض ہے موجود ہے۔ ہارون نے کہا سبحان اللہ یحییٰ نے کہا کیوں نہیں وہ یہی خیال رکھتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ وہ امام اگر اسکو خروج کا حکم دے تو خروج کرنا چاہئے۔ ہارون نے یحییٰ سے کہا کہ تم اپنے پاس علم کلام کے تمام عالموں کو جمع کرو اور باہم مناظرہ کرواور وہ (یعنی خلیفہ) پس پردہ تم سبھوں کی باتیں سنتا رہے گا اس وقت یحییٰ نے ضرار بن عمرو۔ سلیمان بن جریر۔ عبداللہ بن زید اباضی اور آتش پرستوں کے حکیم اور نصاریٰ کے عالم کو اپنے پاس بلوایا اور ان کو مناظرہ میں مشغول کرایا اور مناظرہ ومشاجرہ (تکرار۔ تُو تو مَیں میں) یمن کو جب طول ہو گیا تو ہشام کو بسبب بیماری کے نقاہت زیادہ معلوم ہوئی۔ یونس کہتا ہے جب یحییٰ کے قاصد نے یہ خبر دی ہشام نے مجھ سے کہا کہ میری طبیعت اس کے سوال کی جانب متوجہ نہیں ہوتی اور اس سے ڈرتا ہوں ایسا نہ ہو کہ اس نے کوئی مقدمہ بنایا ہو جس سے مجھے خبر نہ ہو کیونکہ اس ملعون کی طبیعت (یعنی ابن خالد کی) بعض باتوں کی وجہ سے مجھ پر متغیر ہو گئی ہے اور میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ مجھے اس بیماری سے شفا دے تو کوفہ چلا جاؤں گا اور آئندہ گفتگو کا دروازہ اپنے اوپر بند کر دوں گا اور مشغول عبادت ہوں گا اور اس ملعون کا دیدار نہ دیکھوں گا۔

یونس کہتا ہے کہ میں نے اس سے کہا خدا خیر ہی کرے گا اور جہاں تک ہو سکے ان کے شر سے اپنی زبان کو بچانا چاہیے۔

پس ہشام نے کہا اے یونس تو چاہتا ہے کہ میں بچوں گا اس امر سے کہ خدائے تعالیٰ نے میری زبان سے اس کا اظہار چاہا ہوگا اور یہ بات کیونکر خیال میں آسکتی ہے لیکن خدائے تعالیٰ کی قوت کے صدقہ سے نہ ہوتا کہ ہم چلیں۔

پس ہشام ایک خچر پر جس کو قاصد اس کے لئے لایا تھا سوار ہوا اور میں ایک گدھے پر سوار ہوا اور دونوں باہم ہو کر اس کی مجلس میں آئے جبکہ وہ جگہ علمائے علم کلام وفلاسفہ سے لبریز تھی۔

ہشام آگے بڑھے اور یحییٰ اور دوسروں پر سلام کیا اور یحییٰ کے پاس بیٹھ گئے اور میں بھی اس اثناء میں بیٹھ گیا پس یحییٰ نے ہشام کو حکم دیا کہ جو مناظرات فیمابین ان حاضرین کے ہو چکے ہیں اور ہنوز فیصل نہیں ہوئے ان کی بابت حکم کرے (فیصلہ دے) چنانچہ ہشام نے دونوں گروہوں کے کلام کو تحقیق کی ترازو میں تولا اور مستقل طور سے ایک کو بوجہ اس کی قوی دلیلوں کے دوسرے پر ترجیح دی اور حسد وکینۂ یحییٰ

کواپنے اوپر بڑھنے نہ دیا۔اس کے بعد یحییٰ نے ہشام سے کہا کہ زیادتی مناظرہ ومجاہدہ سے آج ہم ملول ہوگئے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ لوگوں کے اس فاسد خیال کی تردید کردو جواس بات کو مانے ہوئے ہیں کہ امام کا تعین اور اختیارِ امت کو حاصل ہے اور یہ بھی ساتھ ہی بتادو کہ امامت حق آلِ رسول ہے۔

ہشام نے اس بات سے (پہلے تو) معافی چاہی اور کہا کہ بیماری نے مجھے عاجز کردیا ہے اس بات سے کہ میں ایسے معاملہ میں پڑوں اور نیز یہ بھی بات ہے کہ اگر کوئی مجھ پر اعتراض کرے گا تو میں اس کا جواب نہ دے سکوں گا لیکن یحییٰ نے یہ عذر ہشام کا نہ مانا اور بیحد اصرار (مذکور بالا معاملات کے بیان کرنے کے لئے) کیا۔تب ہشام نے کلام شروع کیا اور جب کلامِ ہشام خاتمہ کی حد کو پہونچ چکا تو یحییٰ نے سلیمان بن جریر سے کہا کہ ابومحمد یعنی ہشام سے کوئی بات اس باب میں دریافت کرو۔

سلیمان نے ہشام سے پوچھا کہ آپ مجھے بتائیں کہ علی بن ابی طالبؑ وہ امام تھے جن کی پیروی (ہر شخص پر) فرض ہے۔

ہشام کیوں نہیں۔

سلیمان نے کہا اگر جوذات بعد علیؑ بن ابی طالبؑ کے امام ہو اور وہ تجھے حکم دے کہ تم ہمارے ساتھ جہاد بالسیف (بے عزتی) میں شریک ہو تو ان کی پیروی کروگے۔

ہشام نے کہا مجھے وہ حکم نہ دیں گے۔

سلیمان۔کیونکر حکم نہ دیں گے جبکہ ان کی اطاعت تم پر فرض ہے۔

ہشام نے کہا اس بات کو چھوڑو کیونکہ تمہارا جواب ظاہر ہوگیا۔

سلیمان۔تمہارے کلام سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم ایک وقت امام کی اطاعت کرتے ہو اور دوسرے وقت اطاعت نہیں کرتے۔

ہشام میں نے تو یہ نہیں کہا کہ ان کی اطاعت نہ کروں گا بلکہ میں نے تو یہ کہا کہ وہ مجھے حکم (جہاد) نہ دیں گے۔

سلیمان۔میں بطور جدل (مخاصمہ) کے تم سے پوچھتا ہوں کہ آیا حکم نہ دینا خاص تیرے لئے واجب نہیں ہے؟ پس اگر وہ تجھے خروج کا حکم دیں تو تم کیا کروگے۔

ہشام تم کب تک اس بات کے پیچھے پڑے رہوگے اور اس سے تم اندیشہ نہیں کرتے کہ اگر میں یہ کہوں کہ جب وہ مجھے حکم دیں گے ضرور خروج کروں گا تو تمہیں اس وقت مجالِ گفتگو باقی نہ رہے گی۔ اور بری طرح تم ملزم قرار پاؤ گے اور میں اس لئے چونکہ جانتا ہوں کہ اس کلام کا نتیجہ مجھے کہاں کھینچ کرلے جائے گا دلیری نہیں کرتا ہوں۔

ہارون نے جب یہ کلام ہشام سے سنا تو رنجیدہ ہوا اور لوگوں کو حکم دیا کہ گھروں کو جائیں ہشام نے اس بات کو غنیمت جان کر بغداد کا قیام مناسب نہ جانا بلکہ مداین کی جانب متوجہ ہوئے یہیں پر ان کو خبر ملی کہ ہارون نے یحییٰ سے کہا کہ تم مواخذہ ہشام اور اصحاب ہشام سے ہاتھ نہیں ہٹاتے (باز نہیں آتے) اور کسی کو بھیج کر حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو بلوایا اور انہیں قید کردیا۔

ہشام ایک مدت تک کوفے میں چھپے رہے اور یحییٰ ان کی گرفتاری کی فکر میں تھا مگر قابو نہ پاتا تھا۔ یہاں تک کہ ہشام جوارِ رحمتِ الٰہی میں پہونچے۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے۔

ہشام بن سالم الجوالیقی الجوزجانی الکوفی

یہ بشیر بن مروان بن الحکم کے غلام اور جوزجان کے قیدیوں میں سے تھے۔خلاصہ میں مذکور ہے کہ آپ امامین ہمامین حضرت جعفر صادقؑ وحضرت موسیٰ کاظمؑ کے اصحاب سے تھے اور مختار کشی میں ہشام بن سالم سے منقول ہے کہ بعد وفات (حسرت آیات) حضرت امام جعفر صادق علیہ الصلاۃ والسلام میں اور ابوجعفر مومن الطاق مدینہ میں تھے اور لوگوں کا یہ خیال تھا کہ عبداللہ بن جعفر فرزند بزرگ (امام) اپنے باپ کا قائم مقام ہوگا۔اور اسی کو باپ کے بعد امامت ملے گی پس میں اور مومن الطاق عبداللہ کے پاس گئے۔ہم نے دیکھا کہ لوگ ان کے پاس جمع ہیں اور معاملہ امامت میں اس روایت کے متمسک ہوئے ہیں جس کو حضرت امام جعفرؑ نے فرمایا ہے اِنَّ الامر فی الکبیر ما لم یکن بہ عاھۃ یعنی امامت بڑے فرزند کو ملتی ہے جب تک اس میں کوئی عیب بیماری نہ ہو۔

پس امتحان کی غرض سے ہم نے ان سے سوال کیا کہ زکوٰۃ میں کیا مقدار واجب ہے عبداللہ ہر دوسو میں پانچ درہم۔دوبارہ ہم نے پوچھا کہ سو درہموں میں کے کتنے درہم واجب ہیں۔

عبداللہ۔ڈھائی درہم۔

تب ہم نے ان سے کہا واللہ مرجیہ (فرقہ کا نام) کا یہ فتویٰ نہیں ہے۔

عبداللہ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور کہا لا واللہ ما ادری ما نقول المرجیہ۔ خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم کہ مرجیہ کیا کہتا ہے۔

(ہم اس کے بعد) ان کے گھر سے مایوس لوٹے اور ہم نے جان لیا کہ یہ (عبداللہ) امام نہیں ہے بوجہ علم شرع سے ناواقفیت کے۔تب ہم مدینہ کی ایک دوکان پر گریاں وحیران بیٹھ گئے اور ہم نہیں جانتے کہ پیش آمدہ دریافت کرنے کے لئے کس سے رجوع کریں اور باہم کہتے تھے کہ مرجیہ سے رجوع کرنا چاہئے اور کبھی قدریہ (نام فرقہ) کی طرف طبیعت مائل ہوتی تھی اور کبھی زیدیہ (وہ فرقہ جو امامت

حضرت زید بن علی زین العابدینؑ کا قائل ہے۔مترجم) تو کبھی معتزلہ کبھی خوارج کی جانب۔تا اینکہ اسی حیرانی کی حالت میں ایک پیر نورانی شکل کو ہم نے دیکھا جس نے دور سے ہماری طرف اشارہ کیا۔ ہم ڈرے ایسا نہ ہو کہ یہ شخص منصور (نام خلیفہ) عباسی کے جاسوس میں ہو جنہیں اس نے اس زمانہ میں مقرر کیا تھا تا کہ وہ تحقیق کریں کہ شیعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام آپ کی اولاد میں سے کس کے پاس جاتے ہیں اور کس کو قائم مقام ان (امام) کا جانتے ہیں۔اس وقت میں نے اپنے ساتھی مومن الطاق سے کہا کہ مجھ سے دور ہو جاؤ کہ میں اس آدمی کے اشارہ سے اپنی ذات اور تمہاری ذات پر خوف کرتا ہوں اور جب وہ مجھے بلائے گا شاید چونکہ تم مجھ سے بوجہ دوری کے اس کے شر سے چھوٹ جاؤ۔پس مومن الطاق مجھ سے کچھ دور ہو گئے اور چونکہ مجھ کو یہی گمان تھا کہ میں اس آدمی سے دور نہ ہو سکوں گا تو میں ناچار اس کے ساتھ ہوا اور اس کے ساتھ چل رہا تھا تا اینکہ وہ دور دولت سرائے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ تک پہونچا۔ مجھے وہاں چھوڑ کر چل دیا اور جو خادم دروازہ پر کھڑا تھا اس نے مجھ سے کہا گھر میں چلو۔خدا تم پر رحم نازل کرے۔الغرض جب میں گھر کے اندر داخل ہوا تو میں نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو دیکھا اور امامؑ کی نظر مبارک جب مجھ پر پڑی تو بار اول آپ نے فرمایا لا الیٰ المرجیة ولا الیٰ الصدریّة ولا الیٰ المعتزلة ولا الیٰ الخوارج الیّ الیّ تم نہ مرجیّہ کی طرف رجوع کرو نہ قدریّہ و معتزلہ و خوارج کی طرف بلکہ میری طرف۔میری طرف۔میری طرف۔

میں نے عرض کی میری جان آپ پر قربان ہو۔آپ کے والد بزرگوار نے انتقال فرمایا؟

فرمایاؑ ہاں۔

میں آنحضرتؑ نے موت سے انتقال کیا۔

فرمایاؑ ہاں۔

میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ان حضرت کے بعد کون ہے جو ہم کو ہدایت کرے۔

فرمایاؑ اگر خدا چاہے گا ہدایت کرے گا۔

میں نے عرض کی مجھے خدا حضور پر فدا کر دے۔آپ کے بھائی عبداللہ کا یہ خیال ہے کہ باپ کے بعد وہی قائم مقام ہے۔

فرمایا یرید عبداللّٰہ ان لا یعبد اللّٰہ عبداللہ (اس ارادہ فاسد سے) خدا کی عبادت نہیں کرنا چاہتا (بلکہ عبادت نفس کرنا چاہتا ہے) میں نے عرض کی میں آپ پر قربان ہو جاؤں (پھر) آپ کے پدر بزرگوار کے بعد کون ہے کہ ہماری ہدایت کرے۔

امامؑ نے دوسری بار فرمایا اگر خدا چاہے گا تیری ہدایت کرے گا۔

میں نے کہا آپ ہی وہ ہادی ہیں۔

فرمایا میں اس بات کو نہیں کہتا ہوں۔اب جبکہ میں نے دیکھا کہ مسئلہ کا راستہ مجھ پر ظاہر نہیں ہوا

۔میں نے عرض کی میں قربان جاؤں۔کیا کوئی آپ پر امام ہے۔

فرمایاؑ نہیں۔

اور اس کلام کے سنتے ہی آنحضرت کی عظمت و ہیبت میرے دل پر طاری ہوئی اسی طرح پر جس طرح پر کہ انکے والد بزرگوار کی ہیبت طاری ہوا کرتی تھی۔تب پھر میں نے عرض کی میں قربان ہو جاؤں مجھے ان مسائل کے پوچھنے کی اجازت دیجئے جو حضور کے والد بزرگوار سے پوچھا کرتا تھا۔فرمایا نیک ارادہ سے پوچھ لے اور ظاہر (کسی پر) مت کر۔کیونکہ اگر تم ان (مسائل) کو ظاہر کرو گے تو سر (کٹنے کا) اور خطرہ کا ڈر ہے۔الغرض جب میں نے اپنی مشکلات آپ سے دریافت کیں تو میں نے آپ کو بے تھا سمندر (علم میں) پایا اور آپ کی امامت پر لٹو ہو گیا۔جب آپ کی امامت مجھ پر ظاہر ہو چکی۔میں نے عرض کی قربان جاؤں آپ اور آپ کے پدر بزرگوار کے شیعہ حیران و گمراہ ہیں (درباره امامت کے) حضور مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ غیروں کی نظر سے بچا کر ان کو آپ کی خدمت میں لاؤں۔

آنحضرتؑ نے فرمایا جس میں سمجھ بوجھ کی علامتیں ظاہر ہوں اس سے خال (امامت) کے چھپانے کا عہد پہلے لے لو تب اس کو میرے پاس لاؤ۔کیونکہ اگر یہ راز ظاہر ہو گیا تو ذبح ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا اور ساتھ ہی آپ نے اپنا دستِ مبارک اپنے حلق پر رکھا (جس سے مقصود اپنا ذبح ہونا تھا) اس کے بعد میں آنحضرتؑ کی خدمت سے باہر نکلا اور ابو جعفر مومن الطاق سے ملاقات کی انہوں نے پوچھا تم کیا چاہتے ہو میں نے عرض کی خدا کی ہدایت اور تمام قصہ حصولِ سعادت ملازمت امام اور بیان تقریر مناظره با عمرو بن عبید ان سے کہہ دیا اس کے بعد مفضل بن عمر و ابو بصیر کو اس حال سے آگاہ کیا۔ چنانچہ یہ لوگ بھی خدمت آنحضرتؑ میں پہونچے اور اپنے مشکل مسائل امامؑ سے دریافت کئے اور آپ کی امامت پر گرویدہ ہو گئے تا اینکہ اکثر شیعہ نے جناب امامؑ سے رجوع کی اور عبداللہ بن جعفر کے ساتھ تھوڑے سے آدمی باقی رہ گئے۔

عبداللہ نے جب یہ حال دیکھا تو سمجھا کہ ہشام بن سالم (ہی) نے شیعوں کو حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی طرف رہ نمائی کی ہے اور میری پیروی سے منع۔ چنانچہ اس نے (عبداللہ) مدینہ میں ایک جماعت کو گھات میں رکھ چھوڑا تھا کہ ہشام کو آزار پہونچائیں۔اس روایت سے نہایت شدۃ تقیہ زمانہ حضرت موسیٰ کاظمؑ میں معلوم ہوتی ہے یہاں تک کہ میں نے اپنے والد بزرگوار کی تحریر دیکھی ہے (خدا کی ان پر رحمت ہو) وہ کہتے ہیں کہ اصحاب و راویان آنحضرتؐ صلعم تقیہ کی وجہ سے کبھی محض کنیت ہی پر۔کبھی (لفظ) عالمؑ۔کبھی فقیہ۔کبھی عبد صالح کبھی رجلؑ (مرد) کے لفظ سے ذاتِ امام کو تعبیر کرتے تھے۔

جمیل بن درّاج النخعی

خلاصہ میں مذکور ہے کہ آپ ہمارے شیخ۔ سردار اور معتبر شیعہ سے تھے اور یہ بھی منجملہ اصحاب وراویانِ امامین ہمامین حضرت جعفر صادقؑ وجناب امام موسیٰ کاظمؑ سے تھے اور ان کے والد نوح بن درّاج کوفہ کے قاضی تھے اور وہ بھی ہمارے ہی اصحاب (گروہ شیعہ) سے تھے اور شرفائے مذہب کو مخفی رکھتے تھے۔ جمیل بن درّاج نے حضرت امام رضاؑ کے زمانہ میں وفات پائی اور اپنے بھائی ایوب بن نوح سے عمر میں بڑے تھے ان کی تصنیف سے فن حدیث میں ایک کتاب ہے کشی کہتے ہیں کہ جمیل منجملہ ان راویوں کے ہیں جن کی روایات کی صحت پر گروہ شیعہ نے اجماع کیا ہے اور ان کو فقیہ (عالم) مانا ہے۔

نیز مختار کشی میں عبداللہ بن مغیرہ سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ آیت تلاوت فرمار ہے تھے فَاِنْ یَکْفُرْ بِھَا ھٰؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَکَّلْنَا بِھَا قَوْماً لَیْسُوْا بِھَا بِکٰفِرِیْنَ یہ آیت پڑھکر آپ نے ہماری جانب اشارہ فرمایا اور ہماری وہ جماعت تھی جس کے درمیان جمیل بن درّاج اور دوسرے اصحاب تھے پس ہم نے کہا اجلّ (کیوں نہیں) خدا ہمیں آپ پر قربان کردے ہم اس کا انکار نہ کریں گے۔

داؤد بن زربی الخندق

خلاصہ اور کتاب ابن داؤد میں لکھا ہے کہ ان کو ہارون الرشید سے تو خصوصیت حاصل تھی مگر اعتقاد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے رکھتے تھے۔ مختار کشی میں داؤد بن رقی سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں خدمت امام جعفر صادقؑ میں گیا اور میں نے دریافت کیا منہ اور ہاتھ طہارت میں کئے مرتبہ دھونے چاہئیں۔ امامؑ نے فرمایا: جو کچھ درحقیقت خدا کی جانب سے واجب ہوا ہے وہ تو ایک مرتبہ ہے اس کے بعد دوبارہ دھونے کا اضافہ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا اور جو تین بار دھوئے گا اس کی نماز باطل ہوگی۔ ہم میں یہی باتیں ہورہی تھیں کہ داؤد زربی دروازہ سے اندر آئے اور ایک گوشہ میں بیٹھ گئے اور وہی مسئلہ جو میں آنحضرت سے پوچھ چکا تھا پوچھا۔ ان کے جواب میں امامؑ نے فرمایا تین بار دھونا چاہئے اور جو کم کرے گا اس کی نماز باطل ہوگی۔ یہ دورنگی بات سن کر میرے بدن پر لرزہ طاری ہوا اور نزدیک تھا کہ شیطان میری جانب راہ پائے (مجھے بہکائے) کہ فوراً امامؑ نے میری جانب غضب آلودہ ہو کر نگاہ کی اور فرمایا اے داؤد اپنی جگہ آرام سے بیٹھے رہو کہ یہی مقام تو حق وکفر کے اور گروہوں کے کہنے کے درمیان دائر ہے اس لئے بعد ہم خدمت امامؑ سے باہر آئے اور ابن زربی کے گھر میں جو کہ منصور عباسی

کے باغ کے قریب تھا گئے۔ اتفاقاً اس سے پہلے کسی نے منصور سے شکایتاً کہہ دیا تھا کہ ابن زربی شیعہ ہے اور حضرت جعفر بن محمد باقر کی خدمت میں آتا جاتا ہے منصور نے اس (کہنے والے سے کہہ دیا تھا کہ میں طریق طہارت جعفر بن محمد کو جانتا ہوں اب میں ابن زربی کے منہ دھونے کو دیکھوں گا اگر اس نے انہیں حضرت امام جعفر صادقؑ کے طریقہ پر طہارت (وضو) کی تو جو (شکایت) اس کے بارہ میں کہا گیا ہے اس کو درست سمجھوں گا اور اس کو مار ڈالوں گا اور اب کہ ہم ابن زربی کے گھر کا حال بخوبی معلوم ہوسکے گھات میں بیٹھا ہوا ابن زربی کی طہارت کو دیکھنے کے لئے آمادہ تھا جبکہ وقت نماز پہونچا تو وہ وضو میں مشغول ہوا اس نے وضو میں تمام اعضاء کو تین تین بار دھویا جس طرح امامؑ نے اس کو مطلع فرمادیا تھا جب ابن زربی کا وضو تمام ہوچکا تو منصور نے کسی آدمی کو بھیج کر ابن زربی کو بلوایا جب وہ ہارون الرشید کے پاس پہونچا تو اس نے ابن زربی کے ساتھ لطف وعنایت فرمائی اور کہا کہ اے داؤد لوگوں نے تیرے بارہ میں کچھ (بے اصل) باتیں کہیں تھیں جن سے تو بری ہے اور جب میں نے تیرے وضو کو (چھپ کر) دیکھ لیا تو مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ شکایت درست نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے معاف کردے اس کے بعد حکم دیا کہ ایک ہاتھ درہم ہشام کو دئے جائیں۔

راوی مذکور یعنی رقی کہتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد میں اور زربی خدمت امام ششم میں پہونچے اور داؤد نے ان جناب کی خدمت میں عرض کیا خدا مجھے آپ پر قربان کردے آپ نے ہمارے خون کو دنیا میں بچایا ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ کے وسیلہ کی برکت سے داخل جنّت ہوں امامؑ نے اس سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے اور تیرے مومن بھائیوں کو بہشت میں جگہ دی ہے۔ اب تم اپنا واقعہ داؤد رقی کے سامنے دہراؤ تاکہ ان کی بے چینی جاتی رہے۔ تب امامؑ نے داؤد بن زربی سے فرمایا کہ وضو میں دو دو دفعہ اعضاء کو دھویا کرو اور اس سے زیادہ نہیں ورنہ تمہاری نماز باطل ہوگی۔

اور نیز مختار میں داؤد مذکور سے منقول ہے وہ کہتا ہے ایک روز میں کچھ مال خدمت امامؑ میں لے گیا آنحضرت نے اس میں سے لے لیا اور کچھ واپس کیا۔ میں نے عرض کیا کہ اس بقیہ کو آپ کیوں نہیں لیتے۔ فرمایا عنقریب اس کا اہل ومالک تجھ سے طلب کرے گا چنانچہ بعد وفات امام موسیٰ کاظمؑ حضرت امام رضاؑ نے کسی کو بھیج کر اس مال کو مجھ سے منگوالیا۔

حماد بن عیسیٰ الجہنی الکوفی البصری

خلاصہ اور کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ حماد روایت بیان کرنے میں بڑی احتیاط کرتے تھے تاآنکہ انہوں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے سوائے بیس حدیثوں کے اور کوئی حدیث روایت نہیں کی اور حضرت امام موسیٰ کاظمؑ و جناب امام رضاؑ سے کوئی روایت نہیں سنی گئی۔

مختار میں انہیں سے منقول ہے کہ میں اور عباد بن وہب بصری حضرت امام جعفر صادقؑ سے حدیث سنا کرتے تھے پس عباد نے تو (۲۰۰) احادیث حفظ کرلیں اور لوگوں تک انہیں پہونچایا اور میں نے (۷۰) حدیثیں اور حفظ کیں اور ہمیشہ مجھے بعض احادیث کی عبارات کے متعلق نقصان و زیادتی کا شک واقع ہوتا تھا اسی لئے میں نے اکتفا بیس حدیثوں پر کی یہ وہ حدیثیں تھیں جس میں مجھے کوئی شک ہی نہ تھا۔

اسی طرح ان سے منقول ہے کہ جب میں خدمت امام موسیٰ کاظمؑ میں پہونچا تو میں نے ان جناب سے التماس کی کہ خدائے تعالیٰ سے میرے حق میں دعا فرمایئے کہ وہ مجھے ایک گھر۔ عورت فرزند عطا فرمائے اور ہر سال حج ادا کرنے کی توفیق بھی کرامت فرمائے۔ پس حضرت نے دست مبارک دعا کے لئے اٹھائے اور فرمایا اللھم صلّ علیٰ محمد و آل محمد وارزقه داراً . وزوجةً وولداً او خادماً حجّ خمسین سنة ۔ اے اللہ محمد و آل محمد پر رحمت بھیج اور اس شخص کو ایک گھر ایک بیوی۔ ایک لڑکا۔ ایک نوکر اور ۵۰ رحج کرنے نصیب فرما۔

چنانچہ (امامؑ کی) یہ دعا میرے حق میں قبول ہوئی اور چونکہ آپ نے اس دعا کو ۵۰ رحجوں کے ساتھ مخصوص فرمایا تھا میں نے جان لیا کہ اس سے زیادہ حج نہ کرسکوں گا چنانچہ جب ۴۸ رحج ادا کر چکا تو اس وقت میں ایک گھر۔ عورت۔ فرزند۔ خادم کا مالک بنا کہتے ہیں کہ اکاون (۵۱) ویں حج میں بمقام وادی قنات احرام حج کے لئے غسل کر رہا تھا کہ رو کے پانی میں ڈوب گیا اس وقت اس کی عمر (۷۰) سال سے زیادہ تھی اور ۲۰۹ھ میں جوار رحمت الٰہی میں واصل ہوا۔

کشی میں لکھا ہے کہ گروہ شیعہ نے اتفاق کیا ہے کہ ان کی تمام روایات صحیح تھیں اور ان کے فقیہ ہونے کا بھی اقرار کیا ہے ان کی تصنیف سے ایک کتاب توحید کے باب میں اور دوسری فن حدیث میں ہے۔

حمزہ الطیّار

ان کی کنیت ابو عمارہ ہے۔ شیخ ابو عمرو کشی اپنے استاد سے ہشام ابن الحکم سے ناقل ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام راوی مذکور کی وفات کے بعد ان پر دعائے رحمت فرمائی ہے اسی طرح پر۔ ''رحمه الله ولقّاه نضرةً وسروراً فقد کان شدید الخصومة عنّا اهل البیت'' اللہ تعالیٰ اس پر رحمت بھیجے اور اس کو تروتازگی اور سرور نصیب ہو ہم اہل بیت کی طرف سے اعدائے دین کے ساتھ سخت خصومت رکھنے والا تھا۔

مختار میں طیّار سے منقول ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کی کہ حضور یہ بات پسند نہیں آتی کہ (ہم) آپ کے مخالفین کے ساتھ مناظرہ کریں۔ آنحضرت نے فرمایا لیکن تم جیسوں کا مناظرہ مخالفین سے کرنا ہم کو اچھا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر تم کسی جال میں (بھی) پھنس جاؤ گے تو تم اس جگہ سے اڑ سکتے ہو اور جو ایسا نہ ہو اس کا مناظرہ ہمیں اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

خلاصہ میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ میرے والد بزرگوار حضرت امام محمد باقرؑ طیّار پر فخر و مباہات فرمایا کرتے تھے۔

ابو الصلاح ابراہیم نعیم الکنانی الکوفی

یہ جماعت بنی عبد قیس سے تھے کوفہ میں پیدا ہوئے اور درمیان بنی کنانہ کے منزل رکھتے تھے اس لئے ان کو کنعانی کہتے تھے۔ علاّمہ حلّی علیہ الرحمہ نے کتاب خلاصہ میں ان کو موثق لکھا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے بوجہ ان پر اعتماد رکھنے کے ان کے حق میں یوں ارشاد فرمایا ہے انت میزان لاعنین فیه تم بے گھاٹی کے ترازو''۔

مختار میں ابی صلاح سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز سُدیر میرے پاس آئے اور کہا کہ زید بن علیؑ تم سے بیزاری رکھتے ہیں۔ میں یہ بات سن کر غصہ سے بھر گیا اور اپنا لباس پہنکر زید کی ملاقات کے لئے متوجہ ہوا جب میں ان کے گھر داخل ہوا اور ان پر میں نے سلام کیا تو میں نے عرض کیا کہ اے ابو الحسن میں نے سنا ہے کہ آپ کا خیال ہے کہ امام چار ہیں۔ ۳ رتو ان میں سے گذر گئے اور چوتھا وہ ہے جو ہاتھ میں تلوار لئے ہو (یعنی جہاد کرے) آپ نے کہا ہاں ہے تو ایسا ہی۔ تب تو مجھے ان کی بعض باتوں کی وجہ سے جو خلاف دعویٰ ان کے تھیں (اور یہ باتیں میں نے زمانہ حیات جناب محمد باقرؑ میں ان کی زبانی

سنی تھیں ان کی طرف التفات نہ رہی۔ میں فوراً ان کے پاس سے باہر نکل آیا اور سواری منگوائی اور میں سوار ہو کر خدمت حضرت امام جعفر صادقؑ میں پہونچا اور اپنا ماجرا جو حضرت زید سے پیش آیا تھا عرض کیا۔ پس آنحضرت نے فرمایا کہ اگر خدائے تعالیٰ زید کو تلوار کے خروج پر مبتلا کرے اور ان کے ہمراہ ہمارے خاندان کی دو اور تلواریں خروج کریں تو کس دلیل سے سمجھا جائے گا کہ سچی تلوار کون اور جھوٹی کون ہے۔ واللہ زیدؒ جس کی حق بات سمجھے ہیں وہ ان کا محض خیال ہی خیال ہے اگر وہ خروج کریں گے تو مارے جائیں گے۔ پھر جب میں خدمت امامؑ سے واپس ہوا اور قادسیہ میں پہونچا تو میں نے زید کے قتل ہونے کی خبر سنی۔ کتاب نجاشی میں مذکور ہے کہ ابو الصلاح کی تصنیف سے فن حدیث میں ایک کتاب ہے۔

سورۃ بن کلیب

خلاصہ میں مذکور ہے کہ یہ راوی منجملہ اصحاب امامین ہمامین جناب امام محمد باقرؑ و محمد جعفر صادقؑ سے ہیں۔ مختار کشی میں خود سورہ سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک روز زید بن علیؒ نے کہا اے سورۃ تم کو اپنے صاحب کا حال کیسے معلوم ہو گیا (یعنی کیونکر تم نے ہمیں چھوڑ کر امام جعفر صادقؑ کو اختیار کیا) میں نے عرض کیا ہم کو اس طرح معلوم ہوا۔ کہ ہم اس سے پہلے اپنے مسائل میں آپ کے بھائی حضرت محمد (باقرؑ) بن علی سے رجوع کرتے تھے تو وہ جناب آیات قرآنیہ اور احادیث جدّ بزرگوار سے اپنے ہمارے مسائل کا جواب دیتے تھے اور جب وہ جناب جنّت کو سدھارے تو ہم نے آپ کے بزرگوں میں سے ایک سے رجوع کی جن میں آپ بھی شامل تھے اور ان حضرات کے ماسوا کوئی کبھی ہمارے تمام مسائل کا جواب نہ دے سکتا تھا تا اینکہ ہم نے آپ کے بھتیجے امام جعفر صادقؑ سے رجوع کی پس ان جناب نے اپنے پدر بزرگوار کے طریقہ پر ہمارے مسائل کا جواب دیا۔ اس وقت زیدؒ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ تو نے سچ کہا اس لئے کہ جناب امیر المومنینؑ (علی بن ابی طالبؑ) کی کتابیں انہیں (امام جعفر صادق علیہ السلام) کے پاس ہیں۔

مُعلے بن خنیس الکوفی

آپ حضرت امام جعفر صادقؑ کے غلاموں میں سے تھے۔ آنحضرت نے ان کو اہل بہشت کہہ کر پکارا تھا۔ چونکہ انہوں نے لوگوں کو محمد بن عبداللہ بن معروف بنفس زکیّہ کے ساتھ ہو کر بنی عباس کے مقابلہ پر دعوت دی تھی اس لئے داؤد بن علی عباسی نے ان کو پکڑا اور اس کینہ کی وجہ سے انہیں مار ڈالا پھر سولی پر لٹکایا راوی مذکور نے اپنے مارے جانے سے پہلے لوگوں کو اس بات پر گواہ قرار دیا تھا کہ میرا جو کچھ

مال متروکہ ہے وہ حضرت امام جعفر صادقؑ کا ہے۔

شیخ ابو جعفر طوسیؒ نے کتاب غیبت میں لکھا ہے کہ معلے حضرت امام جعفر صادق کے داروغہ وکلاء میں سے تھے آپ ان کو بہت پسند کرتے تھے۔ اور معلے بھی امامؑ ہی کے ارشاد کے مطابق عمل کیا کرتے تھے اور جس وقت معلے کے مارے جانے کی خبر آنحضرتؑ کو پہونچی یہ بات آنحضرت کو بہت ناگوار معلوم ہوئی آپ نے داؤد سے فرمایا: اے داؤد میرے غلام کو جو کہ میرا اور میرے مال و عیال کا وکیل (ذمہ دار) تھا تو نے کس واسطے مار ڈالا۔ خدا کی قسم نہ تو تو پیشِ خدا جا سکے گا نہ تیری بخشش ہو گی۔

اور یہ بات مخفی نہ رہے کہ معلے نے بعض ان روایات کے متعلق جو کہ فضیلت روز نوروز بیان اعمال مستحبہ روز نوروز میں حضرت صادقؑ سے روایت کی ہیں کہا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے اس دن جناب علیؑ کو وادی جنّ اور دیؤوں میں بھیجا تھا۔ حضرت نے جا کر ان سے عہد و پیمان لیا اور بعض ناصبی (جو کھلم کھلا عداوت اہل بیت کا اظہار کرے) اس کو بعید از عقل شمار کرتے ہیں اور اس (روایت میں معلے نے) حضرت امیرؑ کے جنات سے جہاد کرنے اور ان میں سے بعض کو مار ڈالنے کا اضافہ کیا ہے اور پھر بعید تر از عقل خیال کیا ہے بلکہ منجملہ محالات کے جانا ہے۔

اور شیخ اجل عبد الخلیل رازی نے اس کے جواب میں یوں کہا ہے کہ اگر اس ناصبی کو ابھی یہ معلوم نہیں ہوا کہ جنات بھی انسانوں کی طرح مکلّف احکام شرعی ہیں تو پس اس کو قرآن مجید سامنے رکھ کر یہ آیۃ پڑھنی چاہئے سنفرغ لکم ایّہ الثقلان عنقریب اے جن و انس (اوروں سے نبٹ کر) ہم تمہاری طرف متوجہ ہوں گے"۔

دوسری جگہ فرماتا ہے قل اوحی الیّ انّہ استمع نفر من الجن۔ فقالوا انّا سمعنا قرآناً عجباً یھدی الیٰ الرُّشد فامنّا بہٖ کہہ دو (اے رسولؐ) میری طرف وحی (الٰہی) بھیجی گئی اس امر کے متعلق کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن مجید (کی آیات) کو سنا اور بولے ہم نے تو عجیب قرآن کو سنا ہے جو بھلی باتوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے ہم تو اس پر ایمان لے آئے"۔

اور تیسری جگہ مکلّفین کی صفوں میں جنوں کو اول نمبر انسانوں پر شمار کرتا ہے اور یوں ارشاد فرمایا ہے یا معشر الجنّ والانس الم یاتکم رسل منکم یقصّون علیکم ایاتی وینذرونکم لقاء یومکم ط (یہ خطاب بروز قیامت ہو گا) اے گروہ جن و انس کیا تمہارے پاس تم میں سے کچھ رسول میری آیات کو بیان کرنے والے اور تمہیں اس روز قیامت سے ڈرانے والے نہیں پہونچے"

ان مذکورہ تمام آیات سے ولالت ہے اس بات پر کہ جنّات بھی مکلّف ہیں اور جناب محمد مصطفیٰ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وآلہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ان پر رسول ہیں اور جب یہ مکلّف ٹھہرے

تو مختار بھی ہوں گے اور بعض مومن۔ بعض کافر۔ بعض اقرار کنندہ (احکام خدا و رسول) اور بعض منکر۔

چونکہ کتاب اور تلوار (مراد جہاد) ساتھ ہی آئی ہیں۔ تو جب ان میں قابلیت (فہم) کتاب ہے تو لیاقت شمشیر و جہاد بھی ہے اور یہ دونوں ایک ہی حد پر ہیں اگر حضرت سلیمان کے وزیر آصف (بن برخیا) کو جنات کا حاکم ہونا روا ہے تو محمد مصطفیٰ بہترین سلیمان سے اور حضرت (مرتضیٰ علی بن ابی طالبؑ) بہترین آصف سے۔ چنانچہ قرآن مجید نے اس کو بیان فرمایا ہے دیکھو ارشاد الٰہی کو و الشیاطین کل بناء وغواص و آخرین مقربین فی الاصفاد (دیو معمار بھی تھے غوطہ خور بھی اور بعض بیڑیوں میں (اپنی شرارت کی وجہ سے) جکڑے ہوئے تھے۔ پس اگر جناب سلیمان کو دیوؤں کا قید کرنا جائز تھا تو جائز سمجھنا چاہئے کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ (جنات سے) جہاد کریں۔ اگر مصطفیٰ و مرتضیٰ قرآن و شمشیر سے ان پر حکم کریں۔ (یعنی پہلے آیات قرآنیہ سنائیں نہ مانیں تو ان کو مخالفت کی حالت میں قتل کریں) تو روا ہے اور ان کا انکار قرآن و شریعت کا انکار کرنا ہے اور اگر حیران ناصبی کے استبعاد (بعید از عقل) سے یہ مراد ہے کہ جنات اجسام لطیفہ ہیں ان پر تلوار کام نہیں کرتی تو اس کو چاہئے کہ وہ قصہ روز بدر کو تفاسیر و تواریخ اپنے اصحاب سے مطالعہ کرے کہ جناب جبرئیل نیزہ کو گھوڑے کے کان پر رکھ کر حملہ کر رہے تھے جس وقت واپس ہوئے تو حضرت پیغمبر خدا صلعم نے ان سے پوچھا کہ تم کہاں گئے ہوئے تھے عرض کی یا رسول اللہ ابلیس ملعون آ گیا تھا اور ابوجہل کافر کے سر پر کھڑا ہو کر ان کو تکبر اور کامیابی پر دل بڑھا رہا تھا اس کو میں نے وہاں سے ہنکا دیا دریائے عمان کے کنارہ تک اس وقت شیطان نے مجھ سے (مخاطب ہو کر) کہا تم نے ہمیں مہلت نہیں دی ہے کہ قیامت تک رہ۔

میں۔ کیوں نہیں۔ اس وعدہ میں کچھ اختلاف نہیں لیکن میں نے چاہا کہ تجھے ایک ضرب لگاؤں جس کے زخم سے قیامت تک تو تکلیف زدہ رہے۔

شیطان یہ سن کر دریا میں گھس گیا اور میں (جبرئیلؑ) وہاں سے واپس ہوا اور قرآن مجید نے اس واقعہ کی خبر دی ہے۔ دیکھو آیہ فلما ترآءت الفئتان نکص علیٰ عقبیہ (جب شیطان نے دونوں جماعتوں کو دیکھا تو وہ اپنی ایڑیوں کے بل واپس ہوا اور تفسیر ثعلبی (سنی) میں یہ معنی مذکور مشرح ہیں کہ ابلیس آج بشکل سراقہ بن مالک حشم الکنانی آیا تھا۔ پس ناصبی کو چاہئے کہ دعوائے شیعہ جہاد علیؑ با جنات کے بارہ میں قصہ جبرئیل کو مطالعہ کرے یا دونوں باتوں سے ہاتھ اٹھا لے تا کہ وہ مخالفت قرآن واجماع کا مرتکب ہو۔

یونس بن یعقوب بن قیس البجلیؒ الدہنی۔ خلاصہ میں مذکور ہے کہ شیخ طوسیؒ (خدا ان کے مزار کو پاکیزہ فرمائے) نے ان کو ثقہ اور چند مقامات میں ان کو عادل بیان کیا ہے۔ شیخ نجاشی نے کہا کہ راوی

مذکور حضرت امامین ہمامین جعفر صادقؑ و حضرت موسیٰ کاظمؑ سے خصوصیت رکھتا تھا اور جناب امام ہفتم کا وکیل تھا اور بزمانہ امامت حضرت امام رضاؑ مدینہ میں انتقال کیا خود جناب امامؑ ان کی تجہیز و تکفین کے متکفل ہوئے راوی مذکور ابتدائے حال میں عبداللہ بن جعفر کی امامت کا قائل تھا بعد ازاں اس عقیدہ سے رجوع کی۔

کتاب کشی میں لکھا ہے کہ جس وقت یونسؒ نے مدینہ طیبہ میں وفات پائی تو حضرت امام رضاؑ نے کافور۔ کفن۔ اور تمام سامان ان کے لئے بھجوایا اور اپنے اور آبا و اجداد کے غلاموں کو حکم دیا کہ ان کے جنازہ پر حاضر ہوں اور ان سے فرمایا کہ یونس اگرچہ عراق کا باشندہ تھا مگر میرے جد بزرگوار کا غلام تھا چاہئے کہ اس کی قبر بقیع میں بنائیں اور اگر اہل مدینہ کہیں کہ وہ عراقی تھا ہم اس کو بقیع میں دفن ہونے نہ دیں گے تو تم ان کے جواب میں کہنا کہ یہ حضرت امام جعفر صادقؑ کا غلام تھا۔ اگر تم اس کے بقیع میں دفن ہونے سے مانع ہوتے ہو تو ہم بھی مانع ہوں گے کہ تمہارے غلام بقیع میں دفن نہ ہوں المختصر ان کو بقیع میں مدفن کیا اور جناب امامؑ نے ایک فاضل شیعہ کوفی کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بھیجا۔

مختار میں صفوان بن یحییٰ سے منقول ہے کہ میں نے خدمت جناب امام رضاؑ میں عرض کیا میں قربان ہو جاؤں مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی ہے اس توجہ سے جو آپ نے یونس کی تجہیز و تکفین کے لئے فرمائی۔ حضرت نے فرمایا کہ تو اس کے بارہ میں لطف الٰہی کو دیکھ کہ خدا نے اس کو مقام عراق سے قرب حضرت رسالت میں یعنی مدینہ منورہ منتقل فرمایا۔ یونس کہتے ہیں کہ میں نے خدمت حضرت امام جعفر صادقؑ میں ایک عریضہ لکھا جس میں ان جناب میں سے یہ التماس کی تھی کہ حضور میرے حق میں دعا فرمائیں کہ میں بھی منجملہ آپ کے دین کے ماننے والوں میں سے ہوں آپ نے میرے جواب عریضہ میں کچھ تحریر نہیں فرمایا میں اس بات سے حیران ہوں آخر بعض اصحاب سے سنا کہ میں نے بھی آنحضرتؑ سے اسی چیز کی خواہش کی تھی جس کی تو نے کی تھی میرے جواب میں امامؑ نے لکھا خدا تجھ پر رحمت نازل کرے کبھی بدترین خلق سے دین کی نصرت حاصل ہوتی ہے۔

معاویہ بن عمار الساباطی الدہنی

کتاب کاشف و تبیین (خدا اس کو بے نور و دل کا اندھا کر دے) لکھا ہے دھن ایک جماعت ہے قبیلہ جسلہ سے اور دُھنی (دال دھا کی حرکت سے) بھی آیا ہے راوی مذکور حضرت امام جعفر صادق ابن امام محمد باقرؑ سے روایت کرتا ہے۔ قتیبہ کہتا ہے کہ معاویہ مرد ثقہ ہے اور ابو حاتم کہتا ہے کہ اس کی حدیث قابل حجت نہیں۔

خلاصہ میں مذکور ہے کہ معاویہ بن عمار بن آبی معاویہ حباب بن عبد اللہ الدہنی (دال کی پیش اور سکون ہایااس کے زبر سے اور باء سے پہلے نون ہے) کوئی اور بنی دہن کے غلاموں میں سے ہے جو کہ قبیلہ جبلہ کی جماعت سے ہے اور راویِ مذکور ہمارے بزرگ اصحاب سے ہے اور ان کے درمیان ایسے ہی مانے ہوئے تھے۔

معاویہ نے حضرت جعفر صادقؑ و جناب امام موسیٰ کاظمؑ سے روایت کی ہے شیخ عمرو کشی نے لکھا ہے کہ ان کی عمر ایک سو پچتر سال کی تھی کہ انہوں نے وفات پائی۔

اسحق بن عمار الیصرفی

شیخ ابو جعفر طوسی و شیخ ابوالحسن نجاشی نے فرمایا ہے کہ اسحاق راویان امامین ہمامین میں حضرت جعفر صادقؑ و کاظمؑ سے تھے اگر چہ فطحی عقیدے کے تھے مگر ہمارے معتبر اصحاب سے تھے شیخ نجاشی نے فرمایا ہے کہ خود اسحاق اور اس کے بھائی یوسف و یونس و قیس و اسماعیل خاندان بزرگ سے تعلق رکھتے تھے اور مذہباً شیعہ تھے اور ان کے بھتیجے علی بن اسماعیل۔ بشر بن اسماعیل راویانِ حدیث میں بزرگ مانے ہوئے ہیں۔

مختار کشی میں اسحاق سے منقول ہے کہ وہ کہتا ہے کہ ایک روز میں خدمت حضرت امام جعفر صادقؑ میں حاضر ہوا کہ ایک مرد شیعہ آیا۔ آنحضرتؑ نے اس سے فرمایا کہ تم توبہ از سر نو کرو کیونکہ تمہاری موت میں ایک ماہ سے زیادہ عرصہ نہیں ہے اسحاق کو امام کے اس ارشاد سے تعجب ہوا میں نے دل میں کہا کہ امام تو شاید وفات موت سے آگاہ ہیں امامؑ نے میرے مافی الضمیر کو دریافت کر کے براہ غضب میری جانب توجہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تجھ کو اس بات کے متعلق انکار ہے حالانکہ رشید ہجری ایک مرد ضعیف ہے ہمارے شیعوں میں سے تھا علم الموت سے واقف تھا پس امام اولیٰ وافضل ہے (موت کا علم جاننے کی بابت) رشید ہجری سے اور اگر اب بھی تجھ کو شک باقی ہو تو میں تجھے خبر دیتا ہوں کہ تیری عمر سے صرف ۲ سال باقی ہیں اور پریشانی وافلاس عظیم بہت جلسہ تجھ کو اور تیرے بچوں کو حاصل ہوگی۔

اور نیز مختار میں اسحاق سے منقول ہے کہ جب مال میرا بہت ہو گیا تو میں نے ایک دربان گھر کے دروازہ پر مقرر کیا اور اس کو میں نے حکم دیا کہ شیعہ فقراء کو داخل ہونے سے منع کرنا اور اسی سال میں مجھے مکہ معظمہ جانا پڑا جب میں خدمتِ امام جعفر صادقؑ میں گیا اور ان حضرت پر سلام کیا تو آپ نے غصہ آلود حالت کے ساتھ جواب سلام دیا میں نے عرض کیا میری جان آپ پر قربان ہو کس چیز نے میری حالت آپ کے نزدیک بدل ڈالی فرمایا اسی بات نے جس نے مومنوں کو تیرے نزدیک بدل ڈالا۔

میں نے پھر عرض کیا میں آپ پر قربان جاؤں۔ خدا کی قسم میں ان کے حق کو ان کے دین حقیقت کو جانتا ہوں مگر نفاق کی شہرت اور ان کے ہجوم سے اپنے لئے خوف کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو نہیں جانتا کہ جب دو مومن باہم ملاقات کے وقت مصافحہ کرتے ہیں تو ان کی دوانگلیوں دو انگوٹھے) کے درمیان سو (۱۰۰) رحمتیں نازل ہوتی ہیں کہ ان رحمتوں میں سے (۹۹) اس سے متعلق ہوتی ہیں جو اپنے دوست کو زیادہ محبوب رکھتا ہے اور جب دونوں مصافحہ کے بعد ایک دوسری کو بغل میں لیتے ہیں تو رحمت الٰہی ان کو گھیر لیتی ہے اور جب ایک دوسرے کے چہرے کو خدا کی خوشنودی کے لئے بوسہ دیتا ہے تو فرشتگان آسمان ان سے کہتے ہیں کہ تمہارے گناہ بخشے گئے اور جب باہم بیٹھ کر دل کا راز کہتے ہیں تو بڑے بڑے فرشتے کاتبانِ اعمال آپس میں کہتے ہیں ان سے دور ہو جاؤ شاید یہ کوئی بھید کی باتیں کریں اور خدائے تعالیٰ اس کو پسند نہ فرماتا ہو کہ ہم اس سے مطلع ہوں۔ جب امامؑ کا کلام اس مقام تک پہونچا تو میں نے عرض کیا کہ کیا کاتبانِ اعمال ان کی باتیں سن سکتے ہیں اور باوجود جدا ہونے کے نہیں سن سکتے۔ حالانکہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے مامن قولِ الّا ادیة رقلیبک عتیة کوئی بات نہیں کرتے مگر یہ کہ کاتبانِ اعمال اس کو فی الفور ٹانک لیتے ہیں۔

بس آنحضرتؑ نے اپنے سراقدس کو حرکت دی بعد ازاں آنسو بہاتے ہوئے سر کو اٹھایا اور فرمایا کہ اے اسحاق کاتبان کرام نہ سنتے ہیں نہ لکھتے ہیں خدائے تعالیٰ جو کہ ملک علام اور بھیدوں کا واقف ہے وہی ان باتوں کو سنتا ہے اور جانتا ہے اے اسحاق خدائے تعالیٰ سے ایسا ڈرو کہ گویا کہ تم اس کو دیکھتے ہو اور اگر تجھ کو اس میں شک ہو کہ وہ تجھ کو نہیں دیکھتا تو تو کافر ہو جائے گا اور جب تجھ کو یقین حاصل ہو جائے کہ وہ تجھ کو دیکھتا ہے اور باوجود اس کے تو گناہ کا مرتکب ہوتا ہے تو یقیناً تو نے اس کو تمام دیکھنے والوں سے کم درجہ سمجھا ہے خدائے تعالیٰ سے کہیں بلند و برتر ہے۔ شیخ نجاشی نے کہا ہے کہ اسحاق کی تصنیف سے نوادر حدیث میں ایک کتاب ہے۔

عبد اللہ بن سنان بن ظریف الکوفی

خلاصہ اور کتاب نجاشی میں مذکور ہے کہ ظریف بنی ہاشم کا غلام تھا بعض کہتے ہیں کہ بنی غالب کا۔ اور بعض بنی عباس کا غلام بتاتے ہیں۔ خلیفہ منصور مہدی۔ ہادی۔ رشید کا خزانچی تھا۔ ہمارے بزرگ اصحاب وثقات میں سے تھا حضرت صادقؑ کے راویوں سے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ عبد اللہ نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے بھی روایت کی ہے یہ بات ثابت نہیں ہوئی۔

مختار کشی میں عبد اللہ سے منقول ہے کہ ایک روز میں اپنے باپ کے ہمراہ حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں گیا آنحضرتؑ نے فرمایا کہ اپنے باپ کی خدمت کر کیونکہ وہ زیادہ زندہ نہ رہے گا۔

عمرو بن یزید سے روایت ہے کہ میں خدمت امام ششم میں تھا آنحضرتؑ نے عبداللہ بن سنان کو یاد کیا فرمایا کہ عبداللہ سن رسیدہ ہوگا۔ عبداللہ کی تصنیف سے ایک کتاب ہے نماز کے احکام میں جو عمل الیوم واللیلہ کے نام سے نامزد۔ ہے۔ اور ایک دوسری بڑی کتاب ہے، احکام نماز میں اور تیسری کتاب ہے تمام احکام حلال وحرام میں۔

ابوبکر الحضرمیؒ

کتاب مختار میں بکار بن ابی بکر سے مروی ہے کہ میرے باپ ابوبکر کو خبر ملی نیز ان کے بھائی علقمہ کو کہ زید بن علیؑ (مشہور بہ زید شہیدؒ) کہتے ہیں کہ ہم اہل بیتؑ میں امام وہ نہیں ہے کہ جو اپنی امامت کو چھپائے بلکہ امام وہ ہے جو تلوار سے خروج کرے پس وہ دونوں دو (باپ اور چچا) زید کے پاس گئے جب وہاں پہونچے اور بیٹھ گئے تو میرے باپ نے جو اپنے بھائی سے زیادہ دلیر تھے حضرت زید سے خطاب کیا اور بولے اے ابوالحسن مجھے بتاؤ آیا علی بن ابی طالبؑ بھی امام تھے یا نہ۔ کیونکہ انہوں نے بھی اپنی امامت کو پوشیدہ رکھا اور غیروں کے سامنے جھگڑے کا جھنڈا بلند نہیں کیا امام اس زمانہ تک نہ تھے کہ آپ نے خروج نہیں کیا اور اپنی شمشیر کو آشکار نہیں فرمایا زید چونکہ اس کا جواب نہ رکھتے تھے خاموش ہو گئے پس ابوبکر نے ۳ر مرتبہ اس کلام کو دہرایا مگر انہوں نے کچھ جواب نہیں دیا اس کے بعد ابوبکر نے حجت کو پختہ کرنے کی غرض سے کہا (اے زید) اگر علی بن ابی طالبؑ اپنی پوشیدگی کے دنوں میں خود مختار امام تھے تو چاہئے کہ ان کے بعد ایک ایسا کام ہو جو اپنی حالت کو چھپائے اور اگر علیؑ حالت پوشیدگی میں امام نہ تھے پس اس جگہ چھپ کر آئے ہیں اور ابھی بلا خروج کئے ہوئے اپنے لئے دعویٰ امامت اور دوسروں کے لئے نفی کر رہے ہو نیز مختار میں عمرو بن الیاس سے روایت ہے اس نے کہا کہ میں اپنے باپ الیاس بن عمرو کے ہمراہ ابوبکر حضرمی کے نزدیک گیا ابوبکر کا وقت جانکنی تھا اس نے میرے باپ سے خطاب کیا اور کہا اے عمرو یہ وقت جھوٹ بولنے کا نہیں ہے تمہیں معلوم رہے میں امام جعفر صادقؑ کے متعلق گواہی دیتا ہوں آپؑ نے فرمایا ہے لا تمسّ النارُ من مات وھو بقول بھٰذا لامر یعنی دوزخ کو نہ دیکھے گا وہ شخص جو کہ مذہب شیعہ کا قائل ہوگا۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابوبکر نے کہا اشھد علیٰ جعفر بن محمدؑ انہ قال لا یدخل النار منکم احدٌ یعنی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت امام جعفر بن محمد باقرؑ نے فرمایا ہے تم میں سے کوئی شخص جہنم میں داخل نہ ہوگا۔ بیت

دارم از لطف ازال منظر فردوس طمع　　گرچہ دربانئے می خانہ فراوان کردم
سایۂ بر دلِ ریشم مکن ایچ مراد　　کہ من ایں خانہ بسودائے تو ویران کردم

مؤلف (یعنی جناب علامہ شوشتری سید نور اللہ اعلیٰ اللہ مقامہٗ) کہتے ہیں کہ آخر کتاب وافیہ میں (جو کہ تصنیف شیخ اجل ابراہیم بن سلیمان قطیفی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے) ۱۷ر حدیثیں مذکور ہیں جو مشتمل ہیں ان دو روایتوں کے مضمون پر اور نیز اسبات پر کہ نجات (اُخروی) پانے والا فرقہ۔ شیعہٗ امیر المومنین علیؑ ہے اور یہی لوگ خدا اور رسولؐ وآلؑ کے دوست ہیں اور انہیں احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ ناصبی وہ شخص ہے جو کہ حضرت امیر المومنینؑ کے سوا غیر کو آپ پر مقدم کرے اور ہم نے جس وقت جان لیا کہ یہ جگہ (**کتاب مجالس المومنین کا باب پنجم**) ان (مذکورہ) حدیثوں کے فائدہ سے محروم رہی جاتی ہے تو ہم نے اختصار کا لحاظ کرتے ہوئے صرف تین حدیثوں پر اکتفا کی ہے **الحدیث الاول** (پہلی حدیث) الشیخ العالم الفاضل العامل فقیہ بزرگ ابو محمد الحسن بن علی الحسین بن شیعہ الخزاعی نے اپنی کتاب مسمّیٰ التمحیص میں حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالبؑ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؑ نے فرمایا۔ "**ما من شیعتنا احد یفارق امراً نھیناہ عنہ فیموت حتیٰ یبتلیہ واللّٰہ ببلیّۃٍ یمحص بھا ذنوبہ اما فی مالٍ او ولدٍ واما فی نفسہٖ حتیٰ یلقی اللّٰہ محبنا وما ذنب وانّہ یوبیقیٰ علیہ شیٔ من ذنوبہٖ فیشدّد علیہ عند موتہٖ فیحص ذنوبہٖ الحدیث**۔ ہمارے شیعوں میں سے اگر کوئی اس امر کا مرتکب ہو جس سے ہم نے اس کو روک دیا ہے اور اسی حالت میں مرجائے تو خداوند عالم اس کو کسی ایسی بلا سے مبتلا کرے گا جس سے اس کے گناہ دور ہو جائیں گے یہ بلا یا تو اس کے مال سے متعلق ہوگی یا اولاد سے یا اسی کے نفس سے تا اینکہ ہمارا دوست بغیر کسی گناہ کے خدا سے ملاقات کرے گا اور اگر پھر بھی کوئی گناہ باقی رہ جاتے تو اس پر موت کے وقت سختی ہوگی تا اینکہ اس کے گناہ دور ہو جائیں گے۔

الثانی (دوسری حدیث) **ماروا ہ عمر الیساری قال قلت لابی عبد اللہؑ انی لاریٰ من اصحابنا من یرتکب الذّنوب الموبقہ فقال یا عمر لا تسفّح علیٰ اولیاء اللہ انّ ولینا لیرتکب ذنوبا یستحق بھا من اللہ العذاب فیبتلہ اللّٰہ فی بدنہٖ بالقسم حتیٰ یمحص عنہ الذنوب فاف عافاہ من بواق الدھر شدّد علیہ خروج نفسہٖ حتیٰ یلقاہُ وھو عنہ راض قد اوجب لہٗ الجنّہ** ۔" اس حدیث کو عمر سائری نے روایت کیا ہے وہ کہتا ہے میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں اپنے اصحاب (شیعہ) میں ایسے لوگوں کو دیکھتا ہوں جو کہ مہلک گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ امام نے فرمایا: اے عمر اولیاء خدا پر طعنہ زنی مت کر کیونکہ بالتحقیق ہمارا دوست اگر ایسے گناہ کا مرتکب بھی ہو جو باعثِ عذاب آلٰہی ہو تو (اس کی پاداش میں) اس کو خدا بدنی بیماری میں مبتلا کرے گا جس کے سبب سے وہ گناہوں سے خلاصی پائے گا پس اگر زمانہ کی سختیوں سے بچ رہا تو اس پر جان کنی کے وقت سختی ہوگی تا اینکہ وہ (بندہ) خدا سے اس حال میں ملاقات

کرے گا جب کہ وہ اس سے رضا مند ہو چکا ہوگا اور بہشت اس پر واجب ہو چکی ہوگی۔

الثالث (تیسری حدیث) رواہ الاصبغ بناتہ قال ان امیر المومنین صعد المنبر محمد اللّٰہ واثنیٰ علیہ ثم قال ایها الناس ان شیعتنا من طینةٍ مخزونةٍ قبل ان تخلق اللّٰہ آدمَ بالف سنةٍ لا یشذّ منها شاذ ولا یدخل بها داخل وانّی لا عروفهم حین انظر الیهم لانّ رسول اللہ لما تفل فی عینی وانا رمد قال اللّٰهم ذهب عنه الحرّو البرد والقرو بصرهٗ صدیقهٗ من عدوّہٖ فلم یصبنی رمد بعد ها ولا حرّو لا برد وانّی لا عرف صدیقی من عدوی فقام رجل من الملاء مسلّمٌ قال واللّٰہ یا امیر المومنینؑ انّی ادین اللّٰہ بولایتک والیّ لا حبّک فی السر کما اظهر لهٗ فی العلانیه فقال لهٗ علیؑ کذبت فواللّٰہ لا اعرف اسمک فی السماء ولا وجهک فی الوجوه وانّ طینک من غیر تلک الطینة فجلس الرجل وقد فضحه اللّٰہ وظهر علیهم . ثم قام آخر فقال یا امیر المومنینؑ انّی لا دین اللّٰہ بولایتک انّی لا حبک فی السر کمااحبّک فی العلانیّة . فقال لهٗ صدقت . طینک من تلک الطینة وعلیٰ ولا تبنا اخذ میثاقک وانّ روحک من ارواح المومنین فاعد المغفر جلباباً .فوالذی نفسی بیده لقد سمعت رسولؐ اللّٰہ یقول ان الفقر الیٰ شیعتنا اسرع من السبیل من اعلیٰ الوریٰ الیٰ اسفله ۔" اس حدیث کو اصبغ بن نباتہ نے جناب امیر المومنینؑ سے روایت کیا ہے وہ کہتا ہے کہ امیر المومنینؑ (ایک روز) ممبر (کوفہ) پر تشریف لے گئے آپ نے (پہلے) حمد وثنائے الٰہی کی اس کے بعد فرمایا اے لوگوں بیشک ہمارے شیعہ ایک مخفی مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اس وقت جبکہ آدم کی پیدائش میں ہزار سال باقی تھے اپنے تو اس سے بچے نہیں اور اغیار اس میں داخل نہیں ہوئے میں جب ان کو دیکھتا ہوں تو پہچان لیتا ہوں کیونکہ جناب رسالت مآبؐ جب کہ میں آشوب چشم میں مبتلا تھا اور آنحضرت نے میری آنکھوں میں اپنا لعاب دہن (اقدس) لگا دیا تھا تو یہ فرمایا تھا اے اللہ اس کی آنکھوں سے گرمی وسردی کو دور کردے اور اس کو دوست دشمن کے پہچاننے کی دانائی عطا فرمائی اس (دعا کے) بعد میری آنکھیں کبھی نہیں دکھیں نہ انہیں گرمی وسردی محسوس ہوئی۔ اور اپنے دوست ودشمن کو ضرور پہچانتا ہوں اسی گروہ (موجود) میں سے ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔ یا امیر المومنینؑ میں آپ کو دوست رکھتے ہوئے دین الٰہی کا پابند ہوں اور میں آپ کو غائبانہ اسی طرح دوست رکھتا ہوں جیسا کہ میں بظاہر اعلان کر رہا ہوں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا تو جھوٹا ہے۔ خدا کی قسم! میں تیرے نام کو آسمان میں نہیں پہچانتا اور تیرے چہرہ کو چہروں میں شناخت کرتا ہوں اور بے شک تیری مٹی اس (ایمانی) مٹی سے جدا ہے (یہ سن کر

وہ) آدمی بیٹھ گیا جب کہ اللہ نے اس کو رسوا کیا اور آنحضرت کو اس پر غلبہ حاصل ہوا۔ پھر ایک دوسرا آدمی کھڑا ہوا اور کہا یا امیر المومنینؑ میں آپ کو دوست رکھتے ہوئے دین الٰہی کا عامل ہوں اور میں آپ کو باطن میں ویسا ہی دوست رکھتا ہوں جس طرح ظاہر میں۔

جناب امیرؑ نے فرمایا تو نے سچ کہا۔ تیری مٹی اسی (ایمانی) مٹی سے ہے اور ہماری محبت کا عہد (روز الست) تجھ سے لیا گیا ہے اور تیری روح مومنوں کی روحوں میں سے ہے پس تو فقیری کی چادر اوڑھنے کے لئے تیار ہو جا۔ اس خدا کی قسم ہے! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں نے ضرور جناب رسولؐ خدا سے سنا ہے فرماتے تھے کہ تنگدستی ہمارے شیعوں (دوستوں) کی طرف اس طرح جھپٹتی ہے جس طرح روح بلند وادی سے نشیب کی طرف آتی ہے۔" اور انہیں احادیث کی تائید کرتی ہے وہ حدیث جس کو (علاّمہ) شیخ ابن بابویہ قمی رحمہ اللہ علیہ نے کتاب عیون المجالس میں ان سندوں کے ساتھ جس کی انتہا جناب امام رضاؑ اور ان کے آباء طاہرینؑ بعد ازاں جناب رسول خداصلعم تک اور آنحضرتؐ سے جبرئیلؑ نے اور جبرئیلؑ امین نے خدائے عزوجل سے بیان کیا ہے خداتعالیٰ فرماتا ہے علی بن ابی طالبؑ کی دوستی میرا قلعہ ہے اور جو میرے قلعہ میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے بچ گیا" اور اس مطلب کو نیز پختہ کرتی ہے وہ حدیث جو کہ جناب زین العابدینؑ نے فرمائی۔

ومن سرّنا نازل منا السرور　　ومن ساء نا ساء مبلاده
ومافاز من فاز الا بنا　　رما خاب من جّنا راده

جس نے ہم کو مسرور کیا وہ (بروز قیامت) مسرور ہوگا۔ جس نے ہم کو رنج دیا اس کی حلال زادگی میں کلام ہے۔ اگر کوئی کامیابی (دار آخرت) حاصل کرتا ہے تو وہ بھی ہمارے ہی ذریعہ سے اور محروم رہے گا اس کامیابی سے وہی شخص جس کے توشہ میں ہماری دوستی نہ ہوگی۔" اور ان احادیث کی نظیر اضافہ بیان کے ساتھ جو بعید عقل ہونے کے شبہ کو دور کرنے والی اور حقیقتوں سے لبریز وہ حدیثیں ہیں جو صفوانِ بن مہران کے حالات میں انشاء اللہ آئیں گی۔ اگر یہ کہیں کہ ان احادیث کے مقابل متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ شیعہ وہ ہے جو عامل تقویٰ۔ موصوف بورع ہو اور شیعہ نہیں ہو سکتا مگر وہی جو متقی صاحب ورع عابد۔ زاہد وذاکر صائم واتم ہو اور ایسی ہی باتوں کے مثل۔ ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ مفصل احادیث جو وہ ہوئی تھیں مذکور ہو چکیں اور جو مختصر احادیث ہیں وہ بھی وارد ہیں پس ان میں جمع کرنا ضروری ہے (تاکہ اختلاف نہ رہے) کیونکہ معصومینؑ کے کلام میں اختلاف ناممکن ہے پس جن احادیث میں شرط تقویٰ ورع وغیرہ مذکور ہے ان کو کامل شیعہ ہونے پر محمول کرنا چاہئے۔ اور دوسری احادیث کو کامل شیعہ نہ ہونے پر اور ان تمام باتوں کی نظیر ہے۔ خدا کا آئندہ کلام جس میں براہ تاویل کہا

ہے(وہ آیۃ یہ ہے انّما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایمانا وعلیٰ ربھم یتوکلون ط مومن تو وہی ہیں کہ جب ذکر الٰہی ان کے سامنے ہوتا ہے ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب اس کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے ان کے ایمان کو بڑھاتی ہیں اور وہ خدا ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں) کہ مراد اس سے ایمان کامل ہے کیونکہ خوف وزیادتی ایمان اور توکل جن کا آیۃ میں ذکر ہے اصل ایمان میں مشروط نہیں ہیں نہ انکے نزدیک جو مذہب کو بسیط (مفرد۔تنہا) کہتے ہیں نہ ان کے نزدیک جو ترکیب (مرکب) کے قائل ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ عمل صالح جس کی شرط ایمان مرکب والے کرتے ہیں اس مرتبہ تک نہیں پہونچتا ہے جو آیۃ میں مذکور ہے۔ اور خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

عمرو بن حریث ایصر فی الاسدی الکوفی

شیخ نجاشی نے ان کو ثقہ لکھا ہے اور ان کو راویانِ حضرت امام جعفر صادقؑ سے بتایا ہے۔ علّامہ حلّی رحمہ اللہ نے خلاصہ میں لکھا ہے کہ جو کچھ مجھ پر ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ وہی عمرو بن حریث نہیں ہیں جو کہ اصحاب حضرت امیرؑ سے تھے اور آخر کار ان سے اپنے آپ کو ملاعین واعدائے رب العالمین میں داخل کرلیا۔ مختار کشی میں عمرو سے منقول ہے کہ ایک روز میں خدمتِ جناب امام جعفر صادقؑ میں گیا اور میں نے اپنے عقائد کو ان جناب کے سامنے صحیح کرنا چاہا۔ اجازت باریابی حاصل کرنے کے بعد میں نے آنحضرت سے عرض کیا۔ انّی ادین اللہ بشھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وانّ محمداً عبدہٗ ورسولہٗ وان الساعۃ آتیۃٌ لاریب فیھا وان اللہ یبعث من فی القبور واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصوم شھر رمضان وحجّ البیت من استطاع سبیلا والایۃ لعلیّ بن ابی طالب امیر المومنینؑ بعد رسول اللہ والولایۃ للحسنؑ والحسینؑ وعلی بن الحسین ومحمد بن علی ذالک من بعدہ وانتم ائمتی علیہ احیی وعلیہ اموت وادین اللہ بہ ''میں دین رکھتا ہوں اس طرح پر کہ خدا کے سوا کسی کے معبود برحق ہونے کی گواہی نہیں دیتا۔ اور نیز یہ کہ جناب محمد مصطفیٰؐ اس کے بندے اور رسول ہیں اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کچھ بھی شک نہیں ہے اور یہ کہ خدا قبروں سے مردوں کو اٹھائے گا۔ اور نماز کے برپا کرنے۔ زکوٰۃ کے دینے۔ ماہ مبارک کے روزے رکھنے۔ حج خانہ کعبہ کے باوجود طاقت،قدرت بجالانے۔ اور دوستی علیؑ بن ابی طالبؑ امیر المومنین بعد جناب رسول خدا صلعم اور اسی طرح محبت جناب امام حسنؑ وجناب امام حسینؑ۔ وجناب علی بن الحسینؑ وجناب محمد بن علی اور ان کے بعد آپ کی دوستی پر ایمان رکھتا ہوں (اسی طرح) آپ کے بعد تا امام آخر الزمانؑ ہر ایک امام کو برحق مانتا ہوں۔ مترجم)

بے شک آپ سب میرے امام وپیشوا ہیں اسی پر میں جیتا ہوں اور اسی پر میری موت ہوگی اور انہیں باتوں پر میرا ایمان ہے۔'' پس آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے عمرو واللہ یہی میرا اور میرے آباواجداد کا دین ہے جس ظاہراً وباطناً ہم قرب الٰہی چاہتے ہیں لیکن چاہیئے کہ انہیں باتوں پر اکتفا نہ کرو (بلکہ) تقویٰ وپرہیزگاری کے طریقہ کا لازم سمجھو۔

اور زبان کو نیکی کے سوا اور باتوں سے بچاؤ۔ اور غرور کو اپنی طرف نہ آنے دو۔ اور یہ نہ کہو کہ میں نے ہی اپنے نفس کو ہدایت کی ہے بلکہ خدا نے تیری ہدایت کی ہے پس شکر الٰہی بجالا۔ اور ان لوگوں سے مت بنو کہ جب وہ کسی جماعت کے سامنے آتے ہیں تو ان پر طعنہ زنی کرتے ہیں اور اگر وہ واپس ہوتا ہے تو اس کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرتے ہیں اور دوستی میں لوگوں کو اپنے کاندھے پر سوار مت کرو ورنہ اپنے اوپر مسلط کر کہ اس حالت میں تو عاجز ہوجائے گا۔

منصور بن حازم البجلی الکوفیؒ

خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ ثقہ۔ صدوق۔ (زیادہ سچا) اور ہمارے بزرگ اصحاب میں سردار اور ان کے فقیہ ہیں اور منصور امام جعفر صادقؑ وجناب امام موسیٰ کاظمؑ کے راویوں میں سے ہیں۔

مختار کشی میں منصور سے منقول ہے کہ وہ کہتا ہے کہ ایک روز میں نے خدمت امام جعفر صادقؑ میں عرض کیا کہ خدائے تعالیٰ اس سے کہیں برتر ہے کہ مخلوق اس کو پہچانیں۔ بلکہ اسی کے ذریعہ مخلوق پہچانی جاتی ہے۔ آنحضرت نے فرمایا یونہی ہے۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ جسے معرفت الٰہی حاصل ہوگئی اس کو اس کی رضامندی ونارضامندی کا علم بھی ہونا چاہیئے اور رضا وعدم رضا نہیں پہچان سکتے مگر یا تو وحی کے ذریعے یا رسول کی اطلاع اس شخص کو ہوجانا جس پر کہ وحی نازل نہ ہوتی ہو کیونکہ وحی اور رسولوں کی خبریں پر دو حجۃ ہیں اور جو بات حجۃ نہ ہو اس کی پیروی نہیں ہوسکتی۔ اور انہیں باتوں کی بنا پر میں نے بعض مخالفین سے کہا چونکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ضرور ایک امیر کی پیروی لازم ہے پس بعد وفات جناب سرور کائنات صلوات اللہ علیہ وآلہٖ خدا کی حجت ہمارے درمیان کون ہے وہ (مخالف) بولا ہماری حجت قرآن ہے۔ میں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وحی۔ قدری۔ زندیق۔ (فرقوں کے نام) بلکہ وہ لوگ بھی جو قرآن پر ایمان نہیں رکھتے اس کو حجۃ میں پیش کرتے ہیں گرچہ اس کے مضمون پر اعتقاد نہیں رکھتے مگر دشمن کو الزام دہی کے موقع پر اس کی پیروی کرتے ہیں۔ یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن حجت نہیں ہوسکتا مگر ایک ایسے واقف کار شخص کے ہوتے ہوئے جو اس کے مطالب کو اس طرح پر بیان کرے کہ کسی کو اس کے متعلق شبہہ کی گنجائش ہی نہ ہو۔ پس بتانا چاہیئے کہ وہ واقف کار کون ہے۔

وہ بولے کہ ابن مسعود و عمر۔ حذیفہ اوران کے مثل کہ یہ لوگ معارف قرآنی کے جاننے والے اور مطالب فرقانی کے واقف تھے۔

میں۔ کیا یہ (نامزدہ) لوگ تمام مطالب و مقاصد قرآن کے عارف و واقف تھے۔

بولے نہیں تو۔ بلکہ جو شخص تمام (قرآنی حقائق) سے واقف تھا وہ امیر المومنین علیؑ تھے۔

میں۔ پس جس وقت مثل قرآن (ایک ہستی) قوم کے درمیان ہو اور قوم کے پرکھنے والوں میں سے ہر ایک یہی کہے کہ ہم اس کو نہیں جانتے اور ایک ان میں سے کہے کہ میں جانتا ہوں اور کوئی شخص اس کے علم کا انکار بھی نہ کرے تو البتہ قابل قبول اسی کا قول ہوگا اب تو میں گواہی دیتا ہوں کہ علی (ابن ابی طالب) قیم (واقف۔ عالم) قرآن اور امام مفرض الطاعۃ اور حجۃ خدا ہیں۔

جناب رسول اللہ صلعم کے بعد اور جو کچھ آپ نے قرانی حقائق بیان فرمائے ہیں وہ صحیح ہیں۔

پس حضرت امامؑ نے مجھ پر (دعائے) رحمت بھیجی۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت امیر المومنینؑ نے نہیں، انتقال کیا تاوقتیکہ قوم کے درمیان ایک حجۃ (قائمقام۔ خلیفہ۔ امام) نہیں چھوڑ گئے جس طرح کہ جناب پیغمبر خدا نے آپ کو قوم میں حجۃ چھوڑا تھا اور حضرت امیرؑ کے بعد حجۃ خدا امام حسنؑ تھے اسی طرح باقی حجتوں کا آپ کے اباء طاہرینؑ سے بہ ترتیب میں نے ذکر کیا تا اینکہ آپ کے نام تک پہونچا اور ہر مرتبہ جبکہ میں ائمہ میں سے ایک حجت کا ذکر کرتا تھا آپ مجھ پر رحمت بھیجتے تھے۔ اور میں امام۔ کے سر کو بوسہ دیتا تھا اس کے بعد فرمایا جو کچھ تیرا جی چاہے پوچھ کہ اب تیرے لئے میرے دل میں انکار نہ ہوگا۔

منصور کی تصنیف سے اصول اشرائع کتاب مشہور ہے اور ایک کتاب احکام حج میں۔

سعید الاعرج التیمی الکوفی

علامہ حلی علیہ الرحمہ نے خلاصہ میں ان کو موثق لکھا اور ان کو امام جعفر صادقؑ کے راویوں سے درج کیا ہے۔ کتاب مختار میں سعید سے منقول ہے کہ ایک روز میں خدمت امام جعفر صادقؑ میں حاضر تھا کہ دو شخصوں نے آپ کی مجلس میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔ آپ نے ان کو اجازت دی اور وہ اندر آئے اور آکر بیٹھ گئے۔ پس ان میں سے ایک نے اہل مجلس سے پوچھا آیا تمہارے درمیان کوئی امام مفترض الطاعۃ ہے آنحضرتؑ نے جواب میں فرمایا ایسے آدمی کو ہم اپنے درمیان نہیں شناخت کرتے وہ بولا کوفہ میں ایک قوم ہے جن کا یہ خیال ہے کہ تم میں ایک امام مفترض الطاعۃ موجود ہے اور وہ اہل کوفہ) جھوٹ نہیں بولتے کیونکہ متقی اور صاحب اجتہاد ہیں منجملہ ان کے عبداللہ بن یعفور اور فلاں فلاں

ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا میں نے ان کو اس اعتقاد کا حکم نہیں دیا ہے اور اس امر کے اظہار کی قرارداد ان سے نہیں ٹھیری ہے اس میں میرا کیا گناہ ہے۔ اور اس ارشاد کے ساتھ ہی رخسار مبارک پر آپ کے بڑے غضب کی نشانی سرخی دوڑ ہوگئی۔

ان دونوں نے جب آپ کو غضبناک دیکھا آپ کی مجلس سے کھڑے ہوگئے جب وہ مجلس سے باہر چلے گئے آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم ان دونوں آدمیوں کو پہچانتے ہو۔ اصحاب نے عرض کیا کیوں نہیں۔ یہ لوگ زیدی عقیدے والے ہیں اور ان کا یہ گمان ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کی تلوار عبداللہ بن الحسینؑ کے پاس ہے آپ۔ نے فرمایا انہوں نے جھوٹ بولا ہے اور تین بار آپ نے ان پر نفرین بھیجی پھر فرمایا خدا کی قسم وہ تلوار نہ عبداللہ ہی نے دیکھی ہے نہ ان کے باپ کے ہاتھ تک پہونچی ہے مگر یہ کہ دور سے اس کو حضرت علی بن الحسینؑ کے گلے میں (لٹکے ہوئے دیکھا ہوگا اور اگر وہ سچے ہیں تو ان سے دریافت کرو کہ اس تلوار کی کیا علامت ہے کیونکہ اس تلوار کے دہنے اور بائیں جانب علامت ہے، اس کے بعد فرمایا خدا کی قسم بیشک میرے، پاس تیغ جناب رسول خدا صلعم اور ان کے خود مبارک ہے واللہ میرے پاس رسولؐ اللہ کا جھنڈ میرے پاس جناب موسیٰؑ کی تختیاں انکا عصا ہے۔ بخدا میرے پاس انگشتری جناب سلیمانؑ بن داؤد۔ بخدا میرے پاس وہ طشت موجود ہے جس میں جناب موسیٰؑ قربانی کو پیش گاہِ رب العالمین میں چڑھایا کرتے تھے۔ بخدا میرے پاس وہ چیز بھی ہے جس کو جناب رسولؐ خدا مسلمان مشرکوں کے سامنے رکھتے تھے جس میں. سے مسلمانوں کے پاس ایک تیر بھی نہیں پہونچا۔ پھر فرمایا بیشک خدائے عزوجل نے طالوت (پیغمبر) کی طرف وحی بھیجی کہ جالوت کو وہی شخص قتل کرے گا جو تمہاری ذرہ پہنے گا اور اس کو پر کرے گا (یعنی اس کے جسم پر ٹھیک آئے گی) تب تو طالوت نے اپنے لشکر میں سے آدمی آدمی کو بلوایا اور وہ ذرہ پہنائی وہ کسی کے جسم پر بجز داؤدؑ ٹھیک نہ آئی۔ آپ نے فرمایا اے داؤدؑ تم بے شک جالوت کو قتل کرو گے چنانچہ انہیں، کو مقابلہ جالوت کے لئے بھیجا اور انہوں نے اس کو قتل کر ڈالا۔ اور بے شک ہمارا قائم امام آخر الزمانؑ) انشاءاللہ وہ ذات ہے جو ذرہ جناب رسولؐ خدا کو جس وقت زیب تن کریگا وہ ان کے بدن پر ٹھیک آئے گی ابو جعفرؑ نے اس ذرہ کو پہنا تھا وہ ان کے بدن پر راست نہیں اتری اور میں نے اس کو پہنا تو میرے ٹھیک آئی۔

علی بن الیقطین الاسدی الکوفی ثم البغدادی

آپ عراق کے منجملہ بزرگ زادوں کے ہیں۔ مروان حمار (آخری خلیفہ بنی امیہ) نے چاہا تھا کہ ان کے باپ کو بوجہ شیعہ ہونے کے پکڑ کر سزا دی یقطین بھاگ گئے جب کہ علی (فرزند یقطین) کوفہ میں پیدا ہو چکے تھے۔ ان کے بھاگ جانے کے بعد علی کی ماں۔ علی اور اپنے دوسرے بیٹے عبید کے ہمراہ مدینہ بھاگ گئی اور جب سلطنت بنی عباس ظاہر ہوئی اس وقت پھر کوفہ کو پلٹے۔ یقطین ابوالعباس سفاح اور ابوجعفر منصور دوانیقی کی خدمت میں رہتا تھا اور باوجود اس کے مذہب شیعہ امامیہ رکھتا تھا اسی طرح ان کا بیٹا علی عباسیہ کی خدمت میں اعلیٰ مرتبہ کا وزیر تھا چنانچہ علی بہت سا مال خدمت میں امام جعفر صادقؑ و جناب امام موسیٰ کاظمؑ میں بھیجتا تھا۔

خلاصہ میں مذکور ہے کہ اس نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے ایک ہی روایت بیان کی ہے۔ اور حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے بہت سی روایات بیان کی ہیں۔ ثقہ جلیل القدر تھے جناب امام موسیٰ کاظمؑ کے نزدیک علی کا مرتبہ بزرگ تھا۔

گروہ شیعہ امامیہ میں علی بڑے مرتبے والا تھا ان کی وفات ۱۸۰ھ میں جب کہ حضرت امام موسیٰ الکاظمؑ زندہ تھے اور ان کو قید کیا گیا ہے واقع ہوئی ہے چنانچہ امامؑ ہارون کی قید میں ۴ سال تک مقید رہے۔

شیخ ابوعمرو کشی نے اپنی سندوں سے بحوالہ داؤد رقی روایت کی ہے کہ میں عید قرباں کے دن حضرت امام ہفتمؑ کی خدمت میں گیا آپ نے چھوٹتے ہی یہ فرمایا کہ میں (امام) جس وقت موقف میں کھڑا تھا میرے دل میں کسی کا خیال نہیں آیا بجز علی بن یقطین کے کیونکہ وہ ہمیشہ میرے دل میں تھا اور میرے دل سے جدا نہ ہوتا تھا یہاں تک کہ میں گھر واپس ہوا۔

کتاب مختار میں عبدالرحمٰن بن حجاج سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام موسیٰ الکاظمؑ میں عرض کیا کہ علی بن یقطین نے مجھ سے کہا تھا کہ حضور کی خدمت میں میرے لئے التماس دعا کرنا۔ امام وہ دعا امر آخرت کے لئے چاہتے ہیں۔

میں بے شک۔ پس آپ نے دستہائے مبارکہ کو اپنے سینہ بے کینہ پر رکھا اور فرمایا ضمنت لعلیّ بن یقطین ان لا تمسۂ النار ابداً میں علی یقطین کے لے اسبات کا ضامن ہوں کہ اس کے بدن کو دوزخ کی آنچ کبھی نہ چھوئے گی۔

دوسری روایت میں واقع ہے کہ آنحضرت علی ضامن جنّت ہوئے ہیں۔ ایک اور روایت میں وارد ہے کہ جس وقت جناب امام موسیٰ کاظمؑ عراق میں تشریف لائے تو علی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا

اور بنی عباس کی خدمت گذاری کی گرفتاری پر ملامت کی۔ امامؑ نے جواب میں فرمایا۔ یا علی ان اللہ تعالیٰ اولیاء مع اولیاء الظلمۃ سید فع بھم عن اولیاء وانت منھم یا علی'' اے علی خدا کے کچھ دوست اس کے ظالموں کے پاس بھی رہتے ہیں تا کہ ان کے ذریعہ سے اپنے دوستوں کی تکلیف کو دور کرے اور تو اے علی انہیں دوستان خدا میں سے۔ہے۔

نیز وارد ہے کہ امامؑ نے علی سے فرمایا تم میرے لئے ایک چیز کے ضامن ہوتا کہ میں تمہارے لئے ۳ چیزوں کا ضامن ہوں۔

علی نے عرض کیا میں آپ پر قربان ہو جاؤں وہ کون سی چیز ہے جس کا میں حضور کے لئے ضامن بنوں اور وہ کون سی چیزیں ہیں کہ حضور میرے لئے ان کے ضامن بنتے ہیں حضرتؑ نے فرمایا جن تین چیزوں کا میں تمہارے لئے ضامن ہوتا ہوں وہ یہ ہیں۔

(۱) کبھی تجھ کو تیر و تلوار کی تکلیف نہ پہونچے گی۔

(۲) قید و قید خانہ کی مصیبت میں مبتلا نہ ہوگا۔

(۳) نامردوں (کمینوں) کا کبھی محتاج نہ ہوگا۔

پس علی نے کہا کہ وہ ایک چیز جس کا مجھے ضامن ہونا چاہئے کون سی ہے۔

فرمایا تم ضامن بنو اس بات کے کہ ہمارے دوستوں اور تیرے مومن بھائیوں میں سے جو بھی تجھے ملے ان کا اکرام (بحسن سلوک) کرنا چنانچہ علی اس ایک بات کے اور امامؑ ان (مذکورہ) تینوں باتوں کے ضامن ہوئے۔

بکر بن محمد اشعری سے نیز روایت ہے کہ میں نے جناب امام موسیٰ کاظمؑ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ کل رات میں نے علی بن یقطین کے لئے بارگاہ جناب باری میں درخواست کی کہ اس کو مجھے بخشدے چنانچہ اس نے اس کو بخش دیا۔ بے شک علی بن یقطین ہماری راہ میں اپنا مال و محبت صرف کرتا تھا اسی وجہ سے وہ دنیا و آخرت کی بزرگذاشت کا سزاوار ہوا ہے۔

روایت میں وارد ہے کہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ علی بن یقطین ایک لاکھ بلکہ ڈھائی ڈھائی ۳-۳ لاکھ درہم تحفے کے طور پر خدمت امام میں بھیجتے تھے۔ آنحضرتؑ ان کی محتاج شیعوں اور اپنے اہل وعیال پر تقسیم فرماتے تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ جس وقت جناب امام موسیٰ کاظمؑ اپنے تین یا چار فرزندوں کی شادی رچانا چاہتے ہیں کہ منجملہ ان کے حضرت امام رضاؑ بھی تھے تو آپ نے علی بن یقطین کو لکھا کہ ان (فرزندوں) کے مہر کو میں نے تمہارے حوالے کیا پس علی بن یقطین نے اپنے وکیلوں کو حکم دیا کہ جو سامان دلوازم علی کے یہاں موجود تھا اس کو بیچ ڈالا اور ان صاحبزادوں کے مہر کی مقدار مع تین ہزار دنیا اور بھی طعام عروسی کے

لئے مہیا کر کے خدمت امامؑ میں بھیج دیا کہ اس سب رقم کا تیرہ ہزار دینار (اشرفیاں) تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ایک سال حج کے اندر ساڑھے تین سو یا ڈھائی سو آدمی گئے جو علی بن یقطین کے لئے حج کا تلبیہ (لبیک کہنا) کہہ رہے تھے جن میں سے بعض کو علی (۲۰) ہزار بعض (۱۰) ہزار درہم دیتا تھا اور ان لوگوں میں سے جو کم حیثیت تھا اس کو ایک ہزار درہم دیتا تھا۔

ایک روایت میں وارد ہوا ہے کہ ایک سال ایک سو پچاس آدمی اہل روزگار علی کے دروازہ پر وارد ہوئے ان میں سے سب سے پہلے شخص کو جو رقم علی نے دی سات سو درہم کی تھی اور ان میں سے زیادہ دس دس ہزار درہم دیئے۔

اسماعیل بن سلام اور ایک دوسرے راوی نے روایت کیا ہے کہ ہم کو علی بن یقطین نے اپنے پاس بلایا اور کہا دو سواریاں خرید کر مدینہ کو چلتے بنو۔ تب کچھ مال اور نوشتے (تحریریں) ہم کو دیئے تا کہ میں ان کو امام ہفتمؑ کی خدمت میں پہونچاؤں اور اس بات کی وصیت کی کہ بچتے رہنا کہیں کوئی تمہارے حال سے اطلاع نپائے۔ چنانچہ ہم کوفہ آئے اور وہاں سے ہم نے سواریاں لیں اور زادراہ بھی۔ پھر کوفہ سے باہر نکل کر مدینہ کی راہ لی۔ جب ہم بطن رملہ میں پہونچے تو ہم نے اپنی سواریوں کو باندھ دیا اور گھاس چارہ ان کے آگے ڈال دیا۔ اور خود بیٹھ گئے کہ کچھ کھالیں۔ اسی اثنا میں ایک سوار دور سے پیدا ہوا نیزہ شاکری ہاتھ میں ہوئے لئے جب وہ پاس پہونچا ہم نے دیکھا کہ جناب امام موسیٰ کاظمؑ ہیں۔ ہم اپنی جگہ سے اچکے اور حضرت پر سلام کیا اور مال و نوشتے آنحضرت کو حوالے کئے تب امامؑ نے اپنی آستیں مبارک سے چند تحریریں باہر نکالیں اور ہمیں دی اور فرمایا یہ جواب ہیں تحریرات کے جو تم لائے ہو۔ ہم نے خدمت امامؑ میں عرض کیا کہ ہماری زادراہ میں سے تھوڑا سا رہ گیا ہے اگر آپ اجازت دیں تو ہم مدینہ جا کر پہلے زیارت روضہ جناب رسولؐ خدا کر لیں پھر زادراہ مہیا کریں۔ آپ نے فرمایا اپنا زادراہ لاؤ پس ہم (بموجب فرمان کے) زادراہ اپنا امامؑ کے پاس لے گئے۔ امام نے اپنا دست حق پرست نکالا اور اس سامان کو نیچے سے اوپر اور اوپر سے نیچے فرمایا ازاں یہ فرمایا توشہ تمہیں کوفہ تک پہونچا دے گا مگر زیارت جناب رسولؐ خدا پس تم نے ان جناب کو دیکھ لیا (جب کہ مجھے دیکھ لیا۔ مترجم) لیا اور ثواب زیارت آنحضرتؐ سے فائز ہوئے۔ اور میں نے صبح کی نماز اپنی قوم کے ہمراہ ادا کی ہے اور چاہتا ہوں کہ نماز ظہر بھی ان کے ساتھ ہی ادا کروں اب اس سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتا تم واپس جاؤ خدا کی حفظ و حمایت میں۔

کتاب خرائج الجرائحؒ میں اور کتاب القواعد میں مسطور ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے ایک خط علی بن یقطین کو لکھا جس میں تعلیم وضو بر طریق عامہ اہل سنت کا قاعدہ تحریر تھا علی بن یقطین کو اس بات سے تعجب ہوا مگر چونکہ بجا آوری حکم امامؑ سے انکار کسی طرح نہیں ہو سکتا تھا اسی طریقہ پر وضو کرتا تھا تا اینکہ

علی کے کسی حاسد نے ہارون الرشید کے پاس اس کی چغلی کھائی کہ علی شیعہ مذہب رکھتا ہے چنانچہ ہارون الرشید علی کے امتحان لینے کے درپے ہوا۔

ایک روز اس نے علی کو اپنے دارالخلافہ کے ایک مکان میں تنہا کسی کام پر مشغول کر دیا اور جب نماز کا وقت پہونچا تو ہارون خود ایک مکان کے روشندان کے قریب جس سے گھر کے حال پر کافی روشنی پڑتی تھی (یعنی اندر کا حال بخوبی معلوم ہوتا تھا) چھپ کر بیٹھ گیا اور اس کے وضو کے حال کی تحقیق کرنے لگا۔

پھر جب علی کا وضو جس طرح پر کہ اس کو حکم (منجانب امامؑ) دیا گیا تھا جو موافق کیفیت وضوء اہل سنت کے تھا دیکھا تو ہارون اس بدگمانی سے شرمندہ ہوا اور علی بن یقطین سے معافی چاہی اس واقعہ کے گذر جانے کے بعد امامؑ کی طرف سے ایک دوسری تحریر پہونچی جس میں تحریر تھا کہ ایسے ایسے وضو کرو اور وضو صحیح سے ان کو آگاہ فرمایا تھا۔

اسی روایت کا مضمون تقیہ کے جائز ہونے پر دلالت کرتا ہے اور دلیل (تقیہ) قرآن و حدیث سے بہت ہیں نیز اہل بیتؑ کے فتویٰ مضمون تقیہ سے لبریز ہیں اور سب سے بڑا سبب اختلاف احادیث کا اہل سنت والجماعت سے یہی تقیہ ہے (کہ اہل حق اغیار کو بھی اپنا ہی تصور کرتے رہے اور ان سے احادیث حاصل کیں چونکہ زمانہ بہت پر خطر تھا چھان بین کا موقع نہ ملا اسی لئے گڑبڑی ہوگئی۔ مترجم)

کتاب جرائج میں منقول ہے کہ ایک روز ہارون الرشید نے خز نفیس زنار کا چوغہ شاہانہ علی بن یقطین کو بخشا۔ علی نے اس شاہی چوغہ کو بہت سے مال کے ہمراہ جناب امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں بھیج دیا۔

امامؑ نے وہ چوغہ تو علی کے پاس واپس کر دیا اور پیغام بھیجا کہ اس کو حفاظت سے رکھنا تمہیں عنقریب اس کی ضرورت پڑے گی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد علی بن یقطین کے اس نوکر سے (جو چوغہ کو امام کے پاس بھیجنے کے متعلق باخبر تھا) کوئی قصور سرزد ہوا اور علی نے اس کو سزا دی وہ بدلہ کے خیال سے ہارون کے پاس گیا اور کہا کہ علی بن یقطین موسیٰ بن جعفر کو اپنا امام جانتا ہے اسی لئے اس نے آپ کے قیمتی چوغہ کو امام ہی کے پاس بھیج دیا ہے ہارون نے جو یہ بات سنی غضبناک ہوا چاہا کہ اس حال کی تحقیق کرے ناچار علی بن یقطین کو بلایا اور کہا وہ چوغہ جو میں نے تمہیں دیا تھا تم نے کیا کیا۔

علی نے کہا اپنے صندوق میں رکھا ہے۔

ہارون تو کسی کو بھیج کر اس کو منگواؤ۔

علی نے اپنے غلاموں میں سے ایک کو بلایا اور کہا کہ جاؤ اور فلاں صندوق کو جس پر میری مہر لگی ہے لاؤ۔ جب صندوق لائے اور صندوق میں چوغہ ہارون کی نظر پڑا۔ ہارون اپنے غضب سے باز آیا اور علی کو انعام دیا اور چغل خور کی بابت حکم دیا کہ اتنا ماریں کہ وہ مر جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

صفوان بن مہران بن مغیرہ الاسدی الکوفی

خلاصہ وکتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ ان کے پاس اونٹ بہت تھے اور انہیں کے کرایہ سے زندگی بسر کرتے تھے اسی واسطے ان کو صفوان جمال (شتربان کہتے تھے۔

ان کے دو بھائی مومن تھے ایک کا نام حسین۔ دوسرے کا نام مسکین۔ آخر کار انہوں نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے اشارہ سے اونٹوں کو فروخت کر دیا۔

مختار کشی میں صفوان سے منقول ہے کہ ایک روز میں خدمت حضرت امام موسیٰ کاظمؑ میں گیا آپ نے فرمایا اے صفوان تمہاری ہر چیز عمدہ اچھی ہے سوائے ایک چیز کے میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان جاؤں۔ وہ کون سی چیز ہے۔ فرمایا وہ یہ کہ تم اپنے اونٹ ہارون الرشید خلیفہ عباسی کے لئے کرایہ پر دیتے ہو میں نے عرض کیا کہ میں یہ کام لالچ اور لہو (کھیل) کی غرض سے نہیں کرتا۔ ہاں جب وہ حج کے لئے جاتا ہے تب میں اونٹ کرایہ پر دیتا ہوں مگر ایں ہمہ اس خدمت (شتربانی) کو اپنی ذات سے انجام نہیں دیتا بلکہ اپنے غلاموں کو اس کے ساتھ کر دیتا ہوں۔ امام نے فرمایا اے صفوان ہارون کے کرایہ سے تیری بیوی بچوں کی پرورش ہوتی ہے یا نہیں۔ میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔ فرمایا تو دوست رکھتا ہے اس بات کو وہ جیتے رہیں تا کہ تیرا کرایہ برباد نہ ہو۔

میں۔ ہارون حضور ایسا ہی ہے۔ آنحضرتؑ نے فرمایا جو شخص ان کی (ہمارے دشمنوں کی) زندگی کو دوست رکھتا ہے وہ انہیں میں سے (بروز حشر) ہوگا۔ اور جوان (مخالفین) سے ہوگا اسکا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

صفوان کہتا ہے کہ اس (تقریر امامؑ) کے بعد میں گیا اور اپنے تمام اونٹ بیچ ڈالے یہ خبر جب ہارون کو پہونچی تو اس نے مجھے اپنے پاس بلوایا اور کہنے لگا مجھے خبر ملی ہے کہ تو نے اونٹ فروخت کر ڈالے۔

میں نے کہا۔ ہاں۔

ہارون۔ تو نے ایسا کیوں کیا۔

میں۔ اس لئے کہ ضعیف ہوگیا ہوں اور میرے غلاموں سے وہ کام انجام نہیں پا سکتا ہارون نے کہا افسوس!! میں جانتا ہوں کہ تو نے حضرت موسیٰؑ بن جعفرؑ کے اشارہ سے اپنے اونٹوں کو بیچ ڈالا ہے۔

میں نے کہا مجھے آنحضرت سے کیا کام ہے۔

ہارون بولا اس انکار کو چھوڑ دو کیونکہ مجھے تیری حق صحبت کی رعایت ملحوظ خاطر نہ ہوتی تو تجھے مار ڈالتا۔

بشارہ روی عن صفوان ابجمالؒ انہٗ قال دخلت علیٰ الفارق فقلت جعلت فداک سمعتک تقول سمعتنا فی جنة وفی الشیعة اقوام یذنبون

ویترکبون الفواحش ویشربون المخر ویتمتعون فی دیناهم . فقالؑ نعم . هم اهل الجنة . ان الرجل من شیعتنا لا یخرج من الدنیا حتیٰ یبتلیٰ لبقم. اوبمرضٍ. اوبدینٍ. اوبخارٍ یودیه اوبزوجةٍ سوءٍ فان عوفی من ذالک شدّد الله علیه النزع حتیٰ یخرج من الدنیا و۔ ذنب علیه فقلت لا بدّ من ردّ المظالم. فقال ان الله عج جعل حساب خلقه یوم القیامه الیٰ محمدؐ وعلیؑ فکل ماکان علی شیعتنا حسبناه من الخمس من اموالهم وکل ماکان بینهم وبین خالقهم استق هبناه لهم حتیٰ لا یدخل احد من شیعتنا النار.

خوشخبری صفوان جمالؒ سے مروی ہے کہ میں خدمت حضرت امام جعفر صادقؑ میں داخل ہوا (پہلے) میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان جاؤں میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہمارے شیعہ جنت میں داخل ہونگے (یعنی شیعہ جنتی ہیں) حالانکہ شیعوں میں سے ایسے بھی افراد ہیں کہ گناہ کرتے ہیں فحش کے مرتکب ہوتے ہیں۔ شراب پیتے اور دنیا سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

امامؑ نے فرمایا ہاں (ایسا بھی ہے) وہ جنتی ہیں ہمارا (گنہگار) شیعہ دنیا سے نہیں جاتا جب تک وہ (ان گناہوں کی پاداش میں) کسی بیماری۔ مرض۔ قرض۔ ایذا دہندہ پڑوسی۔ بری بیوی کے ساتھ مبتلا نہیں ہوتا اگر ان باتوں سے بچ رہا ہو تو پھر اس پر جانکنی کے وقت شدت ہوتی ہے تا اینکہ وہ دنیا سے بے گناہ جاتا ہے۔

میں نے عرض کیا آیا ردّ مظالم (لوگوں سے بجز جور قوم حاصل کی ہوں) ضروری ہے امامؑ نے فرمایا بالتحقیق خدائے عزوجل نے قیامت کے دن کا حساب لینا جناب محمد مصطفیٰ صلعم جناب علی مرتضیٰؑ کے سپرد فرمایا ہے پس اس طرح کی جور قوم ہمارے شیعوں کے ذمے ہوں گی ان کو ہم اغیار کے اموال میں سے خمس کے معاوضہ میں سمجھ لیں گے اور جو حقوق بندوں کے خدا کے متعلق ہوں گے انہیں ہم خدا سے (ان کے حق میں سفارش کر کے) بخشوالیں گے الختصر ہمارے شیعوں میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہ جائے گا"۔

اگر یہ کہیں (یعنی کوئی معترض اعتراض کرے) کہ آدمی کے قتل اور مال کے چرانے میں حق الہ وحق العباد دونوں ہیں اور غیبت (پیٹھ پیچھے برائی کرنا) میں (صرف) آدمی کا حق ثابت ہے پس حدیث مذکور کا مضمون مشکل ہو جائے گا۔

اس شیعہ کے متعلق جس نے کسی شخص کو جان سے مار ڈالا ہوا اور وہ مقتول مفلس ہو یا اگر مالدار ہو مگر حد خمس کو اس کا مال نہ پہنچا ہو جس سے اس پر خمس واجب ہو۔

اور اگر حدّ شرعی تک پہونچ چکا ہو تو وہ خمس ادا کر چکا ہو (ایسی صورت میں کیا کیا جائے گا) اسی طرح اس شیعہ کے متعلق کیا ہوگا جس نے کسی کا مال چرالیا ہو کہ صاحب مال کا مال حدّ خمس تک پہونچا ہوا نہ تھا۔ یا پہونچ چکا تھا اور وہ خمس دے چکا تھا (ایسے مقتول کے متعلق کیا فیصلہ ہوگا) اور اسی کے لگ بھگ اس (شیعہ) کا حال ہے جس نے کسی کی غیبت کی ہو کہ جس کی غیبت کی گئی ہے اس کے پاس کوئی مال ہی نہیں ہے اور نیز قتل و غیبت مال میں تصرف کرنا نہیں کہلاتا پس ان (ہر دو) کا محاسبہ (معاوضہ) خمس سے چکانا اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

جواب (اعتراض مذکور) یہ ہے کہ مادہ نقص ثابت ہونا چاہئے اور ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ قتل و چوری و غیبت کرنا شیعوں کا ایسے اشخاص کی نسبت واقع ہو جن کے متعلق ادائے خمس کا احتمال ہو بلکہ یہ صورت اہل سنت کے متعلق بھی درست نہیں ہے کیونکہ وہ خمس کو نہیں دیتے اور مصرف (محل و مقام) تک نہیں پہونچاتے البتہ یہ صورت (دیگر افراد) شیعوں کے لئے مسلم ہی لیکن حضرت ائمہ معصومینؑ بعض شیعوں کے حق بعض سے بخشوا لینے کا حق ممکن ہے اور اس کے معاوضہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ اب رہ گیا یہ امر کہ قتل و غیبت کا محال خمس سے چکانا بعید از عقل ہے۔ یہ بات وہم پر مبنی ہے وہ یہ کہ عوض میں شے کے مثل (ہاتھ) کی شرط ہے یعنی جو چیز لی گئی ہے دیتے وقت وہی دو) حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یوں ہوگا کہ حضرات ائمہ میں سے کوئی بزرگوار مقتول سے (بروز قیامت جب سب لوگ زندہ کئے جائیں گے) یا مغتاب (جس کی غیبت کی گئی ہے) سے فرمائیں گے کہ تم اپنے قاتل یا غیبت کنندہ کو بری کر دو تا کہ (اس بات کے معاوضہ میں) ہم تجھ سے مال خمس کی ذمہ داری سے بری کر دیں جس کا ادا کرنا تجھ پر واجب تھا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ قیامت کے دن جس کسی کو نہ معلوم ہو جائے گا کہ میرا داخل ہونا جنت میں یا میرے عذاب کی کمی پر موقوف ہے اسی وقت جب مجھے ادائے خمس (یعنی حق اہل بیتؑ) کی ذمہ داری سے بری کر دیا جائے گا۔ اور اس حق خمس سے بری اس وقت ہو سکوں گا جبکہ میں ذمہ داری (مراد جرم؛ قاتل و غیبت کنندہ سے دست برداری دیدوں گا۔ تو یقیناً ایسا آدمی اس معاملہ میں توقف نہ کریگا اور منع نکرے گا (مجرمین کے بری الذمہ کرنے میں) اور مال خمس کے معاوضہ کی ضرورت اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ غیبت کا مضمون غیبت کرنے والے کو پہونچا ہو ورنہ محض ندامت ہوا ایسا امر نہ کرنے کا ارادہ اس کے حال کی اصلاح کے لئے کافی ہے حاصل کلام یہ ہے کہ مومن شیعہ اثنا عشری کا جہنم میں داخل نہ ہونا بسبب برکات محبت حضرت محمد مصطفیٰ صلعم و جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام اور تمام ائمہ اطہارؑ کے دور نہ سمجھنا چاہئے اور حدیث مشہور۔ "ستفترق امتی علیٰ ثلٰث وسبعون فرقۃ کلّھم فی النار الا واحدۃ" ارشاد آنحضرتؐ ہے کہ عنقریب میری امت

۷۳ فرقوں میں متفرق ہو جائے گی ان میں سے ۷۲ دوزخ میں اور صرف (اکیلا) تہتروا ں فرقہ بہشت میں جائے گا"۔ یہی اوپر والی (یعنی روایت صفوان جمال) حدیث کی موید و معاون ہے۔ اور کیونکر اسبات میں استیعا اور انکار ہو سکتا ہے (یعنی کوئی شخص شیعوں کے بخشے جانے کو بعید از عقل یا اس بخشش کا سرے سے انکار کر سکتا ہے جب کہ قاضی میر حسین میبدیؔ (جگہ کا نام ہے) شافعی المذہب نے دیوان اعجاز کے اندر درمیان حضرت علی ابن ابی طالبؑ نقل کیا ہے کہ شیخ علاؤ الدولہ اپنی کتاب عروہ (نامی) میں کہتا ہے کہ تمام اہل اسلامی فرقے اہل نجات ہیں اور مراد اکیلئے فرقے سے حدیث مشہور ناجیہ میں بے شفاعت ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً انہٗ ھوا الغفور الرحیم۔ (قاضی مذکور دلیل میں آیہ قرانیہ پیش کرتا ہے)۔ "کہہ دو اے رسولؐ میرے مسرف بندوں سے (یعنی جنہوں نے نا قابل بخشش افعال کئے ہیں) کہ تم اللہ کی رحمت (بخشش) سے مایوس نہ ہو بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا بالتحقیق وہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اگر کہیں کہ مضمون روایت صفوان اس جانب موڈی ہوتا ہے کہ مومن محض وحدانیت و رسالۃ و امامت ائمہؑ کا اعتقاد نہ رکھیں اور احکام و اعمال کی بجا آوری سے اپنے تئیں معطل کریں (جواب میں) ہم یہ کہیں گے کہ اعتماد محض اعتقاد بر اس وقت ہوتا ہے کہ بالکل (خدا بندے میں) کوئی ڈرانے دھمکانے والا نہ ہو حالانکہ ایسا نہیں (کیوں کہ تین ڈرانے والے ہیں خدا اور رسولؐ و جانشین برحق رسولؐ) ہے۔ کیونکہ جو بات احادیث حضرات ائمہ سے مذکور ہوئی وہ یہ ہے کہ مومن جب کہ مرتکب فسق و گناہ اور مبتلا امراض و بیماریوں وغیرہ میں یعنی زمانہ کی سختیوں اور مصیبتوں میں ہوتا ہے تو انہیں باتوں کا اس کے افعال بد کے لئے بجائے ایک دھمکا کے اور ڈرانے والے کے کافی ہے۔ نیز اگر چہ اظہار نجات ایمان و اعتقاد مذکورہ پر معلق فرمایا ہے لیکن ساتھ ہی (احادیث ائمہ میں) گناہوں کے مرتکب ہونے کی حالت میں ایمان کے جاتے رہنے کا خوف بھی دلایا ہے۔

نیز مومنوں کے درجے اور ان کے ثواب کے رتبے بھی جدا جدا ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ بحالت گناہ گاری درجات عالیہ حاصل نہ ہوں گے اور عاقل کے لئے بلند درجوں اور منازل عالیہ سے محروم رہنے کا تصور ہی کامل ڈرانے والے کے حکم میں ہے۔

نیز معافی اور شفاعت سے عاصی کی خجالت و شرمندگی واقع نہ ہوگی چنانچہ یہ مضمون بعض روایات میں مروی ہے۔ اور عارف شیرازی نے اس مضمون کو اشعار میں نظم کیا ہے ؎

دلا گناہ نکیجو جو امید بخشش پر　　کہ گر گناہ ہوئے عفو شرمساری ہے

اور آئندہ شعر کیا اچھا کہا گیا ہے ؎

بہشت مان لو مل جائے بے اطاعت کے
مگر یہ ماننا جانا کہاں کا ہے انصاف

اور یہ اس اشارہ کا مؤید ہے جو تحقیق بشارۃ مذکور میں مذکور ہو چکا یعنی ملاّ قطب الدین شافعی شیرازی نے اپنے بعض خطوط میں کہا ہیکہ اہل علم قائل ہیں کہ ایمان نجات دینے والا ہے اور یہ بھی انہوں نے کہا ہے کہ زوال ایمان کا خوف بھی لگا ہوا ہے۔ اور ایمان زائل نہیں ہوتا بجز گناہوں کے عمل میں لانے سے۔ اے بے خبرو (جاہلو) عالم تمہارے ہاتھ سے مصیبت میں ہیں کیونکہ جیسا عالم فرماتے ہیں اگر ایسا ہی ہے تو تمہارا علم جہل سے مطابق ہوا۔ اور جس وقت ایمان کو بلا عمل کے (بسبب وجود ایمان کے) باعث نجات مان لیا ہے۔ تو علماء ایسا نہیں کر سکتے کہ وہ حق کو چھپالیں گے۔

معاذ (بن جبل نے اپنی موت کے کے وقت اس بات سے (یعنی ایمان نجات دہندہ ہے) جزدی اس خیال سے کہ کہیں علم کے چھپانے کے گناہ میں داخل نہ ہوں اور پاداش (بدلہ) اٹھانی پڑے تو کیا تم میں اے بے عقلو وہ علم مطابق جہل تھا اور تم اسبات سے باز آگئے ہو اسی لئے تم نے عمل سے بھی ہاتھ اٹھالیا ہے۔ عمرو تمہیں پہچانتا تھا ناچار انہوں نے جناب رسولؐ خدا سے درخواست کی کہ آپ یہ آگاہی موقوف فرمائیے یعنی "دعھم یا رسول اللّٰہ یعملو ا یارسولؐ اللہ ان لوگوں کو (ان کے حال پر) چھوڑ دیجئے کہ وہ عمل کرتے رہیں۔ مگر بے عقلوں کیلئے کوئی چارہ نہیں ہے اس بات سے کہ عقل مندان کو (علم سے) محروم کریں۔ ان کی مثال (یعنی علماء کی) قرآن کی مانند ہے۔

یضلُّ بہٖ کثیراً ویھدی بہٖ کثیراً ومایُضلُّ بہٖ الا الفاسقین کہ اس سے بہت سے (اپنے زعم ناقص میں) گمراہ ہوتے ہیں اور بہت سے ہدایت یافتہ۔ مگر گمراہ تو فاسق ہی ہوتے ہیں۔ وہ جماعت ایسی باتوں سے گمراہ ہو جاتی ہے۔ ایسا خیال کرنے والے خود گمراہ ہیں کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی (یعنی وجود قرآن) تو سب کے سب کسی اور بات یا سبب سے گمراہ ہوتے اس لئے کہ بالتحقیق یہ بات مسلّم ہے کہ جو بات کسی کے دل میں مخفی ہوتی ہے ایک روز ظاہر ہو جاتی ہے کہ کیونکہ مالک جہان (خدا) نوری ہے اور نور چیزوں کو جیسی کہ وہ ہوتی ہیں ظاہر کر دیتا ہے اور دین خدا کو خدائے تعالیٰ نے ایک آئینہ بنا کر پیدا فرمایا ہے کہ وہ جون کا تون چیزوں کو دکھلا دیتا ہے پس گمراہ تو آخر گمراہ ہی ہوں گے۔ پس ایسا نہیں ہو سکتا کہ ان کی حفاظت کی غرض سے جو کہ امر ناممکن ہے اہل ہدایت کو محروم کریں اور ہدایت ان سے روک لیں۔ پس بات جس طرح کی ہو ویسی ہی کہنی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہدایت پانے والوں کو کسی حال میں گمراہ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مکتوب الیھم (وہ مخلوق جن کے پاس خدائی کتاب آئی ہے۔ مترجم) کو ہدایت یافتہ کرے تا کہ وہ جس بات کو سنیں سبب زیادہ ہدایت کا ہو۔ بیماروں کی مثل نہ ہو کہ

جو بات اوروں کی طاقت کا باعث ہے وہی بات اس میں ہدایت کی زیادتی کا سبب اور باعث مرض کے دو چند ہونے کا ہو۔ انتہیٰ"

مخفی ہے کہ مولانائے مذکور کا کلام رد ہے اس کے خلیفہ عمر پر اور وہ اس کے اصحاب کے نزدیک غیر قابل معافی گناہ ہے (اس کلام میں سوچو) اگر یہ کہیں کہ غرض احادیث مذکور سے نہ صرف عقائد کی پختگی ہے بلکہ مقصود ان سے محض رغبت دلانا ہے ایمان کے حاصل کرنے پر اسی لئے شیعوں کی عقائد کی کتابوں میں (جنکو علم کلام کہتے ہیں) ان احادیث کے مضامین کی تشریح واقع نہیں ہے۔

علاّمہ دوانی نے شرح عقائد عضدیہ میں کلمہ کلھافی النار کو حیثیت عقائد کے ساتھ مقید کیا ہے تا کہ دلالت کرے اسبات پر کہ ناسوائے فرقۂ ناجیہ کے من حیثیت الاعتقاد جہنم میں ہیں اور فرقۂ ناجیہ مستقل اعتقاد کی حیثیت سے جہنم میں نہیں ہے بلکہ بحیثیت عمل جائز ہے کہ دوزخ میں ہو ہم کہتے ہیں کہ احتمال (مذکور علاّمہ) محض ترغیب دہی کے لئے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اگر غرض یہی (رغبت دلانا) ہے تو ناچار لوگوں کو اس کا اظہار کرنا چاہئے۔ اور جس وقت اظہار کر دیا تو اس بات سے خالی نہیں ہے کہ اس کے خلاف (مخالف کا اظہار بھی چاہے یا نچاہے۔ اگر اظہار کرتے ہیں ترغیب کا فائدہ بے کار ہوا جاتا ہے لیکن شیعوں کے عقائد والی کتابوں میں ان احادیث کے مضمون کی تشریح کا نہ ہونا محل تامل ہے کیونکہ کتاب اعتقادات میں شیخ ابن بابویہ کی جو قدمائے علمائے امامیہ سے ہے اس مضمون کی تصریح واقع ہے جس جگہ وہ فرماتے ہیں اما الذنب فلا یسائل عنہ الّا من یحاسب . قال اللّٰہ تعالیٰ فیومئذٍ لا یسئل عن ذنبہٖ انس و لا جان یعنی عن شیعۃ النبی والائمۃ خاصۃً دون غیر ھم کما ورد فی التفسیر وکلّ محاسب معذّب ولو بطولِ الوقوف انتھیٰ۔ (ترجمہ) لیکن گناہ کی بابت اسی سے پوچھا جائے گا جس کا حساب لیا جائے گا۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے آج (قیامت) کے دن مخصوص شیعہ نبیؐ وائمہؑ (انس ہوں یا جن) سے گناہ کا سوال نہ ہوگا تفسیر (اہل بیتؑ میں) ایسا ہی وارد ہوا ہے اور جس کا حساب ہوگا اس پر عذاب بھی ہوگا اگرچہ بقدر طول توقف ہی سہی۔

اور محقق طوسی علیہ الرحمہ کی کتاب قواعد انعقاد میں نیز اس کی شرح علاّمہ حلّی علیہ الرحمہ میں ہے "اتفق الناس علیٰ ان المومن الذی عمل عملاً صالحاً یدخل الجنّۃ خالداً فیھا وامّا الذی یخلیط عملاً صالح فاختلفوا فیہ فقالت التفضیلۃ من اھل السنۃ والامامیہ انہٗ لا یجب تعذیبھم بل قد یغفر اللہ تعالیٰ عنھم او یشفع النبی عنھم. لقولہٗ اد خرمت شفاعتی لاھل الکبائر ۔ (ترجمہ) علما نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ وہ مومن جو عمل نیک کرے گا وہ ہمیشہ داخل بہشت رہے گا مگر جس کے نیس عمل کے ساتھ بدعمل بھی شامل ہوں گے ان کے بارہ میں علماء

نے اختلاف کیا ہے چنانچہ فرقہ "فضلیہ (جو علیؑ کو ثلثہ سے افضل مانتے ہیں مگر ثلثہ کی خلافت کو بھی حق
جانتے ہیں) اہل سنت اور فرقۂ امامیہ (اثنا عشریہ) یہ کہتا ہے کہ ایسے مومن پر عذاب کا ہونا ضروری نہیں
بلکہ کبھی اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا یا جناب رسولؐ خدا ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ کیونکہ جناب رسالت
مآب کا ارشاد ہے میں نے اپنی شفاعت کا ذخیرہ گناہان کبیرہ کے مرتکبین کے لئے رکھ چھوڑا ہے"۔
اور بعض متاخرین علمائے امامیہ نے اسی قول جناب رسالت مآب کو اور نیز قول جناب امام جعفر
صادق علیہ السلام کو دلیل قرار دیا ہے چنانچہ امام کا ارشاد ہے" واللہ لنشفعن یوم القیامۃ فی عصاۃ شیعتنا حتیٰ
یقول غیرھم فما لنا من شافعین ولا صدیق حمیم" خدا کی قسم ہم قیامت کے دن ضرور شفاعت کریں گے اپنے
گنہگار شیعوں کی تا اینکہ ان کے مخالفین یہ کہیں گے ہمارا تو کوئی نہ سفارش کنندہ ہے نہ خالص دوست ہی ہے۔
اور صاحب قواعد العقائد کا کلام اور ان کے بعد والے علماء کا کلام تصریح کنندہ ہے احادیث
مذکور کے اختصار پر اور جس جماعت نے تفسیل احادیث (مذکورہ) کی طرف توجہ کی ہے وہ اس بنا پر ہوگی کہ
انہوں نے محض ذکر مسئلہ جواز معافی (گناہان) وشفاعت کے معنے تفصیلاً سمجھ لئے ہیں۔ مگر جو کچھ علامہ
دوّانی نے حدیث مستفترق کے متعلق شرح کی ہے وہ داخل ہے اس خیال میں جو کہ ہمارے بعض شائخ نے
رسالہ وافیہ میں دربیان تحقیق فرقۂ ناجیہ کے کہا ہے کہ بہشت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہونے کی علۃ حیثیت
(شرط) اعتقاد مسلم نہیں ہے بلکہ ہوسکتا ہے کہ ہمیشگی کی علت اعتقاد وعمل دونوں کی شرط ہو چنانچہ ظاہر
آیہ۔ "بلیٰ من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ فاولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون ط
ہاں جس نے گناہ کیا اور اس کی خطاء نے اس کو گھیر لیا یہی لوگ دوزخی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔
اسی کی طرف غور کنندہ ہے۔ اور یہ جو علامہ نے شرط اظہار کے بعد کہا ہے کہ" فلا یرو انہ لو
اید الخلو فھو خلاف الاجماع فان المؤمنین لا یخلدون فیھا وان ارید مجرد
الدخول فھو مشترک بین الفرق اذما من فرقۃ الّا وبعضھا عصاۃ. والقول بان معصیۃ
الفرقۃ الناجیہ مطلقاً مغفورۃ . بعید جداً. ولا یبعدان ان یکون المراد استقلال مکثھم
فی النار ترغیباً یصحیح الاعتقاد". انتھی۔ (ترجمہ) پس کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ اگر
مراد ہمیشہ کا بہشت میں رہنا ہو تو یہ اجماع (امت۔ جو دراصل کچھ حقیقت نہیں رکھتا تا وقتیکہ ان میں معصوم
داخل نہ ہو مترجم) کے خلاف ہے کیونکہ (اجماع کے نزدیک) مومنین بہشت میں ہمیشہ نہ رہیں گے۔ اور
اگر صرف دخول جنت مراد ہے تو یہ (بات) تمام فرقوں میں مشترک ہے کیونکہ ایسا کوئی بھی فرقہ نہیں ہے
جن میں سے کچھ گنہگار نہ ہوں۔ اور یہ کہنا کہ گناہ فرقہ ناجیہ کے (اگرچہ کوئی سا گناہ ہو) بخشے ہوئے ہیں۔
بہت ہی بعید از عقل ہے۔ ہاں یہ کہنا بعید از قیاس نہیں ہے کہ مراد ان کے مستقل طور پر دوزخ میں رہنے

سے ان کی صحت عقیدہ کی رغبت ہی کے لئے ہے۔
یہ کہنا داخل ہمیشہ کی نفی میں ہے جو مسلم نہیں ہے اور جو اجماع انہوں نے نقل کیا ہے وہ ممنوع
ہے کیونکہ علماء (شیعہ) کی ایک جماعت کا یہ قول ہے طائفہ حقہ (یعنی شیعہ) کے سوا سب (مسلمان
) کافر ہیں اور ہمیشہ کے جہنمی۔ اور اس کا یہ کہنا کہ بالتحقیق مومن بہشت میں ہمیشہ نہ رہیں گے مسلم ہے مگر
مومنوں کی حقیقت میں اختلاف ہے اور شیعہ اس بات کے قائل ہیں کہ سچا ایمان نہیں حاصل ہوتا مگر اسی کو
جو اصول (دین) خمسہ (پانچ) کا اعتقاد رکھتا ہو جن پانچ باتوں میں سے امامت دوازدہ (۱۲) امام کا
اعتقاد بھی داخل ہے اور اس کا یہ کہنا کہ دخول (داخل ہونا) مشترک (شیعہ وسنی میں) ہے۔ یہ قابل تسلیم
نہیں اور جو آیہ سند میں لائے ہیں ظاہر ہے۔ اور ان کا یہ کہنا کہ "لا من فرقۃ الّا بعضھا عصاۃ" کوئی
فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے بعض افراد عاصی نہ ہوں مسلم ہے مگر اس کا یہ کہنا کہ شیعوں کا یہ قول ہے انّ
معصیۃ الفرقہ الناجیہ مطلقاً مغفورۃ" کہ فرقہ ناجیہ (شیعہ) کی ہر ایک خطا بخشی ہوئی ہے" بعید
(از عقل) ہے ہم اس کو نہیں مانتے بلکہ مغفرۃ (شیعہ کا قائل ہونا زیادہ مناسب ہے۔ اور بعید سمجھنا (اس کا
عقل سلیم کے نزدیک بعید ہے۔ کیونکہ حدیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے اور یہی مقتضائے حدیث بھی ہے۔
اور اس کا یہ کہنا کہ عرصہ دراز تک قیام (جنت) رہنا بعید نہیں ہے۔ پس یہ استیعاد بھی اس کے
سابق سے بعید تر ہے کیونکہ خلاف تو وہ بات ہے جو حدیث سے سمجھی جائے اور حق تو یہی ہے کہ حدیث
(مذکور) کے بے تکلف یہی معنی ہیں کہ فرقۂ ناجیہ کو کبھی آتش جہنم نہ چھوئے گی۔ اس کے متعلق احادیث
نبویہ اور ارشادات امامیہ بکثرت شاہدین یہ ہے پوری تقریر ہمارے بعض شائخ کے کلام کی (ان پر خدا کی
رحمت ہو) اور اس میں صراحت ہے اس بات کی کہ نجات فرقۂ ناجیہ کی مطلقاً قول علمائے امامیہ ہے مگر اس
(امر مؤلف مجالس المومنین علیہ الرحمہ) بے چارہ کی خاطر فاتر ست میں جو کچھ آیا ہے وہ یہ ہے کہ جناب
شیخ صاحب نے جو اول مرتبہ ارشاد فرمایا ہے کہ فرقۂ ناجیہ کے ہمشہ رہنے کی علت بحیثیت اعتقاد مسلم نہیں
ہے بلکہ ہوسکتا ہے کہ خلود بحیثیت اعتقاد وعمل دونوں کی شرط سے ہو۔ ہم کو شیخ صاحب کے اس کلام میں
تامل ہے کیونکہ مقصود علامہ دوانی کی ہمیشہ ہمیشہ جنت میں نہ رہنے کی قید ماسوائے فرقہ واحدہ ناجیہ کے
ہے یہ حیثیت اعتقاد کے۔ تا کہ منع کی علت اور خلود کی علت معلّل ایک ہی حیثیت سے ہو۔ بلکہ ہوسکتا ہے
کہ ان کا جہنم میں نہ جانا صرف تنہا اعتقاد کی وجہ سے ہو بلکہ اس کا کلام یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اس نے فرقہ
واحدہ (شیعہ) کو جہنم میں نہ جانے سے مستثنیٰ بحیثیت اعتقاد جانا ہے جس کے متعلق سابق میں اشارہ کیا جا
چکا ہے اور اب اس طرح منع کرنا چاہئے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ فرقہ ناجیہ کا بہشت میں داخل نہ ہونا
صرف ایک ہی قید کی وجہ سے ہو بلکہ ممکن ہے کہ ان کا داخل نہ ہونا جہنم میں اعتقاد وعمل دونوں شرطوں کی وجہ
سے ہو اور دوستی کی توفیق خدا ہی رہتا ہے۔

عبدالرحمان بن حجاج البجلی الکوفی

خلاصہ میں مذکور ہے کہ راوی مذکور ثقہ اور سردار راویان شیعہ اور وکیل حضرت امام جعفر صادقؑ اور حضرت امام ششمؑ و ہفتمؑ کے راویوں میں سے تھے اور حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی وفات کے بعد تک زندہ تھے تا اینکہ خدمت حضرت امام رضاؑ میں فائز ہوئے اور جس امام میں مامون (خلیفہ عباسی) نے آنحضرتؑ کو ولیعہد (اپنا) بنایا تھا راوی مذکور نے وفات پائی۔

اور مختار کشی میں حسن بن ناجیہ سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے عبدالرحمٰن کو یاد فرمایا اور یہ ارشاد کیا کہ وہ ہمارے دشمنوں کے دلوں میں نے انتہا بارگراں ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ امام ہفتمؑ نے عبدالرحمان کو بہشتی فرمایا تھا اور اس کو آپ نے حکم دیا تھا کہ مدینہ والوں سے مناظرہ کرو کیونکہ میں دوست رکھتا ہوں اسبات کہ درمیان شیعوں کے تجھ سا آدمی دیکھیں۔ راوی مذکور کی تصنیف سے مذہب شیعہ میں چند کتابیں عملیہ تھیں۔

محمد بن حکیم

خلاصہ میں کشی سے منقول ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ رضامند تھے اس بات پر کہ (رائے مذکور) وہ مباحثہ کلامیہ میں مخالف کے ساتھ مناظرہ کرے۔

مختار کشی میں لکھا ہے کہ ایک روز حضرت امام ہفتمؑ نے اصحاب کلام (مناظرہ کرنے والے) کریاد فرمایا پس آنحضرتؑ نے فرمایا ابن حکیم کو چھوڑ دو کہ مناظرہ میں مشغول ہو۔

یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرتؑ نے محمد (بن حکیم) کو حکم دیا کہ مدینہ (منورہ) کی مسجد میں وہاں کے لوگوں کے ہمراہ بیٹھے اور ان کے ساتھ مطالب کلامیہ میں مناظرہ ومخاصمہ کرے۔ اور جس وقت محمد مذکور قوم کے مناظرہ سے فارغ ہو کر امام کے پاس آتے تو آنحضرتؑ ان سے ان کی اور دوسروں کی گفتگو دھرانے سننے کے بعد محمد سے راضی ہوئے۔

شیخ ابوجعفر طوسی (ان کے مزار کو خدا پاکیزہ کرے) نے کتاب فہرست میں لکھا ہیکہ محمد مذکور کی تصنیف سے فن حدیث میں ایک کتاب ہے۔

نضر بن قابوس اللخمی

خلاصہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ وہ مرد نیکوکار۔ فاضل اور حضرت امام جعفرؑ و موسیٰؑ و رضاؑ علیہم السلام راویوں میں سے تھے اور ان حضرات کے نزدیک بہت باوقار تھے۔

شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے کتاب غیبۃ میں لکھا ہیکہ راوئے مذکور ۲۰ سال تک وکیل حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام رہے اور مختار کشی میں نضر سے مروی ہے کہ ایک روز میں خانہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ میں حاضر تھا پس آنحضرتؑ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حجرہ میں لے گئے جس میں جناب امام رضاؑ بحالۃ صغر سن موجود تھے اور ہاتھ میں آنجناب کے ایک کتاب تھی جس کا مطالعہ فرما رہے تھے امامؑ نے ان صاحبزادے کی طرف اشارہ کر کے دریافت فرمایا اے نضر اس بچہ کو تم پہچانتے ہو میں نے عرض کیا کیوں نہیں آپ کے فرزند علی رضاؑ ہیں۔ پھر دریافت فرمایا اس کتاب کو بھی جانتے ہو جس کا مطالعہ (یہ بچہ) کر رہا ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا یہ کتاب (علم) جفر ہے جس کی حقیقت ومعانی پر بجز پیغمبر اور وصی پیغمبر کے دوسرا مطلع نہیں ہوسکتا۔

نیز نضر سے مروی۔ ہے کہ ایک روز میں نے خدمتِ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ میں عرض کیا کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ آپ کے بعد امامؑ کون ہے ان جنابؑ نے مجھے خبر دی تھی کہ امام ان جناب کے بعد آپ ہی ہیں پھر جب کہ آنجنابؑ نے انتقال فرمایا تو شیعوں کے درمیان (تعیین امام کے متعلق اختلاف پڑ گیا اور یہ شیعہ) دہنی بائیں جانب چلے اور میںؑ اور میرے اصحاب آپ کی امامت پر یقین۔ کھتے تھے اب آپ بھی ارشاد فرمائیے کہ آپ کے بعد آپ کے فرزندوں میں سے کون امام ہے۔

امام (ہفتمؑ) نے فرمایا میرا بیٹا علی (رضاؑ) امام ہوگا۔ اور یہ حدیث دلیل ہے راوی مذکور کے کمال عقل اور اپنے دین کے اہتمام پر۔

نوح بن شعیب البغدادی

خلاصہ میں ہے کہ یہ حضرت ابی جعفر محمد جوادؑ (امام نہمؑ) کے اصحاب سے تھے فضیل بنی شاذان نے کہا ہے کہ راوی مذکور فقیہ تھے مختار کشی میں روایت ہے کہ ابوعبداللہ شاذانی نے ابومحمد فضل بن شاذان سے پوچھا کہ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ ہم اپنے مخالفین (سنت والجماعت) کے ہمراہ مغرب کی نماز پڑھ لیتے

ہیں اور نماز سے فراغت پاتے ہی یہ نہیں ہوسکتا کہ گھر جا کر اس کا اعادہ (دوبارہ پڑھنا) کر لیں کیونکہ (اگر ایسا کریں) وہ اس کاروائی کو سمجھتے ہیں اور چونکہ ضرورۃً تاخیر (ادائے نماز مغرب بروقت فضیلت) واقع ہو جاتی ہے تو مغرب وعشاء اس وقت یکے بعد دیگرے دونوں ساتھ ہی پڑھنی پڑتی ہیں۔

فضل نے کہا ایسے کام کو اپنے اوپر دشوار نہ کرو کیونکہ تم جب ان (مخالفین) کے ساتھ نماز پڑھو تو اتنا کافی ہے کہ ایک دفعہ ہی تین تکبیریں یا پانچ تکبیریں کہو اور حمد وسورۃ ہر رکعت میں پڑھو اور رکوع وسجود وسلام میں ان کے امام کے ساتھ موافقت کرو اور اس امام مسجد اور ستون و دیوار مسجد کو برابر جانو۔ اس وقت ابوعبداللہ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم سے ہمارے اصحاب میں سے کسی سے دریافت کیا ہے کہ آیا ایسی نماز کافی ہو گی۔ اس نے جواب دیا کہ میں جب عراق میں تھا اور مجھے بھی تم سی دشواری پیش آئی تھی کہ مخالفوں کے ساتھ نماز پڑھوں چنانچہ اس بات کی شکایت میں وہاں کے ایک عالم کے پاس لے گیا جن کو نوح ابن شعیب کہتے تھے۔ نوح نے مجھ سے وہی کہا جو میں نے تم سے کہا ہے۔ اس کے بعد میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے سوا اور (عالم) اس کا قائل ہے۔

جواب دیا ہاں۔

چنانچہ میں ان کے ہمراہ ایک مجلس میں آیا جس میں تقریباً بیس آدمی ہمارے اصحاب سے تھے میں نے نوح سے التماس کی کہ وہ مسئلہ ان کے روبرو ذکر کرے۔

نوح نے کہا اے حاضرین تعجب نہ کرو اس خراسانی آدمی سے جو اپنے متعلق یہ خیال کرتا ہے کہ وہ ہشام بن الحکم سے (علم میں) بڑھا ہوا ہے اس نے مجھ سے دریافت کیا ہے کہ کیا نماز مخالفین کے پیچھے پڑھنی جائز ہے یا نہیں۔ پس جو بھی اس مجلس میں حاضر تھا انہوں نے وہی جواب دیا جو نوح نے کہا تھا اس وقت میری طبیعت مطمئن ہوئی۔

حسن بن علی فضال الکوفی التیمی

یہ راوی خدمت حضرت امام موسیٰ کاظمؑ میں بھی پہونچے اور راویان حضرت امام رضاؑ سے تو پوری خصوصیت رکھتے تھے۔ جلیل القدر۔ عظیم المنزلۃ۔ زاہد۔ صاحب ورع وثقہ تھے بیان روایات میں۔

کتاب نجاشی میں فضل بن شاذان سے منقول ہے کہ ایک مسجد میں کسی قاری کے پاس سبق پڑھ رہا تھا اور وہاں ایک قوم کو باہم گفتگو کرتے ہوئے دیکھا اور ان میں سے ایک کہتا تھا کہ پہاڑ میں ایک آدمی ہے جس کو ابن فضال کہتے ہیں اور وہ اس جماعت سے جس کو ہم نے دیکھا ہے عبادت میں کہیں برتر ہے اور کہا کہ وہ جنگل میں چلا جاتا ہے اور سجدہ میں جس وقت جاتا ہے تو صحرائی جانور اس پر مجتمع ہو جاتے

ہیں اور وہ خود ایسا بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑتا ہے کہ دور سے (اس کو دیکھ کر) یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ کپڑا ہے یا گدڑی ہے اور وحشی جانور اس کے نزدیک چرتے رہتے ہیں اور اس سے بھاگتے نہیں بسبب اس محبت کے جوان جانوروں کو فضل کے ساتھ ہے۔

فضل بن شاذان کہتا ہے میں نے یہ گمان کیا کہ شاید یہ حال کسی گذشت زمانہ والے آدمی کا ہے مگر اس کلام کے سننے تھوڑے عرصہ بعد میں نے دیکھا کہ ایک بڈھا اچھا صورت وخصلت والا جو نرسی کپڑا اور رداء نرسی اور سبز سلیپر پہنے ہوئے تھا دروازہ سے اندر داخل ہوا اور میرے باپ پر۔ "کہ میں ان کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا"۔ سلام کیا میرا باپ ان کی تعظیم کو اٹھا اور ان کو بیٹھنے کے لئے جگہ دی اور باحترام ان کے ساتھ پیش آئے جب ایک لمحہ کے بعد وہ اٹھکر چلا گیا میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا یہ بڈھا کون شخص ہے انہوں نے جواب دیا یہ شخص حسن بن علی بن فضال ہے۔

انہوں نے کہا ہاں وہی ہے۔ میں نے کہا وہی نا جو ہمیشہ پہاڑ میں رہتے ہیں۔

کہا ہاں وہی۔ میں نے عرض کیا وہ نہ ہوں گے کیونکہ وہ ہمیشہ پہاڑ میں رہتے ہیں۔

باپ نے جواب دیا تم کس قدر بے عقل انسان ہو کیا یہ بات نہیں ہو سکتی کہ یہ وہاں سے آئے ہوں۔ پس میں نے جس کی بابت جو اہل مسجد سے سنا تھا کہہ دیا۔ باپ نے سن کر کہا کہ تم نے جو کچھ سنا ہے ٹھیک ہے۔ اور یہ وہی حسن ہے۔ اور حسن مذکور جب کبھی میرے باپ کے پاس آتے تو میں بھی اس وقت وہاں حاضر ہوتا اور بکیر (نام) وغیرہ کی حدیث کی کتاب ان سے سنتا۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ وہ اپنی کتاب لئے ہوئے میرے حجرے میں آ جاتے اور میرے سامنے پڑھتے اور جس سال طاہر بن الحسین خزاعی۔ "جو کہ مامون عباسی کے سپہ سالاروں سے تھا"۔ نے حج ادا کیا اور واپسی میں کوفہ پہونچا اس کے سامنے جس وقت فضائل کمالات حسن مذکور ہوئے تو اس نے کسی کو حسن کے پاس یہ پیغام کہلا بھیجا چونکہ میں تمہارے پاس آنے سے معذور ہوں تو میری یہ التماس ہے کہ آپ ہی تشریف لے آئیں۔ حسن نے طاہر کے پاس جانے سے انکار کیا اور جس قدر انکے اصحاب نے آپ کو طاہر کے پاس جانے اس سے ملاقات کرنے کی رغبت دلائی حسن نے قبول نہ کیا اور کہا مجھ کو اس سے کیا نسبت۔ اس استغناء سے مجھے معلوم ہو گیا کہ انکا میرے پاس آنا بوجہ درد دینی تھا؛ اور ان کا مصلیٰ جامع مسجد کوفہ میں قریب اس ستون کے تھا جس کو سابقہ اور استوانہ ابراہیمؑ کہتے تھے۔ حسن تمام عمر قائل امامت عبداللہ افطح (پسر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام) تھے۔ مرض الموت میں انہوں نے کوئی واقعہ دیکھا اور سابقہ عقیدہ سے روگردانی کی اور مذہب حق اختیار کیا۔ ان پر خدا کی رحمت ہو۔ ان کی وفات ۲۰۴ھ میں واقع ہوئی ان کی تصنیف سے کتاب زیارت وبشارت کتاب نوادر غالیوں کی رد میں کتاب الشواہد۔ کتاب متعہ کتاب بیان ناسخ ومنسوخ کتاب ملاحم۔ کتاب صلوٰۃ۔ کتاب الرجال ہیں۔

عبدالجبّار بن مبارک النہاوندی

ان کا نام مقبولین کی فہرست میں خلاصہ کے اندر درج ہے مختار کشی میں عبدالجبار سے منقول ہے کہ ایک روز میں خدمت حضرت امام محمد بن علی جوادؑ (یعنی حضرت محمد تقیؑ) میں گیا اور میں نے عرض کیا "میں تم پر قربان ہو جاؤں"۔ آپ کے پدران بزرگوار سے مجھے یہ روایت پہونچی ہے کہ جو فتح اہل ضلالت (مخالفین مذہب حق) کو نصیب اور جو مال (غنیمت وہاں ہاتھ آئے اس کا تعلق امام زمانہ سے ہوتا ہے۔ امامؑ نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہے۔

میں نے پھر عرض کیا۔ "میں تم پر قربان ہو جاؤں"۔ اہل ضلالت نے مجھے بعض فتوحات میں۔ "جو واقع ہوئی تھیں"۔ بلایا تھا۔ میں نے اپنے تئیں چھوڑا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ اپنی غلامی میں مجھے قبول فرمایا۔

آنحضرؑ نے فرمایا میں نے قبول کیا۔

اس کے بعد آپ نے اجازت چاہی کہ میں اپنے وطن کو پلٹ جاؤں۔ اور جس وقت ۲۱۳ھ میں خدمت امامؑ میں حاضر ہوا تو میں نے اپنی بندگی کو یاد دلایا۔ آپ نے فرمایا انت حرّ لوجه الله تو خدا کی خوشنودی کیلئے آزاد کر دیا گیا ہے۔ میں نے عرض کیا "میں آپ پر قربان ہو جاؤں" اس بارے میں ایک عہد نامہ تحریر فرما دیجئے چنانچہ مندرجہ ذیل عہد نامہ آپ نے تحریر فرمایا۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم . هٰذا کتاب من محمد بن علی الهاشمی العلوی عبد النجبار بن المبارک فتام انّی اعتقات لوجه اللّٰه وللدار الا خرة ولا رب لک الااللّٰه ولیس علیک سید وانت مولای ومولا عتقی من بعدی. وکنت فی المحرم سنته ثلاث عشرة ومائتین ووقع فیه محمد بن علی بخط یدیه وختمه بخاتهٖ' 'خدائے رحمان ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں یہ تحریر محمد بن علی ہاشمی علوی کی جانب سے ہے اس مضمون کے متعلق کہ عبدالجبار بن المبارک انکا نوجوان (یعنی غلام) ہے میں نے اس کو خدائی خوشی کے لیے آزاد کر دیا اور آخرت کے لئے۔ خدا کے سوا تیرا کوئی نہیں ہے اور نہ تیرا کوئی آقا ہے تو میرا اور میرے بعد (پانچوں میرے فرزندوں۔ اماموں) والوں کا آزاد کردہ ہے یہ تحریر ۲۱۳ھ بماہ محرم از دستخط وخاتم محمد بن علیؑ سے انجام کو پہونچی ہے۔

ابو محمد الفضل بن شاذان الخلیل الازدی الینشابوری

آپ بزرگ ترین شیعیان نیشابور سے تھے اور چونکہ ان کا نام فضل کے لفظ سے مشہور ہے اس لئے راوی مذکور موجد براہین عقلیہ اور روشن کنندہ قوانین نقلیہ اور مذہب امامیہ کی حقیقتوں سے واقف ۔اور اصول دقیقۂ گروہ بزرگ شیعہ تک ان کی طبع نکتہ دان کو کو رسائی حاصل تھی۔

کتاب خلاصہ اور نجاشی میں مذکور ہے کہ ان کے باپ منجملہ اصحاب یونس بن عبدالرحمٰن اور راویان حضرت امام محمد جوادؑ (حضرت تقیؑ) سے تھے۔ انہوں نے حضرت امام رضاؑ سے بھی روایت کی ہے ۔یہ ثقہ۔ فقیہہ۔ متکلم اور اس طالقہ (داد جماعت شیعہ) میں عظیم الشان تھے۔ جناب امام محمد تقیؑ نے ۳ھ کر ران کی موت پر رحمت بھیجی (خدا ان پر رحمت بھیجے) مختار کشی میں منقول ہے کہ عبداللہ بن طاہر نے فضل بن شاذان (راوی مذکور) کو نیشاپور سے اس وقت نکالا جب کہ پہلے انہیں اپنے پاس بلایا اور ان کی کتابوں کی چھان بین کی اور ان کو حکم دیا کہ ان کتابوں کو ان کے (طاہر کے) لئے لکھوائیں۔ پس فضل نے چوٹی کے اعتقاد یہ مسائل کو یعنی توحید وعدل وغیرہ کو اس کے لئے۔ لکھا۔ پھر جب یہ مسائل عبداللہ کی نظر سے گذرے تو بولا اس قدر کافی نہیں ہے میں چاہتا ہوں کہ سلف کے متعلق تمہارا اعتقاد دیکھوں۔ فضل سے کہا کہ میں ابوبکر کو دوست رکھتا ہوں اور عمر سے بیزار ہوں۔ عبداللہ تم عمر سے کیوں بیزار ہو۔

فضل ۔اس لئے کہ انہوں نے حضرت عباسؓ کو شوریٰ (مشورہ) میں داخل نہیں کیا چنانچہ فضل نے اسی لطیف جواب کیوجہ سے جس میں عباسیوں کی خوش آمد موجود تھی "کیونکہ طاہر عباسی تھا"۔ اس غصیل کے ہاتھ سے رہائی پائی۔ سہل ابن بحر فارسی نے روایت کی ہے کہ میں اپنے آخری زمانہ عمر میں فضل کی صحبت میں تھا میں نے اس سے سنا کہتے تھے کہ میں گذشتہ بزرگ جماعت کا خلیفہ ہوں مثل محمدؑ بن ابی عمر وصفوان بن یحییٰ وغیرہ کے۔ اور میں پچاس سال تک ان کی خدمت میں رہا ہوں اور ان سے فیض (روحانی) حاصل کیا ہے۔ ہشام بن الحکم نے جب انتقال کیا تو یونس بن عبدالرحمٰن ان کے خلیفہ تھے مخالفوں کے جوابات دینے میں۔ اور جب یونس رحمت اللہ میں واصل ہوئے تو ان کا خلیفہ نامی تھا اور مکاکؔ کے بعد میں ان کا خلیفہ ہوں فضل (مذکور) نے افاضل شیعہ کی ایک جماعت سے روایت کی ہے مثل محمد بن ابی عمیر۔ اور صفوان یحییٰ وحسن بن علی ابن فضال۔ ومحمد ابن اسمٰعیل ابن بزیع ومحمد بن حسن الواسطی۔ ومحمد بن سنان واسماعیل بن سہل۔ اور اپنے باپ شاذان بن الخلیل وابوداؤد المترف۔ وعمار بن المبارک وعثمان بن عیسیٰ وفضالہ ابن ایوب وعلی بن الحکم وابراہیم بن عاصم وابی ہاشم داؤد الجعفری وقاسم بن

عروہ ابن ابی نجران کے۔

شیخ نجاشی نے کہا ہے کہ فضل کی تصنیف سے ۱۸۰ (ایک سواسی) کتابیں ہیں اور منجملہ ان کی تصانیف کے ہم تک جو کتابیں پہنچی ہیں ان میں سے ایک تو کتاب النقض اس کافی (نام) کی رد میں۔ کتاب العروس یعنی کتاب الغیبت کا اختصار کتاب الوعید کتاب الرد براہل التعطیل الخ

کتاب دمشقی میں لکھا ہے کہ فضل سے پوچھا کہ تم امامت امیر المومنینؑ پر کیا دلیل رکھتے ہو انہوں نے جواب دیا اس پر تین دلیلیں موجود ہیں قرآن وحدیث اور مسلمانوں کا اجماع۔ لیکن قرآن اس سے مراد یہ قول حق تعالیٰ ہے یا ایھا الذین . آمنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرّسول واولی الامر منکم ''اے ایمان والوں اللہ کی اطاعت کرو۔ رسول کی اطاعت کرو۔ اور اولی الامر کی اطاعت کرو''۔

کہ خدائے تعالیٰ نے اس آیت میں ہم کو دعوت دی ہے اپنی طرف رسول کی اطاعت کی طرف پس ہم محتاج ہوئے اس بات کے کہ اولی الامر کو پہچانیں بالکل اسی طرح جس طرح ہم محتاج ہیں خدا ورسول کی شناخت میں۔ تب ہم نے امت کے اقوال کی طرف نگاہ کی تو ہم کو یہ پتہ چلا کہ انہوں نے اولی الامر میں اختلاف کیا ہے اور اجماع کیا ہے آیۃ (مذکور بالا) کی تفسیر میں اسی طرح پر جو کہ اس کو شان علی ابن ابی طالبؑ میں خاص کرتی ہے کیونکہ بعض (اہل سنت) کہتے ہیں کہ مراد (اولی الامر سے) اس سے (اسلامی) لشکروں کے سردار ہیں بعض کہتے ہیں علمائے مراد ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ خلقت کے کاموں کے منتظم ومدبر مراد ہیں جو اوامر ونواہی کے جاری کنندہ ہیں کہ جیسے بادشاہ لوگ) اور بعض کہتے ہیں کہ مراد مقصود اس سے حضرت امیر المومنین اور گیارہ فرزندان کی اولاد امجاد سے ہیں۔ پس ہم نے جس وقت پہلے گروہ سے دریافت کیا کہ کیا علیؑ ابن ابی طالبؑ لشکروں کے سردار ہیں تو انہوں نے جواب دیا کیوں نہیں۔ دوسرے فرقہ نے کہا وہ مشہور ترین واعلیٰ ترین علماء سے ہیں اور تیسری جماعت نے کہا کہ آپ تمام عالم کے منتظم ومدبر ہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں یہیں سے ظاہر ہوا کہ آیۃ میں اولی الامر سے مراد باتفاق اہل درایۃ ہیں عقل مند) واہل روایۃ حضرت شاہ ولایت (علی ابن ابی طالب) ہیں اور رکوع میں سجود وسلام ان کے امام کے ساتھ موافقت کرے اور اس امام کو ستون مسجد و دیوار مسجد کے برابر جانے، عبداللہ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے ہمارے اصحاب میں کسی اور سے بھی سنا ہے کہ ایسی نماز کافی ہوسکتی ہے (جو مخالف مذہب کے پیچھے پڑھی گئی ہو) اس نے جواب دیا کہ ایک زمانہ ہوا جب کہ میں عراق میں تھا اور مجھ پر بھی تمہاری سی دقّت طاری تھی یعنی مخالفوں کے پیچھے نماز پڑھنا۔ چنانچہ اس حال کی شکایت وہاں کے ایک فقیہہ کے روبرو پیش کی جن کو لوگ نوح بن شعیب کہتے تھے۔ نوح نے مجھ سے وہی فرمایا جو میں نے تجھ سے کہا بعد ازاں میں نے نوح سے کہا آپ کے ماسوا بھی کوئی اس بات کا قائل

ہے انہوں نے کہا کہ ہاں۔ الغرض میں نوح کے ہمراہ ایک ایسی مجلس میں داخل ہوا جس میں تقریباً بیس آدمی ہمارے بزرگ اصحاب سے موجود تھے تب میں نے نوح سے درخواست کی کہ آپ اس مسئلہ کو ان کے سامنے پیش کریں۔

نوح نے کہا اے گروہ حاضرین تعجب نہ کرو اس مرد خراسان سے جو اپنے تئیں خیال کرتا ہے کہ وہ ہشام بن الحکم سے بڑھ کر ہے (علم وفضل وغیرہ میں) اور اس نے مجھ سے پوچھا ہے کہ آیا نماز مخالفین کے پیچھے ان کی جماعت میں جائز ہے یا نہیں پس اس مجلس میں جو بھی حاضر تھا انہوں نے وہی کہا جو نوح نے مجھ سے کہا تھا تب میری طبیعت کو قرار ہوا۔

حسن بن علی بن فضال الکوفی التیمی

یہ راوی حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں پہونچے ہوئے تھے اور منجملہ حضرت امام رضاؑ کے راویوں سے تھے اور آنحضرتؑ سے خاص خصوصیت حاصل تھی۔ جلیل القدر۔ عظیم المنزلۃ۔ زاہد۔ صاحب ورع وثقہ تھے روایات میں کتاب نجاشی میں فضل بن شاذان سے منقول ہے کہ میں کسی مسجد میں ایک فارسی سے سبق پڑھ رہا تھا وہاں پر میں نے ایک قوم کو دیکھا جو باہم باتیں کر رہی تھی ایک نے ان میں سے کہا کہ پہاڑ میں ایک آدمی ہے جسے ابن فضال کہتے ہیں اور وہ اس جماعت سے جس کو ہم نے دیکھا ہے کہیں زیادہ عابد ہے اور ساتھ ہی کہنے والے نے یہ کہا کہ وہ جنگل میں جا کر سجدہ میں گر پڑتا ہے اس وقت صحرائی پرندے اس پر جمع ہو جاتے ہیں اور وہ ایسا بے خود ومحو ہو جاتا ہے کہ آخر زمین پر گر پڑتا ہے اور دور سے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ کپڑا ہے یا گدڑی اور جنگل کے جانوران کے قریب چگتے تھے اور اس سے بھاگتے نہ تھے کیونکہ جانوروں کو ان بے حد محبت تھی۔

فضل بن شاذان کہتے ہیں کہ مجھے اس کلام سے یہ گمان ہوا کہ شاید یہ حال کسی زمانہ سابق والے کا ہے۔ اس کلام کے سننے کے تھوڑے عرصہ بعد میں نے ایک شیخ کو دیکھا جو اچھی صورت نیک سیرت۔ جامہ نرسی۔ رداء نرسی۔ پہنے ہوئے سلیپر سبز پاؤں میں ڈالے ہوئے دروازے سے اندر آئے اور انہوں نے آ کر میرے باپ کو سلام کیا۔ میرے والد ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے ان کو بیٹھنے کے لئے جگہ دی ان کا احترام کیا۔ ایک لحظہ کے بعد جب (یہی شیخ) اٹھے تو میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ یہ شیخ کون تھے۔ انہوں نے کہا یہی تو حسن بن علی بن فضال ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ وہی عابد۔ فاضل مشہور؟

انہوں نے کہا ہاں وہی۔

میں نے پھر عرض کیا کہ وہ تو ہمیشہ پہاڑ میں رہتے ہیں۔ بولے یہ وہی تو ہیں جو ہمیشہ پہاڑ میں رہتے ہیں۔ میں نے پھر عرض کیا وہ نہ ہوں گے۔ وہ تو ہمیشہ پہاڑ میں رہتے ہیں۔ باپ نے سن کر کہا۔ تم کتنے نادان ہو!! کیا یہ بات نہیں ہوسکتی کہ وہ ان دنوں پہاڑ میں سے باہر نکلے ہوں۔

اس کے بعد میں نے اہل مسجد کی زبانی جو باتیں حسن کے بارہ میں سنی تھیں عرض کیں!!

انہوں نے کہا جو کچھ تو نے سنا ہے صحیح ہے۔ اور یہ حسن وہی حسن ہیں۔

حسن مذکور کبھی میرے باپ کے پاس آتے تھے اس وقت میں انکی خدمت میں جاتا او رکتاب ابن بکیر وغیرہ جو فن احادیث سے ہیں ان سے سنتا۔ اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ حسن اپنی کتاب کو لئے ہوئے میرے حجرے میں آجاتے اور میرے سامنے پڑھتے اور جس سال طاہر بن الحسین خزاعی۔ ''جو مامون عباسیہ کے سپہ سالاروں میں سے تھا'' نے حج ادا کیا اور بعد فراغت کوفہ واپس ہوا اور اس کے سامنے حسن کے کمالات وفضائل کی تعریف لوگوں سے کی تب اس نے کسی شخص کو حسن کے پاس بھیج کر پیغام پہونچایا چونکہ میں آپ کے پاس آنے سے معذور ہوں میں یہ التماس کرتا ہوں کہ آپ ہی قدم رنجہ فرمائیں۔

حسن نے طاہر کے پاس جانے سے انکار کیا۔ جس قدر ان کے اصحاب نے طاہر سے ملنے کی ترغیب دی اتنا ہی انہوں نے قبول نہ کیا بلکہ یہ کہ مجھے اس سے کوئی نسبت نہیں۔ اس بے پرواہی سے مجھے معلوم ہوگیا کہ ان کا میرے گھر آنا محض دردِ دین کی وجہ سے تھا۔ ان کا مصلّیٰ جامع مسجد کوفہ میں نزدیک اس ستون کے تھا جس کو سابقہ یا ستون ابراہیمؑ کے ہیں۔ حسن مذکور تمام عمر امامت عبداللہ فتح کے قائل تھے۔ زمانہ مرض الموت میں انہوں نے ایک واقعہ دیکھا جس کے باعث انہوں نے سابقہ عقیدہ سے مذہب حق کی جانب رجوع کی۔ ان پر خدا کی رحمت ہو۔ منجملہ ان کی تصانیف کے کتاب زیارات وبشارات ہے اور کتاب نوادر دررد غالبان۔ کتاب الشواہد کتاب المتعہ۔ کتاب دربیان ناسخ ومنسوخ۔ کتاب ملاحم۔ کتاب صلوٰۃ۔ کتاب الرجال بھی انہیں کی تصنیف سے ہیں۔ ان کی وفات ۲۲۴ھ میں واقع ہوئی۔

عبدالجبار ابن مبارک النہاوندی

ان کا کتاب خلاصہ میں منقول راویوں کی صف میں مذکور ہے مختار کشی میں عبدالجبار سے منقول ہے کہ ایک روز میں خدمت حضرت امام محمد بن علی جواد (یعنی حضرت محمد تقیؑ) میں گیا اور میں نے عرض کیا۔ ''میں تم پر قربان ہو جاؤں''۔ آپ کے پدران بزرگوار سے مجھے یہ روایت پہونچی ہے کہ جو فتح اہل ضلالت (مخالفین مذہب حق) کو نصیب اور جو مال (غنیمت وہاں ہاتھ آئے اس کا تعلق امام زمانہ سے ہوتا

ہے۔ امامؑ نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہے۔

میں نے پھر عرض کیا۔ ''میں تم پر قربان ہو جاؤں''۔ اہل ضلالت نے مجھے بعض فتوحات میں۔ ''جو واقع ہوئی تھیں'' بلایا تھا۔ میں نے اپنے تئیں کو ان سے چھڑا و بچا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آپ اپنی غلامی میں مجھے قبول فرمائیں۔

آنحضرتؑ نے فرمایا میں نے قبول کیا۔

اس کے بعد آپ نے اجازت چاہی کہ میں اپنے وطن کو پلٹ جاؤں۔ پھر جبکہ میں ۲۱۳ھ میں خدمت امامؑ میں حاضر ہوا تو میں نے اپنی بندگی کو یاد دلایا۔ آپ نے فرمایا انت حُرٌّ لوجہ اللّٰہ تو خدا کی خوشنودی کے لئے آزاد کر دیا گیا ہے۔ میں نے عرض کیا ''میں آپ پر قربان ہو جاؤں'' اس بارے میں مجھے ایک عہد نامہ تحریر فرما دیجئے چنانچہ مندرجہ ذیل عہد نامہ آپ نے تحریر فرمایا۔

عبارت عہد نامہ

" بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم . ھٰذا کتاب من محمد بن علی الھاشمی العلوی عبد الجبار بن المبارک فتام انّی اعتقات لوجہ اللہ وللدار الا خرۃ ولا رب لک الا اللہ ولیس علیک سید وانت مولای ومولا عتقی من بعدی. و کتب فی المحرم سنتہ ثلاث عشرۃ ومائتین ووقع فیہ محمد بن علی بخط یدیہ وختمہ بخاتمہ".

ترجمہ عہد نامہ

خدائے رحمان ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں یہ تحریر محمد بن ہاشمی علوی کی جانب سے ہے اس مضمون کے متعلق کہ عبدالجبار بن المبارک انکا نوجوان (یعنی غلام) ہے میں نے اس کو خدائی خوشی کے لئے آزاد کر دیا اور آخرت کے لئے۔ خدا کے سوا تیرا کوئی نہیں ہے اور نہ تیرا کوئی آقا ہے تو میرا اور میرے بعد (پانچوں میرے فرزندوں۔ اماموں) والوں کا آزاد کردہ ہے یہ تحریر ۲۱۳ھ بماہ محرم از دستخط وخاتم محمد بن علیؑ سے انجام کو پہونچی ہے۔

ابو محمد الفضل بن شاذان الخلیل الازدی النیشا بوری

آپ بزرگ ترین شیعیان نیشاپور سے ہیں اور چونکہ ان کا نام فضل کے لفظ سے مشہور ہے اس لئے راوی مذکور موجد براہین عقلیہ اور روشن کنندہ قوانین نقلیہ اور مذہب امامیہ کی حقیقتوں سے واقف اور

اصول دقیقہ گروہ بزرگ شیعہ تک ان کی طبع نکتہ دان کو رسائی حاصل تھی۔

کتاب خلاصہ اور نجاشی میں مذکور ہے کہ ان کے باپ منجملہ اصحاب یونس بن عبد الرحمٰن اور راویانِ حضرت امام محمد جوادؑ (حضرت تقیؑ) سے تھے۔ انہوں نے حضرت امام رضاؑ سے بھی روایت کی ہے۔ یہ ثقہ۔ فقیہہ۔ متکلم اور اس طائفہ (داد جماعت شیعہ) میں عظیم الشان تھے جناب امام محمد تقیؑ نے ۳ کرران کی موت پر رحمت بھیجی (خدا ان پر رحمت بھیجے) مختار کشی میں منقول ہے کہ عبد اللہ بن طاہر نے فضل بن شاذان (راوے مذکور) کو نیشا پور سے اس وقت نکالا جب کہ پہلے انہیں اپنے پاس بلایا اور ان کی کتابوں کی چھان بین کی اور انکو حکم دیا کہ ان کتابوں کو ان کے (طاہر کے) لئے لکھوائیں۔ پس فضل نے چوٹی کے اعتقادیہ مسائل کو یعنی توحید وعدل وغیرہ کو اس کے لئے۔ لکھا۔ پھر جب یہ مسائل عبد اللہ کی نظر سے گذرے تو بولا اس قدر کافی نہیں ہے میں چاہتا ہوں کہ سلف کے متعلق تمہارا اعتقاد دیکھوں۔

فضل نے کہا میں ابوبکر کو دوست رکھتا ہوں اور عمر سے بیزار ہوں۔ عبد اللہ تم عمر سے کیوں بیزار ہو۔

فضل۔ اس لئے کہ انہوں نے حضرت عباسؓ کو شوریٰ (مشورہ) میں داخل نہیں کیا چنانچہ فضل نے اسی لطیف جواب کی وجہ سے جس میں عباسیوں کی خوش آمد موجود تھی "کیونکہ طاہر عباسی تھا"۔ اس غصیل کے ہاتھ سے رہائی پائی۔ سہل ابن بحر فارسی نے روایت کی ہے کہ میں اتنے آخری زمانہ عمر میں فضل کی صحبت میں تھا میں نے اس سے سنا کہتے تھے کہ میں گذشتہ بزرگ جماعت کا خلیفہ ہوں مثل محمد بن ابی عمرو صفوان بن یحییٰ وغیرہ کے۔ اور میں پچاس سال تک ان کی خدمت میں رہا ہوں اور ان سے فیض (روحانی) حاصل کیا ہے۔ ہشام بن الحکم نے جب انتقال کیا تو یونس بن عبد الرحمان ان کے خلیفہ تھے مخالفوں کے جوابات دینے میں اور جب یونس رحمت اللہ میں واصل ہوئے تو ان کا خلیفہ مکاک نامی تھا اور مکاک کے بعد میں ان کا خلیفہ ہوں۔

فضل (مذکور) نے افاضل شیعہ کی ایک جماعت سے روایت کی ہے مثل محمد بن ابی عمیر۔ اور صفوان بن یحییٰ وحسن بن علی ابن فضال۔ ومحمد ابن اسمٰعیل ابن بزیع ومحمد بن حسن الواسطی۔ ومحمد بن سنان واسماعیل بن سہل۔ اور اپنے باپ شاذان بن الخلیل وابوداؤد المترف۔ وعمار بن المبارک وعثمان بن عیسیٰ وفضالہ ابن ایوب وعلی بن الحکم وابراہیم بن عاصم وابی ہاشم داؤد الجعفری وقاسم بن عروہ ابن ابی نجران کے۔

شیخ نجاشی نے کہا ہے کہ فضل کی تصنیف سے ۱۸۰ (ایک سواسی) کتابیں ہیں اور منجملہ ان کی تصنیف کے ہم تک جو کتابیں پہنچی ہیں ان میں سے ایک تو کتاب النقص اسکافی (نام) کی رد میں کتاب العروس یعنی کتاب الغیبت کا اختصار کتاب الوعید کتاب الرد بر اہل تعطیل الخ

کتاب دمشقی میں لکھا ہے کہ فضل سے پوچھا کہ تم امیر المومنینؑ پر کیا دلیل رکھتے ہو انہوں نے

جواب دیا کہ اس پر تین دلیلیں موجود ہیں قرآن وحدیث اور مسلمانو کا اجماع لیکن قرآن اس سے مراد یہ قولِ حق تعالیٰ ہے "یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ و آطیعوا لرّسول واولی الامر منکم" اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو۔ رسول کی اطاعت کرو۔ اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔

کہ خدائے تعالیٰ نے اس آیت میں ہم کو دعوت دی ہے اپنی طرف رسولؐ کی اطاعت کی طرف پس ہم محتاج ہوئے اس بات کے کہ اولی الامر کو پہچانیں بالکل اسی طرح جس طرح ہم محتاج ہیں خدا اور رسول کی شناخت میں تب ہم نے امت کے اقوال کی طرف نگاہ کی تو ہم کو یہ پتہ چلا کہ انہوں نے اولی الامر میں اختلاف کیا ہے اور اجماع کیا ہے آیۃ (مذکور بالا) کی تفسیر میں اس طرح پر جو کہ اس کو شان علیؑ ابن ابی طالبؑ میں خاص کرتی ہے کیونکہ بعض (اہل سنت) کہتے ہیں کہ مراد (اولی الامر سے) اس سے (اسلامی) لشکروں کے سردار ہیں بعض کہتے ہیں علماء مراد ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ خلقت کے کاموں کے منتظم ومدبر مراد ہیں جو اوامر ونواہی کے جاری کنندہ ہیں (جیسے بادشاہ لوگ) اور بعض کہتے ہیں کہ مراد مقصود اس سے حضرت امیر المومنین اور گیارہ فرزند ان کی اولاد امجاد سے ہیں۔ پس ہم نے جس وقت پہلے گروہ سے دریافت کیا کہ کیا علی ابن ابی طالبؑ لشکروں کے سردار ہیں تو انہوں نے جواب دیا کیوں نہیں۔ دوسرے فرقہ نے کہا وہ مشہور ترین واعلیٰ ترین علماء سے ہیں اور تیسری جماعت نے کہا کہ آپ تمام عالم کے منتظم ومدبر ہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں یہیں سے ظاہر ہوا کہ آیۃ میں اولی الامر سے مراد باتفاق اہل درایہ ہیں (عقل مند) واہل روایۃ حضرت شاہ ولایت (علی ابن ابی طالبؑ) ہیں اور رکوع میں سجود وسلام ان کے امام کے ساتھ موافقت کرے اور اس امام کو ستون مسجد ودیوار مسجد کے برابر جانے۔ اس وقت عبد اللہ نے اس سے پوچھا کیا تم نے ہمارے اصحاب میں کسی اور سے بھی سنا ہے کہ ایسی نماز کافی ہوسکتی ہے (جو مخالف مذہب کے پیچھے پڑھی گئی ہو) اس نے جواب دیا ایک زمانہ ہوا جب کہ میں عراق میں تھا اور مجھ پر بھی تمہاری سی دقت طاری تھی یعنی مخالفوں کے پیچھے نماز پڑھنا۔ چنانچہ اس حال کی شکایت وہاں کے ایک فقیہہ کے روبرو پیش کی جن کو لوگ نوح بن شعیب کہتے تھے۔ نوح نے مجھ سے وہی فرمایا جو میں نے تجھ سے کہا بعد ازاں میں نے نوح سے کہا آپ کے ماسوا بھی کوئی اس بات کا قائل ہے انہوں نے کہا کہ ہاں۔ الغرض میں نوح کے ہمراہ ایک ایسی مجلس میں داخل ہوا جس میں تقریباً بیس آدمی ہمارے بزرگ اصحاب سے موجود تھے تب میں نے نوح سے درخواست کی کہ آپ اس مسئلہ کو ان کے سامنے پیش کریں۔

نوح نے کہا اے گروہ حاضرین تعجب نہ کرو اس مرد خراسان سے جو اپنے تئیں خیال کرتا ہے کہ وہ ہشام بن الحکم سے بڑھ کر۔ ہے (علم وفضل وغیرہ میں) اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ آیا نماز مخالفین کے

پیچھے ان کی جماعت میں جائز ہے یا نہیں پس اس مجلس میں جو بھی حاضر تھا انہوں نے وہی کہا جو نوح نے مجھ سے کہا تھا تب میری طبیعت کو قرار ہوا۔

حسن بن علی بن فضال الکوفی التیمی

یہ راوی حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں پہونچے ہوئے تھے اور منجملہ حضرت امام رضاؑ کے راویوں سے تھے اور آنحضرتؑ سے خاص خصوصیت حاصل تھی۔ جلیل القدر۔ عظیم المنزلۃ۔ زاہد۔ صاحب ورع وثقہ تھے روایات میں کتاب نجاشی میں فضل بن شاذان سے منقول ہے کہ میں کسی مسجد میں ایک فارسی سے سبق پڑھ رہا تھا وہاں پر میں نے ایک قوم کو دیکھا جو باہم باتیں کر رہی تھی ایک نے ان میں سے کہا کہ پہاڑ میں ایک آدمی ہے جسے ابن فضال کہتے ہیں اور وہ اس جماعت سے جس کو ہم نے دیکھا ہے کہیں زیادہ عابد ہے اور ساتھ ہی کہنے والے نے یہ کہا کہ وہ جنگل میں جا کر سجدہ میں گر پڑتا ہے اس وقت صحرائی پرندے اس پر جمع ہو جاتے ہیں اور وہ ایسا بے خود ومحو ہو جاتا ہے کہ آخر زمین پر گر پڑتا ہے اور دور سے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ کپڑا ہے یا گدڑی اور جنگل کے جانوران کے قریب چگتے تھے اور اس سے بھاگتے نہ تھے کیونکہ جانوروں کو ان سے بے حد محبت تھی۔

فضل بن شاذان کہتے ہیں کہ مجھے اس کلام سے یہ گمان ہوا کہ شاید یہ حال کسی زمانہ سابق والے کا ہے۔ اس کلام کے سننے کے تھوڑے عرصہ بعد میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اچھی صورت نیک سیرت۔ جامہ نرسی۔ رداء نرسی۔ پہنے ہوئے سلیپر سبز پاؤں میں ڈالے ہوئے دروازے سے اندر آئے اور انہوں نے آکر میرے باپ کو سلام کیا۔ میرے والد ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے ان کو بیٹھنے کے لئے جگہ دی ان کا احترام کیا۔ ایک لحظہ کے بعد جب (یہی شیخ) اٹھے تو میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ یہ شیخ کون تھے۔ انہوں نے کہا یہی تو حسن بن علی بن فضال ہیں۔

میں نے عرض کیا۔ وہی عابد۔ فاضل مشہور؟

انہوں نے کہا ہاں وہی۔

میں نے عرض کیا کہ وہ تو ہمیشہ پہاڑ میں رہتے ہیں۔ بولے یہ وہی تو ہیں جو ہمیشہ پہاڑ میں رہتے ہیں۔ میں نے پھر عرض کیا وہ نہ ہوں گے۔ وہ تو ہمیشہ پہاڑ میں رہتے ہیں۔ باپ نے سنکر کہا۔ تم کتنے نادان ہو!! کیا یہ بات نہیں ہوسکتی کہ وہ ان دنوں پہاڑ میں سے باہر نکلے ہوں۔

اسکے بعد میں نے اہل مسجد کی زبانی جو باتیں حسن کے بارہ میں سنی تھیں عرض کیں!

انہوں نے کہا جو کچھ تو نے سنا ہے صحیح ہے اور یہ حسن وہی حسن ہیں۔

حسن مذکور کبھی میرے باپ کے پاس آتے تھے اس وقت میں ان کی خدمت میں جاتا اور کتاب ابن بکیر وغیرہ جو فن احادیث سے ہیں ان سے سنتا اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ حسن اپنی کتاب کو لئے ہوئے میرے حجرے میں آجاتے اور میرے سامنے پڑھتے۔ اور جس سال طاہر بن الحسین خزاعی۔ جو مامون عباسیہ کے سپہ سالاروں میں سے تھا۔ نے حج کیا اور بعد فراغت کوفہ واپس ہوا اور اس کے سامنے حسن کے کمالات وفضائل کی تعریف لوگوں نے کی تب اس نے کسی شخص کو حسن کے پاس بھیج کر پیغام پہونچایا چونکہ میں آپ کے پاس آنے سے معذور ہوں میں یہ التماس کرتا ہوں کہ آپ ہی قدم رنجہ فرمائیں۔

حسن نے طاہر کے پاس جانے سے انکار کیا۔ جس قدر ان کے اصحاب نے طاہر سے ملنے کی ترغیب دی اتنا ہی انہوں نے قبول نہ کیا بلکہ یہ کہا کہ مجھے اس سے کوئی نسبت نہیں۔ اس بے پرواہی سے مجھے معلوم ہو گیا کہ ان کا میرے گھر آنا محض ورددین کی وجہ سے تھا۔ ان کا مصلّی جامع مسجد کوفہ میں نزدیک اس ستون کے تھا جس کو سابقہ یا ستون ابراہیمؑ کہتے ہیں حسن مذکور تمام عمر امامت عبداللہ فتح کے قائل تھے۔ زمانہ مرض الموت میں انہوں نے ایک واقعہ دیکھا جس کے باعث انہوں نے سابقہ عقیدہ سے مذہب حق کی جانب رجوع کی۔ ان پر خدا کی رحمت ہو۔ منجملہ ان کی تصنیف کے کتاب زیارات وبشارات ہے۔ اور کتاب نوادر در دغالبان۔ کتاب الشواہد کتاب المتعہ۔ کتاب در بیان ناسخ ومنسوخ۔ کتاب ملاحم۔ کتاب صلوٰۃ۔ کتاب الرجال بھی انہیں کی تصنیف سے ہیں۔ ان کی وفات ۲۲۴ھ میں واقع ہوئی۔

عبدالجبار ابن المبارک نہاوندی

ان کا ذکر کتاب خلاصہ میں مقبول راویوں کی صف میں مذکور ہے مختار کشی میں عبدالجبار سے منقول ہے کہ ایک روز میں خدمت حضرت امام محمد بن علی جوادؑ میں میں نے عرض کی میری جان آپ پر قربان ہو مجھ تک حضور کے آباء طاہرین سے روایت پہونچی ہے کہ جو بھی فتح اہل ضلالت (حق سے روگردان) کو ہوتی ہے اس میں جو مال غنیمت ان کے ہاتھ آئے اس کا تعلق امامؑ سے ہے۔ آنحضرتؑ نے سنکر فرمایا کیوں نہیں مجھے بعض فتوحات سے جو اہل ضلال کو حاصل ہوئی تھی لائے تھے مگر میں نے اپنے تئیں کو ان سے چھڑا دُ بچا کر حضور کی خدمت میں پہونچایا ہے میری یہ خواہش ہے کہ حضور مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمالیں۔ آنحضرتؑ میں نے قبول کیا۔ اس کے بعد آنحضرتؑ نے مجھے رخصت دی اور فرمایا کہ اپنے

وطن کو واپس جاؤ۔

پھر جب کہ ۲۱۳ھ میں میں اپنے مولائے نامدار کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی غلامی کو یاد دلایا آپ نے فرمایا انت حرٌ لوجہ اللہ۔ تو خدا کی خوشی کے لئے آزاد کر دیا گیا ہے میں نے عرض کی قربان ہو جاؤں۔ اس بارہ میں مجھے ایک عہد نامہ تحریر فرما دیجئے چنانچہ ذیل کا عہد نامہ امامؑ نے میرے لئے تحریر فرما دیا۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرَّحیم

عبارت عہد نامہ

ھٰذا کتاب من محمد بن علی الهاشمی العلوی عبد الجبار بن المبارک فتام انّی اعتقات لوجه اللّٰه وللدار الا خرة ولا رب لک الااللّٰه ولیس علیک سید وانت مولای ومولا عتقی من بعدی. وکنت فی المحرم سنته ثلاث عشرة ومائتین ووقع فیه محمد بن علی بخط یدیه وختمه بخاتمه۔

(ترجمہ عہد نامہ) یہ تحریر ہے محمد بن علی۔ ''یعنی امام محمد تقیؑ ابن امام علی بن موسیٰ الرضاؑ'' ہاشمی علوی کی جانب سے عبد الجبار بن المبارک نوجوان کی طرف۔ میں نے تمہیں خدائے تعالیٰ کی خوشی اور دوسرے جہاں کے لئے آزاد کر دیا۔ اللہ کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں ہے اور نہ اب کوئی تمہارا آقا (بمعنے مالک) ہے۔ تم میری اور میری اولاد کی طرف سے آزاد ہو۔ یہ تحریر ماہ محرم الحرام ۲۱۳ھ میں بخط ودست (مبارک) ومہر شریف محمد بن علیؑ لکھی اور مزین کی گئی ہے''۔

ابوالفضل بن شاذان بن خلیل الازدی النیشابوری

بزرگ ترین شیعیان نیشاپور سے ہیں اور چونکہ آپ فضل کے نام سے مشہور ہیں اسی لئے آپ دلائل عقلیہ کے موجد اور قوانین نقلیہ۔ قرآن مجید۔ حدیث شریف'' کے واضح کنندہ ہیں سچے مذہب شیعہ کی حقیقتوں سے واقف اور اس گروہ عالی کے باریک اصول آپ کی دقیقہ رس اور نکتہ شناس طبیعت پر ظاہر وماہر (روشن) تھے۔

کتاب خلاصہ وکتاب نجاشی میں مذکور ہے کہ ان کے باپ یونس بن عبدالرحمٰن کے اصحاب اور راویان امام محمد جوادؑ ''حضرت محمد تقیؑ'' سے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ انہوں نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے بھی روایت کی ہے۔ آپ ثقہ۔ فقیہہ متکلم اور مذہب شیعہ میں عظیم المنزلت تھے۔ حضرت امام محمد جوادؑ نے مسلسل ۳ مرتبہ ان پر رحمت بھیجی (یعنی خدا کی ان پر رحمت ہو)

کتاب کشی میں مذکور ہے کہ عبداللہ طاہر (حاکم نیشاپور) نے فضل بن شاذان کو نیشاپور سے دیس نکال دیا تھا مگر اس جلاوطنی سے پہلے اس نے آپ کو اپنے پاس بلوایا اور ان کی کتابوں کی چھان بین کی اور (بعدازاں) حکم دیا کہ فضل میرے لئے کچھ کتابیں تصنیف کریں چنانچہ فضل نے چوٹی کے اعتقادیہ مسائل یعنی توحید وعدالت وغیرہ حاکم مذکور کے لیے تحریر کئے۔ جس وقت یہ مسائل عبداللہ کی نظر پڑے بولا اتنے ہی مسائل کافی نہیں ہیں میری خواہش ہے کہ میں تمہارا اعتقاد متعلق بزرگان سلف۔ ''اصحاب ثلثہ وغیرہم''۔ کے معلوم کروں۔

فضل نے کہا میں ابوبکر کو تو دوست رکھتا ہوں اور عمر سے بیزار ہوں۔

عبداللہ یہ کیوں؟

فضل اس لئے کہ اس سے حضرت عباسؓ۔ ''جناب رسول خدا صلعم کے چچا''۔ اصحاب مشورہ میں داخل نہ کیا۔ پس اس جواب لطیف سے جو کہ عباسیوں کی خوشامد پر شامل تھا فضل نے اس مغلوب الغضب (طاہر) کے ہاتھ سے رہائی پائی۔

سہل بن فارس لکھتا ہے کہ فضل بن شاذان کی آخری عمر کی صحبت میں میں نے ان سے یہ سنا کہ میں اپنے گذشتہ بزرگوں کی جماعت کی طرف سے خلیفہ ہوں مثل محمد بن ابی عمیر وصفوان بن یحییٰ وغیرہ کے۔ اور یہ کہ میں پچاس سال تک مذکورین کی خدمت میں رہا ہوں اور میں ان سے فیض حاصل کرتا تھا۔ اور جب ہشام بن الحکم نے انتقال کیا تو ان کا خلیفہ یونس بن عبدالرحمٰن تھا مخالفین کے اعتراضات دور کرنے میں اور جب یونس نے وفات پائی۔ تو ان کا خلیفہ مذکوریات کے بارہ میں مکاک تھا اب انہوں نے انتقال کیا تو ان کا خلیفہ میں ہوں۔

فضل بن شاذان شیعہ فاضلوں کی ایک بڑی بہادری جماعت سے روایت کرتے ہیں۔ مثل محمد بن ابی عمیر۔ وصفوان بن یحییٰ۔ وحسن بن محبوب۔ وحسن بن علی بن فضال۔ ومحمد بن اسماعیل ابن بزیع۔ ومحمد بن حسن الواسطی۔ ومحمد بن سنان۔ واسماعیل بن سہل اور اپنے باپ شاذان بن الخلیل۔ اور ابوداؤد المترف وعمار بن المبارک وعثمان بن عیسیٰ وفضالہ بن ایوب وعلی بن الحکیم۔ وابراہیم بن عاصم۔ وابی ہاشم داؤد الجعفری۔ وقائم بن عروہ ابن ابی نجران کے۔

شیخ نجاشی نے کہا کہ فضل نے ایک سو اسی (۱۸۰) کتابیں تصنیف کیں۔ منجملہ ان کے ہم تک جو پہونچیں وہ ذیل میں درج ہیں۔

کتاب درردا سکافی۔ کتاب العروس مختصر کتاب الغیبۃ۔ کتاب الوعید۔ کتاب الرد در بارہ اہل تعطیل کے ''یعنی ان لوگوں کا رد جو خدائے تعالیٰ کو معطل جانتے ہیں اور عقول عشرہ کو کارکن مانتے ہیں۔ مترجم''۔

کتاب دمشقی میں لکھا ہے کہ لوگوں نے فضل سے پوچھا کہ تم حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی امامت پر کیا دلیل رکھتے ہو۔

فضل نے جواب دیا کہ اس پر ۳؍دلیلیں موجود ہیں۔ اول کتاب خدا۔ دوم حدیث جناب رسولؐ خدا۔ سوم اجماع جملہ مسلمانان۔ ثبوت اول کے متعلق یہ آیت شاہد ہے۔

یا ایھا الّذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرّسول واولی الامر منکم پس اس آیۃ میں خدائے تعالیٰ نے ہم کو دعوت دی ہے پہلے اپنی اطاعت کی طرف پھر رسولؐ کی اطاعت کی طرف چنانچہ یہ دونوں طاعتیں تو ہم نے پہچان لیں پس ہم محتاج ہوئے کہ طاعت اولی الامر کی شناخت کریں اس طرح جس طرح ہم پہلے محتاج تھے خدا اور رسولؐ کی شناخت کے لئے۔ تب ہم نے غور کیا اقوال امت کی جانب تو ہم کو یہ نظر آیا کہ انہوں نے اولی الامر کے بارہ میں اختلاف کیا ہے اور اجماع کیا ہے آیہ مذکور بالا کی تفسیر میں اس طرح پر کہ اس کا نزول خاص شان امیر المومنینؑ میں ہے کیوں کہ بعض نے یہ کہا ہے کہ اولی الامر سے مراد سرداران لشکر ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ علماء داد ہیں بعض کا خیال یہ ہے کہ اس سے امر ونہی او انتظام خلقت کرنے والے امرا یا ان کے سلاعین مراد ہیں بعض کہتے ہیں کہ اس سے مقصود حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ اور گیارہ فرزند ائمہ کرام علیھم السلام مراد ہیں۔ میں نے جب پہلے فرقہ سے پوچھا کہ کیا حضرت امیر علیہ السلام منجملہ سرداران لشکر کے ہیں انہوں نے کہا کیوں نہیں۔

دوسرے گروہ نے کہا کہ بے شک آپ علمائے اعلام میں سے ہیں۔

تیسری جماعت نے کہا کہ بے شک آپ میں تمام خلقت کے انتظام کرنے کے بہتر مادّہ دربارہ امر ونہی موجود ہے۔ یہیں سے ظاہر ہوا کہ مراد اولی الامر سے آیۃ بالا میں باتفاق عقلا وعلماء حضرت شاہ ولایت میں۔ اسی آیۃ کی بموجب۔ آپ ہی والئے ولایت امامت ہیں اور آپ سے منہ موڑ کر دوسرے کی طرف مائل ہونا ضلالت وگمراہی ہے "یعنی ثلثہ قابل امامت وولایت ہرگز نہیں"۔ کیونکہ آپ کے غیر میں اتفاق "امت" مقصود۔ اور دوسری دلیلیں پائی نہیں جاتیں (تو غیر کس طرح سزاوار مرتبہ اولی الامر ہوسکتا ہے) اب لیجئے دوسری دلیل امامت حضرت امیر المومنینؑ کے لئے یعنی حدیث رسولؐ چنانچہ پیشوائے جملہ خلق جناب رسول خدا محمد مصطفیٰ صلعم نے اس امام اصحاب یمین کو قاضی یمن اور وہاں کے لشکروں کا امیر۔ اور مالک زکوٰۃ بنا کر بھیجا اور حکم دے دیا کہ جو مال ان سے وصول ہو اسکو آپ بنی خزیمہ پر تقسیم کردیں جن کو خالد بن ولید نے بظلم شہید کیا ہے اسی طرح اس امام ہمام کو ادائے پیغام جناب ملک العلام اور پہونچانے سورہ برات کفار انام تک جناب رسول خدا صلعم نے (بحکم خدا) انتخاب فرمایا۔ اسی طرح اپنی غیبت کے بعض دنوں میں (مثل روانگی بسوئے جنگ تبوک) حضرت امیرؑ کو آنحضرت نے اپنا خلیفہ

بنایا۔ "اور آپ کے بارہ میں فرمایا انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہٗ لا بنی بعدی تمہارا میرے نزدیک وہی مرتبہ ہے جو کہ ہارون کا موسیٰ کے نزدیک تھا مگر یہ فرق ہے کہ میرے بعد نبوت کا خاتمہ ہے۔ مترجم"

اور کسی کو اصحاب آنحضرتؐ سے یہ باتیں نصیب نہ ہوئیں نہ ان کے حق میں مقرر ہوئیں اور جس قدر زندگی آنحضرتؐ میں حضرت امیرؑ نے پیروی حضرت سرور کائنات کی ہے کسی دوسرے نے ایسی اطاعت وپیروی نہیں کی اسی طرح بعد موت بھی سب لوگوں کا اتفاق ہے کہ امت ایسے ہی امیر کو چاہتی اور اس کی محتاج ہے جو ایسے امور سے متصف ہو۔

رہی تیسری قسم اجماع کی۔ سو اس سے چند وجھوں کی بنا پر حضرتؐ کی امامت پر دلیل لائی جاتی ہے۔ اول یہ بات ہے کہ تمام امت کا اتفاق ہے کہ علیؑ امام تھے اگرچہ ایک ہی روز اور اس میں کوئی بھی مخالفت نہیں ہے اس کے بعد اختلاف کیا ہے بعض نے کہا ہے کہ جناب رسولؐ خدا سے بہت سے فاصلہ (زمانہ) کے بعد۔ "آپ امام ہیں جب کہ عامہ اہل اسلام آپ کو چوتھا خلیفہ جانتے ہیں" آپ وقت خاص میں امام تھے۔ بعض نے کہا کہ بعد جناب رسولؐ خدا بلا فصل آپ تمام اپنی زندگی بھر امامؑ تھے اور اپنے سوا دوسرے پر اجماع واقع نہیں ہوا جو آنکھ جھپکنے کے عرصہ تک امام رہا ہو۔ علاوہ ازیں اجماع کیا ہے امت نے اس بات پر کہ حضرت امیرؑ امامت کی قابلیت رکھتے تھے اور بن ہاشم اس کے اہل تھے اور آپ کے غیر میں مخالفت واختلاف ہے نیز اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ بعد جناب رسول خدا صلعم عدالت ظاہری پر جو کہ سردار امام کے لئے شرط ہے آپ باقی تھے۔ زیادہ سے زیادہ بات پر اختلاف ہے یعنی امامت پر (نہ کہ عدالت پر) بعض کہتے ہیں کہ آپ مرتبہ عدالت سے مرتبہ عصمت تک ترقی پائے ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ معصوم نہ تھے بلکہ ابرار ومتقی تھے اور بظاہر آمیزش خطا وقصور سے دور۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اختلاف لوگوں کا آپ کی عصمت میں ہے اور اسی گروہ نے اجماع کیا ہے کہ ابوبکر معصوم نہ ہونے پر اور اختلاف کیا ہے عدالتِ ابوبکر میں۔ بعض ابوبکر کی عدالت کے قائل ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ ابوبکر نے چونکہ خلافت "حقہ" کو غصب کیا اور بھی مفاسد اس سے ظہور میں آئے اس لئے وہ دائرہ عدالت سے خارج ہوا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس شخص کی عدالت پر اتفاق واقع ہو چکا ہو اور عصمت میں اس کے اختلاف ہو تو وہ شخص اولیٰ وحق دار امامت کے لئے ہے اس سے کہ جس کی عدالت میں تو اختلاف ہو اور اس کے معصوم نہ ہونے پر اتفاق۔

نیز کتاب مثقی میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے فضل سے پوچھا کہ تم اس حدیث کی بارے میں کیا کہتے ہو جسے ناصبیوں نے حضرت امامؑ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا "لا۔ اوتی رجل یفضلینی

علیٰ ابی بکر وعمر الاجلا تهٗ حدّ المفتری "یعنی جب میرے پاس لائیں کسی ایسے شخص کو جو مجھے افضل بتاتا ہوا ابو بکر وعمر سے تو میں اس کو وہ حد جو شریعت پیغمبرؐ میں کسی جھوٹے کے لئے مقرر ہے لگاؤں گا۔ فضل نے کہا کہ اس روایۃ کا راوی سوید بن غفلہ ہے اور اتفاق ہے راویان اخبار کا اس شخص کے متعلق کہ وہ بہت ہی غلط گو ہے علاوہ ازیں نفس حدیث میں بھی اختلاف ہے کیونکہ امت کا اجماع اسبات پر ہو چکا ہے کہ جناب امیرؑ معاملات واحکام دین میں عادل تھے اور یہ عدالت نہیں ہے کہ مفتری کو خدا فرتار لگائیں ۔لیکن شیخ بزرگوار مفید علیہ الرحمہ نے اپنے بعض ارشادات عالیہ میں فرمایا ہے کہ جوابِ فضل پسندیدہ نہیں ہے اور آپ نے حدیث مذکور کی ایک عمدہ وجہ فرمائی ہے چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو مرادِ جناب امیرؑ یہ ہوگی کہ بزرگی نہیں ہوئی مگر اسی جگہ کہ جہاں دو شخص فضیلت میں قریب ہوں اور مفضول یہ "کم درجہ" کو افضل ۔"بلند درجہ" کے ساتھ اصل فضیلت میں کچھ شرکت ہوتی ہے پس اس بنا پر آپ کی فضیلت ابو بکر وعمر پر انکے مرتبہ فضل کے اظہار کے ضمن میں ہوگی ۔حالانکہ (ابو بکر وعمر)انکار نص جلی اور مکر کی بات کے اظہار میں اصرار کی وجہ سے اطاعت خدائے تعالیٰ اور دین جناب رسولؐ خدا سے باہر ہو چکے ہیں۔"مراد اس سے یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے خم غدیر کے واقعہ کو انکار کیا اور اپنی خلافت مکر آمیز پر اصرار کیا اس لئے وہ اطاعت خدا ودین رسولؐ سے باہر ہو گئے لہٰذا اب ان کے لئے کوئی فضیلت دین مبین میں فضیلت امیر المومنین کے قریب نہیں رہی پس جس کسی نے حضرت امیرؑ کو ابو بکر وعمر پر فضیلت دی تو اس نے شیخین کے لئے فضیلت عظیمہ کا دعویٰ کیا ہے لہٰذا ظاہر ہوا کہ وہ شخص دعویٰ میں کاذب ہے چنانچہ وہ شخص حد مفتری کا ذب کا مستحق ہوگا نہ حد مفتری بدکار سنگسار کا۔جیسا کہ فضل بن شاذان نے سمجھا ہے اور حضرت امیر کو غیروں پر فضیلت دینا اس قبیل سے ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی فاضل صالح متقی کو کافر۔مرتد۔خارج از دین پر فضیلت دے۔یا یوں کہیں کہ جبرئیلؑ کو ابلیس پر اور جناب رسولؐ اللہ کو ابو جہل پر ترجیح ہے۔یا یہ کہیں کہ اگر حدیث بالا صحیح ہے تو یہ چاہئے تھا"ماشااللہ" کہ حد مفتری جناب رسولؐ پر واجب ہوئی کیونکہ آنحضرتؐ نے چند احادیث میں حضرت علی بن ابی طالبؑ کو تمام خلائق پر فضیلت دی ہے مثلاً بھائی چارہ کے وقت۔"جناب رسول اللہ صلعم نے صحابہ میں دینی برادری قائم کی تھی لیکن حضرت علیؑ کو کسی کا بھائی قرار نہ دیا بلکہ ان کے لئے فرمایا تم اے علی دین ودنیا میں میرے بھائی ہو۔"بجز ان کے نصاریٰ سے مباہلہ وبد دعا) کے وقت گھروں کے دروازہ کھلے نہ رکھنے کے وقت یا اینکہ ابو بکر نے جب سب کے دروازے جو مسجد کی طرف سے بند کر دئے گئے بجز دروازہ جناب امیرؑ درخواست کی کہ ایک سوراخ ہی مسجد کی طرف میرے لئے رکھنے کی اجازت ہو آنحضرت نے فرمایا اس کی بھی تمہارے لئے اجازت نہیں ہے"۔یا حضرت علیؑ ہی کو (بجز دیگر صحابہ ابو بکر وعمر وعبد الرحمان بن

عوف وغیرہم کے)عقد جناب فاطمہؑ کے لئے منتخب کرنا۔

یا ان کو ولی اللہ کہنا۔"لیکن حضرات اس پر تو آیۃ انما ولیکم اللّٰہ شاہد ہے جس میں امت کے لئے ولی سرپرست حاکم شرعی قرار دئے گئے ہیں پہلے خدا۔دوسرے رسول خدا صلعم تیسرا ولی وہ ہے جو نماز کو برپا کرنے اور حالت رکوع نماز میں خیرات دینے والا ہے اور نہیں ہے یہ بزرگوار مگر حضرت حیدرؑ کرار باتفاق اہل اخبار"۔یا محبوب ترین خلق۔"بریان طیر کے کھانے کے لئے آنحضرت کا فرمانا کہ اے اللہ محبوب ترین خلق یعنی علیؑ کو میرے پاس بھیجدے جو اس طائر بریاں کو میرے ہمراہ نوش کرے چنانچہ دعائے آنحضرت قبول ہوئی اور حضرت علیؑ تشریف لائے اور شریک آنحضرت ہوئے۔

کو آنحضرت صلعم کا طلب فرمانا۔یا آپ ہی کو منزلۃ ہارونیؑ عطا فرمانا وغیرہ وغیرہ امور ہیں جن میں آنحضرتؐ نے اوروں پر حضرت امیرؑ کو ترجیح دی ہے۔اس طرح چاہئے تھا کہ حد حضرت امیر علیہ السلام پر واجب ہوتی کیونکہ آپ نے اپنی فضیلت کا اظہار ف تمام اصحاب رسولؐ پر فرمایا ہے اور دوست ودشمن۔"شیعہ وسنی"۔کا اتفاق ہے کہ ممبر کوفہ پر خود حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا۔بطور دعویٰ اپنی زبان سے انا الصدیق الاکبر۔صدیق۔زیادہ سچ بولنے والا۔اکبر میں ہی ہوں (لہٰذا)ابو بکر کا صدیق کہنا بالکل غلط ٹھیرا کیونکہ بقیہ حدیث یہ ہے کہ ایسا دعویٰ کرنے والا کاذب یا مفتری ہے اور بجز ابو بکر کے صدیق کا لفظ کسی اور صحابی نے اختیار نہیں کیا۔مترجم)

اور اسی طرح آپ کی تمام اولاد (گیارہ امامؑ)اور پوتے۔انصار شیعہ اہل بیتؑ بھی قابل حد ہونے چاہئیں جن کا یہ اعتقاد ہے کہ آپ تمام صحابہ سے افضل ہیں تا آنکہ کہ خود جناب امام حسن علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے انتقال حضرت امیر علیہ السلام کی دوسری صبح کو خطبہ میں فرمایا لقد قبض فی هٰذا اللیلۃ رجلٌ ماسبقهٗ الاون یعملٍ ولا ادر که الاخرون ط آج شب اس بزرگوار نے رحلت فرمائی ہے جس سے عمل کے اندر نہ تو پہلوں کو نہ پچھلوں کو سبقت نصیب ہوئی۔

اور یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ مقصود جناب شیخ مفید"جس کی آپ نے تصریح فرمادی ہے" یہ نہیں ہے کہ یہ کہنا کہ جناب امیر علیہ السلام فلاں فلاں (اول ودوم خلیفہ) سے افضل ہیں قانون لغت عرب یا عرف عام کے موافق صحیح نہیں ہے بلکہ شیخین کا فضل براہ جدل (زبردستی) یا بنا پر اعتقاد دشمن کافی ہو۔بلکہ غرض جناب شیخ یہ ہے کہ اس قول کی حقیقت پر نظر کرتے ہوئے یہ قول ہی غلط باطل محال ہے۔

مؤلف (مجالس المومنین علیہ الرحمہ) کہتا ہے جس طرح یہ ممکن ہے کہ اس عبارت کے معنی سے (جو کہ ایسے شخص کی فضیلت کو ثابت کر رہی ہے جو فی الواقع فضیلت سے خالی ہے وہ کون شیخین) افترا سمجھا جاتا ہے اسی طرح پر اس عبارت سے منفعت بھی لازم آتی ہے اس شخص کی جو دراصل افضل ہے

(یعنی حضرت امیر علیہ السلام کی) چنانچہ بعض افاضل شعراء نے اپنے اشعار میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے ترجمہ اشعار عربیہ۔

لوگ کہتے ہیں ثلٰثہ سے علیؑ ہیں افضل — نہ کہوں گا کبھی کنکر سے ہے سونا افضل
گر کہیں یوں کہ ثلثہ سے ہیں افضل حیدرؑ — یہ فضیلت تو نہ کہلائیگی اے اہل ہنر
آب شمشیر کو ہے عیب لگانا جو کہیں — کہ یہ تلوار تو لکڑی سے ہے تیز اور بہتر

اسحاق بن اسماعیل النیشاپوری

علاّمہ حلی نے کتاب خلاصہ میں ان کو موثق فرمایا ہے اور حضرت ابی محمد عسکری علیہ السلام "امام علی نقی علیہ السلام"۔ کے اصحاب میں درج کیا جاتا ہے۔

کتاب مختار میں آنحضرت علیہ السلام سے ایک ذیشان فرمان ان کے نام نقل ہوا ہے جو امام علیہ السلام نے اسحاق کے نام تحریر فرمایا ہے اس فرمان میں امام علیہ السلام نے اسحاق مذکور (اور نیشاپور) کے تمام شیعوں کو بعض فرائض اور مسنونات کے ترک پر عتاب فرمایا ہے اور ان لوگوں کو راہ ہدایت کی رہبری اور پابندیٔ احکام حضرت سید انام اور محبت اہلبیت کرامؑ اور ان کے حقوق کی رعایت کے بات میں تاکید فرمائی ہے اور اسی فرمان میں وہاں کے دوستوں سے حقوق واجبہ۔ "زکوٰۃ و خمس وغیرہ"۔ کا لینا بنام ابراہیم بن عبدہ جو سرداران شیعیان نیشاپور سے ہے نامزد فرمایا ہے۔ فرمان امامؑ ہمام یہ ہے۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اے اسحاق بن اسماعیل ہماری اور تمہاری پردہ داری اللہ تعالیٰ فرمائے اور تمام معاملات میں تیرا نگراں حال باحسن وجوہ رہے۔ تیری تحریر کو میں نے سمجھا۔ اللہ تجھ پر رحمت نازل فرمائے۔ ہم اہل بیتؑ حمد آلٰہی و شکر نعمتہائے ایزدی بجالاتے ہیں۔ اپنے غلاموں دوستوں کے ساتھ نرمی سے پیش آتے اور خدا کے احسان و فضل متواتر ان پر نشر کرتے رہتے ہیں اور ہر نعمت جو ان پر جناب باری نازل فرماتا ہے شمار کرتے رہتے ہیں پس اللہ۔ نے حق کو تم پر کامل کر دیا اور تم سے پہلوں پر بھی (ان مرنے والوں پر رحمت ہو اور نصرت) اور تم پر بھی اور باطل کو تم سے دور رکھے کمال نعمت الٰہی دخولِ جنت ہے۔ ادائے شکر نعمت کے لئے اگرچہ کتنی ہی عظیم ہو کلمہ الحمد للہ سے بڑھکر نہیں۔ میں اس کی حمد کرتا ہوں مثل اس کے کہ کسی حامد نے اب تک اس کی حمد کی ہو کیونکہ اس نے تجھ پر انعام نازل کیا ہے۔ ہلاکت سے تجھے بچایا ہے اور عقبہ "وہ گھاٹی ہے جو موقف حساب میں پیش آئے گی۔" کو تجھ پر آسان فرمایا ہے۔ بخدا وہ گھاٹی جس پر عبور و فرور "گزرنا" ضرور ہوگا وہ قریب ہے اور بڑی سخت راستہ اس کا دشوار۔ آزمائش اس کی طول طویل۔ اس کا عذاب ہمیشہ

کے لئے ہے۔ اس کا ذکر پہلی کتابوں میں بھی یعنی زبور۔ توراۃ۔ انجیل میں" آچکا ہے۔ یقیناً زمانۂ حضرتِ امام محمد تقیؑ میں بھی تم لوگوں سے بعض فروگذاشتیں ہو چکی ہیں اب ان جناب کا تو انتقال ہو چکا ہے ان حضرات پر اور ان کی روح بزرگ پر رحمت آلٰہی پہونچے اور ان دنوں میں میرے تمہارے متعلق پسندیدہ رائے نہیں ہے۔ اور اے اسحاق تم کو معلوم رہے کہ جو شخص اس دنیا میں اندھا ہو گیا۔ یعنی اس نے تعمیل ارشاد خدا و رسولؐ و اہل بیت بتولؑ کی" وہ آخرت میں بھی اندھا ہی اٹھے گا بلکہ بدتر اے ابن اسمٰعیل آنکھوں کا اندھا مراد نہیں ہے بلکہ دل کا اندھا۔ دیکھو اس کے متعلق قول حق تعالیٰ کو کہ در باب ظالم فرماتا ہے اسی کی زبان سے اے رب تو نے مجھے اندھا قیامت میں کیوں اٹھایا حالانکہ میں تو آنکھوں والا تھا۔

جواب حضرت ایزد۔ تیرے پاس میری نشانیاں (یعنی کتابیں پیغمبر داد وصیلۂ برحق پیغمبروں مع معجزات) آئیں نے ان کو جھٹلایا اور ان کو بھول گیا آج ہم نے تجھے بھلا دیا اور اے اسحاق کون سی نشانی حجۃ اللہ اعظم سے بڑھ کر ہو سکتی ہے۔ یہ خدا کا امین اس کے شہروں میں قرار دیا گیا ہے اور اس کے بندوں کے اعمال کا گواہ (دیکھوں ثبوت کے لئے یہ آیۃ **قل اعملوا فیری اللہ عملکم ورسولہٗ والمؤمنون** ۔ کہہ دو اے رسول اپنی امت کے لوگوں سے کہ تم عمل کئے جاؤ عنقریب خدا اور رسولؐ اور مومنین۔ "مراد اوصیائے برحق جناب خاتم الانبیاء۔" تمہارے اعمال کو دیکھ رہے ہیں) اپنے آباؑ اولین "یعنی انبیاؑ" اور آباء آخرین۔ "اوصیائے حضرت رسالت پناہؐ" کا وارث ہے۔ کہ یہ حضرات جناب رسالت مآبؐ کے حقیقی وارث ہیں۔ اور (حجۃ خدا) افضل ہے تمام اوصیاء۔ "سابقین" کا۔ ان سب پر خدا کی رحمت و برکت نازل ہو۔ پس تم (اے اسحاق اور تمہارے گرد و پیش والے) چوپاؤں کی طرح اپنے ناک کی سیدھ میں کہاں جا رہے ہو۔ حق سے منہ موڑتے ہو اور باطل پر ایمان لاتے ہو۔ خدا کی نعمات کا انکار ہے یا ان کی تکذیب مقصود ہے۔ تم بعض باتوں کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں۔ پہلا جو شخص تم میں سے یا غیر ایسی حرکت کرے اس کا کیا بدلہ ہو سکتا ہے۔ یہی نہ کہ دنیائے فانی میں رسواء خوار اور دار الآخرو باقیہ میں عرصہ دراز تک گرفتار عذاب۔ خدا کی قسم یہ بڑی رسوائی ہے۔ جناب باری نے تم پر فرائض کو کسی اپنی حاجت براری کی غرض سے لازم و واجب نہیں فرمایا ہے۔ بلکہ محض تم پر مہربانی و عنایت کی راہ سے ایسا کیا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود قابل پرستش نہیں ہے اس لئے ایسا کیا گیا ہے تاکہ برے بھلے (فرمان بردار نافرمان) میں تمیز اور تمہارے سینوں کی آزمائش ہو۔ تمہارے دلوں کو خالص بنا دے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم رحمتِ الٰہیہ کی طرف سبقت کرو۔ اور تمہاری بہشتی منزلیں (آوروں سے اعمال کی پاداش میں) بڑھ چڑھ کر رہیں۔

پس اس نے (خدا نے) تم پر حج و عمرہ نماز کا قائم کرنا۔ روزہ رکھنا۔ زکوٰۃ کا دینا اور ولایت

(دوستی اہل بیت) کو فرض کیا۔ اور اسی طرح تمہارے نے لئے ایک دروازہ (اس سے ذات علی علیہ السلام اور ان کے گیارہ فرزند جو مدینہ علم الرسول کے بارہ (۱۲) دروازہ ہیں) قرار دیا جس میں تم اپنے ابواب فرائض کھولتے ہو۔

اور ضروری باتیں زندگی جائز بسر کرنے کی انہیں خدا کی پاک و مقررہ کردہ ہستیوں سے دریافت کرتے ہو۔ اور ہر ایک حجتہ خدا راہ خدا میں بندش کو دور کرنے کی قدرتی کنجی ہے۔ اگر ذات بابرکات کا جناب ختمی مآبؐ اور ان کے اصیاء برحق نہ ہوتے تو تم زمانے والے چوپاؤں کی مثل حیران و پریشان پھرتے۔ کسی فرض و حکم الٰہی سے آگاہ نہ ہوتے۔ اور کیا گاؤں اور شہر میں اس کے دروازہ کے بغیر بھی جا سکتے ہیں چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے تم پر بعد مقرر کرنے اولیاء نبی کے احسان فرمایا تو اس کے بعد اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔ ''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا'' ط آج ''بروز غدیر خلافت حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا اعلان کھلے خزانے ایک لاکھ یا زائد کے مجمع میں کر کے'' میں نے تمہارا دین کامل کیا اور اپنی نعمت تم پر ''نصب امام و خلیفہ برحق و بلا فصل بعد رسول سے''۔ پوری کردی اور دین اسلام سے راضی و خوشنود ہو گیا اے اسحاق تم پر خدا نے تمہارے اولیاء (حکام شرعی ائمہ علیہ السلام) نے کچھ حقوق فرض کئے جن کا حکم میں تم کو اور اہل نیشاپور کو دیتا ہوں تاکہ جو چیزیں تمہاری پشت کے پیچھے ہیں حلال ہو جائیں یعنی تمہاری بیبیاں تمہارے مال۔ غذائیں۔ تمہارے پانی۔ یہی وہ باتیں ہیں جن کو آسمان کے مالک خدا نے تم تک اپنی بولتی ہوئی پاک ہستیوں کی معرفت پہنچوا دی ہے۔ اور خدائی باتوں کے اقرار کے بعد نزول برکت۔ زیادتی ثروت ''مالداری'' ہوتی ہے اس کا مقصد غائب رکھنے سے اپنی ذات کے اسی طرح جناب رسول اللہؐ کے بارہویں فرزند کی غیبت سے یہی ہے کہ تاکہ تمہیں اس غیبت کی حالت میں آزماتے کہ مجھ پر ایمان لاتا ہے۔ ''یعنی جو امام غائب نائب الرسولؐ پر ایمان لایا اس نے خدائے غائب کو بھی مان لیا کیونکہ حضرات ائمہ علیہم السلام کا پہلا درس توحید الٰہی ہوتا تھا دوسرا رسالۃ۔ تیسرا نبوت چوتھا ولایت پنجم امامت معاد و غیرہ اسی امر خاص ولایت محبت اہل بیت کے استوار رکھنے کے لئے ملاحظہ ہو۔ ''قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ'' (کہہ دوائے رسولؐ میں تم سے ۲۳ برس کا اجر رسالت محبت اہل بیت کچھ نہیں مانگتا) تم کو اے اسحاق یہ بات بھی معلوم رہے کہ خدے تعالیٰ اس بات کو دوسرے پیرایہ میں فرماتا ہے یعنی دوستی اہل بیت نہ کرنا کنجوسی ہے۔ ''ترجمہ آیہ قرآنیہ'' اور جو شخص بخل کرتا ہے وہ تو اپنے نفس کے لئے ضرر کا باعث ہے خدا تو (ہمیشہ سے) مستغنی (بے پرواہ) اور محتاج در اصل تم ہی لوگ ہو۔ خدا کے سوا کوئی معبود قابل عبادت نہیں ہے''۔ ہم میں اور تم میں اے اسحاق اس گفتگو نے طول پکڑا یہ گفتگو تمہارے لئے مفید بھی رکھتی

ہے اور مضر بھی۔

میں نے اب تک تمہاری خطا میں ہی دیکھی اور تم نے کوئی بات بعد جناب امام محمد تقی علیہ السلام کے مجھ سے نہیں سنی۔ تم ان باتوں سے غافل ہو جس کی ایک دن ''قیامت'' میں پیش خدا پوچھ ہوگی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد میرا قاصد تم تک پہونچے گا۔ اس کے ساتھ جس قدر تم بحسن سلوک پیش آؤ گے اسی قدر اس کی نصرت کے عوض (خدا اپنے دربار میں) تمہارا اکرام کرے گا۔ اور میں نے تمہارے لئے ایک عامل ''ابراہیم بن عبدربتہ (خدائے تعالیٰ اس کو اپنی پسندیدہ باتوں کی توفیق اور اپنی اطاعت کی اعانت فرمائے) مقرر کر دیا۔

علاوہ ازیں میری تحریر جس کا حامل محمد بن موسیٰ نیشاپوری ہے (خدا سے ہر حالت میں مدد طلب کیجاتی ہے) تو میں اب بھی تمہیں احکام الٰہی میں کوتاہی (کمی) کرنے والا دیکھ رہا ہوں ایسا نہ ہو تم نقصان یافتہ لوگوں میں سے ہو جاؤ۔ دوری و ہلاکت اس کو نصیب ہو جو کہ خدا کی اطاعت سے منہ موڑے اور وہ اولیائے خدا کی نصیحت قبول نہ کرے حالانکہ خدائے تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا پہلے حکم دیا ہے ''اللہ کے سوا کوئی معبود قابل پرستش نہیں ہے''۔

اور اسی طرح اطاعت رسولؐ اس کے بعد اطاعت اولوالامر کا بھی۔ اللہ تعالیٰ تمہاری دینی کمزوری پر اور ان باتوں پر (جو از قبل عدالت آخرہ تمہیں پیش آنے والی ہیں رحم فرمائے۔ ''انسان کو اس کے خدائے کریم کی ذات پر کس نے مغرور کر دیا ہے'' اور اللہ تعالیٰ میری یہ دعا تمہارے باب میں قبول فرمائے اور میرے ہاتھوں سے تمہاری اصلاح کرے۔ ''یقیناً یہ اسی کا ارشاد ہے۔

(یاد رکھو) یوم ندعوا کل اناس بامامھم (ترجمہ) اس دن کو یاد کرو جب ہم ہر ایک انسان کو اس کے پیشوا ''دینی رہبر'' ساتھ (عرصۂ محشر میں بلائیں گے) اور یہ بھی اسی کا ارشاد ہے۔ ''ہم اہل بیت کے لئے'' وجعلنا کم امۃ ''تفسیر اہل بیتؑ میں یہ لفظ ائمہ وارد ہوا ہے''۔ وسطاً لتکونوا شھداء علی النّاس ویکون الرّسول علیکم شھیداً (ترجمہ) اور ہم نے تمہیں گروہ (پیشوا) عادل اس لئے بنایا کہ تم لوگوں کے اعمال کے شہید (جو واقعہ کے وقت موجود ہو) بنو اور رسول تمہارے اعمال کا شہید بنے۔

یہ بھی اسی کا ارشاد ہے ''کنتم خیر امۃ (وہی لفظ آئمہ کا بدل ہے) اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر (ترجمہ) تم (اے اہل بیت رسولؐ) بہترین گروہ (پیشوا) ہو جو لوگوں کے لئے نکالے گئے) ہو مقرر کئے گئے تم انہیں نیک باتوں کی فہمائش اور بری باتوں کی ممانعت کرتے ہو۔

پس یہ بات پسندیدہ نہیں ہے کہ تم اللہ کو پکارو اور میرے آبار کرام کے نام کے ساتھ مگر اسی طریقہ سے جس سے وہ رضا مند ہو۔ اوران باتوں پر عمل نہ کرو جو اس نے دونوں جہاں میں روک دی ہیں یعنی انتہائی خواہشات نفسانی نہ کرو اور خدا تمہیں دین ودنیا میں ہماری معیت نصیب کرے۔ اے اسحاق اللہ تم پر اور تمہارے پچھلوں پر رحم فرمائے۔ اور میں نے (اصل) تمہارے لئے کھول دیا اور اس کی تفسیر (وضاحت) کردی ہے اور تمہارے ساتھ وہ کام کیا ہے کہ کوئی دوسرا ابھی اس کو سمجھا نہیں اور آنکھ جھپکنے کے عرصہ میں وہ اس فہمیدگی میں داخل بھی نہیں ہوا۔ اور اگر میں ان باتوں میں سے کچھ باتیں (جو اس تحریر میں میں نے لکھی ہیں) کسی سخت وٹھوس چیز (مثل پہاڑ وغیرہ) کو سمجھاتا تو وہ مارے رنج اور اللہ کے خوف کے (اس کا سینہ) پھٹ جاتا اور اطاعت الٰہی کی طرف لوٹ آتا۔ اب تم اس کے بعد جو چاہو کرو۔ عنقریب خدا اور رسولؐ اور مومنین تمہارے اعمال کو دیکھیں گے۔ پھر تمہاری بازگشت اس ذات (خدا) کی طرف ہوگی جو ظاہر و باطن کا عالم ہے جو اس روز قیامت تمہارے اعمال سے آگاہ کرے گا اور آخرت کی بھلائی تو خوف کرنے والوں ہی کے لئے ہے اور تم سے آگاہ کرے گا اور آخرت کی بھلائی تو خوف کرنے والوں ہی کے لئے ہے اور تم اسے اسحاق میرے قاصد ہو اور ابراہیم بن عبدہ کی طرف۔ ''اس کو خدا توفیق دے ان باتوں پر عمل کرنے کی جو کچھ تحریر میں محمد بن موسیٰ نیشاپوری کی ہے اور نیز اپنے نفس اور اپنے شہر والوں کی طرف اس بارہ میں کہ وہ سب عمل کریں ان باتوں پر جن کا حامل محمد بن موسیٰ (مذکور) ہے انشاء اللہ۔ ابراہیم بن عبدہ کر میری یہ تحریر پڑھنی چاہئے اور اس کے بقیہ شہر والے دوستوں کو بھی تا کہ مجھ سے سوال نہ کرے اللہ کی اطاعت کر کے وہ نیشاپور والے برائیوں سے اور پھر شیطان سے بچ سکتے ہیں۔ خدا کی قسم وہ نفس کی برائیوں سے تو پرہیز کرتے ہیں اور اللہ کی اطاعت نہیں کرتے۔ اے ابراہیم بن عبدہ اللہ کی طرف سے تم پر سلام ورحمت ہو اور اے اسحاق تجھ پر اور تمام اسلامی دوستوں پر۔ اللہ تم سن کو پختہ طور پر توفیق عمل عطا فرمائے۔ اور میری اس تحریر کو جو شخص بھی تمہارے شہر کے دوستوں یا قریب وجوار والوں میں جواب حق سے روگرداں نہیں ہوئے دیکھے اور پڑھے اس کو چاہئے کہ ہمارے حقوق ابراہیم مذکور کو دیدیں اور ابراہیم کو چاہئے کہ یہ سب بقول رازیؒ (خدا ان سے رضا مند ہو) کے پاس پہونچا دنے یا جس کو رازی کہدے۔ کیونکہ یہ بات میری ہی رائے اور حکم سے ہے انشاء اللہ۔ نیز اے اسحاق میری یہ تحریر بلالؒ کو بھی سنا دینا کہ وہ مرد معتبر۔ محفوظ (گناہوں سے) ہے اور تکالیف شرعیہ سے واقف ہے اور محمودی کو بھی سنا دینا۔ اللہ اس کو عافیت سے رکھے اور اس پر اپنی اطاعت کے باب میں مواخذہ نہ فرمائے۔ جب تم اے اسحاق بغداد پہونچو تو یہ تحریر ہمارے وکیل دہقان کو بھی سنا دینا اور جو بھی ہمارے اموال پر قبضہ کرے اور تجھے جتنے ہمارے دوستدار ملیں ان سب کو سنا دینا۔ اور جو اس کی نقل لینا چاہے اس کو نقل بھی دیدینا۔ اشاء اللہ۔ اور

بجز شیطانی نفس سے یہ تحریر ہمارے دوستوں میں سے کسی سے نہ چھپانا۔ خدا کرے کہ سور کے بچوں میں یہ تحریر نہ پھیلے اور نہ ان کو کوئی بزرگی ہی نصیب ہو اور تیری تحریر پہونچتے ہی ہم اس سے واقف ہو گئے اور ہم نے تیرے لئے اور جس جس کے لئے تمہاری التماس دعا تھی اس کے لئے بھی دعا کر دی ہے۔

سعید کے مسئلہ کا ہم نے جواب دیدیا ہے خدا کا شکر ہے۔ کیا حق کے بعد گمراہی بھی ہوئی ہے۔ شہر سے باہر اس وقت تک نہ ہونا جب تک تم عمری سے ملاقات نہ کر لو میری اس میں رضامندی ہے تم انکو سلام کرنا اور پہچاننا وہ تمہیں پہچان لیں گے کیونکہ وہ پاکیزہ خصلت والا۔ امانت دار۔ پاکدامن ہماری قربت رکھنے والا ہے اور وہی تمام اموال ہم تک پہونچاتا ہے اور وہی آخر کار اب بھی یہ تمام اموال ہم تک پہونچائے گا۔ خدا کی بہت کچھ حمد کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اے اسحاق تیری اور ہماری قدرتی پردہ سے پردہ داری فرمایئے اور تمام معاملات میں اپنے حسن قدیم سے تیرے ساتھ پیش آئے۔ تجھ پر تیرے تمام دوستوں پر اللہ کا سلام رحمت برکت اور جناب رسولؐ خدا ہمارے سردار اور ان کی آل پاک سب پر بہت ہی درود۔ سلام نازل ہو۔

ابراہیم بن عبدہ نیشاپوری

ان کی فضیلت میں بس یہی کافی ہے کہ حضرت امام حسن عسکریؑ نے اس فرمان میں جو اوپر مذکور ہو چکا انہیں شیعیانِ نیشاپور اور اس کے اطراف میں اپنا وکیل بنایا تھا اور وہاں والوں کو ان کی اطاعت کا حکم دیا تھا اور مختار میں ایک دوسرا فرمان نقل ہوا ہے جس کو آنحضرتؑ نے عبداللہ بن حمدویہ بیہقی اور تمام شیعیان نیشاپور اور اطراف کو لکھا تھا اس کی عبارت یہ ہے۔ ''وبعد فقد بعثت الیکم ابراھیم بن عبدہ لیدفع النواحی واھل ناحیک حقوفی الواجبۃِ علیکم وجعلتہٗ ثقتی وامینی عند موالی ھناک فلیتق اللّٰہ جلّ جلالہٗ والیراقبوا ولیؤدّولحقوف فلیس عذر فی ترک ذالک ولا تاخیرہٗ الا اشقاھم اللّٰہ بعصیان اولیائہٖ ورحمھم وایّاک معھم رحمتی لھم انّ اللّٰہ واسع کریمؐ (ترجمہ فرمان) بعد حمد وصلوٰۃ میں نے تمہاری طرف ابراہیم بن عبدہ کو اس لئے بھیجا ہے تا کہ تم اپنے شہر (نیشاپور) اور اطراف شہر کے میرے واجب حقوق اس کو دیدو۔ وہاں کے دوستوں کے نزدیک (عبدہ) میرا قابل اعتماد میں ہے۔ تم سے اللہ سے ڈرو اور اس کی ذات اقدس کو ملحوظ خاطر رکھو اور حقوق کو ادا کرو کیونکہ اس کے ترک میں کوئی عذر (سنا نہ جائے گا) اور جوانِ (حقوق) کے ادا کرنے میں تاخیر کرے گا تو اس کو خدائے تعالیٰ اپنے اولیاء کی نافرمانی کی وجہ سے بدنصیب کرے گا اور (اے عبد اللہ بن حمدویہ) تجھ پر تیرے تمام دوستوں پر میری وجہ سے خدائے تعالیٰ مہربانہ فرمائے کیونکہ وہ کریم ہے اور اس کی رحمت بڑی وسیع ہے۔''

عبداللہ بن حمدویہ البیہقی

ابن داؤد نے اس کو بزرگترین ممدوحین رواۃ سے شمار کیا ہے اور مختار میں ایک فرمان حضرت امام حسن عسکریؑ کا عبداللہ اور اہل نیشاپور کے نام مع اطراف کے نقل ہوا ہے وہ یہ ہے و کتابی الذی ورد علیٰ ابراهیم بن عبده بتوکیلی ایّاہ لقبض حقوقی من موالی هنال ،نعم نحو کتابی بخطّی افمتۂ اعنی ابراهیم بن عبده لهم ببلدهم حقاً غیر باطلٍ. فلیتقو الله حقّ ولیخرجوا من حقوقی ولید فعوها الیه فقد جوّزت لهٔ ما یعمل به فیها وفقهٔ الله ومن علیه بالسلامة من التقصیر رحمته ط (ترجمہ فرمان) اور میری وہ تحریر جو ابراہیم بن عبدہ کے پاس آئی ہے جس سے میں نے ان کو اپنا وکیل مقرر کیا ہے وہاں کے دوستوں سے حقوق وصول کرنے کے لئے۔ ہاں وہ میری ہی تحریر ہے اور میرا ہی خط ہے اور میں نے ہی اس کو یعنی ابن عبدہ کو نیشاپور والوں کے لئے ان کے شہر میں مقرر کیا ہے یہ تقرر حق ہے باطل نہیں۔ تم پورے طور پر اللہ سے ڈرو اور میرے حقوق نکال کر اس کو دے دو کیونکہ جو باتیں ان حقوق میں قابل تعمیل ہیں ان کی اجازت میں نے ابن عبدہ کو دیدی ہے اس کو اللہ تعالیٰ توفیق عمل فرمائے اور احسان فرمائے کہ وہ کوتاہی سے بچا رہے اس کی رحمت کی وجہ سے۔

محمد بن احمد حماد المروزی المحمودی

ابن داؤد نے ان کو بھی منجملہ ممدوحین کے لکھا ہے اور مختار میں محمد مذکور سے مروی ہے کہ میرے باپ کی وفات کے بعد حضرت امام محمد جوادؑ۔ "جناب امام محمد تقی علیہ السلام نے مجھے تحریر فرمایا کہ یقیناً تیرے باپ نے انتقال کیا۔ (خدا ان سے اور وجہ سے بھی رضامند ہو) وہ ہمارے نزدیک محمود الحال تھے اور برابر اسی حال پر آخر وقت تک رہے۔ فضل بن ہشام ہروی سے بھی مروی ہے کہ میں نے جب یہ سنا کہ محمودی نے بہت سے حج ادا کئے ہیں تو میں نے ان سے دریافت کیا انہوں نے اس کا عدد نہ بتایا بلکہ یوں کہا کہ مجھ سے مدت سی بھلائی دے گی ہی اس کے بعد میں نے پوچھا کہ یہ حج جو تم نے کئے ہیں اپنے نفس سے کئے ہیں یا کسی دوسرے کی نیابتاً انہوں نے جواب دیا کہ حجۃ الاسلام کے بعد جو حج میں نے کیا وہ از جانب جناب رسالت پناہ ادا کیا ہے اور اس کا ثواب ارواح حضرات ائمہ کو ہدیہ کیا اور اس ہدیہ کے ثواب کو مومنین و مومنات کی روحوں کو بخشتا ہے۔ میں نے پھر پوچھا کہ ایسے حج کی نیت تم کس عبارت سے ادا کرتے ہو۔

فضل نے کہا میں یوں کہتا ہوں اللّٰھم انی اھللت لرسولک محمدٍ صلوٰتک علیه وجعلت جزای منک ومنه لا ولیائک الطّاهرین علیهم السلام ووهبت ثوابی عنهم بعبادک المومنین والمومنات بکتابک وسنّة نبیک الخ

عبداللہ بن یحییٰ بن خاقان

یہ خالص الاعتقاد مومنین میں سے یمنا گانوں علاقہ بغداد کے رہنے والے تھے۔ کتاب مختار میں لکھا ہے کہ متوکل عباسی نے ان کو شیعہ ہونے کی تہمت میں قید کیا تھا اور جب ان کی قید کی مدت کو طول ہوا تو انہوں نے ۳ ہزار اشرفیاں عبدالرحمان بن خاقان سے قبول کین تاکہ انہیں متوکل کے قید سے رہائی لائے۔

پھر جب عبدالرحمٰن نے متوکل سے عبداللہ مذکور کی خلاصی کی التماس کی تو متوکل نے عبدالرحمان سے خطاب کیا کہ اے عبدالرحمٰن اگر تیرے بارے میں میرا خیال اچھا نہ ہوتا تو میں کہتا کہ تم رافضی ہو کیونکہ عبداللہ کے چچا نے مجھے خبر دی تھی کہ وہ (عبداللہ) رافضی ہے اور فلاں "یعنی امام علی نقی علیہ السلام" کا وکیل ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کو مار ڈالوں۔

چنانچہ جب یہ خبر عبداللہ مذکور کو پہونچی تو انہوں نے اپنی رہائی سے مایوس ہو کر حضرت امامؑ کی خدمت میں ایک رقعہ لکھا جس کا مضمون تھا کہ

"اے میرے سردار میرے باب میں خوف خدا فرمایئے مجھے خوف ہے کہ میں شک میں نہ پڑوں۔"

عبداللہ کا یہ رقعہ جب آنحضرتؑ کی خدمت میں پہونچا تو آپ نے بخط شریف ایک رقعہ کے جواب میں لکھا اور یہ بھی اس میں تحریر فرمایا کہ میں گڑگڑا کر بارگاہ باری میں تمہاری رہائی کے لئے دعا کروں گا۔ یہ واقعہ سب جمعہ کا تھا اور جمعہ کی صبح کو متوکل کو بخار چڑھا بخار بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ بروز دوشنبہ (پیر) اس کے تمام اہل وعیال نے اس کے سرہانے اکٹھے ہو کر نوحہ وفریاد مچائی۔

متوکل نے عبدالرحمٰن مذکور کو یہ حکم بھیجا کہ تمام قیدیوں کے نام اس کے سامنے پیش کریں تاکہ انہیں رہا کیا جائے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن ہر قیدی کو پیش کرتا تھا اور چونکہ سابق میں عبداللہ کی رہائی کی التماس کے وقت متوکل کا عتاب اس پر ہوا تھا اس لئے عبدالرحمٰن کو عبداللہ کے نام لینے کی طاقت نہ تھی، اینکہ خود متوکل نے عبداللہ مذکور کو یاد کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا عبدالرحمٰن کیوں تم نے عبداللہ کا نام نہیں لیا اور میرے سامنے پیش نہیں کیا۔

عبدالرحمن ۔ میں نے دل میں ٹھان لیا تھا کہ اس کا نام بالکل تمہارے سامنے نہ لوں گا متوکل۔ اس کو اسی وقت آزاد کرو اور اس سے درخواست کرو کہ مجھے معاف کرے پس عبدالرحمن نے عبداللہ کو رہا کیا اسا کے بعد عبداللہ حکم امام علیہ السلام مکہ معظمہ چلا گیا اور وہاں جا کر مجاور ہوا ادھر متوکل نے بھی مرض سے رہائی پائی۔

خیران الخادم القراطیس

خلاصہ میں مذکور ہے کہ آپ مرد ثقہ اور اصحاب اور حضرت ابوالحسن ثالثؑ علی بن محمد یعنی حضرت علی نقیؑ" سے تھے۔ مختار کشی میں خیران سے مروی ہے کہ میں نے بزمانہ حضرت ابی جعفر محمد بن علی بن موسیٰؑ حج ادا کیا اور آپ کے بعض مقرب ملازم کے ذریعہ سے درخواست کی کہ مجھے آن جناب کی خدمت میں پہونچا دے چنانچہ وہ ملازم آنحضرت مجھے خدمت مبارک امام میں لے گیا میں جب در دولت آنحضرتؑ پر پہونچا تو ملازم امام علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ تم اس دوکان پر بیٹھو اس کے بعد وہ خود تو اجازت طلب کر کے چلا گیا دیر ہوگئی تو دربان کے قریب پہونچا اور اس ملازم کے حال کو دریافت کیا اس نے کہا کہ وہ تو باہر گیا میں حیران ہو گیا اس میری حیرانی حالت میں ایک خادم دولت خانہ امامؑ سے باہر آیا اور کہنے لگا خیران تمہارا ہی نام ہے میں نے کہا ہاں؟ وہ بولا اندر آؤ۔ یہ سن کر میں گھر میں داخل ہوا تو میں نے کہا کہ امامؑ صفہ (سایہ بان) میں کھڑے ہیں جس پر کوئی فرش نہ تھا۔

اسی اثناء میں ایک غلام آیا اور ایک جانماز لایا اور زیر پائے آنحضرتؑ بچھادی یہاں تک کہ آپ اس پر بیٹھ گئے جب میں نے آنحضرت علیہ السلام پر نگاہ ڈالی تو مجھ پر ایسی ہیبت و دہشت آنحضرتؑ کی طاری ہوئی میں نے چاہا کہ اس صفہ بلند پر بغیر سیڑھی پر پاؤں رکھے چلا جاؤں۔ (میں نے امامؑ پر سلام کیا) آپ نے میرے سلام کا جواب دیا اور اپنا دست مبارک میری طرف بڑھایا چنانچہ میں نے اس دست مبارک کو پکڑا اور بوسہ دیا اور حالت میں دست امامؑ کو پکڑا اور آنحضرتؑ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بٹھایا اور میں نے بڑی دہشت کی حالت میں دست امامؑ پکڑا اور آنحضرتؑ نے بھی اپنا ہاتھ چھوڑ دیا اب جب میری دہشت کم ہوگئی تو میں نے امام کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

اس کے بعد امامؑ نے مجھ سے دریافت فرمایا اسی اثنا میں مجھے یاد آیا کہ ریّان بن شبیب نے مجھے وصیت کی تھی کہ تم جب خدمت امامؑ میں پہونچو تو ان جناب کی خدمت میں عرض کرنا کہ اے آقا آپ کا غلام ریّان آپ کو سلام کہتا ہے اور اس نے اپنے اور اپنے لڑکے کیلئے التماس دعا کی ہے۔ میں نے جب یہ وصیت خدمت مبارک جناب امامؑ میں عرض کی آپ نے اسی کے لئے دعا فرمائی اور اس کے لڑکے کے

لئے دعا نہ کی۔

میں نے دو مرتبہ اس بات کو دہرایا مگر آنحضرت صلعم نے ریّان ہی کے لئے دعا فرمائی اس کے لڑکے کے لئے دعا نہ فرمائی۔ تب میں نے امامؑ کو وداع کیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

جب میں گھر کے دروازے پر پہونچا تو میں نے آنحضرتؑ کو خادم سے کوئی بات کرتے ہوئے سنا مگر اس کا مضمون نہ سمجھا اتفاقاً وہی خادم میرے نشانِ قدم پر میرے پیچھے آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ امام نے تجھ سے کیا گفتگو فرمائی تھی۔ غلام ریّان کے بچے کے متعلق فرماتے تھے "ھٰذا ولد ولد فی بلاد الشرک فلما اخرج منھا صار الیٰ من ھو اشرّ منھم فلما اراد اللّٰہ ان یھدیہٗ ھداہ" یہ بچہ کفرستان میں پیدا ہوا تھا جب وہاں سے اس کا اخراج ہوا تو یہ پہلے وطن کفرستان سے بڑھ کر شدید الکفر ہوا اب جب چاہے گا وہ اپنی ہدایت سے اس کی رہبری فرمائے گا" ایک روایت میں وارد ہے کہ خیران وکیل آنحضرتؑ تھا۔

خیران کی تصنیف سے مسائل۔ "شرعیہ"۔ میں ایک مجموعہ ہے جن مسائل کو راوی مذکور نے حضرت امام محمد تقیؑ اور حضرت امام علی نقیؑ سے روایت کیا ہے۔

یونس بن عبدالرحمان الیقطینی

یہ آل یقطین کا غلام اور از راہ ولایت بہترین مولود اور غلام با اخلاص جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ تھے اور جناب امام رضاؑ کے وکیل اور ان کا مرتبہ علمائے ملۃ محمدیہ میں مثل انبیائے بنی اسرائیل کے ہے۔

کتاب خلاصہ میں مذکور ہے کہ یونس سردار اصحاب حدیث اہل تشیّع تھے اور ان میں مقدم عظیم المنزلۃ۔ یہ جناب امام موسیٰ کاظمؑ و جناب امام رضاؑ سے روایتیں بیان کرتے تھے۔ خود جناب امام رضاؑ یونس کو اہل علم و فتویٰ (مجتہد) شمار فرماتے تھے جماعت واقفیہ نے ان کو بہت سا مال اس لئے دیا کہ وہ ان کے شریک حال ہو جائیں یعنی یہ کہ اس کے قائل ہوں کہ امامت بس ذات جناب امام موسیٰ کاظمؑ تک منتہی ہوتی ہے مگر یونس نے اس کا انکار کیا اور راہ حق پر ثابت قدم رہے۔

جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ نے داؤد بن القاسم جعفری سے روایت کی ہے کہ میں نے کتاب یوم ولیلہ خدمت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام میں پیش کی جو تصنیف یونس سے تھی۔ امامؑ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کی تصنیف ہے۔ میں نے عرض کی کہ یونس آل یقطین کے غلام کی۔ پس آنحضرتؑ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ اس کے ہر حرف کے بدلے قیامت کے دن ایک نور عطا فرمائے گا۔

اور کشی میں لکھا ہے عبدالعزیز بن التہدی کے حوالے سے کہ یونسؓ قم کے نیکو کاروں میں سے تھے۔ اور جناب امام رضاؑ کے وکیل اور مخصوصین آنحضرتؑ سے تھے راوی مذکور کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام رضاؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں ہر وقت آپ کی خدمت میں نہیں پہونچ سکتا حضور اپنے فاضل ترین اصحاب سے کسی ایک کو معین فرمادیں کہ میں دینی مسائل ان سے حاصل کرلیا کروں۔ امامؑ نے فرمایا کہ یونس بن عبدالرحمٰن سے پوچھ لیا کرو۔

دوسری روایت میں وارد ہے کہ جناب امام رضاؑ یونس کے لئے ۳ مرتبہ ضامن جنت ہوئے ہیں۔ مختار میں شاذان سے مروی ہے کہ اسلام میں سب لوگوں کے اندر کوئی شخص حضرت سلمان فارسی سے فقہ (دینی مسائل ہیں اور ان کے بعد یونس بن عبدالرحمٰنؓ سے بڑھ کر نہیں ہوا۔ خود حضرت امام جناب امام رضاؑ سے روایت میں وارد ہے کہ ابوحمزہ ثمالیؒ اپنے زمانہ میں سلمان (فارسی) ثانی تھے تو اس طرح یونس بن عبدالرحمٰن بھی سلمان ثانی اپنے زمانہ میں تھے۔

نیز مختار میں مروی۔ ہے کہ یونس مذکور ہے ۴۰ بھائی تھے کہ روزانہ ان کے سلام کے لئے جاتے اور اس کے بعد اپنے گھر واپس ہوتے۔ کچھ کھاتے پھر آمادہ نماز ہوتے۔ ادائے نماز کے بعد تصنیف وتالیف کتب میں مشغول ہوجاتے۔ خود یونسؓ سے منقول ہے کہ میں نے بیس سال تک روزہ رکھا۔ اور بیس سال تک لوگوں کو مسائل بتائے۔ مختار میں یہ بھی مروی ہے کہ کسی نے فضلؓ بن شاذان سے پوچھا کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے کہ یونسؓ بقیط (جس کو راستہ میں پڑا ہوا پائیں) آل یقطین تھے۔ فضلؓ نے کہا جھوٹ ہے کیونکہ یونس ہشام بن عبدالملک کے آخری عہد میں پیدا ہوا جس زمانہ میں یقطین کا وجود تھا بلکہ یونس عباسی سلطنت میں تھا۔

فضلؓ بن شاذان سے مروی ہے کہ یونس بن عبدالرحمٰن نے ۴۵ حج اور ۵۴ عمرے ادا کئے تھے اور ہزار جلدیں (رسالے) مخالفین کی رد میں لکھے تھے۔ یہ بھی مروی ہے کہ ایک جماعت نے یونس مذکور کو لکھا ہے کہ قم کے بہت سے شیعہ تمہیں حسد کے مارے نامناسب باتیں کہتے ہیں۔

یونسؓ نے یہ بات سن کر جواب دیا کہ میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ جس کسی شخص کو یقینی محبت حضرت امیرالمومنینؑ سے ہوگی اور سینے جو کچھ (برائی سے) میرے باب میں کہا ہوگا وہ معاف ہے۔

ہوں میں مولائی نہیں ہوں جانتا میں جز کرم میں نے بخشا ظلم جو کرتے وہ میرے ساتھ ہیں

فضلؓ بن شاذان نے کہا ہے کہ یونس نے سعادتِ خدمت امام جعفر صادقؑ حاصل کی مگر آنحضرت سے کوئی حدیث نہیں سنی اور انجام انکار بخیر ہوا۔ یونسؓ نے ۲۲۸ھ بمقام مدینہ طیبہ وفات پائی اور قرب جناب رسالت مآب صلعم میں قیامت تک کے لئے آرام کی نیند سے سونا نصیب ہوا۔ منجملہ

مصنفات یونسؓ جو کہ فہرست۔ کتاب شیخ نجاشی میں مذکور ہے وہ یہ ہے۔ کتاب الدلالہ علی الخیر۔ کتاب السہو۔ کتاب جوامع الآثار۔ کتاب اختلاف الحج۔ کتاب الاحتجاج رد طلاق۔ کتاب جامع الکبیر رد فقہ۔ کتاب التجارات۔ کتاب تفسیر القرآن۔ کتاب الحدود۔ کتاب الآداب۔ کتاب المثالب۔ کتاب علل النکاح۔ وتحلیل (حلّت) متعہ۔ کتاب البعداء۔ کتاب نوادر البوع۔ کتاب دررڈ غلاۃ (جمع غالی) کتاب ثواب حج۔ کتاب النکاح۔ کتاب المتعۃ۔ کتاب الطلاق۔ کتاب در بیان مسائل مستفسرہ از حضرت ابوالحسن موسیٰ الرضا علیہ السلام۔

صفوان بن یحییٰ البجلی الکوفی

خلاصہ اور کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ صفوان اصحاب اہل حدیث وغیرہ کے نزدیک معتبر ترین رواۃ سے تھے اور حضرت امام رضاؑ وامام محمد تقیؑ کے راوی اور وکیل ہونے شرف بھی حاصل کئے ہوئے تھے۔ ان کے باپ (یحییٰ) راویان حضرت صادقؑ سے تھے اور آنحضرتؑ کے نزدیک ان کی بہت کچھ منزلت تھی۔ کتاب فہرست میں صفوان کو معتبر اور سردار لکھا ہے۔ ابوعمر کشی نے کہا ہے کہ ہمارے اصحاب نے جو روایات صفوان سے کی ہیں ان کی صحت پر اجماع کیا ہے اور علم فقہ میں اس کو مسلّم جانا ہے۔ اور صفوان مال تجارت میں عبداللہ بن جندب اور علی بن نعمان کے شریک تھے جو دونوں مومن تھے کہ ہر ایک ان میں سے (واجب وسنن) ۵۱ رکعات (یومیہ) ادا کیا کرتا تھا۔ چنانچہ خانہ کعبہ میں یہ تینوں باہم جمع ہوئے اور عہد کیا کہ جو کوئی ہم میں سے زندہ رہے وہ شخص مرنے والے کی نمازیں۔ روزے۔ زکوٰۃ۔ ادا کرے رکعات ادا کرتے تھے اور ہر سال ۳ ماہ روزے رکھتے اور اپنے مال میں سے ۳ مرتبہ زکوٰۃ نکالتے اور اسی طرح جو ثواب کا کام اپنے لئے کرتے ان دو کے لئے بھی کرتے اور اس کے ثواب کو ان دونوں برادر مومن کی روح کو بخشتے۔ صفوان اس قدر پرہیزگار تھے کہ کسی سفر میں ایک اونٹ کسی کا کرایہ کا لیا ایک دوست نے ۲ اشرفیاں صفوان کو اس لئے دیں کہ یہ امانت رکھ لو اور ہمارے گھر والوں کو کوفہ پہنچ کر دے دینا مگر صفوان نے جب تک شتربان سے نہ پوچھ لیا دو اشرفیاں نہ لیں حضرت امامؑ سے مروی ہے فرمایا دین اسلام یں دو شریکوں کو کوئی زیادہ ضرر دینے والی حب ریاست سے بڑھ کو نہیں ہے اس کے بعد فرمایا لیکن صفوان ریاست، کو پسند نہیں کرتا۔

مختار کشی میں علی بن حسین قمی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام محمد جوادؑ کو سنا آپ ذکر صفوان بن یحییٰ ومحمد بن سنان فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے رضا مند ہو کیونکہ میں ان سے راضی ہوں ان دونوں نے نہ کبھی میری مخالفت کی اور نہ میرے والد بزرگوار کی۔ صفوان کی تصنیف سے

۳۰ر کتابیں ہیں منجملہ ان کے کتاب نجاشی میں جو مذکور ہیں وہ یہ ہیں کتاب الوضو۔ کتاب الصلوٰۃ۔ کتاب الصوم۔ کتاب الحج۔ کتاب الزکوٰۃ۔ کتاب النکاح۔ کتاب الطلاق۔ کتاب الفرائض۔ کتاب الوصایا۔ کتاب الشراوالبیع۔ کتاب العتق والتدبیر۔ کتاب بشارت۔ کتاب النوادر۔

الحسن بن محبوب البجلی الکوفی الزاد

مختار کشی میں مسطور ہے کہ ان کا جداعلیٰ وہب نامی جریر بن عبداللہ بجلی صحابی کا غلام تھا اور زرہ گیری کی صنعت جانتا تھا۔ وہ خدمت حضرت امیرالمومنینؑ میں پہونچا اور حضرت سے یہ التماس کی مجھے جریر سے خرید لیجئے۔ جریر کو یہ بات پسند نہ آتی تھی کہ وہ جوان اس کے ہاتھ سے باہر جائے۔ ان سے کہا کہ میں نے اس غلام کو آزاد کر دیا ہے پس جب اس کی آزادی متحقق ہوگئی تو اس نے خدمت حضرت امیرالمومنینؑ کرنا شروع کیا۔ حسن گندمی رنگت کا تھا۔ پیشانی پر بال نہ تھے۔ ہلکے رخساروں والا۔ محمد بن ابی نصر سے مروی ہے کہ میں نے جناب امام رضاؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ حسن بن محبوب نے ایک تحریر جناب کی ہم تک پہونچائی ہے امامؑ نے فرمایا وہ تحریر سچی ہے اے ابی نصر اس کو زرّاد مت کہہ بلکہ سرّاد کہہ کیونکہ لفظ سرّاد سے جناب باری نے حضرت داؤد کو تعبیر فرمایا ہے اگرچہ زراد سراد۔ معنی کے لحاظ سے ایک ہی ہے (یعنی زرہ گر)

روایت میں وارد ہے کہ حسن کے باپ نے اپنے بچہ کی تربیت میں اس درجہ اہتمام کیا تھا کہ ان کو حدیث لینے کی ترغیب اس طرح پر دی کہ ان سے اقرار کرلیا تھا کہ جو حدیث تم علی بن زمات (روغن فروش) سے سنو اور اس کو لکھو تو ایک درہم میں دیا کروں گا علامہ حلی علیہ الرحمہ نے خلاصہ میں انکو ثقہ اور مرد مہتر و سردار قوم لکھا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ حسن وصفوان اپنے زمانہ کے ارکان اربعہ (۴) میں سے تھے۔ کشی۔ نے روایت کیا ہے کہ ہمارے اصحاب نے اجماع کیا ہے کہ ان کی روایتیں صحیح ہوتی ہیں اور ان کے عالم دین ہونے کا اقرار کیا ہے۔ حسن مذکور کی عمر ۷۵ر سال کی تھی۔ ان کی وفات ۲۲۴ھ میں ہوئی۔

عبداللہ بن جندب البصری

کتاب ابن داؤد میں لکھا ہے کہ شخص مذکور حضرت امام موسیٰ کاظمؑ وجناب امام رضاؑ کے راویوں سے تھا اور علم دین کے اندر جلیل القدر مجتہد۔ ان کی بابت امام ہشتمؑ نے خبر دی تھی کہ میں عبداللہ

سے رضامند ہوں اور خدا اور رسول بھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ پسندیدہ لوگوں میں سے ہے۔

کتاب مختار میں یونس بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ میں نے عبدالرحمٰن بن جندب کو دیکھا کہ وہ غرفہ سے آرہا تھا وہ اپنے زمانہ کا مجتہد تھا میں نے اس سے کہا کہ خدائے تعالیٰ کو آج تمہارے اجتہاد پر نظر تھی ہمارے لئے بھی دعا کرو عبداللہ نے اس طرح قسم کھائی کہ اس خدا کی قسم! جس کے سوا اور کوئی معبود برحق نہیں ہے آج جبکہ میں مقام موقف توقت کئے گئے تھا اور اس وقت تک کہ وہاں سے واپس ہوا اللہ تعالیٰ نے ایک حرف بھی میری مخصوص دعا کا نہی سنا۔ اس لئے کہ میں نے حضرت امام رضاؑ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے۔ "کہ جو شخص غائبانہ اپنے برادر مومن کے لئے دعائے خیر کرے تو آسمان سے ایک منادی دعا دیتا ہے کہ اس کی دعا کے بدلے جو تو نے اپنے مومن بھائی کے لئے کی ہے ایک لاکھ نیکیاں تیرے لئے مقرر کی ہیں۔ پس مجھے یہ بات پسند نہیں آئی کہ ایک لاکھ نیکی کو چھوڑ کر صرف ایک دعا اپنے لئے ایسی کروں جس کے قبول وعدم قبول کا مجھے علم ہی نہیں۔

محمد بن ابی عمیرن الازوی

خلاصہ اور کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ ان کی اصل بغداد سے ہے اور از د میں مقیم تھے۔ ان کی کنیت ابو احمد تھی۔ راوی مذکور خدمت جناب امام موسیٰ کاظمؑ میں پہونچے تھے اور ان جناب سے حدیث بھی سنی تھیں۔ اور ان جنابؑ نے بعض مکالمات میں ان کی بزرگداشت کی اور ان کو ان کی کنیت سے یاد فرمایا۔ محمد مذکور نے حضرت امام رضاؑ سے بھی روایت کی ہے۔ یہ ہمارے اصحاب اور مخالفین کے نزدیک جلیل القدر اور عظیم المنزلہ تھے۔ تقویٰ میں متقی تر۔ اور عابد ترین زمانہ تھے۔ اور حافظ کہ رئیس (فرقہ معتزلہ ہے ان سے اپنے اس رسالہ میں جو (یوب بن) قحطان کی شرافت کو عدنان سے ثابت کر رہا ہے کہ لکھا ہے کہ **انہٗ اوحد اہل زمانہ فی الاشیاء کلھا**۔ کہ محمد بن ابی عمیر تمام باتوں میں وحید دہر فرید حصر تھے۔ اور احمد بن محمد بن عیسیٰ نے اصحاب حضرت امام جعفر صادقؑ میں سے سو راویوں کی کتابیں اور تصنیفات کو راوی مذکور سے روایت کیا ہے۔ محمد بن العمیر کی تصنیفات بہت سی ہیں جن میں سے ابن بطہ نے ۹۴ر کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ مامون عباسی نے (محمد کو بعد وفات حضرت امام رضاؑ قید کیا تھا چنانچہ اس بیچارہ کو مارنے اور شکنجہ میں کھینچنے کی وجہ سے سخت تکلیف پہونچی جو کچھ اس کے پاس (سامان وغیرہ) تھا وہ لے لیا اس دار و گیر میں اس کی کتابیں برباد ہوگئیں صرف ۴۰ر جلدیں منجملہ بہت سی کتابوں کی بچ رہی تھیں جن کا نام اس نے نوادر رکھا۔

مختار کشی میں فضل بن شاذان سے روایت ہے کہ مجھ سے میرے باپ نے پوچھا کہ تم بہت

سے اہل خلاف کے مشائخ سے صحبت رکھتے ہو کیا تم نے ان کی زبانی حدیثیں نہیں سنیں۔ میں نے جواب دیا کہ دیکھا ہے کہ جس وقت وہ اہل خلاف اور اپنے لوگوں سے حدیثیں سنتے تھے تو اس کے بعد باہم ان کو ملا دیتے تھے یہاں تک کہ اہل خلاف کی روایات کو اپنوں (شیعوں) سے بیان کرتے تھے اور شیعوں کی روایتوں کو اہل سنت سے۔ پس مجھے مکروہ معلوم دیا کہ کہیں مجھے بھی یہی خلط نصیب نہ ہو ناچار میں نے اہل سنت کی روایات کو بیان کرنا ترک کیا اور اپنوں ہی کی احادیث پر اکتفا کی۔

مختار کشی میں یہ بھی مذکور ہے کہ میں نے ابی عبداللہ شاذانی کی تحریر دیکھی وہ لکھتے ہیں کہ میں ابو محمد بن شاذان کو کہتے ہوئے سنا کہ محمد بن ابی عمیر کے متعلق اہل خلاف (سنت والجماعت) نے شکایات مامون عباسی سے کیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ تمام عراق کے شیعوں کے نام جانتا ہے چنانچہ مامون نے اس کو حکم دیا کہ اس کو ننگا کر کے (ٹکٹی پر) لٹکا دیں اور سو کوڑے ماریں خود محمد سے منقول ہے کہ جب مجھے دو سو تازیانے لگ چکے تو اس کی چوٹ نے بے تاب کر دیا اور یہ حالت پہونچ چکی تھی کہ میں نام اس جماعت کا ہوں کہ اس اثنا میں میرے کان میں یونس بن عبدالرحمٰن کی آواز آئی کہ اے محمد بن عمیر اپنے خدا کے سامنے موقف حساب میں کھڑا ہونا یاد کرو۔ یہ آواز سن کر مجھ میں قوت آ گئی اور میں نے صبر کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس تکلیف سے رہائی عطا فرمائی اور میں نے دشمن کو شیعوں کے نام نہ بتائے۔

فضل سے منقول ہے کہ محمد مذکور کو بسبب شیعہ ہونے کے ایک لاکھ درہم کا نقصان ہوا۔ ابن شاذان کی دستخطی تحریر سے پایا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے سنا تھا کہ محمد کو عہد ہارون میں ۱۲۴ تازیانے مارے تھے اور اسی کام کا مہتمم بغداد کا کوتوال سندی بن شاہک تھا محمد نے گیارہ ہزار درہم دیکر اس سے رہائی پائی۔ راوی مذکور لکھتا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ کیا محمد بن ابی عمیر مالدار تھے۔ کہا ہاں۔ وہ پانچ لاکھ درہم کے مالک تھے۔

شیخ نجاشی نے بیان کیا ہے کہ جاحظ نے محمد ابن ابی عمیر سے روایت کی ہے اپنی کتابوں میں چنانچہ جس رسالہ کو جاحظ نے در بارہ فخر قحطان بر دعنان لکھا ہے وہاں اس کا بھی ذکر کیا ہے اور اپنی کتاب بیان وتبیین میں (جاحظ) لکھتا ہے۔"حدثنی ابراهیم بن واجه عن ابی عمیرو کان وجهائن وجوه الرافقه و کان جس نے ایام الرشید قبل القضاء، وقیل انهٔ بعد ذالک وقیل بل لیدلّ علیٰ مواضع الشیعه واصحاب موسیٰ بن جعفر و یردی انهٔ ضرب اسواطا بلغت منه فکادان یقر یعظم الالم فسمع محمد بن یونس بن عبد الرحمٰن وهو بقول اتق اللّٰه یا محمد بن ابی عمیر فصبر ففرّح اللّٰه وروئ انهٔ جسس المامون حتیٰ ولی قضاء بعض البلاد۔ (ترجمہ عبارت جاحظ) مجھ سے ابراہیم بن واجہ اور اس سے ابن ابی عمیر نے بیان

کیا جو کہ رئیس روافض تھا اس کو رشید کے زمانہ میں قید کیا گیا تھا عہدۂ قضاء سپرد کرنے سے پہلے بعض کہتے ہیں کہ بعد میں ایسا ہوا تھا بعض کا یہ خیال ہے کہ قید کرنے کی وجہ یہ تھی کہ محمد بن ابی عمیر مقامات شیعہ اور اصحاب حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کو بتا دے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ رشید نے اتنے کوڑے ابی عمیر کے لگوائے جن کی سختی تکلیف کی وجہ سے عنقریب تھا کہ محمد اقرار کرے مگر اس نے محمد بن یونس بن عبد الرحمٰن کو کہتے ہوئے سنا کہ اے محمد بن ابی عمیر خدا سے ڈرو پس اس نے صبر کیا چنانچہ خدا نے یہ مصیبت اس سے دور کر دی ایک روایت یوں بھی وارد ہوئی ہے کہ مامون نے پہلے اس کو قید کیا تھا پھر بعض شہروں کا اس کو قاضی بنا دیا۔

مروی ہے کہ محمد بن ابی عمیر کے ایک بہن تھی جس نے بھائی کے زمانہ قید میں چار سال تک اس کی کتابوں کو زمین کے نیچے دفن کر دیا تھا اسی سبب سے اس کی کتابیں برباد ہو گئیں اس مصیبت کے بعد محمد مذکور بعض احادیث کو قوت حافظہ کی مدد سے بیان کرتا تھا اور بعض کو ان کتابوں کے ذریعہ سے جو لوگوں کے پاس رہ گئیں تھیں۔ محمد کی تصنیف سے ۹۴ رکتابیں تھیں۔ منجملہ ان کے یہ کتابیں ہیں۔ کتاب منازی۔ کتاب مدار۔ کتاب احتجاج ردامامت۔ کتاب حج۔ کتاب فضائل حج۔ کتاب متعہ۔ کتاب استطاعت۔ کتاب ملاحم۔ کتاب یوم ولیلہ۔ کتاب صلوٰۃ۔ کتاب مناسک حج۔ کتاب الصیام۔ کتاب اختلاف الاحادیث۔ کتاب المعارف۔ کتاب التوحید۔ کتاب النکاح۔ کتاب الطلاق۔ کتاب الرضاع۔ علاوہ ازیں نوادر ابی عمیر بہت ہیں اور ان کے راوی بے شمار۔

احمد بن ابی السکونی البرنطی الکوفی

خلاصہ میں مذکور ہے کہ یہ خدمت امام رضا علیہ السلام میں پہونچے اور ان کی قدر ومنزلت امام علیہ السلام کے نزدیک بہت کچھ تھی اور حضرت امام محمد جواد۔ "محمد تقی"۔ کے ساتھ ان کو خصوصیت تھی اور ان کی مروّیہ احادیث کی صحت پر بھی ہمارے اصحاب کا اتفاق ہے اور ان کو فقیہ و مجتہد مانا گیا ہے۔ اور انہوں نے حسن بن علی بن فضال کی وفات کے ۸ رماہ بعد ۲۲۱ھ میں انتقال کیا۔

مختار کشی میں احمد سے منقول ہے کہ ایک روز صفوان بن یحییٰ محمد بن یسار و عبداللہ بن مغیرہ و عبداللہ بن جندب کے ہمراہ میں حضرت امام رضاؑ کی خدمت میں گیا۔ جب میں ایک ساعت بیٹھ چکا تو کھڑا ہو گیا آنحضرت نے اس اثناء میں مجھ سے فرمایا کہ اے احمد بیٹھ جاؤ میں بیٹھ گیا تب امامؑ مجھ سے باتیں کرنے لگے اور میں بھی آپ سے سوالات کرنے لگا اور ان کے جوابات سننے لگا اس میں رات بہت گذر گئی۔ جب میں نے چاہا کہ گھر کو جاؤں آپ نے فرمایا جاتے ہو یا یہیں سو رہو۔

میں نے عرض کی میں آپ پر قربان ہو جاؤں اگر حضور مجھے یہیں ٹھیرنے کو فرمائیں تو میں ٹھہر جاتا ہوں۔ آپؑ نے فرمایا کہ یہیں سو رہو کہ غیر وقت ہو گیا ہے لوگوں نے گھروں کے دروازے بھی بند کر لئے ہیں اور سو گئے ہیں۔ تب امامؑ اٹھ کر دولت سرا میں تشریف لے گئے جب مجھے یہ گمان ہو چکا کہ آنحضرتؐ گھر میں پہونچ چکے ہیں تو میں سجدہ میں جھکا اور سجدہ میں میں نے کہا اس خدا کا شکر ہے جس نے اپنی حجۃ اور وارث علوم انبیاء کو میری تمام بھائیوں اور اصحاب کی نسبت مجھ سے زیادہ عنایت فرما بنایا ابھی میں سجدہ ہی میں تھا کہ امامؑ بھی تشریف لے آئے اور اپنے پائے مبارک سے مجھے ہوشیار کیا میں کھڑا ہو گیا آنحضرتؐ نے میرا ہاتھ پکڑ کر بھینچا اور فرمایا اے احمد تم کو معلوم ہو کہ (ایک مرتبہ) حضرت امیر المومنین علیہ السلام صعصعہ بن صوحان ''صحابی'' کی بیمار پرسی کو تشریف کو لے گئے جب آپ (اس کام سے فارغ ہو کر) ان کے سرہانے سے اٹھے تو آپ نے ان سے فرمایا اے صعصعہ اپنے بھائیوں پر میری اس بیماری کی وجہ سے فخر نہ کرنا اور خدا سے ڈرتے رہو۔ امامؑ نے یہ بات فرما کر پھر اپنے حرم سرا میں مراجعت فرمائی۔

احمد سے یہ روایت بھی مروی ہے کہ جس زمانہ میں حضرت امام رضاؑ کو مامون کے حکم سے مدینہ سے بصرہ کی طرف لیجا رہے تھے نہ کہ کوفہ کی طرف تو میں اس وقت قادسیہ میں تھا تو امام علیہ السلام نے میرے پاس ایک قرآن مجید بھیجا۔ میں نے جب اس مصحف شریف کو کھولا موجودہ لوگوں کے قرآن سے اس میں ایک بہت بڑی لمبی سورۃ کو دیکھا میں نے اس میں سے چند آیتیں حفظ کر لیں اتنے میں مسافر نامی آپ کا غلام آیا اور وہ مصحف مجید مجھ سے لے گیا اور اس نے ایک رومال میں رکھ کر اس پر مہر کر دی۔ پس میں نے جو آیتیں یاد کی تھیں وہ بھول گیا ہر چند میں نے اس کی کوشش کی کہ ایک کلمہ مجھے ان میں سے یاد آئے مگر ممکن ہی نہ ہوا۔

عبداللہ بن المغیرہ ابو محمد الجلی العقلی الکوفی

کتاب خلاصہ و ابن داؤد میں مذکور ہے کہ عبداللہ راویانِ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے تھے۔ مرد معتبر اور دینداری علم و تقویٰ میں اپنے ہم عصروں میں کوئی ان کے مقابل نہ تھا۔ اصل میں یہ واقفی مذہب کے پابند تھے۔ عبداللہ سے مروی ہے کہ جب میں نے حج ادا کر لیا تو میں نے دستِ سوال بدرگاہ قاضی الحاجات بلند کیا اور اس سے اپنی ہدایت چاہی پس میرے دل میں یہ بات آئی کہ مجھے خدمت امام رضاؑ کرنی چاہئے چنانچہ میں جا کر آنحضرتؐ کے دولت سرا کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا فوراً ایک آواز آئی تو میں نے آنحضرت علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے عبداللہ بن مغیرہ اندر آ۔ جب میں اندر آیا اور

آنحضرتؐ نے مجھے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمالی اور دین میں تیری رہبری فرمائی۔ میں نے عرض کی کہ میں خدا کو گواہ قرار دیتا ہوں اسبات پر کہ آپ خدا کی طرف سے اس کے بندوں پر حجت و امین ہیں۔ واللہ اعلم۔

زکریّا ابن آدم عبداللہ بن سعد الاشعری القمی

خلاصہ میں مذکور ہیکہ یہ ثقہ اور جلیل القدر اور حضرت امام رضاؑ کے نزدیک مکرم تھے۔ کشی نے زکریا سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت امام رضاؑ کی خدمت میں عرض کی میں چاہتا ہوں کہ اپنے عزیزوں سے علیحدہ ہو جاؤں کیونکہ ان میں جہالت زیادہ ہو گئی ہے۔ امامؑ نے فرمایا تو ایسا مت کر کیونکہ خدائے تعالیٰ تیری وجہ سے جہالت کو ان کی دور کر دے گا۔ جس طرح بغداد والوں کی جہالت کو بذریعہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ دفع فرماتا تھا۔

علی بن میسب ہمدانی سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام ہشتم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں دور رہتا ہوں اور ہر وقت خدمت مبارک میں حاضر نہیں ہو سکتا میں دینی باتیں آپ کے کسی صحابی سے پوچھا کروں۔ امامؑ نے فرمایا کہ زکریا ابن آدم قمی سے دریافت کر لیا کرو کہ وہ دین و دنیا میں محفوظ ہے۔ ''اس کا دین و دنیا دونوں اچھے ہیں''۔ منجملہ ان نیکیوں کے جن پر زکریا فائز تھے یہ تھی کہ ایک سال آنحضرت علیہ السلام کے ہمراہ راہ حج میں مدینہ منورہ سے فن حدیث میں ایک کتاب شیخ نجاشی نے بیان کیا ہے کہ زکریا کی تصنیف سے فن حدیث میں ایک کتاب ہے اور ایک اور کتاب بھی ہے جس میں وہ مسائل اس نے جمع کئے تھے جن کو اس نے امام سے سنا تھا۔

احمد بن عمر ابن ابی شعبہ الحلی

خلاصہ میں مذکور ہے کہ احمد مرد ثقہ اور راویان حضرت امام موسیٰ کاظمؑ جناب امام رضا علیہ السلام سے تھے۔ احمد مذکور چچا زاد بھائی تھے۔ عبیداللہ۔ عبداللہ علی عمران۔ محمد باشندگان حلب کے۔ جن کا باپ راویان حضرت امام جعفر صادقؑ سے تھا۔ یہ سب ثقات تھے۔

مختار کشی میں احمد سے منقول ہے کہ موقف جس وقت میں خدمت امام رضاؑ میں پہونچا اور یوں عرض کیا کہ ہم خاندانی مالدار و صاحب نعمت تھے کہ خدائے تعالیٰ نے ایک مرتبہ وہ مال نعمت ہم سے زائل کر دیا یہاں تک حالت پہونچ گئی کہ ہم اب ان کے دست نگر ہو گئے جو ہمارے محتاج تھے۔ امامؑ نے فرمایا

اے احمد بن عمر خوشا حال تمہارا میں نے عرض کیا میں قربان جاؤں میرا تو یہ حال ہے جو بیان کر چکا۔

تب امامؑ نے فرمایا اے احمد کیا تمہیں یہ اچھا معلوم ہوگا کہ ان دنیا کے جابروں کے بعض گناہ وخطا تم پر پڑ جائیں اور پھر تمام دنیا پر از زر تمہیں دیدی جائے۔ میں نے عرض کیا نہیں تو اے فرزند رسول۔ "پس امامؑ ہنس پڑے اور لبِ جاں بخش سے یوں گویا ہوئے کہ جس خزانے کا ذکر جناب باری نے قرآن مجید میں فرمایا ہے ذیل آیہ وکان تحتہَ کنزٌ لھما'۔ اس دیوار کے نیچے ان دونوں تیموں کا خزانہ تھا۔ اس میں ایک سنہری تختی تھی جس میں لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللہ۔ عجبت لمن ایقن بالموت کیف یرکن الیھا وینبغی لمن غفل عن اللہ ان لا یستبطی اللہ فی رزاقہٖ ولا یمہ فی قضائہٖ۔ "مجھے تعجب ہے اس شخص کے متعلق کہ جس موت کا یقین ہوگیا ہو تو وہ کیونکر اس دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے اور جو شخص یادالٰہی سے غافل ہوتا ہے تو اللہ اس کے رزق میں تاخیر نہیں کرتا اور نہ اس کی حاجت براری میں اس کو غمگین کرتا ہے" اسکے بعد امامؑ نے فرمایا اے احمد تم رضا مند ہوئے خدا و اہل بیت علیہ السلام سے میں نے عرض کیا کہ میں خدا سے اور تم سے رضا مند ہوا۔

عیسیٰ بن جعفر ابن عاصم العاصمی

کتاب ابن داؤد مذکور ہے کہ عیسیٰ ممدوح تھے۔ کتاب مختار میں محمد بن الفرج سے منقول ہے کہ میں نے ایک رقعہ خدمت امامؑ میں لکھا اور میں نے امام علیہ السلام سے حال عیسیٰ بن جعفر ابن عاصم ابن علی وابن راشد وابن ہند پوچھا۔ امام علیہ السلام نے جواب میں تحریر فرمایا۔ "ذکرت ابن راشد رحمہُ اللّٰہ فانہٗ عاش سعید اومات شھیداً "۔ تو نے ابن راشد کا ذکر کیا خدا اس پر رحم کرے وہ بحالتِ زندگی سعید رہا اور شہید کی موت مرا"۔ پھر آپ نے ابن ہند و عاصمی کے لئے دعا فرمائی اور مطلع فرمایا کہ ابن ہند کو شیعہ ہونے کے سبب اور محبت اہل بیت کی وجہ سے۔ "(دشمنوں نے) اتنا مارا کہ وہ مرگیا۔ اور عیسیٰ کو ۳۰۰ تازیانے مار کر دجلہ میں گرادیا۔

عبداللہ بن طاؤس نیکوں کاروں اور اصحاب جناب امام رضاؑ سے تھے۔ ان کی عمر سو سال ہوئی۔

کتاب مختار عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے خدمت امام رضاؑ میں عرض کیا کہ میں نے اپنی لڑکی کا عقد اپنے بھتیجے سے کردیا ہے جو کہ شرابی ہے اور لفظ طلاق زبان پر بہت لاتا ہے۔ آنحضر نے فرمایا کیا وہ۔ "تیرا داماد" تیرے بھائیوں امامیہ مذہب سے ہے تب تو اس کو کوئی مضائقہ نہیں اور اگر وہ اہل سنت

والجماعت سے ہے تو تم اپنی لڑکی اس سے علیحدہ کرلو کہ اس کا ارادہ صیغۂ طلاق سے جدائی کا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے آپ کے آباء طاہرینؑ سے سنا ہے اور مجھ تک یہ روایت پہونچی ہے ان کا ارشاد ہے ایّاکم والمطلقات ثلثا فی المجلس فانّھن ذات ازواج۔ پرہیز کرو۔ عقد کرنے سے ان عورتوں سے جن کو ایک ہی جلسہ میں ۳ طلاق دی گئی ہوں۔ جیسا کہ طریقہ اہل سنت ہے۔ کیونکہ وہ شوہر والیاں ہیں۔ امامؑ نے سن کر فرمایا "ہذا فی اخوانکم لا فیھم لانّ من وان بدین قوم لزفھم احکامھم "حکم تو ہمارے ہم مذہب بھائیوں کے لئے ہے نہ اہل خلاف کیلئے کیونکہ جو شخص کسی قوم کا دین اختیار کرتا ہے اس کو ان کے احکام لازم ہوجاتے ہیں" عبداللہ سے مروی ہے کہ میں نے امام علیہ السلام سے روایت کیا کہ کیا یحییٰ بن خالد نے آپ کے پدر بزرگوار حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کو زہر دیا تھا فرمایا ہاں اس نے ۳۰ خرمائے تازہ میں زہر ملا کر دیا تھا۔ میں نے پوچھا کہ کیا امامؑ کو معلوم تھا کہ یہ کھجوریں زہر آلود ہیں آپ نے فرمایا کہ اس وقت محدّث آپ کے سامنے سے غائب ہوگیا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ محدث کون ہے۔ امامؑ نے فرمایا وہ ایک فرشتہ ہے جو کہ جبرئیلؑ و میکائیلؑ سے بڑھ کر ہے وہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی ہمراہ تھا اور آئمہ کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور یہ نہیں ہے کہ جب طلب کریں اس کو پائیں۔

مؤلف (غلام۔ جناب قاضی صاحب) کہتا ہے یہی وہ موقع ہے جس کے متعلق وارد ہے۔ "مشاھدۃ الانوار بین التجلّی والاستار" ۔نوروں کے مشاہدے کبھی جلی اور کبھی خفی ہوتے ہیں۔

عارف شیرازی نے اس بارہ میں خوب لکھا ہے ؎

یکے پر سیداران گم کردہ فرزند   کہ اے روشن گھر پیر خردمند
زمصرش بوئے پیراہن شنیدی   چرا در چاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوال بوئے پیراہن شندیدی   دمے پیدا ودیگر دم نہانست
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم   گہے بر پشت پائے خود نہ بینم
اگر درویش بر یک حال ماندے   سر دست از دو عالم پر فشاندے

یزید بن اسحاق القنوی المقلب الشعر

خلاصہ میں مذکور ہے کہ وہ مذہب شیعہ کی فرد ارفع تر تھے۔ اور ان کا بھائی محمد حیات حضرت موسیٰ کاظمؑ کا قائل تھا۔ حضرت امام رضاؑ نے دعا کی یہاں تک کہ اس کو بصیرت حاصل ہوئی اور مائل بحق ہوا۔

مختار میں مدینہ سے منقول ہے کہ مجھ میں اور میرے بھائی محمد بن در بارہ حیات حضرت امام

موسیٰ کاظمؑ مناظرہ واقع ہوا۔ جب گفتگو بڑھ گئی تو اس نے مجھ سے کہا کہ اگر تمہارے صاحب کو منصب امامت حاصل ہے جس کا تم دعویٰ کرتے ہو تو تم ان سے درخواست کرو کہ وہ میرے لئے حق کی طرف پلٹ آنے کی دعا کریں۔ چنانچہ میں نے خدمت امام رضا علیہ السلام میں جا کر عرض کیا میری جان تم پر قربان ہو میرا ایک بھائی ہے جو مجھ سے عمر میں بڑا ہے اور آپ کے پدر بزرگوار کی حیات کا قائل ہے اور میں نے اس بارہ میں اس سے بہت کچھ مناظرہ کیا ہے یہاں تک کہ اس نے ایک روز مجھ سے کہا کہ اگر تمہارے آقا کو درجہ عالیہ امامت جس کا دعویٰ تم کرتے ہو حاصل ہے تو ان جناب سے درخواست کرو تا کہ میرے لئے حق کی طرف رجوع ہونے کی دعا کریں۔ امام علیہ السلام نے جب یہ بات مجھ سے سنی تو آپ نے اپنا چہرہ مبارک قبلہ کو کیا اور جو کچھ چاہا فرمایا اس کے بعد فرمایا **اللّٰھم فخذ بسمعہٖ وبصرہٖ ومجامع قلبہٖ حتیٰ تردہٗ الیٰ الحق۔** اللہ اسکے کان اور آنکھوں اور دل کو اپنے قبضہ میں کر لے تا اینکہ یہ حق کی طرف رجوع کرے" اس دعا کے تھوڑے عرصہ بعد اس کے حق کی طرف رجوع کیا۔

ابو الصلت بن عبد السلام بن صالح الہروی

کتاب داؤد میں انکو ممدوح لکھا ہے۔ مختار کشی میں عباس دوری سے مروی ہے کہ میں نے یحییٰ ابن نعم سے سنا کہ ابو الصلت پاکیزہ حدیث والے تھے کبھی جھوٹ نہ بولتے تھے۔ کٹر شیعہ تھے طاہر بن علی بن احمد سے مروی ہے کہ ابو الصلۃ کا مولد "جائے ولادت" مدینہ منورہ تھا اور یہ بھی کہا کہ میں نے بتداء بن حسن اسفرائنی سے سنا اور اس سے احمد بن سعید رازی نے کہا کہ ابو الصلت ہروی ثقہ اور حدیث میں مامون تھے لیکن محبت اہل بیتؑ بہت رکھتے تھے اور یہی ان کا دین و مذہب تھا۔

مؤلف کہتا ہے کہ جو لوگ دین ابو الصلت ہروی میں کلام کرتے ہیں ظاہراً انہیں معلوم نہیں کہ وہ مدینہ میں پیدا ہوئے ہیں نہ ہرات میں۔ اور باوجود اس کے انہوں نے رباعی مشہور کے مضمون کو جو اہل ہرات کے بارہ میں کی گئی ہے۔ ایسا ہے۔ **رباعی**

در شہر ہری خدانہاد و صلاح معروف در و منکر محظور مثاح
شش در آن شہر نیابند صحاح کون وکس ودین وعہد وسوگند نکاح

مرزبان ابن عمران القمی الاشعری

خلاصہ میں مذکور ہے کہ کشی نے مرزبان سے روایت کی ہے کہ میں نے خدمت امام رضاؑ میں عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ مشکل ترین امور آنحضرتؑ سے دریافت کروں وہ یہ ہے کہ آیا میں آپ کا شیعہ بھی ہوں یا نہیں۔ آنحضرتؑ نے فرمایا ہاں دوسری مرتبہ میں نے پوچھا کہ میرا نام اس دفتر میں بھی درج ہے جس میں تمہارے شیعوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔

مسافر

یہ غلام ہے حضرت امام رضا علیہ السلام کا۔ کشی میں اس کو ممدوح لکھا ہے اور اس سے روایت کی ہے کہ جس وقت آنحضرت علیہ السلام پر خراسان میں آثار شہادت نمودار ہوئے مجھے حکم دیا جاؤ اپنے آقا ابی جعفر محمد جوادؑ "حضرت امام محمد تقی علیہ السلام" کے پاس۔

عبد العزیز ابن مہتدی القمی

کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ یہ حضرت امام رضا علیہ السلام کے وکیل اور اصحاب سے تھے۔ ثقہ و صالح بھی۔ کتاب مختار میں عبد العزیز سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام محمد جوادؑ کی خدمت میں رقعہ لکھا کہ آپ کے پدر بزرگوار کے مال میں سے میرے پاس کچھ مال ہے جس کو آپ فرمائیں میں دیدوں۔ امام نے جواب میں لکھا کہ جو کچھ تم نے رقعہ میں لکھا ہے میں سمجھ گیا۔ خدا کے لئے ہر طرح کی تعریف زیبا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کرے اور ہم پر اور تجھ پر رحم فرمائے اور تجھ سے رضا مند ہو بوجہ میری رضا مندی کے۔ محمد بن سعید بن کلثوم المروزی بزرگ ترین ہمارے اصحاب کے و متکلمین نیشاپور سے ہیں۔ ابن داؤد نے روایت کی ہے کہ محمد پہلے خارجی تھے بعد اس کے شیعہ ہوئے۔

الرّیان بن الصلت الاشعری البغدادی القمی الخراسانی الاصل

خلاصہ میں مذکور ہے کہ یہ مرد ثقہ راست گفتار راوی حضرت امام رضا علیہ السلام تھے۔

کتاب مختار میں معمر بن جلاد سے منقول ہے کہ ریان مذکور نے اپنی ابتدائی حالت میں مجھ سے یہ درخواست کی کہ میں اس کے لئے مسجد امام میں داخلہ کی آنحضرتؑ سے اجازت لوں اور یہ کہ ایک

جامہ آنحضرتؑ عطا فرمائیں اور کچھ دراہم رضویۃ جو آپ کے اسم شریف کے ساتھ سکّہ میں ڈھالے گئے ہیں مرحمت ہوں۔ میں جب ریّان سے علیحدہ ہو کر خدمت امام میں متوجہ ہوا تو میں نے امامؑ کے قاصد کو راہ میں لکھا جو میری ہی طلبی کے لئے آرہا تھا۔ پھر جب میں آپ کی خدمت میں پہونچا۔ آپ نے پوچھا تم کہاں تھے۔ میں۔ ریّان نامی کے پاس تھا۔

امام علیہ السلام۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم سے ملے۔

میں۔ قربان جاؤں۔ کیوں نہیں؟ تب میں نے زبان پر کلمہ سبحان اللہ جاری کیا۔

امامؑ۔ تیری اس تسبیح کا کیا باعث ہے۔

میں۔ اس لئے کہ ابھی اس (ریّان) کی یہی تمنا تھی۔

امامؑ۔ مومن منجانب توفیق ہوتا ہے اس کو کہدو کہ چلا آئے اب جبکہ ریّان توفیق الٰہی کی مدد سے خدمت امام میں پہونچے تو آپکے سامنے بیٹھ گئے اور میں کھڑا رہا۔ امامؑ سے تم بھی بیٹھنے کے لئے فرمایا۔ ریان نے پھر ایک جامہ کی خواہش کی آپ نے وہ بھی اسے بخشا ریان نے اس کے بعد جب جانا چاہا تو اپنے چند درہم اس کے ہاتھ میں رکھ دیے۔

خلاصہ میں مذکور ہے کہ انکا لڑکا علی بھی ثقہ اور امام ہادی علیہ السلام (حضرت علی نقیؑ) کا وکیل تھا۔

علی بن مہزیار الاہوازی

کتاب خلاصہ ونجاشی میں مذکور ہے کہ یہ دورق کے رہنے والے تھے۔ ان کا باپ عیسائی تھا پھر مسلمان ہوا اور خدائے تعالیٰ نے اس کو مذہب حق کی رہنمائی فرمائی علی نے دین کی تعلیم پائی اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت بیان کی اور حضرت امام محمد جواد علیہ السلام وامام علی ہادی علیہ السلام سے خصوصیت رکھتا تھا بلکہ بعض اطراف میں آنحضرات کا وکیل بھی تھا کہ ان اطراف کے شیعوں کے نام امام کا فرمان بھی جاری ہوا جس سے اس کی جلالت قدر و منزلت کا پتہ ملتا ہے اور منجملہ توقیعات کے کے جو بخط حضرت امام محمد جواد علیہ السلام ان کے بارے میں واقع ہوئی یہ ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. یاعلی احسن اللّٰہ جزاک واسکنک جنتہٗ ومنعک فر الجزی فی الدنیا والآخرۃ وحشرک معنا یا علی قد بلوتک وخبّرتک فی المضحۃ والطاعۃ والخدمۃ والتوقیر والصیاق بما یجب علیک فلو قلت انی ثم اریٰ منک جوت ان اکون صارق فجراک اللّٰہ حیات الفردوس خزلا فما خفی علیٰ مقامک ولا خدمتک فی الحرّو البرد فی اللیل والنہار نسئل اللّٰہ اذا جمع الخلائق

لِلقیامۃ ان یجمع بینی بینک انہٗ سمیع الدعاء (ترجمہ فرمان امام علیہ السلام) اے علی اللہ تعالیٰ تیرے اجر کو بہتر فرمائے اور اپنے بہشت میں ساکن بنائے۔ اور دین و دنیا کی رسوائی سے تجھے باز رکھے اور ہمارے ساتھ قیامت کے دن تیرا حشر ہو۔ اے علی میں نے تیری آزمائش اور جانچ کرلی ہے خیر خواہی۔ فرمانبرداری۔ خدمت گذاری۔ عزت افزائی اور فرائض کی بجا آوری میں اب اگر میں یہ کہوں کہ میں نے تجھ سا آدمی نہیں دیکھا تو میں امید کرتا ہوں کہ میں اس کہنے میں سچا ہوں۔ فردوس کی زندگی خدا تجھے بدلہ دے۔ مجھ پر تیرا مرتبہ مخفی نہیں ہے اور نہ تیری گرمی وسردی وشب و روز کی خدمت۔ ہم اللہ سے درخواست کرتے ہیں کہ بروز قیامت مجمع خلائق کے دن تجھ میں اور مجھ میں جمع فرمائیے یقیناً وہ دعا کا سننے والا ہے۔

دوسرا فرمان وہ ہے جب کہ راوی مذکور بغداد میں تھا تو حضرت امام محمد تقیؑ نے اس کی تحریر کے جواب میں لکھا۔ قد وصل الیٰ کتابک وقدفہمت ماذکرت فیہ وقد ملاتنی سرورا ضرّک اللّٰہ وانا ارجوف للکافی والدافع ان یکفی کید کل کائدٍ انشاء اللّٰہ (ترجمہ فرمان) یقیناً میرے پاس تیری تحریر پہونچی اور مندرجہ فیہ کو میں نے سمجھ لیا تم نے مجھے خوشی سے بھردیا خدا تمہیں بھی مسرور کرے اور میں اس ذات سے امید کرتا ہوں جو معاملات عالم کے لئے کفیل اور ان کی مصیبتوں کو دفع کرنے والی ہے کہ وہ ہر ایک چال باز کی چال کو انشاء اللہ کافی ہوگا۔

ایک اور فرمان میں آپنے یوں تحریر فرمایا "وقد فہمت ماذکرت من امر القمیّن خلصہم اللہ وفرّج عنہم وسردتنی بما ذکرت من بعد ذالک ولم نزل تفعل. سرّک بالخیر ورضی عنک برضای عنک وانا ارجون اللّٰہ حسن الفعل والرقّہ واقول حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل (ترجمہ فرمان) میں اہل قم والوں کے معاملہ کو جس کا ذکر تم نے اپنے تحریر میں کیا ہے سمجھ گیا ہوں اللہ تعالیٰ اس سے ان کو رہائی اور خلاصی دے اور اس کے بعد جو کچھ تو نے لکھا ہے اس سے تو نے مجھے شاد کیا۔ برابر تو ایسے ہی کام کرتا رہے۔ اللہ تجھے بھی جنت عطا فرما کر مسرور فرمائیے اور بوجہ میری رضامندی کے تجھ سے رضامند ہو اور میں اللہ سے حسن فعل اور نرمی کا (تمہارے متعلق) امیدوار ہوں۔ اور یہ کہتا ہوں کہ اللہ ہمارے لئے کافی اور اچھا کفیل ہے۔

علیؑ سے مروی ہے کہ میں نے ایک رقعہ آنحضرتؑ کی خدمت میں لکھا اور اپنے بارے زمین وسعت رزق کی التماس کی اور نیز یہ کہ جو مال آپ کا میرے پاس ہے اگر سہواً اس میں کمی ہو جائے تو بحل فرمائیں۔ امام علیہ السلام نے جواب میں لکھا۔ وسع اللّٰہ علیک وما سئلت بہ التوسعۃمن اہلک واہل بیتک ولک یا علی عندی فی اکبر التوسعۃ وانا اسئل اللّٰہ ان یصبحک بالعافیۃ وقدمک علیٰ العافیۃ ویسرک علیٰ العاقبۃ انہ سمیع الدُّعاء

(ترجمہ فرمان) اللہ تجھ کو وسعت دے اور تو نے جو اہل وعیال کی وسعت کے لئے التماس کی ہے تو اے علی تمہارے لئے میرے نزدیک بہت بڑی وسعت ہے اور میں اللہ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ تم عافیت سے بسر کرو اور انجام بخیر ہونے کی وجہ سے تم مسرور ہو یقیناً وہ دعا کا سننے والا ہے۔

ایک دوسری حدیث بھی علی سے مروی ہے کہ میں نے خاص اپنے لئے امام سے دعا کی خواہش ظاہر کی آپ نے مجھے تحریر فرمایا۔ ولمّا ما سئلکت فی الدعا فانّک بعد سلت نذری کیف جعلک اللہ عندی وربما سمیتک باسماک والسبک مع الکثر ھنایتی ومحبتی لک ومعرفتی بما انت علیہ فاداصمن اللہ لک وفصل ما رزقک من ذالک ورضی عنک رضائی عنک وبلغک افضل ذالک وابرّلک الفردوس الاعلیٰ برحمتہٖ سمیع الدعاء. حفظک اللہ وتولّاک ورفع السوء عنک برحمتہٖ وکتب بخطی۔

(ترجمہ فرمان) اور تو نے جو دعا کی بابت التماس کی ہے گر تمہیں ابھی تک یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ اللہ نے تمہاری قدر میرے نزدیک کتنی بنائی ہے اور اکثر میں نے تم کو تمہارے نام ونسب سے پکارا ہے چونکہ میں تم سے زیادہ محبت رکھتا ہوں اور اس قدر عنایت کرتا ہوں اور تمہاری بابت مجھے پوری شناخت ہے اللہ ان باتوں میں جو اس نے تمہیں دی ہیں زیادہ ہمیشگی عطا فرمائے اور میری رضامندی کی وجہ سے تم سے مہربانی سے داخل فرمائے یقیناً وہ دعا کا سننے والا ہے اللہ تعالیٰ تیری حفاظت ونگرانی فرمائے اور اپنی رحمت سے برائی تم سے دور رکھے۔ یہ تحریر میں نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہے۔

مختار میں مذکور ہے کہ علی بن مہزیار اصل ہندگان کے رہنے والے تھے جو کہ فارس کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے پھر اہواز میں آ کر سکونت اختیار کی۔ ان کی عادت ایسی تھی کہ جب نماز صبح ووظائف سے اس کے فارغ ہوتے اور سورج نکلتا تو سجدے میں جاتے اور سر اس وقت اٹھاتے جب تک اپنے ہزار برادران مومن کے لئے وہی دعا نکرتے جو اپنے لئے کرتے۔ ان کی پیشانی پر سجدہ کا نشان مثل زانوئے شتر ہو گیا تھا۔

کتاب نجاشی میں مذکور ہے کہ علی کی تصانیف مشہور ہیں منجملہ ان کے کتاب الوضو۔ کتاب الصلوٰۃ کتاب الزکوٰۃ۔ کتاب الصوم۔ کتاب الحج۔ کتاب الطلاق۔ کتاب الحدود۔ کتاب الدیات۔ کتاب العتیق۔ والتدبیر۔ کتاب البعارات۔ کتاب المکاسب۔ کتاب التفسیر۔ کتاب الفضائل۔ کتاب المثالب۔ کتاب الدعا۔ کتاب التجل والمرّدۃ۔ کتاب المزاء۔ کتاب الرد علی الغلات۔ (جمع غالی) کتاب الوصایا۔ کتاب المواریث۔ کتاب الخمس۔ کتاب الشہادت۔ کتاب الفضائل المومن وبرّ ہم۔ کتاب الملاحم۔ کتاب التقیہ۔ کتاب الصید والذبائح۔ کتاب الزہد۔ کتاب الاشربہ۔ کتاب النذور

والایمان والکفارات اور الحسین بن سعید نے کتاب الحروف۔ کتاب القائم۔ کتاب الشارات۔ کتاب النوادر اور رسائل علی بن اسباط کو اور زیادہ کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

الحسن بن سعید ابن حماد بن مہران جمّاد الکوفی الاہوازی

ان کا دادا مہران غلام حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تھا اور حسن نے علی بن مہزیار اور اسحاق بن ابراہیم حسینی کی خدمت جناب امام رضاؑ میں رہنمائی کی تھی۔ پھر علی بن ریان آنحضرتؑ کی خدمت میں پہونچا۔ حاصل کلام حسن ان ہر مذکورہ اشخاص کی ہدایت وباعث رجوع ومعرفت مذہب حق ہوا۔ انہوں نے حسن سے حدیث سنی اور اسکی وجہ سے مشہور ومعروف ہوئے اور اسی طرح عبداللہ بن محمد حسینی کو آنحضرتؑ کی خدمت میں رہبری کی۔ اور حسن مذکور ان ۳۰ رکتابوں کی تصنیف میں شریک تھا جو اس کے بھائی کی طرف منسوب ہیں دونوں بھائی ثقہ تھے۔

مختار میں روایت ہے کہ حسین کی پچاس کتابیں تصنیف سے تھیں اور وہ ۳۰ رکتابیں جس طرح شیخ نجاشی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے یہ ہیں۔ کتاب الوضو۔ کتاب الصلوٰۃ۔ کتاب الزکوٰۃ۔ کتاب الصوم۔ کتاب الحج۔ کتاب النکاح۔ کتاب الطلاق۔ کتاب العتیق والتدبیر والمکابنہ۔ کتاب الایمان والدذور۔ کتاب التجارات۔ والاجارات۔ کتاب الشہادات۔ کتاب الصید والذبائح۔ کتاب المکاسب۔ کتاب الاشربہ۔ کتاب الزیارات۔ کتاب التقیہ۔ کتاب الرد علیٰ الغلاۃ۔ کتاب المناقب۔ کتاب المثالب، کتاب الزہد۔ کتاب مروۃ۔ کتاب الحقوق المومنون فضلھم۔ کتاب تفسیر القرآن۔ کتاب الوصایا۔ کتاب الفرائض۔ کتاب الحدود۔ کتاب الدیات۔ کتاب الملاحم۔ کتاب الدعاء۔

احمد بن داؤد بن سعید الرازی الجرجانی

شیخ طوسی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ کنیت ان کی بو یحییٰ ہے۔ اصل میں یہ منجملہ محدثین اہل سنت اور انہیں کے ہم عقیدہ تھے۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ نے ان کو مذہب حق امامیہ کی رہنمائی فرمائی۔

کہتے ہیں کہ یحییٰ کو اس عداوت کی وجہ سے جو ان کو اہل سنت کی جماعت سے صحت احادیث نبویہ کی متعلق تھی وہ لوگ اس پر غضبناک ہوئے اور محمد بن طاہر حاکم عصر کے سامنے اس کی چغلی کھائی اس نے اس کے پیٹنے اور جان سے مارنے کا حکم دیا۔ آخر کار مسلم نامی جو بزرگ ترین محدثین سے تھے اس نے گواہی دی کہ حق احمد کی طرف ہے اور دوسرں نے طرف ثانی کی رعایت کے خیال سے شہادت کو چھپایا۔

اوران کی بنا بر روایۃ حشویہ۔ کتاب در بیان مذہب حشویہ فضائح۔ برائیاں کتاب مفاخرۃ البکر یہ والعمریہ ۔کتاب در بیان رد اخبار کاذبہ جس میں ہر ایک اس حدیث کا بیان ہے جس کو مخالفین نے اپنے سلف کے فضائل میں روایت کیا ہے۔ کتاب مناظرہ شیعہ و مرجیہ در بیان مسح پابر موزہ و بے چھلکے مچھلی کا ذکر وغیرہ۔ کتاب الغوغا بیان۔ اضاف مرجیہ۔ قدریہ۔ خوارج کے۔ کتاب المتعہ والرجعۃ ومسح پابر موزہ وطلاق المتعہ۔ کتاب التسویہ۔ کتاب اس بیان میں کہ عرب کا نکاح غیر عرب سے حرام کہنا خطا ہے۔ کتاب الضحاک۔ کتاب التفویض۔ کتاب الاوائل۔ کتاب طلاق الجنون۔ کتاب استنباط الحشویہ۔ کتاب در رد حنبلی۔ کتاب الرد علی الجتری۔ کتاب در بیان النکاح مست۔ کتاب در بیان معرفۃ راویان ☆

ابراہیم بن سلیمان ابن ابی دراجہ المزنی المدنی

خلاصہ اور کتاب ابن داؤد میں ہے کہ وہ راویان حضرت امام جعفر صادق وعلیہ السلام سے تھے ۔مدینہ سے کوفہ میں آئے اور یہ عہد سلطنت مہدی عباسی بصرہ مین چلے گئے اور حافظ جو کہ فرقہ معتزلہ کا عالم ہے وہ علم فقہ کلام۔ زباندانی۔ شاعری میں اس کی "استاد" نقل کرتا ہے۔

ابراہیم بن ہاشم القمی الکوفی

خلاصہ میں مذکور ہے کہ راوئے مذکور کو شرف خدمتِ حضرت امام رضا علیہ السلام حاصل تھا۔ اور آنحضرتؑ کے بزرگ ترین اصحاب یونس بن عبد الرحمن کے شاگردوں میں سے تھا اور راویان شیعہ کا بیان ہے کہ ابراہیم پھلا وہ شخص ہے جس نے کوفیوں کی حدیث کو تتر بتر کر دیا۔ اور شیخ ابو جعفر طوسیؒ نے احادیث خمس میں ذکر کیا ہے کہ ابراہیم حضرت امام ابو جعفرؑ ثانی کی خدمت میں پہونچا تھا یعنی آپ سے ملاقات کی تھی اور ایک حدیث بیان فرماتے وقت خطاب امام راوی سے تھا۔ ان کی تصنیف سے کتاب النوادر ہے جس میں فیصلجات حضرت امیر المومنینؑ ہیں۔

ابراہیم بن ابی بلاد

ابی بلاد کا نام یحییٰ بن سلیم تھا۔ یہ نابینا تھے اور راویان حضرت امام محمد باقرؑ و حضرت جعفر صادقؑ سے تھے۔ اشعار ان کو بہت سے یاد تھے فرزدق نے اسی کے بارہ میں کہا ہے ۔ ہائے افسوس ایسے قابل آدمی کی کمیابی پر۔

لیکن علامہ شیخ ابن بابویہ کتاب من لا یحضرہ الفقیہ میں ان کو راویان حضرت جعفر صادقؑ وموسیٰ کاظمؑ سے لکھا ہے۔ انہوں نے عمر بہت پائی۔ جناب امام رضا علیہ السلام نے بعض ان خطوط میں جو راوی مذکور کو لکھے ہیں ان میں ان کی تعریف ہے۔ ابراہیم مرد ثقہ تھے۔ انکی تصنیف سے فن حدیث میں ایک کتاب ہے۔

اسمٰعیل بن مہران ابن ابی نصر السکونی الکوفی

خلاصہ میں لکھا ہے کہ وہ ثقہ اور معتمد علیہ تھا اور اس نے ہمارے اصحاب کی ایک جماعت سے بحوالہ حضرت جعفر صادقؑ روایت کی ہے شیخ ابو جعفرؒ نے ان کو اصحاب حضرت رضا علیہ السلام میں ذکر کیا ہے اور شیخ ابو جعفر طوسی و نجاشی نے انہیں ثقہ کہا ہے اور غالی ہونے کی نسبت ان پر محض تہمت ہے۔ بلکہ وہ مرد متقی باخیر۔ فاضل تھے۔ منجملہ ان کی تصنیف کے کتاب ملاحم۔ کتاب ثواب القرآن۔ کتاب اہل بلخ۔ کتاب صفۃ المومن والفاجر۔ کتاب در بیان خطبہائے حضرت امیر المومنین علیہ السلام۔ کتاب نوادر۔

اسماعیل بن علی القمی البصری

آپ بصرہ کے فاضلین شیعہ سے تھے۔ کتاب ابن داؤد و نجاشی میں مذکور ہے کہ اسماعیل ثقہ تھے ان کی تصانیف بہت ہیں منجملہ انکے ایک کتاب در بیان اصول فرائض سنیہ میں ہے جو کہ مخالف ہیں مذہب امامیہ کے۔ واللہ اعلم۔

اسماعیل بن محمد بن اسماعیل ہلال المخزومی المکی

یہ مکہ کے بزرگ ترین شیعہ فضلائے سے تھے۔ روایت میں ثقہ تھے۔ آخر عمر میں عراق کے اندر آئے۔ اور ہمارے بہت سے اصحاب نے ان سے حدیث سنی مثل ایوب بن نوح حسن بن مقویہ۔ محمد الحسین ۔علی بن الحسین ابن فضال۔ انکی منجملہ تصانیف کے۔ کتاب توحید۔ کتب معرفت۔ کتاب صلوٰۃ۔ کتاب امامت۔ کتاب تجمل و مروت۔

الحسن بن محمد بن علی بن اسحاق ابن ابی سہیل ابن نوبخت البغدادی

راوئ مذکور بخت قبیلہ کے نیک لوگوں میں سے ہے۔ ابن کثیر شامی نے اپنی تاریخ میں

یرقانی (لیکن ایک نسخہ بروانی بھی ہے) سے جو علمائے اہل سنت سے ہے نقل کیا ہے کہ حسن متزلہ شیعہ تھا لیکن مجھ پر یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ حسن بہت سچا آدمی تھا۔ اور عقیقی سے منقول ہے کہ حسن مرد ثقہ تھا۔ بیان حدیث میں گر معتزلی مذہب رکھتا تھا۔ یہ بات پوشیدہ نہ رہے چونکہ اہل سنت حق و باطل میں فرق نہیں کرتے ناچارہ وہ شیعوں اور معتزلیوں کو ایک ہی (فرقہ) جانتے ہیں۔ اور نام میں جدا جدا پکارتے ہیں ورنہ دراصل فرق مابین شیعہ و معتزلہ کے ایسا ہے جیسا کہ سر اور پانوں یا وجود و قدم۔

الحسن بن محمد بن علی ابن العباس ابن اسماعیل بن سہیل نوبخت

آپ شہر بغداد کے متکلمین کے رئیس اور نوبختیہ قبیلہ کی بختیاری شاخ کے بزرگ ہیں اپنے زمانہ میں بہ حیثیت بزرگی دین و دنیا ممتاز تھے اور قائم مقام وزراء تھے۔

شیخ نجاشی نے کہا ہیکہ ان کی تصنیف کے کتاب استیفا در بیان امامت نیز کتاب تنبیہ بیان امامت میں ہے اور میں نے یہ دونوں کتابیں اپنے شیخ ابی عبداللہ کے سامنے پڑھی ہیں علاوہ ازیں کتاب حمل در بیان امامت کتاب الرد مقابلہ میں محمد بن الازہر کے درباره امامت۔ یہودیوں کی رد میں ایک کتاب۔ کتاب در بیان صفاتِ ''توحید باری تعالیٰ'' اور ابی العتاہیۃ کی تردید میں۔ کتاب الانوار در بیان تواریخ ائمہ واقفیہ مذہب کی تردید میں کتاب۔ غالیوں کی تردید میں کتاب کتاب التوحید۔ کتاب الاجارہ ۔ کتاب النفی والاثبات۔ مقام اہواز میں جو گفتگو ابی علی الجبائی کے ساتھ ہوئی تھی اس کے متعلق ایک کتاب جبریہ فرقہ کی رد میں۔ ثابت بن اب قرہ کے ساتھ جو گفتگو ہوئی اس کے متعلق ایک کتاب۔ عیسیٰ بن ابان کے مقابلہ میں رد اجتہاد کا رسالہ ابی عیسیٰ الوراق کے مسئلہ قدم الاجسام کی تردید میں رسالہ۔ در بیان دلائل نبوة جناب رسالت مآب ایک رسالہ۔ عالم کے حادث ہونے کے متعلق رسالہ۔

الحسن بن موسیٰ النوبختی

کتاب ابن داؤد میں مذکور ہے کہ وہ ابی سہل ابن نوبخت کا بھانجا ہے اس گروہ کے اکابرین وصاحب سلسلۂ عظیم میں سے ہے۔ حسن مرد متکلم۔ فقیہہ۔ فیلسوف۔ شیعہ اثناعشری تھا۔

کتاب نجاشی میں مذکور ہے کہ یہ تیسری صدی سے پہلے فن علم کلام میں اپنے ہم عصروں سے ممتاز تھا۔ ان کی بہت تصنیفات ہیں۔ اور اس نے پہلے حکماء کے بارہ میں بہت کچھ اعتراض کئے ہیں اور اسبارہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں منجملہ ان کتابوں کے کتاب الآراء والدیانات ہے اس کتاب

مستطاب میں بہت سے علوم ذکر کئے ہیں۔ شیعہ فرقوں کے ذکر میں رسالہ۔ ماسوا فرقہ شیعہ اور نام نہاد شیعہ فرقوں کی تردید میں رسالہ۔ کتاب الجامع در بیان امامت۔ کتاب الموضع در بیان جنگ ہائے حضرت امیر علیہ السلام ۔ کتاب التوحید الکبیر۔ کتاب التوحید الصغیر۔ کتاب الخصوص والعموم۔ کتاب الارزاق الاجال والاشعار۔ کتاب کبیر در بیان جزء لا یتجزّے۔ کتاب مختصر در بیان جزاء۔ نجومیوں کی تردید میں رسالہ ابی علی جبائی کی اس کتاب کی رد جو اس نے رد نجوم میں لکھی تھی۔ کتاب النکت ابن راوندی کی رد میں ۔کتاب الرد علیٰ من اکثر النازلۃ۔ ابی الہذیل علاف کی تردید میں ایک رسالہ۔ اہل منطق کی رد میں رسالہ ۔ثابت بن قرہ کی تردید میں رسالہ۔ یحییٰ بن اصفح نے جو رسالہ در بیان امامت لکھا تھا اس کی تردید۔ ابی جعفر بن قبہ کے جوابات کا رسالہ۔ ایک دوسرا رسالہ ابی جعفر مذکور کی رد میں۔ ابی عبداللہ ابن مملک رحمہ اللہ کے ساتھ جو جلسے ہوئے اس کا رسالہ۔

حجج طبعیہ در بیان تردید اس قول ارسطاطالیس حکیم کے کہ آسمان زندہ اور گویا ہے۔ کتاب در بیان مرایاء وسمت رویۃ کے۔ جز واحد اور اس پر عمل کرنے کے بیان میں رسالہ کتاب در بیان مرایا وسمت رویۃ کے۔ جز واحد اور اس پر عمل کرنے کے بیان میں رسالہ۔ مطابق مذہب واعتقاد ہشام کے ایک رسالہ بیانِ اسطاعت میں۔ رویۃ باری تعالےٰ کے قائل کی رد میں رسالہ۔ کتاب الاعتبار والتمیز۔ والانتصار۔ ابی الندیل کے رسالہ معرفۃ کا رد۔ کتاب الرّد علے المعجز جو کہ تردید ہے ابی عیسےٰ ورّاق کے رسالہ حج و امامت کی۔ مختصر نامی رسالہ جعفر بن حرب کے رسالہ امامت کی تردید میں۔

ابی القاسم بلخی کے جلسون کا تذکرہ ایک رسالہ میں۔ کتاب الرد علے اصحاب النزلہ بین المنزلتین۔ رسالہ در بیان وعید۔ داگون کے قاتلین کی تردید مین رسالہ۔ نجومیوں کی تردید میں رسالہ۔ غالیوں کی تردید میں رسالہ۔ مسائل للجبال وغیرہ۔

الحسن بن علی بن زیاد الوشاء البجلی الکوفی

کتاب کشی ونجاشی میں مسطور ہے کہ وہ الیاس نامی صراف کے بھانجے ہیں اور گروہ امامیہ کے فضلا میں سے حضرت امام رضاؑ کے اصحاب اور رئیس الشیعہ تھے انہوں نے اپنے جد الیاس مذکور سے روایتکی ہے کہ جب میرے دادا کی وفات کا وقت قریب آیا تو کہنے لگے میرے گواہ رہنا اور یہ جھوٹ بولنے کا وقت نہیں ہے میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے فرماتے تھے واللّٰہ لا یموت عبد یحب اللّٰہ ورسوله ویتولّی الائمة فتمسّهُ النّار ثم اعاد ثانیا وثالثاً من غیر ان اسئله کے خدا کی قسم جو بندہ اللہ کو اور اس کے رسولؐ و اہل بیتؑ کو دوست رکھتا ہوگا تو بعد موت آتش دوزخ

اس کونہ چھوئے گی آپ نے دوبارہ سہ بارہ اسی عبارت کا اعادہ فرمایا بغیر اس کے کہ میں نے سوال کیا ہو۔ راوی مذکور کی تصنیف سے کتاب ثواب حج۔ کتاب مناسک۔ کتاب نوادر۔ کتاب مسئل الرضاؑ ہے۔

الحسن بن علی ابن ابی عقیل النعمانی

رؤساء فقہاؤ و اکابر متکلمین امامیہ سے ہیں یہ پہلے بزرگوار ہیں مجتہدین امامیہ کے جنہوں نے مالک (امام اہل سنت) کے ساتھ اس بات میں موافقت کی کہ آب قلیل بجرد ملاقات نجاسات کے ناپاک نہیں ہوتا ہے۔ اور دل میں یہ بات نہیں آتی کہ گروہ شیعہ کے کسی مجتہد نے اس بارہ میں ان سے موافقت کی ہوگی بجز سید بزرگوار حبیب۔ فاضل ملقب یا میر معز الدین محمد صدر اصفہانی کے جنہوں نے ابن عقیل کے مذہب کی ترویج (اشاعت) میں ایک رسالہ لکھا۔ اور جس اعتراضات کو علامہ شیخ جمال الدین ان مطہر حلی علیہ الرحمہ نے کتاب مختلف وغیرہ میں ابن عقیل کے دلائل کو رد کرنے کے لئے لکھا تھا تردید کی ہے بلکہ دوسری دلیلیں ابن عقیل کی تائید وتقویت میں لکھی ہیں۔ اور یہ ضعیف مولف کتاب (مجالس المومنین علیہ الرحمہ) جن ایام میں کتاب استخراج (نکان) میں کر رہا تھا تو اس رسالہ کا بھی مطالعہ کرتا جاتا تھا چنانچہ میں نے ایک علاحدہ رسالہ معز الدین اصفہانی کی تردید میں لکھا۔ ابن عقیل کے مصنفہ رسالے فقہ وعلم کلام میں ہیں منجملہ انکے کتاب التمسک بحبل آل الرسولؐ ہے اور یہ کتاب گروہ شیعہ میں مشہور ہے۔ اور جب کوئی قافلہ خراسان کا حج کے ارادہ سے آتا تو اس کتاب کا نسخہ مانگتا تھا پس یا تو اس کو لکھواتے تھے یا خرید لیتے تھے۔

شیخ نجاشی نے کہا ہے کہ میں نے اپنے شیخ ابو عبداللہ سے سنا وہ ابن عقیل کی بہت مدح وثنا کرتے تھے۔ انہیں کی تصنیف سے ایک کتاب موسوم بکرّ وفرّ دربارہ امامت ہے۔

الحسن بن محمد بن احمد الصفّار (ٹھٹیرا) البصری

ہمارے مشائخ اصحاب میں سے ہیں اور مرد ثقہ بھی۔ ان کی تصنیف سے کتاب دلائل خروج صاحب الزمانؑ ہے نیز کتاب ملاحم۔

الحسن بن محمد النہاوندی

آپ علمائے علم کلام سے ہیں ان کی تصنیف سے ایک کتاب ہے جس میں قضیہ حکمین عصفہ سعید بن ہارون خارجی" کی تردید لکھی ہے کتاب احتجاج امامت کے بارہ میں، کتاب کافی در بیان رضا واختیار۔

الحسن بن محمد ابن عمران ابن ابی بکر الاشعری

شیخ بزرگوار رئیس المحدثین علامہ محمد بن کلینی علیہ الرحمہ کے شیوخ میں سے ہیں۔ شیخ نجاشی نے ان کو موثق لکھا ہے۔ ان کی تصنیفات سے کتاب نوادر ہے

یہ بات مخفی نہ رہے کہ حسین بن محمد جن کا دادا بلا واسطہ عمرانؔ نامی ہے جیسا کہ کتاب نجاشی سے اس مقام پر نقل ہوا۔ تو یہ راوی ہر چہار کتب مروّجہ رجال میں موجود نہیں ہے اور اسناد کتب من لا یحضرہ الفقیہ میں واقع ہے کہ حسین بن محمد بن عامر عن عمہ عبداللہ بن عامر۔

اور بعض ہم عصر فضلا نے حاشیہ کتب نجاشی میں در بیان کلام نجاشی اور اسناد کتاب من لا یحضر میں مساوات وموافقت کی ہے اور یہ کہا ہے کہ شیخ نجاشی نے عین مہملہ کے باب میں تردد کیا ہے۔

عبداللہ بن عامر نے کہا ہے کہ جعفر بن محمد بن قولہ یہ حسین بن عامر محمد بن عمران ابن عمرو الاشعری سے روایت کرتا ہے اور اس نے عبداللہ کا نام یوں لکھا ہے عبداللہ بن عمر بن عمران الاشعری جیسا کہ کتاب خلاصہ میں بھی واقع ہے اور اس بنا پر ہوسکتا ہے کہ حسین بن محمد بن عمران جو یہاں پر کتاب نجاشی سے لکھا گیا ہے۔ وہی حسین بن محمد بن عامر بن عمران بن ابی عمیر اشعری ہو اس طرح پر کہ بیچ میں عامر کا واسطہ حذف ہوا اور من لا یحضر میں جو اسناد واقع ہوئی ہے وہ بغیر حذف واسطہ عامر کے ہو مؤلف (علام) کہتا ہے اگرچہ اس فاضل نے بہ سبب موثق ماننے کلام نجاشی اور من لا یحضر کے توفیق پائی ہے مگر نجاشی کے کلام میں دو مخالفتیں جو ہوگئیں اس سے وہ غافل رہے اس لئے کہ حسینؔ کا جد اعلیٰ جیسا کہ ذکر عبداللہ بن عامر کے قریب واقع ہوا ہے۔ ابی عمرو اشعری ہے اور وہ جس طرح پر ذکر اس باب میں ہوا ہے وہاں ابی بکر اشعری ہے۔ **واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔**

الحسین علی بن موسیٰ ابن بابویہ القمی

خلاصہ میں مذکور ہے کہ آپ ثقہ اور کثیر الروایات ہیں اور اپنے پدر بزرگوار اور برادر نامدار محمد بن علی سے روایت کرتے ہیں۔ کتاب نجاشی میں مذکور ہے کہ آپ منجملہ معتبرین رواۃ سے ہیں ان کو اپنے باپ کی طرف سے کتب حدیث وفقہ وغیرہ کی روات کا اجازہ حاصل تھا۔ ان کی تصنیف سے ایک کتاب ہے واقفیہ مذہب کی تردید میں دوسری اور کتاب سیرۃ النبیؐ الائمہ۔

الحسین بن عبداللہ بن ابراہیم الغفاری

خلاصہ میں مذکور ہے، کہ انہوں نے بہت ہی احادیث کو سنا اور رواۃ کے حالات سے خوب واقف تھے۔اور اس گروہ (رواۃ) کے شیخ ابوجعفر طوسیؒ نے انہیں سے استماع (سنا) حدیث کیا ہے۔اور اپنی تمام روایات کو انہیں سے اجازہ دیا ہے اسی طرح شیخ نجاشی کو بھی اجازہ دیا ہے۔کتاب شیخ میں مذکور ہے کہ غفاری ہمارا۔"شیعہ کا" شیخ ہے اور ان کی بہت سی تصنیفات ہیں منجملہ ان کے کتب التمویہ والغمہ ہے۔

کتاب اسبارہ میں کہ حضرت امیرؑ کو امیر المومنینؑ کہہ کر سلام کرنا چاہئے۔کتاب تذکرہ الغافل کتاب البیان عن حیوۃ الرحمان ۔ کتاب النوادر۔ درفقہ۔کتاب مناسک الحج۔کتاب مختصر مناسک الحج۔کتاب یوم القدر۔کتاب الرد برائے غالیان ومقوضہ کتاب سجدہ الشکر۔کتاب مواطن امیر المومنینؑ ۔ کتاب در فضل بغداد کتاب در بیان قول حضرت امیرؑ اعلی اجزاکم بخیر بذہ الامہ۔ انہوں نے بماہ صفر ۴۱۱ھ وفات پائی۔

احمد بن محمد بن خالد بن عبدالرحمان بن محمد بن علی البرق

شیخ نجاشی نے کہا ہے کہ ان کی کنیت ابوجعفر اور اصل میں کوفہ کے باشندے تھے اور ان کے دادا محمد بن علی کو کہ اشراف کوفہ سے تھے یوسف بن عمر حاکم کوفہ نے حضرت زید بن علیؑ کے قتل کے بعد قید کر دیا تھا اور اس کے بعد قتل کر ڈالا۔اس وقت خالد خردسال تھے اور اپنے باپ کے ہمراہ بھاگ کر برق چلے گئے اور وہیں سے منسوب ہو گئے احمد نامی بذاتہ مرد ثقہ ہیں لیکن کبھی کبھی ضعفاء سے روایات کرتے ہیں اور مرسل حدیثوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ان کی تصانیف بہت ہیں منجملہ ان کے کتاب جامع محاسن ہے فن حدیث میں جو سو باب پر مشتمل ہے بلکہ سو کتابوں پر حاوی ہے ان کی تفصیل کتاب نجاشی اور دیگر کتاب رجال میں مسطور ہے۔ان کی وفات ۲۷۴ھ میں اور بعض ۲۸۰ھ میں بتاتے ہیں واللہ اعلم۔

احمد بن محمد بن عیسیٰ ابن عبداللہ ابن سعد ابن مالک بن الاخوص ابن السائب ابن مالک بن عامر الاشعری

شیخ نجاشی نے کہا ہے کہ انکی کنیت ابوجعفر ہے۔ پہلا وہ شخص جس کے آباواجداد ولایت قم میں سکونت پذیر ہوئے سعید بن مالک تھے۔اور سائب بن مالک نے بعد حصول شرف ملازمت جناب رسول

خدا صلعم کوفہ کو ہجرت کر لی تھی اور یہیں قیام پذیر ہوئے الحاصل ابوجعفر قم والوں کے شیخ و بزرگ وفقیہ تھے یہ وہی شخص تھے کہ بادشاہ قم امور ملکی میں وہاں کے ان کی طرف سے رجوع کرتا تھا باوجود اس قدر بزرگی کے شرف ملازمت حضرت امام رضا علیہ السلام وابوجعفر وحضرت ابوالحسن عسکریؑ میں بھی پہونچے ہوئے تھے ان کی تصانیف سے بہت سی کتابیں ہیں منجملہ ان کے کتاب توحید۔کتاب فضل النبیؐ۔کتاب متعہ اور جو کہ مرتب اور بلا ابواب کے تھی تا اینکہ داؤد بن کورہ نے اسکو مرتب کیا۔کتاب ناسخ ومنسوخ۔کتاب اظلہ۔ کتاب فضائل عرب۔کتاب در بیان حج۔

احمد بن محمد ابن سلیمان ابن الحسن ابن الجھم ابن بکر ابن اعین ابن سنسن ابوغالب الرازی

شیخ نجاشی نے کہا ہے کہ بنی سنسن جماعت مشہورہ ہے اور ابوغالب اپنے زمانہ میں اس گروہ کا شیخ وبزرگ تھا۔ان کی بہت سی کتابیں ہیں منجملہ ان کے کتاب توحید۔کتاب تاریخ جو نامکمل رہی۔کتاب دعائے سفر۔کتاب افضال۔کتاب کبیر در مناسک حج۔کتاب صغیر در مناسک۔ایک وہ کتاب جو انہوں نے اپنے فرزند ابوطاہر کو بھیجی تھی جس میں آل اعین کا ذکر ہے ان کی ولادت ۲۸۵ھ میں ہوئی اور سال وفات ۳۶۸ھ تھا۔

احمد بن محمد بن الحسین بن الحسن ابن دول القمی

یہ اکابر فضلائے اصحاب شیعہ سے ہیں اور انہوں نے سو کتابیں میں تصنیف کی ہیں جن کی تفصیل شیخ نجاشی کی کتاب الرجال میں ہے انہوں نے ۳۵۰ھ میں وفات پائی۔

احمد بن الحسن الاسفرائنی المفر ایضرر

(نابینا) ہمارا اصحاب کے قدیم مفسرین میں سے ہیں ان کی تصنیف سے کتاب مصابح مشتمل ان آیات پر ہے جو فضائل اہل بیت میں نازل ہوئیں۔شیخ نجاشی نے اس کتاب کو کثیر الفوائد لکھا ہے۔

احمد بن محمد سعید عبدالرحمان ابن زید ابن عبداللہ ابن زیاد ابن عجلان غلامان عبدالرحمان ابن سعید ابن قیس البیھقی الھمدانی الکوفی

ان کی کنیت ابوالعباس اور لقب ابن عقدہ ہے علامہ حلی علیہ الرحمہ نے ان کو دوسری قسم رواۃ سے کتاب خلاصہ میں لکھا ہے بعد ازن ان کی خوبی جلالت قدر عظیم المنزلت کے قائل ہوئے ہیں ''وکان زیدیا جارودیا وعلیٰ ذالک مات وانما ذکرناہٗ من حملۃ اصحابنا۔ لکثرۃ روایۃ عنھم وخلطہ بھم وتصنیفہ لھم روی جمعی کتب اصحابنا وصنّف لھم وذکر اصولھم وقال الشیخ الطوسی سمعت جماعۃ یحکمون عنہ انہٗ قال حفظّ مائۃ وعشرین الف حدیث باسانید ھا . وذکر بثلثماتہ الف حدیث .لہٗ کتبٌ ذکر نا ھا فی کتابنا الکبیر. منھا کتاب سماء الرجال الذین رووا عن الصادقؑ اربعۃ الاف رجل واخرج فیہ لکلّ رجل الذی رواہ .مات بالکوفہ سنۃ ثلٰث وثلثین وثلث ماتہ. انتھیٰ ۔(ترجمہ) راوی مذکور مذہباً زیدیؒ وجارودی تھے؛ وراسی اعتقاد پر انہوں نے وفات پائی۔ ہم نے ان کو صرف اسلئے اپنے اصحاب سے شمار کیا ہے کیونکہ انہوں نے شیعوں سے روایات کثیرہ نقل کی ہیں اوران سے میل جول رکھتے اورانہیں سے منسوب تھے انہوں نے ہمارے اصحاب کی تمام کتابوں کی روایات نقل کی ہیں اوراس بارہ میں جوانہوں نے تصنیف بھی کیا ہے اور مذہب حق کے اصول بیان کئے ہیں۔ جناب شیخ طوسیؒ نے کہا ہے کہ میں نے ایک جماعت کو راوی مذکور کی بابت یہ کہتے ہوئے سنا کہ انہوں نے ۲۱ ہزار احادیث مع ان کی اسناد کے حفظ کیں اور ۳ لاکھ احادیث ذکر کیں۔ ان کی تصنیف سے کتابیں ہیں جن کا تذکرہ ہم سے اپنی کتاب کبیر میں کردیا ہے منجملہ ان کے کتاب اسماء رجال ہے اس میں ذکر ہے اوران راویوں کا جنہوں نے حضرت صادق علیہ السلام سے روایات نقل کی ہیں اور وہ چار ہزار تعداد میں ہیں اوراس میں ہر راوی حدیث سے روایت بیان کی ہے راوی مذکور کی وفات بمقام کوفہ ۳۳۳ھ میں ہوئی۔

اور شیخ نجاشی نے کہا کہ وہ منجملہ اصحاب حدیث کے تھے۔ ان کی قوت حافظہ مشہور ہے اور اسبارہ میں بہت سی حکایات ہیں۔ یہ کوفی زیدی۔ جارودی تھے۔ ہمارے اصحاب نے انکار ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے کیونکہ ان کا خلط ملط اور میل ملاپ ہمارے اصحاب کے ساتھ تھا۔ اور شیعوں سے

روایت بھی کرتے تھے اوران کے لئے تصنیف ہے۔ اور ہمارے اصحاب کو ان کی بزرگی۔ امانت راستی معلوم ہوچکی تھی۔

شیخ نجاشی نے لکھا ہے کہ ان کو علمائے شیعہ اور فضلائے اہل سنت کی ایک جماعت نے دیکھا ہے اوران سے استماع حدیث کیا ہے اور اجازہ لیا ہے ان کی تصانیف بہت ہیں جن کی تفصیل کتاب رجال شیخ نجاشی مذکور ہے۔ اور کتاب میزان ذہبی۔ تاریخ یافعی۔ تاریخ ابن کثیر شامی میں لکھا ہے کہ ابو العباس کوفی شیعی مذکور ایک رکن۔ تھے ارکان حدیث سے۔ اور حافظ تھے حفّاظ میں سے جن لوگوں نے بہت سی احادیث سنی تھیں۔ انہوں نے احادیث کی تلاش میں بہت سفر کئے اور خلق سے بہت کچھ فائدہ اس مادّہ میں حاصل کیا۔ اور طبرانی دارقطعی جعافی۔ ابن عدی۔ ابن نظفر۔ ابن شاہین نے ان سے احادیث کو سنا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ راوی مذکور دربارہ حفظ حدیث ایک نشانی تھا خدا کی نشانیوں سے ۔ یہاں تک کہ دارقطنی نے کہا کہ اہل بغداد نے اتفاق کیا ہے کہ ابن سعودؒ کے زمانہ سے ابن عقدہ کے زمانہ تک کوئی شخص ابن عقدہ سے بہتر حفظ حدیث میں پیدا نہیں ہوا ہے۔

دارقطنی نے یہ بھی کہا ہے کہ میں نے خود ان سے سنا کہ میں نے ۳۰ ہزار احادیث اہل بیتؑ وبنی ہاشم سے لی ہیں۔

ایک روایت اس مضمون کی بھی اس سے مروی ہے کہ مجھے ایک لاکھ حدیث اسناد کے ساتھ انہیں حضرات سے یاد ہیں اور ۳۰ ہزار حدیث کو حفظ وضبط کیا ہے اوران کی تصانیف چھ (۶۰۰) سواونٹوں پر بار ہوتی تھی۔ ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ بعض محدثین نے ابن عقدہ کو ضعیف بتایا ہے اور بعض نے اس کو قوی۔ اور ابن عدی نے کہا ہے کہ ابن عقدہ فن حدیث میں عارف۔ حافظ۔ ومقدم شخص تھا۔ اور میں نے دیکھا ہے بغداد کے مشائخ کہ حدیث کی ابن عقدہ ہی پر بنا نہیں رکھتے تھے لیکن مشائخ بغداد کے مشائخ کہ حدیث کی ابن عقدہ ہی پر بنا نہیں رکھتے تھے لیکن مشائخ بغداد کا کلام نقل کرنے کے بعد ابن عدی نے ابن وعقدہ کو قوی بتایا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اگر میں نے یہ شرط نہ کرلی ہوتی کہ اپنی کتاب میں اسی شخص کا ذکر کروں گا جس کے متعلق راست گوئی دروغگوئی لوگوں نے کی ہو تو میں ابن عقدہ کا ذکر اپنی کتاب میں نہ کرتا باوجود اس کے فضل ومعرفت کے ظاہر ہونے کے اور باوجود اس کے کہ ابن عدی اپنی کتاب میں ارباب حدیث میں سے ایک کی برائی کا تذکرہ کیا ہے مگر ابن عقدہ کی کوئی حدیث سن کر ذکر نہیں کی۔

ذہبی نے عبدالغنی ابن سعید سے روایت کی ہے کہ میں نے دارقطنی سے سنا ہے وہ کہتا تھا کہ ابن عقدہ کو وہ باتیں معلوم ہیں جو اوروں کے پاس ہیں اور دوسروں کو ابن عقدہ کی باتیں معلوم نہیں۔ ابن کثیر وذہبی ویافعی نے روایت کی ہے کہ ابن عقدہ جامع مسجد کوفہ میں بیٹھے تھے۔ اور معائب شیخین (ابوبکر وعمر) لوگوں کے

سامنے ذکر تے تھے اسی لئے بعضؔ نے ان کی روایت کو ترک کر دیا۔ (مترجم شاید مراد بعض سے اہل خلاف ہوں) ورنہ عقدہ کی سچائی اور راستی میں کوئی کلام نہیں ہے مؤلف (علیہ الرحمہ) کہتا ہے کہ وعادۃ آلہیہ جاری ہوئی ہے اس امر پر کہ جو شخص فضیلت عالیہ پر فائز ہوتا ہے تو بموجب کلام حق نظام اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاس علیٰ اما تاھم اللّٰہ مِنْ فَضْلِہٖ۔ کیا وہ حسد کرتے ہیں لوگوں پر اس لئے کہ خدا نے ان کو فضیلت عطا کی ہے۔ بعض زمانے والے جو ایک جو کے دانہ کی قیمت بھی نہیں رکھتے ان سے حسد کرنے لگتے ہیں خصوصاً دینی عداوت اس کے ماسوا ہوتی ہے جو ان کے سینہ کو ناخن عناد سے چھیل ڈالتی ہے اور اس بیان کی تائید یہ ہے کہ ذہبی خود حافظ ابونعیم اصفہانی کے حالات میں کہتا ہے کہ وہ باتیں جو ہمعصر ایک دوسرے کے بارے میں کہتے ہیں معتبر نہیں ہوتیں خصوصاً علامات عداوت یا مخالفت مذہب حسد کے ساتھ ظاہر ہو کیونکہ ان باتوں سے کوئی بچا ہوا نہیں ہوتا بجز اس شخص کے جس کو اللہ تعالیٰ نگاہ رکھتے اور میں نہیں جانتا کہ کوئی زمانہ زمانوں میں سے حسد وغیرہ سے خالی ہو لیکن انبیاء وصدیقین (البتہ ان باتوں سے خالی ہوتے ہیں) اور میں اگر چاہوں تو چند جز اس باب میں لکھ سکتا ہوں اللّٰھم ربنا فلا تجعل فی قلوبنا غلاّ للذین آمنوا ربّنا انک رئوف الرّحیم ۔اے اللہ ہمارے مربی ہمارے دلوں میں مومنوں کی طرف سے کینہ نہ رہے۔ یقیناً تو ہی مہربان وعنایت کرنے والا ہے۔

محمد ابن احمد بن سعید عقدہ

یہ ابوالعباس ابن عقدہ حافظؔ کے لڑکے جن کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے لیکن یہ اپنے باپ کے برخلاف امامیہ مذہب رکھتا تھا۔ لہٰذا جناب علامہ حلیؒ نے ان کو قسم اول میں کتاب خلاصہ کے ذکر کیا ہے اور اس طرح لکھتے ہیں محمد ابن احمد بن محمد بن سعید بن عقدہ یکنّ ابا نعیم جلیل القدر عظیم الحفظ رویٰ عنه التلعکبری وسمع منهٗ فی حیات ابیهٖ کان روی عن حمیل انتھی ۔ (ترجمہ) محمد بن محمد بن سعید ابن عقدہ جس کی کنیت ابونعیم ہے جلیل القدر عظیم الحفظ ہے تلعکبری نامی نے اس سے روایت کی ہے اور اپنے باپ کی زندگی میں اس سے اسماع حدیث کیا یہ جمیلؔ سے روایت کیا کرتے تھے۔

احمد بن اسماعیل بن عبداللہ ابوعلی البجلی المغربی

شیخ نجاشی نے کہا کہ وہ پہلی قسم کی رواۃ سے ہے اس کا لقب سمکہ اور خودز باندان صاحب علم وفضل تھا۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ استاد ابوالفضل محمدؒ بن الحسینؒ بن العمید منجملہ اس کے شاگردوں کے تھا۔ اور ایسا استاد وشاگرد کس نے دیکھا ہے۔ اور ان کی چند تصنیف نادر تصانیف سے ہیں منجملہ ان کے ایک کتاب ہے خلفائے عباسیہ کے حالات میں قریب دو ہزار صفحات کے کتاب امثال ۔ اور ایک رسالہ ہے جو ابن عمید کو بھیجا تھا۔

احمد بن عامر بن سلیمان ابن صالح ابن وہب بن عامر بن حسان

یہ وہب وہی ہیں جو کربلائے معلیٰ میں حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کے ساتھ درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور احسان جو ان کے دادا ہیں وہ جنگ صفین میں خدمت حضرت امیر علیہ السلام میں شہید ہوئے۔

حسن پسر احمد سے منقول ہے کہ میرا باپ ۱۵۷ھ میں پیدا ہوا اور ۱۹۴ھ میں بخدمت جناب امام رضا علیہ السلام پہونچا اور ان جناب سے روایت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آنحضرتؑ نے شہر طوس میں بتاریخ ۱۸ ماہ جمادی الاول سنہ ۲۰۲ھ میں وفات پائی اور میں نے حضرت ابوالحسن وابو محمد علیہما السلام کو دیکھا ہے اور میرا باپ ان کا معلم تھا اور حضرت علی بن محمد نے ۲۴۴ھ میں وفات پائی اور حضرت حسن عسکری علیہ السلام نے بروز جمعہ ۲۶۰ھ میں انتقال فرمایا اور ابوعیسیٰ معتمدین متوکل عباسی نے ان جناب کی نماز جنازہ پڑھی (مترجم بظاہر ایسا ہوا اور نہ خود امام عصرؑ تشریف لائے اور ان جناب اپنے چچا حضرت جعفر تواب کو الگ کر کے نماز جنازہ پڑھائی اور بعدہٗ غائب ہو گئے۔

اور احمد کا ایک لڑکا ہے عبداللہ نامی جو اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور اس کا باپ حضرت امام رضا علیہ السلام سے جیسا کہ اوپر گزر چکا۔ اور عبداللہ کی تصنیف سے ایک کتاب ہے، دربیان فیصلجات حضرت امیر المومنینؑ۔

احمد بن علی بن احمد بن العباس ابن محمد بن عبداللہ بن ابراہیم ابن محمد بن محمد بن عبداللہ النجاشی

شیخ علامہ نے خلاصہ کیا ہیکہ احمد میرے نزدیک مرد ثقہ ہے اور اس کی تصنیف سے ایک کتاب ہے معرفت رجال حدیث میں اور دوسری کتاب اور ہے جس کو ہم نے اپنی کتاب کبیر میں ذکر کیا ہے اور ان مجالس کے مؤلف (جناب قاضی صاحب علیہ الرحمہ) نے بہت سے حالات کو رجال حدیث کے ان سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ احمد کی پیدائش بماہ صفر ۳۷۲ھ ہے اور اسکی وفات بمقام مطیر آباد در ماہ جمادی الاول ۴۵۰ھ میں واقع ہوئی۔

اور ان کے دادا عبداللہ نجاشی کے حالات "جو کہ منصور عباسی کی طرف سے اہواز کے حاکم اور موالی اہل بیتؑ سے تھے اور خصوصیت و نسبت بیان روایات حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے رکھتے تھے" نویں مجلس میں ذکر کیے جائیں گے۔

ایوب بن نوح ابن دراج النخعی

شیخ نجاشی نے کہا ہے کہ انکی کنیت ابوالحسینؒ ہے اور یہ حضرت ابوالحسن امام رضا علیہ السلام وامام محمد جوادؑ (محمد تقی علیہ السلام) کے وکیل اور عظیم المنزلۃ ان حضرات کے نزدیک تھے۔ بڑے عابد، پرہیز گار اور دربارہ روایات ثقہ تھے اور ان کا باپ نوح ابن دراج خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں کوفہ کے قاضی اور خود صحیح الاعتقاد تھے۔ اسی طرح ان کے بھائی جمیل بن دراج بھی ثقہ اور صحیح الاعتقاد تھے جیسا کہ سابقاً جمیل کے حالات میں مذکور ہو چکا۔

شیخ ابو عمرو کشی نے کہا ہے کہ ایوب عابد ترین زمانہ و نیکوکاران سے تھے وفات کے وقت بجز (۱۵۰) اشرفیوں کے انہوں نے اور کچھ ترکہ نہیں چھوڑا بوجہ کثرت جود و احسان کے۔ لیکن لوگوں کو یہ خیال تھا کہ ان کے پاس مال بہت تھا۔

بسطان بن الحصین ابن عبدالرحمٰن النخعی

شیخ نجاشی نے کہا ہے وہ...... جعفی اور اسماعیل کا بھتیجا ہے۔ یہ ہمارے بزرگ اصحاب سے ہے اور اسی طرح اس کا باپ اس کے چچا سب کے سب اسماعیل مذکور سے بزرگ تھے۔ یہ خاندان جعفی

کے بزرگ ہیں جو کہ کوفہ میں تھا اور ان کو بنی سیرہ بھی کہتے ہیں اور خثیمہ (جس کا دوسرا نام جعفی اوپر لکھا جا چکا ہے) مذکور ابن عبدالرحمان مصاحب تھا عبداللہ مسعود کا! ان کی تصنیف سے کتاب ہے احادیث اہل بیت علیہ السلام میں۔

ثبیت بن محمد الیشکری (العسکری)

شیخ نجاشی نے کہا ہے کہ ان کی کنیت ابومحمد ہے یہ ابوعیسیٰ ورّاق مشہور کے مصاحب تھے اور علم کلام میں پوری پوری مہارت و دانشمندی رکھتے تھے اور علم حدیث و روایت و فقہ میں بھی کامل دستگاہ تھی ان کی تصنیف سے بہت سے کتابیں ہیں منجملہ ان کے کتاب توالیدات بنی امیہ فن حدیث میں۔ اور ذکر احادیث موضوعہ۔ اور کتاب مشہور عثمانیوں کی رد میں جس کو ابوعیسیٰ ورّاق سے منسوب کرتے ہیں حالانکہ وہ ابومحمد کی تصنیف سے ہے۔ اور کتاب اسفار و دلائل ائمہ علیہ السلام۔ یہ شخص راویان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے تھا اور اصحاب حدیث کے درمیان ان سے احادیث مذکور ہیں مگر کوئی مرتب مجموعہ پایا نہیں گیا۔

جعفر بن کثیر ابومحمد البجلی الوشاء

شیخ نجاشی نے کہا ہے کہ آپ شیعہ اصحاب کے زاہد ترین۔ عابد ترین عامل ترین ومعتبر ترین حضرات میں سے ہیں اور کوفہ شہر کے محلہ بجلیہ میں ان کی ایک مسجد ہے جو اب تک باقی ہے میں اور میرے بہت سے دوست جب کبھی کوفہ جاتے ہیں تو ان مسجدوں کے ہمراہ جس میں نماز مرغوب ہے وہاں بھی نماز ادا کرتے ہیں۔ اور ابوالعباس بن نوح سے منقول ہے کہ لوگ جعفر کو ثقۃ العلم کہتے تھے۔ ان کی روایات بھی معتبر ترین روایات سے مروی ہیں بہت سی خلقت نے ان سے روایات بیان کی ہیں۔ ان کی کتابوں کی تفصیل نجاشی کی کتاب میں مذکور ہے ۲۰۸ھ بمقام ابواء انہوں نے وفات پائی۔

سعد بن عبداللہ ابن ابی خلف الاشعری القمی

شیخ نجاشی نے کہا ہے کہ وہ رئیس وفقیہہ جماعت شیعہ ہے۔ اس نے اہل سنت سے بھی بہت سی احادیث سنی ہیں۔ طلب احادیث میں بہت سے سفر کیے اور روساء اہل حدیث میں سے حسن ابن عرفہ۔ محمد بن عبدالملک دقیقی ابوحاتم رازی وعباس برقعی کو دیکھا تھا۔

راوی مذکور کو شرف ملازمت حضرت امام محمد جواد بھی حاصل تھا ہمارے بعض اصحاب حضرت

امامؑ کے ساتھ ملاقات کے واقعہ کو بناوٹی بتاتے ہیں۔

شیخ نجاشی نے کہا ہے کہ سعد کی بہت سی تصنیفات ہیں اور ہم تک جن کتابوں کا علم پہونچا ہے وہ یہ ہیں۔ کتاب رحمہ۔ کتاب وضو۔ کتاب الصلوٰۃ۔ کتاب زکوٰۃ۔ کتاب صوم کتاب حج۔ کتاب بصائر الدرجات۔ کتاب الیضاء دررد محمدیہ و جعفریہ۔ کتاب فرق الشیعہ۔ کتاب دررد غلاۃ،۔ کتاب دربیان ناسخ ومنسوخ۔ محکم ومتشابہ قرآن۔ کتاب دربیان بزرگیٔ دعاذکر۔ کتاب جوامع الحج کتاب دربیان خوبہائے راویان حدیث ومعائب۔ کتاب المتعہ۔ کتاب دررد علی بن مذہب جبری۔ کتاب دربیان فضیلت کوفہ وقم۔ کتاب دربیان بزرگی حضرت ابی طالبؑ وحضرت عبدالمطلب وآباء نبیؐ۔ کتاب الاستطاعۃ۔ کتاب احتجاج الشیعہ برزید بن ثابت دربیان فرائض۔ کتاب النوادر۔ کتاب المنتخبات۔ کتاب المزار۔ کتاب فضائل شیعہ۔ سعد کی وفات ۳۰۱ھ میں ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ ۲۹۹ھ میں واللہ اعلم۔

جعفر بن محمد بن موسیٰ قولویہ

شیخ نجاشی نے کہاہیکہ۔ ان کی کنیت ابوالقاسم تھی اور لقب مسلمہ۔ اور سعد بن عبداللہ اشعری کے بہترین اور ہمارے معتبرین و بزرگ اصحاب سے تھے۔ فن حدیث وفقہ میں اپنے باپ اور بھائی سے روایت کرتے تھے اور وہ سعد سے۔ اور یہ بھی کہاہے کہ میں نے سعد سے سوائے چار حدیثوں کے اور کچھ نہیں سنا۔

اور اسی طرح نجاشی نے کہاہے کہ ہمارے شیخ عبداللہ نے فقہ کو جعفر مذکور سے پڑھا تھا اور جس اوساہی سے حاصل کیا تھا جس قدر ان کی فقہ دانی کا راگ گایا جاتا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہیں اور ان کی تصنیفات کی تفصیل کتاب نجاشی میں مذکور ہے۔

ریّان بن شیب

یہ معتصم عباسی (خلیفہ) کے ماموں مرد ثقہ۔ آخر عمر میں مقام قم سکونت پذیر ہوئے۔ قم والوں نے ان سے روایت کی اور انہوں نے صباح بن نصر ہندی کے وہ مسائل جمع کئے تھے جن کو صباح نے حضرت امام رضاؑ سے دریافت کیا تھا۔

سیف بن عمرۃ النخعی

شیخ نجاشی نے کہاہے کہ وہ راویان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام وجناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے تھے ان کی تصنیف سے ایک کتاب فن حدیث میں ہے۔ ذہبی نے کتاب میزان میں کہا

ہے کہ سیف بن عمرہ نے ایان بن تغلب وغیرہ سے اخذ حدیث کیا ہے۔

ازوی نے کہاہے کہ بعض ارباب حدیث نے سیف بن عمرہ کے بارہ میں ایسی ویسی باتیں کی ہیں۔

عبداللہ بن ابی زید احمد بن یعقوب بن نصر الانبازی

شیخ نجاشی نے کہاہے کہ انکی کنیت ابوطالبؒ ہے۔ یہ ہمارے مشائخ میں سے ہیں اور مرد ثقہ فن حدیث میں اور اس کے طریقوں سے واقف ہیں۔ پہلے واقفی مذہب رکھتے تھے۔ ابوغالب رازی سے منقول ہے کہ میں ہمیشہ ابوطالبؒ کو گروہ واقفیہ سے گھلا ملا ہوا دیکھتا تھا اور اس کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ مذہب اثنا عشری رکھتا تھا اور ہمارے اصحاب نے اس بدگمانی میں اس پر ظلم کیاہے اور ابوطالبؒ بڑا عابد اور صاحب خشوع تھا۔

اور ابوالقاسم ابن سہل واسطی عدل نے کہاہے کہ میں نے کسی شخص کو عبادت وزہد تقویٰ۔ پاکدامنی۔ اور خلوت گوشہ نشینی میں زیادہ بہتر اور راغب تر ابوطالبؒ سے بہتر نہیں دیکھا۔ اور یہ واسط کے اہل خلاف سے ڈرتا تھا کہ ایسا نہ ہو اس کی نماز کو دیکھ لیں اور اس کے عمل سے آگاہ ہوں ناچار ہمیشہ اوقات نماز میں کھنڈلون۔ گرجون۔ بت خانوں میں چلا جاتا تھا اور وہاں جاکر اپنی نماز میں مشغول ہوتا تھا اگر وہاں پر اس سےکوئی ملاقی ہوتا تھا تو دیکھتے تھے کہ وہ بہترین طریقہ سے نماز ادا کر رہا ہے۔

حسین بن عبداللہ سے منقول ہے کہ ابوطالبؒ بغداد میں آیا۔ میں نے ہر چند چاہا کہ میرے اصحاب مجھے اجازت دیں کہ میں ابوطالبؒ سے مل لوں مگر انہوں نے اس بدگمانی کی وجہ سے جو انہیں ابوطالبؒ سے تھی مجھے جانے نہ دیا۔ ایک سو اکتالیس کتابیں ابوطالبؒ کی تصنیف سے ہیں۔

کتاب نجاشی میں مندرجہ ذیل کتابیں مذکور ہیں۔ کتاب الانتصار للتشیع من اہل البدع۔ کتاب المسائل المفردہ والدلائل المجردہ۔ کتاب اسماء امیر المومنین علیہ السلام کتاب دربیان توحید۔ عدل۔ امامت۔ کتاب درطرق حدیث الغدیر۔ کتاب درطرق حدیث انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ۔ کتاب التفضیل۔ کتاب ادعیہ ائمہ۔ کتاب فدک۔ کتاب درطرق قسیم النار۔ کتاب التطہیر۔ کتاب الخط والقلم۔ کتاب اخبار فاطمہؑ۔ کتاب فرق شیعہ۔ کتاب الابانہ عن اختلاف الناس فی الامامۃ۔ کتاب مسند خلفائے بنی العباس۔ راوی مذکور نے ۲۵۶ھ بمقام واسط وفات پائی۔

عبدالرحمن بن احمد بن خسرویہ بن محمد العسکری

شیخ نجاشی نے کہاہے کہ وہ ہمارے اصحاب متکلمین سے تھا ان کی تصنیف اور کلام دونوں عمدہ وپختہ ہیں۔ محمد بن عبداللہ بن مالک اصفہانی نے انہیں کے ہاتھ پر معتزلی مذہب ترک کرکے مذہب شیعہ امامیہ کی طرف رجوع کی اور انکے اور ابا عبادین سلیمان وغیرہ کے درمیان جو کہ ان کے طبقہ میں تھے

مناظرات واقع ہوئے ہیں منجملہ ان کی کتابوں کے جو ہم کو دستیاب ہوئیں کتاب کامل در بیان امامت ہے کہ یہ ایک اچھی کتاب ہے۔

علی بن الحسین ابن علی المسعودی النہدی

ان کی تصنیف سے کتاب مقالات در اصول و بیانات ہے۔ کتاب زلف کتاب استبصار۔ کتاب نشر الحیٰوۃ۔ کتاب نشر الاسرار۔ کتاب صفوۃ در بیان امامت۔ کتاب ہدایت در تحقیق ولایت۔ کتاب معالی در درجات۔ کتاب امانت در اصول دیانات۔ رسالہ اثبات وصیت برائے حضرت امیر علیہ السلام۔ ایک اور رسالہ جو راوی مذکور نے صعوہ مصیصی کو لکھا تھا گذشتہ زمانہ کے حالات۔ کتاب مروّج الذہب ومعاون الجواہر۔ کتاب فہرست ابوالفضل شیبانی نے کہا ہے کہ میں نے مسعودی سے ملاقات کی اور اس سے بیان روایات کی اجازت حاصل کی ہے راوی مذکور تا ۳۳۳ھ اور بروایتے ۳۴۵ھ تک زندہ رہا۔

محمد بن عیسیٰ ابن عبد اللہ ابن سعد ابن مالک الاشعری

شیخ نجاشی نے کہا ہے کہ ان کی کنیت ابو علی۔ اور اہل قم کے شیخ اور مذہب اشاعرہ کے بزرگ تھے اور مامون عباسی کے نزدیک ان کو رسوخ گفت وشنید حاصل تھا۔ جناب امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں بھی رسائی حاصل تھی آنحضرتؑ سے حدیثیں بھی سنی تھیں اور جناب امام محمد تقی علیہ السلام سے روایت کرتے تھے۔

القاسم بن محمد بن علی بن ابراہیم محمد الہمدانی

شیخ نجاشی کا بیان ہے کہ قاسم مذکور اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور اس کا باپ اپنے دادا سے۔ اور اس کا دادا جناب امام رضاؑ سے۔ قاسم اور اس کے آبا و اجداد بھی ناحیۂ مقدسہ کے وکلاء تھے۔ قاسم کے زمانہ ہمدان کے اندر ابو علی بسطام ابن علی وعزیز ہیر جو بنی کشمر ز سے تھے اس کے ہمراہ تھے اور یہ تینوں ایک ہی جگہ رہ کر کارِ وکالتِ ناحیہ مقدسہ میں مصروف رہتے تھے اور اس کے لئے کام کرتے تھے اور اس سے پہلے ان کے والد ابو عبید اللہ ابن ہارون کے کارکن تھے۔ اور ابو عبد اللہ اور ان کا لڑکا دونوں وکیل تھے۔ محمد بن علی کی تصنیف سے نوادر بہت سی ہیں۔

محمد بن مسعود بن محمد بن عیاش السلمی السمرقندی المعروف بالعیّاشی

شیخ نجاشی کا بیان ہے کہ ان کی کنیت ابو نصر ہے۔ یہ مرد ثقہ۔ راست گو تر اور گروہ امامیہ کے سردار ہیں مگر روایاتِ ضعیفہ بھی رکھتے تھے ابتدا سے حال میں مذہب اہل سنت پر عامل تھے چنانچہ ان کی بہت سی احادیث کو سنے ہوئے تھے۔ آخر آ کر طالب حق کو ہوئے اور مذہب امامیہ کی طرف پلٹے ابھی جوان ہی تھے کہ اہل بیتؑ کی احادیث کو اصحاب علی ابن حسین بن فضال و عبد اللہ بن محمد بن خالد طیالسی اور کوفہ و بغداد و قم کے شیوخ کی ایک، جماعت سے روایت کرتے تھے۔

شیخ نجاشی کہتے ہیں کہ میں نے قاضی ابوالحسن علی بن محمد سے سنا کہ ابو جعفر زاہد نے مجھ سے کہا کہ ابو نصر نے ۳ لاکھ اشرفیاں جو ان کو اپنے باپ سے میراث میں ملی تھیں تحصیل علم میں صرف کیں اور ان کا گھر خط نسخ لکھنے والوں اور مقابلہ کرنے والوں حاشیہ نویسوں اور قاریوں سے مسجد کی مانند لبریز رہتا تھا۔ ابو نصر کی تصنیفات بہت ہیں منجملہ ان کے کتاب تفسیر اور ایک کتاب ہے جو تمام فقہ کے ابواب پر شامل ہے جیسا کہ کتاب رجال شیخ نجاشی میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

محمد بن عبد اللہ بن جعفر بن الحسین بن جامع مالک الحمیری القمی

ان کی کنیت بنا بر روایت شیخ نجاشی ابو جعفر ہے یہ مرد ثقہ و بزرگ اور حضرت صاحب الامر علیہ السلام کے کاتب تھے اور ان حضرت سے مسائل متعددہ ابواب شریعت میں دریافت کر چکے تھے اور مسائل کو جواب وتوقیع آنحضرت کے ساتھ شامل کر چکے تھے یہ تین بھائی تھے۔ جعفر۔ حسین۔ احمد۔ ان ہرسہ کو امام علیہ السلام سے رسم خط و کتابت حاصل تھی۔ محمد کی تصنیفات کی تفصیل کتاب نجاشی میں مذکور ہے۔

محمد بن احمد بن ابراہیم ابن سلیم الجعفی الکوفی المعروف بالصابونی

ان کی کنیت بھی حسب بیان شیخ نجاشی ابو جعفر ہے۔ یہ مصر کے باشندے زیدی مذہب کے تھے بعد ازاں ہمارے مذہب (شیعہ) کی طرف رجوع اور ان کی تصنیفات کی تفصیل کتاب نجاشی میں مسطور ہے یہ متکلم عظیم القدر نیک عقیدہ علم کلام کے ماہر تھے ابتدائے حال میں معتزلی مذہب کے پابند تھے اور آخر میں مذہب حق کی طرف رجوع کی ان کی چند کتابیں علم کلام میں ہیں منجملہ ان کے کتاب کی تردید میں۔ کتاب ردّ زیدیہ۔ علی الجبائی کی تردید میں ایک کتاب رسالۂ مسئلہ مفردہ امامت ابوالحسن سوتخبردی کے بیان میں جو ہمارے مذہب کے سردار وصالحین متکلمین سے ہیں۔ انکی تصنیفات سے ایک رسالہ در بیان امامت بھی ہے جو مشہور معروف ہے۔ پچاس حج پیدل ادا کئے تھے۔ اور یہ کہتے تھے کہ زیارت امام رضاؑ کے بعد بلخ گیا اور وہاں ابو القاسم بلخی مشہور سے ملاقات کی اس نے مجھے پہچانا۔ ایک دن کتاب انصاف مصنفہ ابن قبہ اس نے میرے پاس دیکھی اس کی تردید میں ایک کتاب لکھی جس کا نام مسترشد رکھا

چنانچہ میں کتاب مسترشد کو مقام رے لے گیا اور ابن قبہ کو دی اس نے اس کی تردید میں کتاب مستثبت لکھی ۔میں دوبارہ بلخ گیا اور کتاب مستثبت ابوالقاسم کو دکھائی اس نے اس کی رَد میں ایک کتاب لکھی اس کا نام نقض المستثبت رکھا اب جب پھر میں رے کی طرف پلٹا تو میں نے دیکھا کہ ابن قبہ مر چکا تھا۔ مؤلف (غلام) کہتا ہے ابوالقاسم کی کتاب الرداب تو موجود نہیں اور افسوس کے لہجہ میں عرض کرتا ہے کہ یہ بے چارہ (یعنی قاضی صاحب رحمہ اللہ) اس وقت کہاں تھا اگر ہوتا تو باوجود کم مائیگی (علم) کم فہمی۔ کم قدرت کے ارواح حضرات طاہرینؑ سے متوسل ہو کر ابوالقاسم بلخی کی تردید کی تردید ایسی کرتا کہ اس (ابن قبہ بدبخت کے حلق میں ڈالتا اب تو میں اپنا شکوہ وملال خدا سے کرتا ہوں۔

محمد بن الحسن بن احمد بن ولید القمی

ان کی کنیت بھی شیخ نجاشی کی بنا پر ابوجعفر ہے۔ یہ اہل قم کے شیخ فقیہ۔ مقدم وسردار تھے۔ اور انکی بابت یوں کہتے ہیں کہ وہ قم میں جا کر سکونت پذیر ہو گئے تھے ورنہ اصل وہاں کے باشندے نہ تھے بہر حال یہ ثقہ۔ عالم۔ رئیس۔ قابل اعتماد مردم تھے ان کی کتاب تصنیف سے کتاب تفسیر قرآن۔ کتاب جامع الحدیث ہے ۳۴۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

محمد بن ابراہیم بن یوسف الکاشف

شیخ ابوجعفر طوسی نے کتاب فہرست میں لکھا ہے کہ انکا نام ابوالحسن ہے اور احمد بن عبدون نے کہا ہے کہ ابوبکر شافعی ہے۔ اس کی ولادت ۲۸۱ھ میں ہوئی۔ بظاہر یہ فقہائے شافعیہ سے تھا مگر باطن میں مذہب امامیہ پر عمل کرتا تھا دونوں مذہبوں کی فقہ خوب جانتا تھا اور دونوں میں تصنیف بھی۔ شیعہ مذہب کی تصنیف کشف التضاع ہے کتاب استعراد۔ کتاب عدّہ۔ کتاب استبصار۔ کتاب نقض عباسیہ۔ کتاب مفید در بیان حدیث وغیرہ۔

محمد بن احمد بن داؤد بن علی بن الحسن القمی

شیخ نجاشی کہتے ہیں کہ وہ قم والوں کے شیخ۔ عالم سردار تھے۔ اور اپنے زمانہ میں ان کے فقیہ۔ بعض فقہاء سے منقول ہے کہ راوی مذکور سے بڑھ کر کوئی شخص علم میں فقیہ تر۔ حفظ حدیث میں حافظ تر فن حدیث سے عارف تر نہ تھا آخر کار بغداد میں گیا۔ اور ایک عرصہ تک وہاں درس حدیث میں مشغول رہا۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن کی تفصیل کتاب رجال نجاشی میں مذکور ہے۔

محمد بن احمد بن الجنید ابو علی الکاتب الاسکافی

کتاب نجاشی وفہرست شیخ طوسی میں لکھا ہے کہ یہ سردار اصحاب شیعہ سے تھا۔ مرد ثقہ۔ جلیل القدر عمدہ تصنیف والا۔ مگر شروع حال میں قیاس کا قائل تھا (جو مذہب ابوحنیفہ کا ہے) اور اپنی اکثر تصانیف کو اسی بنیاد پر قائم کیا ہے اسی سبب سے اس کی کتابیں متروک اور پر ان کے اعتماد نہیں رہا۔

شیخ نجاشی کا بیان ہے کہ میں نے بعض شیوخ سے سنا ہے کہ اس کے پاس کچھ مال حضرت جعفر کا اور ایک تلوار بھی جس کے متعلق اپنی لونڈی کو ان سے وصیت کی تھی مگر آخر کار وہ مال تلوار برباد ہو گئی۔ ابن جنید کی تصانیف کی تفصیل فہرست وکتاب نجاشی میں مذکور ہے۔ ابن جنید معز الدولہ والدین آل بویہ کا ہم عصر تھا منجملہ اس کی تصنیف کے ایک کتاب ہے جو معز الدولہ کے سوالات کا جواب ہے۔

محمد ابن احمد بن عبداللہ بن قضاعہ بن صفوان بن مہران الجمال الاسدی

شیخ نجاشی کا بیان ہے کہ گروہ امامیہ کا شیخ اور ثقہ فقیہ۔ فاضل تھا والے موصل (جو آل حمدان کے سلاطین کی نسل تھا) کے نزدیک اس کی بہت کچھ منزلت تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ موصل کے قاضی سنی المذہب کے ساتھ اس نے دربارہ مسئلہ امامت مناظرہ کیا تھا حاکم مذکور کی مجلس میں جب راوی مذکور نے دیکھا کہ قاضی جی عداوت شدیدہ (اہل بیتؑ کی وجہ سے بجائے مناظرہ کے مکابرہ کر رہا ہے تو انہوں نے قاضی سے کہا آؤ تا کہ ہم ایک دوسرے پر بددعا کریں تا کہ حق ظاہر ہو جائے چنانچہ قاضی جی نے اس بات کے لئے دوسرے روز کی صبح کا وعدہ کیا۔ دوسرے روز جس وقت بادشاہی مجلس میں ہر دو فریق حاضر ہوئے محمد نے اپنا ہاتھ قاضی کے ہاتھ میں رکھ کر اس سے مباہلہ کیا اور اس کے بعد مجلس سے باہر چلا گیا۔ اور یہ بات بندھی ہوئی تھی کہ قاضی روزانہ دوبار مجلس مذکور میں آیا کرتا تھا جب اس روز دوسری مرتبہ آیا تو آخر شام ہو گئی صبح کا انتظار کیا گیا وہ صبح کو بھی نہ آیا۔

بادشاہ نے اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ قاضی کی خبر لائیں۔ ایک نوکر گیا اور یہ خبر لایا کہ قاضی جی جب سے مجلس مناظرہ سے اٹھ کر گئے ہیں اس وقت سے بخار میں مبتلا ہیں اور جس ہاتھ کے ساتھ مباہلہ کیا تھا وہ کالا پڑ گیا اور متورم بھی ہے چنانچہ دوسرے روز قاضی مذکور مر گیا اور اس نے اپنی جان داروغہ جہنم کے حوالے کی پس اسی سبب سے شہرت ابن عبداللہ صفوانی مذکور پھیل گئی اور ان سے شاہان شیعہ سے بہت کچھ منزلت اور درجات حاصل کیے۔

یہ بات مخفی نہ رہے کہ قرآن مجید میں خدائے تعالیٰ نے مباہلہ کے طریقہ کو سچے اور جھوٹے کی کسوٹی قرار دیا ہے۔ حضرت رسالت پناہ نے اس طریقہ کو کفار کے ساتھ جاری کیا تھا اور حضرت ائمہ اہل

بیتؑ نے اپنی شیعوں کو اس کو حکم دیا ہے چنانچہ سید بزرگوار میر مرتضیٰ علم الہدیٰ نے آخر کتاب منتقی میں اپنی اسناد سے بحوالہ ابی جعفر محمد ابن نعمان روایت کی ہے قَالَ لِیْ اَبُوْ عَبْدِاللّٰہِ الصَّادِقُ خاصموھم وبینوا لھم الھدیٰ الذین انتم علیه وبینوا لھم ضَلاَلَتَھُمْ وَبَاھِلُوْھُمْ فِیْ عَلِیٍّ ۔ کہ مجھے حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ مخالفین سے مخاصمہ کرو اور ان لوگوں سے حضرت علیؑ مرتضیٰ کے بارہ میں مباہلہ (بد دعا) کرو۔ احوال یحییٰ بن عبداللہ حسنی صاحب دیلم میں آئے گا۔ کہ انہوں نے ہارون الرشید کی مجلس میں عبداللہ بن مصب بن الزبیر سے مباہلہ کیا چنانچہ عبداللہ دوسرے ہی روز مر گیا۔ محمد امین احمد مذکور کی تصانیف بہت ہیں منجملہ ان کے کتاب ثواب القرآن کتاب الرد ابن الرباح الممطور۔ واقفیہ مذہب والوں کی رد میں ایک کتاب۔ کتاب الفیہ۔ کشف الحیوۃ۔ کتاب الامامہ۔ کتاب الرد برائے اہل اہواز۔ کتاب دربارہ سہ طلاق۔ کتاب الخارج در بیان فقہ۔ کتاب انیس العالم وآداب المتعلم۔ کتاب معرفت الفرائض از کتاب یوم ولیلہ۔ کتاب غور الاخبار ونوادر الاثار۔ کتاب التصرف واللہ اعلم۔

محمد بن عمر بن محمد بن سالم ابن البراء بن سیرۃ بن السیارہ التمیمی

المعروف بالجعالی الحافظ القاضی

شیخ نجاشی کا بیان۔ ہے کہ یہ حفاظ (جمیع حافظ) حدیث اور بزرگ ترین علماء سے تھے اور انہیں کی تصنیف سے کتاب احوال محدثین شیعہ اور ان کے طبقات کے بارہ میں ہے اور یہ بہت بڑی کتاب ہے۔ اس حدیث کے طریقوں کا بیان جس کو حضرت امیر المومنینؑ سے روایت کیا ہے وہ یہ ہے۔ بعھد النبی الاُمّیّ اَلاَانَّہٗ لَا یُحِبُّنِیْ اِلَّا مُؤْمِن ولا یبغضنی اِلَّا مُنَافِقٌ کہ مجھ سے جناب رسالت مآبؐ نے اس بات کا اقرار فرمایا ہے کہ اے علیؑ مومن کے سوا تمہیں کوئی دوست نہ رکھے گا اور منافق کے سوا کوئی دشمن نہیں جانے گا۔

کتاب ذکر مواخاۃ النبی لامیر المومنینؑ۔ ''جس میں جناب رسالت مآبؐ کا بھائی چارہ حضرت امیرؑ سے کرنا مذکور ہے''۔ کتاب الموال الاشراف وطبقاتھم۔ کتاب رودیان بنی ہاشم اور ان کے غلاموں کا بیان۔ کتاب من روی حدیث غدیر خم۔ ''راویان حدیث غدیر خم کا بیان'' کتاب اختلاف ابی بن کعب اور ابن مسعود در بیان لیلۃ القدر اور اس کی احادیث کے طریقوں کے بیان میں۔ کتاب اخبار بغداد وطبقات اصحاب احادیث جو اس جگہ پر تھے۔ کتاب مسند عمر بن علی بن ابی طالبؑ۔ کتاب اخبار علیؑ بن الحسینؑ۔ کتاب اخبار ابوطالبؑ۔

در بیان وکلاء ناحیہ مقدسہ مہدویہ علیہ تر الف السلام والتحیہ عثمان بن سعید العمری الاسدی

کتاب خلاصہ الاقوال میں لکھا ہے کہ ان کی کنیت ابو عمرو اور لقب عثمان وزیات تھا اور عَمری عین کے زبر سے ہے۔ جس سے اشارہ ان کی بصیرت ظاہری و باطنی دونوں کی طرف ہے۔ نہ عین کی پیش سے جس سے مراد اندھاپن ہے۔

مخفی نہ رہے کہ سمعانی نے کتاب النساب میں نسبت عمرو بن حریث کو منجملہ احتمالات نسبت عمری کے شمار کیا ہے چونکہ عمرو بن حریث صیرفی کوفی جن کا ذکر سابق میں اس مجلس (پنجم) کے اندر ہو چکا ہے اسدی قبیلہ کے ہیں پس ظاہر ہے کہ عثمان مذکور ان کی اولاد سے ہوں گے اور اسی سے نسبت رکھتے ہوں گے۔ اور وہ شیخ ثقہ جلیل القدر عالم مقام۔ اصحاب امام ہمام حضرت ابی جعفر محمد بن علی ہادی علیہم السلام سے ہیں جنہوں نے گیارہ برس کی عمر سے امام عالی مقام ہی کی خدمت میں نشو ونما پائی تھی اور آخر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام و جناب امام محمد مہدی علیہ السلام کی وکالت کے عہدہ سے مشرف ہوئے تھے۔ اور یہی پہلے وہ شخص ہیں جن کو جناب امام حسن عسکری علیہ السلام نے جناب امام محمد مہدی علیہ السلام کی وکالت کے نستے مقرر کیا تھا۔

اور یہ بھی پہلے سفیر وہ اب ہیں اور ساتھ ہی یہ اشارہ بھی فرمایا تھا کہ ان کے بعد حضرت حجۃ کی وکالت کا عہدہ ابوجعفر محمد پسر عثمان کو سپرد ہوگا چنانچہ انہوں نے پچاس سال تک ناحیہ مقدسہ میں حضرت امام جعفرؑ کی خدمت وکالت کو انجام دیا تھا۔ اور مخلصین کے سوالات والتماسیں ان جناب تک عرض کیا کرتے تھے اور ان کے جوابات ضمن میں فرمان عالیشان امام صاحب العصر کے لایا کرتے تھے۔

اور جس وقت ماہ جمادی الاول ۳۰۵ھ میں محمد بیمار ہوئے اور ان کا حال متغیر ہوا تو شیعوں کی ایک جماعت ان کے پاس آئی مثل ابوعلی نوبختی۔ و ابوعبداللہ ابن ابوحنا وغیرہ جو کہ بزرگان واشراف سے تھے انہوں نے آکر ابوجعفر سے کہا کہ اگر تم مر جاؤ تو تمہاری جگہ کون مقرر ہوگا اس نے اشارہ کیا طرف ابو القاسم حسین ابن روح نوبختی کے کہ یہی میرے قائم مقام وکیل۔ ثقہ۔ امین صاحب الادعہ تمہارے اور آنحضرت کے درمیان سفیر ہوں گے تم لوگوں کو چاہیئے کہ میرے بعد ان کی طرف رجوع کرنا اور اپنی مشکلات میں ان پر اعتماد کرنا کہ میں اسی بات پر مامور ہوا تھا اور اب میں نے یہ پیغام (امام علیہ السلام) پہونچا دیا اور جس وقت ابوالقاسم بن روح کی وفات ماہ شعبان ۳۲۶ھ میں واقع ہوئی تو انہوں نے مرنے سے پہلے ابوالحسن علی بن محمد سمری کے متعلق وصیت کی۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا اور بیمار

ہوئے تو شیعوں کی ایک جماعت ان کے سرہانے آئی اور ان سے پوچھا کہ اب عہدہ وکالت ناحیۂ مقدسہ کس شیعی سردار کے متعلق ہوگا تو انہوں نے فرمان امامؑ کی ایک نقل جس سے آیندہ کسی کو اس عہدہ کی وکالت کی ممانعت درج تھی۔ دکھائی جو تحریر فرمان امام علیہ السلام حاضرین نے دیکھی وہ یہ تھی۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" یا علی بن محمد سمری اعظم اللہ اجرا اخوانک فیک فانک میت بین سنه ايّام فاجمع امرک ولا توص الی احد فتقوم مقامک بعد وفاتک فقد وقعت الفینه التامة فلا ظهور الا بعد اذن الله تعالیٰ ذکره ذالک بعد ملول الا مدوقسوة القلوب وامتلا الارض جوراً وشیاتی ومن شیعتی من یدعی المشاهرة الا فمن ادّعی المشاهدة قبل خروج السفیانی والصیحة فهو کذاب مفترٍ ولاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم (ترجمہ) خدائے رحمان ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہوں اے علی بن محمد سمری اللہ تعالیٰ تمہارے بھائیوں کو تمہارے غم میں اجر عظیم عنایت کرے تم چھ روز کے عرصہ میں مرنے والے ہو۔ اس لئے تم اپنا انتظام درست کر لو (مراد اس سے سامان تجہیز و تکفین وغیرہ ہے) اور کسی کو وصیت نہ کرو کہ وہ تمہاری موت کے بعد تمہارا قائم مقام ہو کیونکہ غیبت کبریٰ واقع ہوگئی ہے اب ہمارا ظہور اس وقت تک نہ ہوگا جب تک اذن باری تعالیٰ نہ ہو۔ اور ظہور اس وقت ہوگا جب کہ مدت دراز گزر جائے گی۔ دل سخت ہو جائیں گے۔ زمین ظلم وستم سے بھر جائے گی۔ اور عنقریب میرے شیعوں سے ایسے افراد آئیں گے جو میرے دیکھنے کے مدعی ہوں گے۔ خبردار رہو جو شخص میرے دیکھنے کا دعویٰ خروج سفیانی اور چیخ آسمانی سے پہلے کرے وہ کاذب ومفتری ہے ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

چنانچہ حاضرین نے اس فرمان عالیشان امام ہمام صاحب الامرؑ کی نقل لے لی اور بیمار کے سرہانے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور چھٹے روز جب ابوالحسن مذکور کے دیکھنے کو آئے تو دیکھا جان کنی کے عالم میں ہیں اسی حالت میں ایک اور شخص نے جس سے فرمان مذکور کا قصہ سنا تھا ان سے پوچھا کہ تمہارے بعد وکیل کون ہوگا بولے للہ والامر ھو بالغہٗ معاملہ خدا کے حوالے ہے وہ جس کو چاہے گا پہونچائے گا۔ بس یہ آخری بات تھی جو لوگوں نے ان سے سنی اور اسی روز کہ پندرہ ماہ شعبان ۳۲۸ھ تھا انہوں نے وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ یہ بزرگوار آخری وکیل ناحیہ مقدسہ زمانہ غیبت صغریٰ کے تھے ان کی عمر ۷۳ سال ہوئی اس وکالت کی ابتدائی ولادت شریفہ حضرت صاحب الامر علیہ السلام تھی کہ ۲۵۵ھ ہجری تھا اور اس کی انتہا پر خاتمہ وکالت وکلاء تھی اور ہر ایک سفیر ابواب وکالت شریفہ آنحضرتؑ کو ہمراہ نص صریح از جانب امام عصر دکھلایا کرتا تھا جب تک دعویٰ کے موافق کوئی معجزہ ان کے ہاتھوں ظاہر نہ ہوتا اور لوگ ان (وکلاء سفراء) کے قول کو قبول نہیں کرتے تھے۔ اور اس مقام پر جبل واضح تقریر وکلام کی زیادہ ضرورت ہے وہ یہ

ہے کہ حضرت صاحب الامر علیہ السلام کو دو غیبت حاصل ہوئیں۔ (۱) غیبت صغریٰ معتمد عباسی کے زمانہ میں جب کہ ۲۶۰ھ تھا۔ (۲) غیبت کبریٰ جو عہد راضی بن مقتدر عباسی کے زمانہ میں ہوئی بعد انتقال علی بن محمد اسمری کے در ۳۲۸ھ اور فرق درمیان ان دونوں غیبتوں کے یہ ہے کہ زمانہ غیبت صغریٰ میں وکلاء آنحضرتؑ آپ کے اور نیکوکاران امت (شیعہ) کے درمیان فرمان ہائے شریفہ اور احکام واجب الطاعۃ امام کے پہونچانے کے لئے واسطہ اور ذریعہ تھے۔ اور غیبت کبریٰ میں ان کی آمد منقطع ہوگئی اور کبھی کبھی کسی سعادت مند کو دیدار ہمایوں آنحضرت نصیب ہوا ہے۔ یا اللہ۔

ہم کو بھی آپ کا دیدار فیض آثار نصیب فرما۔ اور فرج کلی جس سے مراد ظہور آنحضرت صلوات اللہ وسلامہ علیہ ہے وہ آخر غیبت کبریٰ کے ہوگا۔ اور جزوی فرج وظہور۔ بھی ہیں جو کہ فرج کلی کے لئے بمنزلہ شرط کے ہیں ان کا وقوع موافق ارشاد فیض بنیاد حضرت ایزد باطن سے ظہور میں آئے گا اور دعائے فرج کے پڑھنے پر جو ہم مامور ہیں تو وہ اس شرط فرج جزوی کے شمار میں ہے جس پر فرج کل موقوف ہے اور بعض روایات میں آیا ہے اس سے مراد بعض جزوی فرج (ظہور) ہے چنانچہ شیخ بزرگوار محمد ابن علی بابویہ نے کتاب اکمال الدین واتمام النعمہ میں اس کا اشارہ کیا ہے۔ فرمان ہائے امام علیہ السلام کی صورتیں اصحاب کی کتب شریفہ میں بہت ہیں جن میں سے ہر ایک بیشمار فوائد پر مشتمل ہے اور منجملہ ان بہت سے فرمانوں کے ایک وہ فرمان ہے جس کو شیخ بزرگوار قدوۃ المحدثین سید المتقدمین والتاجرین محمد حسین یعقوب القلینی نے اسحاق بن یعقوب سے نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ اسحاق مذکور کہتا ہے کہ میں نے محمد بن عثمان ابن سعید السمری سے۔ خدا اس سے رضامند ہو اور اس کو خوش کرے۔ یہ عرض کیا کہ میری جانب سے حضرت امام صاحب العصرؑ کی خدمت میں ایک نوشتہ پہونچا دو کہ جو کہ مشتمل تھا ایسے مسائل پر جو کہ میرے لئے مشکل تھے۔

پس فرمان عالیشان میرے آقائے نامدار کا اس کے متعلق وارد ہوا۔ جس میں ان تمام مشکلات کا حل موجود تھا منجملہ ان مسائل مشکلہ کے دو سلئے یہ بھی تھے کہ غیبت کی اول ضرورت ہی کیا ہے پھر حالت غیبت امام میں لوگوں کو کونسا نفع ہے چنانچہ غیبت اس لئے واقع ہوئی ہے کہ حق تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے یا ایها الذین آمنوا لا تسئلوا عن اشیاء ان تبد لکم تسؤکم اے ایمان لانے والوں مت دریافت کرو ایسی باتوں کے متعلق کہ اگر اس کا جواب تم پر ظاہر کیا جائے تو یقیناً وہ اطلاع تمہیں بری و ناگوار معلوم ہو' یقیناً میرے آباء طاہرین میں سے کوئی بزرگوار ایسا نہیں ہے کہ جن کی گردن اقدس میں کثیر الطغیان (بڑا سرکش) باغی کی بیعت نہ واقع ہو چکی ہو جو کہ ان کے زمانہ میں تھا اور میں اس وقت ظاہر ہونگا کہ میری گردن پر کسی سرکش کی بیعت نہ ہوگی (یہ تو پہلے سوال غیبت کا جواب ہے) لیکن میری ذات سے فائدہ کیا ہے غیبت کے ایام میں اس کا جواب یہ ہے کہ میری ذات چھپنے والے سورج کے

مانند ہے کہ جس وقت ابر آفتاب کی تکیہ کو چھپا دیتا ہے یا رات ہو جاتی ہے تب بھی تو لوگ برابر اپنے کاموں میں مصروف و مشغول رہتے ہیں۔۔ میں یقیناً اہل زمین کے لئے باعث امن وامان ہوں جیسے ستارے اہل آسمان کے لئے سبب امن ہیں۔ اس کے بعد فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے سوالات کے دروازے بند کر دو جو تمہارے کام کی باتیں نہیں ہیں اور تکلیف وزحمت نہ حاصل کرو اور ان چیزوں کے جاننے سے جن کی بابت تمہیں روک دیا گیا ہے اور تعجیل فرج ''ظہور امامؑ'' کے لئے بہت دعا کیا کرو کیونکہ اس میں تمہاری کشائش ہے'' اس کلام حقائق نظام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عقل بشری امور اللہ کو پورے طور پر جان نہیں سکتی اور انسان کو ہر بات کے جاننے کے لئے مکلّف نہیں بنایا گیا۔ اور بعض امور شہ عید کی وجہ نہ بتانے کی غرض جیسے کہ آخری روز ماہ رمضان کا روزہ کہ اس کا رکھنا واجب ہے اور روز عید کا روزہ حرام ہے اور چھ روز عید کے بعد روزہ رکھنا مستحب ہے یہ اس لئے حکم دیا گیا ہے تاکہ بندہ جانے کہ اس کو اپنے مالک کی بندگی و فرمانبرداری کرنی چاہئے اور فضول بات اور خودداری کے پیچھے نہ پڑے اور یہ بات ضروری نہیں ہے کہ انسان کی عقل ناقص ہر چیز کی مقدار اور کیفیت جان لے سوائے اس چیز کے جس کی معرفت کا مکلّف بنایا گیا ہے اور اس کی عقل میں اس کی گنجائش بھی ہو۔

حضرات اہل بیتؑ کی صحیح روایات میں وارد ہے کہ کوئی مومن نہیں ہے جس کو سعادت دیدار فیض آثار امام عصرؑ نصیب نہ ہو۔ انتہا یہ ہے کہ بنا بر بعض ان مصلحتوں اور ربانی حکمتوں کے جن کی اصلیت پر علام الغیوب کے سوا دوسرا کوئی واقف نہیں ہے آنحضرت کو (کوئی نہ پہچانے اس طریقہ سے کہ آنحضرت کو پہچاننا چاہئے یہ بات ہے۔ چونکہ اس غیبت کبریٰ کے زمانہ میں حیرت و وحشت عظیم لوگوں کو طاری ہوتی ہے بجز اس شخص کے جس کو خدا نے توفیق عطا کی ہو اپنے لطف عام سے اور اس کو اس بات سے بچا دیا ہو اپنے فضل و کرم سے۔ ورنہ یہ بات قدموں کی ڈگمگا دینے والی اور عقلوں کو پست کر دینے والی ہے لہٰذا آنحضرتؑ بوجہ کثرت الطاف بزرگانہ سے کبھی کبھی محبان خاص مقبول بارگاہ و مقرب شرف اختصاص کو دفع حیرت اور ان کے ولی اطمینان کی غرض سے اپنے جمال جہاں آرا کی زیارت کرا دیتے ہیں پس ایسا شخص توفیق الٰہی کی رہنمائی کی وجہ سے محرم حرم مرائے عصمت امام علیہ السلام ہو جاتا ہے ''یعنی ان تک رسائی ہو جاتی ہے'' یہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ اس لطف جلی کی وجہ سے شیطانی وسوسہ کا زنگ دور اور آئینہ خیالات فاسدہ نفسانی امانت دار کی جلا ہو جائے۔ اور یہ بات سلیم طبائع اور عقول مستقیم پر واضح و روشن ہے کہ جب مخالف و موافق بنا بر روایات صحیحہ اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرتؑ کے زمانہ ظہور میں تمام دفینے اور خزانے جو نظر خلق سے چھپے ہوئے ہیں ظاہر ہو جائیں گے اور تمام زمین کے ظالم و ستمگر آپ کے سامنے مغلوب ہوں گے اور تمام دنیا آنحضرتؑ کے قبضۂ اختیار و اقتدار میں آ جائے گی۔ اور جہاں آنحضرتؑ کے عدل و داد کے نور سے روشن ہو جائے گا اور یہ تمام باتیں خدائی قدرت و طاقت کے ماتحت آپ کو

مرحمت ہوں گی اس لئے کیوں ایسا ممکن نہیں ہے کہ اس غیبت کے زمانہ میں جو حضرت رب العزہ کی چند حکمتوں پر مبنی ہے خدائے تعالیٰ آنحضرتؑ کو اتنی طاقت دے کہ حضرت حجۃ چند مقامات اپنے قبضہ میں لائیں کہ کسی کو وہاں تک بغیر حکم آنحضرتؑ رسائی نہ ہو اور ان مقامات میں سے کوئی مقام اپنے اور خاص محرم ملازمین کے لئے مخصوص فرما دیں تاکہ چند امور کی بجا آوری کے لئے جس میں مصلحت دینی و صوابدید آنحضرت ہو وہاں قیام فرمائیں جیسا کہ بحر ابیض و جزیرہ اخضر سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور عظیم القدر عارفوں اور رفیع الشان خاندان والوں پر واضح ہے کہ یہ بات ان کے اولیٰ مرتبہ بلکہ اس خاندان کے کمزور درجہ مخلص سے متعلق ہے اگر یہ محل اس قابل ہوتا تو ہم بہت سی دلائل عقلیہ اور شواہد نقلیہ (ثبوت قرآن وحدیث) اس بارہ میں وارد کرتے۔ اور کتاب مستطاب اکمال الدین واتمام النعمہ مصنفہ شیخ اجل اکمل افضل آیہ آلہ علی العالمس۔ قدوہ اہل الحق والیقین ابو جعفرؒ محمد بن علی بن ابو یہ قمی قدس سرہٗ العزیز سے ہے کہ یہ بزرگوار دعائے حضرت صاحب الزمان علیہ افضل صلوات الرحمان سے موافق التماس ان کے والد بزرگوار کے پیدا ہوئے تھے) اس کتاب کو غیبت کے بارہ میں اشارہ یا بشارت حضرت حجۃؑ سے جس کے متعلق ایک امر خاص کے ضمن میں حضرت نے انکو حکم دیا تھا تصنیف کی ہے کہ کتاب بہت سے فوائد ومنافع پر مشتمل ہے اور اصحاب شیعہ کی اور کتابوں سے مضمون غیبت کے متعلق پورا پورا امتیاز رکھتی ہے اگر احباب طالبان معاملات غیبت کماحقہ معلوم کرنی چاہیں تو اس کتاب کی طرف رجوع کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ابوالحسن علی بن اسماعیل بن شعیب بن تیم بن یحییٰ الثمار الاسدی الکوفی البصری

یہ شخص نادرین اذکیاء روزگار و اکابرین متکلمانِ شیرین گفتار سے تھے اگرچہ ان کے بزرگ آباء واجداد تمار۔ خرما فروش'' کے لقب سے مشہور تھے مگر یہ بصیرت ''دانائی'' کے بصرہ سے معنوی باتوں کی تازہ کھجوریں بے خار۔ داوئ نادانی کے تلخ کاموں کیلئے بطور تحفہ کے بھیجا کرتے تھے۔ اس لئے کہ بہت سی کھجوریں ایسی ہوتی ہیں کہ بے انتہا شیرینی کی وجہ سے شکر خورمی کے نرخ کو گھٹا دیتی ہیں اور بے تکلف دعویٰ کا ہاتھ مصر کی مصری کے سامنے بڑھا دیا ہے تیری شیرین سخنی لے گئی دل عالم کا۔ مجھ سا شیرین سخن ایران و عرب میں سے کمال کتاب۔ خلاصہ میں مذکور ہے کہ علی بن اسماعیل پہلے وہ شخص (شیعہ) ہیں جنہوں نے مذہب اہل بیت کے مطابق علم کلام میں متکلمین اسلام سے کلام کیا اور اس علم میں تصنیف بھی کی۔

اصل میں کوفہ کے رہنے والے تھے بعد میں بصرہ آ رہے ہمارے متکلمین اصحاب کے سرداروں

میں سے ہیں۔ انکے اور ابوالہندیل علاف اور نظام کے درمیان جو کہ فرقہ معتزلہ جو کہ منجملہ اصحاب حضرت امیر المومنینؑ سے تھے۔ اس کتاب میں مجلس تابعین کے بیان میں مذکور ہیں۔ الختصر علی بن اسماعیل اس خاندان جلیل سے تھے اور اس ہلال کے قمر۔ اور اس درخت کی شاخ۔ اور اپنے جد و پدر کے فضل کے لئے شاہد عدل تھے۔

سمعانی (مورخ نے کتاب انساب میں کہا ہے کہ بنو تیم شیوخِ شیعہ کی ایک جماعت کا نام ہے علی بن اسماعیل کی تصنیف جن کو شیخ نجاشی نے کتاب رجال میں ذکر کیا ہے ان میں سے ایک کتاب امامت ہے۔ اور کتاب مجالس ہشام بن الحکم۔ کتاب النکاح۔ کتاب الطلاق۔ کتاب متعہ۔ اور منجملہ اس کے مناظروں کے ایک مناظرہ جو ابوالہندیل علاّف کے ساتھ واقع ہوا۔ یہ ہے کہ ایک روز علی بن اسماعیل نے ابوالہندیل سے پوچھا کہ جانتا ہے کہ شیطان ہر نیکی بدی کو رد کتاب ہے ابوالہندیل نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ ابوالحسن نے کہا پس مجھے بتا کہ جو امام بعد جناب رسول خدا صلعم تیرا مقتدا ''پیشوا'' ہے آیا وہ بھی نیکی وبدی کو جانتا ہے یا نہیں۔ ابوالہندیل وہ نہیں جانتا۔ ابوالحسن پس تیرے اس بیان سے ثابت ہوا کہ شیطان ابلیس سے زیادہ علم والا ہوا بہ نسبت تیرے امام کے۔ ابوالہندیل حیران رہ گیا۔ ایک دوسری مجلس میں ابوالحسن نے اس سے پوچھا کہ جس کسی شخص نے کسی مقام پر اپنی دور نگاہی جھوٹی شہادت کا اقرار کیا ہو کیا جائز ہے کہ اس کی شہادت دوسروں کے سامنے اس مجلس پر قابل تسلیم ہو۔ ابوالہندیل یہ بات تو جائز نہیں ہے۔ ابوالحسن۔ تو خود جانتا ہے کہ انصار نے ''سقیفہ میں'' اپنے لئے دعویٰ امامت کیا تھا اس کے بعد سب لوگوں کے سامنے اپنی تئیں جھٹلا کر جمہور کے روبرو اپنی جھوٹی گواہی کا اظہار کیا اور اسی گواہی کے بموجب استحقاق۔ ''خلافت'' ابوبکر کا اقرار کیا۔ پس ایسی قوم کی گواہی کیونکر جائز ہوگی جنہوں نے اپنے تئیں خود جھٹلایا اور جھوٹی اور بے اصل گواہی سے اپنے دعویٰ کو ادا کیا۔ اور اس کلام کی تشریح جو مختصر و مبہم ہے جیسا کہ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ سے منقول ہے یہ ہے کہ جس وقت مخالفین کی دلیل امامت ابوبکر کے لئے خیال میں مہاجر و انصار کا اجماع ٹھہرا اور انصار نے اس جگہ اپنے جھوٹے ہونے کی گواہی دی اور زبان کو استحقاق امامت کے دعویٰ کے باطل ہونے پر کھولا۔ تو ان کا وجود عدم (اقرار و انکار) برابر ہوا۔ اور حالانکہ امت ابوبکر کے گواہ امت کے کچھ لوگ ہیں (نہ کہ تمام) اور ہم ''یعنی مسلمان'' شہادت تمام امت کا دعویٰ کرتے ہیں لہٰذا یہ دعویٰ باطل ہوا۔ اور چونکہ اس کتاب کا مؤلف۔ ''جناب قاضی صاحب مرحوم ''جو باغِ بہشت کا نشانہ اور مرغان صاحبان پر'' مراد فرشتے'' کا آشیانہ ہے ہمیشہ ثواب کے پردہ نشیں محبوبوں کی تلاش میں رہتا ہے اور دشمنان ناصواب یا یوں کئے کہ دم دار چوپایوں کے پیچھے ایک بہانہ ڈھونڈتا ہے ناچار اس جگہ کلام کو وسعت دیتا ہے اور دعویٰ اجماع کو ان معمولی لوگوں کے وَدّ و سُواع و دو مشہور بت تھے جنگی مشرک پوجا کرتے تھے) مراد حضرت ابوبکر'' کے متعلق ایک جانب رکھتا ہے اور ان

کے فاسد جھگڑے اور ناقص پونجی کو سلیم طبعیتوں اور درست ذہنوں کے سامنے ظاہر کرتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ ان کے دعویٰ کا ضعف نہایت واضح ہے کیونکہ جناب امیر علیہ السلام نے چند موقعوں پر'' جیسا کہ اس کتاب میں مذکور ہو چکا'' اس (استحقاق خلافت) کے لئے نزاع فرمایا ہے اور مخالفین کو اقرار ہے کہ چھ ماہ تک آپ نے بیعت (ابوبکر) نہیں کی اور صحابہ سے آپ نے واقعہ غدیر کی گواہی مانگی چنانچہ انس وبن مالک) نے کہ یہ بھی منجملہ (گواہان غدیر کے تھا) گواہی نہ دی تو آپ نے اس کے لئے بددعا فرمائی تا کہ انس مبروص (سفید داغ کا ہو جائے) ہو گیا علاوہ ازین آپ نے زید بن ارقم سے بھی گواہی مانگی اس نے بھی گواہی ندی وہ آپ کی بددعا سے اندھا ہو گیا۔

اور سلمانؓ وابوذرؓ ومقدادؓ۔ وعمارؓ کا تراع اور ابوبکر کے خلاف حجت لانا مشہور ہے اور سعد بن عبادہ اور اس کی اولاد کا بیعت ابوبکر وعمر سے ہٹ رہنا زبان جمہور پر مذکور ہے اور ان کی کتابوں میں مسطور بعض فاضلین اصحاب نے جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے اس کلام مجمل کے لئے۔ ''یعنی دعویٰ کے لئے'' دلیل کی ضرورت ہے۔ یا دشمن کا قبول کر لینا لیکن مدّ مقابل شیعہ ہے اور وہ امامت ابوبکر کو قبول نہیں کرتا۔ اور (خلافت بکر یہ پر) کوئی دلیل عقلی و نقلی موجود نہیں ہے۔ اور اجماع جس کو تم نے دلیل قرار دیا تھا اس کی حقیقت کو معلوم کر چکے اور عنقریب اس کا باطل ہونا ظاہر ہو جائے گا۔ پس ان کی امامت باطل ہو گئی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مخالفین کو قرار ہے کہ ہم خلافتِ بکر یہ پر اجماع کے سوا کوئی دلیل نہیں رکھتے اور اجماع کے معنی ان کی ''مخالفین کی'' اصول کی کتابوں میں مثل منہاج قاضی بیضاوی۔ مختصر اصول ابن حاجب اور ان کی شرحوں میں بیان ہو چکا ہے اس سے مراد تمام اہل حل وعقد یعنی مجتہدین علمائے مسلمین کا جمع ہونا کسی بابت پر ایک ہی وقت میں''

اور خود ہی انہوں۔ نے اس میں بہت کچھ بحث کی ہے کہ وہ تمام بحثیں شرح عضدی میں مذکور ہیں مثلاً اول اجماع ایک ممکن بات ہے یا محال ہے اور ممکن ہونے کی صورت میں آیا وہ (اجماع) ثابت بھی ہو چکا ہے یا نہیں۔ اور بر تقدیر ثبوت۔ اس کا علم نقل (قرآن وحدیث) سے حاصل ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اور ہر حالت میں وہ کسی بات کی دلیل بھی قرار پا سکتا ہے یا نہیں۔ اور اگر وہ حجت بھی قرار پا جائے تو جس صورت میں وہ تواتر کی حد تک نہ پہونچے حجت و دلیل بھی ہو سکتا ہے یا نہیں اور ان تمام باتوں کے اندر ان کے علماء میں اختلاف ہے پس پہلے ان تمام باتوں کو ثابت کرنا چاہیے تا کہ حقیقت امامت (ابوبکر) ثابت ہو۔

میں نہیں جانتا کہ آیا جو لوگ ان تمام باتوں کے قائل نہیں ہیں وہ کیونکہ دعویٰ حقیقت امامت ابوبکر کرتے ہیں اور اس کے ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

اس کے دوسرا اختلاف ہے کہ آیا اجماع میں یہ بھی شرط ہے کہ اجماع کرنے والوں کی

جماعت کی ایک فرد بھی باقی نہ رہے جو وہاں ''موقع ومحل پر۔ موجود نہ ہو۔ اور کوئی ان میں مخالف نہ ہو سب کے چلے جانے تک یا نہیں۔

تیسرا اختلاف یہ ہیکہ اکیلا اجماع حجت ہوسکتا ہے یا کوئی اور سند بھی چاہتا ہے کہ حقیقۃً وہی۔ (سند حجۃ ودلیل ہو یا نہیں۔

اور سند جس کا اس بات میں ذکر کیا ہے وہ قیاس ہے کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلعم جس وقت بیمار تھے تو آپؐ نے ابوبکر کو امامت نماز کا حکم دیا'' حالانکہ یہ قطعاً بدلائل غلط ہے'' اور انکے علماء نے مثل ملا علی قوشجی کے کہا ہے کہ جب دینی معاملہ ''نماز جماعت'' کے لئے حضرت رسالتؐ پناہ نے ابوبکر مقتدا کردیا ہوا اور رضامند ہو گئے ہوں پس دینوی معاملہ کے لئے کہ وہ خلاف ہے ''استغفر اللہ خلافت جو ہوں گے۔ انہوں نے معاملہ خلافت کو قیاس کرلیا ہے نماز جماعت کی امامت کی مثل اور اسی کو اجماع کی سند قرار دیا ہے لیکن جس کسی کو تھوڑا سا علم بھی اصول ''دین'' کا ہوگا وہ اس قول کے فساد کو بخوبی جانتا ہے کیونکہ قیاس کا ثابت کرنا کمال درجہ مشکل ہے اور باہم علماء کے اندر اس میں اختلاف ہے چنانچہ علمائے اہلبیتؑ اس (قیاس) کو حجت نہیں قرار دیتے اور اپنے اس قول پر دلیل عقلی ونقلی رکھتے ہیں جیسا کہ اصول فقہ کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اور انکے ماسوا اوروں نے بھی اس کی اقسام وشروط میں بہت کچھ اختلاف کیا ہے اور برتقدیر ثبوت ''قیاس'' کہ بغیر اس کے مانے ہوئے پاتا ہے۔ اور کسی جگہ فرع اصل کے ساتھ برابر ہو جاتی ہے اور یہاں پر تو علت ظاہر نہیں ہے بلکہ فرق ظاہر ہے کیونکہ نماز ہر فاسق وفاجر کے پیچھے پڑھنا سینوں کے یہاں درست ہے۔ اور معاملہ جماعت نماز واحد معاملہ ہے کہ جس میں نہ بہت سے علم کی نہ شجاعت وتدبیر وغیرہ کی ضرورت ہے۔ اور خلافت سلطنت وحکومت ہے تمام دینی اور دینوی معاملات میں اور اس میں علوم شرائط بے شمار کی ضرورت ہے۔ اور معلوم نہیں کہ ان باتوں میں سے ابوبکر کی ذات میں ایک بھی ہو۔ پس خلافت پر امامت نماز کو قیاس نہیں کرسکتے۔ اور ملاّ علی قوشجی کا یہ کہنا کہ امامت نماز دینی بات ہے اور خلافت دینوی باطل ومحض غلط ہے کیونکہ اسی شخص نے صدر مبحث امامت ائمہ کے بیان میں شرح تجرید کے اندر کہا ہے کہ خلافت وامامت حکومت ہے انتہا یہ ہے کہ ایک دینوی دوسری دینی اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اصل (امامت نماز ابوبکر) ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ شیعہ اس کے کمال درجہ منکر ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا لوگ خود ہی (فرادیٰ تنہا) نماز پڑھ لیں۔ اور ابوبکر کی بیٹی ''عائشہ۔ زوجہ نبویؐ'' نے کہا کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ ابوبکر امامت کرائے جب آنحضرت صلعم کو اس کی اطلاع ملی تو فوراً ایک ہاتھ اپنا شانہ جناب عباسؓ۔ عم اشرف الناس اور دوسرا شانہ حضرت علیؑ پر رکھ کر باہر (گھر سے) تشریف لائے اور ''مسجد میں جاکر'' ابوبکر کو ''مصلے سے'' پیچھے ہٹا دیا۔ اور خود نماز جماعت ادا کرائی تاکہ یہ بات فتنہ کا باعث نہ ہو۔

باوجودیکہ یہ بات ظاہر ہے کہ امامت اصول (دین) سے ہے لہٰذا اصول میں مذکور ہے پس اس کا اثبات قیاس سے نہیں کرسکتے۔ اور درصورت وجود قیاس کے قیاس صحیح ہونا چاہئے کیونکہ قیاس فقہی فروع میں ہوتا۔ (اور یہاں اصل کا جھگڑا ہے) اور جو اس نے شرح مواقف میں کہا ہے کہ امامت اصول سے نہیں ہے غلط ہے اور جب وہ ایسی ہوگی یعنی مثل نبوت تو ظنِ مجتہد امامت میں کافی ہوگا اور غیر کی تقلید اس میں اس کو جائز ہوگی۔ پس جس مجتہد نے یہ خطا کی ہے کہ ابوبکر امام نہیں ہے اس مجتہد کی تقلید نہیں ہوسکتی حالانکہ سینوں کے نزدیک اگر کوئی کہے میں بلا واسطہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کو امام جانتا ہوں۔ خلیفہ بلا وصل مانتا ہوں۔ بوجہ اپنے گمان کے۔ یا یہ کہے کہ یہ سبب تقلید فلاں مجتہد کے۔ تو اس کو خطا وار (سنی لوگ) نہیں ٹھراتے قتل کر دیتے ہیں۔ اور علاوہ اس کے اگر ایسا ہی ہوتا تو کسی کے ساتھ پھر کوئی جھگڑا ہی نہ رہتا۔

یہ مسئلہ اجتہادی فرع سے ہو جاتا پس یہ ہم رنگ تمام مسائل فرعیہ اجتہاد کے ہوگا جس میں اختلاف جائز ہے۔ اور اس سے کسی کی برائی لازم نہیں آتی اور نہ کوئی بات ہی پیدا ہوتی ہے پس مقدمات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خلافت بکر یہ پر اجماع کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور اجماع کے معنی اور اس کا دلیل ہونا تمہیں معلوم ہو چکا کہ اس کی کیا صورت ہے۔ ان تمام باتوں کو ماننے کے بعد یہ بات بھی پائے ثبوت تک پہونچ چکی ہے کہ تمام امت کا جمع ہونا ایک لحظہ کے اندر مدینہ میں امامت ابوبکر پر نہیں ہوا اور یہ بات اس قدر واضح ہے کہ دلیل پیش کرنے کی حاجت ہی نہیں۔ اور قطع نظر اس بات کی کہ اہل بیتؑ کو اس کی خبر نہ تھی اور اس میں داخل نہ تھے اور اجماع بیعت (ابوبکر) سے پہلے ہوا بھی تھا۔ اسی لئے تو شرح مواقف میں لکھا ہے وانها یثبت بالنص من الرسول اومن الامام السابق اوبالاجماع وثبت ایضاببیعة اهل الحل والعقد عند اهل السنه والجماعة والمعتزلة والصالحة من الزیدیة خلافا للشیعه ای اکثرهم فانهم قالوالاطریق الاالنص ولنا ثبوت امامة ابی بکر بالبیعة کما سیاتی یعنی امامت ثابت ہوتی ہے جناب رسول اللہؐ کی نص سے یا امام سابق کی نص سے یا اجماع سے اور اہل سنت والجماعت اور معتزلہ اور بعض زیدیہ صالحین کے نزدیک اہل حل وعقد (علماء مجتہدین) کی بیعت کرنے سے بھی مگر اسبات کے اکثر شیعہ مخالف ہیں کیونکہ شیعہ کہتے ہیں کہ امامت بغیر نص کے نہیں ہوسکتی اور ہمارے پاس (یعنی اہل سنت کے نزدیک) دلیل اس بات کی کہ وہ بیعت سے بھی ثابت ہو جاتی ہے معاملہ امامت ابوبکر ہے جس کا بیان عنقریب آئے گا۔ اور اس کے بعد صاحب مواقف نے پانچ دلیلیں شیعوں کی لکھیں کہ امامت صرف بیعت سے ثابت نہیں ہوتی ہے۔

شیعہ لکھتے ہیں کہ منجملہ باتوں کے امر قضا (عہدہ قاضی) جزوی معاملہ ہے وہ تو بیعت سے ثابت ہوتا ہی نہیں پس معاملہ امامت کیونکر ثابت ہو جائے گا جب کہ وہ امر کلی ہے اور بزرگ ہے اس کا

جواب اس نے یہ دیا ہے کہ ہم قبول نہیں کرتے ہیں کہ قضا بیعت سے ثابت نہیں ہوتی۔ مگر اس جواب کی خرابی ظاہر ہے کیونکہ بعض اختلاف ایسا ہوتا ہے کہ بغیر دلیل اس کے قائل نہیں ہوسکتے حالانکہ علماء کے درمیان اس کے خلاف مشہور ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس سے بہت سے فساد پیدا ہوتے ہیں کیونکہ یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ امام بہت سے ہوں اور ان کے درمیان جنگ وفتنہ بپا ہو اور جس کو جس کی طرف رغبت ہو اس کی بیعت کرے اگرچہ وہ (امام) فاسق بلکہ کافر ہی کیوں نہ ہو باوجودیکہ امام کے لئے عدالت کی شرط اجماعی ہے۔

علاوہ ازیں یہ بھی شرط ہے کہ امام معصوم اور تمام مسائل دین مفصل طور پر قسم کے اس کے نزدیک حاضر ہوں (تمام مسائل کو جانتا ہو) تا اینکہ اس کو غور وفکر اور استخراج (از قرآن وحدیث) کی ضرورت نہ ہو۔ اس کا کافر نہ ہونا بھی داخل شرط ہے۔ اور جو شخص بیعت کرتا ہے اس کو امام کے اس وصف کفر کے ساتھ متصف ہونے کی خبر ہی نہیں (پس وہ امامت کیونکر صحیح ہوگی۔

ان دونوں کا جواب اس نے یہ دیا ہیکہ اسباب کے ترک میں فساد زیادہ ہے اور ہم نہیں کہتے ہیں کہ بیعت سے امامت ثابت ہوتی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ بیعت علامت ونشانی ہے اس بات کی کہ وہ شخص مستحق امامت ہے اور امام شرائط ہی سے منصف ہوتا ہے۔ اس کا یہ کہنا کس قدر ضعیف ہے اور مذکور فساد اس سے اور کیا زیادہ ہوگا۔

دوسری بات یہ ہیکہ اگر اس شرط کردو گے تو یہی فساد کو مندفع کرنے والی ہے بلکہ ہم شرط عصمت ونص کی کرتے ہیں جو کہ امام اول (ابوبکر) ظاہر ہو چکی ہے اس کے بعد انہیں کا تقرر کرنے دوسرے کو (عمر) اسی طرح آگے بھی اور یہ بات کمال درجہ ظاہر ہے۔ علاوہ ازبن کیا دلیل ہے اس بات پر کہ بیعت علامت ونشانی ہے اس شخص کے مستحق امامت اور اس وصف سے متصف ہونے کی باوجود اس بات کے کہ اصل (کتاب) میں تو شرط عصمت وتفصیل علم (جمیع اشیاء) کو منع کرتا ہے اور یہاں (شرح میں) قبول کرتا ہے ان جوابوں کے بعد شارح مواقف کہتا ہے۔ واذا ثبت حصول الامامة بالاختیار والبیعة فاعلم ان ذالک الحصول لا حصول لا یفتقر الیٰ لاجماع من اهل الحل والعقد اذا لم یقسم علیه ای علی هٰذا الاعتقاد دلیل من العقل والسمع بل الواحد والاثنان من اهل الاسلامی لعلمنا ان الصجامة مع صلابتهم فی الدین اکتفوافی عقد الامامة بذالک کعقد عمر لا بی بکر وعقد عبد الرحمٰن بن عوف لعثمان ولم یشرطوا فی عقدها اجماع فی مدینة من اهل الحل والعقد فضلاً من اجماع الامة من علما امصار الاسلام . ومجتهد بن اقطارها (ترجمہ) جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ امامت بیعت سے حاصل ہو جاتی ہے پس جاننا چاہئے کہ ضرورت نہیں ہے اثبات امامت کے

لئے علماء کے جمع ہونے کی کیونکہ اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے نہ تو عقلی نہ نقلی۔

بلکہ ایک یا دو شخص علماء میں سے کسی کی بیعت کرلیں تو بھی کافی ہے اس شخص کے ثبوت امامت کے لئے اور وہ امام ہو جاتا ہے اور تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس کے مطیع اور تابع فرمان ہوں اس کی بات کو سنیں اس لئے کہ ہم کو معلوم ہے کہ صحابہ نے باوجود انکی سخت دینداری کے کافی سمجھ لیا ہے مذکور مقدار (ایک یا دو کی بیعت کرنے کو) جیسے عمرو نے ابوبکر کی بیعت کرلی جس سے فی الفوران کی خلافت ثابت ہوگئی اور تمام صحابہ نے (سبحان اللہ تمام کی بھی خوب کہی کیا ابوذر مقداد سلیمان۔ عمار۔ سعد بن عبادہ اور خصوصاً حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کو اول صحابی ہیں صحابہ یہ تھے مترجم) اس کو قبول کرلیا اور محض اسی فعل (عمر) سے ابوبکر کو واجب اتباع سمجھ لیا۔ اسی طرح عبدالرحمن بن عوف نے عثمان کی بیعت کرلی اور وہ بھی ثابت ہوگئی۔

اے عزیز ان باتوں میں خوب غور وتامل کرو کہ ان میں خبط بہت ہی ہے۔ اول تو یہ کہ خود انہوں نے ایسا مقرر کرلیا اور سابق میں جو ہمنے شرح مواقف سے نقل کیا تو معلوم ہوا کہ امامت پر دلیل یا نص ہے یا اجماع۔ نص (تو خلاف ابوبکر میں مذارد ہے) تو ہے نہیں۔ رہا اجماع تو وہاں پر ابوبکر نے سوا اور کوئی نہیں۔ پس ابوبکر اجماع سے امام ہو گئے (ماشاء اللہ) اور وہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امامت بیعت سے ثابت ہوتی ہے۔ اور ابوبکر کی امامت صرف عمر کی بیعت سے حاصل ہوگئی نہ کہ اجماع سے۔ اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ امامت کے ثبوت کے لئے اجماع چاہئے نہ تو عقلی نہ نقلی۔ پس ان تمام باتوں میں اختلاف واضطراب ہے۔

دوسرے یہ کہ تم کو معلوم ہوگیا کہ محض ایک شخص کی بیعت سے ثبوت امامت کسی شخص کے لئے اس کے کیا معنی۔ کیونکہ امامت کے لئے دلیل یا عقلی ہوگی یا نقلی میں یہ کہیں شرط نہیں ہے کہ بیعت ایک دو شخص کی دلیل (امامت) ہے اور جب ایسا ہے حالانکہ خود انہوں نے اپنے یہاں اصول میں یہ بات مقرر کرلی ہے کہ قول مجتہد عادل حجت نہیں ہے اسی طرح اس کا فعل بھی۔ بلکہ قول خلفائے اربعہ بلکہ قول اہل مدینہ بھی حجت نہیں کسی فروعی مسئلہ میں کہ جس میں ظن کافی ہو پس عمر کا فعل کیونکر حجت ہوگا ایسے نزاع عظیم کے موقع پر جو (یعنی امامت) مثل نبوت ہے یا جو کہ حکومت وسلطنت ہے تمام لوگوں کے دین ودنیا کے معلات کے متعلق۔ علاوہ ازیں جب یہ معلوم ہوگیا کہ ثبوت امامت بیعت سے نہیں ہوتا تو نہیں کرسکتے کہ صحابہ پر (امامت) بیعت سے ثابت ہوگئی اور ہم پر انکے اجماع کی وجہ سے اور اگر ایسا ہی مان لیا جائے تو یہ کیونکر ثابت ہوسکتا ہے کہ اجماع دلیل وحجت ہے وقوع بیعت پر ان باتوں کے بعد جو اجماع کے متعلق تم سن چکے ہو۔ اور نیز تمہیں (یعنی مخالفین کو) بھی پورا نزاع اس معاملہ میں ہے۔

اور شیعوں کا یہ دعویٰ ہے کی یقیناً اور ہرگز حضرت امیرؑ علیہ السلام وجناب حسن علیہ السلام

وجناب حسین علیہ السلام وجناب فاطمہ علیہ السلام وتمام بنی ہاشمؓ اور بیعت پر راضی نہ تھے اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ جناب فاطمہ علیہا السلام ابوبکر سے بہت ناراض تھیں تا اینکہ وصیت کی حضرت امیر علیہ السلام کو کہ ابو بکر میرے جنازے پر نماز نہ پڑھے اور اس بات میں ان حضرات کے ساتھ صحابہ کبار کی ایک جماعت مثل سلمانؓ۔ ابوذرؓ۔ مقدادؓ۔ عمارؓ۔ "ان سب پر خدا کی رحمت ہو" کے متفق تھی پس اپنے انجام کے لئے فکر کرنی چاہئے اور ہر ایک کی بات پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے بلکہ غور سے کام لینا چاہئے ہر شخص کے کلام پر اور تقلید وانکار سے اپنے آپ کو بری کرنا چاہئے۔ اور حق طلبی میں کوشش واخلاص عمل میں لاؤ تاکہ اس کا علم جناب باری کی طرف سے اصل ہو۔ یهدی الله لنوره من یشاء وممن لم یجعل الله لهٗ من نورِ جمالهٗ من نور خدائے تعالیٰ اپنے نور (امام صحیح) کی طرف رہبری فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے نور ہی نہ دیا ہو اس کو نور (روشنی۔ بصیرت) کہاں سے حاصل ہو سکتی ہے۔

کتاب منتقی میں مسطور ہے کہ کسی نے ابوالحسنؑ مذکور سے پوچھا کہ حضرت امیر علیہ السلام کس لئے ابوبکر کے پیچھے تقیہ نماز پڑھتے تھے (یہ روایت صحیح نہیں ہے) اس نے جواب دیا کہ چونکہ آنحضرتؑ حقیقی قبلہ اہل راز کے تھے تو اس (ابوبکر) کے لمبے قد کو محراب نماز میں ستون مسجد سمجھے ہوئے تھے۔

(۲) پھر پوچھا کہ کس لئے حضرت امیر علیہ السلام نے عمان حکم سے ولید بن عقبہ کو اس کے ایوان کے سامنے حد شراب لگائی، تو ابوالحسن نے جواب دیا کہ حقیقتاً حد کا قائم کرنا آپ ہی کا حق تھا اور آپ ہی سے تعلق رکھتا تھا اس لئے کہ آپ ہی سچے امام تھے اسی سبب سے امام پر واجب ہے کہ جب کبھی ممکن ہو جس تدبیر سے بھی بن پڑے اس کو قائم کریں (یعنی حد کو جاری کریں۔ کہ یہ دلیل واضح ان کی حقیقت کی ہے۔)

(۳) کیوں آپ ابز بکر وعمر کی رہنمائی فرماتے تھے اور جمہور کے کاموں میں ان کے مشیر ہوئے تھے۔ ابوالحسن اسلئی کہ آپ چاہتے تھے کہ جس ذریعہ سے ہو سکے اجزائے احکام الٰہی واجزائے قواعد رسالت پناہی ہو جائے۔ جس طرح جناب یوسفؑ نے نہایت (وزارت) ملک مصر طلب کی تھی جمہور کے معاملات پر نظر کرتے ہوئے اور آپ (عزیز مصر) اس کے تمام معاملات میں مشیر کار تھے علاوہ اس کے اس کی یہ بھی وجہ تھی کہ روئے زمین کی خلافت اور حکومت دین سید المرسلین انہیں جناب ہی کا حق تھی پس جس وقت بھی ان کو ممکن ہو سکا کہ اجزائے احکام آلٰہی واجزائے آوامر حضرت رسالت پناہی بنفس نفیس خود کر سکیں تو ایسا کریں گے اور خود نہ بن پڑے تو ناچار ہیں کہ وسیلہ قرار دیں گے (ان احکام کے اجزاء میں) اس شخص کی ذات کو جس میں ان (احکام کے واجزاء) کی قدرت ہوگی (جیسے ابوبکر وعمر وغیرہ)

(۴) کیوں آپ نے ان تینوں مادہ گیدڑ کو قتل نہ کیا (اول ودوم وسوم کو) جواب دیا جس طرح حضرت ہارون نے سامری اور اصحاب گوسالہ پرست کو قتل نہیں کیا اسی طرح حضرت امیرؑ کا بھی حال سمجھ لو۔

(۵) سائل کیا حضرت امیر علیہ السلام ان کے قتل کرنے سے ضعیف وعاجز تھے ابوالحسن جناب امیر علیہ السلام کا حال اس اوندھے زمانہ میں حضرت ہارونؑ سے مشابہ تھا کہ آپ فرماتے تھے "ان القومی استضعفونی وکادو القتلوننی یقینا" قوم نے مجھے کمزور کر دیا تھا اور عنقریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالتے یا آپ کا حال حضرت نوحؑ کی مانند تھا کہ وہ فرماتے تھے "ربّ انّی مغلوبٌ فانصر" "اے میرے رب میں عاجز ہوں میری مدد فرما"

یا آپ حضرت لوطؑ کے مشابہ تھے جیسا کہ وہ جناب فرماتے تھے لو انّ لی بکم قوّة اواوی الیٰ رکنٍ شدیدٍ کاش مجھ میں قوت ہوتی یا میں پناہ لیتا کسی مضبوط حمایتی کی طرف۔

یا آپ جناب موسیٰؑ وہارونؑ کے مثل تھے جیسا کہ آپ فرماتے تھے ربّ انّی لا املک الانفسی واخی اے اللہ میں مالک وصاحب قدرت نہیں ہوں مگر اپنے نفس پر اور اپنے بھائی پر۔

(۶) سائل جناب امیرؑ شورے میں ان کے کیوں داخل ہوئے جواب دیا اسلئے تا کہ ان پر حجت قائم کریں کیونکہ آپ جانتے تھے کہ قوم ان کی حجت پر غور کرے گی اور انصاف پر عمل۔ تو دوسرے کو مجھ پر مقدم نہ کریں گی اور اگر آپ ان کے شورے میں داخل نہ ہوتے تو آپ حجت قائم ہوتے اس سبب سے خلقت شبہہ میں پڑ جاتی اسی سبب سے تو آپ نے اس روز فرمایا کہ الیوم ادخلت فی باب ان انصفت فیه وصلت الیٰ حقّی کہ آج میں ایسے دروازہ میں گھسا ہوں کہ اگر میرا انصاف کیا گیا تو اپنے حق میں (خلافت کو پہونچ جاؤں گا۔

(۷) آپ نے کس لئے اپنی بیٹی عمر بن خطاب کو دی۔ جواب دیا اس لئے کہ وہ شہادتیں کا اقرار کرتا تھا زبان سے نیز جناب رسالت مآب صلعم کا قائل تھا۔

علاوہ ازیں اس بات سے حضرت کا مقصود یہ تھا کہ عمر کی بدلگامی بدزبانی اکھڑپنے کی اصلاح ہو جائے اور یہ معاملہ جناب لوط پیغمبر کے معاملے سے زیادہ دشوار نہ تھے: جو کہ اپنی بیٹیوں کو کافر قوم کے سامنے پیش کرتے تھے اور زبان مبارک سے یہ آیۃ وافیہ تلاوت فرماتے تھے هٰؤلاء بناتی هنّ اطهر لکم فاتقوا الله ولا تخزون فی ضیفی الیس منکم رجل رشید ط اے لوگوں میری یہ بیٹیان تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ ہیں پس تم اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے میہمان کے بارہ میں رسوا نہ کرو تم میں کوئی سمجھدار آدمی نہیں ہے۔

(مترجم حضرت امیر علیہ السلام نے ہرگز اپنی دختر عمر کو نہیں دی یہ بالکل غلط ہے روایات صحیحہ اس کا قطعاً انکار کرتی ہیں اور جناب لوط کا معاملہ یہ ہے کہ بیٹیوں سے امت کی بیٹیاں مراد تھیں نہ کہ اپنی۔ واللہ اعلم۔

اور منجملہ حکایات جاریہ واثار ساریہ کے یہ ہے کہ ایک روز ابوالحسن مذکور حسن بن سہل وزیر ماموں کے پاس گئے دیکھا کہ اس نے ایک کافر کو بہ عظمت ایک جانب اپنے بیٹھا رکھا ہے اور دوسرے کو

دوسری جانب۔ یہ بات دیکھ کر ابوالحسن پریشان خاطر ہوئے اور اس ملحد کے باطل کرنے پر تل گئے اور یوں بولے کہ میں نے تیرے مکان کے بارہ عجیب چیز دیکھی ہے۔ حسن وہ کیا ابوالحسن ایک کشتی ہے جو لوگوں کو ایک طرف سے دوسری طرف بغیر کسی ملاح اور لنگر کے لیجاتی ہے اور لا رہی ہے۔ اس ملحد نے جب ابوالحسن کا یہ کلام سنا تو بے قرار ہو گیا اور اسبات کو بعید از عقل کے قبیل سے خیال کر کے حسن بن سہل سے بولا کہ یہ آدمی شاید دیوانہ ہے۔ ابوالحسن کہتے ہیں میں نے اس سے کہا کہ میرے اس کلام میں کون سی بات جنون پر دلالت کرتی ہے اس نے کہا کہ یہ بات مشکل ہے کہ ایک لکڑی جو از قسم جماد سے ہے جس کو نہ کوئی تدبیر نہ قوت وحیات حاصل ہے نہ عقل ہی رکھتی ہے وہ آدمیوں کو کیونکر پانی سے گذار سکتی ہے یا ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاسکتی ہے۔ ابوالحسن نے کہا پس تو انصاف کر کہ کون زیادہ عاجز ہے آیا وہ چیز جس کی میں نے خبر دی۔ یا دریا دن سمندر دن نہروں کا پانی جو بے قوت وحیات وحیلہ وقدرت زمین کے داہنی طرف سے بائیں طرف بہتا ہے یا گھاس پات اور درخت جو آسمانی بارش سے زمین کے اندر سے سر نکالتے ہیں وہ زیادہ عاجز ہیں اور تیرا کیا یہی گمان ہے کہ ان چیزوں کا کوئی برو منتظم نہیں ہے پس کافر حیران رہ گیا گویا اس کے منہ میں پتھر ٹھونس دیا گیا تھا۔ اور منجملہ اس کے مناظروں کے جو ابوالہندیل سے ہوا یہ ہے کہ ایک روز علی بن ریاح کی مجلس میں اس نے ابوالحسنؒ سے پوچھا کہ آپ کے پاس کیا دلیل ہے علیؑ ابن ابی طالبؑ کے اولیٰ ہونے کی دوسروں سے امامت میں۔

انہوں نے کہا کہ اس بات پر دلیل اہل قبلہ (مسلمانوں) کا متفق ہوتا ہے اس بات پر کہ حضرت امیر علیہ السلام وقت وفات حضرت سید کائنات مومن کامل اور تمام مسائل سے عالم تھے اور اس طرح کا اجماع ابوبکر کے لئے نہیں کیا ہے۔

ابوالہندیل نے کہا کون ہے جس نے اس بات پر اجماع نہیں ہوا ہے

ابوالحسن نے کہا کہ وہ میں اور میرے بزرگ سابقہ زمانہ میں اور میرے دوست اس زمانہ میں

۔ابوالہندیل نے کہا کہ بس تم اور تمہارے اصحاب گمراہ ہو۔

ابوالحسن نے کہا اس کا جواب بجز گالی گلوج اور طمانچوں کے اور کچھ نہیں ہے۔

رئیس المحدثین الشیخ الحافظ محمد بن یعقوب ابن اسحاق الکلینی الرازی

صاحب قاموس نے ذکر کیا ہے باب نون اور فصل میں کہ کلین بروزن امین ایک گاؤں ہے رے کے آیات سے اور وہیں کے رہنے والے ہیں محمد بن یعقوب کلینی اور آپ علمائے شیعہ سے ہیں۔

کتاب خلاصہ الاقوال میں لکھا ہے کہ محمد بن یعقوب بھانجے ہیں ابراہیم غلاف کلینی رازی کے جو بزرگ خاندان سے تھے اور محمد اپنے زمانہ میں شیخ ورئیس رے کے شیعوں کے تھے اور زیادہ استوار

ومضبوط تھے۔ فن حدیث کے اندر۔

کتاب جامع کافی کو جس کے تخمینا ۸۰ ہزار ابیات تھیں ۲۰ سال کے عرصہ میں تالیف کیا اور ۳۲۸ھ بمقام بغداد آپ نے رحلت فرمائی۔ محمد بن جعفر الحسینی جو سادات بغداد سے تھے انہوں نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھی اور باب الکوفہ کے در بصرہ میں مدفون ہوئے۔ شیخ نجاشی نے کہا ہے کہ آپ کی تصنیفات کتاب کافی کے علاوہ بھی ہیں مثل ایک کتاب قرامطہ کی تردید میں۔ کتاب رسائل ائمہؑ۔ کتاب بصیر خواب میں۔ کتاب رجال۔ کتاب اشعار مدح ائمہؑ میں۔

ابوالحسن علی بن الحسین بن روسی ابن بالویہ القمی المشہور

اعظم ترین مجتہدین قم اور اکابرین موالیانِ صاحب غدیر خم سے ہیں۔ ناشر (پھیلانے والے) مانوس ہدایت۔ کاسہ (توڑنے والے) ناقوس (سنکھ) غوایت (گمراہی) اوجناب کا دل الہاب پذیر مثل آلِ بویہ کے رایت (جھنڈا) بلند کرنے والا احکام خدا وعترتؑ رسول خدا صلعم کا۔ اور حقائق تصویر ان کے قلم کی آواز مثل نام وشہرت آل بویہ احباب کے دروازہ کھولنے اور دم والوں (مخالفین) کے عذاب کرنے میں خالص تھی۔

کتاب حاصہ میں لکھا ہے کہ علی بن بابویہ اہل قم کے شیخ اور اپنے زمانہ کے فقیہہ اور انکے ثقہ تھے۔ آپ عراق میں وارد ہوئے اور ابوالقاسم حسین ابن روح جو کہ وکیل ناجیہ مقدسہ حضرت مہدویہ تھے ان کے ہمراہ خدمت امام میں پہونچے اور بعض مسائل دینیہ دریافت کئے۔ اور ان کے انتقال کے بعد ایک تحریر لکھی اور علی بن جعفر بن اسود کے بدست خدمت امام میں بھیجی (جس تحریر میں آنحضرت سے التماس کی گئی تھی کہ خدائے تعالیٰ سے میرے لئے دعائے فرزند فرمائے) تاکہ نظر اشرف امام ہمام سے گذارے۔ چنانچہ جب وہ رقعہ نظر فیض اثر امام عالی مقام سے گذرا تو جناب امام علیہ السلام نے اس رقعہ کے جواب میں تحریر فرمایا یقیناً ہم نے اس معاملہ کے لئے دعا جناب باری میں کردی ہے کہ عنقریب تمہارے یہاں دو نیک بابرکت فرزندان نرینہ پیدا ہوں گے پس برکت دعائے امامؑ سے خدائے تعالیٰ نے دو فرزند ابوجعفر وابوعبداللہ ان کے یہاں عطا فرمائے۔ ابوجعفرؒ سے منقول کہ آپ کہا کرتے تھے کہ میں دعائے جناب امام صاحب العصرؑ سے پیدا ہوا ہوں اور اسبات پر فخر کیا کرتے تھے۔ علی بن بابویہؒ کی وفات ۳۲۹ھ میں واقع ہوئی۔ ہمارے اصحاب کی ایک جماعت نے کہا کہ ہم ایک روز خدمت ابوالحسن علی بن محمد سمری میں گئے جو کہ منجملہ وکلائے حضرت صاحب الامرؑ سے تھے ہم بیٹھے ہی تھے کہ ناگاہ ان کی زبان پر جاری ہوا کہ خدائے تعالیٰ علی بن حسین بابویہ پر رحم فرمائے۔ حاضرین میں سے بعض نے کہا کہ وہ تو زندہ ہیں ابوالحسن نے جواب دیا کہ آج ہی ان کی وفات واقع ہوئی ہے رحمہ اللہ چنانچہ جماعت حاضرین نے

اس تاریخ کوضبط کرلیا آخر خبر آئی کہ اسی روز وفات پائی تھی جیسا کہ خبر دی گئی تھی۔ منجملہ تحریرات حضرت امام حسن عسکریؑ جوان کے نام ثابت ہوئی ہیں یہ ہے "بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم الحمد للّٰہ ربّ والعاقبۃُ للمتقین والجنّۃ للموحّدین والنار للملحدین ولَا عدوانَ اِلّا علی الظالمین وَلا اِلٰہَ اَلاالّٰلہ احسنُ الخالقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد وعترت الطاھرین "تمام حمد وثنا زیبا ہے خدائے مربی عالم کے لئے۔ اور آخرت کی بھلائی پرہیز گاروں ہی کے لئے مخصوص ہے بہشت توحید پرستوں اور جہنم منکروں کے اور تختی ظالموں کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود قابل عبادت نہیں وہ تمام پیدا کرنے والوں میں سے اچھا پیدا کرنے والا ہے درود وسلام نازل ہو اس ذات پر جو بہترین خلق ہے جنکا نام حضرت محمد مصطفیٰ ہے اور ان کی اولاد طاہرین پر"

اما بعد اوصک یا شیخی ومعتدی ابا الحسن بن الحسین القمّی فقک اللّٰہ لمرضانہٖ وجعل من صلبک اولاد صالحین برحمۃٖ مقومے اللّٰہ واقام الصلوٰۃ واتیاء الزکوٰۃ فانّہٗ لا یقبل الصلوٰۃ من مانع الزکوٰۃ واوصیک بمغفرۃ الذنب وکظم الغیظ وصلۃ الرحم ومساوات الاخوان والسعی فی حوائجھم فی العرو والیسر والعلّم عند الجھل والتفقّہ فی الدین والتشبث فی الامور واتعاحد للقرآن وحسن الخلق. والامر بالمعروف والنھی عن المنکر قال اللّٰہ عزوجل لا خیر فی کثیر من بخواھم الا من ومار بصدقۃٍ او معروفٍ اواصلاح بین الناس ط واجتناب القوم حش کلّھا وعلیک الصلوٰۃ اللیل فانّ النبی اوصیٰ علیّاء فقال یا علی علیک بصلوٰۃ اللیل ومن استخّف بصلوٰۃ اللیل فلیس منّا فاعمل بوصیّتی وامر جمیع شیعتی حتیٰ یعملوا علیہ وعلیک بالصبر وانتظار الفرج ولا یزال شیعتنا فی حزن ختیٰ یظھرو ولدیَ الذی بشرّبہ النبیؐ انہٗ بملاء الارض بطاوعدلاً کما ملئت جورا وظلما فاصبر یا شیخی وامر جمیع شیعتی بالصبر فانّ الارض یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ اللمتقین والسلام علیک وعلیٰ جمیع شیعتنا ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ وحسبنا اللّٰہ ونعم المعین نعم المولیٰ ونعم النصیر (ترجمہ) بعد حمد وصلوٰۃ کے، اے میرے شیخ اور قابل اعتبار ابوالحسن علی بن الحسین قمی میں تمہیں وصیت کرتا ہوں "خدا تمہیں اپنے پسندیدہ امور کی توفیق دے اور اپنی مہربانی سے تمہیں نیک اولاد عطا کرے" جو پرہیز گاری۔ نماز کے قائم کرنے۔ زکوۃ دینے کی کیونکہ زکوٰۃ نہ دینے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ میں تم کو وصیت کرتا ہوں گناہگاروں کے معاف کرنے۔ غصہ کو پی جانے عزیزوں سے سلوک کرنے۔ اور بھائیوں کو باہم برابر سمجھنے اور بحالت تنگی وفراخی حاجات مومنین برلانے۔ اور جہالت کے وقت علم حاصل کرنے۔ دین کو سیکھنے معاملات میں استقلال رکھنے۔ قرآن مجید کے پڑھنے

۔ اچھی عادت برتنے نیکی کا حکم دینے اور بدی سے روکنے کی۔ خدائے عزوجل فرماتا ہے "اے رسول صلعم لوگوں کی بہت سی سرگوشیوں میں بھلائی نہیں بجز اس کے کہ کوئی صدقہ کا حکم دے یا نیکی کا۔ یا لوگوں میں بہتری کرانے میں" اور تمام برائیوں سے بچو۔ اور تم کو نماز شب کا پڑھنا لازم ہے۔ کیونکہ جناب رسول خدا صلعم نے حضرت علیؑ ابن طالبؑ کو وصیت فرمائی اور یوں ارشاد فرمایا اے علیؑ! تم پر نماز شب کا ادا کرنا لازم ہے پس جو شخص ہم میں کا نماز شب خفیف سی چیز جانے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے" تم میری وصیت پر عمل کرو اور میرے تمام دوستوں کو حکم دو کہ وہ بھی اس پر عمل پیپیر ہوں تم کو صبر مصائب زمانہ اور انتظار ظہور حضرت حجتؑ کرنا چاہئے۔ ہمارے شیعہ برابر (ہمیشہ) مغموم وحرمین رہیں گے تاوقتیکہ میرا وہ فرزند نہ ظہور کرے جس کی بشارت جناب رسالت مآبؐ دے گئے ہیں کہ وہ زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوں گی۔ اے میرے شیخ تم صبر کرو اور میرے شیعوں کو بھی صبر کی فہمایش کرو کیونکہ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے اس زمین کا جس کو چاہے گا وارث بنائے گا اور آخرت کی بھلائی پرہیز گاروں کے لئے ہے۔ میرا سلام تم پر اور ہمارے تمام شیعوں پر نازل ہو۔ اس طرح خدا کی رحمت وبرکت بھی۔ اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور اچھا مددگار ہی اچھا آقا ہی ہمیشہ سے نصرت کرنے والا ہے۔ منجملہ تصنیفات علی بن بابویہ ایک کتاب ہے توحید کے بارہ میں۔ کتاب وضو۔ کتاب الصلوٰۃ۔ کتاب الجنائز۔ کتاب الامامۃ والبقر من الحیر ۃ۔ کتاب املاء نوادر۔ کتاب المنطق۔ کتاب الاخوان۔ کتاب النساء والولدان۔ کتاب الشرائع۔ وہ رسالہ ہے جو آپنے فرزند کو لکھا تھا۔ کتاب التفسیر۔ کتاب النکاح۔ کتاب مناسک الحج۔ کتاب قربت الاسناد۔ کتاب التسلیم۔ کتاب الطب۔ کتاب المواریث۔ کتاب المعراج۔

محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی

یہ علی بن بابویہ مذکور کے حقیقی فرزند ہیں ان کے علم وفضل واجتہاد کی شہرت مشہور ہے ان کی کنیت ابوجعفر اور لقب صدوق تھا۔ ان کا سینہ حقائق کا دفینہ (خزانہ) گویا جواہر علوم دینیہ کے لئے بمنزلہ صندوق تھا۔ رَے کے شیعوں کی التماس کی بنا پر آپ نے دہان پر اقامت کی اور ان کی تعلیم دینیات کے لئے مشغول ہوئے۔ خراسان کے شیعہ بھی آپ کے فتویٰ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

شیخ نجاشی نے کتاب رجال میں کہا ہے کہ آپ ہمارے فقیہہ اور رئیس شیعیان رے سے تھے ۳۵۵ھ بمقام بغداد عین عالم شباب میں آئے جن سے شیوخ طائفہ نے استماع حدیث کیا۔

شیخ طوسیؒ نے کتاب فہرست میں کہا ہے کہ ابوجعفر بابویہ شیخ جلیل حافظ احادیث بصیر (باخبر) بحال رجال۔ احادیث کے پرکھنے والے تھے۔ قمی عالموں کے اندر ان سا صاحب حافظہ اور کثیر

العلم پیدا نہیں ہوا۔ تین سو کے قریب تعداد تصنیفاف ہے اور ۳۳۱ھ میں بمقام رے وفات پائی۔

(مترجم) جناب بزرگوار شیخ ابوجعفر بن بابویہ کے متعلق بغداد میں بحالت آغاز جوانی آنا ۳۵۵ھ لکھا ہے اور وفات ۳۳۱ھ بمقام رے لکھی ہے پس ان سنوں میں غلطی معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ کاتب نے شاید ۳۵۵ھ کو ۳۵۵ھ لکھدیا ہے ورنہ اس کے کیا معنی کہ ۳۵۵ھ میں آمد و زندگی دکھائی جاتی ہے اور ۳۳۱ھ میں وفات واللہ اعلم)

اور رجال نجاشی میں ان کی جن کتابوں کا ذکر ہے وہ ذیل میں درج ہیں وعالم الاعلام فی معرفۃ الحلال وحرام اور اس کتاب کا تذکرہ فہرست شیخ طوسی میں بھی ہے۔ کتاب التوحید۔ کتاب النبوۃ۔ کتاب اثبات الوصیۃ برائے جناب علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ کتاب اثبات النص در باب جناب امیر علیہ السلام۔ کتاب النص در باب باقی ائمہ۔ کتاب المعرفۃ در فضیلت نبیؐ وامیر المومنینؑ والحسنؑ والحسینؑ۔ کتاب مدینۃ العلم۔ کتاب التمتع در بیان فقہ۔ کتاب العوض علی المجالس۔ کتاب علل الشرائع۔ کتاب ثواب الاعمال۔ کتاب عقاب الاعمال۔ کتاب الاوائل۔ کتاب الاواخر۔ کتاب الاوامر۔ کتاب المناہی۔ کتاب الفرق۔ کتاب خلق الانسان۔ کتاب الرسالہ والادلہ در بیان حقیقت کتاب الرسالۃ الثانیہ۔ کتاب الرسالۃ الثالثہ۔ کتاب الرسالۃ در بیان ارکان اسلام۔ کتاب المباد۔ کتاب المسواک۔ کتاب الوضو۔ کتاب التیمم۔ کتاب الحیض والنفاس۔ کتاب نوادر الوضو۔ کتاب فضائل الصلوٰۃ۔ کتاب فضل المساجد۔ کتاب مواقیت الصلوٰۃ۔ کتاب فقہ الصلوٰۃ۔ کتاب الجمعہ والجماعت۔ کتاب السہو۔ کتاب الصلوٰۃ سوائے نماز پنجگانہ۔ کتاب نوادر الصلوٰۃ۔ کتاب الزکوٰۃ۔ کتاب الخمس۔ کتاب حق الحداد۔ کتاب الاعتکاف۔ کتاب جامع الحج۔ کتاب جامع علل الحج۔ کتاب جامع تفسیر المنزل در حج۔ کتاب جامع آداب المسافر در حج۔ کتاب جامع فرض الحج والعمرہ۔ کتاب جامع فقہ الحج۔ کتاب ادعیہ الموقف۔ کتاب القربان کتاب المدنتیہ وزادۃ قبر النبیؐ۔ کتاب جامع نوادر الحج۔ کتاب امارات قبور ائمہ۔ کتاب النکاح۔ کتاب الوصایا۔ کتاب الوقف۔ کتاب الصدقہ والنحل والہبہ۔ کتاب السکنے والعمری۔ کتاب الحدود۔ کتاب الدیات۔ کتاب المعاش والالکاسب کتاب التجارت۔ کتاب العتق والتدبیر والمکاتبۃ۔ کتاب القضاؤ الاحسام۔ کتاب الوفاء والسلم صفات الشیعہ۔ کتاب اللعان۔ کتاب الاستسفار۔ کتاب در بیان زیارۃ حضرت موسیٰ کاظمؑ سے وجناب محمد (تقیؑ) کتاب جامع زیارت الرضاؑ۔ کتاب ورحرمت فقاع (شراب جو) کتاب متعہ۔ کتاب الرجعہ۔ کتاب الشعر۔ کتاب مغانی الاخبار کتاب السلطان۔ کتاب مصادقۃ الاخوان۔ کتاب فضائل جعفر طیارؑ۔ کتاب فضائل علویہ۔ کتاب الملاہی۔ کتاب السنۃ۔ کتاب در بیان حضرت عبد المطلبؓ وحضرت عبداللہؓ وحضرات ابی طالبؑ۔ کتاب در بیان زید بن علیؑ (الشہید) کتاب الفوائد۔ کتاب الامانۃ۔ کتاب الہدایہ۔ کتاب الصیانۃ۔ کتاب التاریخ۔ کتاب علامات

اخرالزمان۔ کتاب در بیان فضل الحسنؑ والحسینؑ) کتاب رسالہ در بیان ماہ مبارک رمضان جو کہ جواب تھا اس رسالہ کا جو اسی ماہ میں کسی نے آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ کتب المصابیح۔ المصباح الاول ان لوگوں کے بیان میں جنہوں نے روایت، حدیث میں سے جناب رسالت مآبؐ سے روایت کی ہے۔ المصباح الثانی ان عورتوں کے بیان جنہوں نے آنحضرتؐ سے روایات بیان کی ہیں۔ المصباح الثالث ان راویوں کے بیان میں جنہوں نے حضرت امیرؑ سے روایات بیان کی ہیں۔ المصباح الرابع ان راویوں کے بیان میں جنہوں نے حضرت فاطمہؑ الزہرا سے روایت کی ہے۔ المصباح الخامس۔ ان کے بیان میں جنہوں نے جناب امام حسنؑ سے روایت کی ہے۔ المصباح السادس ان لوگوں کے بیان میں جنہوں نے حضرت ابیعبد اللہ الحسینؑ بن علی ابن ابی طالبؑ سے روایت کی ہے۔ المصباح السابع ان راویوں کے بیان میں جنہوں نے حضرت زین العابدینؑ سے روایت کی ہے۔ المصباح الثامن ان راویوں کے بیان میں جنہوں نے حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے۔ المصباح التاسع ان راویوں کے بیان جنہوں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے المصباح العاشر ان راویوں کے بیان میں جنہوں نے حضرت امام موسیٰؑ کاظم سے روایت کی ہے المصباح الحادی عشر ان راویوں کے بیان میں جنہوں نے حضرت امام ابی الحسن الرضاؑ سے روایت کی ہے۔ المصباح الثانی عشر ان راویوں کے بیان میں جنہوں نے حضرت امام محمد تقیؑ سے روایت کی ہے۔ المصباح ثالث عشر ان راویوں کے بیان میں جنہوں نے حضرت امام علی نقیؑ سے روایت کی ہے۔ المصباح الرابع عشر ان راویوں کے بیان میں جنہوں نے حضرت امام حسن عسکریؑ سے روایت کی ہے المصباح الخامس عشر ان لوگوں کے بیان میں جن کے متعلق توقیعات (ناحیۂ مقدسہ مہدویہ سے) برامد ہوئی ہیں۔

کتاب المواعظ۔ کتاب الرجال المختارین من اصحاب النبیؐ۔ کتاب زہد النبیؐ۔ کتاب المواعظ۔ کتاب زہد فاطمہ علیہا السلام۔ کتاب زہد الحسنؑ۔ کتاب زہد الحسینؑ۔ کتاب زہد علی ابن الحسینؑ۔ کتاب زہد ابی جعفر محمد باقرؑ۔ کتاب زہد الصادقؑ۔ کتاب زہد ابی ابراہیم۔ موسیٰ الکاظم۔ کتاب زہد الرضاؑ کتاب زہد ابی جعفر الثانی۔ "محمد تقی" کتاب زہد ابی الحسن علی بن محمدؑ۔ کتاب زہد ابی محمد الحسن بن علیؑ۔ کتاب اوصاف النبیؐ۔ کتاب دلائل الائمہ۔ اور ان کے معجزات کا بیان۔ کتاب الروضہ۔ کتاب نوادر الفضائل۔ کتاب التقیہ۔ کتاب سحذ والنعل بالنعل۔ کتاب الخصال۔ کتاب مختصر تفسیر القرآن۔ کتاب اخبار سلمان وزہد وافضلیت ان کی کتاب ابی درؓ۔ کتاب نوادر الطب۔ کتاب جوان مسائل کے جواب پر مشتمل ہے جو مقام قزوین سے آئے تھے۔ کتاب مسائل آمدہ سعریہ کا جواب۔ کتاب مسائل بصرہ کا جواب۔ کوفی مسائل کے جواب میں کتاب۔ کتاب مسئلہ طلاق آمدہ از مقام مدائم کا جواب۔ کتاب العلل غیر مرتب۔ کتاب در ذکر بقیہ اصحاب الحدیث نیز فرداً فرداً ان کے حالات۔ کتاب اس مجلس کے ذکر میں جو

رکن الدولہ کے سامنے واقع ہوئی۔

کتاب ایک اور مجلس کے ذکر میں۔ کتاب تیسری مجلس کے ذکر میں کتاب چوتھی مجلس او رپانچویں مجلس کے ذکر میں کتاب الخذار وانخف۔ کتاب الخاتم۔ کتاب علل الوضو۔ کتاب الشوریٰ۔ کتاب الباس۔ کتاب المسائل۔ کتاب الخطاب۔ کتاب در بیان فضیلت علم۔ کتاب الموالات۔ کتاب مسائل الوضو۔ کتاب مسائل الصلوٰۃ۔ کتاب مسائل الزکوٰۃ۔ کتاب مسائل الخمس۔ کتاب مسائل الوصایا۔ کتاب مسائل المواریث۔ کتاب مسائل الوقف۔ کتاب مسائل النکاح ثلثہ عشر۔ کتاب مسائل الحج۔ کتاب مسائل العقیقہ۔ کتاب مسائل الرضاع۔ کتاب مسائل الطلاق۔ کتاب مسائل الدیات کتاب مسائل الحدود۔ کتاب ابطال الغلو التقصیر۔ کتاب السر المکتوم الوقت المعلوم۔ کتاب المختار بن ابی عبید۔ کتاب الناسخ والمنسوخ۔ کتاب مسئلہ نیشاپور۔ کتاب رسالہ بجانب محمد الفارس در ماہ رمضان۔ کتاب ابطال الاختیار واثبات النص۔ کتاب المعرفہ تقیہ الرجال۔ کتاب مولد امیر المومنینؑ۔ کتاب مصباح المصلی۔ کتاب مولد فاطمہؑ کتاب الجمل۔ کتاب تفسیر القرآن جامع کبیر۔ کتاب اخبار (شاہزادہ) عبدالعظیم بن عبداللہ الحسینی۔ کتاب تفسیر قصیدہ در بیان فضائل اہل بیتؑ اور بعض ان فوائد عالیہ کے بارہ میں جو رکن الدولہ کی ایک مجلس میں واقع ہوا تھا جس کو شیخ جعفر دوستی رازی نے ایک الگ رسالہ میں جمع کیا ہے اور چونکہ یہ رسالہ بہت سی کمیاب ہے، اور باوجود اس کے وہ خوبیوں پر مشتمل تھا جس سے شیخ کے کمال پر روشنی پڑتی تھی اور اس کتاب کے مقصود سے متحدہ تھا اس لئے اس کا ترجمہ کرنا اس جگہ درست معلوم ہوا اس جلسہ کی صورت جس طرح رسالہ میں مذکور ہے یہ ہے کہ جب فضائل نفسی ونفسانی اس شیخ عالم ربانی کی شہرت قریب وبعید میں مشہور ہوئی اور آپ کا شہرۂ ریاست دینی واجتہاد مذہب شیعہ امامیہ گوش زد سلطان رکن الدولہ مذکور ہوا تو بادشاہ آپ کی صحبت فیض بخش کا مشتاق ہوا تو بڑے عزّ واحترام کے ساتھ آپ کو طلب کیا۔ پس جب آپ اس کی مجلس میں آئے تو شاہ نے انہیں اپنے پہلو میں بیٹھایا۔ اور بہت ہی عجز وانکساری کا اظہار کیا۔ جب مجلس منعقد ہوچکی تو بادشاہ نے جناب شیخ سے خطاب کیا اور کہا اے شیخ اہل فضل کی ایک جماعت جو اس جگہ موجود ہے وہ مختلف ہے اور شیعوں پر طعنہ زنی کرتی ہے۔ پس بعض کہتے ہیں طعنہ زنی واجب ہے (اہل خلاف کے پیروں کے لئے) اور بعض کہتے ہیں واجب نہیں بلکہ جائز نہیں۔ تمہاری رائے حقیقت آرا اس بارہ میں کیا ہے جناب شیخ نے جواب دیا اے بادشاہ تمہیں معلوم ہو کہ خدائے تعالیٰ اپنی توحید کا اقرار اس وقت تک نہیں پسند کرتا جب تک وہ اس کے غیر کی نفی۔ اور معبودوں بتوں سے" نہ کریں چنانچہ کلمہ لاالٰہ الا اللّٰہ اس کی خبر دیتا ہے اور اسی طرح خدائے تعالیٰ قبول نہیں کرتا اقرار نبوت جناب رسالت مآب کا جب تک ہر جھوٹے نبی کا جو آپ کے وقت میں تھا ان کا انکار نہ کریں جیسے مسلمیہ کذاب۔ اسود عنبشی۔ سجاح وغیرہ کا۔

اسی طرح قبول نہیں کرتا اقرار امامت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کو جن تک انکار نہ کیا جائے ان موجودہ لوگوں کا جو آپ کے زمانہ میں زبردستی سے دعویدار خلافت تھے بادشاہ نے اس جواب کو پسند کیا اور جناب شیخ کی تعریف کی اور کہا آپ مجھے بتایئے حقیقت ونتیجہ ان لوگوں کا جو درپے خلافت ہوئے۔

جناب شیخ نے جواب دیا کہ ان نقصان پانے والوں کی حقیقت یہ ہے کہ امت کا اتفاق واقع ہے۔

قصّہ سورہ برات پر اور وہ قصّہ مشتمل ہے متغلب اوّل (ابوبکر) کے نکلنے پر دائرہ اسلام سے کیونکہ اس کو حضرت خیر الانامؐ سے کوئی نسبت نہیں ہے اور اس میں اشارہ ہے ولایت علی ابن ابیطالبؑ کے آسمان سے نازل ہونے کا بادشاہ نے دریافت کیا کہ اس قصّہ کی تفصیل فرمایئے۔

جناب شیخ نے فرمایا کہ ناقلان آثار واخبار یعنی دوست دشمن اسبات پر متفق ہیں کہ جب سورہ برات نازل ہوئی تو حضرت رسالتؐ پناہ نے ابوبکر کو طلب فرمایا اور اس سے ارشاد فرمایا کہ یہ سورہ لیکر مکہ میں جاؤ اور موقع حج پر اس کو اہل مکہ تک میری جانب سے پہونچاؤ۔

ابوبکر سورۂ برات کو لیکر چلدیا جب تھوڑا سا راستہ طے کیا تھا تو جبرئیلؑ نازل ہوئے اور عرض کیا یا محمدؐ یقیناً خدائے تعالیٰ آپ کو تحفہ سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے لا یؤدّی عنک الا انت او رجل منک۔ کہ سورۂ برات کو یا تو آپ کفار کو پہونچائیں یا ایک ایسا مرد پہونچا سکتا ہے جو آپ میں سے ہو"

پس آنحضرتؐ نے حضرت امیرؑ کو حکم دیا کہ اپنے کو ابوبکر تک پہونچائیں اور سورہ برات کو اس سے لیکر موسم حج میں اہل مکہ تک پہونچائیں (مقام غور ہے) کہ جب حدیث مذکور کے موافق ابوبکر حضرت پیغمبرؐ سے نہیں ہے تو یقیناً ان کا تابع (بھی) نہ ہوگا۔ اس پر قول حق تعالیٰ شاہد ہے فمن تبعنی فانہٗ منّی جو میرا اتباع کرے گا وہ مجھ سے ہے۔

اور جب ابوبکر تابع نہ ہوا تو انکا محبّ ودوستدار بھی نہ ہوگا اس کے لئے آیۂ قرآنیہ آیندہ موجود ہے قل ان کنتم تحبّون اللہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ ویغفر لکم ذنوبکم۔ کہہ دو (اے رسول) اگر تم خدا کی دوستی کا دم بھرتے ہو تو تم میری پیروی کرو خدا تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور جس وقت ابوبکر محبّ خدا بھی نہ ٹھیرا تو مبغض "دشمن" ہوگا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ نبی کی محبت ایمان اور ان کی دشمنی کفر ہے۔ اور اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ جناب رسول اللہؐ سے ہیں اگرچہ اس کے علاوہ اور احادیث بھی اسباب میں اچھی طرح دلالت کرتی ہیں منجملہ ان کے خود مخالفین "اہل سنت" نے قول جناب باری کی تفسیر میں کہا ہے افمن کان علیٰ بیّنۃٍ من ربہٖ ویتلوہُ شاھدٌ منہ ط پس آیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے دلیل واضح بنکر آیا ہو اور اس کی جانب کا ایک گواہ اس کے پیچھے ہی ہو۔

اس آیت میں مراد صاحب بینہ حضرت پیغمبر خدا صلعم ہیں اور مراد اس گواہ سے جو ان کے پیچھے آنے والا ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔

نیز مروی ہے آنحضرت صلعم سے کہ فرمائی آپ نے طاعة علیؑ کطاعتی ومعصیة مکعصیتی علی کی فرمانبرداری میری فرمانبرداری ہے اور اس کی نافرمانی میری نافرمانی ہے مروی ہے کہ جنگ احد میں حضرت جبرئیلؑ نے حضرت امیر علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ شہسوار معرکہ لافتیٰ ومبارز میدان ھل اتی حضرت رسالت مآبؐ کے سامنے جہاد کر رہے ہیں جبرئیل نے عرض کیا۔ یا محمدؐ یہ تو انتہا درجہ کی ماری و جانبازی ہے جس کو علیؑ بن ابی طالبؑ آپ کی نصرت میں بجالا رہے ہیں۔

حضرت پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا اے جبرئیل انہٗ منی وانا منہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔

پس جبرئیلؑ نے عرض کیا ''وانا منکما اور میں آپ دونوں سے ہوں۔''

پس جس شخص کو خدائے تعالیٰ نے اپنی کتاب مبارک (قرآن مجید) کی ایک آیہ کے پہونچانے میں بھی امانت دار نہ سمجھا تو اس میں یہ کہاں قابلیت ہے کہ وہ تمام آیات کتاب کریم کو پہونچا سکے۔ مگر تمام امت رسول عظیم اس کو (ابوبکر) محفوظ امین۔ امام جانتی ہے پس وہ کیونکر امین ہوسکتا ہے تمام دین آلہی کے پہونچانے میں حالانکہ خدائے تعالیٰ نے سات آسمانوں پر سے معزول کر دیا اور کیونکر وہ شخص مظلوم نہ ہوگا کہ جس کی ولایت سات آسمانوں سے نازل ہوئی اور ایک غیر حقدار نے اس کو اچک لیا۔ بادشاہ نے فرمایا کہ جو کچھ آپ نے فرمایا یہ سب روشن و واضح ہے۔ اس وقت بادشاہ کے ایک مقرب نے جس کا نام ابوالقاسم تھا اور بادشاہ کے پاس ہی کھڑا تھا اس نے بادشاہ سے اجازت طلب کی جناب شیخ سے سوال کرنے کی۔ پس جب اس کو اجازت مل گئی۔ تو اس نے کہا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ یہ امت ضلالت وگمراہ پر مجتمع ہو حالانکہ حضرت رسالت پناہؐ نے فرمایا ہے لا تجتمع امتی علیٰ الضلالة ''ترجمہ الفاظ ظاہری۔ میری امت گمراہی پر کبھی مجتمع نہ ہوگی۔

حضرت شیخ نے جواب دیا کہ امت زبان عرب میں جماعت کے معنے میں آتا ہے اور کم سے کم تین آدمیوں کو امت کہہ سکتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ کمتر درجہ امت کا ایک مرد و عورت ہے۔ اور خدائے تعالیٰ نے ایک ہی فرد کو امت سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے فرمایا ہے۔ انّ ابراھیم کان امّہ قانتاًللّٰہ حنیفاً یقیناً حضرت ابراہیمؑ ایک ہی فرد تھے خاموش اور اطاعت میں پختہ''

اور حضرت رسالتؐ نے قیس نامی اکیلے کو امت فرمایا۔ چنانچہ یوں فرمایا۔ رحم اللّٰہ قیساً یحشر یوم القیامة امةً وحدہٗ اللہ تعالیٰ قیس پر مہربانی کرے وہ بروز قیامت تن تنہا محشور ہوگا۔

پس جس صورت میں مذکورۂ بالا حدیثؔ (لاتجمع) کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے ممکن ہے کہ

مراد (لفظ امت سے) ذاتِ امیر المومنینؑ اور ان کے تابعین ہوں۔ سائل نے کہا کہ ظاہر تو مناسب یہی ہے کہ اس حدیث سے سواد اعظم اولین جو بلحاظ تعداد زیادہ ہیں۔ جناب شیخ نے فرمایا کہ ہم نے کثرت کو چند مقامات پر کلام الٰہی میں مذموم (برا) پایا ہے اور قلت (کمی) کو محمود (اچھا) چنانچہ

(۱) آیہ لا خیر فی کثر من جنوبیٰ ھم ''ان کی زیادہ سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

(۲) ولا کنّ اکثرھم لا یومنون لیکن ان میں سے اکثر ایمان ہی نہیں لاتے۔

(۳) ولا کنّ اکثر ھم لا یجھلون۔ لیکن ان میں سے اکثر جاہل ہیں۔

(۴) ولا کنّ اکثرھم فاسقون۔ لیکن اکثر ان میں فاسق ہیں۔

(۵) الذین آمنوا وعلموا الصالحات وقلیل۔ باہم جو لوگ ایمان لائے انہوں نے اچھے کام کئے اور ایسے افراد تو تھوڑے ہیں۔

(۶) قلیلٌ من عبادی الشکور۔ میرے شکرگذار بندے تھوڑے ہیں۔

(۷) مامن معہٗ الّا الخ۔ اس (پیغمبر) پر تھوڑے سے لوگ ایمان لائے۔ اور اسی تخصیص کی تائید خدائے تعالیٰ اس آیندہ آیت، میں دوبارہ امت حضرت موسیٰ فرماتا ہے کہ ومن قوم موسیٰ امّةٌ یھدون بالحق وبہٖ یعدلون ط

موسیٰ کی قوم میں سے بعض ایسے لوگ ہیں جو حق کی راہ نمائی کرتے ہیں اور حق سے فیصلہ کرتے ہیں۔

اور ہمارے پیغمبرؐ کی امت کے بارہ میں فرماتا ہے ''وممّن خلقنا امّةٌ یھدون بالحق وبہٖ یعدلون'' پس جب کلام جناب شیخ اس مقام پر پہونچا تو سائل خاموش ہوگیا اور امیر رکن الدولہ نے دریافت کیا کہ کیونکر ممکن ہے نزدیک زمانہ وفات آنحضرتؐ آخر خلقت مرتد (اسلام سے دست بردار نہ ہوگی) جب شیخ نے جواب دیا کیونکر جائز ہوگا حالانکہ خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے ومحمد الا رسول قد خلت من قبلہ کرسل اور نہیں ہیں محمدؐ مگر خدا کے رسول ایسے پہلے رسول بھی انتقال کر گئے۔

اس کے بعد فرماتا ہے افان مات اوقتل انقلبتم علیٰ اعقابکم آیا اگر وہ وفات پاجائیں یا قتل ہوجائیں تو کیا تم مرتد ہوجاؤ گے۔

اور نیز ان کا مرتد ہونا بعد وفاتِ حضرت پیغمبر خدا زیادہ عجیب نہیں ہے بنی اسرائیل کے ارتعداد سے جبکہ حضرت موسیٰؑ اپنے پروردگار سے ملاقات کے لئے گئے تھے اور حضرت ہارونؑ اپنے بھائی و اپنی قوم میں خلیفہ بنا گئے تھے۔ اور بعض ۳۰ روز کا وعدہ جو اپنی قوم سے بموجب اشارہ خداوندی کر گئے تھے اور بعدہٗ دس روز کا اور اضافہ اس مقررہ وقت میں ہوا۔ یعنی چالیس روز پورے کئے۔ آپ کی قوم نے

اس بات کی خبر ہی نہ کی اور سامری ان ہی میں سے نمایاں ہوا اور قوم کے زیورات سے ان کے لئے ایک بچھڑا بنایا اور ان سے بولا کہ یہ ہے تمہارا خدا چنانچہ نبی اسرائیل نے سامری کی پیروی کر کے گوشالہ کی پرستش کی اور حضرت ہارون خلیفہ موسیٰ کو کمزور و عاجز کر دیا بلکہ ان کے قتل کا ارادہ کیا۔ چنانچہ آیہ کریمہ بایں ام انّ القوم استضعفو نی اکادو التقبلوننی۔ اس واقعہ پر دلالت کرتی ہے اور جس وقت جائز ہوا امت موسیٰ پر۔ جو کہ پیغمبر اولوالعزم تھے۔ کہ ان کی زندگی میں چندروزہ غیبت کی وجہ سے قوم حق اسرائیل مرتد ہو جائے اور موسیٰ کے وصی کی مخالفت کریں اور سامری کی اطاعت اختیار کر کے عبادت گوسالہ پرستی کا اضافہ کریں تو کیونکر جائز نہ ہوگا اس امت پر کہ بعد وفات اپنے پیغمبر کے اس کے وصی کی مخالفت کریں یا مرتد نہ گوسالہ پرست ہو جائیں۔ بادشاہ نے براہ تعجب اور اس کلام کی خوبی کی وجہ سے کہا۔

اے شیخ کیا اس باب میں اس کلام سے زیادہ روشن اور بہتر کلام ہو سکتا ہے جناب شیخ نے عرض کیا کہ اے بادشاہ یہ بات بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے مخالف (اہل سنت) بھی امت کے درمیان وجود امام کے ضروری ہونے کے قائل ہیں اور باوجود اس کے کہتے ہیں کہ جناب رسالت مآبؐ دنیا سے سدھارے اور کسی کو اپنا خلیفہ نہ بنایا تا اینکہ امت نے اپنے ہی میں سے ایک کو خلیفہ بنالیا۔

پس اس بنا پر کہ جناب رسالت مآبؐ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا تو چاہئے کہ امت کا استخلاف جو بر خلاف عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقع ہو۔ باطل ہو اور اگر فعل امت "خلیفہ بنانا" درست ہو تو چاہئے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا۔ "یعنی خلیفہ کسی کو نہ بنایا جیسا کہ اہل سنت قائل ہیں" وہ خلیفہ ہو۔ پس اس معاملہ میں خوب سوچ بچار کر لو کہ آیا خطا کا صادر ہونا پیغمبر حق تعالیٰ سے لائق ہے یا امت سے۔

باوجودیکہ جو بات اہل خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کرتے ہیں یعنی وصیت۔ خلافت۔ اور ترک استخلاف تو آیہ آنحضرتؐ کی شان کے شایاں نہیں۔ کیونکہ ہم اک فقیر مزدور۔ گنوار کی عقل سے بعید سمجھتے ہیں کہ وہ مرجائے اور اپنے بعد کسی کے لئے وصیت نہ کرے اگرچہ اس کی متروکہ چیز ایک بیلچہ یا جھولی ہی کیوں نہ ہو۔

پس کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ حضرت پیغمبرؐ خدا دنیا سے رحلت فرمائیں اور اپنی وصیت کسی سے نہ کریں اور امت کے نظام کو کسی پر موقوف و منحصر نہ فرمائیں اور اس سے بھی زیادہ تعجب خیز یہ بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا اور ابوبکر نے مخالفت آنحضرتؐ کی عمر کو خلیفہ بنانے میں اور پھر عمر نے ابوبکر و جناب رسول اللہ صلعم کی مخالفت کی۔ خلافت کو شوریٰ کے طریقہ پر جاری کرنے میں (۶) آدمیوں کے درمیان بادشاہ نے اس کلام پر آفرین کی۔

اور پوچھا کہ اے شیخ کس مشابہت سے اس قوم نے ابوبکر کو خلیفہ بنایا اور دوسروں پر اس کو مقدم جانا۔

جناب شیخ نے عرض کیا ان "قوم والوں" کا گمان یہ ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے اس "ابوبکر" کو امت نماز کے لئے مقدم فرمایا۔ مگر یہ خبر صحیح نہیں ہے کیونکہ مخالفین نے خود اس بارہ میں اختلاف کیا ہے۔

بعض نے یوں روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے عائشہ سے کہا کہ اپنے باپ کو کہہ دو کہ وہ لوگوں کو نماز جماعت پڑھا دیں اور جب حضرتؐ کو اس بات کی اطلاع ملی تو آنحضرتؐ جناب عباس و جناب حضرت علی مرتضیٰؑ پر سہارا دیکر یعنی کاندھوں پر ہاتھ رکھا سجدے میں تشریف لے گئے اور ابوبکر کو محراب سے ہٹا دیا اور خود محراب میں کھڑے ہو گئے اور ابوبکر محراب میں آنحضرتؐ کے پیچھے رہا باقی نمازیوں نے ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔ بعض کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے حفصہ سے کہا کہ اپنے باپ کو کہدو کہ وہ لوگوں کو نماز جماعت پڑھا دے۔ اگر خبر مذکور صحیح ہوتی تو یقیناً مہاجراسبات کو انصار کے سامنے حجت پیش کرتے اور سقیفہ کے روز کمزور دلیلوں ہلکی باتوں اور سخت مقدمات سے متمسک نہ ہوتے اور علاوہ ازیں کیونکر ہم خبر عائشہ و حفصہ کو دل کر سکتے ہیں جب کہ یہ خیال ہو کہ ان کو سوائے اپنے باپ کے نفع کے اور کوئی بارہ مقصود نہ تھی حالانکہ انہوں نے قول جناب فاطمہ علیہا السلام کو باغ فدک کے باب میں لازم سچا نہ جانا باوجودیکہ حضرت پیغمبرؐ نے ان جناب کو بخش دیا تھا اور زندگی آنحضرتؐ میں کئی سال تک حضرت زہرا علیہا السلام کا قبضہ اس پر رہ چکا تھا اور علاوہ ازیں رفعت شان حضرت سیدؑ ارتکاب کذب اور تمام گناہوں سے قریب و بعید کے نزدیک کہیں بلند ہے۔ اور جب کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام و جناب امام حسنؑ و جناب امام حسینؑ اور ام ایمن نے باغ فدک کے بارے میں گواہی بھی دی لیکن ابوبکر و عمر نے حضرت امیرؑ کی گواہی کو بخیال حصول نفع رد کر دیا۔

نیز کیونکر صحیح ہو سکتا ہے خبر عائشہ و حفصہ اس لئے کہ بیٹی کی گواہی باپ کے حق میں درست نہیں ہے۔

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عورتوں کی گواہی نہیں ہے دس درہموں یا اس سے کم مقدار میں جب تک ان کے ساتھ مرد نہ ہو۔ پس بادشاہ نے کہا حق بھی ہے کہ شیخ نے فرمایا اور اہل خلاف کی تمام باتیں خلاف و باطل ہیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے دریافت کیا کہ طائفہ شیعہ نے کیونکر یقین کر لیا کہ ائمہ و خلفائے آنحضرتؐ بارہ ہیں۔

جناب شیخ نے فرمایا اے بادشاہ! امامت ایک فریضہ ہے خدائے تعالیٰ کے فرائض میں سے اور خدائے تعالیٰ نے ہر فریضہ کہ مقرر کیا ہے تو بے شک اس کو ایک عدد مخصوص سے محصور فرمایا ہے آپ نہیں دیکھتے کہ خدا نے شب و روز میں ۱۷ رکعات نماز فرض کی ہیں اور زکوٰۃ مفروضہ کو چند مخصوص و معلوم اموال میں مقرر فرمایا۔ "غلات و زر و سیم میں" اور روزہ ماہ مبارک رمضان کو سال بھر میں ایک ماہ اور حج اسلام کو عمر بھر میں ایک مرتبہ واجب قرار دیا۔

اسی طرح عدد ائمہ کو بارہ تک مقرر کیا اور جس طرح اعمال مذکور میں نہیں کہہ سکتے کہ کیون عدد

رکعات نماز مثلاً ۱۷ ریا اس سے کم نہیں ہے اسی طرح اس کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے کہ کوئی کہے کہ کس لئے تعداد حضرات ائمہ وخلفائے حضرت رسالتؐ بارہ سے زائد یا کم نہیں ہیں اور جس طرح خدائے تعالیٰ نے کسی عملِ فریضہ مذکورہ کی تعداد کو اپنی کتاب کریم میں مذکور نہیں فرمایا بلکہ حضرت رسالتؐ پناہ نے اس مخفی چیز کے رخ سے حدیث شریف کو بیان فرما کر پردہ ہٹا دیا اسی طرح عدد ائمہ ہدیٰ کتاب خدا میں ذکر نہیں کیا ہے مگر اطاعت اولیٰ الامر کا فرمان پہونچتے ہی حضرت رسالتؐ پناہ نے ان ''اولی الامر'' کی تعداد بیان فرمادی۔

بادشاہ نے کہا بیان تک تو مخالف مقدار عدد میں تمہارے موافق ہیں قرائن مذکورہ میں۔ اور موافق نہیں ہیں۔

عدد ائمہ میں شیخ نے کہا۔ مخالفین کا اختلاف ہمارے ائمہؑ کے عدد کی بابت ہمارے قول کو باطل نہیں کرتا جس طرح مخالفت یہود ونصاریٰ۔ مجوس۔ ملاحدہ۔ ''جمع ملحد۔ کافر۔ بطلان اسلام۔ یا معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں کرسکتی اور اگر کوئی بات مخالفین کی محض مخالفت کی وجہ سے باطل ہو جایا کرتی تو پھر کوئی چیز پایۂ ثبوت ہی کو نہ پہونچتی کیونکہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس کے علم میں خلاف واختلاف نہ ہو۔ بادشاہ نے اس بات کو بھی پسند کیا۔

پھر جناب شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ فرمائے امام صاحب العصرؑ کب ظہور فرمائیں گے۔

شیخ نے عرض کیا کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت امام علیہ السلام کو کسی مصلحت وحکمت کی وجہ سے لوگوں کی نظر سے غائب کر رکھا ہے پس لازم ہے کہ وقت ظہور آنحضرت علیہ السلام کو بجز ذات پروردگار کے دوسرا کوئی نہ جانے جیسا کہ حدیث میں واقع ہے کہ مثل القائم من ولدی مثل الساعة میرے فرزند القائم کی مثال قیامت کی طرح ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ نے حال قیامت کو مبہم طریقوں سے ارشاد فرمایا ارشاد ہے یسئلونک عن السّاعةِ ایّان مرساها قل علمها عند ربّی لا تجلّیها لو قتها الّا هو ثقلت فی السّمٰوات والارض لا تاتیکم الّا بغتة ط تجھ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ کب ہوگی۔ کہہ دے اے رسول اس کا علم تو میرے خدا ہی کو ہے۔

بادشاہ۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ انسان اتنے عرصہ تک دنیا میں زندہ رہے۔

جناب شیخ نے عرض کیا یہ محلِ تعجب نہیں ہے شاید بادشاہ نے نہیں سنا اس جماعت کے متعلق جو عمر کثیر دئے گئے ہیں۔

بادشاہ میں نے سنا تو ہے مگر اس کی صحت مجھ پر نہیں ہے۔

جناب شیخ۔ خدائے تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے کہ حضرت نوح پیغمبرؑ اپنی قوم کے اندر ساڑھے نو سو برس تک زندہ رہے۔

بادشاہ۔ یہ خبر تو صحیح ہے مگر ہمارے زمانہ میں احتمال ایسی بھی عمر کا نہیں ہوتا۔

جناب شیخ۔ جس چیز کو خدا ورسول خدا نے احتمال دیا ہو (اس کا ہونا لکھا ہو) یقیناً وہ حجۃ ہے اور آنحضرتؐ نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ یکون فی امتی کلّ ما یکون فی الامم السابقة حذو النعل بالنعل والقذه بالقذه میری امت میں تمام باتیں ہوں گی جو سابقہ امتوں میں ہیں وہ اور یہ ایسے مطابق ہوں گی جس طرح جوتی کا ایک تلوا ایک تسمہ دوسرے سے مطابق ہوتا ہے ''یعنی مساوات پوری ہوگی'' پس جب درازیِ عمر کا احتمال ہے تو طریقہ الٰہیہ کا جاری ہونا بغرض تحقیق عمر ہائے دراز اس امت کے لئے واجب ہے پس مناسب، یہی ہے کہ اس اجمال کا ہونا آدمی کی جنس میں مشہور ہو اور کوئی جنس حضرت صاحب الزمان علیہ السلام سے زیادہ مشکور نہیں ہے پس ہوسکتا ہے کہ طریقۂ درازی عمر آپ کے متعلق جاری ہوا ہو۔

بادشاہ۔ تم لوگ کہتے ہو کہ حضرت امام دوازدہم غائب وپوشیدہ ہیں حالانکہ نصب ''قیام'' امم کی ضرورت اس لئے ہے کہ حکام وعزت دین برپا ہو مظلوم کا انصاف چکائیں پس جس صورت میں کہ وہ غائب وپنہاں ہوں تو ان کی ضرورت نہیں رہتی۔

جناب شیخ نے عرض کیا کہ وجود امام کی ضرورت نظام عالم کے باقی رہنے کے لئے ہے حدیث میں ہے لولا الامام لما قامت السمٰوات والارض ولما نزلت السماءُ قطرةً ولا اخرجت الارض برکتها۔ اگر وجود امام نہ ہو تو آسمان وزمین قائم نہ رہیں۔ اور آسمان سے بارش کا ایک قطرہ نہ گرے اور زمین اپنی برکتیں۔ غلات سبزیاں میوے وغیرہ۔ نہ نکالے۔ جناب باری جناب رسول اللہ صلعم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے وما کان اللّٰه ان یعذبهم وانت فیهم جب تک اے رسولؐ آپ کا وجود ان ''امتیوں میں'' ہے خدا ان پر عذاب نازل نہ کرے گا۔ پس جب ان لوگوں پر تا وجود نبیؐ عذاب نہ ہوگا اسی طرح ان پر تا؛ جود امام بھی عذاب نہ ہوگا کیونکہ امام نبیؐ کا قائم مقام ہے تمام باتوں میں مثل نام نبوت۔ ونزولِ وحی کے۔ اور ناقلانِ اخبار کا اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ النّجوم امان لاهل السماء فاذا هبت النجوم اتیٰ اهل السماء ما یکرهون واهل بیتی امان لاهل الارض فاذا اهلک اهلبیتی اتیٰ اهل الارض ما یکرهون ط یقیناً ستارے تو اہل آسمان کے لئے باعث امن وامان ہیں پس، جس وقت ستارے غائب ہو جائیں گے تو اہل آسمان کو مکروہ باتیں پیش آئیں گی۔ ''مصیبتیں'' اور میرے اہل بیتؑ زمین والوں کے لئے باعث امان ہیں پس جس وقت میرے اہل بیت کا وجود دنیا میں نہ رہے گا تو زمین والوں کو بھی مکروہ باتیں پیش آئیں گی۔ اور یہ بھی آنحضرت ہی کا ارشاد ہے لو بقیت الارض بغیر حجة ساعةً لساخت باهلها۔ اگر زمین کسی وقت کے لئے بھی حجت خدا سے خالی ہو جائے تو تمام روئے زمین تباہ وبرباد ہو جائیں گے۔ دوسری حدیث میں بجائے ساخت کے لماجت من اهلها کما موج البحر باهله ہے۔ کہ وجود حجۃ خدا نہ ہونے کی حالت

میں زمین اس طرح موجیں مارے گی جس طرح سمندر اہل سمندر کے ساتھ موج زنی کرتا ہے۔ جب کلام شیخ اس مقام تک پہونچا تو بادشاہ نے شیخ صاحب کے ساتھ نوازش فرمائی اور سب حاضرین کے سامنے اپنا اعتقاد ظاہر کیا اور فرمایا کہ جن باتوں کا یہ فرقہ ''امامیہ'' قائل ہے وہ حق ہیں اور دوسرے (مخالف) باطل ہیں۔

اور بادشاہ نے جناب شیخ سے التماس کی کہ آپ اکثر اوقات میری مجلس میں تشریف لایا کریں۔ دوسرے روز جبکہ بادشاہ رکن الدولہ تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے جناب شیخ کو یاد کیا اور آپ کی بہت ہی تعریف کی۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ شیخ صاحب کا گمان ہے کہ سر جناب سید الشہداء علیہ السلام نیزہ پر تلاوت سورہ کہف کرتا تھا۔

بادشاہ۔ یہ بات تو میں نے ان ''جناب شیخ'' سے نہیں سنی مگر میں ان سے دریافت کروں گا تب بادشاہ نے اس امر کے متعلق جناب شیخ کی خدمت میں رقعہ لکھا۔

یہ رقعہ جب شیخ کی نظر سے گذرا تو آپ نے اس کے جواب میں لکھا کہ اس روایت کو لوگوں نے نیزہ دار سر حضرت سید الشہداء سے سنا ہے وہ کہتا تھا کہ یہ سر اقدس چند آیات کی تلاوت کرتا تھا لیکن حضرات ائمہؑ میں سے کسی نے یہ روایت نہیں بیان فرمائی مگر میں اس واقعہ کا منکر نہیں ہوں بلکہ اس کو سچ جانتا ہوں کیونکہ جب یہ جائز ہے کہ بروز قیامت گنہگاروں کے ہاتھ پاؤں بولنے لگیں گے جیسا کہ قرآن پاک میں سورۂ یٰسین میں واقع ہے۔ **الیوم نختم علیٰ افواھھم وتکلمنا ایدیھا وتشھد ارجلھم بما کانو یکسبون** ''آج ہم مہر لگا دیں گے انسانوں کے دہنوں پر اور کلام کریں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں ان افعال کی جس کے وہ مرتکب تھے'' تو اسی طرح جائز ہے کہ سر حضرت سید الشہداء علیہ السلام کہ خلیفہ خدا اور امام جملہ مسلمین اور سردار جوانان اہل بہشت کی ایک فرد ہیں جن کے جد نامدار حضرت محمد مصطفیٰ۔ پدر عالی وقار حضرت علی مرتضیٰ مادر بزرگوار حضرت فاطمۃ الزہراؑ ہیں وہ اگر بولے ہوں اور زبان مبارک کو تلاوت قرآن مجید میں کھولا ہو تو کیا تعجب ہے مگر اس بات کا انکار فی الحقیقت قدرت خدا کا انکار ہے اور فعل رسالت مآب کا اور تعجب تو اس شخص سے ہے جو کہ اس بزرگوار یعنی حسینؑ نامدار کے ماتم میں ملائکہ کے رونے آسمان سے قطرات خون کے نازل ہونے جنات (مرد وزن) کی نوحہ گری وغیرہ صدر وافعا کا تو اقرار کرے اور تلاوت سورۂ کہف کا انکار کرے اور جو شخص کہ ایسی روایات کا باوجود ان کے طریق کے سند صحیح ہونے کے انکار کرے ایسا ہے کہ اس نے تمام شرائع معجزات رسولؐ۔ جملہ امور دین و دنیا کا انکار کیا ہے۔ کیونکہ مذکورہ باتیں ابھی ہم تک انہیں۔ سندوں طریقوں کے ساتھ پہونچی ہیں اور انکار مضمون بھی درجۂ حجت تک پہونچتا ہے خدائے واحد کا شکریہ ہے۔

الشیخ الاجل السعید ابو عبداللہ محمد بن نعمان ابن رثی الملقب بالمفید علیہ الرحمۃ.

آپ ایسے افادیت پناہ ہیں کہ عقل مستفاد آپ کی قوت قدسیہ سے مستفید ہے۔ اور آپ کی فلک پیمائے قوت فکریہ فرشتوں کے ساتھ ہمکلام ہے۔ آپ قدسی خمیر۔ دل مجتہد اور متکلم تحریر ''ابرئے'' تھے۔ نیز آہنگ شاہباز اور کھلم کھلا فاتح جنگ ''اسلام'' ان کے مناظرہ کے عرب سے فرقۂ اشاعرہ گوشۂ تنہائی میں چھپے ہوئے اور گوشہ نشینوں کا حال ان کے مباحثہ کے ڈر سے گریہ وشغال 'دیلمی گیبور' کی طرح تھا۔ امیر وسام بن میر ابو بواس رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعہ میں لکھا ہے کہ اصل میں جناب شیخ عسکر کے رہنے والے تھے۔ بچپنے میں اس مقام سے اپنے باپ کے ساتھ بغداد میں آئے اور ابی عبداللہ معروف بجعلی جو دروازۂ ریاح بغداد میں سکونت پذیر تھے ان سے اعلیٰ استفادہ حاصل کرنے میں مشغول ہوئے بعد ازاں ابی یاس کے درس میں (جو دروازۂ خراسان ''بغداد میں'' درس (دیا کرتے تھے) رجوع کی ابو یاس میں جب ان کے بحث ومباحثہ میں۔ پورا نہ اتر سکا تو ان سے اس نے کہا کہ تم علی بن عیسیٰ زمانی کے پاس جو کہ بزرگ ترین علمائے کلام سے ہیں ان سے کچھ نہیں پڑھتے اور فائدہ حاصل نہیں کرتے اس نے کہا میں اس کو نہیں پہچانتا اور کوئی اس کی آشنائی کے لئے وسیلہ بھی نہیں پس ابو یاس نے اپنے اصحاب میں سے ایک شخص کو اس کے ہمراہ کیا اور خدمت زمانی میں ان کو بھیجا اور چونکہ اس کی مجلس فاضلین سے پر تھی جو جوتیوں کی صف میں، بیٹھ گیا اور جوں جوں مجلس کے آدمی کھسکتے جاتے تھے دوں دوں جناب شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ اور نزدیک ہوئے جاتے تھے کہ بعض مسائل کا استفادہ کریں کہ اسی اثناء میں ایک بصری آیا اس نے دریافت کیا کہ تم حدیث غدیر اور قصہ غار کی بابت کیا کہتے ہو۔ زمانی نے کہا خبر غار درایت (عقلی) ہے اور جز غدیر روایت ہے۔ اور جو بات دایت سے حاصل ہوتی ہے وہ روایت سے حاصل نہیں ہوتی اور جو روایت سے حاصل ہوتی ہے وہ درایت سے نہیں حاصل ہوتی اور چونکہ وہ بصری زمانی کی بات کا جواب نہ دے سکتا تھا اٹھکر باہر چلا گیا۔ اب مجھے (شیخ مفید تاب سکوت باقی نہ رہی۔ ناچار میں آگے بڑھا اور میں نے کہا اے شیخ میں ایک بات پوچھتا ہوں زمانی کہو۔ میں (شیخ مفید) تم کیا کہتے ہو اس شخص کے بارہ میں جو امام عادل کے ساتھ خروج کرے۔ اور اس نے جنگ بھی کی ہو۔ زمانی وہ شخص کافر ہے۔ پھر اس نے ذرا سوچکر کہا وہ کافر نہیں فاسق ہے۔ میں تم حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ زمانی وہ امام ہیں۔ میں دربارہ طلحہ وزبیر اور فتنۂ جمل جو انہوں نے برپا کیا تھا اس کے بارہ میں تم کیا کہتے ہو۔ زمانی انہوں نے اصحاب جمل طلحہ وزبیر عائشہ وغیرہ) نے توبہ کر لی تھی۔ میں خبر لڑائی کی درایت ہے۔ اور حدیث توبہ روایت۔ زمانی روایت روایت کے ساتھ برابر ہو گئی۔ اور تمہارے سوال تو ارد ہے (باقی ہے) زمانی آپ کون ہیں اور اس شہر کے کون سے عالم کے پاس درس حاصل کرتے ہیں۔ میں ابو عبداللہ جبلی کے پاس پڑھتا ہوں زمانی تم اپنی جگہ پر بیٹھے رہو اور گھر میں گیا۔ اور لحظہ بھر کے بعد ایک رقعہ نکالا مہر شدہ اور بولا۔ یہ رقعہ شیخ ابو عبداللہ کو پہونچا دینا میں وہ رقعہ لے کر شیخ مذکور کی خدمت میں پہونچا۔ انہوں نے رقعہ کو کھولتے ہی پڑھنا شروع کیا اور پڑھنے کی حالت میں خود بخود ہنستے جاتے تھے۔ جب اس کو پڑھ چکے تو کہا کہ زمانی نے اس رقعہ میں وہ ماجرا لکھا ہے جو تم سے اس کی مجلس میں واقع ہوا۔ اور

تمہارے بارے میں مجمع وصیت (تعلیم) کی ہے اور تمہیں مفید لقب دیا ہے۔ لیکن کتاب مصابیح القلوب میں یہ حکایت دوسری طرح لکھی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ایک روز قاضی عبدالجبار معتزلی بغداد میں مجلس درس میں بیٹھا تھا اور پیشوائے فریقین تمام موجود تھے۔ شیخ مفید کہ اس زمانہ میں مجتہد العصر تھے اور قاضی مذکور نے آپ کا نام سنا تھا۔ مگر آپ کو کبھی دیکھا نہ تھا'' بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ لیکن آپ جوتیوں کی صف میں بیٹھے تھے۔ پس ایک لحظہ کے بعد قاضی سے مخاطب ہوئے اور کہا اگر تم اجازت دو تو میں ایک سوال ان پیشوایان حاضرین کے سامنے کروں۔ قاضی نے کہا پوچھئے۔ آپ نے دریافت کیا کہ آیا حدیث من کنت مولاہ فھذا علیؑ مولاہ جس کو شیعہ روایت کرتے ہیں کیا جناب پیغمبر خدا صلعم نے بروز غدیر فرمائی ہے یا شیعوں نے گھڑلی ہے۔ قاضی خبر یقیناً صحیح ہے۔ جناب مفید جب حدیث صحیح ہے تو لفظِ مولا سے کیا مراد ہے۔ قاضی (مولا کے معنی) اولیٰ ہیں۔ جناب مفید پس یہ اختلافات اور جھگڑے کیسے ہیں۔ قاضی اے بھائی یہ خبر روایت ہے۔ اور ابوبکر کی خلافت درایت ہے۔ اور مرد عاقل روایت کے ہوتے ہوئے درایت کو ترک نہیں کرتا۔ جناب مفید نے اس مسئلہ کو تو چھوڑا اور دریافت کیا کہ تم اس حدیث کے متعلق کیا کہتے ہو کہ جناب رسول خدا صلعم نے حضرت علیؑ کے لئے فرمایا ہے یا علیؑ حربک حربی وسلمک سلمی۔ قاضی یہ تو صحیح ہے۔ پس اصحاب جمل کے بارہ میں تم کیا کہتے ہو۔ یقیناً وہ تمہارے اسی قول کے مطابق کافر تھے۔ قاضی اے بھائی انہوں نے توبہ کر لی تھی۔ جناب مفید نے قاضی خبر حرب (جنگ درایت ہے امور توبہ روایت ہے اور تم نے حدیث غدیر کی تقریر کے موقع پر کہا تھا کہ مرد عاقل درایت کے ہوتے ہوئے روایت کو نہیں لیتا۔ قاضی یہ سنکر حیران رہ گیا اور ایک ساعت تک اپنے سر کو جھکائے رہا۔ بعد ازاں سر اٹھایا اور بولا تم کون ہو۔ جناب [
مفید میں تمہارا خادم محمد بن نعمان الحارثی قاضی یہ سن کر کھڑا ہو گیا۔ اور جناب مفید کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر لا بیٹھایا اور بولا انت المفید حقاً حقیقۃ فائدہ رساں شیخ تمہیں ہو۔ اہل مجلس کو یہ بات اچھی معلوم نہ ہوئی اور بہت رنجیدہ ہوئے اور چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ قاضی نے ان سے کہا کہ اے دین کے عالمو۔ فاضلو۔ اس شخص (جناب مفید) مجھے ملزم قرار دیا۔ چنانچہ میں ان کی بات کا جواب نہیں رکھتا اگر تم اس بات کا جواب رکھتے ہو تو دو۔ تاکہ وہ یہاں سے اٹھ کر اپنی جگہ جا بیٹھے۔ اس واقعہ کے بعد یہ خبر سلطان عضدالدولہ کو پہونچی اس نے جناب مفید کو بلوایا اور یہ ماجرا ان کی زبانی سنا۔ اس کے بعد بادشاہ نے جناب شیخ کو مفصلہٗ ذیل انعام دیئے ایک گھوڑا خاص شاہی سواری کا جس کی ہیکل اور لگام سنہری تھا۔ ایک چوغہ۔ ایک عمدہ عمامہ۔ اور سو اشرفیاں خالص سونے کی اور ایک غلام خدمت کے لئے اور ہر روز دس من (من سے مراد سیر ہے) روٹی اور پانچ من گوشت انعام دیتا تھا۔ خدا اس پر مہربانی نازل کرے اور ہم پر بھی۔ بحق محمد و آل محمدؐ

تمت